اشرف التفاسیر

# تفسیر نعیمی

مصنف

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اسلامیہ
38۔ اردو بازار ★ لاہور

نام کتاب .................... تفسیر نعیمی (پارہ یازدہم)

مصنف .................... حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

تعداد صفحات .................... 560

کمپوزنگ .................... مسلم کمپوزنگ سنٹر 4/C داتا دربار مارکیٹ لاہور

پرنٹر .................... پیر بھائی پرنٹرز

ناشر .................... مکتبہ اسلامیہ 38 اردو بازار لاہور

# فہرست

يَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَيۡكُمۡ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ ؕ قُلۡ لَّا

عذر کریں گے وہ لوگ طرف تمہارے جب واپس ہو گے تم لوگ طرف ان کے فرما دو نیا کے حیلے

تم سے بہانے بنائیں گے جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تم فرمانا بہانے

تَعۡتَذِرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكُمۡ قَدۡ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنۡ اَخۡبَارِكُمۡ ؕ

نہ کرو ہرگز نہیں مانیں گے ہم تمہاری بیشک دے دی ہیں ہم کو اللہ نے خبریں

نہ بناؤ ہم ہرگز تمہارا یقین نہ کریں گے اللہ نے ہمیں تمہاری خبریں دیدی ہیں

وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ

اور عنقریب دیکھیں گے اعمال تمہارے اللہ اور پیغمبر اس کے پھر لوٹائے جاؤ گے تم طرف

اور اب اللہ و رسول تمہارے کام دیکھیں گے پھر اس کی طرف پلٹ کر جاؤ گے جو

الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۴﴾

جاننے والے کے چھپی کھلی خبروں کو پس خبر دے گا تم کو اس کی جو تم تھے کرتے

چھپے اور ظاہر سب کو جانتا ہے وہ تمہیں جتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے

**تعلق**: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں ان حیلے بہانوں کا ذکر ہوا جو منافقین نے مسلمانوں کے غزوہ تبوک میں جاتے وقت حضور علیہ السلام انور سے کئے تھے اب انہیں کے ان حیلے بہانوں کی غیبی خبر دی جا رہی ہے جو وہ مسلمانوں کی واپسی پر حضور انور علیہ السلام سے کریں گے کہ ہم کو فلاں فلاں مجبوریاں تھیں اس لئے اس غزوہ میں ہم نہ جا سکے گویا ایک قسم کے بہانوں کے بعد دوسری قسم کے بہانوں کا تذکرہ ہے۔

**دوسرا تعلق**: ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ غزوہ تبوک میں غیر حاضر رہنے پر پکڑ ان لوگوں کو ہے جو غنی ہونے کے باوجود آپ علیہ السلام سے اجازت لینے حاضر ہوئے اب ان پر دنیاوی پکڑ کا ذکر ہے یعنی ان کے قول و فعل کا اعتبار نہ ہونا ان کے کھلے نفاق کا ظاہر ہو جانا ان کا بدنام ہو جانا گویا یہ آیت کریمہ گذشتہ آیت کی تفسیر یا تفصیل ہے۔

**تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں بہت دور سے منافقین کی اس حرکت پر عتاب چلا آ رہا تھا کہ وہ غزوہ تبوک سے قادر ہوتے ہوئے غیر حاضر رہے حیلے بہانے بنا کر اب ارشاد ہے کہ بہانہ نہ کرو اس جرم سے مقبول توبہ کرو کہ آئندہ غزوات میں اخلاص سے شرکت کرو گے۔ وسیری اللہ عملکم ورسولہ گویا دل کے میل کا ذکر پہلے ہوا قلبی صابن کا ذکر اب ہے۔ جرم کے

بعد مقبول توبہ کا تذکرہ ہے زخم کے بعد مرہم عطا ہو رہا ہے۔

نزول: یہ آیت کریمہ ہے تو مدینہ کہ بعد ہجرت نازل ہوئی مگر مدینہ منورہ میں نازل نہیں ہوئی۔ بلکہ مقام تبوک میں یا اس کی راہ میں حضور ﷺ کے تشریف لاتے ہوئے یا واپس ہوتے ہوئے نازل ہوئی۔ جیسا کہ اس کے مضمون سے ظاہر ہے اور اس میں ایک غیبی خبر ہے جو ہو بہو پوری ہوئی (از روح البیان)

تفسیر: ویعتذرون الیکم یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں منافقوں کو آئندہ کی ایک حرکت کی غیبی خبر دی گئی ہے اعتذار درست و غلط دونوں قسم کے عذر پیش کرنے کو کہا جاتا ہے۔ یہاں غلط عذر مراد ہے یعنی جھوٹے بہانے بنانا اس کا فاعل وہی مذکورہ منافقین ہیں الیکم میں خطاب یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ضمیر کا جمع فرمانا تعظیم کے لئے ہے جیسے وانا له لحافظون اور یا سارے غازیان تبوک سے خطاب ہے چونکہ اعتذار کے معنی ہیں عذر پیش کرنا اس لئے اس کے بعد الی لایا گیا (از روح المعانی) یہ منافقین حضور انور ﷺ کے غزوہ تبوک کے لئے روانگی کے وقت بھی بہانے بناتے حاضر ہوئے تھے کہ یہ عذر ہے ہم معذور ہیں اور واپسی پر بھی کہ ہم کو فلاں عذر تھا اس لئے معذور تھے انہیں پہلے عذر پر قرار نہیں ہوا۔ جھوٹے کو جھوٹ پر خود بھی اطمینان نہیں ہوتا۔ یہ بہانہ خور منافق اسی (۸۰) سے کچھ زیادہ تھے۔ (روح البیان) اذا رجعتم الیھم یہ فرمان عالی ظرف ہے یعتذرون کا رجعتم میں خطاب یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور جمع تعظیم کے لئے یا غازیان تبوک سے چونکہ انہیں اپنے جھوٹ فریب کی وجہ سے چین و قرار نہ تھا اس لئے ہر صحابی سے معذرت کرتے تھے۔ چین سے نہ بیٹھتے تھے دن رات مسلمانوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ لطف یہ ہے کہ یہاں اذا رجعتم الیھم کے ساتھ بالمدینۃ نہیں فرمایا جس میں اشارۃً فرمایا کہ وہ لوگ مدینہ کے راستے میں ہی تم لوگوں کو ملیں گے تمہارے مدینہ پہنچنے کا انتظار نہیں کریں گے اور یہاں راستے سے ہی حیلے بازیاں شروع کر دیں گے۔ (روح البیان، معانی) قل لا تعتذروا لن نومن لکم۔ اس فرمان عالی میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے انہوں نے بہانہ بازیاں خواہ صحابہ کرام سے کی ہوں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مگر بہرحال جواب حضور ﷺ سے دلوایا گیا کہ یہ حضور ﷺ ہی کا منصب تھا۔ (روح المعانی) قل کے معنی ہیں کہ آپ ﷺ ان سے کہہ دینا۔ انہیں یہ جواب دے دینا یہ معذرتیں اور ان کے جواب آئندہ ہونے والے تھے۔ نومن ایمان سے نہیں بنا بلکہ امن سے بنا بمعنی اطمینان یا یقین یعنی اے منافقو بہانہ بازیاں نہ کرو۔ کیونکہ ہم تمہاری باتوں کا یقین نہیں کریں گے۔ تمہاری یہ کوشش بے کار ہے قد نبانا اللہ من اخبارکم۔ یہ فرمان عالی وجہ ہے لن نومن کی جیسے لن نومن وجہ تھی لا تعتذروا کی نباء بنا ہے نباء سے بمعنی بڑی شاندار یعنی غیبی خبریں۔ اسی سے نبی ہے۔ بمعنی غیبی خبر دینے والا یا سب کی خبریں رکھنے والا من اخبارکم میں نہ تو زائدہ ہے کہ من زائدہ نفی میں ہی آتا ہے مثبت کلام میں نہیں آتا اور نہ بعضیت کا ہے۔ بیانیہ ہے ایک پوشیدہ چیز کا بیان اصلی عبارت یوں ہے جملۃ من اخبارکم "یعنی ہم کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری ساری خبریں دے دی ہیں (روح المعانی) یا بذریعہ وحی یا بذریعہ کشف والہام ہم تمہارے دل کی گہرائیوں کی خبر رکھتے ہیں وسیری اللہ عملکم ورسولہ یہ فرمان عالی تعتذروا (الخ) پر معطوف ہے اور قل کا مفعول لہذا واؤ عاطفہ ہے یری بنا

ہے رای سے بمعنی دیکھنا اس سے مراد علم ظہور ہے جو کسی شے کے ہو جانے کے بعد ہوتا ہے عمل سے مراد ان منافقوں کے آئندہ کے عمل ہیں توبہ کرنا، آئندہ غزوات میں شرکت کرنا وغیرہ مقصد یہ ہے کہ تم زبانی دعوے نہ کرو بلکہ آئندہ توبہ اور نیک اعمال کر کے دکھاؤ۔ تمہارے اعمال اللہ تعالیٰ بھی دیکھے گا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ ہو سکتا ہے کہ عمل جنس ہو جس میں سارے کھلے چھپے ارکانی نفسانی اور دلی اعمال مراد ہوں اور اس میں دلوں کے نفاق و اخلاص کفر و ایمان سب ہی داخل ہوں۔ ثم تردون الی عالم الغیب و الشهادة اس فرمان عالی میں قیامت کا ذکر ہے تردون سے مراد ہے کہ تم لوگ یہاں دنیا سے واپس ہو کر بارگاہ الٰہی پیش کئے جاؤ گے۔ وہاں کچھ بنائے نہ بنے گا۔ کیونکہ حاکم ہر چھپی کھلی چیز کو جاننے والا ہے لہٰذا یہاں ہی اپنے کو درست کر لو۔ فینبئکم بما کنتم تعملون اس وقت رب تعالیٰ تم کو تمہارے سارے کھلے چھپے اعمال بتائے گا جتائے گا پھر اس پر سزا و جزا دے گا ما کنتم میں ما یا تو موصولہ ہے یا مصدریہ عمل سے مراد دنیا کے اعمال ہیں۔ جن کی سزا و جزا ملتی ہے خیال رہے کہ قیامت میں لوگوں کو ان کے اعمال کی خبر دینا نامہ اعمال دکھانا ان سے اقرار کرانا فرشتوں کا کام ہو گا مگر چونکہ یہ سب کچھ رب تعالیٰ کے حکم سے ہو گا اس لئے یہاں ینبئکم کا فاعل رب تعالیٰ ہوا یہ بھی خیال رہے کہ یہ خبر دینا کسی کے لئے علانیہ ہو گا کسی کے لئے خفیہ کسی کے لئے نیک اعمال کی خبر دینا علانی ہو گا۔ گناہوں کی خبر خفیہ یہ معاملہ حضور انور ﷺ کی امت سے ہو گا کہ ان کی نیکیوں کا حساب ظاہر ظہور ہو گا۔ گناہوں کا خفیہ تاکہ بدنام نہ ہوں۔ کہ اگرچہ گنہگار ہیں مگر محبوب کی امت ہیں۔ شعر

جو یہاں عیب کسی کے نہیں کھلنے دیتے      کب وہ چاہیں گے میری حشر میں رسوائی ہو

یہ کرم نوازی دنیا میں بھی ہو رہی ہے شان ستاری کی جلوہ گری ہے۔

**خلاصہ تفسیر:** اے غزوہ تبوک کے غازیو۔ صحابیو۔ ہمارے محبوب پر اپنی جانیں چھڑکنے والو ہم تم کو آج ہی غیبی خبر دے دیتے ہیں کہ جب تم یہاں سے واپس ہوؤ گے تو وہ منافقین جو حیلے بہانے بنا کر رہ گئے ہیں راستہ ہی میں تم سے آ ملیں گے اور طرح طرح کے حیلے بہانے پھر بنائیں گے کہ ہم کو تمہارے ساتھ نہ جانے کا بہت افسوس ہے۔ ہم کو فلاں فلاں عذر تھے۔ جب ایسا ہو تو اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان سے صاف صاف فرما دینا کہ بس بہانے نہ بناؤ۔ کیونکہ ہم تمہاری ایک بات بھی نہ مانیں گے کیسے مانیں ہم کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری ساری کھلی چھپی حالت کی خبر دے دی۔ ہم تمہارے دلوں کے اسرار جانتے ہیں۔

اے فروخت صبح آثار و دہور      چشم تو بینندہ مافی الصدور

سر عرش پر ہے تری گذر      دل فرش پر ہے تیری نظر

ملکوت و ملک میں کوئی شئی      نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

اب تمہارے متعلق فیصلہ یہ ہے کہ آئندہ اپنے حالات سنبھالو۔ اعمال درست کرو آئندہ باتیں نہ بناؤ تمہارے ہر کھلے چھپے عمل اللہ تعالیٰ بھی دیکھے گا اور اس کا رسول بھی صلی اللہ علیہ وسلم پھر آخر کار تم یہاں دنیا سے اپنے اصل کی طرف لوٹو گے پھر

وہ اللہ جو کھلی چھپی خبروں کو جاننے والا ہے تم کو تمہارے اعمال کی خبر دے گا۔ کہ تم نے فلاں فلاں وقت یہ کام کئے تھے تم وہاں کوئی عذر نہ کر سکو گے۔ کیونکہ حاکم علیم بھی ہے خبیر بھی اس دن کا انتظام آج ہی کر لو۔ نفاق چھوڑو۔ اخلاص اختیار کرو۔ گزشتہ کوتاہیوں کا کفارہ آج ہی کر لو۔

آج کچھ کرلو عبادت ورنہ کل روز قیام سامنے حق کی خجالت ہوگی تم کو لا کلام

پرسش اعمال خالق جس گھڑی فرمائے گا مال دولت جاہ وحشمت کچھ نہ واں کام آئے گی

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ حضور انور ﷺ کے صدقے سے حضور ﷺ کے خدام کو آئندہ ہونے والی خبروں کی پہلے سے خبر دے دیتا ہے۔ یہ فائدہ یعتذرون (الخ) سے حاصل ہوا کہ رب نے تبوک یا تبوک کی راہ میں ہی حضرات صحابہ کرام کو منافقین کے اگلے بہانے بنانے کی خبر دے دی آج بھی بعض اولیاء کو آئندہ واقعات پر پہلے ہی مطلع فرما دیا جاتا ہے اس کا اصل یہ ہی آیت ہے۔

**دوسرا فائدہ:** منافقین کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہ تھا۔ مسلمانوں کا خوف تھا یہ فائدہ الیکم فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہ لوگ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ نہیں کرتے تھے۔ مومنین کی خوشامد کرتے تھے اپنا نفاق چھپانے کے لئے۔

**تیسرا فائدہ:** تبوک سے واپسی کے موقعہ پر منافقین راستہ میں ہی مسلمان سے جا ملے تھے عذر کرنے کے لئے زیادتی خوف کی وجہ سے یہ فائدہ اذا رجعتم الیھم سے حاصل ہوا کہ یہاں الی المدینۃ نہ فرمایا۔

**چوتھا فائدہ:** جھوٹے کو چین نہیں آتا اپنا عیب چھپانے کے لئے مختلف تدبیریں کرتا رہتا ہے۔ اور ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں میرے راز نہ کھل جاویں۔ یہ فائدہ بھی یعتذرون (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقین غزوہ تبوک سے روانگی کے وقت بھی بہانے بنا چکے تھے مگر پھر بھی انہیں چین نہ آیا واپسی پر پھر مسلمانوں کے پاس راستہ میں جا ملے اور جو خوشامد بہانہ کرنے لگے۔

**پانچواں فائدہ:** بارگاہ نبوت میں اپنی سچائی ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں انہیں سب کے متعلق سب کچھ ہی معلوم ہے وہاں شیخی نہ کرو بلکہ توبہ کرو۔ یہ فائدہ لا تعتذروا (الخ) سے حاصل ہوا۔ شعر

یارسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام ہجوم کا ہی آدم کو بے گناہ آوردہ ام

**چھٹا فائدہ:** اللہ کے بندوں کے پاس جا کر توبہ کرنا بہت اچھا ہے قبولیت کا ذریعہ۔ دیکھو یہاں ان منافقین کے حاضر بارگاہ ہونے پر اعتراض نہیں کیا گیا۔ بلکہ بہانے پر اعتراض ہوا۔ رب فرماتا ہے **ولو انھم اذظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ** اور فرماتا ہے **ادخلوا الباب سجدا وقولو حطۃ**۔

**ساتواں فائدہ:** جیسا گناہ ویسی توبہ لہٰذا برے کاموں کی توبہ آئندہ اچھے کاموں سے ہونی چاہئے۔ دیکھو یہاں ارشاد ہوا کہ آئندہ تمہارے کام اللہ رسول دیکھیں گے یعنی دیکھا جاوے گا کہ تم اب کیا کرتے ہو۔ اس جرم کا کفارہ اچھے اعمال سے کرتے ہو یا نہیں۔

آٹھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے ہر عمل کو دیکھ رہے ہیں ان سے کسی کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔ یہ فائدہ وسیر اللہ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یخفی علی رکوعکم وسجودکم وخشوعکم مجھ پر تمہارے رکوع سجدے دل کے عجز و انکسار مخفی نہیں۔

نواں فائدہ: خدا تعالیٰ کے نام سے حضور انور ﷺ کا نام ملانا جائز بلکہ سنت الہیہ ہے یہ فائدہ بھی وسیر اللہ عملکم ورسولہ سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے اغناھم اللہ ورسولہ من فضلہ یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ رسول بھلا کریں اللہ رسول نے ہم کو غنی کر دیا۔ وغیرہ۔

دسواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات شریف کے بعد بھی ہر ایک کا ہر عمل دیکھ رہے ہیں یہ فائدہ بھی سیر اللہ عملکم ورسولہ سے حاصل ہوا۔ اس لئے کہ یہ آیت غزوات تبوک کے موقعہ پر نازل ہوئی جس کے بعد حضور انور ﷺ نے کوئی غزوہ نہیں کیا اب خلفاء راشدین کے زمانہ میں ہی غزوات ہوتے تھے یہ منافقین ان میں شرکت کر کے اس جرم کا کفارہ کر سکتے تھے ان کے متعلق ارشاد: ا سیر اللہ اعملکم ورسولہ تمہارے وہ عمل اللہ رسول دیکھیں گے یہ بات خوب ذہن نشین کر لینی چاہئے۔

گیارھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے کام خود رب تعالیٰ کے کام ہیں یہ فائدہ فینبئکم (الخ) سے حاصل ہوا۔ کیونکہ قیامت میں انسانوں کا حساب کتاب ان کے اعمال کی خبریں دینا یہ سب کچھ فرشتے کریں گے مگر فرمایا گیا کہ رب تعالیٰ کو خبر دے گا۔

پہلا اعتراض: منافقین غزوہ تبوک میں جاتے وقت ہی حیلے بہانے کر چکے تھے۔ جیسا کہ گذشتہ آیات سے ظاہر ہے۔ پھر ان کے متعلق کیوں ارشاد ہے کہ وہ بہانے کریں گے۔ ماضی کو مستقبل کیوں بنایا گیا۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ وہ لوگ اگرچہ پہلے بھی بہانے کر چکے تھے مگر اپنے جھوٹے ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں کو قرار نہ تھا اسی بے قراری کی وجہ سے غازیوں کی واپسی پر بھی از روئے جھوٹی خوشامد ان کو راضی کرنے کے لئے بہانے بناتے پہنچنے والے تھے۔ اس کی غیبی خبر اس آیت میں ہے گذشتہ آیات میں اور قسم کے بہانوں کا ذکر تھا۔ یہاں دوسری قسم کے بہانوں کا ذکر ہے۔

دوسرا اعتراض: یہاں رجعتم الیھم کیوں ارشاد ہوا الی المدینہ کیوں نہ فرمایا گیا۔

جواب: اس لئے کہ بہت سے منافق غازیوں سے راستہ ہی میں مل کر حیلے بہانے کرنے والے تھے اور بعض منافق غازیوں کے مدینہ منورہ پہنچنے پر ان دونوں صورتوں کو شامل فرمانے کے لئے الیھم فرمایا فی المدینہ نہ فرمایا۔

تیسرا اعتراض: اس واقعہ کی خبر پہلے سے کیوں دے دی گئی جب وہ بہانے بناتے تب ہی یہ آیت نازل ہوتی۔

جواب: ان منافقوں کو زیادہ ذلیل و خوار کرنے کے لئے اور اس واقعہ کی اہمیت ظاہر کرنے کو جیسے سیقول السفھاء من الناس ماولٰھم (الخ) تبدیلی قبلہ پر کفار کے جو اعتراض ہونے والے تھے انہیں مع جواب کے پہلے ارشاد فرمایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ: نفاق یا اخلاص یوں ہی عداوت و محبت دل کے حالات ہیں مگر یہ چیزیں زبان اور چہرے سے ظاہر ہو جاتی ہیں۔ جیسے چہرے کا غبار نہیں چھپتا یوں ہی دل کا غبار پوشیدہ نہیں رہتا بلکہ اس کی چکنی چپڑی باتیں زیادہ عذر معذرت ہی نفاق ظاہر کر دیتی ہیں اور انہیں جواب ملتا ہے **لاتعتذروا لن نومن لکم** اگر سونے والا بہت قسمیں کھا کر کہے کہ سونا کھرا ہے تو یہ علامت ہے کہ اس میں کھوٹ ہے مولانا فرماتے ہیں۔

از منافق عذر رد آمد نہ خوب — زانکہ در لب بود آں نہ در قلوب

کذب چوں خس باشد و دل چوں وہاں — خس نہ گرد و درہاں ہر گز نہاں

یعنی منافقین کے عذر صرف لب پر تھے دل میں نہ تھے۔ اس لئے نہ تو وہ توبہ بنے نہ قبول ہوئے۔ جھوٹ جھوٹ ہے دل مثل منہ کے ہے۔ منہ پر کوڑا نہیں چھپتا۔ دل کا کوڑا بھی نہیں چھپتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسی چھانی عطا فرماتا ہے جس سے وہ سچے جھوٹے کو چھان لیتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عذر احمق بدتر از جرمش بود — عذر نادان زہر ہر دانش بود

عذر کی کسوٹی آئندہ کے اعمال ہیں کہ فرمایا گیا **وسیری اللہ عملکم ورسولہ** اس آیت نے حق و باطل میں فرق کرنے کا ذریعہ بتا دیا اچھوں کے آستانہ پر بری باتیں اور زیادہ بری ہوتی ہیں کہ یہ ڈبل گناہ بن جاتی ہیں جھوٹ اور پھر کہاں چوں کے اچھوں کے سامنے رب تعالیٰ اپنے بنائے اور اچھوں کے آستانوں پر اچھی باتیں کرنے کی توفیق دے وہاں تو یہ چاہئے نہ کہ جھوٹے عذر۔

| |
|---|
| **سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا** |
| عنقریب قسمیں کھائیں گے وہ اللہ کی واسطے تمہارے جب کہ لوٹو گے تم طرف ان کے تاکہ منہ |
| اب تمہارے آگے اللہ کی قسم کھائیں گے جب تم ان کی طرف پلٹ جاؤ گے اس لئے کہ |
| **عَنْهُمْ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰىهُمْ** |
| پھیرو تم ان سے پس منہ پھیرو تم ان سے تحقیق وہ گندے ہیں اور ٹھکانہ ان کا |
| ان کے خیال میں نہ پڑو تو ہاں تم ان کا خیال چھوڑ دو وہ تو بڑے پلید ہیں اور ان کا ٹھکانا |
| **جَهَنَّمُ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ** |
| دوزخ ہے سزا اس کی جو وہ کمائی کرتے تھے قسم کھائیں گے |
| جہنم ہے بدلہ اس کا جو کماتے تھے تمہارے آگے قسمیں کھاتے ہیں کہ |

| |
|---|
| لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ |
| وہ واسطے تمہارے تا کہ راضی ہو جاؤ ان سے پس اگر راضی ہو جاؤ تم ان سے پس تحقیق اللہ |
| تم ان سے راضی ہو جاؤ تو اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ تو بے شک اللہ تو فاسق |
| لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾ |
| راضی نہیں ہوتا قوم بدکار سے |
| لوگوں سے راضی نہ ہو گا |

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں منافقین کے جھوٹے حیلوں بہانوں کا ذکر تھا اب ان کی جھوٹی قسموں کا تذکرہ ہے جو خود مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے اپنے متعلق کھاتے تھے۔ یا بعد غزوہ تبوک کھانے والے تھے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں منافقین کے ایک گناہ کا ذکر تھا یعنی جھوٹے حیلے بہانے بنانا اب اس بڑے جرم کا ذکر ہے یعنی اس جھوٹ پر جھوٹی قسم کھانا۔ رب تعالیٰ کو اس پر ضامن بنانا رب کے نام کی توہین کرنا۔

**تیسرا تعلق:** آیات میں مدینہ منورہ میں رہنے والی منافقوں کی آئندہ حرکت کی غیبی خبر دی گئی تھی کہ وہ لوگ طرح طرح کے بہانے بنائیں گے اب دیہاتی منافقوں کی خبر دی جارہی ہے کہ جب آپ لوگ بخیریت مدینہ منورہ پہنچ جاویں گے تو وہ لوگ حاضر بارگاہ ہو کر جھوٹی قسمیں کھائیں گے۔

**نوٹ:** یہ بات تفسیر کبیر نے فرمائی کہ اس فرمان عالی میں دیہاتی منافقوں کا ذکر ہے۔

**نزول:** سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت جد ابن قیس اور معتب ابن قشیر اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک سے واپس ہو کر ان کے مکمل بائیکاٹ کا حکم دیا تھا۔ وہ لوگ بائیکاٹ کھلوانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کے متعلق خبر دی گئی کہ اب یہ آخری مرحلے میں جھوٹی قسموں سے کام لیں گے کہ ہم فلاں فلاں مجبوری کی وجہ سے غزوہ میں شریک نہیں ہو سکے۔ مقاتل فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ عبداللہ ابن ابی منافق کے متعلق نازل ہوئی کہ اب یہ قسمیں کھا کر کہے گا کہ آئندہ جہادوں میں اپنی جماعت کے ساتھ ضرور حاضر رہا کروں گا۔ ایسا ہی ہوا (خازن وکبیر۔ روح المعانی) بہر حال یہ آیت منافقین ہی کے متعلق ہے۔

**تفسیر:** سیحلفون باللہ لکم (الخ) چونکہ منافقین کی یہ جھوٹی قسمیں آئندہ ہونے والی تھیں اس لئے اس کے اول میں سین ارشاد ہوا۔ یعنی عنقریب قسمیں کھائیں گے قسم کھانے والے کون ہیں یا تو وہ بہانہ بنانے والے منافقین جن کا ذکر پہلے ہو چکا تو مقصد یہ ہے کہ اولاً تو وہ لوگ بہانے بنائیں گے۔ جب تم ان کے بہانے قبول کرنے سے انکار کرو گے تو قسمیں کھائیں

گے یا قسمیں کھانے والے دوسرے منافقین ہیں علاوہ ان بہانہ بازوں کے کس بات پر قسم کھائیں گے۔ اس میں بھی دو احتمال ہیں ایک یہ کہ ہم واقعی معذور تھے۔ اس لئے ہم نہ جاسکے دوسرے یہ کہ ہم قسم کھا کر وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ غزوات میں ہم ضرور شریک ہوں گے لکم فرما کر یہ بتایا کہ ان کی یہ قسمیں صرف تم کو دھوکا دینے کے لئے ہیں یا تم کو راضی کرنے کے لئے نہ کہ کسی کو نیک ارادے سے اذا نقلبتم الیھم یہ فرمان عالی ظرف ہے سیحلفون (الخ) کا۔ انقلاب سے مراد ہے غزوہ تبوک سے واپسی خیال رہے کہ ان خطاب کی ضمیروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں صرف غازیان تبوک سے خطاب ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ لتعرضوا عنھم یہ فرمان عالی لکم کا بدل اشتمال ہے حضور انور ﷺ نے غازیوں کو ان منافقوں کی بے ایمانی جھوٹ وغیرہ کی خبریں دے دی تھیں۔ اب ان کا قسمیں کھانا اس لئے نہ تھا کہ تم لوگ حضور ﷺ کی بات اور رب تعالیٰ کے فرمان پر دھیان نہ دو۔ ہماری قسموں کا اعتبار کرلو۔ ہم سچے ہیں یہ تو کسی مومن سے ممکن نہیں چہ جائیکہ غازیان تبوک بلکہ مطلب یہ تھا کہ تم ہم کو بدنام نہ کرو۔ ہماری اس حرکت سے بے توجہ ہو جاؤ یا آپ لوگ یقین کرلو کہ ہم آئندہ غزوات میں شریک ہوا کریں گے حضور انور ﷺ نے ہمارا گذشتہ حال بیان کیا ہم اپنا آئندہ حال بیان کر رہے ہیں۔ فاعرضوا عنھم یہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے۔ جس میں مومنوں کو منافقین سے منہ پھیر لینے ان سے بے تعلق ہو جانے کا حکم ہے مگر یہ بے تعلقی غضب کی ہے نہ کہ محبت کرم کی انہوں نے اس کے برعکس کی خواہش کی تھی۔ یعنی وہ تو چاہتے ہیں کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ اور ہم سے اعراض و چشم پوشی کرو ہم فرماتے ہیں کہ تم ان سے چشم پوشی کرو (ہم فرماتے ہیں کہ تم ان سے چشم پوشی کرو) غضب و ناراضی کی ان سے الگ ہو جاؤ۔ کیونکہ انھم رجس وہ گندے ہیں اور گندوں سے دوری ضروری ہے جب جسمانی گندگی سے اس لئے دور رہتے ہو کہ تمہارے کپڑے یا بدن گندے نہ ہو جائیں تو ان دلی اور روحانی گندوں سے بھی الگ ہو کہ کہیں تمہارے دل ان کی محبت میں گندے نہ ہو جائیں۔ خیال رہے کہ نجس سے رجس خاص ہے نجس تو اصلی ذاتی اور عارضی ناپاکی دونوں کو کہا جاتا ہے مگر رجس صرف پیشاب پاخانہ ہے ناپاک کپڑا رجس نہیں اس لئے سور کے گوشت کو رب نے رجس فرمایا۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے مشرکین کو نجس فرمایا۔ انما المشرکون نجس اور منافقین کو رجس جس سے معلوم ہوا کہ منافقین بدتر ہیں مشرکین و کفار سے۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس نجاست یا رجس سے دلی باطنی عقائد کی گندگی و نجاست مراد ہے جسمانی اور ظاہری نجاست مراد نہیں کہ شرعاً انسان پاک ہے اگرچہ کافر یا منافق ہو۔ دنیا میں ان کا یہ حال ہے اور آخرت میں۔ وماواھم جھنم ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور دوزخ کا کونسا طبقہ اسے دوسری جگہ بیان فرمایا ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار یعنی منافقین آگ کے سب سے نیچے طبقے میں ہوں گے ماویٰ فرما کر یہ بتایا کہ دوزخ میں ان کا رہنا عارضی نہ ہوگا بلکہ دائمی ہوگا۔ کیونکہ دوزخ ان کی منزل نہیں بلکہ ٹھکانہ اور اصلی جائے قرار ہے ماویٰ اسم ظرف ہے اوی کا بمعنی پناہ او اوی رکن شدید یہ کنعان بن نوح نے کہا تھا۔ جزاء بما کانوا یکسبون قوی یہ ہے جزا (الخ) ایک پوشیدہ فعل کا مفعول مطلق ہے یعنی یجزون جزاء کسب سے مراد منافقوں کے سارے خبیث کام ہیں جسم کے ہوں یا دل کے اس میں مذکورہ جھوٹے حیلے بہانے اور جھوٹی قسمیں بھی داخل ہیں۔ یعنی یہ

سب سزائیں بلاوجہ نہیں بلکہ ان کی دائمی حرکتوں کی سزا ہے۔ خیال رہے کہ لفظ جزا ثواب اور سزا دونوں کے لئے بولا جاتا ہے اگر یہ مومن اور جنت کے ساتھ آئے تو بمعنی ثواب ہوگا اور اگر کافر منافق دوزخ کے ساتھ آئے تو بمعنی سزا۔ یہاں معنی میں ہے یحلفون لکم لترضوا عنھم قوی یہ ہے کہ یہ فرمان عالی یحلفون (الخ) کا بدل ہے اس میں بھی قسم سے اللہ کی قسم مراد ہے اور کھانے والے وہ ہیں منافقین لترضوا میں خطاب حضرات صحابہ سے ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں اور رضا سے مراد ہے دھوکہ دے کر ناراضگی دور کر دینا یعنی وہ اس لئے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ تم ان قسموں سے دھوکا کھا جاؤ اور ان سے کچھ نہ کہو تمہارے دلوں کی ناراضی دور ہو جاوے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو ان کی قسموں سے دھوکا کھا سکتے تھے نہ ان سے دھوکے کی رضا ممکن کیونکہ حضور ﷺ کو رب تعالیٰ نے ثابت قدم رکھا۔ فرماتا ہے لولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم قلیلا اور فرماتا ہے یریدون ان یضلوک وما یضلون الا انفسھم فان ترضوا عنھم اس فرمان عالی میں بھی خطاب صرف غازیان تبوک سے ہے اور رضا سے مراد ہے ان مردودوں کے دھوکے میں آ جانا اور گذشتہ ناراضی کو دل سے دور کر دینا۔ فان اللہ لا یرضی عن القول الفسقین۔ یہ فرمان عالی فان ترضوا کی جزا نہیں اس کی خبر و پوشیدہ ہے یعنی لا تنفعھم اور یہ جملہ اس جزا کی وجہ لہٰذا اس میں ف تعلیلیہ ہے اور یہاں بھی رضا سے مراد دھوکے کھا جانا اور دھوکے سے راضی ہو جانا ہے (روح المعانی) یعنی اے مسلمانو اگر تم ان منافقوں کے دھوکے میں آ گئے اور ان سے راضی ہو بھی گئے تو بھی انہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ تو ان کے دھوکوں میں آیا اور نہ ان سے راضی ہوا وہ بہر حال دوزخی ہیں۔ لہٰذا آیت بالکل واضح ہے یہ ناممکن ہے کہ جس سے حضور ﷺ راضی ہوں اس سے رب ناراض ہو رب کی رضا حضور ﷺ کی رضا سے حاصل ہوتی ہے بلکہ جسے حضور ﷺ مل جاویں اسے خدا تعالیٰ مل جاتا ہے۔ جاؤک فاستغفر اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدو اللہ (الخ) شعر۔

کشف راز من رآنی سے کھلا    تم ملے حق تعالیٰ مل گیا

یہ بھی ناممکن ہے کہ جس سے حضرات صحابہ صحیح معنی میں خوش ہو جاویں اس سے حضور ﷺ ناراض ہیں۔ بلکہ یہ بھی ناممکن ہے کہ جس سے اولیاء اللہ بلکہ ایک ولی اللہ صحیح معنی سے راضی ہوں اس سے حضور ﷺ ناراض ہیں۔ ان میں رہنا ہی حضور ﷺ کی رضا ہے اور حضور ﷺ کی رضا میں خدا تعالیٰ کی رضا۔ شعر۔

بھیکا وہ نرکوڑ ہے جو جانے گرکو اور    رب روٹھے گر میل دے گر روٹھے نہیں ٹھور

اگر ہماری حرکتوں سے رب ناراض ہو جاوے تو اسے حضور راضی کر دیں۔ لیکن اگر حضور ناراض ہوں تو پھر کہیں ٹھکانا نہیں۔ یہ بات خیال میں رہے مگر رضا رضا میں فرق۔

تفسیر: اے غازیان تبوک عنقریب وقت آتا ہے کہ تم تبوک سے واپس ہوؤ گے۔ تو منافقین تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ ہم واقعی سخت مجبوری کی وجہ سے تمہارے ساتھ غزوہ میں نہ جا سکے یا آئندہ ضرور تمہارے ساتھ غزوات میں جایا کریں گے۔ یہ قسمیں نیک نیتی سے نہ ہوں گی بلکہ صرف اس لئے کہ تم ان سے چشم پوشی کرو اور کچھ نہ کہو۔ ہم حکم دیتے ہیں

کہ ان سے علیحدہ ہو جاؤ انہیں منہ نہ لگاؤ۔ کیونکہ تم پاک لوگ یہ گندے نجس العین۔ ان کے دل گندے خیالات گندے کام گندے۔ گندا کپڑا پاک پاک کپڑے سے ملے تو اسے گندا کر دیتا ہے۔ گندے دل والا آدمی پاک آدمی سے میل جول رکھے تو اس کو نقصان پہنچا دیتا ہے اور پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے تمہارا ٹھکانہ جنت۔ جنتیوں کو دوزخیوں سے کیا کام یہ سب کچھ ان کرتوتوں کا بدلہ ہے وہ صرف اس لئے قسمیں کھائیں گے کہ تم دھوکا کھا کر ان سے درگذر کرو و ناراضی دل سے نکال دو۔ راضی ہو جاؤ لیکن اگر تم ان کے دھوکے میں آ بھی گئے تو ان کے لئے مفید نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ ان کے دھوکے میں آئے نہ ان سے راضی ہو۔ رب کے ناراض ہوتے ہوئے کسی بندے کو دھوکا دے کر راضی کر لینا بالکل بے کار ہے۔ ابلیس نے جھوٹی قسم کھا کر آدم کو دھوکا دیا وقاسمهما انی لکما لمن الناصحین لیکن وہ رہا ابلیس ہی اسے اس حرکت سے کوئی فائدہ نہ پہنچا یہ بھی رہیں گے منافق ہی جائیں گے دوزخ میں ہی بہتر ہے کہ مخلص بن جائیں۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** منافقین اور گمراہ لوگ بہت قسمیں کھا کر اپنا مسلمان ہونا ثابت کرتے ہیں یہ فائدہ سیحلفون (الخ) سے حاصل ہوا۔ الحمد للہ مومنوں کو ان ترکیبوں کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ اصلی سونے والا کبھی قسمیں نہیں کھاتا۔ ہمیشہ نقلی سونے والا قسمیں کھا کر ہی اسے اصلی ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

**دوسرا فائدہ:** جس کے دل میں کھوٹ ہو اسے کبھی چین نہیں آتا اسے ہمیشہ اپنے پول کھل جانے کا دھڑکا لگا رہتا ہے یہ فائدہ بھی سیحلفون الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو ان منافقین نے غازیوں کے تبوک جاتے وقت بھی حیلے بہانے کئے تھے اور ان کی واپسی پر بھی حیلے بہانے قسمیں سب کچھ ہی کیں اسی بے چینی کی وجہ سے۔ الحمد للہ اخلاص میں چین بھی ہے سکون بھی۔ شعر۔

تن اجلا من کالا بگلے کے سے بھیک اس سے تو کاگا بھلے کہ اوپر نیچے ایک

بگلے سے کوا اچھا کہ اوپر نیچے کالا ہے۔ بگلا اوپر سفید دل کی جگہ کالا۔

**تیسرا فائدہ:** منافقین کے ساتھ میل ملاپ اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا وغیرہ سب ممنوع ہے یہ فائدہ اعرضوا عنهم سے حاصل ہوا۔ سانپ سے چور سے دوری اچھی۔ یہ حکم تب ہے جب کہ ان کی اصلاح کی امید نہ ہے۔

**چوتھا فائدہ:** منافقین دل کے خیالات کے ارادوں کے عقائد کے اعمال کے گندے ہیں یہ فائدہ انهم رجس سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس مسلمین بفضلہ تعالیٰ ان تمام باتوں میں پاکیزہ ہیں۔

**پانچواں فائدہ:** کھرے منافق گویا نجس العین ہیں کہ کسی پانی سے پاک نہیں ہو سکتے۔ یہ فائدہ بھی رجس سے حاصل ہوا کہ انہیں رب نے رجس نہ کہا جس کہا۔ نجس اور جس کا فرق ابھی تفسیر میں بتایا گیا۔

**چھٹا فائدہ:** منافق عبادات بھی مخلوق کو راضی کرنے کے لئے کرتا ہے۔ یہ فائدہ لترضوا عنهم سے حاصل ہوا کہ وہ لوگ صرف مسلمانوں کو راضی کرنے اپنا نفاق چھپانے کے لئے اللہ کی قسمیں کھاتے تھے اس کے برعکس مومن بفضلہ تعالیٰ

رضاء الٰہی کے لئے عبادت کرتا ہے۔

**ساتواں فائدہ:** مسلمانوں کو دھوکا فریب دے کر راضی کر لینا ان کی ناراضی سے بچ جانا منافقوں کا طریقہ ہے ان کے مقابل مومن بفضلہ تعالیٰ اپنے برے کاموں کی تاویلیں نہیں کرتا بلکہ صاف صاف توبہ کر لیتا ہے۔ توبہ اور دھوکے کا فرق یاد رکھنا چاہیے۔ اپنے برے کاموں کی تاویلیں کر کے انہیں اچھا ثابت کرنا منافقوں کا عیب ہے۔

**آٹھواں فائدہ:** اگر مسلمان دھوکے سے منافقوں یا کافروں پر بھروسہ کرے تو گناہ گار نہیں۔ دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو راضی ہو جانے پر عتاب یا وعید نہ کی بلکہ یہ فرمایا کہ اگر تم ان کے دھوکوں میں آ کر ان سے راضی ہو گئے تو اللہ ان سے راضی نہ ہو گا یہ نہ کہا کہ تم سے ناراض ہو جاوے گا۔

**پہلا اعتراض:** مذکورہ منافقین تو پہلے ہی حیلے بہانے کر کے تبوک جانے سے رکے تھے۔ پھر واپسی پر وہ حیلے اور جھوٹی قسمیں کیوں کھانے لگے۔

**جواب:** اس لئے کہ ان کے دل میں چور تھا انہیں کبھی اطمینان و چین نصیب نہیں ہوتا تھا۔ ایک بار قسمیں کھا لیتے پھر خیال کرتے کہ نامعلوم مسلمانوں نے ہم کو سچا مانا یا نہیں تو پھر آ کر قسمیں کھاتے۔ جیسا کہ آج بھی بدمذہبوں بے دینوں میں دیکھا جا رہا ہے کہ ہر جمعہ ہر وعظ کے خطبہ میں اپنے سنی ہونے پر قسمیں کھاتے قرآن اٹھاتے ہیں کہ ہم سنی ہیں۔

**دوسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ وہ قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم ان سے منہ پھیر لو۔ پھر رب نے اسی کا حکم دیا کہ ان سے منہ پھیر لو۔ فاعرضوا عنھم ان کا منشا تو پورا ہو گیا جو انہوں نے چاہا تھا وہ ہی رب نے حکم دیا۔

**جواب:** انہوں نے کہا تھا کہ ہم سب محبت کا اعتراض کرو یعنی ہم کو اپنا دوست سمجھو رب نے فرمایا ان سے نفرت کرتے ہوئے منہ پھیرو۔ پھر ان کا منشا کیسے پورا ہوا۔ ان کے لئے تو یہ حکم موت کا پیغام ہو گیا۔

**تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ منافقین رجس یعنی نجس العین ہیں مگر شریعت کا قانون یہ ہے کہ انسان اگرچہ کافر یا منافق ہو پاک ہے وہ قانون اس آیت کے خلاف ہے۔

**جواب:** یہاں رجس سے مراد ہے عقائد و اعمال کی نجاست و گندگی لہٰذا اگر ہم کافر کا تر ہاتھ چھو لیں تو ہمارا ہاتھ ناپاک نہ ہو گا۔ کہ کافر کا جسم پاک ہے۔

**چوتھا اعتراض:** پچھلی آیات میں خبر دے دی گئی تھی کہ منافقین تمہاری واپسی پر حیلے بہانے کریں گے حضور انور ﷺ نے بھی ان کے نفاق کی خبر دے دی تھی پھر مسلمان ان کی قسموں سے دھوکا کیسے کھا سکتے تھے۔ ان کا اعتبار کیسے کر سکتے تھے پھر کیوں فرمایا کہ اگر تم ان سے راضی ہو گئے تو ہم راضی نہ ہوں گے۔

**جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ جب آدم علیہ السلام سے رب نے فرمایا تھا کہ ابلیس تمہارا دشمن ہے اور اس درخت کے قریب نہ جانا پھر آدم علیہ السلام نے شیطان کو اپنا خیر خواہ کیوں سمجھ لیا اور اس کے کہنے سے گندم کیوں کھا لیا۔ اس کی وجہ ہم بتفصیل تفسیر پارہ اول میں عرض کر چکے ہیں جواب تحقیقی یہ ہے کہ مومن

فطری طور پر بھولا ہوتا ہے چالاک نہیں ہوتا۔ جب منافقین قسمیں کھا کر دو باتیں کہتے تھے ایک یہ کہ ہم اس وقت معذور تھے جہاد میں نہ جا سکے۔ دوسرے یہ کہ آئندہ ہر جہاد میں ضرور جایا کریں گے تو مومنین اسے ان کی توبہ خیال کر سکتے تھے کہ جیسے توبہ سے شرک و کفر معاف ہو سکتا ہے ایسے ہی منافقت بھی معاف ہو سکتی ہے۔ اور حضور انور ﷺ کی خبر اس وقت کے لئے تھی جب کہ انہوں نے توبہ نہیں کی تھی۔ آدم علیہ السلام نے یہ ہی خیال فرمایا تھا کہ گندم کھانے سے ممانعت اس خاص وقت میں تھی نیز شیطان کی عداوت اب رب نے دوستی میں بدل دی۔ کیونکہ وہ قسمیں کھا کر کہہ رہا تھا۔ وقاسمھما انی لکما لمن الناصحین کوئی بھی اللہ کی قسم جھوٹی نہیں کھا سکتا۔

**پانچواں اعتراض:** تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ولی کو راضی کر لو تو حضور ﷺ راضی ہو جاتے ہیں اور حضور ﷺ راضی ہو جائیں تو خدا تعالیٰ راضی ہو جاتا ہے مگر یہاں ان صحابہ کرام سے ارشاد ہو رہا ہے جو تمام ولیوں کے سرتاج ہیں کہ اگر تم ان منافقوں سے راضی ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ راضی نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ ولی نبی کی رضا سے خدا کی رضا حاصل نہیں ہوتی (وہابی)

**جواب:** اللہ کے مقبولوں کو راضی کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو ان کی خدمت کر کے راضی کرنا دوسرے انہیں دھوکا فریب دے کر راضی کر لینا۔ دوسری قسم کی رضا سے اللہ تعالیٰ اور زیادہ ناراض ہو جاتا ہے۔ پہلی قسم کی رضا وہ ہے جو اللہ کو راضی کرتی ہے فاتبعونی یحببکم اللہ اس کی مثال یہ ہے کہ مخلص مومن حضور انور ﷺ سے دعاء مغفرت کراتے تھے ان کے لئے ارشاد ہوا لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ منافقین بھی اپنی چالاکیوں سے دعاء مغفرت کراتے تھے ان کے لئے ارشاد ہے ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم اگر آپ ستر بار بھی ان کے لئے دعا مغفرت کریں تو بھی ہم نہیں بخشیں گے دعا کرانے اور دعا لینے میں بڑا فرق ہے ایسے ہی راضی کر لینے اور دھوکا دینے میں بڑا فرق ہے۔

**تفسیر صوفیانہ:** مخلص مومن کا گناہ بھی کبھی ذریعہ قرب بن جاتا ہے بدنیت منافق کی عبادت ذکر اللہ بھی رب سے دوری کا ذریعہ ہے۔ شعر۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی — نہ ہو تو مرد مسلمان ہے کافر زندیق (اقبال)

حضور ﷺ والے کا قصور رضاء رب عفو کا ذریعہ ہے بے نور والی دور کی نماز بھی حجاب ہے۔ شعر

تیرا امام بے حضور تیری نماز بے سرور — ایسے امام سے گزر ایسی نماز سے گذر

منافقین دن رات جھوٹی قسموں میں اللہ کا نام لیتے تھے مگر رب نے انہیں رجس یعنی نجس العین فرمایا کہ گندا جسم مسجد کے لائق نہیں گندا دل صحابہ کرام اور حضور ﷺ کی بارگاہ کے لائق نہیں۔ جو حضور انور ﷺ کی نگاہ سے پاک نہ ہو سکے وہ کبھی کسی چیز سے پاک نہ ہوگا حضور ﷺ کی نظر رحمت کا پانی ہے جو دل کو کفر شرک اور تمام نجاستوں سے پاک کر دیتی ہے بشرطیکہ وہ عارضی ہوں۔ اصل نجاست کیسے پاک ہو پانی گوبر پر پڑے تو اس کی گندگی اور پھیل جاتی ہے یہاں ان نجس العین لوگوں کے متعلق فرمایا کہ اے جماعت صحابہ اگر تم ان مردودوں کی باتوں میں آ کر ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو ہم راضی نہ ہوں گے۔ صوفیا نے فرمایا کہ منافق ہے وہ جو اپنے گناہ کی غلط تاویلیں کر کے انہیں جائز ثابت کرنے کی کوشش کرے اور بدترین

منافق ہے وہ جو اپنے غلط عقیدوں غلط عملوں کو قرآن و حدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کرے گویا اپنی بات بنانے کے لئے قرآن و حدیث کو بگاڑے یہ ہماری آج کل بے دین علماء میں عموماً پائی جاتی ہے۔ شعر۔

فرمان ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر تاویل سے کر سکتے ہیں قرآن کو پاژند
مگر تاویل شان درحیرت انداخت خداؤ جبرائیل و مصطفیٰ را!!

منافقت کی طینت خبیث تو ان کے اعمال بھی خبیث اوصاف بھی خبیث ان کا علم بھی خبیث ان کی ظاہری عبادات بھی خبیث اس لئے وہ دنیا میں جدائی کی آگ کے آخرت میں دوزخ کی آگ کے مستحق ہوئے۔ منافقت کی اصل محبت دنیا اور الفت اہل دنیا ہے۔

حکایت: حضرت شبلی نے ایک عورت کو دیکھا جو روتی ہے اور کہتی ہے ہائے افسوس میرے بچے کی جدائی آپ نے چیخ ماری بولے ہائے افسوس میرے رب کی جدائی۔ جب تو مخلوق کی جدائی پر گریہ زاری کر سکتی ہے۔ جو آخر جدا ہونے والی ہے تو میں رب کی دوری پر گریہ کیوں نہ کروں۔ شعر۔

فرزند و یار چونکہ بمیرند عافیت اے دوست دل بلند بجز حی الایموت

دیکھو تفسیر روح البیان یہ ہی مقام۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عذر احمق بدتر از جرمش بود عذر ناداں زہر ہر دانش بود

عذر گناہ بدتر از گناہ

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ

دیہاتی لوگ زیادہ سخت ہیں کفر اور منافقت میں اور زیادہ لائق ہیں اس کے کہ نہ جانیں حدیں

گنوار کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور اسی قابل ہیں کہ اللہ نے جو حکم اپنے رسول

مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾

اس کی جو اتارا اللہ نے رسول پر اپنے اور اللہ علم حکمت والا ہے

پر اتارے اس سے جاہل رہیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ

اور دیہاتیوں میں سے وہ ہیں جو بناتے ہیں اسے جو خرچ کرتے ہیں جرمانہ اور

اور کچھ گنوار وہ ہیں کہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کریں اسے تاوان سمجھیں اور

يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ

انتظار کرتے ہیں تم پر گردشوں کا اور ان ہی پر ہے گردش بری اور اللہ سننے والا

تم پر گردشیں آنے کے انتظار میں ہیں انہیں پر ہے بری گردش اور اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾

| جاننے | والا | ہے |
| --- | --- | --- |
| سنتا | جانتا | ہے |

**تعلق**: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق**: پچھلی آیات کریمہ میں شہری منافقوں کے عیوب بیان ہوئے اب دیہاتی منافقوں کا تذکرہ اور ان کے عیوب کا بیان ہے۔ گویا ایک قسم کے منافقوں کے بعد دوسرے قسم کے منافقوں کا ذکر ہے۔

**دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ان منافقوں کا ذکر ہوا جن کی اصلاح کی امید تھی۔ یعنی صحابہ کرام کے ساتھ رہنے سہنے اٹھنے بیٹھنے والے حضور انور ﷺ کی مجالس میں حاضری دینے والے منافقین کہ ان کے متعلق یہ سوچا جا سکتا تھا کہ ان پاک صحبتوں

پچھلی آیات کریمہ میں شہری منافقوں کے عیوب بیان ہوئے اب ... نوں کا ذکر ہے جن کی اصلاح کی امید بہت کم ہے بلکہ نہیں

...گویا ایک قسم کے منافقوں کے بعد دوسرے قسم کے منافقوں کا ذکر ہے۔

...پچھلی آیات میں ان منافقوں کا ذکر ہوا جن کی اصلاح کی امید تھی۔ یعنی صحابہ کرام کے ساتھ رہنے سہنے اٹھنے

...حضور انور ﷺ کی مجالس میں حاضری دینے والے منافقین کہ ان کے متعلق یہ سوچا جا سکتا تھا کہ ان پاک صحبتوں

...کی برکت سے مخلص ہو جائیں گے۔ اب ان منافقوں کا ذکر ہے جن کی اصلاح کی امید بہت کم ہے بلکہ نہیں ...نہیں نہ تو حضرات صحابہ کی حاضری میسر ہے نہ حاضری بارگاہ عالی نصیب یعنی حضور ﷺ سے دور لوگ۔

...: پچھلی آیات میں ان منافقوں کا ذکر ہوا جو صرف منافق تھے۔ اب ایسے منافقین کا ذکر ہے جن میں منافقت ...دونوں جمع ہیں گویا پہلے منافقوں کے بعد سخت تر منافقوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

...مدینہ منورہ کے آس پاس کچھ فاصلے پر قبیلہ اسد غطفان بنی تمیم آباد تھے ان میں کچھ لوگ منافق تھے۔ جن میں وہ ...جو ان آیات میں مذکور ہیں یہ دونوں آیتیں ان کے متعلق نازل ہوئیں۔ (خازن)

...عراب: یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں الاعراب مبتدا ہے اور راشد (الخ) خبر۔ پانچ صوبے کے مجموعہ ملک کا ...ہے حجاز۔ عراق۔ یمن۔ بحرین۔ نجد ان کے علاوہ کو عجم اس ملک میں رہنے والی کو عربی کہتے ہیں اس کو جمع اعرب ہے ...جمع میں فرق صرف لف کا ہے۔ اور وہاں کے دیہاتی اور جنگلی علاقہ کو اعراب کہتے ہیں۔ وہاں کے باشندوں کو ...کی جمع اعراب ہے یہاں بھی واحد اور جمع میں فرق صرف ی۔ یا۔ کا ہے جیسے یہودی مجوسی واحد ہیں اور یہود مجوس ...کی جمع اعاریب بھی آتی ہے مگر عرب میں جمع عموماً آتی ہے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حب العرب من ...اگر کسی دیہاتی عرب کو کہو یا عربی تو وہ خوش ہو جاتا ہے اگر کسی شہری کو کہو یا اعرابی تو وہ ناراض ہوتا ہے فرمایا نبی صلی ...نے عورت مردوں فاسق کی اعرابی مہاجر کی امامت نہ کرے (کبیر) خیال رہے حضرت اسماعیل کی اولاد اول جس ...کی اس کا نام عربہ تھا۔ اس لئے ان کا نام عرب ہوا۔ یعنی عربہ زمین کے رہنے والے۔ بعض نے فرمایا کہ زبان عربی ...سے زیادہ مختصر اور جامع ہے۔ اس زبان میں انسان اپنے دل کی بات خوب ظاہر کر سکتا ہے۔ اس لئے انہیں عرب ...یعنی اعلیٰ اور فصیح زبان والے۔ بعض محققین نے فرمایا کہ روم کی حکمت ان کے دماغ میں ہے ہند کی حکمت ان کے

میں الف لام استغراقی ہے کیونکہ اس سے پہلے کسی خاص جماعت کا ذکر نہ ہوا لہٰذا عہدی نہیں ہو سکتا۔ بعض کی صفات کل کی طرف منسوب فرما دی گئیں جیسے وکان الانسان قتورا (کبیر۔ معانی) چنانچہ اگلی آیت میں اعراب کے ایمان کی تعریف بھی آرہی ہے۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ جو کوئی یہ آیت پڑھے وہ اگلی آیت بھی ضرور پڑھے تاکہ اس کے دل میں اعراب کی حقارت نہ بیٹھے (معانی) اشد کفرا و نفاقا۔ یہ عبارت الاعراب کی خبر ہے یعنی عرب کے دیہاتی لوگ بمقابلہ شہریوں کے کفر و نفاق میں سخت ہیں۔ ان کے کفار شہری کفار سے ان کے منافقین سے سخت ہیں اس کی چند وجہیں ہیں۔ (۱) دیہاتی جنگلی لوگ وحشی جانوروں کی طرح مہذب دنیا سے متنفر ہیں۔ (۲) عرب کے جنگلوں کی خشک و گرم ہوا نے ان میں غرور و تکبر پیدا کر دیا ہے۔ (۳) انہیں اچھے معلم اچھی سیاست میسر نہیں ہوتی ان کی پرورش نفسانی ہوتی ہے (۴) شہری کفار و منافقین دن رات حضور انور ﷺ کے وعظ سنتے صحابہ کرام کی صحبت میں رہتے دیہاتی لوگ ان سے یکسر محروم اس وجہ سے ان میں سختی زیادہ ہے۔ جنگلی خودرو درخت پھل سے شہری اور پرورش کردہ درخت و پھل اعلیٰ ہوتے ہیں وحشی جانور سے شہری خصوصاً پالتو جانور زیادہ مفید ہوتے ہیں (تفسیر کبیر) واجدر ان لا یعلموا حدود ما انزل اللہ علی رسولہ اس فرمان عالی میں دیہاتی عرب کا دوسرا عیب بیان ہوا۔ اجد رہنا ہے جدر سے بمعنی جڑ اور اصل اسی سے ہے جدار بمعنی دیوار کہ وہ جڑ والی اور مضبوط اصل والی ہوتی ہے۔ محاورہ میں بمعنی لائق آتا ہے جدیر لائق اجدر زیادہ لائق و قابل۔ ما انزل اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے سارے احکام ہیں حدود سے مراد ان کے مراتب ہیں کہ کون حکم فرض کون حکم واجب کون سنت و مستحب اور کیا چیز حرام ہے اور کیا چیز وہ تحریمی یا تنزیہی وغیرہ یعنی وہ دیہاتی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رہنے کی وجہ سے اس لائق ہیں کہ شرعی احکام سے جاہل بھی رہیں۔ واللہ علیم حکیم۔ اللہ تعالیٰ کامل علم والا ہے ہر شہری دیہاتی کے حال کو اعمال کو خوب جانتا ہے۔ حکمت والا بھی۔ جسے یہاں رکھا جس طرح رکھا جس حال میں رکھا اس میں ہزار ہا حکمتیں ہیں اس پر اعتراض نہیں ومن الاعراب من یتخذ ما ینفق مغرما اس فرمان عالی میں دیہاتی منافقوں کا عملی عیب بیان فرمایا گیا جس میں ان کی بدعقیدگی تو سارے امیر و غریب منافقین میں موجود تھی اس لئے وہاں الاعراب ارشاد ہوا بغیر من کے اور یہ عیب ان کے مالداروں میں تھا جو کبھی جہادوں وغیرہ میں چندے اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ بھی دیتے رہتے تھے۔ یہاں اتخاذ سے مراد سمجھنا ہے یعنی دل کا بنانا۔ واقعہ میں تو زکوٰۃ وغیرہ بطور عبادت شروع ہوئیں مگر انہوں نے یہ سمجھ لیا لہٰذا یتخذ فرمانا بالکل درست ہے ما ینفق عام ہے جس سے ہر وہ مال مراد ہے جسے وہ عبادت کی شکل میں خرچ کرتے تھے۔ مسلمانوں کے خوف سے اور اپنا نفاق چھپانے کے لئے نہ کہ اللہ رسول سے قرب حاصل کرنے کے لئے مغرم بنا ہے عزم یا غرامت سے ہر وہ مالی نقصان جو بغیر کسی جرم کے ہو جائے۔ خواہ حکومت کی طرف سے ہو یا اور وجہ سے ٹیکس وغیرہ بوجھل قرض کو بھی غرامت کہتے ہیں اور مقروض کو غریم یعنی دیہاتی منافقین جو مالدار ہیں جنہیں زکوٰۃ جہاد میں چندہ۔ حج وغیرہ میں خرچ کرنا پڑ جاتا ہے وہ اس خرچ کو بوجھل ٹیکس سمجھتے ہیں جس کے کرنے پر ثواب نہیں کرنے پر عذاب محض مال کی بربادی ہے (نعوذ باللہ) جو مسلمانوں کے ڈر سے انہیں برداشت کرنا پڑتی ہے ویتربص بکم الدوائر یہ عبارت معطوف ہے یتخذ (الخ) پر چونکہ مسلمانوں کی ہلاکت

مالدار منافقین بہت چاہتے تھے۔ تاکہ انہیں خیرات وغیرہ سے نجات ملے۔ اس لئے یہ انتظار بھی انہیں کی خصوصی صفت تھی ورنہ سارے منافق سارے کفار مسلمانوں کی تباہی خوشی سے چاہتے تھے اور اب بھی چاہتے ہیں۔ تربص کے معنی انتظار کرنا وار تربح ہے دائرۃ کی بمعنی گھومنے والی چیز اس سے مراد وہ آفت ہے جو مسلم قوم کو اپنے گھیرے میں لے لے یا بار بار گھوم کر آوے یعنی یہ مالدار منافقین تم پر زمانے کی آفات وگردشوں کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں ان کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے پر نہ مسلمان رہیں گے نہ اسلام نہ ہم پر زکوٰۃ و جہاد وغیرہ ہم اس خرچ کی مصیبت سے بچ جائیں گے۔ علیهم دائرة السّوء قوی یہ ہے کہ یہ بددعا نہیں بلکہ ایک اہم غیبی خبر ہے عربی میں سوء سین کے پیش سے صفت مشتبہ ہے اور سواء سین کے فتح سے مصدر ہے ساء یسوء کا یعنی سرور کا مقابل دائرہ موصوف ہے اور سوء اس کی صفت یعنی موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے اور اس کو سوء فرمانا مبالغہ کے لئے ہے جیسے زید عول (روح البیان وروح المعانی) یعنی اے مسلمانوں مطلع رہو کہ ان بدخواہ منافقین پر ہی بری گردش ہے یا ہوگی کہ ان کا نفاق سب پر ظاہر کر دیا جائے گا۔ جس سے یہ بدنام ہوں گے۔ محبوب کا چاند ہمیشہ منور رہے گا۔ ان اللّٰه سمیع علیم اللہ تعالیٰ سننے والا ہے جاننے والا ہے وہ ان منافقوں کی خفیہ سازش خصوصی مجلسوں کی خاص باتیں مشورے اسلام کے خلاف خوب سنتا ہے اور ان کے برے ارادہ خوب جانتا ہے ان کو اس کی سخت سزا دے گا۔ حاکم قدیر بھی ہے علیم وسمیع بھی۔

**خلاصہ تفسیر:** اے مسلمانو! اب تک تم نے شہری منافقوں کا حال سنا۔ مدینہ منورہ کے آس پاس کے دیہاتی منافقین بمقابلہ شہری منافقوں کے کفر میں بھی سخت ہیں منافقت۔ میں بھی بڑھے ہوئے اور اللہ کے احکام سے سخت جاہل ہیں۔ کیونکہ انہیں نہ تو تمہاری صحبت میسر ہے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی یا آپ ﷺ کے وعظ ونصیحت کا سننا۔ اللہ تعالیٰ علم والا بھی ہے حکمت والا بھی اس نے جسے جہاں رکھا ہے درست رکھا ہے یہ تو عام دیہاتی منافقوں کا حال ہے رہے ان کے مالدار ان میں دو عیب اور زیادہ ہیں (۱) انہیں جو زکوٰۃ۔ جہاد وغیرہ میں خرچ کرنا پڑ جاتا ہے وہ خرچ تو کرتے ہیں مگر تاوان یا ٹیکس سمجھ کر جس کے ثواب کی انہیں کوئی امید نہیں صرف اپنا نفاق چھپانے کے لئے خرچ کرتے ہیں (۲) تم مسلمانوں کے متعلق انہیں بے چینی سے انتظار ہے کہ تم پر ہلاک کرنے والی گردش آ جاوے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو اور خاکش بدہن اسلام ختم ہو جاوے مسلمان مٹ جاویں اور وہ زکوٰۃ وغیرہ خرچ سے چھوٹ جاویں مگر خیال رکھو کہ ہلاکت کی گردش انہیں پر آوے گی۔ میرے محبوب کا سورج ہمیشہ چمکے گا انہیں کوئی اچھائی سے یاد بھی نہ کرے گا۔ تا قیامت ان پر پھٹکار رہے گی۔ شعر۔

نماز ستمگار بد روزگار بماند برو لعنت پائیدار

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** عموماً علم وحکمت بمقابلہ گاؤں کے شہر میں زیادہ ہوتے ہیں اور جہالت وبے عملی گاؤں میں زیادہ۔ اہل عرب کہتے ہیں العلم فی الامصار والجهل فی القری۔ علم شہروں میں ہوتا ہے جہالت گاؤں میں۔ کیونکہ عموماً وہاں علماء کی صحبت میسر نہیں ہوتی۔ شعر۔

وہ مردودہ مردرا احمق کند عقل را بے نور و بے رونق کند

یہ فائدہ الاعراب او راجدر الا یعلموا حدود ما انزل اللہ سے حاصل ہوا مگر یہ قاعدہ اکثریہ ہی کلیہ نہیں اس لئے فقہا کی اصطلاح میں بے علم جاہل کو اعرابی کہتے ہیں وہ فقہاء فرماتے ہیں کہ اعرابی کو امام نہ بناؤ وہاں اعرابی سے یہ ہی مراد ہے۔ (روح البیان)

**دوسرا فائدہ:** بمقابلہ شہری کفار کے دیہاتی کفار سخت تر ہوتے ہیں کہ ان کے پاس نہ اسلامیت ہوتی ہے نہ انسانیت شہری کفار کے پاس اسلامیت تو نہیں مگر اچھی صحبتوں کی وجہ سے کچھ نہ کچھ تہذیب وانسانیت ہوتی ہے یہ فائدہ الاعراب اشد کفرا (الخ) سے حاصل ہوا۔ مگر یہ حکم بھی عمومی ہے قاعدہ کلیہ نہیں۔

**تیسرا فائدہ:** جو علم رب تعالیٰ کی بارگاہ میں علم کہلانے کا مستحق ہے وہ شریعت کا علم ہے باقی علوم اگر شرعی علوم کے خدام ہوں تو ٹھیک ہیں۔ ورنہ ان میں عمر صاف کرنا وقت ضائع کرنا ہے اور اگر شرعی علوم کے خلاف ہوں تو نری گمراہی ہے۔ شعر۔

علم دین فقہ است و تفسیر و حدیث ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

**چوتھا فائدہ:** بے سوچے سمجھے قرآن وحدیث کے ترجمے علم دین نہیں بلکہ کبھی انسان اس سے گمراہ ہو جاتا ہے قرآن و حدیث کے لئے فقہ ضروری ہے اسی کو قرآن مجید میں حکمت فرمایا گیا ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا اگر صرف ترجمہ سے ایمان مل جاتا تو ابوجہل وابولہب مومن ہو جاتے کہ ترجمہ قرآن حدیث تو ان کو بھی آتا تھا۔ یہ فائدہ بھی ان لا یعلم حدود ما انزل اللہ سے حاصل ہوا۔ آج کل ہر بے دین ترجمہ قرآن پر بہت زور دے رہا ہے اور ترجمے عموماً بے دینوں کے ہیں۔ ان ترجموں سے لوگ قادیانی۔ وہابی۔ دیوبندی بن گئے رب فرماتا ہے والذین اذا ذکروا بایات ربھم لم یخروا علیھا صما وعمیانا مومن وہ ہیں جو رب کی آیتوں پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے سوچنے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں رب تعالیٰ قرآن وحدیث کا تفقہ یعنی سمجھ عطا فرمائے۔

**پانچواں فائدہ:** سارا قرآن رب تعالیٰ کا کلام اور رب کے سارے احکام برحق ہیں مگر ان احکام کی حدود مختلف ہیں قرآن مجید میں امر سولہ (۱۶) معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اقیموا الصلوۃ بھی امر ہے اور ومن شاء فلیکفر بھی امر ہے مگر مقاصد میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب عالم القرآن ملاحظہ کرو۔ یا فائدہ بھی حدود ما انزل اللہ سے حاصل ہوا۔ صوم وصلوۃ زکوۃ کے الفاظ قرآن مجید میں ہیں ان کی تفصیل یا شرح حدیث شریف میں اور اس کی شرح کی حدود علم فقہ میں کہ نماز میں کون کام فرض ہیں کون واجب کون مستحب کون مکروہ تنزیہی کون مکروہ تحریمی اور کس واجب کے چھوٹ جانے سے سجدہ سہو لازم ہوتا ہے کس سے نہیں یہ بھی حدود ما انزل اللہ میں داخل ہیں۔

**چھٹا فائدہ:** اللہ کی راہ میں خرچ کو عبادت سمجھے اور خوش دلی سے کرے اسے ٹیکس یا جرمانہ یا تاوان نہ جانے ورنہ قبول کی امید نہیں۔ نیز یہ طریقہ منافقین ہے یہ فائدہ یتخذ ما ینفق مغرما سے حاصل ہوا۔ جب خیرات کرو تو ہاتھ دینے میں مصروف ہوں دل اس توفیق کے شکریہ میں آنکھ رونے میں کہ خدایا اسے قبول کر۔

**ساتواں فائدہ:** مسلمانوں کا برا چاہنا ان پر گردش زمانہ کا انتظار کرنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ ہمیشہ مسلمانوں کے خیر خواہ ودعا گو رہو یہ فائدہ **یتربص بکم الدوائر** سے حاصل ہوا۔

**آٹھواں فائدہ:** اللہ کے پیاروں کا بدخواہ ہمیشہ ذلیل وخوار رہتا ہے جس کا اب بھی تجربہ ہو رہا ہے یہ فائدہ **علیھم دائرۃ السوء** سے حاصل ہوا۔ شعر۔

چراغ زندہ می خواہی در شب زندہ داراں شو — کہ بیداری بخت از بخت بیداری شود حاصل

اگر چاہتے ہو کہ تمہارا چراغ روشن رہے تو ان کے دروازوں پر جاؤ جن کی راتیں روشن رہتی ہیں۔ خوش نصیبی خوش نصیبوں کے آستانوں سے ملتی ہے۔

**نواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کا بدلہ خود لیتا ہے یہ فائدہ بھی **علیھم دائرۃ السوء** سے حاصل ہوا کہ منافقین نے بدخواہی کی رب نے انہیں جواب دیا۔ دیکھو ایک دفعہ ابولہب نے حضور انور ﷺ سے کہا تھا تبت یداک رب نے خود جواب دیا **تبت یدا ابی لھب**۔

**پہلا اعتراض:** تم نے کہا کہ دیہات میں جہالت سختی دل وغیرہ ہوتی ہے حضرت یعقوب علیہ السلام دیہات میں ہی رہتے تھے۔ کیا وہ ایسے تھے **وجاء بکم من البدو** جس سے معلوم ہوا کہ آپ دیہات کے باشندے تھے۔

**جواب:** اس کا جواب بھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہ کلیہ قاعدہ نہیں اکثریہ ہے یعنی دیہاتی لوگ بے علم سخت دل ہوتے ہیں کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے کہ شہری جاہل سخت دل ہوتے ہیں اور دیہاتی عالم فاضل۔ دیہات جہالت کی وجہ یہ ہی ہے کہ وہاں نبوت کا فیض بمقابلہ شہر کم پہنچتا ہے۔ جب پیغمبر ہی وہاں جلوہ گر ہوں تو وہ گاؤں شہر سے بڑھ جاتا ہے۔

**دوسرا اعتراض:** اگر دیہات میں جہالت غفلت سختی دل زیادہ ہوتی ہے تو عرب کے شہری عموماً اپنے بچوں کی پرورش گاؤں میں کیوں کراتے تھے حتیٰ کہ حضور انور ﷺ کی ابتدائی پرورش بی بی حلیمہ کے گاؤں میں ہوئی۔ اس کی کیا حکمت تھی۔

**جواب:** ہر جگہ گاؤں کی آب و ہوا شہر سے اچھی ہوتی ہے۔ صحت کے لئے مفید ہے اور عرب کی زبان بمقابلہ شہروں کے اچھی تھی کہ وہ خالص عربی بولتے تھے شہری لوگ مخلوط عربی بولتے تھے وہاں اب بھی یہ ہی حال ہے۔ بچوں کے لئے صحت زبان کی عمدگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے وہاں عموماً بچوں کی پرورش گاؤں میں کرائی جاتی تھی۔ پرورش کے زمانے کے حالات اور ہوتے ہیں تعلیم وتربیت کے زمانہ کے حالات دوسرے۔

**تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **الا یعلموا حدود ما انزل اللہ** حدود کیوں فرمایا **ما انزل اللہ** فرمانا ہی کافی تھا۔

**جواب:** دیہاتی منافقوں کے پاس **انزل اللہ** یعنی قرآن مجید اور احادیث شریف تو پہنچتی تھیں۔ مگر احکام شرعیہ کی حدیں نہ پہنچتی تھیں کہ یہ چیزیں علماء کی صحبت سے معلوم ہوتی ہیں۔ احکام کے حدود کی تفصیل ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے۔ مثلاً انہیں یہ تو خبر تھی کہ نمازیں پانچ ہیں مگر یہ خبر نہ ہوتی تھی کہ نمازوں میں فرائض واجبات سنتیں مستحبات۔ مکروہات کون کون سے ہیں یہ صرف ایک مثال ہے۔

چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ بعض دیہاتی صدقہ و خیرات کو ایک ٹیکس سمجھتے ہیں یہ عیب تو بعض شہری لوگوں میں بھی ہے۔ پھر خصوصیت سے دیہاتی کا ذکر کیوں ہوا۔

جواب: یا تو اس لئے کہ دیہات میں ایسے نا سمجھ لوگ زیادہ ہوتے ہیں شہر میں کم یا اس لئے کہ خیرات کو ٹیکس سمجھنا اور مومنوں کی ہلاکت کا انتظار کرنا۔ ان دونوں کا مجموعہ دیہاتی منافقوں میں تھا۔ شہری منافقین مسلمانوں کے حالات اسلام کا فروغ آنکھوں سے دیکھتے رہتے تھے۔ اس لئے وہ ان کے روشن مستقبل سے واقف تھے۔ ان کی ہلاکت سے مایوس لہذا ان دونوں کے مجموعہ کے اعتبار سے دیہاتیوں کا ذکر فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ: جہاں نبوت کے انور نہ پہنچے وہ جگہ گاؤں ہے اگر چہ آبادی کے لحاظ سے شہر ہو اور وہاں کے باشندے دیہاتی ہیں۔ اور جہاں نبوت کا فیضان پہنچے وہ جگہ شہر ہے اگر چہ آبادی کے اعتبار سے گاؤں ہو۔ اور وہاں کے باشندے اعرابی یعنی دیہاتی نہیں بلکہ عربی یعنی شہری ہیں۔ بلکہ جہاں محبوب رہے وہ جگہ شہر ہے اگر چہ بظاہر جنگل ہو۔ اور جہاں محبوب نہ ہو وہ جگہ گاؤں ہے اگر چہ بظاہر شہر ہو۔ کسی نے کیا خوب کہا۔ شعر۔

گفت معشوقے بہ عاشق اے فتا   تو بہ غربت دیدہ بس شہرہا
پس کدامی شہر زانہا خوشتراست   گفت آں شہرے کہ دروے دلبرست

محبوب نے عاشق سے پوچھا کہ تو نے بہت شہر دیکھے بتا کونسا شہر بہت اچھا ہے وہ بولا جہاں محبوب رہے وہ اچھا شہر ہے اگر چہ جنگل ہو اقبال کہتے ہیں۔

خاک طیبہ از دو عالم خوشترست   اے خنک شہر کہ دروے دلبرست

مدینہ منورہ کی خاک دونوں جہان سے پیاری ہے۔ مبارک ہے وہ شہر جہاں اپنی دلبر جانی ہے۔ رب فرماتا ہے لا اقسم بھذا البلد و انت حل بھذا البلد۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس دل میں عشق رسول نور محبوب ہو وہ بسا ہوا شہر ہے۔ جس دل میں حضور ﷺ کا عشق و شوق نہ ہو وہ اجڑا ہوا گاؤں ہے۔ وہاں کفر نفاق بے علمی سب کچھ ہے ایسے دل والے اگر نیک کار کر بھی لیں تب بھی وہ کام عبادت نہیں بنیں گے۔ صرف عادت رہیں گے۔ جن کا کوئی اجر و ثواب نہیں ان کے لئے زکوۃ صدقات بوجھ تاوان ہیں۔ ان آیات میں ایسے ہی خشک بے نورے بے پیرے لوگوں کا ذکر ہے ایسے اجڑے ہوئے دیاروں کو چھوڑو یار روانی بستی میں آؤ۔

تیرا نام بے حضور تیری نماز بے سرور   ایسے امام سے گذر ایسی نماز سے گذر

مثنوی شریف میں یہ ہی فرمایا گیا۔

قول پیغمبر شنواے مجتبی   کور عقل آمد وطن در اوستا

اگر دل میں نفس کی تاریکی سرایت کر جاوے تو دل گاؤں ہے اور اگر نفس ہی دل کی روشنی آجاوے تو نفس شہر ہے۔ دل والے عود یا اگر بتی کی طرح جل کر فنا ہو کر بھی خوشبو دیتے ہیں۔

گوز نہار اصل عود چو بیت بیس دو دش چه مستثنی و خوب است

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ

اور دیہاتیوں میں سے وہ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور دن آخر پر اور

اور کچھ گاؤں والے وہ ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور

يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ

بناتے ہیں اسے جو خرچ کرتے ہیں نزدیکیاں پاس خدا تعالیٰ کے اور پیغمبر کی دعا میں

جو خرچ کریں اسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا

اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ

خبردار تحقیق وہ ان کے لئے نزدیکی ہے عنقریب داخل کرے گا ان کو اللہ رحمت میں اپنی

ذریعہ سمجھیں ہاں ہاں وہ ان کے لئے باعث قرب ہے اللہ جلد انہیں اپنی رحمت میں داخل

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ ع ۱۲

تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

کرے گا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

**تعلق**: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں دیہاتی منافقوں کا ذکر ہوا کہ وہ شہری منافقوں سے بدتر ہیں اب دیہاتی مخلص مومنوں کا تذکرہ ہے کہ وہ بڑے کامل الایمان ہیں گویا دیہاتی منافقوں کی بے ایمانی کے بعد دیہاتی مومنوں کی ایمانداری کا شاندار بیان ہو رہا ہے۔ ظلمت کے بعد نور کا تذکرہ ہے۔

**دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں دیہاتی منافقوں کی نیکیاں برباد ہونے کا ذکر ہوا ہے کہ وہ اپنے صدقات کو مغرم یعنی ٹیکس سمجھتے ہیں۔ اب دیہاتی مومنوں کی نیکیاں قبول ہوتے ان کی محنت ٹھکانے لگنے کا تذکرہ ہے کہ وہ اپنے صدقات کو مغنم یعنی غنیمت اور نافع کام سمجھتے ہیں۔ گویا مغرم والوں کے بعد مغنم والوں کا تذکرہ ہے۔

**تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں دیہاتی منافقوں کے حضور انور ﷺ سے دوری کا ذکر ہوا اور اب دیہاتی مومنوں کی بارگاہ عالی میں حضوری کا تذکرہ ہے کہ وہ اگرچہ حضور انور ﷺ سے دور رہتے ہیں مگر حضوری میں ہیں۔ کہ ان کی دعائیں لیتے ہیں۔

صدقات وخیرات بھی کرتے ہیں تو اس نیت سے کہ خدا سے قرب کے ساتھ حضور ﷺ کی دعائیں بھی ملیں گویا دور والوں کے بعد حضور والوں کا ہے نور والوں کے بعد باشعور حضرات کا تذکرہ ہے۔

**شان نزول:** مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ قبیلہ حزنیہ کے ایک خاندان بنی مقرن کے متعلق ان کے فضائل میں نازل ہوئی امام کلبی کہتے ہیں کہ یہ آیت قبیلہ اسلم۔ غفار۔ جہینہ کے متعلق نازل ہوئی۔ بعض نے فرمایا کہ یہ آیت عبداللہ ذی لبجا دین ابن نجم قرنی کے متعلق نازل ہوئی۔ (خازن۔ روح المعانی وغیرہ) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلم کو خدا سلامت رکھے غفار کی اللہ مغفرت کرے۔ (مسلم بخاری) مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ میں ہی نہیں کہہ رہا ہوں رب تعالیٰ کا فرمان ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قریش انصار جہینہ۔ حزینہ اسلم ۔ اشجع۔ غفار آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں ان کا اللہ رسول کے سوا کوئی دوست نہیں (تفسیر خازن) بہر حال یہ آیت دیہات کے قبیلے کے متعلق نازل ہوئی۔

**تفسیر ومن الاعراب:** اس فرمان کی تفسیر ابھی پچھلی آیت میں کی جا چکی ہے کہ اس میں من بعضیت کا ہے اعراب عرب کے دیہاتیوں کو کہا جاتا ہے۔ یعنی بعض دیہاتی تو وہ ہیں جن کی بد باطنی تم سن چکے اور بعض دیہاتی ان کے مقابل وہ بھی ہیں من یومن باللہ و الیوم الآخر جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اس طرح کہ ان دونوں کو اور ان کے درمیان تمام ایمانی باتوں کو بذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مانتے ہیں کہ حضور ﷺ کو مان کر پھر آپ ﷺ کے فرمان سے انہیں مانتے ہیں کہ ایمان کی حقیقت یہ ہی ہے فقیر کی یہ تفسیر خیال میں رہے کہ آمن کی بجائے یومن فرما کر یہ بتایا کہ وہ ایمان پر قائم ہیں ایمان لانا کمال نہیں بلکہ ایمان پر قائم رہنا کمال ہے۔ اس فرمان عالی میں رب تعالیٰ نے ان کے ایمان او جز بتا، ایمان کی خبر دی۔ ان کے عقائد کا یہ حال ہے ان کے نیک اعمال کا یہ حال ہے کہ ویتخذ ما ینفق قربات عند اللہ یہ فرمان عالی معطوف ہے یومن باللہ (الخ) پر اتخاذ کے معنی ہیں سمجھنا جاننا یعنی دل کا بنانا۔ اس نیت سے یہ کام کرنا ما ینفق سے مراد سارے چھوٹے بڑے صدقات ہیں خواہ فرض صدقے ہوں جیسے زکوۃ یا واجبی صدقے جیسے فطرہ وقربانی یا نفل صدقات جیسے مجاہدین پر حاج پر مساجد پر خرچ کرنا اور ہوسکتا ہے کہ اس سارے خرچے مراد ہوں۔ خواہ عبادت میں خرچ ہو یا عادت میں حتیٰ کہ اپنا اور اپنے بچوں کا کھانا پہننا بھی پہلی صورت میں صرف مالدار مراد ہوں گے اور اس صورت میں امیر فقیر سب قربات دوسرا مفعول ہے یتخذ کا یہ جمع ہے قربۃ کی اس سے مراد ہے ذریعہ قرب الٰہی اور قرب سے مراد جگہ کا قرب ہونا نہیں بلکہ قبولیت کا قرب مراد ہے ہر صدقہ یا ہر خرچہ ایک قسم کا قرب کا ذریعہ ہے اس لئے قربات جمع ارشاد ہوا۔ عند اللہ یا تو قربات کی صفت ہے یا یتخذ کا ظرف اور ہوسکتا ہے کہ قربات کا ظرف ہو کہ قربات بمعنی مقربات ہو (روح المعانی) یعنی اپنے صدقات کو قرب الٰہی کا ذریعہ بناتے ہیں کہ خالص اللہ کے لئے خرچ کرتے ہیں خوشی اور محبت واخلاص سے۔ وصلوات الرسول یہ معطوف ہے قربات پر صلوات جمع ہے صلوۃ کی بمعنی دعا اس دعا سے مراد یا تو وہ دعا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقہ لانے والے کو دعا دیتے تھے جیسے اللھم صلی علی آل ابی اوفی یا اللہ ابی اوفی کی اولاد پر رحمت کر یا اس سے حضور انور ﷺ کی وہ دعا ہے جو خوش ہو کر دیتے تھے اور دیتے ہیں۔ پہلی صورت میں یہ خبر اس زمانہ سے خاص ہے۔ دوسری

صورت میں تاقیامت یہ دعا میسر ہے کہ حضور انور ﷺ ہر امتی کی نیکی ملاحظہ فرما کر خوش ہوتے اور اس امتی کو دعائیں دیتے ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ کی قربت کے بعد رسول کی صلوٰۃ کا ذکر فرما کر یہ بتایا گیا کہ اللہ کا قرب حضور ﷺ کی دعا سے حاصل ہوتا ہے کیوں نہ ہو کہ حضور ﷺ ہر نعمت و رحمت کا وسیلہ عظمٰی ہیں اللہ کے فضل و کرم کا دروازہ ہیں۔ نعمت دروازہ سے ہی ملتی ہے اسی لئے فقیر دروازہ پر کھڑے ہو کر صدا دیتا ہے (تفسیر ماوی) چونکہ ہر صدقہ پر حضور ﷺ الگ دعا دیتے ہیں یا ایک ایک نیکی پر بہت دعائیں دیتے ہیں۔ اس لئے صلوات جمع ارشاد ہوا۔

الا انها قربة لهم. اس فرمان عالی میں قبولیت کی بشارت ہے کہ جس صدقہ میں اللہ کے قرب حضور ﷺ کی دعا کی نیت کی جاوے وہ قربۃ ہی ہوتا ہے انها میں ها کا مرجع یا تو ینفق ہے کہ ما اگر چہ مذکر ہے مگر اس سے مراد صدقات ہیں اور صدقہ مونث اور یا اس کا مرجع صلوات الرسول ہے (تفسیر خازن) یعنی آگاہ رہو کہ حضور ﷺ کی دعائیں ان لوگوں کے لئے ذریعہ قرب الٰہی ہے کہ ان کی دعا سے قرب الٰہی بھی حاصل ہوتا ہے عمل قبول بھی ہوتے ہیں دلوں کو چین بھی ملتا ہے ان صلوتک سکن لهم اور دلی پاکیزگی بھی میسر ہوتی ہے تطهرهم وتزكيهم بها وہ آیات اس آیت کی تفسیر ہیں سید خلهم الله فی رحمته پچھلے فرمان میں تو رب تعالیٰ نے ان کے اعتقاد کی درستی کی گواہی دی تھی اب اس کے سوا ایک انعام کا ذکر ہے اس میں سین تاکید کے لئے ہے کیونکہ اثبات میں سین ایسا ہی ہے جیسے نفی میں لن۔ رحمت سے مراد یا تو جنت ہے جو آخرت میں عطا ہوگی یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن کرم ہے وما ارسلناک الا رحمته للعالمین۔ یعنی رب تعالیٰ ان لوگوں کو اپنی رحمت خاص میں داخل فرمائے گا۔ ان اللہ غفور رحیم ۔اس فرمان عالی میں ان حضرات سے دو اور وعدے ہیں یعنی ان کے تمام خطاؤں کو معافی اور رحم و کرم عطا فرما۔

**خلاصہ تفسیر:** دیہات کے بعض باشندے وہ بھی ہیں جو صحیح معنی میں اللہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور قیامت پر بھی اس طرح کہ ان دونوں کو آپ ﷺ کے ذریعہ سے مانتے ہیں عقیدے کا تو ان کا یہ حال ہے ان کے اعمال خصوصاً صدقات و خیرات کا یہ حال ہے کہ جو کچھ وہ راہ خدا پر خرچ کرتے ہیں اسے وہ دو چیزوں کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ سے قرب کہ یہ خرچ خوشنودی خدا تعالیٰ کا ذریعہ بنے دوسرے حضور انور ﷺ کی دعائیں لینا کہ وہ سرکار اس سے خوش ہوں۔ اور دعائیں دے دیں۔ ان کی دعا سے بیڑا پار ہو جاوے ان کی یہ نیت بالکل درست ہے۔ بے شک ان کے صدقات یا انکے لئے محبوب کی دعائیں واقعی ان کے لئے قرب الٰہی کا باعث ہیں جن کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ سے بہت ہی قرب پا لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں اپنی رحمت یعنی جنت میں داخل فرمائے گا۔ یا دنیا میں اپنی رحمت یعنی رحمتہ اللعالمین کے دامن کرم میں داخل کرے گا۔ اس کے سوا ان کے سارے گناہ خطائیں معاف فرما دے گا کیونکہ وہ غفور ہے اور انہیں اپنی رحمت سے اور بہت نعمتیں دے گا۔ کیونکہ وہ رحیم ہے۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** اللہ اور قیامت کو جاننا یا ماننا کچھ اور ہے مگر ان پر ایمان لانا کچھ اور ان پر ایمان یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

ذریعہ انہیں مانا جائے یہ فائدہ یومن باللہ والیوم الآخر سے حاصل ہوا کیونکہ منافقین بلکہ اہل کتاب کفار بلکہ بہت سے دوسرے کفار رب کو بھی مانتے ہیں اور قیامت کو مگر قرآن نے انہیں مومن نہ کہا صرف ان حضرات کو مومن کہا جن کا یہاں ذکر ہے یعنی رسول کو ماننے والے۔

**دوسرا فائدہ:** ایمانیات کی ابتداذات الٰہی سے ہے اور انتہا قیامت پر باقی سارے ایمانیات ان میں آجاتے ہیں یہ فائدہ بھی یومن باللہ والیوم بالاخر سے حاصل ہوا کہ فرشتوں، جنت، دوزخ کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ وہ سب اس میں آگئے۔

**تیسرا فائدہ:** نیک اعمال میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے ساتھ حضور انور ﷺ کی خوشنودی کی نیت کرنا شرک نہیں بلکہ قبولیت کا ذریعہ ہے یہ فائدہ قربات عنداللہ کے ساتھ وصلوات الرسول فرمانے سے حاصل ہوا لہٰذا نماز روزہ حج وزکوۃ وغیرہ ساری عبادات میں یہ نیت کرنا کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو اور حضور انور ﷺ خوش ہو کر دعائیں دیں بہت ہی اچھا ہے۔ حضور ﷺ کی رضا رب تعالیٰ کی رضا ہے۔ رب فرماتا ہے واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ۔

**چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کا قرب صرف حضور انور ﷺ کی دعا اور ان کی نظر کرم سے حاصل ہوتا ہے یہ فائدہ انہا قربۃ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جو تفسیر خازن نے کی۔ یعنی انہیں سے مراد صلوات الرسول ہے۔ یہاں تفسیر خازن نے چند باتیں فرمائیں (۱) ہر عمل میں حضور انور ﷺ کی رضا کا لحاظ چاہئے۔ کیونکہ اللہ کی ہر نعمت ہم تک حضور ﷺ کے واسطے سے پہنچی (۲) جب رب تعالیٰ نے ہم کو اپنا بندہ بنایا تو حضور ﷺ کے واسطے سے ہم پر کرم کیا (حضور ﷺ کے واسطہ) سے تو ہم حضور ﷺ سے بے نیاز کیسے ہو سکتے ہیں۔ فرمایا قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (۳) جو حضور انور ﷺ کے واسطے کے بغیر رب سے ملنا چاہے اس کی ساری کوششیں برباد ہیں۔ (۴) حضور انور ﷺ اللہ کا وسیع دروازہ ہیں جو وہاں سے آئے اسی دروازہ سے آئے جو رب تک پہنچے اسی دروازے سے پہنچے۔ شعر۔

وانت باب اللہ ای امرء اتاہ من غیرک لایدخل

(۵) حضور انور ﷺ تک پہنچنا رب تک پہنچنا ہے۔ کیونکہ دربار رسول اور دربار خدا ایک ہی ہیں جو ان دونوں درباروں میں فرق کرے وہ معرفت کا مزہ نہیں چکھ سکتا۔ (تفسیر صاوی)

**پانچواں فائدہ:** صدقہ لینے والا صدقہ دینے والے کو دعا دے یہ سنت یہ فائدہ صلوت الرسول سے حاصل ہوا۔

**چھٹا فائدہ:** صدقہ دیتے یا لیتے وقت دعا کرنا سنت ہے قرآن مجید سے ثابت ہے۔ حضور ﷺ کی خدمت میں جب کوئی صدقہ لاتا تو حضور ﷺ فرماتے تھے اللھم صلی علی فلان۔ لہٰذا فاتحہ نیاز ختم شریف وغیرہ بالکل جائز ہے کہ اس میں صدقہ کرتے وقت دعا کی جاتی ہے کہ خدا اس کا ثواب فلاں کو عطا فرما یہ بھی صدقہ کے وقت کی دعا ہے۔ حضور انور ﷺ اپنی امت کی طرف سے قربانی کر کے فرماتے تھے اللھم ھذا من امۃ محمد فتقبل۔ الٰہی یہ میری امت کی طرف سے اسے قبول فرما۔ یہ ہی ختم فاتحہ میں کہا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ کوئی مسجد عشار میں دو نفل پڑھ کر کہہ دے کہ اللھم ھذا لابی ھریرہ۔ الٰہی یہ ابوہریرہؓ سے ہے اس کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کرو۔ یہ فقیر ہمیشہ

رات کے نوافل کی نیت میں یہ الفاظ کہہ لیتا ہے لسیدنا و نبینا محمد صلی الله علیه وسلم۔

**ساتواں فائدہ**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو دعا دیتے ہیں اس کی دعا کی نوعیت اور ہے کہ اس سے ان کے اعمال اور ان کے دلوں کو چین نصیب ہوتا ہے اور ہر امت بھی ہر دم حضور انور ﷺ کو دعائیں دیتی ہے مگر یہ دعا ایسی ہے جیسے بھکاری بھیک مانگنے کے لئے اور بھیک پا کر داتا کو دعائیں دیتے ہیں۔ شعر۔

قلب کی صورت غنچہ بستہ اس کو کرم سے کر و شگفتہ     دے گا دعا میں حافظ خستہ صلی اللہ علیہ وسلم

**مسئلہ**: ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے انبیاء کرام یا فرشتوں کی دعا علیہ الصلوۃ والسلام یا صلی اللہ علیہ وسلم یا علیہ السلام کے الفاظ سے دیں گے اور عام مسلمانوں کو مرحوم۔ مغفور ف۔ غفرلہ کے الفاظ سے دیں گے۔ مقبول ہستیوں کو رحمۃ اللہ علیہ یا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ سے دعائیں دیں۔ نبی اور فرشتوں کے سوا کسی اور کو علیہ السلام یا صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے۔ لہذا علی علیہ السلام یا امام حسین علیہ السلام نہیں کہنا چاہیے۔ اسی طرح حضرت جبریل یا حضرت موسیٰ کو رحمۃ اللہ علیہ یا رضی اللہ یا مرحوم مغفور نہیں کہہ سکتے۔ اس کی تفصیل روح المعانی میں اسی مقام پر دیکھو۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عزوجل نہیں کہہ سکتے کہ رب تعالیٰ کے لئے ہیں اگرچہ حضور انور ﷺ اللہ کے کرم سے عزت والے بھی ہیں اور جلیل بھی۔ (روح المعانی) اس مسئلہ کا ماخذ وہ آیت کریمہ ہے یاایھا الذین امنوا صلوا علیه وسلم تسلیما کی ضمیر نبی کی طرف ہے جس سے اشارۃً معطوف ہوا صلوۃ وسلام نبی کے لئے ہے دوسرے انسان کے لئے نہیں۔ بعض لوگ علی علیہ السلام حسین علیہ السلام کہتے ہیں وہ جاہل ہیں۔ یہ ہی روافض کی علامت ہے (از روح المعانی) یہ مسائل اچھی طرح یاد رکھنا چاہئیں۔

**پہلا اعتراض**: یہاں من یومن کیوں فرمایا۔

**جواب**: مقصود یہ ہے کہ وہ ایمان لاچکے اور ایمان پر قائم ہیں امن فرمانے ایمان پر رہنا معلوم نہ ہوتا ایمان لانا کمال نہیں بلکہ ایمان پر رہنا کمال ہے شیطان پہلے ایمان لایا مگر اس پر قائم نہیں رہا۔

**دوسرا اعتراض**: اکثر منافقین یہودی تھے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کو بذریعہ نبی موسیٰ علیہ السلام مانتے تھے پھر وہ کافر کیوں رہے اور حضور کا کلمہ پڑھنے والے مومن کیوں ہوئے۔ ان کے بارے میں فرمایا گیا من یومن بالله و الیوم الاخر۔

**جواب**: ان نبیوں کی نبوتیں ختم ہوچکیں اب ان کے واسطہ سے رب تعالیٰ اور تمام ایمانیات کو ماننا ایمان نہیں۔ اب صرف حضور انور ﷺ کے ذریعہ یہ چیزیں ماننا ایمان ہے جس سلکہ کا چلن بند ہو جائے اس سے سودا نہیں ملتا جو راستہ آگے سے بند کر دیا جائے اس کے ذریعہ مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔

**تیسرا اعتراض**: اس آیت میں قربات اور صلوات کو جمع کیوں فرمایا گیا۔ قربۃ اور صلوۃ واحد فرمانا بھی کافی تھا۔

**جواب**: اس لئے کہ وہ دیہاتی حضرات اپنے ہر صدقہ سے اللہ تعالیٰ کی بہت قربتیں اور حضور ﷺ کی بہت دعاؤں کی آرزو کرتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ وہ ہم بھکاریوں کو دیکھ کر نہیں دیتے بلکہ اپنی شان اپنا کرم دیکھ کر بھیک دیتے ہیں۔

**چوتھا اعتراض**: پھر رب نے یہ کیوں فرمایا الا انها قربة لهم یہاں بھی قربات جمع فرمانا چاہئے تھا۔ کیا رب نے ان کی

آرزو پوری نہیں کی۔

**جواب:** یہاں قربۃ اسم جنس ہے جس میں ایک اور زیادہ سب داخل ہیں اور ان کی تنوین عظمت کی۔ یعنی ان کی آرزو سے زیادہ کی عطا ہے۔

**پانچواں فائدہ:** تم نے کہا کہ نبی اور فرشتوں کے سوا کسی کو علیہ السلام یا صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے مگر ہم درود ابراہیمی میں پڑھتے ہیں **اللھم صلی علی سیدنا محمد و علی ال سیدنا محمد** (الخ) آل رسول بھی تو نبی نہیں پھر ان پر صلوٰۃ کیوں بھیجی جاتی ہے۔

**جواب:** غیر نبی پر مستقلاً درود یا انہیں علیہ السلام کہنا ممنوع ہے نبی کے تابع کر کے کہنا جائز ہے (دیکھو روح المعانی اور عام کتب فقہ) جب **اللھم صل علی سیدنا محمد** کہہ لیا تو آگے **و علی ال سیدنا محمد و اصحابہ و اولیاء امتہ و علماء ملتہ و علی سیدنا غوث اعظم** وغیرہ کہنا جائز ہو گیا۔ مگر **اللھم صلی علی اصحاب رسول اللہ** وغیرہ یا امام حسین یا علی یا عمر علیہ السلام کہنا ممنوع۔

**چھٹا اعتراض:** ابھی تم نے حدیث نقل کی کہ حضور انور ﷺ صدقہ لانے والوں کو ان الفاظ سے دعا دیتے تھے **اللھم صلی علی ال فلان** ، یہاں صل ہے اور نبی کا ذکر نہیں غیر نبی پر مستقلاً درود ہے پھر ہمارے واسطے ناجائز کیوں۔

**جواب:** **اللھم صلی یاصلی اللہ علیک السلام** حضور انور ﷺ کا اپنا حق ہے اگر حضور ﷺ اپنا حق کسی کو دے دیں تو آپ ﷺ سرکار مختار ہیں مگر ہم کو یہ حق دوسرے کو دینا منع ہے بہت سے الفاظ حضور انور ﷺ فرما سکتے ہیں ہم نہیں کہہ سکتے۔ حضور انور ﷺ نے اپنی بعض ازواج پاک کو فرمایا۔ عقری حلقی ، منڈی بانجھ اگر ان بیبیوں کے متعلق ہم کہیں تو ایمان سے ہی باہر ہو جاویں غرضکہ حضور انور ﷺ کے احکام اور ہیں اور ہمارے احکام جداگانہ یعنی کچھ اور۔

**لطیفہ:** بعض شیعہ نواز سنی عموماً کہتے ہیں علی علیہ السلام یا امام حسین علیہ السلام مگر کبھی حضرت عمر علیہ السلام یا عثمان علیہ السلام نہیں کہتے **یاصلی اللہ علی امام حسین یا اللھم صلی علی امام** حسین نہیں کہتے اس فرق کی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی ان شاء اللہ اس کی پوری بحث **هو الذی یصلی علیکم و ملائکته** کی تفسیر میں کیا جاوے گی۔

**ساتواں فائدہ:** یہ دیہاتی مخلص مومنین اپنے گاؤں میں خفیہ یا ظاہر کم زیادہ خیراتیں کرتے تھے اس پر حضور انور ﷺ کی دعا میں انہیں کیسے ملتی تھیں نبی کریم تو ان سے دور مدینہ منورہ میں جلوہ افروز تھے۔

**جواب:** اس زمانے میں ظاہری مال یعنی زمین و جانوروں کی زکوٰۃ نبی کریم ﷺ کا مقرر کردہ عامل وصول کر کے بارگاہ عالیہ میں پیش کرتا تھا اس کے علاوہ دوسرے صدقات بھی مسلمان اپنی خوشی سے حضور انور ﷺ کی بارگاہ میں لاتے تھے اور دعا میں پاتے تھے نیز حضور انور ﷺ پر کسی مومن کا حال چھپا ہوا نہیں۔

**تفسیر صوفیانہ:** تاقیامت ہر جگہ کے سارے مسلمان حضور انور ﷺ کے اعرابی دیہاتی ہیں۔ شعر۔

نیم راز تی چہ کم من نجمی او عربی     الف عبرش چہ زنم من حبشی او قرشی

ہر مومن اپنے ہر نیک عمل میں دو نیت کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل ہونے اور حضور انور ﷺ کا خوش ہو کر دعائیں دے دینے کی بلکہ ہمارے اعمال حضور انور ﷺ کی دعاؤں کا ذریعہ ہیں اور حضور ﷺ کی دعائیں اللہ تعالیٰ سے قرب کا ذریعہ الا انها قربة لهم کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ صلوات رسول ان کے لئے قرب الٰہی ہے۔ ایسے خوش نصیبوں کے لئے تین بشارتیں ہیں۔ عطاء قرب۔ مغفرت گناہ رحمت خاص میں داخلہ مومن اپنی ہر نیکی میں خواہ بدنی ہو یا مالی یا جانی حضور ﷺ کی دعا ملنے کی آس لگائے کیونکہ حضور ﷺ کو ہمارے ہر عمل کی خبر ہے۔ لا یخفی علی ارکوعکم وسجودکم وخشوعکم جیسے ہر عضو کے ہر حرکت کی روح کو خبر ہے ویکون الرسول علیکم شہیدا۔ قسم رب کی اگر ایک دفعہ نگاہ کرم فرمادیں ہم جیسے کروڑوں کا بیڑا پار ہو جائے۔ شعر۔

لب پہ جنہاں لے شہ کون و مکان تاب یا بند کچھو ماسدہا امان

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَ

اور اول درجے کے سبقت لے جانے والے مہاجر اور انصار اور

اور سب میں اگلے پہلے مہاجر و انصار اور

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا

وہ جو پیروی کریں ان کی ساتھ بھلائی کے راضی ہے اللہ ان سے اور راضی

جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ

عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ

ہوئے وہ اللہ سے اور تیار کیں اللہ نے واسطے ان کے جنتیں کہ بہتی ہیں نیچے ان کے

اللہ سے راضی اور ان کے لئے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں یہ کامیابی ہے بڑی

ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے

**تعلق**: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں دیہاتی منافقین اور مومنین مخلصین کا بالترتیب ذکر ہوا منافقین کا ذکر غضب سے اور مخلصین کا رحمت کے ساتھ اور شہر مدینہ منورہ میں رہنے والے مخلصین صحابہ کے درجات کا تذکرہ ہے تاکہ ان حضرات کی خصوصی شان

معلوم ہو۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ان دیہاتی مخلصین کا ذکر ہوا جو اخلاص سے اپنے مال راہ خدا میں خرچ کریں۔ جہاد۔ زکوۃ وغیرہ میں اب ان خوش نصیب صحابہ کا ذکر ہے جنہوں نے راہ خدا میں وطن اور اپنی جانوں کی قربانی دی گویا مالی قربانی کے بعد وطنی و جانی قربانی کا تذکرہ ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اس عبادت کا ذکر ہوا جس سے اللہ کا قرب۔ حضور انور ﷺ کی دعائیں۔ جنت میں داخلہ۔ گناہوں کی مغفرت حاصل ہو اور اس پر عمل تا قیامت ہو سکے۔ اب اس خصوصی عبادت کا ذکر ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہو۔ جو سب سے اعلیٰ ہے اور وہ خاص نصیب والوں کو مل چکی ہیں یعنی سبقت ہجرت۔ نصرت کہ یہ نعمتیں خاص صحابہ کو میسر ہوئیں۔ باقی لوگ ان کے دعا گو ہو کر رب سے انعام حاصل کریں۔

**تفسیر:** والسابقون الاولون ۔ اس آیت کی بہت سی ترکیبیں کی گئی ہیں اور آسان ترکیب یہ ہے کہ السابقون موصوف ہے اور الاولون صفت من الھاجرین اس کا بیان پھر رضی اللہ عنھم (الخ) اس کی خبر سابقین بنا ہے سبقت سے بمعنی درجہ آگے ہونا۔ اولون بنا ہے اولیت سے بمعنی تعداد و شمار یا زمانہ میں پہلے ہونا۔ اس میں گفتگو ہے کہ اس سے کون حضرات مراد ہیں اس کے متعلق چار قول ہیں (۱) اس میں وہ صحابہ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نمازیں پڑھیں یعنی تبدیلی قبلہ سے پہلے ایمان لائے۔ تبدیلی قبلہ ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد یعنی ۲ ہجری ماہ شعبان منگل کے دن ہوئی۔ (۲) اس سے مراد غزوہ بدر میں شرکت کرنے والے صحابہ ہیں یہ غزوہ ۱۷ رمضان ۲ ہجری میں ہوا۔ (۳) اس سے مراد بیعۃ الرضوان میں شرکت کرنے والے صحابہ ہیں جو صلح حدیبیہ کے موقع پر ۶ ہجری میں ہوا۔ (روح البیان وخازن وغیرہ) (۴) اس سے مراد ہجرت میں پہل کرنے والے صحابہ ہیں یعنی مہاجرین اولین جو حضور انور ﷺ کی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ سے ہجرت کر گئے اور حضور ﷺ کی ہجرت کے بعد امداد نصرت میں پہل کرنے والے انصار یعنی بیعت عقبہ میں شرکت کرنے والے اس تفسیر کو امام رازی نے ترجیح دی اور اسی پر بہت زور دیا۔

**خیال رہے:** کہ اول مومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ ہیں پھر اس میں گفتگو ہے کہ پہلے ایمان کون لایا ترجیح اسے ہے کہ بوڑھوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق ایمان لائے بچوں میں پہلے حضرت علی۔ غلاموں میں حضرت زید ابن حارثہ۔ حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر حضرت عثمان ابن عفا۔ زبیر ابن عوام۔ عبدالرحمٰن ابن عوف۔ سعد ابن ابی وقاص۔ طلحہ ابن عبیداللہ ان سب کو حضرت صدیق حضور کی خدمت میں لائے اور ان آٹھ صاحبوں نے اولاً نماز پڑھی (تفسیر خازن) یعنی پانچ یہ حضرات چھٹے خود صدیق ساتویں حضرت علی۔ آٹھویں خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور بھی جو حضور انور ﷺ اپنے اجتہاد سے پڑھتے تھے۔

**خیال رہے:** کہ ان حضرات سابقین میں پھر ترتیب ہے سب سے افضل خلفاء راشدین پھر بقیہ عشرہ مبشرہ میں سے چھ حضرات سعد۔ سعید۔ ابوعبیدہ۔ طلحہ۔ زبیر۔ عبدالرحمٰن پھر غازیان بدر پھر غازیان احد بیعت رضوان والے (روح البیان من

المهاجرین والانصار۔ اس فرمان عالی کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ من بعضیت کا ہے اور ف معنی یہ ہیں کہ مہاجرین و انصار میں سے اولین سابقین کے یہ فضائل ہیں۔ اس صورت میں ان دونوں مبارک جماعتوں کے دو حصے ہو گئے ایک سابقین اولین دوسرے ان کے تابعین جن کا ذکر ابھی آ رہا ہے چونکہ مہاجرین صحابہ انصار سے افضل ہیں اس لئے مہاجرین کا ذکر پہلے فرمایا گیا۔ انصار کا بعد میں۔ اس بنا پر مہاجرین قریش خلفاء اور انصار وزراء قرار پائے (روح المعانی)۔

**خیال رہے:** کہ حضور انور ﷺ کی ہجرت سے پہلے انصار مدینہ نے تین بار حضور انور ﷺ کے ہاتھ شریف پر بیعت کی۔ تینوں منیٰ میں حج کے موقعہ پر جمرہ عقبہ کے پیچھے پھر منیٰ عقبہ اولی عقبہ ثانیہ۔ بیعت عقبہ ثالثہ۔ پہلی بیعت میں چھ انصاری شریک ہوئے۔ اسد ابن زرارہ۔ عوف ابن مالک۔ رافع ابن مالک۔ ابن عجلان۔ قطبہ ابن عامر۔ جابر ابن عبداللہ ابن رباب اور عقبہ ابن عامر۔ پھر اگلے سال دوسری بیعت اسی جگہ پر ہوئی جس میں بارہ حضرات شریک ہوئے۔ پھر تیسری بیعت ہوئی اس میں ستر (۷۰) حضرات نے شرکت کی جن پر براء ابن معرور۔ عبداللہ ابن عمرو۔ ابن حرام۔ ابو جابر سعد ابن عبادہ۔ سعد ابن ربیع عبداللہ ابن رواحہ جیسے جلیل القدر انصار شامل ہوئے۔ پھر حضور انور ﷺ نے حضرت مصعب ابن عمر کو مدینہ منورہ تعلیم دین کے لئے بھی بھیجا ان کے ہاتھ پر بہت اہل مدینہ ایمان لائے۔ مرد۔ عورتیں بچے بوڑھے (خازن وخزائن) اس تفسیر کی تائید اس آیت سے ہے **لا يستوى منكم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولئك اعظم درجة**۔ جس سے پتہ لگا کہ صحابہ کے درجے یکساں نہیں۔ بعض بعض سے افضل ہیں۔

**دوسری تفسیر:** یہ ہے کہ یہاں مــــن بیانیہ ہے اور مہاجرین وانصار سابقوں کا بیان ہے اب مطلب یہ ہوا کہ سارے مہاجرین وانصار سابقین اولین ہیں کہ وہ اسلام کی صف اول میں ہیں۔ یہ سب جنتی ہیں۔ رب ان سب سے راضی۔ اس تفسیر کی تائید اس آیت سے ہے **وكلا وعد الله الحسنى**۔ اللہ نے سارے صحابہ سے جنت کا وعدہ فرمالیا۔ ان کے جنتی ہونے کا کوئی فرق نہیں۔ **والذين اتبعوهم باحسان**۔ اس فرمان عالی کی بھی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد وہ مہاجرین و انصار ہیں جو سابقین اولین کے بعد ان کے تابع ہیں یہ تفسیر تب ہے جب کہ **من المهاجرين** کا من بعضیت کا ہو اور مطلب یہ ہے کہ ان صحابہ سے بھی تعالیٰ راضی ہے جو سابقین اولین صحابہ کے پیروکار ہیں۔ بھلائی میں اخلاص سے ان کی اتباع کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس سے مراد تا قیامت سارے مسلمان ہیں یہ اس صورت میں ہے جب کہ مـــن المهاجرين (الخ) کا من بیانیہ ہو مطلب یہ ہے کہ سارے صحابہ جو سابقین اولین ہیں ان سے بھی رب راضی اور تا قیامت تمام وہ مومنین جو ان صحابہ کے دل سے متبع ہیں ان سے بھی رب راضی اس تفسیر کی تائید ان آیات سے ہے (۱) **و آخرين منهم لما يلحقوا بهم** (جمعہ) (۲) **والذين جاؤا من بعدهم**۔ حشر۔ (۳) **والذين من بعد** (انفال) روح المعانی، کبیر، خازن وغیرہ)

**لطیفہ:** حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس آیت کی تلاوت یوں کرتے تھے **والانصار الذين اتبعوهم** (الخ) یعنی انصار کو پیش پڑھتے تھے۔ اور الــذيــن سے پہلے واؤ نہیں پڑھتے تھے اور تفسیر یوں کرتے تھے کہ اللہ سارے مہاجرین سے بھی راضی جو

سابقین اولین ہیں اور ان انصار سے بھی جو مہاجرین کے متبع ہیں حتی کہ ابی ابن کعب نے عرض کیا کہ والانصار میں رکو کسرہ ہے اور والذین واؤ کے ساتھ ہے پھر آپ نے حضرت زید ابن ثابت کعب سے پوچھا جو کاتب وحی تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ ابی بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ حضرت جبریل نے یوں ہی تلاوت کی اور حضور انور ﷺ نے مجھے ہی لکھوائی تب حضرت عمر نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ (تفسیر روح المعانی وکبیر) روایت ہے حمید ابن زیاد سے فرماتے کہ ایک دن میں نے محمد ابن کعب قرظی سے کہا کہ حضور انور ﷺ کے بعد حضرات صحابہ کی آپس میں بہت جنگیں ہوئیں آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اللہ نے ان سب کو بخش دیا۔ ان کے لئے جنت واجب فرمادی ہے میں نے کہا آپ یہ کہاں سے کہتے ہیں فرمایا قرآن مجید سے اور آپ نے یہ ہی آیت تلاوت کی اور فرمایا کہ دیکھو رب نے ان سے جنت کا وعدہ بغیر شرط فرمایا مگر ان کی اتباع کرنے والوں کے ساتھ وعدہ ایک شرط سے کیا کہ فرمایا باحسان یعنی ان کی اتباع کریں بھلائی سے ان کو اچھا کہتے ہوں تو جنتی ہیں اور کہا کہ باحسان کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوسرے مسلمان صحابہ کے نیک اعمال میں ان کی اتباع کریں رہے ان کے دوسرے اعمال جنگیں وغیرہ ان کا ذکر تک نہ کریں نہ اس میں ان کی اتباع کریں تب جنتی ہوں گے۔ حمید کہتے ہیں کہ مجھے محسوس ہوا کہ میں نے یہ آیت پڑھی ہی نہ تھی۔ آج پڑھی ہے (کبیر روح المعانی خازن وغیرہ) **رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ** ۔ یہ فرمان عالی مذکورہ مبتدا کی خبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان سے راضی۔ غریبی، امیری، صحت، بیماری جس حال میں رکھے وہ ان سے راضی ہیں کبھی کسی چیز کسی چیز کی شکایت نہیں کرتے۔ **واعد لھم جنات تجری من تحتھا الانھار** یہ معطوف ہے۔ **رضی اللہ عنھم** (الخ) پر۔ اور ان لوگوں کی دوسری جزا کا ذکر ہے یعنی جنتیں ان کے نامزد کردی گئیں جن میں بہار یہ ہے کہ ان کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں اور رہیں گی **خالدین فیھا ابدا** ۔ یہ فرمان عالی **لھم** کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ لوگ ان جنتیوں میں ہمیشہ ہی رہیں گے۔ خیال رہے کہ آئندہ کی ہمیشگی کو ابد کہتے ہیں۔ گذشتہ کی ہمیشگی کو ازل اور دو طرفہ ہمیشگی کو سرمد کہا جاتا ہے۔ ابد الاباد اور ازل الازال (روح البیان) **ذلک الفوز العظیم ذلک** سے اشارہ تمام مذکورہ چیزوں کی طرف ہے یعنی اللہ کی رضا جنتیوں کا نامزد ہونا ان میں ہمیشہ رہنا ہی بڑی کامیابی ہے جس کے مقابل کوئی کامیابی نہیں۔

**خلاصہ تفسیر** : ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ کے صحابہ کرام میں اگلے پہلے مہاجرین اور انصار اور وہ لوگ جو بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کریں ان کی شان یہ ہے کہ اللہ ان سے راضی ہو چکا اور وہ لوگ اللہ سے راضی ہو چکے۔ اللہ نے ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں۔ جن کے نیچے نہریں رواں ہیں وہ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ نعمتیں بڑی ہی کامیابی ہیں۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس سال کی عمر شریف میں مکہ معظمہ میں وحی آئی کچھ لوگ حضور انور ﷺ پر ایمان لائے جنہیں کفار مکہ نے بہت ستایا تو ان میں اسی (۸۰) مسلمان حضور انور ﷺ کی اجازت سے حبشہ کو ہجرت کر گئے۔ یہ ہجرت رجب میں نبوت کے پانچویں سال ہوئی۔ یہ بھی اول ہجرت ہے پھر نبوت کے گیارہویں سال پہلی

بیعت عقبہ ہوئی اور بارہویں سال دوسری بیعت عقبہ پھر مبعوث ہونے کے چودہویں کی ابتدا میں حضور انور ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ اس کے بعد جو مسلمانوں نے ہجرت کی وہ دوسری ہجرت ہے پہلوں کو مہاجرین اولین اور سابقین کہتے ہیں اور جن انصار نے بیعت عقبہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا وہ سابقین انصار ہیں۔ حضور انور ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کے بعد جن حضرات نے بیعت کی وہ گویا لاحقین ہیں۔ (روح البیان) یہاں سابقین مہاجرین و انصار کے فضائل مذکور ہوئے۔ بعض حضرات دو ہجرت والے ہیں انہیں صاحب ہجرتین کہتے ہیں کہ حضور انور ﷺ کی ہجرت سے پہلے وہ حبشہ وغیرہ ہجرت کر گئے پھر حضور ﷺ کی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ ہجرت کر کے آ گئے۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** پرانا مسلمان ہونا رب تعالیٰ کی نعمت ہے اور انسان کی اچھی صفت دیکھو اس آیت میں پرانے مومنوں کو سابقین اولین فرمایا اور بعد والوں کو تابعین اس لئے کہا جاتا ہے وانا اول المومنین۔

**دوسرا فائدہ:** آڑے وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی خدمت کرنا بڑی فضیلت کا باعث ہے یہ فائدہ بھی السابقون الاولون سے حاصل ہوا رب فرماتا ہے لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل (الخ) یہ فائدے اس آیۃ کریمہ کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوئی جب کہ والذین اتبعوھم سے بعد کے مہاجرین و انصار مراد ہوں۔

**تیسرا فائدہ:** کوئی مسلمان کسی درجہ پر پہنچ کر صحابی کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ وہ حضرات سابقین اولین میں تا قیامت تمام اقسام کی مومنین ان کے تابع ہیں۔ یہ فائدہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے حاصل جواب کہ والذین اتبعوھم سے تا قیامت مومنین مراد ہیں۔

**چوتھا فائدہ:** مہاجرین صحابہ انصار سے افضل ہیں اگرچہ دونوں جماعتیں اللہ کی مقبول ہیں یہ فائدہ مہاجرین کو انصار سے پہلے بیان فرمانے سے حاصل ہوا۔ من المھاجرین و الانصار۔

**پانچواں فائدہ:** حضرات صحابہ کرام اور تا قیامت سارے مقبول مومنین کو رضی اللہ عنہ کہہ سکتے ہیں یہ فائدہ رضی اللہ عنہم (الخ) سے حاصل ہوا ایک جگہ ارشاد ہے رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ ذلک لمن خشی ربہ۔

**چھٹا فائدہ:** حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بعد انبیاء ساری خلقت سے افضل ہیں کیونکہ ہجرت میں جو سبقت انہیں میسر ہوئی وہ کسی کو نہیں کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح ہجرت کی کہ حضور کو اپنے کندھے پر لے کر غار ثور پر چڑھے پھر غار میں اندھیری رات میں اکیلے اترے اسے ہاتھ سے صاف کیا اپنے کپڑے پھاڑ کر اس کے سوراخ بند کئے پھر حضور کو اپنے گھٹنوں پر سلایا اپنی انگلی میں سانپ کٹوایا وغیرہ وغیرہ اس لئے آپ ہی خلافت رسول میں سابق اور پہلے رہے۔ (تفسیر کبیر) رب نے انہیں ثانی فرمایا پھر انہیں ثالث یعنی تیسرا کون کرتا۔ شعر۔

ثانی اثنین کے اس طرح ہیں مظہر صدیق ... موت میں قبر میں اور حشر میں ثانی ہی رہے

**ساتواں فائدہ:** خلفاء ثلثہ یعنی حضرت صدیق اکبر فاروق اعظم، عثمان غنی کی خلافتیں برحق ہیں اور وہ امام برحق کیونکہ اگر

ان کی خلافتیں باطل ہوتیں تو نہ رب تعالیٰ ان سے راضی ہوتا نہ ان کے لئے جنت ہوتی۔ نہ وہ کامیاب ہوتے مگر قرآن کی یہ آیت بتا رہی ہے کہ رب تعالیٰ ان سے راضی ہے ان کے لئے جنت ہے وہ بڑے کامیاب ہیں (تفسیر کبیر) کیونکہ سابقین کے جو بھی معنی کئے جائیں وہ ہر معنی سے سابق ہیں۔

**آٹھواں فائدہ:** تا قیامت وہ ہی مسلمان حق پر ہیں جو حضرات صحابہ یعنی مہاجرین و انصار کے پیروکار ان کے ثنا خواں ان کا ذکر کرنے والے ہیں صرف وہ ہی جنتی ہیں رب تعالیٰ انہیں سے راضی ہے یہ فائدہ **والذین اتبعواھم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب رب تعالیٰ حضرات صحابہ کے غلاموں پیروکاروں سے راضی ہے تو خود اس سے کتنا راضی ہوگا۔ لہٰذا روافض و خوارج باطل پر ہیں۔

**نواں فائدہ:** سارے صحابہ عادل، ثقہ، متقی ہیں ان میں کوئی فاسق نہیں۔ یہ فائدہ رضی اللہ عنہم (الخ) سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ فرماتا ہے **و کلا و عدالله الحسنی** جو تاریخی واقعہ ان کا فسق ثابت کرے وہ جھوٹا ہے قرآن مجید سچا ہے۔

**مسئلہ:** صحابہ کی کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے ان اصحاب بدر تین سو تیرہ ہیں۔ خلفاء ارشدین چار اور یار غار افضل الخلق الانبیاء ایک جیسے نبیوں کی کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ان میں رسول تین سو تیرہ۔ مرسلین چار اور مصطفیٰ ایک۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رضی اللہ عنہ صرف حضرات صحابہ کو کہنا چاہئے۔ دوسروں کو نہیں۔ کیوں کہ یہاں سابقین اور تابعین صحابہ کو رضی اللہ عنہ فرمایا گیا۔ پھر تم لوگ غوث اعظم۔ امام اعظم اور اعلٰحضرت کو رضی اللہ عنہ کیوں کہتے ہو۔

**جواب:** اسی آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ سارے مقبول مومنوں کو رضی اللہ عنہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ **الذین اتبعوا** کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ اس سے تا قیامت حضرات صحابہ کرام کے متبعین مراد ہیں دوسری آیت میں اسے بالکل ہی صاف کر دیا گیا ہے۔ **رضی الله عنهم و رضو عنه ذلک لمن خشی ربه** ہر خوف خدا رکھنے والے سے رب راضی ہو چکا۔

**دوسرا اعتراض:** سابقین اور اولین ایک ہی ہیں پھر انہیں علیحدہ کیوں بیان کیا جو سابق ہے وہ اول ہے اور اس کے برعکس۔

**جواب:** سابقین سے مراد درجے میں سبقت رکھنے والے اولین سے مراد ہیں تعداد میں اولیت والے یا سابقین سے مراد ہیں حضور انور ﷺ کی خدمت کرنے میں سبقت والے اور اولین سے مراد اسلام کی خدمت میں پہل کرنے والے یا سابقین سے مراد ہیں دنیا میں دوسروں پر سبقت والے اور اولین سے مراد ہیں آخرت میں سب سے اول رہنے والے یا سابقین کا تعلق مہاجرین سے ہے اور اولین کا تعلق انصار سے یعنی ہجرت میں سبقت کرنے والے اور نصرت رسول میں اولیت والے اس کی اور بہت توجیہیں ہو سکتی ہیں۔

**تیسرا اعتراض:** اتباع کے ساتھ احسان کی قید کیوں لگائی کہ فرمایا **والذین اتبعوھم باحسان**۔

**جواب:** صحابہ کرام کی صرف اتباع نجات کے لئے کافی نہیں صرف اتباع تو منافقین بھی کرتے تھے بلکہ ان کی اتباع

احسان کے ساتھ چاہئے۔ احسان کے معنی ہیں اچھا کہنا۔ اچھا ماننا۔ یعنی منہ سے ان کا مدح خواں ہو۔ دل سے انہیں اچھا مانے پھران کی اتباع کرے احسان نے حضرات صحابہ میں اور ہم مسلمانوں میں فرق کر دیا کہ ان حضرات سے رب تعالیٰ مطلقاً راضی ہے کہ وہ سابق او راول ہی رہے تم لوگوں سے رب دو شرطوں سے راضی ہوگا۔ ایک یہ کہ انہیں اپنا متبوع پیشوا مانو دوسرے یہ کہ انہیں برحق نیک کار متقی جانو۔ ان میں عیب نہ نکالو۔ فقیر کے نزدیک یہ جواب بہت قوی ہے۔ اس کے علاوہ تفسیر کبیر وغیرہ نے جو جوابات دیئے وہ قوی نہیں کہ انہوں نے باحسان میں ب کو بمعنی فی لیا۔ یعنی اچھی باتوں میں ان کی اتباع کریں۔ باقی میں نہیں یہ جواب قوی نہیں۔ شعر۔

چیدہ بہرپا کان حضرت فاروق اعظم ہیں ۔۔۔ رسول اللہ ہیں عیب انکے سب ساتھی بھی طاہر ہیں

**چوتھا اعتراض:** حضرات اصحاب سے بڑے بڑے گناہ بھی سرزد ہوئے ہیں۔ کیا ان کے ان گناہوں کی بھی تعریف کی جائے اور ان میں بھی ان کی اتباع کی جائے۔

**جواب:** اسی وجہ سے امام رازی نے باحسان کے معنی فی احسان مگر فقیر اس کے جواب میں یہ آیت پیش کرتا ہے **الذین تاب وامن وعمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات** ۔ توبہ کے بعد گناہ بھی نیکیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ان چیزوں میں ان حضرات کی اتباع یوں کرے کہ جب گناہ ہو جائے تو ان کی سی توجہ کرے کہ خود حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرے یارسول اللہ مجھ سے گناہ ہو گیا۔ ہلاک ہو گیا۔ مجھے پاک فرما دو انشاء اللہ ادھر سے وہ ہی جواب ملے گا۔ جو حضرت ماعز کے متعلق ارشاد ہوا تھا کہ ماعز کو برا کہو وہ اللہ رسول کا پیارا ہے اپنی خطا پر سنگسار ہو گئے مگر محبوبیت سے خارج نہ ہوئے۔ ماں کیچڑ میں لتھڑے بچے کو نہیں پھینک دیتی۔ جناب مصطفیٰ ہم جیسے گناہوں میں لتھڑے ہوؤں کو نہیں نکال دیتے ان کی صفت ہے **ویزکیھم** وہ پاک وصاف فرما دیتے ہیں۔ ہاں ان سے نہ بھاگو۔ ان کی طرف بھاگو۔ شعر۔

کرکے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ ۔۔۔ تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود!

چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف ۔۔۔ تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا!

**اللھم صلی وسلم علی سیدنا محمد ساتر العیوب غافر الذنوب معاذ الانام ملاذ ذوی الاثام الی یوم القیام۔**

**تفسیر صوفیانہ:** بفضلہ تعالیٰ حضور انور ﷺ کی ساری امت از صحابہ کرام تا یوم القیامہ اولین و آخرین سارے ہی سابقین ہیں یہاں **السابقون** مبتدا ہے اور **الاولون** سے لے کر باحسان تک اس کی خبر اس سبقت کی چند وجہیں ہیں (١) ازلی عنایت میں پہلے یہ ہیں ان **الذین سبقت لھم منا الحسنی** ۔ (٢) پیدائش میں عدم سے وجود میں پہلے یہ آئے بعد میں دوسرے لوگ (٣) عالم ارواح میں صف اول میں یہ تھے پچھلی صفوف میں اور امتیں (۴) جب میثاق کے دن حضرت آدم کی پیٹھ سے روحیں نکالی گئیں تو پہلے یہ امت نکلی بعد میں اور لوگ (۵) **الست بربکم** کے جواب میں پہلے اس امت سے بلی

کہا۔ پھر دوسری امتوں نے (۶) قدم سلوک سے چل کر پہلے یہ امت رب تک پہنچی پھر دوسری امتیں (۷) قیامت میں پہلے اس امت کا حساب شروع ہوگا۔ پھر دوسری امتوں کا۔ (۸) جنت میں پہلے یہ امت داخل ہوگی پھر دوسری امتیں غرضیکہ قدم اور ھمم دونوں میں یہ امت ہی سابق ہے۔ اس لئے حضور انور علیہ السلام نے فرمایا نحن الآخرون السابقون لھذا اولین مہاجرین و انصار اور تاقیامت ان کے متبعین سارے ہی سابقین ہیں۔ (روح البیان) اس امت سے اللہ ان کی تھوڑی عبادت سے راضی یہ لوگ اس کے تھوڑے رزق پر راضی ان کے لئے شریعت وطریقت۔ حقیقت معرفت کے وہ باغات تیار کئے جن کے نیچے خوف خدا عشق رسول کی نہریں بہتی ہیں یہ اس میں ہمیشہ ہی رہیں گے۔ شعر۔

ہرگز نہ میرد آنکہ لش زندہ شد بہ عشق ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

امت رسول ہونا ہی بڑی کامیابی ہے بڑا کامیاب وہ ہے جس کا سر حضور علیہ السلام کے قدم تک پہنچ جائے یہ ہی انسانیت کی کامل معراج ہے۔

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہ سبقت قدم سے نہیں بلکہ ھمم سے ہے۔ جسم کعبہ تک پہنچنے میں سواریوں کا محتاج ہے۔ دل، روح آن میں پہنچتے ہیں ۔

دل بہ کعبہ می رسد درہر زماں جسم طبعی دل بگیر دز امتقان
ایں دراز و کوتہی ب رجسم راست چہ دراز و کوتا انجاکہ خداست
چوں خدا مرجسم راتبدیل کرد تجگنگ بے فرسخ و بے میل کرد

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ وَمِنْ

اور ان میں سے جو تمہارے ارد گرد میں دیہاتی منافق ہیں اور بعض
اور تمہارے آس پاس کے کچھ گنوار منافق ہیں اور کچھ

اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ

مدینے والوں میں سے جو ماہر ہوگئے نفاق پر نہیں جانتے تم
مدینہ والے ان کی خو ہو گئی ہے نفاق تم انہیں نہیں جانتے

نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى

ان کو ہم جانتے ہیں ان کو عنقریب عذاب دیں گے ہم ان کو دو دفعہ پھر لوٹائے
ہم انہیں جانتے ہیں جلد ہم انہیں دوبار عذاب کریں گے پھر بڑے

عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝١٠١

| |
|---|
| جائیں گے وہ طرف عذاب بڑے کے |
| عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے |

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** گذشتہ پچھلی آیات میں دور کے دیہاتی منافقوں کا ذکر ہوا۔ جن تک ایمان کی روشنی نبوت کا فیضان بمشکل پہنچا تھا۔ اب مدینہ منورہ سے بالکل قریب بستیوں میں رہنے والے منافقوں کا تذکرہ ہے۔

**دوسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت میں مدینہ منورہ کے مومنین کا ان کے درجات کا ذکر ہوا۔ اب اس مبارک شہر میں رہ کر منافق رہنے والوں کا تذکرہ ہے گویا مرحومین کے بعد محرومین کا ذکر ہے۔

**تیسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ حضرات صحابہ کرام کے متبعین اگرچہ کبھی ہوں کہیں ہوں ان سے اللہ راضی ہے۔ یعنی ان حضرات کی اتباع تا قیامت مومنوں کے درجے بلند کردے گی۔ اب ارشاد ہے کہ ان کی اتباع کے بغیر خود ان کے پاس رہ کر بھی محروم رہتے ہیں۔ کہ مدینہ میں رہیں صحابہ کے ساتھ رہیں منافق گویا نوریوں کے بعد ناریوں کا تذکرہ ہے۔

**تفسیر:** **وممن حولكم من الاعراب منافقون** یہ جملہ نیا ہے لہٰذا واؤ ابتدائیہ ہے ممن میں من بعضیت کا ہے من موصولہ سے مراد قبیلہ جہینہ۔ مزینہ۔ اسلم۔ اشجع اور غفار ہیں یہ لوگ مدینہ منورہ سے قریب ہی آباد تھے اور بڑے مخلص مومنین تھے۔ انہیں حضور انور ﷺ نے بہت دعائیں دی ہیں مگر مکہ کے پاس بدو۔ ان میں بعض لوگ بدترین منافق تھے یہ ہی بدنصیب لوگ یہاں مراد ہیں لکم میں خطاب اہل مدینہ سے ہے حول کے معنی گھومنا اس لئے سال کو حول کہتے ہیں کہ وہ گھوم گھوم کر آتا ہے اصطلاح میں آس پاس کی زمین اور اس زمین میں رہنے والوں کو حول کہتے ہیں۔ یہاں آس پاس کے رہنے والے مراد ہیں۔ اعراب کے معنی اور عربی و اعرابی کا فرق ہم پچھلی آیت کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یعنی اے اہل مدینہ تمہارے قریب تمہارے آس پاس سے بسنے والوں میں بعض لوگ منافقین ہیں۔ خیال رہے کہ **ممن حولكم** مقدم خبر ہے اور **من الاعراب** اس کا بیان اور **منافقون** مبتداء موخر ہے۔

**ومن اهل المدينة مردوا على النفاق** ۔ اس عبارت کی چند ترکیبیں اور تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ یہ جملہ نیا ہے اور **مردوا** سے پہلے قوم پوشیدہ ہے وہ موصوف ہے اور **مردوا** (الخ) اس کی صفت یہ مبتدا موخر ہے اور **من اهل المدينة** خبر مقدم یعنی خود مدینہ میں رہنے والوں میں ایک قوم ہے جو منافقت پر اڑتی ہوئی ہے۔ دوسرے یہ کہ **من اهل المدينة** معطوف ہے **من حولكم** پر یہ دونوں مل کر خبر ہیں اور منافقون ان دونوں کا مبتدا ہے اور **مردوا على النفاق** علیحدہ جملہ ہے یا منافقوں کی صفت یعنی مدینہ کے آس پاس والوں اور خود مدینہ والوں میں ایسے منافقین ہیں جو منافقت میں بڑے ماہر ہیں کہ انہیں پہچاننا بہت مشکل ہے۔ (تفسیر روح المعانی۔ کبیر۔ خازن) خیال رہے کہ مدینہ مطلقاً شہر کو کہتے ہیں مگر جب مطلقاً

بولا جائے تو اس سے مراد مدینہ منورہ جس میں نبوت کا آفتاب چمک رہا ہے مراد ہوتا ہے اور وہ ہی یہاں مراد ہے یہ لفظ یا تو مدن سے بنا ہے بمعنی رہنا ٹھہرنا کہا جاتا ہے مدن بالمکان جگہ میں رہا اس صورت میں اس کی میم اصل ہے اور یہ بروزن فعلیۃ ہے یعنی محبوب کے رہنے کی جگہ اس کی جمع مدن اور مدائن ہے۔ ہمزہ سے یا یہ دان سے بنا ہے بمعنی اطاعت کی اس کا مصدر دین بمعنی اطاعت و جزا، اطاعت مالک یوم الدین تو میم زائد ہے۔ مدینہ اطاعت و فرمانبرداری کی جگہ اس کی جمع مداین کے ساتھ ہے۔ جیسے معیشۃ کی جمع معائش (روح البیان) اس پاک بستی کے بہت نام ہیں۔ مدینہ۔ طیبہ۔ طابہ بطحیٰ وغیرہ اسے یثرب کہنا ممنوع ہے اس کی کچھ بحث انشاء اللہ یا اھل یثرب لا مقام لکم سورہ احزاب میں کی جائے گی۔ مگر زیادہ مشہور اور وجد آور نام مدینہ ہے:

معجزہ شق القمر ہے مدینہ سے عیاں — مہ نے شق ہو کر لیا ہے دین کو آغوش میں

میرا دل زار مدینہ میں ہے — میں ہوں یہاں یار مدینہ میں ہے

خلد کا بازار مدینہ میں ہے — احمد مختار مدینہ میں ہے

یاد رہے کہ مردوا بنا ہے مرد سے مرد کے لغوی معنی ہیں چکنا ہونا۔ اس لئے چکنے پتھر کو مرد کہتے ہیں رب فرماتا ہے صرح ممرد من قواریر۔ بے داڑھی والے لڑکے کو امرد اور ریگستانی علاقہ کو مرہو کہا جاتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ مرد کے معنی ہیں ظاہر ہونا۔ اس لئے جس درخت کے پتے جھڑ جاویں اسے شجرہ مرادہ کہتے ہیں۔ سرکش انسان کو متمرد، شیطان کو مارد اور مرید (میم کے فتح سے) کہا جاتا ہے اصطلاح میں تجربہ کاری۔ مہارت عادی ہو جانے کو مرو کہتے ہیں۔ وہی یہاں مراد ہے یعنی یہ لوگ منافقت کے فن میں بڑے ہی ماہر تجربہ کار ہیں کہ انہیں پہچاننا آسان نہیں (روح المعانی و کبیر) لاتعلمھم نحن نعلمھم۔ یہ فرمان عالی مردوا علی النفاق کا بیان ہے یعنی یہ ایسے مہارت والے تجربہ کار منافق ہیں انہیں اپنی منافقت چھپانا ایسا آتا ہے کہ تم انہیں نہیں جانتے۔ ان کی منافقت خیال، وہم سے معلوم نہیں کر سکتے۔ انہیں تو ہم ہی جانتے ہیں کہ ہم علام الغیوب ہیں اگر لا تعلمھم میں خطاب ہر قرآن پڑھنے والے سے ہے کہ اے قرآن پڑھنے والے خواہ تو کتنا ہی ذکی ذہین کیوں نہ ہو مگر اپنی ذکاوت سے ان کی منافقت کا پتہ نہیں لگا سکتا تب تو مطلب ظاہر ہے اور اگر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو یا تو علم سے مراد اندازہ سے ذکاوت سے جاننا ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ باوجود اس قدر عقل و فراست کے انہیں اپنی فراست اندازے سے نہیں پہچان سکتے یا یہ آیۂ کریمہ علم منافقین عطا فرمانے سے پہلے کی ہے لہٰذا یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں ولتعرفنھم فی لحن القول۔ آپ انہیں ان کی گفتگو کی روش سے جان لیتے ہو ہماری وحی یا کشف یا الہام کے ذریعہ یا یہ فرمان اظہار غضب کے لئے ہے کہ اے محبوب ان خبیثوں کو تم نہیں جانتے انہیں تو ہم ہی جانتے ہیں آپ ﷺ ان کی سفارش نہ کریں۔ ان کو ہم سزا دیں گے۔ یہ کلام انتہائی غضب ظاہر کرنے اور سفارش کرنے والے کو سفارش سے روکنے کے لئے فرمایا جاتا ہے۔ (از تفسیر خازن و کبیر روح المعانی وغیرہ مع اضافہ)

سنعذبھم مرتین۔ اس فرمان عالی مذکورین منافقین کی ڈبل سزا کا ذکر ہے کہ ارشاد ہوا ہم انہیں دوبارہ سزا دیں

گے اس دوبارہ سزا دینے سے کون کون سی سزائیں مراد ہیں اس میں آٹھ قول ہیں (۱) ایک سزا دنیا میں رسوائی اور فضیحت کا دوسری سزا قبر میں عذاب قبر کی۔ چنانچہ اس دفعہ جمعہ کے دن حضور انور علیہ السلام سے خطبہ جمعہ کے دوران تمام مسلمانوں کے روبرو چھتیس منافقوں کو نام بنام پکار کر فرمایا کہ اے فلاں نکل تو منافق ہے اس کے اٹھنے اور نکلنے پر سب نے انہیں پہچان لیا (تفسیر روح المعانی و خازن وغیرہ) (۲) دنیا میں سخت بیماری سے اور قبر میں عذاب قبر سے۔ چنانچہ ان منافقوں کے سینہ میں ایک زہریلہ دانہ نمودار ہوا جو پیٹھ میں پھوٹا جس سے دوزخ کی آگ کی تکلیف تھی (تفسیر کبیر و خازن) مومن کے لئے بیماریاں رحمت ہیں منافقین کے لئے عذاب (۳) یہی سزا ان کے مال و اولاد کی ہلاکت ان کے سامنے اور دوسری سزا عذاب قبر (خازن وغیرہ) (۴) پہلی سزا اسلام کا فروغ حضور انور ﷺ کا غلغلہ دوسری سزا عذاب قبر وہ اسلام کا فروغ دیکھ کر دل میں سخت کڑھتے تھے انہیں حسد کی وجہ سے چین نہیں آتا تھا۔ (۵) پہلی سزا ان کی مسجد ضرار کا ڈھایا جانا۔ اس سے دھواں نکلنا دوسری سزا عذاب قبر (خازن) (۶) پہلی سزا نزع کے وقت فرشتوں کا ان کے چہرے پیٹ و پیٹھ کو گرزوں (ہتوڑوں) سے مارنا۔ دوسری سزا عذاب قبر (۷) پہلی سزا ان سے زکوۃ اور مال چندہ وغیرہ وصول ہونا۔ دوسری جانکنی کی شدت (معانی) (۸) مرتین سے مراد صرف دوبار نہیں بلکہ بار بار ہے یعنی ہم ان کو بار بار عذاب دیں گے۔ جیسے فارجع البصر کرتین میں کرتین سے مراد بار بار ہے کچھ بھی سہی اس میں عذاب آخرت داخل نہیں کیونکہ اس کا ذکر آگے آرہا ہے ثم یردون الی عذاب عظیم۔ اس عذاب سے مراد آخرت کا عذاب ہے چونکہ وہ عذاب قیامت کے بعد ہوگا ابھی بہت دور ہے اس لئے ثم ارشاد ہوا۔ چونکہ انہیں ان کی قبروں میں دوزخ کا عذاب دیا جاتا رہا کہ وہاں کی ہی آگ۔ بدبو۔ وغیرہ قبر میں پہنچتی رہی پھر وہ قیامت کے دن اپنا فیصلہ سننے کے لئے بارگاہ الٰہی میں پیش کئے جائیں گے پھر دوزخ میں ڈالے جائیں گے اس لئے یہاں یردون فرمایا گیا۔ چونکہ دوزخ کا یہ عذاب گزشتہ دنیا و قبر کے عذاب سے سخت بھی ہوگا اور دائمی بھی۔ نیز بمقابلہ کھلے کافروں کے انہیں سخت تر ہوگا اس لئے اسے عظیم فرمایا گیا۔ یعنی پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ لوگ ایک بہت بڑے عذاب کی طرف واپس کئے جائیں گے بہرحال انہیں تین عذاب ہوں گے دونوں مذکورہ عذاب اور تیسرا یہ بڑا عذاب۔

**خلاصہ تفسیر:** اے مدینہ منورہ کے باشندے مومنو! تمہارے آس پاس جو قبیلہ جہنیہ، مزنیہ، اسلم، اشجع، غفار آباد ہیں ان میں بھی بعض لوگ منافق ہیں ان سے غافل نہ رہنا وہ تو پھر بھی کچھ فاصلہ پر آباد ہیں۔ خود مدینہ منورہ کے رہنے والے کچھ لوگ وہ ہیں جو منافقت میں بڑے تجربہ کار ماہر ہیں نفاق ان کی رگ رگ میں رچ گیا ہے مگر وہ اپنے کو ایسا چھپائے ہوئے ہیں کہ تم کتنے ہی عقل و ہوش والے ہو مگر ان کی منافقت کو اپنی عقل درایت انداز سے نہیں معلوم کر سکتے انہیں تو ہم ہی جانتے ہیں اس لئے کہ ہم علام الغیوب ہیں ان خبیثوں کو ہم ان کی تین زندگیوں میں تین عذاب دیں گے۔ دنیوی زندگی میں تو انہیں رسوائی۔ ذلت، خواری کا عذاب بعد موت قبر میں برزخ کا عذاب پھر ان دونوں عذابوں کے عرصہ کے بعد آخرت کا سخت تر عذاب کہ انہیں ہمیشہ کے لئے دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں رکھا جائے گا۔ جہاں سے انہیں کبھی نہ رہائی ملے گی نہ کبھی ان کی عذاب میں تخفیف ہوگی۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** ازلی بدبخت کو نہ اچھوں کی صحبت سے فائدہ ہو نہ اچھی جگہ رہنے سے نفع یہ فائدہ ممن حولکم ومن اهل المدينة سے حاصل ہوا۔ دیکھو یہ مذکورین لوگ حضرات صحابہ کو دیکھنے مدینہ منورہ میں رہنے کے باوجود منافق رہے۔ حالانکہ ان صحابہ نے عرب وعجم ایران توران۔ روم شام فلسطین کے کفار کو ایمان بخشا۔ شعر۔

پرتو نیکاں نہ گیرد ہر کہ بنیادش بداست — تربیت نا اہل راچوں گردگاں بر گنبد است

**دوسرا فائدہ:** بڑے خزانہ پر چور ڈاکو بھی بڑے ہی پڑتے ہیں یہ فائدہ مردوا على النفاق سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقت ان کی رگ رگ میں رچ گئی یہ ایسے گہرے منافق ہیں کہ ان کو بڑے سے بڑا ماہر تجربہ کار بھی نہیں پہچان سکتا۔ بڑی جگہ بڑے اعلیٰ وقت سے اگر نیکی ملے گی تو بڑی، گناہ ملے تو بڑا، رمضان شریف میں گناہ کرنے والا بدترین مجرم ہے۔ زمین مدینہ میں رہ کر کافر و منافق رہنے والا بدترین کافر و منافق ہے۔

**تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ایک کے ایمان، اخلاص، نفاق بلکہ ان کے درجات کا علم بخشا۔ حضور ﷺ جانتے ہیں کہ کس کا ایمان یا کفر کس درجہ کا ہے۔ یہ فائدہ منافقوں کا نام بنام پکار کر اٹھا کر نکال کر ان کی منافقت سب کو بتادی۔ دیکھو تفسیر۔ چوتھا فائدہ بمقابلہ اصلی کافروں کے منافق کفار کا عذاب سخت تر ہے۔ یہ فائدہ عذاب عظیم سے حاصل ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے ان کے تین عذاب بیان کئے ہیں۔ دنیوی زندگی میں برزخی زندگی میں اور آخروی زندگی میں اور یہ تیسرا عذاب بہت سخت ہے۔ رب تعالیٰ محفوظ رکھے۔ اخلاص عطا کرے۔

**پہلا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ قبیلہ جہینہ، اسلم، غفار وغیرہ منافقین تھے حالانکہ حضور انور ﷺ نے ان قبیلوں کی بہت تعریف فرمائی اور ان کے لئے دعائیں کیں۔ کہ فرمایا اللہ تعالیٰ اسلم کو سلامت رکھے غفار کی مغفرت کرے۔

**جواب:** ان قبیلوں کے اکثر لوگ مخلصین مومن کاملین تھے بعض لوگ ان میں منافقین بھی تھے دعا مخلص مومنین کے لئے ہوئی۔ یہ آیت کریمہ منافقین کے لئے آئی۔ دیکھو مدینہ منورہ میں اوس خزرج انصار کے دو قبیلے ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلام کی مہاجرین کی بڑی خدمات کیں حتی کہ ان کا نام انصار ہوا مگر انہیں قبیلوں میں بعض لوگ منافق بھی ہوئے۔ یہ تو رب تعالیٰ کی بے نیازی ہے۔ والد نبی بیٹا کافر ایک ہی گھر میں دونوں آباد۔

**دوسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ بعض مدینہ والے منافق ہیں مگر حدیث شریف میں ہے کہ ہمارا مدینہ بھٹی ہے خبیث لوگوں کو نکال دیتا ہے ان منافقوں کو زمین مدینہ نے کیوں نہیں نکالا۔

**جواب:** واقعی زمین مدینہ خبیث لوگوں کو نکال پھینکتی ہے مگر کسی کو جلد کسی کو دیر سے حتی کہ بعض کو مرے بعد کہ اس کی لاش فرشتے زمین سے نکال کر باہر ڈال دیتے ہیں۔ دیکھو ہماری تفسیر نعیمی پہلے پارہ کا آخری حصہ۔

**تیسرا اعتراض:** تم نے اس جملہ کی ایک تفسیر یہ کی کہ مردوا على النفاق صفت ہے۔ اس کا موصوف قوم پوشیدہ ہے عربی قاعدہ سے یہ ترکیب درست نہیں کہ موصوف پوشیدہ ہو صفت ظاہر اس کا قائم مقام ہو۔

**جواب:** یہ بالکل جائز ہے فصحاء عرب سے ایسی ترکیب ثابت ہے ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر۔

انا ابن جلاد طلاع الثنایا     متی اضع العامۃ تعرفونی

تفسیر بیضاوی اور روح المعانی نے یہی جواب دیا۔

**چوتھا اعتراض:** تم نے اس آیت کی ایک ترکیب یہ بھی کی کہ مردوا علی النفاق صفت ہے منافقوں کی اور منافقوں مبتدا ہے اور ممن حولکم اور من المومنین سب مل کر خبر ہیں مگر ایسی صورت میں موصوف اور صفت میں فاصلہ ہوگا اور فاصلہ جائز نہیں۔

**جواب:** جائز ہے جب کہ فاصلہ اجنبی کا نہ ہو۔

**پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کو نہیں جانتے تھے فرمایا گیا لاتعلمھم پھر تم کیسے کہتے ہو کہ حضور انور ﷺ ہر شخص کے ہر حال سے خبر دار ہیں۔

**جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا۔ اور ہم نے اپنی کتاب جاء الحق میں بہت تفصیل سے دیا ہے کہ اگر لاتعلمھم میں خطاب قرآن پڑھنے والے مومن سے ہے تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو تو یہاں عقل و اندازے سے علم کی نفی ہے۔ یعنی آپ ﷺ باوجود بڑے عقل و فہم والا ہونے کے ان کی منافقت عقل سے نہیں جانتے بلکہ وحی سے اسی لئے ساتھ ہی فرمایا نحن نعلمھم انہیں ہم جانتے ہیں یا یہ آیت اس وقت کی ہے جب حضور ﷺ کو منافقین کا علم عطا نہ ہوا۔ پھر جب عطا ہوا ولتعرفنھم فی لحن القول ۔ آپ ﷺ انہیں ان کی روش کلام سے پہچان لیتے ہیں۔ یہ جواب عام مفسرین نے دیا یا اس کا مقصد حضور ﷺ کے علم کی نفی نہیں بلکہ اظہار غضب ہے۔ حیرت ہے کہ جو ذات کریمہ پتھر کے دل کا حال جانے کہ فرمایا احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں اس سے انسان کے دل کا حال کیونکر چھپا رہیگا۔ ابھی تفسیر میں معلوم ہو چکا کہ حضور انور ﷺ نے چھتیس منافقوں کو اپنی مجلس سے نکالا اگر ان کا علم نہ تھا تو نکالا کیسے آج ہم کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن ابی اور فلاں شخص منافق تھے۔ کس کے بتانے سے کہتے ہیں۔ فقط حضور انور ﷺ کے۔ ہم کو تو ان کا علم ہو مگر حضور انور ﷺ کو نہ ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

**تفسیر صوفیانہ:** اس آیت کریمہ میں منافقوں کے تین عذابوں کا ذکر ہوا۔ ایک عذاب جسمانی۔ دوسرا عذاب جنانی اور تیسرا عذاب روحانی۔ یہ آخری عذاب سخت ہے یہ عذاب فراق اور محجوبیت کا ہے یعنی ان کا درگاہ عزت سے دور کر دیا جانا۔ کہ مخلصین عبادت کر کے محبوب بنیں اور یہ عبادات کریں مگر محجوب ہی رہیں۔ ان کا یہ حال ہو کہ نورانی چیزیں ان کے لئے نیران بن جاویں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب کا سخت تر عذاب فراق یار کی نار ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

صد ہزاراں مرگ تلخ از دست تو     نیست مانند فراق روئے تو

زانکہ لیخا بگذرد دواں نگذرد     دولت آں دارد کہ جاں آگاہ بود

گر بگویم از فراق چوں شرار     تا قیامت یک بود از صد ہزار (روح البیان)

یعنی لاکھوں موت کی تلخیوں سے اے محبوب تیرے فراق کی تلخی سخت تر ہے کہ وہ تلخیاں آنی فانی ہیں یہ تلخی جاودانی اس کا فراق کا درد پوچھنا ہے تو ان جانوروں لکڑیوں سے پوچھو جو حضور انور ﷺ کی دوری میں تڑپتی ہیں۔

در فراق تو مرا چوں سوخت جاں چوں نہ نالم بے تو اے جان جہاں

مسندت من بودم از من تاختی برسر منبر تو مسند ساختی

عشاق مخلصین مدینہ منورہ سے دور رہ کر حضور میں ہیں مگر منافقین وہ مردود دین ہیں جو حضور ﷺ میں رہ کر ان کے لئے فرمایا ثم یردون الی عذاب عظیم۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا

اور دوسرے ہیں جنہوں نے اقرار کر لیا اپنے گناہوں کا اور ملائے انہوں نے اچھے کام

اور کچھ اور ہیں جو اپنے گناہوں کے مقر ہوئے اور ملایا ایک کام اچھا

وَّاٰخَرَ سَیِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ

اور دوسرے برے نزدیک ہے کہ اللہ توبہ ڈالے ان پر تحقیق اللہ

اور دوسرا برا قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے بے شک اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً

بخشنے والا مہربان ہے وصول کرو آپ مالوں سے ان کے صدقہ پاک کرو

بخشنے والا مہربان ہے اے محبوب ان کے مال سے زکوۃ تحصیل کرو جس سے

تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّیْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَیْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ

ان کو اور صاف کرو انہیں بذریعہ اس صدقہ کے اور دعائے خیر کرو ان کے لئے بیشک دعا

تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کر دو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بیشک تمہاری دعا ان کے

سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۳﴾

آپ کی سکون ہے ان کا اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے

دلوں کا چین ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: غزوہ تبوک سے بلا عذر رہ جانے والے تین قسم کے لوگ (١) منافقین جو نفاق پر اڑے رہے۔ ان کا ذکر پچھلی

آیات میں ہوا۔ (۲) مخلصین جو سستی سے رہ گئے مگر فوراً تائب ہو گئے ان کا ذکر اس آیت میں ہے و آخرون مرجون لامر اللہ (الخ) (صاوی)

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان منافقین کا ذکر ہوا جو غزوہ تبوک سے رہ گئے اور پھر جھوٹی قسمیں جھوٹے وعدے جھوٹے عذر بہانے لگے اب ان کا ذکر ہے جو رہ گئے تھے مگر بعد میں انہوں نے سچی توبہ سے کفارہ ادا کیا۔ گویا جھوٹے اور غلط علاج کے بعد سچے اور درست علاج کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں مدینہ منورہ کے سرکش منافقوں کا ذکر ہوا۔ مردوا علی النفاق آپ اس مدینہ کے خطا کاروں کا ذکر ہے جو باغی نہ تھے گویا غداروں کے بعد خطا کاروں اور ان کی بخششوں کا تذکرہ ہے۔

شان نزول: غزوۂ تبوک کی حاضری سے دس صحابہ کرام صرف سستی کی بنا پر رہ گئے تھے۔ جن میں حضرت رفاعہ ابن عبدالمنذر یعنی ابولبابہ۔ جو صفہ والوں میں سے تھے اوس ابن ثعلبہ۔ ودیعہ ابن خرام بھی تھے۔ جب حضور انور ﷺ کی واپسی کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو حضرت ابولبابہ اور آپ کے ساتھ چھ اور حضرات نے یعنی کل سات نے اپنے کو مسجد نبوی کے ستونوں سے بندھوا دیا کہ اب ہم حضور انور ﷺ کے ہاتھ سے کھلیں گے ہم نے سخت قصور کیا ہے اگر حضور ﷺ نے ہم کو نہ کھولا تو ہم اسی طرح جان دے دیں گے۔ جب حضور انور ﷺ حسب دستور مدینہ منورہ پہنچ کر پہلے مسجد نبوی میں تشریف قدوم ادا فرمانے تشریف لائے تو پوچھا کہ یہ لوگ کیوں بندھے ہوئے ہیں۔ لوگوں نے ماجرا عرض کیا۔ فرمایا رب کی قسم میں انہیں اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک رب تعالیٰ نہ کھلوائے یہ حضرات بارہ دن بھاری زنجیروں میں جکڑے رہے نماز اور استنجا کے لئے ان کے بچے کھولتے تھے۔ تب پہلی آیت و اخرون اعترفوا (الخ) نازل ہوئی۔ اور حضور انور ﷺ نے انہیں کھول دیا۔

خیال رہے: کہ ابولبابہ دوبار مسجد کے ستون سے بندھے ہیں۔ ایک غزوہ خندق کے بعد جب بنی قریظہ یہود مدینہ کو انہوں نے اشارہ سے حضور انور ﷺ کا راز بتا دیا تھا۔ دوسرے اس بار (صاوی) پھر یہ حضرات اپنے گھروں کو گئے اپنے سارے مال حضور ﷺ کی خدمت میں لائے اور عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ ﷺ اس مال کی محبت نے ہم کو غزوۂ تبوک کی حاضری سے محروم رکھا۔ ہم یہ مال اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتے حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے مجھے یہ مال لینے کا حکم نہیں دیا ہے میں وصول نہ فرماؤں گا۔ تب دوسری آیت خذ من اموالھم صدقۃ (الخ) نازل ہوئی جس میں حضور انور ﷺ کو ان کے مال کا کچھ وصول فرمانے کا حکم دیا گیا۔ اس پر حضور انور ﷺ نے ان کا تہائی مال وصول فرمایا۔ اور دو تہائی انہیں واپس فرما دیا (تفسیر صاوی۔ روح المعانی و بیان۔ کبیر۔ خازن۔ مدارک جلالین وغیرہ)

تفسیر: و اخرون اعترفوا بذنوبھم اس فرمان عالی کی دو تفسیریں ہیں اور دو نحوی ترکیبیں ہیں۔ ایک یہ کہ نیا جملہ ہے۔ واؤ ابتدائیہ ہے۔ آخرون مبتداء اور اعترفوا (الخ) خبر۔ یا آخرون موصوف ہے۔ اعترفوا صفت اور عسی اللہ (الخ) خبر دوسرے یہ کہ عبارت معطوف ہے۔ و من اھل المدینۃ (الخ) پر تو معنی یہ ہوں گے کہ مدینہ والوں میں سے بعض تو سخت تر منافق ہیں جو اپنی خطاؤں کا اقرار کر لیتے ہیں (الخ) اخرون سے مراد ہیں۔ رہ جانے والے دس صاحبوں میں سے وہ

سات جنہوں نے اپنے کو ستونوں سے بندھوا دیا تھا اعتراف کے معنی ہیں اقرار کر لینا۔ خواہ اپنے گناہوں کا یا رب کی نعمتوں کا یا حضور انور ﷺ کی رحمتوں کا یہاں پہلا اقرار مراد ہے اگر اس کے ساتھ گذشتہ پر شرمندگی آئندہ نہ کرنے کا ارادہ بھی ہو تو یہ ہی توبہ ہے (تفسیر خازن، ذنوب جمع ہے ذنب کی بمعنی گناہ یہاں اس سے مراد سستی کی وجہ سے غزوہ تبوک سے غیر حاضری چونکہ ان ساتوں میں سے ہر ایک نے یہ خطا کی تھی لہذا ذنوب جمع ارشاد ہوا اور ہو سکتا ہے کہ ان کے اس رہ جانے میں چند خطائیں شامل ہوں (۱) حضور انور ﷺ کے ساتھ نہ جانا (۲) حضور انور ﷺ کے فرمان عالی پر عمل نہ کرنا (۳) اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں قیام کرنا (۴) منافقین سے مشابہت کہ اس وقت بلا عذر حضور ﷺ کے فرمان کے خلاف مدینہ میں رہنا منافقوں کی علامت تھی۔ اس صورت میں ہر ایک کی چند خطائیں تھیں۔ **خلطوا عملا صالحا واخر سیئا** یہ فرمان عالی بھی **اخرون** کی صفت ہے یا خیال تو قد پوشیدہ ہے۔ **خلط** کے معنی ہیں ملانا خواہ اس طرح ملانا کہ ایک دوسرے سے ممتاز نہ رہے اور ہر ایک دوسرے کا اثر قبول کرے۔ جیسے دودھ میں پانی یا شکر شہد ملانا۔ یا اس طرح کہ امتیاز باقی رہے جیسے روپیہ پیسے ملانا آدمیوں کو بعض کو بعض سے ملانا وغیرہ یعنی جمع کرنا پہلے معنی سے اس کے ساتھ ب آتی ہے۔ کہا جاتا ہے **خلطت الماء باللبن** دوسرے معنی میں اس کے ساتھ واو آتا ہے جیسے **خلط الدارھم بالدنانیر**۔ یہاں دوسرے معنی کا خلط مراد ہے یعنی جمع کرنا۔ کیونکہ نیکیاں اور گناہ جمع ہو کر ایک دوسرے کا اثر نہیں لیتے نیکی نیکی رہتی ہے گناہ گناہ (تفسیر کبیر و خازن) نیک و بد اعمال سے کیا مراد ہے۔ اس میں دو قول ہیں (۱) برا عمل غزوۂ تبوک میں نہ جانا۔ اچھا عمل سچی توبہ اور ستون سے بندھ جانا چونکہ توبہ اعلیٰ ہے اس لئے اس کا ذکر پہلے ہوا۔ یہ سات حضرات بندھنے کے لئے زمانہ میں بھوکے پیاسے رہے حتیٰ کہ ساتویں دن بے ہوش ہو کر گر گئے۔ (خازن) (۲) نیک عمل تمام جہادوں میں حضور ﷺ کے ساتھ جانا اور برا عمل تبوک میں نہ جانا۔ نیک عمل سے مراد ساری نیکیاں ہیں۔ برے سے مراد سارے گناہ اور یہ آیت تا قیامت عام مسلمانوں کو شامل ہے اگرچہ اس کا نزول خاص لوگوں کے لئے ہے (تفسیر خازن و کبیر) لہذا **عملا صالحا** اور **اخر سیئا** دونوں اسم جنس ہے جس میں ایک اور زیادہ دونوں شامل ہیں۔ **عسی اللہ ان یتوب علیھم** یہاں رب کی طرف سے وجوب ہے کہ کریم وعدہ کر کے ضرور پورا کرتے ہیں اور بندوں کی طرف سے امید توبہ اگر بندہ کا فعل ہو تو معنی ہوتے ہیں گناہ سے نیکی کی طرف لوٹنا اگر رب کا فعل ہو تو معنی ہوتے ہیں اس لوٹنے کو قبول فرما لینا۔ اور ارادہ عذاب سے ارادہ ثواب کی طرف رجوع کرنا۔ پہلے معنی سے توبہ کے بعد الیٰ آتا ہے **تبوا الی اللہ** دوسرے معنی سے اس کے بعد علیٰ آتا ہے یہاں دوسرے معنی ہیں یعنی قریب ہے کہ رب تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے مقصد ہے کہ قبول فرما لی اس لئے حضور انور ﷺ نے اس کے نزول پر ان حضرات کو کھول دیا۔ **ان اللہ غفور رحیم** یہ فرمان عالی ان حضرات کے لئے اور ان کے صدقہ میں ہم جیسے سارے گناہ گاروں کے لئے بڑی بشارت ہے۔ غفور فرما کر یہ بتایا کہ ہم توبہ سے گناہ بخش دیتے ہیں رحیم فرما کر یہ بتایا تو یہ ثواب بھی دیتے ہیں کہ توبہ ایک عبادت ہے یہ کرم نوازیاں اس محبوب کے صدقہ سے ہیں جن کا نام نامی نبی التوبہ بھی ہے۔ **خذ من اموالھم صدقۃ** اس فرمان عالی کا تعلق ان حضرات کے اس عمل سے ہے کہ وہ ستونوں سے کھلنے کے بعد اپنے گھروں سے

اپنے سارے مال حضور انور ﷺ کی بارگاہ میں لائے کہ انہیں بطور کفارہ وصول فرما کر فقراء میں تقسیم فرمادیں۔ ظاہر یہ ہے کہ خذا امر اباحت کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں کیونکہ نہ تو ان حضرات پر یہ مال خیرات کرنا واجب تھا نہ حضور انور ﷺ پر اس کا وصول فرمانا واجب مقصد یہ ہے کہ آپ ان کی یہ خوشی پوری فرمادیں ان کی طرف سے یہ مال اپنے ہاتھ شریف سے خیرات کریں۔ ان سے نہ فرمادیں کہ تم خود خیرات کرو من فرما کر بتایا کہ سارے مال وصول نہ کریں بلکہ ان کا کچھ حصہ چونکہ ان میں سے ہر صاحب اپنے مال لائے تھے اس لئے اموال جمع ارشاد ہوا اور ہوسکتا ہے کہ ہر صاحب اپنے مختلف مال لائے تھے اس لئے اموال جمع فرمایا۔ صدقۃ فرما کر بتایا کہ یہ مال حضور انور ﷺ نے اپنے لئے وصول نہیں فرمائے بلکہ صدقہ و خیرات کے لئے۔ اس روش سے معلوم ہورہا ہے کہ صدقہ سے زکوۃ یا کوئی دوسرا واجب صدقہ مراد نہیں بلکہ صدقہ بہت قسم کا ہے فرض۔ واجب، سنت، مستحب۔ تطھرھم وتزکیھم بھا۔ اس فرمان کی چند ترکیبیں ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہے کہ یہ عبارت خذ کے فاعل انت کا حال ہے اور یہ دونوں صیغے واحد مخاطب ہیں۔ ان میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے بھا میں ب سببی کی ہے طہارت سے مراد ہے دلوں کا گناہ کے میل سے پاک ہونا اور زکوۃ سے مراد ان کے مالوں کا بڑھنا۔ اس میں برکت ہونا یا انہیں ابرار کے درجات تک پہنچانا۔ یعنی اے محبوب آپ ﷺ انہیں صدقہ کے ذریعہ گذشتہ کے سارے گناہوں سے پاک صاف فرمادیں۔ اور ان کی مال و اولاد میں برکتیں دیں یا انہیں درجہ ابرار تک پہنچادیں (روح المعانی، روح البیان خازن وغیرہ)

**خیال رہے:** کہ تطھر اور تزکی دونوں باب تفعیل سے ہیں مبالغہ کے لئے یعنی آپ ﷺ انہیں خوب پاک و صاف کریں۔ اور خوب ان کے جان و مال میں برکتیں دیں اور انہیں ترقی درجات عطا فرمادیں۔ تفسیر خازن نے یہاں فرمایا **فانک تطھرھم باخذ ھا من ونس الاثام** ۔ اے محبوب آپ ﷺ یہ صدقات وصول فرما انہیں گناہوں کے میل سے پاک فرمادو گے **وصل علیھم** یہ اپنے محبوب کو دوسرا حکم ہے معطوف ہے خذا (الخ) پر صل بنا ہے صلوۃ سے قرآن مجید میں صلوۃ تین معنی میں ارشاد ہوا ہے۔ (نماز (۲) مطلقاً دعا (۳) نماز جنازہ۔ یہاں دوسرے معنی میں ہے یعنی ان کے لئے دعاء خیر کریں اگر اس سے مراد اللھم صلی علی فلاں کہنا مراد ہے تو یہ حضور انور ﷺ کی خصوصیت ہے۔ ہم کسی غیر نبی کو اس طرح دعا نہیں دے سکتے اور اگر مطلقاً دعا مراد ہے تو یہ حکم عام ہے کہ ہر صدقہ لینے والا فقیر یا صدقہ وصول کرنے والا سلطان اسلام صدقہ دینے والے کو دعاء خیر دے مگر یہاں یہ حکم صرف حضور انور ﷺ کو ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ ان صلوتک سکن لھم اس فرمان عالی میں صل علیھم کی حکمت بیان فرمائی گئی۔ سکن مصدر ہے بمعنی سکون قلب اطمینان۔ قرار دل لھم سے مراد یا تو وہی سات حضرات ہیں یا سارے صحابہ یا سارے امت والے یعنی آپ کی دعا ان سب کے دلوں کا چین قلب کا قرار دلوں کا اطمینان ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اب رب تعالیٰ نے ہمارا صدقہ قبول فرمالیا ہم سے راضی ہوگیا۔ کیونکہ حضور ﷺ نے دعا دے دی حضور کی دعا رب کی رضا ہے۔ شعر۔

تم ہو قرار بے قرار تم ہو دواء درد دل ۔۔۔ دل کی لگی مرے نبی تیرے سوا بجھائے کون

بلکہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام قرار بے قرار ہے دلوں کا چین ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ۔شعر۔

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو — جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیے ہیں

ان کا مبارک نام بھی بے چین دل کا چین ہے — جو ہو مریض لا دوا اس کی دوا یہ ہی تو ہیں

واللہ سمیع علیم ۔اس فرمان عالی میں حضرات صحابہ کے اقوال اعمال احوال سب کی تعریف ہے یعنی اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان نیاز مندوں کی باتیں سنتا ہے۔ ان کے ارادے جانتا ہے یہ حضرات قول فعل نیت و ارادے کے سچے ہیں اس لئے ان کی سفارش فرماتا ہے۔

[illegible]

... میں کچھ لوگ تو وہ منافقین ہیں جن کا ذکر تم [illegible]

**تیسرا فائدہ:** حضور انور ﷺ کو حلال مشکلات سمجھنا حضرات صحابہ سے ثابت ہے۔ یہ فائدہ بھی اس آیت کے شان نزول سے حاصل ہوا کہ ان حضرات نے کہا کہ اب ہم کو حضور انور ﷺ اپنے ہاتھ سے کھولیں گے تو ہم کھلیں گے۔ یعنی حضور ﷺ کا کھولنا ہماری توبہ قبول ہونے کی دلیل ہوگا۔

**چوتھا فائدہ:** عموماً نیک و بد اعمال اپنے حال پر رہتے ہیں کہ یہ نیکی گناہ بن جاتی ہے نہ گناہ نیکی۔ بلکہ نیکی نیکی رہتی ہے گناہ گناہ یہ فائدہ خلطوا عملا صالحا (الخ) سے حاصل ہوا۔ ہم تخلیل کے قائل نہیں جیسے روپیہ اشرفیاں ملادو یا کھرے کھوٹے سکے ملا دو تو کھوٹا کھوٹا رہتا ہے اور کھرا کھرا۔ دیکھو یہاں و آخر سیئا فرمایا اگر کوئی نمازی بھی ہو شرابی بھی تو وہ گناہ گار بھی ہے نیکو کار بھی۔ اگر کوئی عمل تبدیل ہو جاتا تو مخلوط کیسے ہوتا۔ (تفسیر کبیر)

**پانچواں فائدہ:** بندہ کا کام ہے توبہ کرنا رب کا کرم ہے توبہ قبول کرنا اگر ادھر سے یہ کرم نہ ہوتو توبہ بیکار ہے۔ بلکہ بندہ کو توبہ کی توفیق ملنا بھی رب کے کرم سے ہے۔ یہ فائدہ عسی اللہ ان یتوب علیھم سے حاصل ہوا کہ اس توبہ کا فاعل رب تعالیٰ ہے۔

**چھٹا فائدہ:** اعلیٰ درجہ کا مقبول بندہ بھی رب تعالیٰ سے بے خوف نہ ہو اللہ کا خوف رکن ایمان ہے۔ رب کی بے نیازی سے ڈرتا ہے یہ فائدہ عسی اللہ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔

**ساتواں فائدہ:** ہماری نیکیاں تب قابل قبول ہیں جب حضور ﷺ کے ذریعہ رب کی بارگاہ میں پیش ہوں۔ یہ ہی صحابہ کرام کا عقیدہ تھا یہ فائدہ خذ من اموالھم صدقۃ (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو صدقہ رب کی عبادت ہے مگر حضرات صحابہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرتے تھے کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھ شریف سے فقراء کو دیں کہ آپ ﷺ کے ہاتھ کی برکت سے قبول ہو جائے۔

**آٹھواں فائدہ:** اللہ رسول ہم پر خود ہم سے زیادہ مہربان ہیں یہ فائدہ من اموالھم سے حاصل ہوا۔ دیکھو وہ حضرات اپنے سارے مال خیرات کرنے لائے تھے۔ حکم ہوا کہ کچھ حصہ وصول فرماؤ حضور ﷺ نے ایک تہائی قبول کیا باقی انہیں خرچ کے لئے واپس فرما دیا یہ فائدہ من اموالھم کے من سے حاصل ہوا۔

**نواں فائدہ:** پاکیزگی صاف نیک اعمال سے نہیں ملتی وہ تو حضور انور ﷺ کی نگاہ کرم سے ملتی ہے یہ فائدہ تطھرھم وتزکیھم بھا سے حاصل ہوا۔ نیک اعمال پاکیزگی کا ذریعہ ہیں۔ جیسے قلم خود نہیں لکھتا کاتب اس کا ذریعہ ہوتا ہے۔ صابن کپڑا خود نہیں دھوتا۔ دھونے والے کا ہاتھ اس کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ خوب یاد رکھو یہ قاعدہ تا قیامت جاری ہے رب فرماتا ہے ویزکیھم۔

**دسواں فائدہ:** تا قیامت مسلمان اپنی نیکیاں حضور ﷺ کے طفیل کسی کو بخشتے ہیں۔ نذر اللہ نیاز رسول اللہ۔ یہ مسئلہ اس آیت اور صحابہ کے اس عمل سے ماخوذ ہے۔ یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ تا قیامت امت کے نیک و بد اعمال حضور انور ﷺ پر پیش ہوتے رہیں گے۔ حضور ﷺ نیک اعمال دیکھ کر اللہ کا شکر کرتے ہیں اور برے اعمال ملاحظہ فرما کر دعاء مغفرت

فرماتے ہیں۔ حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم (الخ) تفسیر صاوی۔

**گیارہواں فائدہ:** رب تعالیٰ جسے جو دیتا ہے حضور انور ﷺ کی دعا سے۔ حضور ﷺ کے دلوانے سے دیتا ہے۔ دینے والا رب ہے دلوانے والے حضور انور ﷺ۔ یہ فائدہ وصل علیھم سے حاصل ہوا کہ فرمایا تم ان کے لئے دعا کرو۔ مقصد یہ ہے کہ تم دعا کرو تا کہ ہم دیں۔

**بارہواں فائدہ:** تا قیامت حضور انور ﷺ کی دعا میں امت کے لئے دلوں کا چین ہیں بلکہ ان کا نام بھی دلوں کا چین ہے یہ فائدہ ان صلوتک سکن لھم سے حاصل ہوا دلوں کی بے چینی گناہوں سے ہوتی ہے اور چین وسکون اللہ کی رحمت سے۔

**پہلا اعتراض:** یہ سات حضرات جو بارہ دن تک ستونوں سے بندھے رہے۔ انہوں نے ان دنوں کی نمازیں کیسے پڑھیں۔ کیا ایک نفلی کام کے لئے فرض چھوڑ دے۔

**جواب:** ابھی شان نزول میں گذر ہو گیا کہ ان کے بچے انہیں نماز اور استنجے وضو کے لئے وقت پر کھول دیتے تھے بعد میں باندھ دیتے تھے۔

**دوسرا اعتراض:** آخر اس کام سے فائدہ کیا تھا کیا اپنے کو بندھوالینا بھی کوئی عبادت ہے۔

**جواب:** تا کہ یہ حالت زار دیکھ کر حضور انور ﷺ کو رحم آ جائے حضور ﷺ کے رحم سے رب تعالیٰ بھی رحم فرماتا ہے یہ سب کچھ دریاء رحمت جوش میں لانے کا بہانہ تھا۔ کوئی یار کو رو کر مناتا ہے کوئی بندھ کر کوئی حالت زار دکھا کر عاشقوں کے ڈھنگ نرالے ہیں۔ شعر۔

واہ رے آپ کا کرم کر کے گنہ جو روئے ہم     پھر انہیں رحم آ گیا حالت زار دیکھ کر

**تیسرا اعتراض:** ابولبابہ نے اپنے کو ستون سے غزوہ خندق کے بعد بندھوایا تھا۔ جب انہوں نے بنی قریظہ کو حضور انور ﷺ کا ایک راز بتا دیا تھا تم نے اس موقعہ پر بندھوانے کا واقعہ بیان کیا۔

**جواب:** تفسیر صاوی نے فرمایا کہ دونوں موقعوں پر اپنے اپنے کو بندھوایا ہے۔ دیکھو تفسیر جو ابھی کی گئی۔

**چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیک اور بد اعمال ایک دوسرے میں مدغم اور حل نہیں ہو جاتے۔ نیکی نیکی رہتی ہے گناہ گناہ مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکیوں سے گناہ بھی نیکی میں تبدیل ہو جاتے ہیں فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات اور ریا گناہ سے نیکی برباد ہو جاتی ہے تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون آیات میں تعارض ہے۔ یہاں اس آیت سے دونوں کا بقا معلوم ہوتا ہے وہاں ایک کا دوسرے سے فنا۔

**جواب۔** ان آیات میں خصوصی نیکیوں مخصوص گناہوں کا ذکر ہے یہاں اس آیت میں عمومی نیک و بد اعمال کا تذکرہ یعنی کبھی کوئی نیکی گناہ مٹا دیتی ہے۔ کوئی گناہ کبھی نیکی برباد کر دیتا ہے۔ مگر معمولاً خلط ہی ہوتا ہے۔

**پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اپنا صدقہ خود نہ دے بلکہ حضور انور ﷺ کے حوالہ کرے۔ حضور

انور ﷺ کے بعد ان کے تابعین سلطان اسلام وغیرہ کو دیا کرے۔ دیکھو فرمایا گیا خذ من اموالھم صدقۃ خذ امر ہے جو وجود چاہتا ہے۔

**جواب:** یہاں صدقہ سے مراد ہر صدقہ نہیں بلکہ خاص وہ صدقہ ہے جو وہ حضرات اس وقت بطور کفارہ لائے تھے یہ **خیال رہے:** مسئلہ ظاہری مال یعنی جانور پیداوار ان کو زکوۃ سلطان اسلام کو دی جاتی تھی رہے باطنی مال یعنی سونا چاندی وغیرہ ان کو زکوۃ مالک خود دیتے تھے۔ یہ حکم خلافت عثمان تک رہا۔ خلافت عثمانیہ میں یہ حکم ختم ہو گیا۔ لوگ اپنے ہر مال کی زکوۃ خود دینے لگے اب بھی حکم یہ ہی ہے بلکہ فقہاء فرماتے ہیں کہ اب احکام اکثر ظالم ہیں زکوۃ وصول کر کے خود کھا جاتے ہیں لہذا انہیں زکوۃ کسی قسم کو نہ دی جاوے۔ دیکھو مرآت شرح مشکوۃ جلد سوم۔ ص۲۲ وہاں مرقات نے بھی یہ ہی تحقیق کی ہے۔

**مسئلہ:** بعض علماء نے اس سے نماز جنازہ ثابت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ صل علیھم کے معنی ہیں آپ ﷺ ان پر نماز جنازہ پڑھیں۔ چنانچہ اس جگہ تفسیر روح البیان نے نماز جنازہ کے بہت احکام بیان کئے وہ معنی یہ کرتے ہیں کہ اے محبوب آپ ﷺ ان لوگوں پر نماز جنازہ پڑھیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کی نماز سے مردوں اور ان کے وارث زندہ کو دل کا چین ہے۔

**چھٹا اعتراض:** تطھرھم صیغہ مونث غائب کا ہے معنی یہ ہیں کہ وہ صدقہ انہیں پاک کرے گا تم نے یہ کیسے کہا کہ حضور انور ﷺ پاک فرماتے ہیں۔

**جواب:** واقعی تطھرھم کی ایک تفسیر یہ بھی ہے مگر تزکیھم میں یہ احتمال نہیں کیونکہ وہاں ساتھ ہی بھا ہے مگر قوی تفسیر یہ ہے کہ بھا کا تعلق تزکیھم دونوں سے ہے یعنی اے محبوب آپ انہیں صدقات کے ذریعہ پاک بھی کر دیں اور ستھرا بھی۔

**تفسیر صوفیانہ:** جسمانی بیماریوں کے علاج نرم بھی ہوتے ہیں گرم بھی میٹھی دواؤں سے علاج نرم ہے کڑوی دواؤں اپریشن سے علاج گرم یا کی نرمی سے بھی ہوتی ہی ہے گرمی سے بھی ناپاک جسم ہو کر پاک کرنا نرمی سے پاکی ہے اور گندے گوبر کو جلا کر راکھ دینا۔ لوہے، تانبے پیتل کی چیزیں اگر ناپاک ہو جائیں اور انہیں آگ میں تپا لیا جاوے تو وہ پاک ہو جائے گی مگر یہ پاکی گرم ہے یوں ہی گندے نفس کی پاکی اس کا علاج گرم بھی ہے نرم بھی۔ جن کے متعلق یہ آیت آئی ہے انہوں نے اپنی خطا کی معافی گرمی سے کرائی کہ اپنے کو ستون سے بندھوا دیا۔ کھانا پینا چھوڑ دیا۔ اس گرمی کو رب نے اعتراض یعنی اقرار اور انہیں شاندار معافی بخشی۔ بعض صوفیاء نفس امارہ کا زور توڑنے کے لئے بڑی مشقت والی عبادت کرتے ہیں۔ حتی کہ بعض حضرات دریا میں کھڑے ہو کر وظیفے پڑھتے ہیں حضرت فرید گنج شکر نے کنویں میں لٹک کر وظیفے پڑھے ان سب کی اصل یہ آیت اور اس کا یہ شان نزول ہے۔ ایک دن باوا فرید کے سر پر کوا بیٹھ گیا۔ آنکھوں میں چونچ مارنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ شعر۔

کاگا سب تن کھائیو اور چن چن کھائیو ماس    دو نیناں مت کھائیو کہ ان سے پیا ملن کی آس

اے کوے میرا سارا تن کھالے مگر آنکھیں نہ کھانا کہ ان سے محبوب کا جمال دیکھنے کی امید ہے اس شعر پر آپ کی ساری منزلیں طے ہو گئیں۔ مولانا تمنا مراد آبادی فرماتے ہیں۔ شعر۔

کاگا نین نکاس لے اور لیجا پیا کے پاس پہلے درشن دکھائیو اور پیچھے لیجو کھاس

اے کوے میری آنکھیں نکال کر محبوب کے پاس لے جا۔ پہلے دیدار دکھانا پھر کھا لینا۔ جب ناپاک اور پاک چیز خلط ملط ہو تو کبھی ناپاک پاک کو ناپاک کر دیتی ہے جیسے کنویں میں گندگی گر جائے سارا پاک پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ اور کبھی اس کے برعکس کہ پاک کو پاک کر دیتا ہے۔ جیسے بہتے پانی یا تالاب دریا سمندر میں پیشاب گرے تو وہ ناپاک نہ ہوں گے۔ بلکہ اس کے قطرے پاک ہو جائیں گے۔ ان حضرات نے نیکیاں اور گناہ مخلوط کئے مگر حضور ﷺ کی محبت میں آنسو بہا لئے تو گناہ ہی ختم ہو گئے۔ رب نے اعلان فرما دیا ان اللہ غفور رحیم تا قیامت مسلمانوں کے نیک اعمال رب تک پہنچتے ہیں جب حضور ﷺ کے کرم کے دریا میں بہہ جائیں۔ اس دریا کا ایک کنارہ گنہگار کی طرف ہے دوسرا کنارہ رب غفار کی طرف اس لئے ارشاد ہوا۔ خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ

کیا نہ جانا انہوں نے کہ تحقیق اللہ ہی قبول فرماتا ہے توبہ بندوں سے اپنے

کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور صدقے خود اپنے

وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

اور لیتا ہے خیراتیں اور تحقیق اللہ وہ توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے

دست قدرت میں لیتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی قبول کرنے والا مہربان ہے

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَ

اور فرما دو کہ کئے جاؤ پس عنقریب دیکھے گا اللہ کام تمہارے اور پیغمبر اس کے اور

اور تم فرماؤ کام کرو اب تمہارے کام دیکھے گا اللہ اور اس کے رسول اور

الْمُؤْمِنُوْنَ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

مسلمان اور جلد اس کی طرف پلٹو گے جو چھپا اور کھلا سب جانتا ہے

مومن لوگ اور عنقریب لوٹائے جاؤ گے تم طرف جاننے والے کے غائب اور حاضر

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

کو پس خبر دے گا تم کو اس کی جو تھے تم عمل کرتے

تو وہ تمہارے کام تمہیں جتا دے گا

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں حضرات صحابہ کی توبہ اور ان کے صدقات کا ذکر فرما کر ارشاد ہوا تھا کہ قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے۔ صراحۃً قبولیت کا ذکر نہیں ہوا تھا۔ اب اس قبولیت کی تصریح فرمائی جارہی ہے۔ گویا امید دلانے کے بعد کرم نوازی فرمانے کا تذکرہ ہے۔ (کبیر)

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں توبہ اور صدقہ قبول کرنے والوں کی قبولیت کا ذکر ہوا اب توبہ نہ کرنے والوں کو اس کی رغبت دی جارہی ہے کہ کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہم اس شاندار طریقہ سے توبہ وصدقات قبول کرتے ہیں تو تم لوگ بھی توبہ کیوں نہیں کر لیتے۔ گویا مقبولین کی قبولیت دکھا کر دوسروں کو مقبول بننے کی دعوت دی جارہی ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں حضور انور ﷺ کو حکم دیا گیا تھا کہ اے محبوب ان توبہ کرنے والوں کے صدقات قبول فرمالو۔ خذ من اموالھم (الخ) اب ارشاد ہے کہ ان محبوب کا قبول فرمانا بعینہ ہمارا قبول فرمانا ہے ہاتھ ان کا ہے کرم نوازی ہماری۔

**چوتھا فائدہ:** پچھلی آیت کریمہ میں حضور انور ﷺ کو فرمایا گیا کہ آپ ﷺ ان کے حق میں دعاء خیر فرمادیں اب ارشاد ہے کہ آپ ﷺ کی دعا سے توبہ وصدقہ قبول ہوتے ہیں۔ لب آپ ﷺ کے ہلتے ہیں دریاء کرم ہمارا جوش میں آتا ہے۔

**شان نزول:** جب مذکورین سات صحابہ کی توبہ قبول ہوئی اور تمام صحابہ میں ان کی عظمت قبولیت مشہور ہوئی تو جن لوگوں نے توبہ میں دیر لگائی تھی۔ انہوں نے کہا کہ کل تک تو ان حضرات کا اور حال تھا آج ان کا رنگ ہی بدل گیا۔ تب ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئیں۔ جن میں بتایا گیا کہ یہ سب ہماری مقبول توبہ اور مقبول صدقہ کی ہیں۔ (کبیر۔ روح المعانی۔ مدارک۔ خازن وغیرہ)

**تفسیر:** الم یعلموا۔ ظاہر یہ ہے کہ یعلموا کا فاعل توبہ وصدقہ کرنے والے صحابہ ہیں تو یہ سوال تقریری یعنی ثابت کرنے کے لئے ہے یعنی انہوں ان سے یہ جان لیا تب صدقہ کیا اور ہوسکتا ہے کہ یعلموا کا فاعل توبہ نہ کرنے والے یا توبہ میں دیر لگانے والے لوگ ہوں۔ تب یہ سوال تعجب دلانے کے لئے ہے علم دو مفعول چاہتا ہے۔ اور اگر بمعنی معرفت یعنی پہچاننا ہو تو ایک ہی مفعول کافی ہوتا ہے۔ یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی جاننا اور اس کے دو مفعول ہیں ان اللہ یقبل التوبۃ عن عبادہ۔ یہ عبارۃ یعلموا کے دونوں مفعول کی جگہ ہے۔ قبول فرمانے سے مراد ہے وہ گناہ بخش دینا۔ جس سے توبہ کی گئی ہو۔ اور توبہ کرنے کا ثواب عطا فرمانا۔ کیونکہ توبہ بھی عبادت ہے۔ التوبۃ میں الف لام عہدی ہے اور اس سے توبہ مراد ہے۔ جس میں توبہ کے ارکان شرائط مختلیں مستحباب سب جمع ہوں ناممکن ہے کہ ایسی توبہ قبول نہ ہو۔ رب نے اس توبہ کی قبولیت کا وعدہ فرمالیا ہے۔

**خیال رہے:** کہ جیسا گناہ ویسی توبہ۔ کفر کی توبہ ایمان ہے حقوق العباد سے توبہ حقوق کا ادا کرنا یا حق والے سے معاف کرا لینا ہے۔ شرعی حقوق سے توبہ ان کا ادا کر دینا ہے۔ علانیہ گناہ کی توبہ بھی علانیہ۔ چھپے گناہ کی توبہ بھی چھپ کر۔ گذشتہ پر ندامت

آئندہ جرم نہ کرنے کا پختہ ارادہ۔ خدا توفیق دے۔ تو توبہ کے وقت اشک رواں دل پشیمان ہو۔ عن یا تو بمعنی من ہے یا اپنے ہی معنی میں ہے چونکہ توبہ میں تجاوز اور درگذر کے معنی ہوتے ہیں اس لئے اس کے بعد عن ارشاد ہوا قوی یہ ہے عبادہ سے مراد سارے جن وانس ہیں۔ جن سے گناہ سرزد ہوں۔ فرشتے۔ جانور وغیرہ اگرچہ اللہ کے بندے ہیں مگر وہ گناہ نہیں کرتے۔ لہٰذا ان کی توبہ بھی نہیں۔ بعض نے فرمایا کہ ان بندوں سے مراد وہ سات حضرات ہیں جن کا واقعہ پہلے گذرا۔ مگر بات قوی ہے۔ ویاخذ الصدقات یہ فرمان عالی معطوف ہے یقبل التوبۃ (الخ) پر۔ چونکہ توبہ سے گناہ مٹائے جاتے ہیں۔ اور صدقات رب تعالیٰ محفوظ رکھتا ہے۔ انہیں بڑھاتا ہے۔ اس لئے توبہ کے لئے قبول اور صدقات کا لینا ارشاد ہوا۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر مومن صدق دل سے ایک لقمہ خیرات کرے تو رب تعالیٰ سے رحمت کے ہاتھ میں لیتا ہے اس کی پرورش فرماتا ہے حتیٰ کہ قیامت میں وہ لقمہ اسے پہاڑ بن کر ملے گا۔ قوی یہ ہے کہ صدقات سے سارے فرضی واجب نفلی خیراتیں مراد ہیں کبھی جانوروں کی خیرات کو صدقہ پیداوار کی خیرات عشر سونے چاندی کی خیرات کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ یہاں وہ مراد نہیں عام خیراتیں مراد ہیں۔ (روح البیان)

خیال رہے: کہ یہاں صدقات سے بھی صحیح صدقے مراد ہیں۔ جو حلال مال سے اخلاص کے ساتھ درست مصرف میں خرچ کئے جاویں۔ انشاء اللہ ایسے صدقے ضرور قبول ہوتے ہیں۔ وعدہ ربانی ہے۔ چونکہ حضور انور ﷺ کا صدقات قبول فرمانا درحقیقت رب تعالیٰ کا ہی قبول فرمانا ہے اس لئے پچھلی آیت میں اس لینے کی نسبت حضور انور ﷺ کی طرف کی گئی۔ خذ من اموالهم صدقة اور یہاں رب تعالیٰ کی طرف (تفسیر کبیر روح البیان وغیرہ) وان الله هو التواب الرحيم۔ یہ فرمان عالی گذشتہ ارشاد کی دلیل ہے۔ تواب کا تعلق ہے۔ یقبل التوبۃ سے اور رحیم کا تعلق ہے صدقات لینے سے یعنی اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے کیونکہ وہ تواب ہے اور صدقات وصول فرماتا ہے کیونکہ رحیم ہے یہ سب اس کے فضل وکرم سے ہے نہ کہ تمہارے استحقاق سے۔

خیال رہے: کہ دونوں جگہ ھو سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ ھو یقبل التوبۃ انه ھو التواب الرحيم یعنی اللہ تعالیٰ ہی توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی تواب ورحیم ہے اس کے بعض بندے رحیم ہیں تو اس کے بتانے سے اس کے سوا نہ کوئی حقیقی تواب ہے نہ کوئی حقیقی رحیم۔

خیال رہے: کہ جب تواب صفت ہو رب تعالیٰ کی تو معنی ہوتے ہیں بہت توبہ قبول فرمانے والا اور جب صفت ہو بندے کی تو معنی ہیں بہت توبہ کرنے والا۔ یہاں پہلے معنی میں ہے۔ رحیم اور رحمان کا فرق ہم پہلے پارہ میں بسم اللہ کی تفسیر میں کر چکے ہیں لہٰذا معنی ہوئے کہ مومنوں پر خصوصاً توبہ کرنے والوں پر بڑا ہی مہربان ہے کہ انہیں توبہ پر ثواب بھی عطا فرماتا ہے۔ وقل اعملوا یہ نیا فرمان عالی ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور قل میں خطاب ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن سارے لوگوں سے ہے توبہ کرنے والے ہوں یا نہ کرنے والے یا دیر لگانے والے بلکہ مومنین ہوں یا کفار عمل سے مطلق عمل مراد ہے۔ کفر ہو یا ایمان نیکی ہو یا بدی۔ دنیاوی کام ہوں یا دینی یہ فرمان عالی اجازت دینے کے لئے

بلکہ ان لوگوں کو ڈرانے ہیبت دلانے کے لئے یا مومنوں کو امید دلانے اور کافروں کو خوف دلانے کے لئے یہاں روح البیان نے فرمایا کہ یہ فرمان بظاہر ترخیص وتخییر ہے در حقیقت ترغیب وترہیب **فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون** ۔ یہ فرمان عالی وجہ یا تاکید ہے۔ اعملوا کی لہذا اس کی ف تعلیلیہ یعنی وجہ کی ہے یری بنا ہے رویۃ سے بمعنی دیکھنا یہاں اسی معنی میں ہے کیونکہ کسی چیز کا جاننا اس کے ہونے سے پہلے بھی ہو جاتا ہے مگر اس کا دیکھنا اس کے ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے آج ہم قیامت کو جانتے ہیں دیکھتے نہیں۔ مگر قیامت کے دن اسے دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کے سب اعمال پہلے ہی سے جانتے ہیں مگر اعمال دیکھیں گے۔ ان کے کرتے وقت۔ اللہ تعالیٰ تو اس لئے دیکھے گا کہ وہ سمیع بصیر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ہر غائب و حاضر دور نزدیک اندھیرے اجالے کی خبروں کا دیکھنے والا بنایا ہے۔ شعر۔

اے فروخت صبح آثارہ دہور	چشم تو بینندہ مافی الصدور

مومنین اس لئے دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہر نیک و بد عمل لوگوں پر قدرتی طور پر شائع کر دیتا ہے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ اگر کوئی پتھر کی ایسی چٹان میں چھپ کر عمل کرے جس میں دروازہ کھڑکی تو کیا کوئی سوراخ بھی نہ ہو اللہ تعالیٰ اعمال لوگوں میں شائع کر دیتا ہے دیکھا گیا ہے کہ خفیہ متقیوں کو لوگ قدرتی طور پر متقی کہتے ہیں خفیہ فاسق و فاجر کو قدرتی طور پر فاسق و فاجر کہا جاتا ہے یہ ہے مومنوں کا دیکھنا۔ لہذا آیت کریمہ واضح ہے۔ بعض لوگوں نے مومنوں سے مراد کاتب اعمال فرشتے لئے۔ بعض شیعوں نے کہا کہ مومنوں سے مراد ان کے معصوم بارہ امام ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہر پیر اور جمعرات کو لوگوں کے اعمال ہمارے اماموں پر پیش ہوتے ہیں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مگر یہ تحریف ہے تفسیر نہیں۔ (تفسیر روح البیان) بعض نے فرمایا کہ یہاں دیکھنے سے مراد ہے سزا و فاجر دینا تو اس سزا جزاء سے مراد دنیاوی سزا و جزا ہے کہ دنیا میں نیک نامی عزت واحترام دنیا کا ثواب ہے اور یہاں کی بدنامی ذلت وخواری کا عذاب (تفسیر روح البیان ومعانی وکبیر) یہاں تفسیر خازن نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال پر حضور انور ﷺ کو مطلع فرماتا ہے۔ یہ حضور ﷺ کا دیکھنا ہے اور مومنوں کے دلوں میں صالحین کی محبت اور گنہگاروں کی نفرت پیدا فرماتا ہے یہ مومنین کا دیکھنا ہے (خازن) **وستردون الی عالم الغیب والشہادۃ** یہ فرمان عالی معطوف ہے **فسیری اللہ** پر اس میں ان کی اخروی سزا و جزا کا ذکر ہے چونکہ ہر شخص رب کے پاس سے دنیا میں آیا ہے لہذا بعد موت اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا لوٹنا واپس ہونا چونکہ موت ہم سے بہت ہی قریب ہے اس لئے یہاں سین ارشاد ہوا۔ غیب وشہادت سے مراد لوگوں کے چھپے کھلے اعمال کا جاننے والا ہے **فینبئکم بما کنتم تعملون** ۔ یہ عبارت معطوف ہے **ستردون** (الخ) پر اگر وہاں واپسی سے مراد قیامت کے دن اٹھنا تھا تو یہاں **ینبئکم** (الخ) سے مراد اعمال کی سزا و جزا دینا ہے کہ یہ سزا جزاء قیامت میں سنائی جائے گی۔ پھر دوزخ اور جنت میں دی جاوے گی۔ اور اگر وہاں واپسی سے مراد موت تھی تو یہاں **ینبئکم** سے مراد آگاہ کرنا خبردار کرنا ہے کہ قبر یعنی برزخ میں اگرچہ اعمال کا حساب نہیں صرف ایمان کا حساب ہے مگر وہاں ہی بندے کے اپنے اعمال سامنے آجاتے ہیں حتیٰ کہ چغلی کرنے والا،

پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرنے والا قبر کی تنگی میں گرفتار ہوتا ہے مسجد میں روشنی کرنے والا قبر میں روشنی پاتا ہے لہذا آیت کریمہ واضح ہے اور خیر وشر یا وعدے وعید دونوں کو شامل ہے۔ یہ آیت تقوی کے لئے کافی ہے۔

**خلاصہ تفسیر:** جو لوگ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں پس وپیش کرتے یا دیر لگاتے ہیں کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالی ہر خالص توبہ جو وقت پر کرلی جاوے ضرور ہی قبول فرمالیتا ہے۔ اس سے اپنے بندوں کے گناہ بخش دیتا ہے۔ اور اس کے بندے اخلاص کے ساتھ جو بھی صدقہ وخیرات کریں چھوٹا یا بڑا۔ علانیہ یا چھپا ہو اللہ تعالی اسے اپنے داہنے ہاتھ یعنی رحمت والے ہاتھ میں لیتا انہیں بڑھاتا ہے حتی کہ قیامت میں ایک کھجور کا دانہ جو صدق دل سے خیرات کیا جاوے پہاڑ بن کر عطا ہوگا۔ اور کیا انہیں یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالی بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا ہے اور توبہ والوں پر مہربان ہے کہ پھر گناہ پر عذاب نہیں دیتا۔ بلکہ توبہ کا ثواب مرحمت کرتا ہے۔ اے محبوب میرے سامنے بندوں سے فرمادو کہ تم جو چاہو نیک و بد عمل کرو قریب ہے کہ اللہ تعالی تمہارے عمل دیکھے گا کہ تم کرتے ہو گے وہ دیکھتا ہوگا کہ وہ بصیر بھی ہی خبیر بھی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہ تعلیم الٰہی تمہارے اعمال دیکھیں گے۔ ان کی نگاہ سے تمہارے اعمال چھپے ہوئے نہیں اور قریب ہے کہ تمہارے کھلے چھپے نیک و بد اعمال مسلمان بھی دیکھیں گے کہ تمہارے اعمال کے آثار تمہارے چہروں پر ظاہر ہوں گے اور قدرتی طور پر لوگوں کو صالحین سے محبت والفت ہوگی اور بدکاروں سے نفرت وحقارت۔ دنیا میں تو نیک و بد اعمال کا نتیجہ ہے۔ آخرت میں تم سب اس ذات پاک کی طرف واپس جاؤ گے جو تمہارے چھپے کھلے برے بھلے اعمال سے خبردار ہے۔ پھر وہ تم کو تمہارے اعمال کی خبر دے گا کہ قبر میں اطلاع دے گا۔ قیامت میں سزا و جزا۔

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** جو کوئی صحیح طور سے اللہ تعالی تواب اور رحیم مانے وہ کبھی بچی توبہ اور اس کی اطاعت سے محروم نہیں رہ سکتا۔ مجرم کا اس کے دروازے سے بھاگے پھرنا اس سے غفلت کی بنا پر ہے یہ فائدہ **الم یعلموا** سے حاصل ہوا۔ رب تعالی ہم سب کی آنکھیں کھولے۔

**دوسرا فائدہ:** زبان سے رب تعالی کو تواب رحیم قادر مانے مگر توبہ نہ کرے اطاعت سے منہ موڑے وہ در حقیقت اسے تواب ورحیم مانتا نہیں۔ ماننے کا دعوی کرتا ہے یہ فائدہ بھی **الم یعلموا** (الخ) سے حاصل ہوا۔ منافقین اس وقت یہودی تھے جو رب تعالی کی ذات وصفات کو ماننے کا دعوی کرتے تھے مگر دل میں ایمان نہیں لاتے تھے۔ غزوات میں شرکت سے جان چراتے تھے۔ ان کے متعلق ارشاد ہوا **الم یعلموا**۔

**تیسرا فائدہ:** وہ صحیح توبہ جو شرائط کا ارکان کی جامع ہو اور صحیح وقت کی جاوے وہ بفضلہ تعالی ضرور قبول ہوتی ہے اگر کسی کی کوئی توبہ قبول نہ ہو تو وہ سمجھے کہ میری توبہ میں کوئی کمی ہے۔ یہ فائدہ **یقبل التوبۃ** سے حاصل ہوا۔ اس کا رب نے وعدہ فرمایا ہے اس کا وعدہ خلاف نہیں ہوسکتا۔ شعر۔

مری رات کی دعائیں جو نہیں قبول ہوتیں ۔ میں سمجھ گیا یقینا ابھی مجھ میں کچھ کمی ہے

**چوتھا فائدہ۔** یوں ہی صدقات وخیرات اگر صدق دل سے ہوں تو رب تعالٰی انہیں ضرور قبول فرماتا ہے اور انہیں بڑھاتا بھی ہے۔ حتی کہ ایک دانہ جس کی خیرات وہاں قبول ہو جاوے قیامت میں پہاڑ ہو کر ملے گا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یہ فائدہ **ویاخذ الصدقات** سے حاصل ہوا رب تعالٰی فرماتا ہے **یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات** دوسری جگہ فرماتا ہے **کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ**

**پانچواں فائدہ:** اللہ تعالٰی سچی توبہ سے گناہ معاف فرماتا ہے ثواب عطا فرماتا ہے۔ کیونکہ توبہ عبادت ہے اور عبادت باعث ثواب یہ فائدہ تواب کے ساتھ رحیم فرمانے سے حاصل ہوا۔

**چھٹا فائدہ:** امر ہمیشہ وجوب کے لئے نہیں آتا اس کے بہت مقاصد ہوتے ہیں حتی کہ کبھی کسی کام سے روکنے اور جھڑکنے کے لئے بھی آتا ہے یہ فائدہ **وقل اعملوا** سے حاصل ہوا کہ **اعملوا** میں ہر اچھے برے کام کا نہ حکم ہے نہ اجازت۔ بلکہ جھڑک ہے فرماتا ہے۔ **ومن شاء فلیکفر** وہاں بھی کفر کی اجازت نہیں۔

**ساتواں فائدہ:** اللہ تعالٰی کا علم قدیم ہے کہ وہ ہمیشہ سے علیم ہے خبیر ہے مگر روایت یعنی دیکھنا چیز کے موجود ہونے پر ہوتا ہے جسے علم ظہور کہا جاتا ہے یہ فائدہ **فسیر اللہ عملکم** کے سین سے حاصل ہوا۔

**آٹھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت بلکہ سارے جہان کے سارے کاموں کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔ کسی کا کوئی کام حضور انور ﷺ سے پوشیدہ نہیں یہ فائدہ **ورسولہ** فرمانے سے حاصل ہوا اور کیوں نہ ہو کہ حضور انور ﷺ سب کے سارے اعمال وایمان کے گواہ ہیں۔ گواہ کو مشاہدہ کرایا جاتا ہے **ویکون الرسول علیکم شہیدا** اور فرماتا ہے **وجئنابک علی ہولاء شہیدا** خود فرماتے کہ مجھ پر تمہارے رکوع سجود دل کا خشوع وخضوع چھپا نہیں رہتا۔ (بخاری شریف)

**نواں فائدہ:** اللہ تعالٰی دنیا میں ہی نیک وبد اعمال چہرے کے آثار سے اور وجوہ سے لوگوں پر ظاہر فرما دیتا ہے۔ اندرون خانہ کئے ہوئے اعمال فاش کر دیتا ہے یہ فائدہ **والمومنون** فرمانے سے حاصل ہوا۔

**دسواں فائدہ:** قیامت میں ہر ایک کو اس کا ہر عمل بتا دیا دکھا دیا جاوے گا۔ اقرار جرم کرا کے سزا دی جاوے گی یہ فائدہ **فینبئکم** (الخ) سے حاصل ہوا۔ بلکہ مرنے کے وقت ہی انسان کو اپنے اعمال وانجام کا پتہ لگ جاتا ہے۔ رب تعالٰی نیک اعمال نصیب کرے۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی توبہ ضرور قبول فرماتا ہے مگر دوسری آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی توبہ بلکہ ایمان قبول نہیں بھی ہوتا۔ دیکھو جمیل اپنی زکوۃ بار بار حضور انور ﷺ اور صحابہ کرام کے پاس لایا مگر نامنظور ہوئی۔ فرعون نے ڈوبتے وقت کلمہ پڑھا مگر نامنظور ہوا وہ آیات اس آیت کے خلاف ہے۔

**جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں توبہ سے سچی توبہ اور بروقت توبہ مراد ہے۔ جمیل نے سچی توبہ نہیں کی تھی۔ ہر بار منافقت سے زکوۃ لاتا تھا۔ فرعون نے توبہ کا وقت نکال دیا یا عذاب دیکھ کر توبہ کی جو نامقبول ہوئی۔

**دوسرا اعتراض:** فقہاء فرماتے ہیں کہ حضور انور ﷺ کے گستاخ کی توبہ قبول نہیں، وہ قول اس آیت کریمہ کے خلاف ہے یہاں ہر توبہ قبول ہونے کا وعدہ ہے۔

**جواب:** حضور انور کے گستاخ کا قصاص بہر حال لیا جائے گا۔ اگرچہ قاتل توبہ کرے، تاوقتیکہ صاحب حق معاف نہ کرے۔ یہاں حضور انور ﷺ صاحب حق ہیں ان کی معافی کیسے حاصل کی جاوے۔

**تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہے کہ رب تعالیٰ صدقات لیتا ہے دوسری جگہ ہے خذ من اموالھم صدقۃ اے محبوب آپ ﷺ ان کے مال کے صدقے لو۔ حضور انور ﷺ نے حضرت معاذ سے فرمایا تھا کہ تم امیروں سے صدقات لو۔ فقراء کو دو ان میں کونسی آیت درست ہے آیات میں تعارض ہے۔

**جواب:** تینوں آیات درست ہیں یہاں حقیقت کا ذکر ہے ان آیات میں ظاہر سبب کا۔ کیونکہ حضور ﷺ کے عامل یا فقیر کا صدقہ لینا بالواسطہ حضور انور ﷺ کا قبول فرمانا ہے اور حضور انور ﷺ کا قبول فرمانا در حقیقت رب تعالیٰ کا قبول فرمانا ہے۔

**چوتھا اعتراض:** اگر اس آیت سے حضور انور ﷺ کا علم غیب حاضر و ناظر۔ لوگوں کے اعمال کا مشاہدہ کرنا ثابت کرتے ہو تو یہی صفات سارے مسلمانوں کے لئے بھی مانو کیونکہ یہاں سیری کا فاعل اللہ تعالیٰ۔ رسول۔ مومنین سب ہی ہیں۔ لوگوں کے اعمال سب ہی دیکھتے ہیں۔

**جواب:** اللہ رسول کے دیکھنے اور مومنوں کے دیکھنے میں کئی طرح فرق ہے۔ مومن صرف اپنے زمانہ کے لوگوں کے حالات دیکھتے ہیں۔ اللہ رسول ہر جگہ اندھیرے اجیالے کے اعمال کو (۱) مومنین علامات کے ذریعہ دیکھتے ہیں۔ اللہ رسول کو ان علامات کی ضرورت نہیں غرضکہ نوعیت رویت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دیکھو ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی میں لفظ صلوٰۃ یعنی درود ایک ہے مگر نوعیت صلوٰۃ میں فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا درود اور نوعیت کا ہے فرشتوں کا دوسری نوعیت کا۔

**پانچواں اعتراض:** اگر یہاں سیردون (الخ) سے مراد مرکر قبر میں جانا ہو تو وہاں اعمال کی خبر دینے کے کیا معنی۔ قبر میں تو اعمال کا حساب ہے ہی نہیں وہاں صرف عقائد کا حساب ہے۔

**جواب:** واقعی قبر اعمال کا حساب نہیں مگر اعمال کا عملی خبر دینا وہاں بھی ہے کہ بعض گناہوں پر قبر کی تاریکی تنگی وحشت ہوگی۔ اور بعض نیکیوں پر قبر کی فراخی۔ روشنی۔ دل کا سکون وچین وغیرہ میسر ہوں گے۔ لہٰذا آیت کریمہ درست ہے۔

**چھٹا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ اپنے سارے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ من عبادہ میں عباد میں اطلاق ہے مگر بہت سی مخلوق توبہ کے لائق ہی نہیں۔ جیسے اینٹ پتھر جانور وغیرہ بعض مخلوق توبہ کرتی نہیں جیسے فرشتے اور حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء کہ ان سے گناہ ہوتے ہی نہیں پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔

**جواب:** یہاں عباد جمع عبد کی ہے اور عبد سے مراد عبودیت والے بندے ہیں وہ صرف جن وانس ہی ہیں حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء۔ اگرچہ گناہ نہیں کرسکتے مگر توبہ ضرورت کرتے ہیں۔ شعر۔

عابدان از گناہ توبہ کنند عارفاں از عبادت استغفار

ہم لوگ صرف توبہ کرتے ہیں وہ حضرات ھوبہ. روبہ کے ساتھ توبہ کرتے ہیں نوبہ. روبہ کے فرق پہلے پارہ میں عرض ہو چکے جس دانہ کو اچھی زمین قبول کرے تو اسے ضائع نہیں ہونے دیتی بلکہ بطور امانت اسے محفوظ رکھتی ہے اور چند در چند کر کے اسی واپس کرتی ہے یہ زمین کا حال ہے جو نیکی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے وہ کیسے ضائع ہو سکتی ہے۔ وہ رب کے پاس محفوظ رہتی ہے اور یہاں تک بڑھتی ہے کہ کن کا من اور ذرہ کا پہاڑ بن جاتی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ توبہ اور عبد لفظاً ایک ایک ہیں لیکن معناً ان میں بڑا فرق ہے جیسا بندہ ویسی اس کی توبہ اور جیسی توبہ ویسی اس کی قبولیت جیسی قبولیت ویسا اس کا انجام۔ اللہ تعالیٰ مومن کی نیکیاں دیکھتا بھی ہے دکھاتا بھی ہے مگر مومن کے گناہ دیکھتا ہے دکھاتا نہیں بلکہ چھپاتا ہے اس کی صفت دکھانا بھی ہے۔ چھپانا بھی اور مٹانا بھی۔ کفار کی نیکیاں مٹاتا ہے گھٹاتا بھی ہے بڑھاتا بھی ہے یمحق اللہ الربوٰا ویربی الصدقات۔

| |
|---|
| وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا |
| اور دوسرے لوگ موخر کئے ہوئے ہیں حکم الٰہی تک یا سزا دے انہیں اور یا |
| اور کچھ موقوف رکھے گئے ہیں اللہ کے حکم پر یا ان پر عذاب کرے یا ان کی |
| يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾ |
| توبہ ڈالے ان پر اور اللہ علم والا حکمت والا ہے |
| توبہ قبول کرے اور اللہ علم وحکمت والا ہے |

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں غزوۂ تبوک سے رہ جانے والی دو جماعتوں کا ذکر ہوا۔ منافقین مبادرین یعنی بہت جلد توبہ کرنے والے اب ان کی تیسری جماعت کا ذکر ہے یعنی واقفین۔ جن کی توبہ میں دیر ہوئی۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے بندوں کی توبہ قبول فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ ھو یقبل التوبۃ عن عبادہ۔ اب ارشاد ہے کہ کبھی دیر میں الہٰذا دیر سے مایوس نہ ہو جانا چاہئے۔ گویا قبول توبہ کے بعد وقت قبول کا ذکر ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اب ارشاد ہے کہ اللہ کے بندے دو طرح کے ہیں ایک وہ جو گناہ کرتے ہی تڑپ جاتے ہیں اور بہت جلد کفارہ ادا کر دیتے ہیں دوسرے وہ جن میں تڑپ دیر سے پیدا ہوتی ہے گویا تائبین کی ایک قسم کے بعد دوسری کا ذکر ہو رہا ہے۔

**چوتھا تعلق:** ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اے لوگو تمہارے کام اللہ تعالیٰ نور الوہیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور

مومنین حضور انور ﷺ کے بتانے یا علامت خاصہ سے دیکھ لیں گے اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ مذکورین سات آدمیوں کے ہر قسم کے اعمال بھی دیکھ لئے گئے اور ان تینوں صاحبوں کے اعمال بھی اور ان دونوں جماعتوں کے اعمال کا تا قیامت چرچا ہوتا رہے گا۔

**شان نزول:** غزوۂ تبوک سے دس مخلص صحابہ سستی کی وجہ سے غیر حاضر رہے تھے جن میں سے سات حضرات نے وہ شاندار فوراً توبہ کی جس کا ذکر ہو چکا مگر تین حضرات نے یعنی کعب ابن مالک ہلال ابن امیہ مرارہ ابن ربیع۔ انہوں نے اگرچہ اپنے کو ستونوں سے بندھوایا تو نہیں مگر حضور انور ﷺ کی بارگاہ میں کوئی بہانہ بھی نہیں کیا۔ صاف صاف اپنی خطا قبول کر لی کہ ہم سے قصور ہو گیا۔ سستی کی وجہ سے حاضر نہ ہوئے حضور انور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول ہونے کا اعلان فرمائے گا تب قبول ہوگی۔ اور ان تینوں حضرات کا مکمل بائیکاٹ کر دیا گیا کہ ان سے مسلمانوں نے سلام کلام۔ اٹھنا۔ بیٹھنا۔ خرید و فروخت سب یکدم بند کر دی حتی کہ ان کو اپنی بیویوں سے صحبت حرام کر دی گئی۔ پچاس دن بائیکاٹ رہا۔ یہ آیت کریمہ ان کے متعلق نازل ہوئی۔ یہ تینوں حضرات غازیان بدر سے تھے۔ اس آیت میں ان کی اسی تاخیر قبول کا ذکر ہوا (تفسیر خازن بیضاوی۔ مدارک کبیر وغیرہ)

**تفسیر:** وآخرون مرجون لامر الله ۔ یہ فرمان عالی معطوف ہے آخرون اعترفوا بذنوبهم (الخ) پر لہذا اس کا واؤ عاطفہ ہے اور واؤ کے بعد منهم قوم پوشیدہ ہے آخرون سے مراد وہ ہی تین حضرات ہیں جن کی توبہ پچاس دن بعد قبول ہوئی۔ کیونکہ انہوں نے ابولبابہ وغیرہم کی طرح اپنے کو ستونوں سے بندھوایا نہیں۔ ان میں ان جیسی تڑپ پیدا نہیں ہوئی مرجون بنا ہے رجی سے بمعنی دیر لگانا۔ ٹھہرانا۔ موقوف رکھنا۔ اسی سے ہے قبیلہ مرجیہ یہ اصل میں مرحبون تھا۔ ی گر گئی۔ یوموں کے قاعدے سے لامر الله میں لام بمعنی الی ہے اور امر الله سے مراد وہ آیات ہیں جو آگے آئیں گی وعلى الثلثة الذين خلفوا (الخ) یعنی ان میں پیچھے رہ جانے والوں میں دوسری قوم وہ ہے جن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حکم آنے تک موقوف رکھا گیا ہے۔ اس وقت ان کا فیصلہ ہوگا۔ امايعذبهم وامايتوب عليهم واما يتوب عليهم ۔ اس فرمان عالی میں مرجون کا مقصد بیان فرمایا جارہا ہے۔ یوں سمجھو کہ آخرون مبتدا ہے اور مرجون (الخ) اور اما نعذبهم اس خبر کا بیان (تفسیر روح المعانی)

**خیال رہے:** کہ یہاں عذاب سے مراد ان کی توبہ قبول نہ کرنا ہے۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے یعنی اللہ تعالیٰ یا تو انہیں سزا دے گا کہ انہیں اس توبہ کی شرائط پورے کرنے مذکورہ قصور کا کفارہ ادا کرنے کی توفیق نہ دے اور وہ بائیکاٹ کے زمانہ میں گھبرا جائیں یا ان کی توبہ قبول فرمائے۔ اس طرح کہ انہیں بائیکاٹ کے زمانہ کی مصیبت جھیلنے کی ہمت دے دے اور اس قصور کے کفارہ کی توفیق بخشے والله عليم حكيم اس فرمان عالی میں اس تاخیر قبول کی وجہ کا بیان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان سات کے اخلاص و تڑپ کو بھی جانتا ہے اور ان کی اقرار خطا کو اس تاخیر قبول میں بہت حکمتیں ہیں اس تاخیر سے ہی ان حضرات کو عظمت دین پر استقامت حضور انور ﷺ کے اختیار خداداد تمام مومنوں کے حضور انور ﷺ کے دامن سے مکمل

وابستگی ظاہر ہوگی۔

**خیال رہے:** کہ ان تینوں حضرات کے بائیکاٹ کے زمانہ میں حضرت کعب ابن مالک کے پاس شاہ ملک شام نے خط بھیجا کہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی قدر نہ کی آپ ہمارے پاس آ جائیں ہم آپ کو وزارت عظمٰی کا عہدہ دیتے ہیں آپ نے یہ خط تو جلا دیا اور بہت روئے عرض کیا **الٰہ العالمین** کیا اب میں اس حد تک پہنچ گیا کہ مجھے کفار دعوت دینے لگے اگر اس زمانہ میں میری موت ہوگئی تو حضور انور ﷺ میرا جنازہ بھی نہ پڑھیں گے اس خیال سے تڑپ گئے رب کے ہاں تڑپ ہی تو محبوب ہے۔ چنانچہ توبہ قبول ہوگئی۔ دیکھو بخاری شریف وغیرہ۔ تمام کتب حدیث قصہ توبہ کعب ابن مالک غرضکہ اس تاخیر میں بہت حکمتیں ہیں۔

**خلاصہ تفسیر:** اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان سستی کر جانے والے مخلصین میں کچھ لوگ وہ ہیں آپ نے جن کا بائیکاٹ کر دیا ہے اور ان کا معاملہ موقوف کر دیا گیا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کا فیصلہ ہوگا۔ وحی الٰہی آنے تک انہیں یوں ہی رہنے دیں رب کو اختیار ہے یا تو وہ انہیں سزا دے کہ توبہ قبول نہ کرے اس طرح کہ انہیں زمانہ بائیکاٹ کی مشقتیں جھیلنے کی ہمت نہ دے ان سے اس توبہ کی شرائط پوری نہ ہوں اور یہ قبولیت سے محروم رہیں یا ان کو تمام کی توفیق ملے اور ان کی توبہ قبول ہو جاوے اللہ تعالٰی علیم بھی ہے ان کے دلوں کا حال جانتا ہے۔ حکیم بھی اس تاخیر قبول میں بہت حکمتیں ہیں یہ لوگ انتظار کریں۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم میں نائب کبریا ہیں کہ حضور ﷺ کا فیصلہ رب تعالٰی کا فیصلہ ہوتا ہے۔ دیکھو ان تین حضرات کو حضور انور ﷺ نے معلق فرما دیا ان کا بائیکاٹ رب نے اس کی تائید اس آیت سے فرمائی یہ آیت حضور انور ﷺ کے حکم کی تائید کے لئے آئی ہے۔

**دوسرا فائدہ:** اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کو احکام شرعیہ کا مالک بنایا ہے۔ دیکھو سلام کا جواب دینا فرض ہے مسلمان سے مصافحہ کرنا سنت مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنا اس سے میل جول سنت۔ مگر حضور انور ﷺ کے حکم بائیکاٹ سے حضرت کعب کے سلام کا جواب دینا مسلمان کے لئے ممنوع ہوگیا۔ ان سے مصافحہ کلام سلام حرام ہوگیا۔ یہ ہے میرے محبوب کی سلطنت مطلقہ۔

**تیسرا فائدہ:** حضور انور ﷺ ہم سب مسلمانوں کے مالک ہیں ہم سب ان کے مملوک غلام بلکہ حضور ﷺ کو ہر مسلمان پر وہ حق ہے جو مولٰی کو غلام پر نہیں ہوتا۔ دیکھو کوئی مولٰی، بادشاہ، ماں باپ استاد پڑوسی کسی پر اس کی بیوی کو باوجود نکاح قائم رہنے کے حرام نہیں کر سکتا۔ مگر حضور انور ﷺ کے شاہی احکام و اختیار دیکھو کہ اس پچاس دن تک مدت میں ان تینوں صاحبوں کی بیویاں ان کے نکاح میں رہیں مگر ان سے صحبت حرام ہوگئی۔ یہ ہے اس شہنشاہ کا راج رب تعالٰی نے ان سب فرمانوں کی تائید ایک کلمہ سے فرما دی کہ آخرون مرجون (الخ) اس کا اثر یہ ہوا کہ ان تینوں صاحبوں کے بھائی برادر اور ماں باپ بیویوں کو بھی ان سے کلام و سلام حرام ہوگیا۔

**چوتھا فائدہ**: ملک کی سالمیت کے لئے مسلمانوں کا اتحاد ضروری ہے۔ دیکھو حضرات صحابہ کا اتحاد کہ حضور انور ﷺ کے ایک اشارہ پر حضرت کعب وغیرہ سے سارے مسلمان ایسے پھر گئے کہ کوئی پہچانتا بھی نہ تھا۔ انہوں نے بزبان حال کہہ دیا کہ اے کعب اگر تم حضور ﷺ کے اور حضور ﷺ تمہارے ہیں تو ہم سب تمہارے اگر اس میں فرق ہے تو ہمارے قریبی عزیز تمہارے نہیں رب تعالیٰ یہ اتحاد ہم کو نصیب کرے۔

**پانچواں فائدہ**: مومن کی علامت یہ ہے کہ حضور انور ﷺ کی غلامی یہاں کی تختی دل و جان سے قبول کرے کفار کی وزارت کو اس کے مقابلہ میں ٹھکرا دے۔ دیکھو حضرت کعب نے اس کسم پرسی کے زمانہ میں بادشاہ کے پیش کردہ عہدہ وزارت کو ٹھکرا دیا۔ یہ فائدے اس آیت کے شان نزول سے حاصل ہوئے۔

**چھٹا فائدہ**: عمل اور توبہ کی قبولیت میں جلدی نہیں کرنے چاہئے۔ خواب کی تعبیر دعا کی قبولیت یونہی نیک اعمال اور توبہ کی قبولیت کبھی دیر سے ظاہر ہوتی ہے اس دیر میں رب کی حکمتیں ہوتی ہیں۔ یہ فائدہ **موجون لامر اللہ** سے حاصل ہوا۔

**ساتواں فائدہ**: توبہ کے لئے کچھ شرائط ہیں کچھ سنتیں کچھ مستحبات اور پھر اس کا ایک وقت بھی ہے ان سب کے اجتماع کی توفیق رب کی طرف سے ملتی ہے۔ یہ توفیق نہ ملنا رب کا عذاب ہے یہ فائدہ **اما یعذبھم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو اس خبر کی تفسیر۔ ہمیشہ رب تعالیٰ سے توفیق خیر مانگو۔

**آٹھواں فائدہ**: اس امت میں سب سے افضل و اعلیٰ حضرات صحابہ ہیں جب ان کے متعلق یہ ارشاد ہے **اما یعذبھم او یتوب علیھم**۔ تو ہم تم کیسی گنتی اور شمار میں ہیں بس کرے جاؤ اور ڈرے جاؤ۔

**پہلا اعتراض**: جہاد فرض کفایہ ہے جو بعض کے ادا کرنے سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں پھر غزوہ تبوک میں بہت صحابہ کرام شریک ہو گئے تھے۔ اگر یہ دس حضرات شریک نہ ہوئے تو ان پر اتنا عتاب کیوں ہوا۔

**جواب**: تفسیر روح المعانی نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا کہ انصار مدینہ پر ہر جہاد فرض عین تھا کیونکہ انہوں نے حضور انور ﷺ سے جہاد پر بیعت کی ہوئی تھی وہ حضرات فخریہ طور پر یہ کہا کرتے تھے۔ شعر۔

نحن الذین بایعوا محمدا — علی الجھاد ما بقینا ابدا

اب جب کوئی انصاری جہاد سے رہ گیا وہ فرض عین کا تارک ہوا۔ لہٰذا عتاب درست ہوا مگر فقیر کے نزدیک یہ جواب قوی نہیں۔ کیونکہ بہت جہادوں میں بہت سے انصار شریک نہیں ہوئے حتی کہ غزوۂ بدر میں سارے انصار شریک نہ تھے ورنہ غازی بہت زیادہ ہوتے تین سو تیرہ ہی نہ ہوتے۔ فقیر کے نزدیک قوی جواب یہ ہے کہ اس غزوہ میں حضور انور ﷺ نے ان تمام حضرات کو شرکت کا قطعی حکم دیا تھا۔ اس حکم سے ان پر فرض عین ہو گیا تھا۔ فرض عین یا فرض قطعی یا سنت یا واجب بنانے والی حضور انور ﷺ کی زبان شریف ہے چنانچہ جن حضرات کو مدینہ منورہ میں چھوڑ گیا جیسے حضرت علی۔ ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا۔ بلکہ ان پر مدینہ میں رہنا فرض ہو گیا۔ تبوک میں جانا حرام ہو گیا۔ سرکاری حکم بڑی چیز ہے۔ مصرع۔

تیری رضا رضائے رب تیری قضا قضائے رب

**دوسرا اعتراض:** ان تین حضرات نے حضور انور ﷺ کے واپس آتے ہی اپنی خطا کا اقرار کرلیا۔ یہ اقرار توبہ تھا پھر ان کا معاملہ معلق کیوں کردیا گیا رب تعالیٰ نے قبول توبہ کا وعدہ فرمایا ہے۔

**جواب:** بعض خطاؤں کی توبہ کے لئے اداء کفارہ ضروری ہوتا ہے کفارہ ادا کرنے تک توبہ معلق رہتی ہے۔ فوراً قبول نہیں ہوتی۔ تبوک سے رہ جانے والوں کے لئے کچھ تکلیف برداشت کرنا گویا اس خطا کفارہ تھا۔ ان سات نے جن میں ابولبابہ شامل تھے اپنے کو ستونوں سے بندھوا کر یہ مشقت برداشت کر کے کفارہ ادا کردیا۔ ان تین حضرات کے لئے پچاس دن کے بائیکاٹ کی تکلیف کفارہ ہی بنی انہیں اس کفارہ کا انتظار کرنا پڑا رب تعالیٰ نے قبول توبہ کا وعدہ فرمایا۔ فوراً قبولیت کا وعدہ نہیں ہے۔

**تیسرا اعتراض:** اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ حضور انور نے پچاس دن تین حضرات کا بائیکاٹ رکھا مگر دوسری حدیث میں ہے کہ کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ نہ چھوڑے رہے اس دوران میں اس سے بول چال شروع کردے ان دونوں میں تعارض ہے۔

**جواب:** تمہاری پیش کردہ حدیث میں ذاتی یا نفسانی لڑائی کی بنا پر چھوڑنا ہے۔ یہاں بطور سزا کفارہ بائیکاٹ کرایا گیا۔ اور اس سے تربیت وتعلیم مقصود تھی یہ زیادہ عرصہ تک رہ سکتی ہے۔ رب فرماتا ہے **واھجروھن فی المضاجع** اپنی زبان فرمان بیویوں کو ان کے بستروں میں چھوڑ دو ان کا بائیکاٹ کرو۔ اس آیت میں تین دن کی قید نہیں یہ فرق خیال میں رہے۔

**چوتھا اعتراض:** اما شک کے لئے ہے اللہ تعالیٰ شک وتردد سے پاک ہے پھر اس نے **امایعذبھم و امایتوب علیھم** کیوں فرمایا۔

**جواب:** یہ فرمان عالی ان حضرات کو تردد میں رکھنے کے لئے فرمایا یعنی یہ تینوں حضرات نہ تو رب سے مایوس ہوں اور نہ بے خوف بلکہ قبولیت کی امید رکھیں عذاب کا خوف۔ اس امید وخوف پر ایمان کی عمارت قائم ہے۔

**تفسیر صوفیانہ:** اس آیت پر عشاق وجد کرتے ہیں رب نے ان تین حضرات کو فراق کی سزا دی۔ فراق یار وہ درخت ہے جس میں وصال کے پھل لگتے ہیں بشرطیکہ اسے تڑپ و بے قراری کا کھاد اور آنسوؤں کا پانی ملتا ہے حافظ شیرازی کہتے ہیں۔ شعر۔

ہرچند کہ ہجران ثمر وصل برآرد        دھقان ازل کاش کہ ایں تخم نہ کشتے

حکمت الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ بعض مقبولین سے اولاً خطا سرزد ہو پھر وہ توبہ کریں تو فوراً قبول نہ ہو بلکہ انہیں امید وخوف کے درمیان رکھا جائے جس سے ان کی تربیت ہو وہ حضرات ان خوف وامید کے پروں سے اڑ کر بارگاہ قدس تک پہنچیں جہاں ان پر وحدت کی تجلی پڑے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تربیت جانتا ہے کسی کو قرب کی لذت دے کر کسی کو فراق کا مزہ چکھا کر اپنے تک بلاتا ہے اس کے ہر کام میں حکمت ہے (روح البیان) غزوۂ تبوک کے موقعہ پر غازیوں نے دراز سفر کی مشقتیں جھیلیں ان حضرات نے اس زمانہ میں آرام کیا۔ یہ زمانہ پچاس کا تھا اس مدت تک انہیں فراق۔ بائیکاٹ رونے تڑپنے کی

مشقت میں ڈالا گیا تاکہ اس آرام کا کفارہ بن جاوے۔ (تفسیر صاوی) روایات میں ہے کہ بائیکاٹ کے زمانہ میں جب حضرت کعب مسجد میں جماعت نماز کے لئے آتے اور کہتے اسلام علیکم تو کوئی جواب نہ دیتا۔ یہ کبھی حاضرین کا منہ تکتے کبھی حضور انور ﷺ کے لب مبارک تکتے کہ جواب کے لئے ہلے یا نہیں۔ حضور ﷺ کا انداز محبوبانہ یہ تھا کہ جب کعب کی نظر اور طرف ہوتی تو حضور کعب کا چہرہ دیکھتے مگر جب کعب حضور کی نگاہ کو دیکھتے تو حضور صلعم فوراً آنکھیں پھیر لیتے حضرت کعب منہ تکتے رہ جاتے۔ قسم رب کی کعب کو وہ مزا آتا ہوگا جسے وہ ہی جانتے ہیں۔ شعر۔

اب لذت زخم جگری پوچھتے کیا ہو — جب تک تم ہی نمک پاش ہو پھر کیوں نہ مزہ ہو

ان اداؤں کی لذتیں باوفاؤں سے پوچھو — عشاق ان اداؤں پر فدا ہو جاتے ہیں

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا

اور وہ لوگ کہ بنائی انہوں نے مسجد ضرار دینے کے لئے اور کفر کے لئے اور جدائی

اور جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب

بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ

کرنے کے لئے درمیان مومنوں کے اور پناہ دینے کے لئے جو مخالف ہے اللہ اور

اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور

رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ

رسول کا اس کے پہلے سے اور البتہ ضرور قسم کھا جائیں گے کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر

اس کے رسول کا مخالف ہے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے ہم نے تو بھلائی چاہی

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۞ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ

بھلائی کا اور اللہ گواہی دیتا ہے تحقیق وہ البتہ جھوٹے ہیں نہ کھڑے ہوں آپ اس میں کبھی

اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بیشک جھوٹے ہیں اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہونا

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ

البتہ وہ مسجد کہ بنیاد رکھی گئی جس کی پرہیزگاری پر پہلے دن سے ہی زیادہ حق دار ہے

بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس

اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ

اس کی کہ کھڑے ہو تم اس میں اس میں لوگ ہیں ایسے جو پسند کرتے ہیں یہ کہ

قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو اس میں وہ لوگ

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

خوب پاک ہوں اور اللہ پسند کرتا ہے پاکوں کو

ہیں جو خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور ستھرے اللہ کو پیارے ہیں

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** گذشتہ پچھلی آیات میں منافقوں کی مختلف بدکاریوں کا ذکر ہوا کہ ان سے بعض یہ حرکات کرتے اور بعض فلاں حرکت اب منافقوں کے ایسے کاموں کا ذکر ہے جو بظاہر اچھے معلوم ہوتے ہیں مگر درحقیقت برے ہی جیسے بری نیت سے مسجد بنانا گویا ان کے کھلے عیوب کے بعد ان کے چھپے عیوب کا ذکر ہے جو ہیں عیب مگر خوبی کی صورت ہیں۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مخلص مومنوں کے لئے ایسے عمل بیان ہوئے جو ابتداء برے تھے مگر ان کا انجام اچھا ہوا۔ جیسے غزوہ تبوک سے رہ جانا جس کے بعد انہیں شاندار توبہ میسر ہوئی اب منافقوں کے ایسے کام بیان ہو رہے ہیں جو ابتداء اچھے معلوم ہوئے مگر ان کی انتہا خراب ہوئی جیسے مسجد ضرار کی تعمیر۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیات کا منشا یہ تھا کہ مخلصین مومنین سے اگر کوئی غلط کام بھی ہو جائے تو اے محبوب آپ علیہ السلام ان سے کنارہ کش نہ ہوں انہیں اپنے دامن کرم میں رکھیں اب اس آیت کا منشا یہ ہے کہ منافقین اگر بظاہر کوئی اچھا کام بھی کریں تب بھی ان کی طرف التفات نہ کریں کہ ان خبیثوں کی خوبیوں کی بنا خباثت پر ہے۔

**چوتھا تعلق:** گذشتہ پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ منافقین صدقات وخیرات بھی دیتے ہیں تو بری نیت سے یعنی ٹیکس یا جرمانہ سمجھ کر یتخذ ما ینفق مغرما اب ارشاد ہے کہ اگر یہ مسجد بھی بناتے ہیں تو برے ارادے سے گویا ان کے وقتی صدقہ کے ذکر کے بعد ان کے صدقہ جاریہ کے حال کا ذکر ہے۔

**شان نزول:** زمانہ جاہلیت میں مدینہ منورہ میں ایک شخص تھا ابو عامر راہب جو عیسائی ہو گیا تھا اور توریت وانجیل کا عالم بن گیا تھا لوگوں میں اس کی بڑی عزت تھی۔ حضرت حنظلہ جن کا لقب غسیل الملائکہ ہے اسی مردود کے فرزند ہیں۔ جب اسلام کا آفتاب مدینہ منورہ میں چمکا۔ تمام لوگ حضور انور علیہ السلام کے قدموں میں گرنے لگے تو ابو عامر راہب کی عزت فنا رہی یہ اس پر جل گیا حضور انور علیہ السلام کی خدمت میں آکر بولا آپ علیہ السلام کونسا دین لائے ہیں فرمایا دین حنیف ملت ابراہیم وہ بولا اس ملت پر تو میں ہوں آپ علیہ السلام نے تو اپنی طرف سے یہ دین گھڑا ہے فرمایا کہ ہمارا اسلام ہی ملت ابراہیمی ہے پھر دعا

کی کہ مولٰی ہم میں سے جو جھوٹا ہو اسے سفر اور پشیمانی کی موت دے۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا آمین پھر غزوۂ احد میں حضور انور ﷺ سے بولا کہ جو قوم آپ ﷺ سے جنگ کرے گی میں اس کے ساتھ آپ ﷺ کے مقابل ہوں گا۔ جب غزوۂ حنین میں حضور انور ﷺ کے مقابلہ سے ہوازن بھاگے تو یہ بھی بھاگا۔ شام پہنچا اور منافقین مدینہ کو پیغام بھیجا کہ تم میرے لئے ایک مسجد اپنے محلہ میں بناؤ جو بظاہر مسجد حقیقت میں میرا قیام گاہ اور حضور انور ﷺ کے خلاف سازش گاہ ہو وہاں حضور انور ﷺ کے مقابلہ کے لئے اسلحہ اور جنگی سامان جمع کر دیں قیصر روم سے لشکر لے کر مدینہ پر چڑھائی کروں گا۔ اس وقت تم میری مدد کرنا۔ چنانچہ ان منافقین نے مسجد قبا شریف کے قریب ایک مسجد بنائی جب حضور انور ﷺ تبوک تشریف لے جا رہے تھے جو منافقین حضور انور ﷺ کی خدمت میں آئے بولے یا رسول اللہ ہم نے بوڑھوں کمزوروں اور دور والوں کے لئے جو مسجد قبا میں نہ پہنچ سکیں یہ مسجد بنائی ہے نیز بارش اور اندھیری راتوں میں ہم بھی اس مسجد میں بآسانی نماز پڑھ لیا کریں گے۔ حضور انور ﷺ ایک نماز یہاں پڑھ لیں اور دعاء خیر کریں۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ ابھی تو ہم تبوک کی طرف پابہ رکاب ہیں۔ واپسی پر اگر اللہ نے چاہا تو ہم وہاں نماز پڑھیں گے۔ یہ فرما کر حضور ﷺ تبوک چلے گئے واپسی پر جب سرکار مقام ذی اوان پہنچے جو مدینہ منورہ سے قریب ہے تو یہ منافقین پھر حاضر خدمت ہوئے اور وہ ہی درخواست کی۔ تب اس جگہ یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔ حضور انور ﷺ نے اس دم حضرت وحشی (قاتل امیر حمزہ) مالک ابن دخشم۔ معن ابن عدی اور عامر ابن سکن کو حکم دیا کہ تم لوگ فوراً اس مسجد کو آگ لگا کر ختم کر دو۔ اور اس کی جگہ روڑھی (گھورا) بنا دو جہاں کوڑا کچرا ڈالا جایا کرے چنانچہ یہ حضرات وہاں گئے اور آن کی آن میں اسے راکھ کا ڈھیر بنا دیا اس مسجد ضرار میں مجمع ابن جاریہ نے کچھ دن غلطی سے امامت کی پھر توبہ کی۔ عہد فاروقی میں بہت مسجدیں بنائی گئیں مگر حکم دیا کہ اس جگہ بھی مسجد نہ بنے اور مجمع ابن جاریہ کہیں امام نہ بنے کیونکہ انہوں نے اس مسجد میں امامت کی تھی انہوں نے اپنی بے خبری ظاہر کی تب انہیں امامت کی اجازت ملی۔ (تفسیر روح البیان خازن۔ روح المعانی۔ بیضاوی۔ خزائن العرفان وغیرہ) ابو عامر راہب ملک شام میں مقام قنسرین میں تنہائی میں ہلاک ہوا۔ یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جگہ پھر ثابت ابن ارقم کو عطا فرما دی۔ انہوں نے وہاں گھر بنا کر رہنا شروع کیا تو اس کے اولاد نہ ہوئی ایک دن اس میں کسی ضرورت کے لئے گڑھا کھودا تو اس میں سے دھواں نکلا (روح البیان)

تفسیر: والذین اتخذوا مسجدا ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے لہٰذا اس کا واو ابتدائیہ ہے الذین سے پہلے منھم پوشیدہ ہے یعنی منافقوں میں سے بعض وہ ہیں۔ الذین سے مراد وہ بارہ منافقین ہیں جنہوں نے یہ مسجد ضرار بنائی اور پھر حضور انور ﷺ کی خدمت میں وہ درخواست کی۔ ودیعہ ابن ثابت۔ خذام ابن خالد۔ ثعلبہ ابن حاطب۔ جاریہ ابن عامر اس کے دو بیٹے مجمع اور زید۔ معتب ابن قشیر۔ عباد ابن حنیف۔ ابو حبیبہ ابن ازعر۔ نبتل ابن حارث۔ بجاد ابن عثمان۔ بجدج نبیل۔ (خازن۔ روح المعانی) ان میں سے خذام ابن خالد نے اپنے گھر سے ایک حصہ اس مسجد کے لئے نکالا۔ اتخذ کے معنی ہیں بنانا۔ مسجد سے مراد مسجد ضرار ہے۔ اگرچہ وہ جگہ ان بدنصیبوں نے اسلام کے خلاف سازشی گھر بنایا تھا مگر چونکہ اسے

مسجد کی شکل دی تھی اور مسجد کا نام رکھا تھا اس لئے اسے مسجد فرمایا گیا یعنی ان کی خیالی مسجد۔ لفظ مسجد کی تحقیق ساتویں پارے میں ہو چکی ہے کہ مسجد جیم کے کسرہ سے خلاف قیاس ہے۔ صرفی قاعدے سے مسجد۔ جیم کے فتحہ سے ہے اب محاورہ میں مسجد جیم کے فتحہ سے جاء سجود یعنی مصلی اور مسجد جیم کے کسرہ سے پوری عمارت جو نماز کے لئے وقف ہو۔ ان لوگوں نے یہ مسجد چار مقصدوں کے لئے بنائی تھی۔ (۱) ضرارا یہ مفعول لہ اتخذوا کا ہے آسان اور قوی ہے۔ ضرار بروزن فعال بمعنی ضرر ہے۔ (نقصان دینا) یعنی اپنی قریبی مسجد قبا کو نقصان پہنچانے کے لئے کہ وہاں نماز کم ہو جائیں۔ ان میں سے کچھ یہاں آ جایا کریں اس میں مسلمانوں میں اتحاد نہ رہے۔ یا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے کہ یہاں اسلام کے خلاف سازشیں کی جایا کریں۔ دوسری توجیہ قوی ہے کیونکہ مسجد قبا شریف کو نقصان دینے کا ذکر تو آگے آ رہا ہے۔ (۲) و کفرا یہ معطوف ہے ضرارا پر اور اتخذوا کا مفعول لہ کفر سے مراد ہے اس مسجد میں جمع ہو کر کفریات بکا کریں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف اپنے خاص لوگوں میں شہادت پیدا کریں۔ وہ لوگ تو کافر پہلے ہی تھے۔ (۳) و تفریقا بین المومنین۔ یہ عبارت معطوف ہے کفرا پر تفریق بنا ہے فرق بمعنی جدائی سے المومنین سے مراد مسجد قبا شریف کے نمازی ہیں۔ کہ سارے قبا والے ایک مسجد قبا میں نماز پڑھتے تھے پنجگانہ نماز کے ذریعہ ان سب کی آپس میں ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ سب متفق و متحد تھے۔ ان بدنصیبوں نے چاہا کہ یہ لوگ پھٹ جاویں ان کا شیرازہ بکھر جاوے۔ اور یہاں کے نمازیوں کو آہستہ آہستہ اسلام سے پھیر دیا جاوے۔ (۴) و ارصاد لمن حارب اللہ و رسولہ من قبل۔ یہ عبارت معطوف ہے۔ تفریقا پر اور اتخذوا کا مفعول لہ ہے۔ جس میں مسجد ضرار بنانے کی چوتھی وجہ بیان ہوئی۔ ارصاد کے معنی عداوت کے لئے کسی کا انتظار کرنا بھی ہیں۔ اور کسی کے خلاف تیاری کرنا بھی رب فرماتا ہے و ان ربک لھا المرصاد۔ (کبیر۔ خازن۔ معانی وغیرہ) جس کا ترجمہ اردو میں ہے۔ گھات لگانا۔ من سے مراد وہی ابو عامر راہب ہے جس کے لئے یہ ساری تیاری کی گئی تھی۔ اللہ رسول سے جنگ کرنے سے مراد گزشتہ جنگوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھ مل کر حضور ﷺ کے مقابل آنا۔ قبل سے مراد ہے مسجد ضرار کی تعمیر سے پہلے یعنی اس مسجد کی تعمیر کا چوتھا مقصد یہ ہے کہ وہ ابو عامر جو اس سے پہلے ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل آتا رہا ہے اس کے لئے گھات اور اڈہ بنانا کہ وہ مدینہ منورہ آ کر یہاں ٹھہرا کرے اور حضور انور ﷺ کے مقابل ان سے مشورے کیا کرے۔ ان کی مسجد ضرار کی تعمیر کے مقاصد تو یہ ہیں اور ان کے دعووں کا یہ حال ہے و لیحلفن ان اردنا الا الحسنی۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی معطوف ہے اتخذوا مسجدا (الخ) پر اور واؤ عاطفہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ جملہ نیا ہو اور واؤ ابتدائیہ قسم کا فاعل وہی منافقین۔ مسجد ضرار بنانے والے حسنی سے مراد اچھی بات یعنی کمزوروں بیماروں بوڑھوں کے لئے نماز میں سہولت پیدا کرنا اور اندھیری اور بارش والی راتوں میں نمازیوں پر آسانی کرنا یعنی اگر حضور انور ﷺ یا صحابہ کرام ان سے پوچھیں کہ تم نے مسجد کیوں بنائی تو قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ اچھائی کا ہے کہ اس سے نمازیوں کو آسانی مہیا کی جاوے۔ یہاں اللہ کا ذکر۔ نمازیں۔ اذان ہوا کرے۔ یہ ہے ان کی تقیہ بازی۔ و اللہ یشھد انھم لکاذبون۔ یہ فرمان عالی ان کی بکواس کی تردید کے لئے ہے یعنی اللہ گواہ ہے کہ وہ اس بکواس

میں بڑے جھوٹے ہیں۔ ان کے وہی چار ارادے ہیں جو ابھی ہم نے بیان کئے۔ **لاتقم فیه ابدا** یہ نیا جملہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضور ﷺ کے طفیل سے سارے مسلمانوں کو مسجد ضرار میں جانے سے وہاں ٹھہرنے وہاں نماز پڑھنے سے منع فرمایا گیا۔ قیام سے مراد تو وہاں نماز پڑھنا ہے۔ اکثر قیام سے مراد نماز ہوتی ہے۔ نماز تہجد کو قیام اللیل کہا جاتا ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے **من قام رمضان ایمانا و احتسابا (الخ)** اس حدیث میں قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اے محبوب آپ ﷺ اس مسجد میں کبھی نماز نہ پڑھیں یا قیام سے مراد وہاں جانا۔ ٹھہرنا ہے یعنی آپ ﷺ وہاں کبھی نہ جائیں نہ ٹھہریں۔ اس صورت میں جانے ٹھہرنے سے مراد وہاں احتراماً جانا ٹھہرنا ہے۔ چار صحابہ اسے جلانے مٹانے گئے تھے۔ ابداً فرما کر یہ بتایا کہ یہ ممانعت ہمیشہ کے لئے ہے۔ **لمسجد اسس علی التقوی** میں لام یا تو قسم کا ہے یا تاکید کا **اسس** بنا ہے **اساس** سے بمعنی بنیاد تاسیس بنیاد ڈالنا۔ اس مسجد کی بنیاد خود حضور انور ﷺ نے رکھی تھی۔

**خیال رہے:** کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو بارہ ربیع الاول پیر کے دن۔ نبوت کے تیرھویں سال۔ اولاً قبا میں قبیلہ بنی عمرو ابن عوف بن مکتوم ابن یدم کے ہاں بطور مہمان رہے۔ قبا مدینہ منورہ سے قریباً دو میل ایک محلہ سا ہے اب اسے پرانا مدینہ کہا جاتا ہے تو حضرت عمار ابن یاسر نے لوگوں سے کہا کہ اس طرح حضور انور ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کے لئے کوئی جگہ ہونی چاہئے۔ جہاں آپ ﷺ آرام فرمایا کریں۔ اور نماز بھی پڑھا کریں۔ لوگوں نے کچھ پتھر جمع کئے اس کا پہلا پتھر حضور انور ﷺ نے رکھا۔ اس مسجد میں باطمینان نماز پہلے پڑھی گئی۔ حضور انور ﷺ نے تیرہ یا چودہ دن یا کم و بیش قبا میں قیام فرمایا۔ پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اس فرمان عالی میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ (روح البیان وغیرہ) چونکہ اس مسجد شریف کی بنیاد اچھے ارادہ پر اچھے کاموں کے لئے رکھی گئی اس لئے **علی التقوی** ارشاد ہوا۔ پھر حضور انور ﷺ ہر ہفتہ کے دن مسجد قبا میں تشریف لے جاتے تھے اور فرمایا کہ جو مدینہ منورہ میں وضو کرے اور دو نفل مسجد قبا میں پڑھے تو اسے عمرہ کا ثواب ہے۔ اب بھی حجاج اور اہل مدینہ روزانہ خصوصاً ہفتہ کے دن اس مسجد شریف کی زیارت کرتے ہیں۔ اس گنہگار نے بھی وہاں بارہا نوافل پڑھے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔ اور پھر نصیب کرے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے بعض نے فرمایا دونوں مسجدیں مگر قول اول قوی ہے۔ اول یوم اس کا تعلق اسس سے ہے اول یوم یعنی پہلے دن سے مراد وہی بنیاد رکھنے کا دن ہے۔ قوی یہ ہے کہ من ابتدائیہ ہے اور یہ زمان و مکان دونوں پر داخل ہو سکتا ہے مکان کے ساتھ خاص نہیں بعض نے فرمایا کہ **من** بمعنی **فی** ہے کیونکہ **من** صرف مکان یعنی جگہ پر آتا ہے۔ مگر یہ قول ضعیف ہے (روح المعانی) **احق ان تقوم فیه** یہ فرمان عالی **لمسجد (الخ)** کی خبر ہے اس میں **احق** بمعنی حقیقی یعنی صفت مشبہ ہے۔ لہٰذا آیت واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ یہاں بھی قیام سے مراد یا نماز پڑھنا ہے یا وہاں جانا۔ ٹھہرنا ہے یعنی مسجد قبا اس لائق ہے کہ آپ ﷺ اس میں نماز پڑھیں یا آپ ﷺ اس میں ٹھہریں۔ اس کی زیارت فرمادیں دو وجہ سے ایک یہ کہ اس کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ دوسرے یہ کہ **فیه رجال یحبون ان یتطهروا فیه** میں ضمیر سے مراد یا تو محلہ قبا ہے جس میں مسجد شریف واقع ہے یا مسجد قبا۔ جس میں وہاں کے انصار نمازیں پڑھتے تھے۔ رجال

سے مراد وہ ہی بنی عمرو بن عوف یعنی اس کے قبیلہ کے لوگ ہیں۔ جو وہاں رہتے تھے جنہوں نے یہ مسجد بنائی یتطھر یعنی خوب پاک ہونے سے مراد یا تو ڈھیلے سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے بھی استنجا کرنا ہے۔ اور جنابت کی حالت میں نہ سونا۔ یا بد عملیوں سے پاک وصاف رہنا۔ یعنی تقوٰی یا بدعقیدگیوں سے پاک وصاف رہنا یعنی مومن صادق ہونا۔ یا سارے معانی پہلے معنی کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبا سے پوچھا کہ رب تعالیٰ نے تمہاری پاکیزگی کی تعریف فرمائی۔ تم لوگ کیا کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم ڈھیلوں سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے بھی استنجا کرتے ہیں۔ وہ قابل تعریف یہ ہی طہارت ہے۔ **واللہ یحب المطھرین** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس میں پاکیزہ لوگوں کی تعریف ہے یعنی اللہ تعالیٰ خوب پاک ستھروں کو پسند فرماتا ہے۔ جب وہ پیارے ہیں تو ان کی مسجد بھی پیاری اور جب مسجد پیاری تو اس میں نماز بھی رب کو پیاری۔ جب نماز پیاری تو وہاں کے نمازی بھی پیارے سبحان اللہ یہ پیار و محبت کا سلسلہ دور تک پہنچتا ہے۔ شعر۔

مجھے ہے دل سے الفت دل کو تم سے تم کو مسجد سے — میں اپنے دل کو چاہوں تم کو چاہوں چاہوں مسجد کو

یہ تو اس مسجد قبا کا ذکر ہے جس میں انصار رہتے ہیں۔ تو جس مسجد میں حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوں کیسی ہوگی۔ یہ فرمان عالی بہت ہی ہمت افزا ہے۔

**خلاصہ تفسیر:** منافقوں سے بعض وہ بھی ہیں جنہوں نے مسجد قبا کے متصل مسجد بنائی مگر رضاء الٰہی اور اطاعت رسول کے لئے نہیں بلکہ چار مقصدوں کے لئے (۱) مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے کہ یہاں جمع ہو کر مسلمانوں اور اسلام کے خلاف سازشیں کی جاویں گویا اس کا نام مسجد ہو اور یہاں کام دارالندوہ کے ہوں۔ (۲) کفر کرنے کے لئے کہ یہاں جمع ہو کر آپس میں اسلام میں شبہات پیدا کئے جاویں اور جو کوئی ان کے جال میں پھنس جاوے اسے یہاں رکھ کر پختہ کافر بنا دیا جاوے اور مومنوں کا اتفاق و اتحاد توڑنے کے لئے مسجد قبا کی نمازوں کو متفرق کر دیا جائے ان میں سے ٹوٹ کر کچھ نمازی یہاں آنے لگے۔ وہاں کی رونق کم ہو جاوے اور جو یہاں آنے لگیں انہیں کافر بنایا جاوے۔ گویا یہ مسجد نہیں شکار گاہ ہے اور وہ ابو عامر راہب جو پہلے سے اللہ رسول سے جنگ کرتا رہا ہے جنگوں میں کفار کے ساتھ مل کر حضور انور ﷺ کے مقابل آتا رہا ہے۔ اس کی رصدگاہ (گھات) تیار کریں تاکہ وہ جب بھی مدینہ منورہ میں آیا کرے اس مسجد میں ٹھہرا کرے۔ لیکن اگر ان سے پوچھا جاوے تو قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم نے تو صرف بھلائی کی نیت کی ہے کہ بوڑھے کمزور نمازیوں کو آسانی ہو۔ بارش اور اندھیری راتوں میں جماعت کی سہولت ہوا کرے اے محبوب ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اے پیارے آپ ﷺ اس مسجد میں کبھی نماز نہ پڑھنا کہ اس سے مخلصین دھوکا کھائیں گے کہ شاید یہ مسجد منظوری والی ہے۔ آپ ﷺ کی نماز کے لائق تو مسجد قبا ہے جس میں دو خوبیاں ہیں ایک یہ کہ اس کی بنیاد تقوٰی و پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے اس کا سنگ بنیاد رکھا ہے حضرت عمار اور انصار نے اس کی تعمیر کی۔ دوسرے یہ کہ اس مسجد میں ایسے لوگ نمازیں پڑھتے ہیں جنہیں خوب پاک و ستھرا ہونا پسند ہے کہ ان کے کپڑے جسم۔ دل۔ دماغ روح اعمال اقوال

احوال سب کچھ پاک ہیں اللہ کو پاک ستھرے لوگ پسند ہیں۔ ان کی مسجد پسند ان کی مسجد میں نمازیں پسند بلکہ وہاں کے نمازی پسند اے محبوب آپ اس میں نمازیں پڑھیں۔ محبت بجلی کے پاور کی طرح ہے۔

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** اعلیٰ سے اعلیٰ کام بری نیت اور فاسد ارادے سے برا ہو جاتا ہے۔ دیکھو مسجد بنانا اسلام میں اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اس کا بڑا ثواب ہے مگر منافقین نے برے ارادوں سے مسجد ضرار بنائی تو اس کا نام مسجد ضرار ہوا۔ ڈھادی گئی اور اس حرکت سے ان منافقوں کی مردودیت اور بھی بڑھ گئی۔ بلکہ منافقوں کا کلمہ پڑھنا ان کی اور مردودیت کا ذریعہ بنا قالوا نشھد انک لرسول اللہ۔ یہ فائدہ مسجد ضرار سے حاصل ہوا۔

**دوسرا فائدہ:** کفار اور منافقین کی وقت شرعاً معتبر نہیں نہ وہ وقف ہیں نہ اس پر وقف کے احکام جاری ہیں۔ یہ فائدہ بھی مسجد اً ضرار فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضور انور ﷺ نے وہ مسجد ڈھا کر وہاں گھورہ (روڑی) بنا دیا۔

**تیسرا فائدہ:** اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا اسلام کے مقابل کفار کا مددگار بننا کفر ہے اور ایسا آدمی کافر مطلق ہے یہ فائدہ کفرا سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے مسجد ضرار کو وہاں ہونے والی سازشوں کا کفر قرار دیا۔

**چوتھا فائدہ:** مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا ان کی جماعت توڑنا ان میں فرقے بنانا منافقوں کا طریقہ ہے یہ فائدہ تفریقا بین المومنین سے حاصل ہوا۔

**پانچواں فائدہ:** مسلمانوں کے خلاف کفار کو اپنے پاس پناہ دینا ان کی کسی طرح حمایت کرنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ وارصادا لمن حارب اللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔

**چھٹا فائدہ:** حضور انور ﷺ سے جنگ رب تعالیٰ سے جنگ ہے۔ حضور ﷺ سے دشمنی رب سے دشمنی ہے اس برعکس حضور ﷺ سے محبت رب سے محبت۔ یہ فائدہ حارب ورسولہ سے حاصل ہوا۔ دیکھو ابو عامر راہب نے حضور انور ﷺ سے جنگیں کی تھیں رب نے فرمایا اس نے اللہ رسول سے جنگیں کیں حضور ﷺ سے دوری خدا سے دوری ہے۔ حضور ﷺ سے قرب خدا سے قرب ہے۔ شعر۔

کشف راز من رانی یوں ہوا    تم ملے تو حق تعالیٰ گیا

**ساتواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ ہمارے آقا حضور ﷺ کے دشمنوں کے خلاف گواہ ہے ان کی بدعقیدگیوں اور بدعملیوں کا بھی بدنیتی کا بھی۔ دیکھو یہاں منافقین کی بدنیتی کے متعلق فرمایا واللہ یشھد انھم لکاذبون۔ اور سورہ منافقون میں ان کی کلمہ گوئی کے متعلق ارشاد ہوا واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون یوں ہی رب تعالیٰ مخلصین کے ایمان و تقویٰ کا گواہ ہے اولئک ھم الصادقون۔

**آٹھواں فائدہ:** ایک مسجد کے قریب بلاضرورت شرعی دوسری مسجد نہ بنائی جاوے۔ یونہی سیاسی سازباز کے لئے مسجد نہ بنائی جائے کہ ایسی مسجدیں مسجد ضرار ہیں یہ فائدہ بھی آیت والذین اتخذوا (الخ) سے حاصل ہوا۔

**نواں فائدہ:** فائدہ کفار و منافقین کی تعمیر کردہ وقف کردہ مسجدوں میں نماز پڑھی جائے نہ وہ مسجدیں ہی ہیں نہ ان پر مسجد کے احکام جاری۔ یہ فائدہ لاتقم فیہ ابدا سے حاصل ہوا۔

**مسئلہ:** کافر سے مسجد کی تعمیر یا کسی خرچ میں چندہ نہ لیا جائے۔ اگر کافر اس رقم کا مالک کسی مسلمان کو کردے۔ پھر وہ مسلمان یہ رقم مسجد میں لگائے تو جائز ہے۔ کہ اب مسلمان کی رقم لگی نہ کہ کافر کی۔ ملک بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے

**مسئلہ:** یوں ہی مسلمان کفار کے لئے مندر گرجے وغیرہ نہ بنوائیں نہ ان میں چندہ دیں کہ یہ کفر پر مدد ہے یوں ہی مسلمان کاری گر کفار کے لئے بت تراشی نہ کریں کہ بت سازی بت فروشی سب ہی حرام ہے۔ اس کی اجرت بھی حرام ہے۔

**دسواں فائدہ:** مسجد حلال پیشہ اخلاص اور نیک نیتی سے بنائی جائے یہ فائدہ لمسجد اسس علی التقوی سے حاصل ہوا۔

**مسئلہ:** مسجد کا سنگ بنیاد کسی مقبول محبوب بندے سے رکھوایا جائے۔ مقبول و محبوب سے اس کا افتتاح کرایا جائے۔ دیکھو مسجد قبا کی بنیاد کا پتھر حضور انور ﷺ نے رکھا۔ اسے رب نے اسس علی التقوی کا خطاب دیا۔

**گیارہواں فائدہ:** جس مسجد کو صالحین نے بنایا جس میں صالحین رہتے ہوں وہاں نماز پڑھتے ہوں یا مسجد کے متصل کسی صالح بزرگ کی قبر ہو۔ وہ دوسری مسجدوں سے افضل ہے۔ وہاں نماز زیادہ قبول ہے یہ فائدہ فیہ رجال ان یتطھروا سے حاصل ہوا کہ مسجد قبا کی ایک وجہ فضیلت رب نے یہ بتائی کہ پاک وصاف مومنین یعنی انصار کی مسجد ہے۔ اس میں ہولوگ نماز پڑھتے ہیں۔

**مسئلہ:** اکثر جگہ بزرگوں کے مزارات کے پاس مسجدیں بنائی جاتی ہیں اس کا ماخذ یہ آیت ہے۔ دوسری جگہ رب فرماتا ہے لنتخذن علیھم مسجدا اس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔

**بارہواں فائدہ:** مسجد قبا شریف بڑی عظمت وحرمت والی ہے دیکھو رب تعالی نے اس کا ذکر بہت احترام سے کیا اور اس کی دو عظمتیں بیان فرمائیں۔ ایک اس کی ابتداء تقوی پر ہونا دوسرے اس میں پاک وستھرے لوگوں کا رہنا اب بھی حجاج اس کی زیارت کرتے ہیں۔ وہاں نوافل پڑھتے ہیں وہاں دو رکعت نفل کا ثواب عمرہ کے برابر ہے۔

**مسئلہ:** جو شخص بعد جماعت فجر اس جگہ بیٹھا رہے جہاں جماعت سے فجر کے فرض پڑھے ہیں آفتاب بلند ہونے پر دو نفل اشراق کے پڑھ کر وہاں سے ہٹے تو اسے حج وعمرہ دونوں کا ثواب ہے۔ حضور ﷺ نے یہ فرما کر فرمایا تامۃ تامۃ۔ حج وعمرہ پورے کا پورے کا۔

**تیرھواں فائدہ:** فائدہ چھوٹے بڑے دونوں استنجے ڈھیلے سے کرے پھر پانی سے یہ بہت بہتر ہے یہ فائدہ ان یتطھروا سے حاصل ہوا کہ رب تعالی نے اسے بہت پاکی فرمایا۔ اگر نجاست مقعد سے نکل کر روپیہ برابر پاس پھیل جائے تو پانی سے استنجا کرنا واجب ہے۔ اگر روپیہ سے زیادہ پھیل جائے تو فرض اور اگر روپیہ بھر سے کم ہو تو سنت یعنی ڈھیلوں سے استنجا کرنا کافی ہے مگر پانی سے استنجا ثواب (کتب فقہ)۔

**لطیفہ:** سب سے پہلے پانی سے استنجا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔ (روح البیان)

**لطیفہ:** استنجا صرف تین چیزوں سے کرے۔ پانی۔ ڈھیلہ۔ بغیر نوک والے پتھر سے۔ اس کے علاوہ کسی اور چیز سے نہ کرے جیسے پتے۔ ہڈی وغیرہ کہ اس سے فقیری آتی ہے (روح البیان)

**چودھواں فائدہ:** مسلمان بلاوجہ بے غسل نہ رہے حتی کہ اگر رات میں نہانے کی حاجت ہو تو وضو کر کے سونا بہتر ہے۔ یہ فائدہ بھی یحب المطھرین سے حاصل ہوا۔ بلاوجہ بے غسل رہنا فقیری لاتا ہے۔

**پندرھواں فائدہ:** مسجد قباوالے انصار بحکم قرآن مومن متقی۔ طیب و طاہر ہیں ان بزرگوں نے مسجد قبا نہایت اخلاص سے بنائی۔ ان کی تعمیر قبول ہوئی جو ان کے ایمان و تقویٰ کا انکار یا شک کرے وہ اس آیت کا منکر ہے رب نے ان کے متعلق فرمایا فیه رجال یحبون ان یتطھروا۔

**پہلا اعتراض:** مسجد تا قیامت مسجد ہی رہتی ہے اس پر عمارت رہے یا نہ رہے وہ زمین مسجد اور قابل احترام ہے۔ پھر حضور انور ﷺ نے اسے گرا کر وہاں گھورا (روڑی) کیوں بنوایا۔ اس میں مسجد کی توہین ہے۔

**جواب:** جب مسجد بنے تو قیامت تک رہے گی وہ جگہ مسجد بنی ہی نہیں کیونکہ منافقین و کفار کا وقف شرعاً درست نہیں۔

**دوسرا اعتراض:** حضور انور ﷺ نے اسے گروا کیوں دیا اسے قائم رکھتے ہاں وہاں سے منافقوں کو نکال دیا ہوتا۔

**جواب:** اس کے باقی رکھنے میں دو خرابیاں ہوتیں ایک یہ کہ اس مسجد کا وقف درست ماننا پڑتا یہ غلط تھا دوسرے یہ کہ اس سے جرم کی جڑ نہ کٹتی۔ کبھی یہ ہی منافقین یا دوسرے اسے اڈہ بنا لیتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کا بچھڑا آگ میں جلوا دیا۔ اس کا سونا باقی نہ رکھا نہ کسی کو اس سونے کے استعمال کی اجازت دی تا کہ جرم کی جڑ کٹ جاوے۔

**تیسرا اعتراض:** تو چاہئے کہ اولیاء اللہ کے قبور پر بنے ہوئے گنبد بلکہ ان کی قبر ڈھادی جائیں کہ یہ شرک و کفر کا مرکز اور ہزار ہا گناہوں کا اڈہ ہیں یہ مسجد ضرار سے بڑھ کر نقصان دہ ہیں (دیو بندی وہابی)

**جواب:** مسجد ضرار اصل سے مسجد بنی ہی نہیں اس کا وقف درست ہی نہیں ہوا۔ اس کی خرابی اصل تھی لیکن ان قبور ان کے گنبدوں کا وقف درست ہے۔ ان کا اصل صحیح ہے اگر جہلا وہاں کچھ خرابیاں پیدا کر دیں۔ ناچ گانا وغیرہ تو یہ خرابی عارضی ہے۔ اس خرابی کو مٹا دو۔ اصل عمارت باقی رکھو۔ خانہ کعبہ میں بت رکھے گئے حضور انور ﷺ نے ان بتوں کی وجہ سے کعبہ نہیں ڈھایا۔ بلکہ موقع ملنے پر وہاں سے بت نکال دیئے۔ اصل اور عارضی خرابی کا فرق دھیان میں رہے آج نکاح کے وقت بہت گناہ کئے جاتے ہیں ان گناہوں کو مٹاؤ اصل نکاح بند نہ کرو مزارات پر عمارت سنت صحابہ سے ثابت ہے زیارت قبور بھی سنت ہے کسی عارضی خرابی سے سنت نہ مٹاؤ نکاح سنت ہے جو خرابیوں کی وجہ سے بند نہ کیا گیا۔ اس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق میں ملاحظہ کرو۔

**چوتھا اعتراض:** نحوی قاعدے سے من اول یوم کی ترکیب درست نہیں۔ کیونکہ من مکانی ابتداء کے لئے آتا ہے۔ اور اول یوم جگہ نہیں بلکہ وقت ہے اس پر منذ آنا چاہئے نہ کہ من۔

**جواب:** بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں من بمعنی فی ہے مگر فقیر کے نزدیک یہ نحوی قاعدے درست نہیں اپنے قاعدے سے قرآن میں قیدیں نہ لگاؤ۔ من زمان و مکان دونوں پر آسکتا ہے۔

**پانچواں اعتراض:** یہاں مسجد قبا کے متعلق ارشاد احق تقوم فیہ وہ آپ ﷺ کے قیام کی زیادہ مقدار ہے۔ احق اسم تفضیل ہے جس سے لازم آیا کہ مسجد ضرار بھی حضور ﷺ کے قیام کی حقدار ہے مگر مسجد قبا زیادہ کہ اسم تفضیل کا یہ ہی مطلب ہوتا ہے۔

**جواب:** یہاں احق اسم تفضیل نہیں بلکہ صفت مشبہ ہے اس لئے نہ تو الف لام سے آیا نہ من سے نہ اضافت سے افعل کا وزن مضارع واحد متکلم کے لئے بھی آتا ہے۔ صفت مشبہ کے لئے بھی اور اسم تفضیل کے لئے بھی اس واسطے اسے افعل التفضیل کہتے ہیں کہ افعل دوسرے معنی کے لئے آتا ہے اور اگر تفضیل ہی کا ہو تو یہ تفضیل مسجد ضرار سے مقابلہ میں نہیں۔ بلکہ دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ہے۔ یعنی یوں مسلمانوں کی ہر مسجد آپ ﷺ کے قیام کے لائق ہے مگر زیادہ مسجد قبا مگر پہلا جواب قوی ہے۔

**تفسیر صوفیانہ:** اے مومن تیرے اندر مسجد ضرار بھی ہے اور مسجد قبا بھی۔ نفسانی خطرات گویا مسجد ضرار ہے۔ جنہیں منافق نفس امارہ نے تعمیر کیا۔ جنانی الہامات گویا مسجد قبا ہیں جنہیں مومن دل نے تعمیر کیا۔ اس مسجد کی بنیاد پہلے دن یعنی میثاق کے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی کہ الست بربکم کے جواب میں بلیٰ کہا۔ اس مسجد کے باشندے عیوب برے اخلاق وجود وحدوث کے میل سے پاک ہیں اللہ ایسے پاک لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ نماز اطاعت جسم ولباس وغیرہ کو پاک کر کے ادا کی جاتی ہے مگر نماز عشق دل و دماغ کو اغیار کے خیال سے پاک کر کے ادا ہوتی ہے حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

طہارت ارنہ بخون جگر کند عاشق | بقول مفتی مشقش درست نیست نماز
روئے ناشستہ نہ بیندے روئے حور | لا صلوٰۃ گفت الا بالطہور (روح البیان)

صوفیاء فرماتے ہیں کہ فاعل کا اثر کام پر پڑتا ہے۔ مسجد ضرار اور مسجد قبا دونوں بظاہر مسجدیں تھیں۔ ایک ہی جگہ تھیں ایک ہی قسم کے سامان سے بنائی گئی تھیں۔ مگر چونکہ مسجد ضرار کے بانی منافقین تھے وہ ڈھادی گئی۔ مسجد قبا کے بانی مخلصین تھے۔ تا قیامت باقی رکھی گئی۔ محبت بجلی کے کرنٹ کی طرح ہے کہ جو محبوب سے چھو بھی جاوے اس میں بھی محبت کا کرنٹ پہنچ جاتا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کو حضور انور ﷺ پیارے تو حضور ﷺ کے خدام انصار بھی پیارے۔ پھر انصار کی مسجد بھی پیاری پھر اس مسجد کی نماز بھی پیاری پھر اس کے نمازی بلکہ اسکے زائر بھی پیارے پھر اس بجلی کا کرنٹ آنی فانی نہیں بلکہ باقی اور جاودانی ہے اب وہاں حضرات انصار نہیں انہیں گذرے ہوئے قریباً چودہ سو برس ہو گئے مگر مسجد کی مقبولیت ومحبوبیت فیضان ویسے ہی باقی ہے اور تا قیامت باقی رہیں گے سورج کے ڈوبنے کے بعد بھی بہت دیر تک جانب مغرب روشنی رہتی ہے۔ مومن کی وفات کے بعد اس کے فیضان رہتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس مسجد میں انصار ہیں وہ حضور ﷺ احمد مختار کا جائے قرار جائے قیام ہوئی۔ احق ان تقوم فیہ جس دل میں ابرار ہیں وہاں ہی وہ سرکار رہتے ہیں فرماتے ہیں ابغونی فی ضعفاء کم خدا

کرے ہمارے دل مسجد قبا ہیں۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَ

کیا پس وہ شخص کہ رکھی اس نے بنیاد اپنی ڈرنے پر اللہ سے اور

تو کیا جس نے اپنی بنیاد رکھی اللہ سے ڈر اور

رِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا

رضا مندی وہ بہتر ہے یا وہ کہ رکھی اس نے بنیاد اپنی اوپر کنارہ گڑھے گذرنے

اس کی رضا پر وہ بھلا یا وہ جس نے اپنی نیو چنی ایک گراؤ گڑھے کے کنارے

جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ

والے کے پس گر گیا وہ ساتھ آگ میں اس دوزخ کی آگ میں اور اللہ

تو وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں ڈھہ پڑا اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ

نہیں ہدایت دیتا قوم ظلم والی کو رہے گی ان کی عمارت وہ جو

ظالموں کو راہ نہیں دیتا وہ تعمیر جو چنی ہمیشہ ان کے دلوں

الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ

بنائی انہوں نے تردد دلوں میں ان کے مگر یہ کہ کٹ جائیں دل ان کے

میں کھٹکتی رہے گی مگر یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۳

اور اللہ علم والا حکمت والا ہے

اور اللہ علم و حکمت والا ہے

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں مسجد ضرار اور مسجد قبا کا فرق مبدا کے لحاظ سے کیا گیا کہ مسجد ضرار کی تعمیر چار فاسد مقصد سے ہے اور مسجد قبا کی تعمیر صرف ایک اعلیٰ مقصد پر اب ان دونوں مسجدوں کا فرق انتہا کے اعتبار سے ارشاد ہو رہا ہے کہ مسجد ضرار کا

انجام دوزخ ہے اور مسجد قبا کا انجام جنت گویا مبدا کے بعد منتہیٰ کا ذکر ہو رہا ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مسجد ضرار اور مسجد قبا کے احکام کا فرق ارشاد ہوا کہ مسجد ضرار میں نماز پڑھنا ممنوع ہے اور مسجد قبا میں نماز کا زیادہ ثواب ہے اب اس فرق احکام کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ مسجد ضرار دوزخ کے گڑھے پر ہے وہاں نماز کیسی؟

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ مسجد ضرار کے بانی قول۔ عمل عقیدے کے جھوٹے ہیں اور مسجد قبا کے بانی پرہیزگار ہیں اب ان جھوٹے اور سچوں کے عملوں کا فرق ارشاد ہو رہا ہے۔ گویا فاعلوں کے فرق کے بعد مفعولوں کے فرق کا بیان ہے۔ کیونکہ فاعل کی نیت و ارادے کا اثر فعل پر ضرور ظاہر ہوتا ہے۔

**تفسیر:** افمن اسس بنیانہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں سوال انکاری ہے رب تعالیٰ یہ سوال فرماتا ہے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے یا ہر قرآن پڑھنے والے مومن سے۔ من سے مراد یا مسجد قبا بنانے والے انصار ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد تا قیامت مخلصین مومنین ہوں جو نیک نیتی سے اچھے کام کریں۔ اسس بنا ہے تاسیس سے جس کا مادہ اس ہے بمعنی بنیاد رکھنا۔ چونکہ بنیاد کا ذکر خود آ رہا ہے اس لئے اس کے معنی ہیں رکھنا۔ بنیاد بروزن غفران مصدر ہے بمعنی بنانا اس سے مراد بنائی چیز بھی ہوتی ہے یعنی بنیاد اور پوری عمارت۔ حضور انور ﷺ نے علامت قیامت میں فرمایا کہ بکریاں چرانے والے یتطاولون فی البنیان عالی شان عمارتوں میں فخر کریں گے۔ وہاں بنیان سے مراد بنائی عمارات ہے اعلیٰحضرت قدس سرہ نے یہاں بنیان بمعنی بنیاد کیا اور ہ کا مرجع من یعنی اپنی بنیاد رکھی اس میں سارے اعمال داخل ہو گئے۔ تعمیر مسجد ہو یا نماز روزے وغیرہ یا سارے عبادات و معاملات۔ بعض مفسرین نے ہ سے مراد مسجد قبا لی یعنی وہ انصار جنہوں نے مسجد قبا کی بنیاد رکھی مگر پہلی توجیہ قوی بھی ہے اور سب کو شامل بھی۔ علی تقوی من اللہ و رضوان۔ یہ فرمان متعلق ہے اسس کے تقویٰ کے متعلق عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ باب ضرب کا مصدر ہے۔ اصل میں وقیی تھا۔ بروزن وعدیامن اللہ کا تعلق تقویٰ سے ہے اگر تقویٰ کے لئے تقویٰ کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ڈریا خوف اور اگر اس کے بعد ذکر ہو آگ وغیرہ کا تو اس کے معنی ہوتے ہیں بچنا یا بچاؤ۔ یہاں بمعنی ڈر و خوف ہے۔ تقویٰ کے تین درجے ہیں اول درجہ بدعقیدگی سے پرہیز دوسرا درجہ بدعملی یعنی گناہوں سے پرہیز۔ تیسرا درجہ ہر غافل کرنے والی چیز سے پرہیز۔ یہاں دوسرے درجہ کا تقویٰ مراد ہے یعنی اللہ کا وہ خوف جو انسان کو بدعملیوں سے بچاوے۔ دیکھو تفسیر (روح البیان) رضوان معطوف ہے تقویٰ پر اس کے معنی اللہ کی رضا طلب کرنا اس کی اطاعت کر کے (روح البیان) یعنی جس نے اپنی اور اپنے اعمال کی بنیاد اللہ سے خوف اور اللہ کی رضا پر رکھی کہ ہر کام اس لئے کئے کہ وہ راضی ہو جاوے۔ خیر یہ خبر ہے من کی خیر سے مراد شر کا مقابل ہے۔ یعنی کیا یہ متقی اچھا ہے۔ یا امن اسس بنیانہ۔ یہاں من سے مراد یا تو مسجد ضرار بنانے والے منافقین ہیں یا تا قیامت سارے کھلے چھپے کافر جو بدنیتی سے اچھے اعمال کریں۔ لوگوں کو پھانسنے کے لئے بنیانہ میں وہ مذکورہ دو احتمال ہیں کہ یا اس سے مراد مسجد ضرار یا یہ ضمیر لوٹ رہی ہے من کی طرف یعنی یا وہ اچھا ہے جو اپنی یعنی اپنے سارے اعمال کی بنیاد رکھے۔ علی شفا جرف ھار۔ یہ متعلق ہے

اسس کے۔ بمعنی کنارہ اس سے ہے شفیر۔ صحت پانے کو شفا اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے بیمار مرض سے کنارہ پر ہو جاتا ہے۔ جرف. شفا طرف سب قریبًا ہم معنی ہیں جرف صفت مشبہ ہے جرف یجرف کا اس کا مصدر جرف ہے۔ جیم کے فتحہ کے سکون سے۔ جرف کے معنی ہیں۔ کاٹنا کھکل یعنی اندر سے خالی کرنا۔ اصطلاح میں جرف وہ زمین جس کے نیچے کی مٹی دریا کا پانی بہا کر لے گیا۔ اوپر کچھ مٹی رہ گئی۔ بہت کمزور کہ جویا تو خود ہی گر جائے یا پاؤں رکھتے ہی گر جائے یا وہ کنواں یا گہرا غار جس پر کچھ مٹی سے منہ بند کر دیا جاوے کہ جب اس پر ہاتھی یا شیر یا چیتا آئے گر جائے۔ شیر یا ہاتھی کا شکار اسی کنویں سے کیا جاتا ہے۔ ھار یھور یا یھیر کا اس کا مادہ ھور یا ھیر ہے اصل میں ھاہر تھا۔ اس کی ی ر کے بعد کر دی گئی جیسے شاک اصل میں شایک تھا پھر شاکی کر دیا گیا۔ اس کے معنی پھٹ جانے والی۔ عنقریب گرنے والی جسے اردو میں گراؤ کہتے ہیں۔ فانھا ربہ فی نار جھنم۔ یہ عبارت معطوف ہے اسس بنیانہ انھار ای ھیر سے بنا باب انفعال کا ماضی ہے اس کا فعل بنیان ہے بــــہ کی ب تعدیہ کی ہے ہ کا مرجع من ہے یعنی اس پر عمارت بنے والا یعنی وہ گراوز مین اس شخص کو لے کر دوزخ میں گر گئی خود بھی آگ میں گری اسے بھی لے گئی۔ واللہ لا یھدی القوم الظلمین ۔ یہ نیا جملہ ہے اس میں ظالمین سے مراد یہ ہی چالاک منافقین ہیں جو نیکی بھی کریں تو بری نیت اور برے ارادوں سے یعنی ایسے ظالموں کو اللہ تعالٰی اخلاص اور راست بازی کی ہدایات نہیں دیتا۔ جب اس کریم کا کرم ہوتا ہے تو بندہ کو اخلاص عطا ہوتا ہے پھر نیک اعمال کی توفیق۔ لایزال بنیانھم الذی بنو ۔ اب تک تو ان منافقوں کے گذشتہ حالات کا ذکر ہوا اب ان مردودوں کی آئندہ بے قراری اور صدمہ کا ذکر ہے یہاں بنیان بمعنی عمارت ہے جیسا کہ الذی بنو سے ظاہر ہے بنوا کے بعد مفعول کی ہ ضمیر پوشیدہ ہے ریبۃ فی قلوب میں ھم کا مرجع مسجد ضرار کے بانی منافقین ہیں یعنی یہ عمارت تو فنا ہو گئی اسے ڈھا کر اس میں آگ لگا دی گئی مگر اس کے ڈھائے جانے کا صدمہ انہیں مرتے دم تک رہے گا۔ کیونکہ عمارت ہی نہیں ڈھائی گئی بلکہ ان کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ انہوں نے کچھ سوچا تھا رب تعالٰی نے کچھ اور ہی کر دیا۔ الا ان تقطع قلوبھم یہ عبارت لایزال الخ سے استثنا یا استدراک ہے۔ غرضکہ الا یا تو اپنے ہی معنی میں ہے یا بمعنی لکن یا بمعنی الی ہے اسکے معنی ہیں مگر یا لیکن۔ یہاں تک تقطع اصل میں تتقطع تھا۔ باب تفعل کا مضارع۔ اس کا معنی ہیں ٹکڑے ہو جائیں۔ جس سے ان کے دل میں سے منافقت کے عیوب نکل جائیں۔ اسلام و اخلاص کی خوبیاں سما جائیں۔ (روح المعانی یہ بیضاوی۔ مدارک وغیرہ واللہ علیم حکیم۔ اللہ تعالٰی علم والا بھی ہے حکمت والا بھی۔ وہ مومنوں منافقوں مسجد ضرار مسجد قبا بنانے والوں کی نیت سے بھی خبردار ہے اور اس نے جو مسجد ضرار کو اپنے محبوب کے ہاتھوں فنا کرا دیا اس میں اس کی صدہا حکمتیں ہیں۔

**خلاصہ تفسیر:** ان آیات کریمہ میں رب تعالٰی نے مومنین مخلصین اور منافقین مفسدین کے اعمال کی نہایت اعلٰی درجہ کی تشبیہ دی ہے مومنین عمارت بنانے والے ہیں۔ ان کے اعمال گویا عمارت ہیں۔ ان کے دل کا تقویٰ اور اخلاص گویا وہ مضبوط و پختہ زمین ہے جس پر عمارت قائم رہتی ہے۔ منافقین بھی عمارت بنانے والے ہیں اور ان کے ظاہری نیک اعمال گویا ان کی عمارت ہیں ان کے برے ارادے فساد و فتنہ کی نیت گویا وہ کھکل زمین ہے جو صرف اوپر سے زمین معلوم ہوتی ہے اور نیچے

سے بالکل خالی ہو چکی۔ ایسی زمین میں عمارت بنانے کا انجام یہ ہے کہ وہ زمین خود بھی گرے گی عمارت اور اس میں رہنے والوں کو بھی لے بیٹھے گی۔ یعنی غور تو کرو کہ وہ مومن مخلص جس نے اپنے اعمال کی عمارت کی بنیاد تقویٰ اور رضاء الٰہی کی مضبوط زمین پر رکھی کیا وہ اچھا ہے یا وہ فسادی منافق اچھا ہے جس نے اپنے اعمال کی بنیاد اس اندر سے کٹی ہوئی زمین پر رکھی۔ جو صرف اوپر سے زمین معلوم ہو مگر نیچے سے یہ خالی ہو چکی ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی کھوکھلی زمین پر جو عمارت قائم ہو گی وہ خود بھی گرے گی اور عمارت میں رہنے والوں کو بھی گرائے گی۔ یوں ہی ان کے اعمال کی عمارت بری نیت پر قائم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ خود بھی دوزخ میں جاوے گی اور عاملین کو بھی وہاں گرائے گی۔ ایسے شرارتی فسادی لوگوں کو اللہ تعالیٰ اخلاص۔ جس نیت کی ہدایت ہی نہیں دیتا۔

**خیال رکھو:** کہ ان کی مسجد ضرار ڈھا تو دی گئی مگر اس ڈھائے جانے کا صدمہ انہیں ہمیشہ رہے گا۔ ہاں یا تو یہ مٹی ہو جائیں۔ ان کا دل بھی ٹکڑے ہو کر گل سڑ جاوے یا ان کا دل کرم ربانی سے چرے اس میں سے نفاق نکلے ایمان داخل ہو۔ تب تو یہ صدمہ جائے گا ورنہ نہیں جائے گا۔ ایسوں کی اس مسجد میں اے محبوب آپ ﷺ نماز کیوں پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے اس کے ہر کام میں حکمت ہے۔ مسجد ضرار اور مسجد قبا کے مذکورہ واقعہ میں تا قیامت بہت سے مسائل لوگوں کے لئے نمونہ ہیں۔ اس سے اخلاص کے فائدے۔ ریاکاری۔ چالبازی کے نقصانات کا ان ہی واقعات سے پتہ لگتا ہے۔

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** ایمان۔ عبادات۔ معاملات غرض کہ ساری چیزیں تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ ہوں تو قبول ہیں ورنہ مردود۔ تقویٰ جڑ ہے یہ سب چیزیں شاخیں یا تقویٰ بنیاد ہے اور یہ ساری چیزیں اس پر عمارت۔ یہ فائدہ افمن اس بنیانہ (الخ) سے حاصل ہوا لفظ بنیان مطلق ہے جیسا کہ ابھی تفسیر سے معلوم۔ بنیانہ اپنی بنیاد یعنی اپنے ایمان و اعمال کی بنیاد۔

**دوسرا فائدہ:** مسجد قبا والے انصار بگواہی قرآن مجید مومن مخلص متقی اللہ کی رضاء چاہنے والے ہیں انہوں نے مسجد قبا نہایت اخلاص سے بنائی اور وہ مسجد اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ یہ فائدہ بھی اس بنیانہ سے حاصل ہوا بلکہ ان کے سارے اعمال اخلاص سے ہیں۔ کیونکہ خود ان کی بنیاد اخلاص پر ہے۔ دیکھو بنیانہ کی تفسیر جو انہیں کافر یا منافق کہے وہ اس آیت کریمہ کا منکر ہے۔ ان سارے انصار نے خلفاء ثلثہ کی بیعت کی تو وہ بیعت حق ہوئی اور ان حضرات کی خلافت حق تھی۔ کیونکہ انصار کے سارے کام تقویٰ پر ہیں یہ بیعت بھی ان ہی کا کام ہے۔

**تیسرا فائدہ:** منافقین خود بھی دوزخی ان کی مسجد ضرار بھی دوزخ کے کنارے پر اس مسجد میں دیدہ دانستہ نمازیں پڑھنے والے۔ اسے برحق ماننے والے سب ہی دوزخی ہیں یہ فائدہ علی شفا جرف هار سے حاصل ہوا۔

**چوتھا فائدہ:** گمراہوں میں بے دینوں کی مسجدیں خصوصاً وہ مسجدیں جو وہ اپنی بد مذہبی پھیلانے کے لئے بنائیں اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں وہ سب مسجد ضرار ہیں۔ یہ فائدہ فانهار به فی نار جهنم سے حاصل ہوا۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے اس مسجد سے دوزخ کا دھواں نکلتا ہوا دیکھا۔ جب وہ ڈھائی گئی (روح البیان) مسجد ضرار ڈھائے جانے کے بعد ایک

باراس زمین میں گڑھا کھودا گیا تو وہاں سے دھواں نکلا (روح المعانی وغیرہ)

**پانچواں فائدہ:** فساد کی جڑ کاٹ دینی چاہیے اگرچہ وہ اچھی شکل میں ہو۔ یہ فائدہ مسجد ضرار کے اس پورے واقعہ سے حاصل ہوا کہ مسجد ضرار اگرچہ مسجد کی شکل ہی میں فساد کی جڑ تھی۔ لیکن خیال رہے کہ یہ حکم اس کے لئے جو فساد کے لئے بنائی جائے۔ اگر کسی مسجد میں لوگ فساد شروع کر دیں تو وہ نہیں گرائی جائے گی۔ جیسا کہ ہم نے ابھی پچھلی آیت کے اعتراض و جواب میں عرض کیا۔

**چھٹا فائدہ:** مومن کے اعمال مضبوط و پختہ ہوتے ہیں کفار کے اعمال نہایت کمزور کیونکہ مسلمانوں کے اعمال کی بنیاد تقویٰ پر ہے اور کفار کے اعمال کی بنیاد گراؤ زمین یعنی بدنیتی یہ فائدہ اسس بنیانہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے اعمال کی بنیاد یعنی نیت کو مضبوط کرے۔

**ساتواں فائدہ:** کفر کا علاج ایمان ہے اور نفاق کا علاج اخلاص، جیسے گناہ کا علاج نیکی یہ فائدہ الا ان تقطع کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ تقطع سے مراد ان منافقین کا مومن مخلص بن جانا۔

**آٹھواں فائدہ:** اصل بدبختی نبی کی صحبت سے بھی دور نہیں ہوسکتی بارش بوئے ہوئے تخم نہیں بدل سکتی یہ فائدہ الا ان تقطع کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا کہ تقطع قلوبھم سے مراد ہوا۔ ان کا مرکر قبر میں گل سڑ جانا مرتے دم تک ان کا یہ صدقہ دور ہونا۔

**پہلا اعتراض:** تقوی من اللہ میں من کیسا ہے۔ تقویٰ اللہ ہونا چاہئے تھا۔

**جواب:** یہ من توصلہ کا ہے۔ تقویٰ کے معنی ہیں ڈرنا اور ڈرنا سلطان سے بھی ہوتا ہے موذی جانوروں سے بھی اور رب توفیق دے تو اللہ تعالیٰ سے۔ من اللہ میں یہ ہی بتایا گیا کہ خوف الٰہی عطیہ ربانی ہے محض اپنی کوشش سے نہیں ملتا۔

**دوسرا اعتراض:** اسس کے معنی ہیں بنیاد رکھی پھر بعد میں بنیان کیوں ارشاد ہوا یہ تو اسس کے اندر ہی آگ ہوئی کہ وہ بنا اس سے۔ اسی سے ہے اساس بنیان زائد ہے۔

**جواب:** عربی اصطلاح میں اسے تجرید کہتے ہیں یعنی لفظ کو اس کے بعض معنی سے خالی کر لینا۔ یہاں وہی ہے۔ یعنی اسرا کرانا۔ راتوں رات لے جانا مگر تجرید کر کے اس کے معنی اسرا سیر سے لیا گیا۔ اور رات کا ذکر بعد میں علیحدہ کر دیا۔

**تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ ان منافقوں کو اس کا صدمہ یہاں تک رہے گا کہ ان کے دل کٹ جاویں۔ دل کٹ جانے پر تو وہ خود ہی مر جائیں گے پھر صدمہ کیسا۔

**جواب:** اس فرمان کا منشا یہ ہے کہ انہیں یہ صدمہ زندگی بھر رہے گا۔ مرے بعد اس صدمہ سے چھوٹیں گے جیتے جی نہیں چھوٹ سکتے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ دل کٹنے سے مراد دل کا فنا ہو جانا ہو۔

**تفسیر صوفیانہ:** نیک اعمال ایسی عمارت ہیں جس میں قلب و روح سایہ اور پناہ لیتے ہیں۔ اور اچھے اعتقاد۔ اخلاص اس عمارت کی بنیاد پانی پر قائم نہیں ہوتی بلکہ سخت زمین پر قائم ہوتی ہے۔ اگر عمارت بہت اونچی لے جانی ہو تو بنیاد بہت گہری

کھودی جاتی ہے۔ اس اینٹ سیمنٹ بجری وغیرہ سے اور بھی سخت کیا جاتا ہے یوں ہی اعمال کی عمارت کے لئے بڑی اخلاص کی ضرورت ہے کہ صرف رضاء الٰہی کے لئے عمل ہوں۔ اس میں نفس کے نفع کا شائبہ بھی نہ ہو۔ حتیٰ کہ اس کے ثواب یعنی جنت حور وقصور کے لئے عمل نہ کرے صرف رضاء رب غفور کے لئے ہوں۔ ایسی بنیاد پر جو عمل قائم ہوگا وہ سدا بہار باغ یا دائمی عمارت کی طرح ہمیشہ آباد رہے گا۔ دیکھو کعبہ معظمہ اب تک آباد ہے اس کی آبادی کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاص پر ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ مسجد ضرار بظاہر نماز کے لئے تھی درحقیقت منافقوں کے گندے اقوال واحوال کی تبلیغ کے لئے تھی۔ اس لئے حضور انور ﷺ نے اس کو کوڑا گھر بنا دیا۔ تاکہ معنی کا ظہور ہو۔ منافقین کے پاس اٹھنا بیٹھنا شقاوت کا باعث ہے اگرچہ مسجد ہی میں ہو۔ یوں ہی صدیقین کے پاس نشست وبرخواست سعادت کا ذریعہ ہے۔ ان کے پاس سے اخلاص سے گذر جانے والا بھی محروم نہیں رہتا۔ (روح البیان)

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم

تحقیق اللہ نے خرید لیا مسلمانوں سے جانوں کو ان کی اور مالوں کو

بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لئے ہیں

بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ

ان کے بدلے اس کے تحقیق ان کیلئے جنت ہے جنگ کریں گے وہ راستہ میں اللہ کے

اس بدلے پر کہ ان کے لئے جنت ہے اللہ کی راہ میں لڑیں تو ماریں

وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ

پس قتل کریں اور قتل کئے جاویں وعدہ ہے اس پر سچا توریت میں اور انجیل میں

اور مریں اس کے ذمہ کرم پر سچا وعدہ توریت اور انجیل

وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا

اور قرآن میں اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے وعدہ کو اپنے اللہ سے پس خوشی

اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ قول کا پورا کون ہے تو خوشیاں مناؤ

بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ

حاصل کرو تم لوگ تجارت سے اپنی وہ کہ تجارت کی تم نے اس سے اور یہی ہے

اپنے سودے کی جو تم نے اس سے کیا ہے اور یہی بڑی

# اَلْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

| کامیابی | بڑی |
| --- | --- |
| کامیابی | ہے |

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں غزوۂ تبوک سے رہ جانے والے منافقین پر عتاب تھا اب جہاد کرنے والے مخلصین پر کرم نوازی کا تذکرہ ہے۔ گویا عتاب والوں کے بعد ثواب والوں کا ذکر ہورہا ہے (تفسیر کبیر)

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ مومن کے نیک اعمال کی بنیاد تقویٰ پر ہے اور تقویٰ گویا مضبوط زمین ہے جس کے دھنس جانے کا اندیشہ نہیں اب اس کی دلیل دی جارہی ہے کہ مومنوں کے جان و مال رب تعالیٰ خرید چکا ہے اب ان کے سارے کام رب کے لئے ہیں لہٰذا پختہ ہیں گویا پچھلی آیت میں دعویٰ تھا۔ اب اس آیت میں اس کی دلیل ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ منافق مسجد بھی بنائیں تو بے ایمان ہیں کہ ان کی نیت خراب ہے۔ مومن مسجد بنائیں تو مقبول کیونکہ ان کی نیت خیر ہے اب ارشاد ہے کہ اگر ایک میدان میں مومن و کافر لڑیں تو کافر کی جنگ فساد ہے اور مومن کی جنگ جہاد۔ کیونکہ اللہ کے ہاتھ بکا ہوا اس کا ہر کام اسی رب کے لئے ہے گویا مسجدوں کے فرق کے بعد جنگ کے فرق کا تذکرہ ہے۔

**چوتھا فائدہ:** پچھلی آیت میں ان منافقوں کا ذکر تھا جو جہاد میں نہ جاتے تھے اور اس نہ جانے پر خوش ہوتے تھے۔ کہ ہم نفع میں رہے کہ جہاد کی تکالیف سے بچ گئے اب ان کی تردید ہورہی ہے کہ مومن مزے میں رہے کہ اپنے جان و مال رب کے ہاتھ فروخت کر دیئے جنت کے عوض وہ نفع کا سودا کر آئے۔ (صاوی)

**شان نزول:** دوسری بیعت عقبہ کے موقعہ پر ستر (۷۰) انصار نے حضور انور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ﷺ جو چاہیں ہم پر شرط لگالیں ہم کو منظور ہے فرمایا میں تم پر دو شرطیں لگاتا ہوں ایک رب تعالیٰ کے لئے دوسری اپنے لئے رب کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کی ہی عبادت کرو۔ اپنے لئے پسند نہ کرو میرے لئے روا نہ رکھو۔ عبداللہ بولے کہ اگر ہم یہ شرطیں پوری کردیں تو ہم کو کیا ملے گا۔ فرمایا جنت بولے خوب خوب یہ تو بڑی نفع کی تجارت ہے ہم نے یہ سودا کرلیا اب ہم اسے فسخ نہ کریں گے (تفسیر روح البیان۔ روح المعانی۔ خازن۔ خزائن العرفان۔ تفسیر کبیر) مگر سورۃ توبہ مدینہ میں سوا لقد جاء کم رسول دو آیتوں کے اور بیعت عقبہ کا واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ نیز اس آیت میں جہاد کا حکم بعد ہجرت آیا۔ بیعت عقبہ کے وقت نہ جہاد کا حکم تھا نہ مجاہدین کا۔ نہ شہداء کا۔ اس لئے تفسیر جلالین۔ صاوی وغیرہ نے اس آیت کا کوئی شان نزول بیان نہ کیا۔ یونہی تفسیر بیضاوی مدارک وغیرہ نے بھی کہا ہاں یہ کہو تو کہہ لو کہ اس آیت میں آئندہ جہادوں کا ذکر ہے کہ جب جہاد فرض ہوجائے تو یہ لوگ جہاد شوق سے کریں۔

تفسیر: ان اللہ اشتری من المومنین. چونکہ بہت لوگ اس مضمون کے انکاری تھے اس لئے اسے ان سے شروع فرمایا۔ اشتراء کے معنی ہیں خریدنا یعنی اپنے مال کے عوض دوسرے کا مال لینا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے معنی نہیں بنتے۔ کیونکہ ہمارے جان و مال بھی رب کے ہیں۔ اور جنت بھی رب کی لہٰذا اس سے مراد ہے مومنوں کی جان و مال اپنی راہ میں خرچ کرا کر انہیں ثواب کا وعدہ فرمالینا۔ (تفسیر بیضاوی) چونکہ یہ عوض مومنوں کو ضرور ملے گا اس لئے اسے خریدنا فرمایا گیا۔ جیسے ارشاد ہے من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا کون ہے جو اللہ کو قرض دے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ سودا میثاق کے دن ہو چکا اور مومنین سے مراد ساری امتوں کے مومن ہیں اور ہوسکتا ہے کہ یہ سودا حضور انور ﷺ کے ذریعہ ہوا جب کہ حکم جہاد آ گیا اور مومنین سے مراد صرف مسلمان ہوں یعنی حضور انور ﷺ کی امت یا صرف مجاہدین یا سارے مومنین انفسھم و اموالھم یہ اشتریٰ کا مفعول ہے نفس کے معنی ہیں۔ خون جان۔ ذات یہاں بمعنی ذات ہے اگر بمعنی جان ہو تو جسم جان کے تابع ہے جب جان فروخت ہوگئی تو جسم بھی فروخت ہوگیا۔ خیال رہے کہ خریدنے والا تو رب مگر بیچنے والے یا تو مومنین ہیں، جو میثاق کے دن سودا کر چکے یا جو حضور انور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتے وقت سودا کر چکے اس لئے اسے بیعت کہتے ہیں یعنی بک جانا۔ فروخت ہو جانا وہ لفظ یہاں سے لیا گیا یا خود رب نے ہی یہ سودا کیا۔ یعنی رب تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی جان و مال خود اپنے ہاتھ فروخت کیں خود ہی خریدیں۔ جیسے مولیٰ اپنے غلام کا مال اپنے ہاتھ فروخت کردے کہ غلام کا وکیل ہو اپنی طرف سے اصیل (از تفسیر کبیر) مولیٰ اپنے غلاموں کے مال میں اس قسم کی خرید و فروخت کرسکتا ہے کہ دو طرفہ کا وکیل ہو یا ایک طرف کا وکیل دوسری طرف کا اصیل۔ بان لھم الجنۃ یہ اس خرید کی قیمت کا ذکر ہے لہٰذا اس میں ب مقابلہ اور عوض کی ہے لھم میں لام ملکیت کا ہے لھم کو جنت پر مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ اگر ھم ضمیر مومنین کی طرف ہے تو جنت سے مراد مطلق جنت ہے اور حصر بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ جنت صرف مومنوں کی ہے کافروں یا منافقوں کی نہیں اور اگر ھم سے مراد مومن غازی و شہید ہیں تو جنت سے مراد وہ حصہ ہے جو خاص غازیوں شہیدوں کے لئے ہے تب بھی حصر درست ہے۔ یہاں جنت میں پانچ باتوں کا خیال رہے (۱) جنت کو قیمت بنایا مومنوں کی جان و مال کو تجارتی مال کیونکہ تجارت میں مال اعلیٰ ہوتا ہے قیمت ادنیٰ مال مقصود ہوتا ہے۔ قیمت تابع لہٰذا رب نے مومنوں کی جان و مال کو جنت سے اعلیٰ قرار دیا (۲) لھم کو جنت سے پہلے بیان فرمایا کہ حصر کا فائدہ ہو۔ یعنی صرف انہیں کی ہے بلا شرکت غیرے۔ (۳) لھم میں لام ملکیت کا ارشاد فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ آج ہی جنت ان کی ہو چکی وہ اس کے مالک ہو چکے اگرچہ قبضہ بعد قیامت دیا جائے گا۔ (۴) لھم الجنۃ جملہ اسمیہ فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ مومنوں کو خود جنت کا مالک کردیا تو وہاں کی نعمتیں حور۔ قصور۔ حوض۔ نہریں۔ باغات سب ہی کے وہ مالک ہوئے یہ نہیں کہا جنت کا سامان علیحدہ کر کے صرف عمارت کا مالک کیا۔ اس مومنوں کی بڑی عزت افزائی ہے اس وجوہ سے نہ تو یہ کہا ہم نے جنت کو تمہارے جان و مال کے عوض بیچ دیا۔ ہم بائع خریدار نے یہ کہا کہ تمہاری جان و مال جنت کے عوض خریدیں بلکہ اتنی دراز عبارت فرمائی بان لھم الجنۃ۔

مولانا فرماتے ہیں۔

خویشتن نہ شناخت مسکیں آدمی     از فزونی آمد و شہ در کمی
خویشتن را آدمی ارزاں فروخت     بود اطلس خویش را بر دلق درخت

یعنی دنیادار آدمی نے اپنی قیمت نہ جانی وہ بڑا قیمتی تھا۔ اس نے اپنے کو ارزاں کر دیا ریشم تھا گدڑی پر سی دیا۔

یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون یہ فرمان عالی نہ تو مومنین کی صفت ہے نہ حال بلکہ نیا جملہ ہے جس میں پہلے کا طریقہ ارشاد ہوا یعنی اس بیچنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب جہاد کی ضرورت ہو تو اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ (صاوی۔ روح البیان وغیرہ) خلاصہ یہ ہے کہ تمہارے جان مال تو ہمارے ہو چکے میدان میں ان کا قبضہ ہم کو دے دو۔ اور جنت تمہاری ہو چکی اس کا ایک طرح کا قبضہ تم کو شہید ہوتے ہی دیا جائے گا۔ کہ تمہاری روحیں جنت میں داخل ہو جاویں گی اور دوسری قسم کا قبضہ بعد قیامت دیا جائے گا۔ کہ تم جسموں کے ساتھ وہاں داخل ہو گے۔

خیال رہے: کہ یہاں تین چیزیں ارشاد ہوئیں۔ قتال یعنی جہاد کرنا کفار کو قتل کرنا۔ ان کے ہاتھوں قتل (شہید ہونا) جو مومن جہاد میں گیا اس نے قتال روک لیا خواہ وہ لڑے یا لڑنے والوں کی خدمت یا ان کی مدد یا ان کی ہمت افزائی کرے۔ لہٰذا یقاتلون بہت عام ہے پھر خواہ صرف قتل کرے اور بخیریت واپس آ جاوے یا قتل کر کے خود بھی قتل ہو جاوے۔ فقیر کی یہ تفسیر یاد رہے خلاصہ یہ ہے کہ میدان جہاد میں کفار کے مقابل پہنچ جانا اپنے جان و مال ہر چیز خریدار یعنی رب غفار کو قبضہ دے دینا ہے اب اس کی مرضی ہے کہ تمہیں اپنے پاس رکھ لے یا وطن واپس بھیج دے تم تو اپنا کام کر چکے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ تینوں کام کرنا ضروری ہیں (از روح المعانی وغیرہ) وعدا علیہ حقا اس فرمان اعلیٰ میں اس بیع کی نوعیت کا ذکر ہے کہ یہ بیع نقد کی نقد سے نہیں بلکہ نقد کی ادھار اور وعدہ پر ہے کیونکہ تمہارے جان و مال اس دنیا میں اور ان کی قیمت یعنی جنت دوسری دنیا یعنی آخرت میں ہاں اس کا وعدہ مضبوط ہے وعدا پوشیدہ فعل وعد کا مفعول مطلق ہے یہ موصوف ہے علیہ حقا اس کی صفت اس طرح کہ علیہ حقا کا حال ہے علیہ کی ضمیر رب کی طرف ہے۔ یعنی عطاء جنت کا رب کے ذمہ کرم پر سچا وعدہ ہے جو لازم ہو چکا ناممکن ہے کہ پورا نہ ہو۔ (تفسیر روح المعانی و کبیر۔ معانی وغیرہ) فی التورٰۃ والانجیل والقراٰن۔ یہ عبارت ایک پوشیدہ لفظ مثبتا کے متعلق ہو کر وعدا کی دوسری صفت ہے یعنی یہ وعدہ ایسا پختہ ہے کہ اس کا اعلان توریت و انجیل قرآن مجید ساری کتابوں میں کر دیا گیا اس پر ان انبیاء کرام کو گواہ بنا دیا گیا۔

خیال رہے: کہ اگر المومنین سے مراد ساری امتوں کے مومن ہیں تو آیت کا مطلب ہے کہ توریت میں دین موسوی کے مومنوں مجاہدوں سے اور انجیل میں دین عیسوی کے مومنوں مجاہدوں غازیوں شہیدوں سے اور قرآن مجید میں دین محمدی کے مومنوں غازیوں سے یہ وعدہ کر دیا گیا جس سے پتہ لگا کہ ان دینوں میں بھی جہاد تھے اور اگر مومنین سے مراد صرف دین محمدی کے مومن ہیں تو مطلب یہ ہے کہ توریت و انجیل میں بھی اس وعدے کا اعلان ہے۔ فقیر کے نزدیک یہ دوسری تفسیر قوی ہے کیونکہ دین عیسوی میں جہاد نہ تھا۔ حضرت مسیح کی یہ تعلیم تھی کہ اگر کوئی تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے تو تو دوسرا گال بھی اس کے سامنے کر دے اس اعلان جو حضور انور ﷺ کے غازیوں کی انتہائی عظمت و عزت کا اظہار ہے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے

ذلک مثلھم فی التورات والانجیل۔ایک روایت میں ہے کہ توریت وانجیل میں امت محمدی کا ذکر یوں تھا کہ ھم رعاۃ للشمس وہ سورج کی رفتار کی پیمائش کریں گے۔یعنی نماز پنجگانہ کے لئے طلوع غروب۔زوال کا حساب رکھیں گے۔وغیرہ وغیرہ یہ وعدہ بھی وہاں تھا ومن اوفی بعھدہ من اللہ اس فرمان عالی میں اس وعدے کی اور تاکید ہے اس میں من سوال انکاری کے لئے ہے اوفی وفاء کا اسم تفضیل ہے یعنی سوچو تو خدا تعالیٰ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کون ہے وہ مجبور نہیں قادر ہے جھوٹ سے پاک ہے اس کے خزانہ میں کسی چیز کی کمی نہیں لہذا اس کا وعدہ ضرور بالضرور پورا ہو کر رہے گا۔ فاستبشروا ببیعکم یہ فرمان عالی ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے ف جزائیہ ہے استبشار کے معنی ہیں خوشی ظاہر کرنا خواہ قولاً اظہار ہو یا عملاً ب سببیہ ہے اور بیع سے مراد وہ بیچنا ہے جو رب تعالیٰ کے خریدنے کے ضمن میں حاصل ہوا اور نہ براہ راست تو کسی مسلمان سے رب نے نہ رب تعالیٰ سے بات کی نہ سودا کیا نہ فروخت کیا یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے بیع کی یا خود رب تعالیٰ نے یعنی اے مسلمانوں اپنے اس تجارت پر جو تمہاری خبر سے پہلے ہی ہوگئی ہر وقت خوشی مناؤ خوش وخرم رہو یہ سمجھ کر کہ ہماری جان مال اللہ تعالیٰ کا ہے ہم اللہ تعالیٰ کی ملک خاص ہیں پھر ہمیں غم کس کا۔وہ خود اپنا سودا سنبھالے گا اور جب جہاد کے لئے جاؤ تو دولہا بن کر خوشی مناتے جاؤ۔کہ اب ہم خریدار کو اس کی چیز پر قبضہ دینے جا رہے ہیں الذی بایعتم بہ یہ فرمان عالی صفت ہے بیع کی بایعتم میں بالواسطہ سودا کرنا مراد ہے یعنی وہ سودا وہ تجارت جو تم نے اپنے نبی کے واسطہ سے رب سے کیا تم عیبوں سے۔اس بے عیب رب نے مع تمہارے عیبوں کے بے عیب جنت کے عوض خریدا۔فانی متاع کو باقی قیمت کی عوض خریدا۔شعر

تو بعلم ازلی مرا دیدی دیدی آنگہ بعیب تجریدی

تو بعلم آن ومن بعیب ہمان ردمکن آنچہ خود پسند یدی (روح البیان)

یعنی اے کریم تو ازل سے جانتا تھا کہ میں عیب دار ہوں۔مجھ عیبی کو جان کر تو نے خریدا ہے تو وہ ہی علیم ہے میں وہی عیبی ہوں۔اب جب تو نے مجھے عیبی جان کر خرید لیا تو رد نہ کر مسلمانوں اس پر خوشی مناؤ کہ تم عیبیوں کو رب نے خرید لیا ذلک ھو الفوز العظیم چونکہ یہ بیع بہت عالی شان تھی ہماری فہم وعلم سے دور اس لئے ذلک دور کا اشارہ ارشاد فرمایا گیا اور صرف یہ تجارت ہی کامیابی تھی۔اس سے ہٹ کر ہر چیز ناکافی۔اس لئے ھوا ارشاد ہوا حصر کے لئے۔چونکہ اس سودے کو رب نے خریدا جناب مصطفیٰ بیچ میں پڑے جنت عدا اس کی قیمت۔جناب جبریل اس کے منادی قرآن میں اس سودے کی تحریر ان وجوہ سے یہ سودا بڑی کامیابی ہے۔

من یشتری قبۃ فی عدن عالیہ فی ظل طوبی رفیعات مبانیھا

ولالھا المصطفی واللہ بایعھا ممن اراد وجبریل منادیھا

نوٹ: یہ وہ آیت کریمہ ہے جو بوقت جہاد مجاہدین کو گرما دیتی تھی۔اس کے جوش میں وہ ایسی جرات کر جاتے تھے اور وہ

کارنامے کر لیتے تھے۔ جو ہمارے خیال سے وراء ہیں جنگ یرموک میں عیسائی سات لاکھ تھے مسلمان صرف چالیس ہزار۔ حضرت ابوعبیدہ نے یہ ہی آیت مجاہدین پر تلاوت کی اور فرمایا انہوں نے رب کے سودے پر اسے قبضہ دے دو تم اس سے سودا کر چکے۔ مسلمان اٹھے اور میدان مار لیا۔ سات لاکھ میں سے بہت کو مار دیا باقی بھاگ گئے۔ اللہ تعالیٰ وہ جرات و ہمت دے۔

**خلاصہ تفسیر:** ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کے جان مال خرید لئے اس کے بعد کہ جنت ان کی ہوگئی۔ مومنین بیوپاری ہم خریدار مومنوں کے جان و مال سودا۔ جنت ان کی قیمت لہٰذا اب انہیں چاہئے کہ جب اسلام کو ان کی جان و مال کی ضرورت ہو اور جہاد پیش آ جائے تو وہ اللہ کی راہ میں کفار پر جہاد کریں۔ انہیں قتل کریں غازی ہوں گے ان کے ہاتھوں قتل ہو جاویں شہید ہوں گے۔ جنت کا یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر لازم ہو چکا۔ ناممکن ہے کہ انسان مومن ہو اور جنت نہ پائے۔ اس وعدہ کا اعلان توریت میں انجیل میں ہو چکا کہ امت محمدیہ سے یہ سودا ہو چکا یا ہوگا۔ اور قرآن مجید میں بھی یہ اعلان کیا جاتا ہے خود سوچ لو کہ رب تعالیٰ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے کہ وہاں وعدہ خلافی کا احتمال ہی نہیں کہ وعدہ خلافی یا مجبوری کی وجہ سے ہوتی ہے یا شرارت سے وہ رب کریم ان دونوں سے پاک ہے مسلمانوں جب کہ تم اس تجارت کی خبر سن چکے تو اس پر خوب خوشیاں مناؤ۔ اگر جہاد کا وقت آ جائے تو خوشی خوشی قبضہ کرانے کی نیت سے میدان جنگ میں جاؤ۔ تم نے اپنے کو رب کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے یہ تجارت بڑی ہی کامیابی ہے۔

**خیال رہے:** کہ اس آیت میں دس طرح اس تجارت کا اہتمام کیا گیا۔ (۱) یہاں رب خریدار ہے۔ جس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں جو چاہے قیمت دے (۲) اس کو بیع شراء یعنی خرید فروخت فرمایا۔ جیسے خریدی چیز کی قیمت دینا خریدار کے ذمہ ہوتا ہے یوں ہی انشاء اللہ مومنوں کو جنت دینا رب کے ذمہ کرم پر لازم (۳) اسے وعدہ فرمایا اور اللہ کے وعدے سارے ہی سچے ہیں (۴) فرمایا علیہ یعنی اللہ کے ذمہ کرم پر ہے علی وجوب کے لئے یعنی کرم کے لئے ہے (۵) اس وعدے کی حقا فرما کر تاکید کی سچا وعدہ (۶) اس وعدہ کا اعلان توریت و انجیل و قرآن میں کر کے ان کتابوں ان رسولوں کو گواہ بنا لیا اس وعدے پر بھی اور اس تجارت پر بھی۔ (۷) فرمایا ہم سے بڑھ کر سچے وعدہ والا کون ہو سکتا ہے (۸) فرمایا کہ اس سودے پر خوب خوشیاں مناؤ۔ اس میں بھی تاکید اور مبالغہ ہے۔ (۹) اس تجارت کو کامیابی قرار دیا۔ (۱۰) اس کامیابی کو عظیم فرمایا۔ (تفسیر کبیر)

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** ایسی تجارت میں ایک شخص دو طرفہ کا وکیل دوسری طرف کا اصیل ہو سکتا ہے۔ یہ فائدہ ان اللہ اشتری (الخ) سے حاصل ہوا۔ کہ رب نے ہمارے جان و مال ہم سے خریدے۔ حالانکہ ہم کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ خرید لئے کیسے خریدے کہ خود ہی خریدار ہوا اور خود ہی ہمارا والی ہو کر بیوپاری۔

**تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کی جان و مال جنت سے بھی اعلیٰ و ارفع ہیں۔ کیونکہ اس تجارت میں جان و مال کو

سودا قرار دیا۔ اور جنت کو قیمت اور ظاہر ہے کہ قیمت سے سودا اعلیٰ ہوتا ہے کہ تجارت میں مقصود ہوتا ہے اور اس سے تجارت قائم ہوتی ہے یہ فائدہ فانھم لھم الجنۃ سے حاصل ہوا۔

**چوتھا فائدہ:** مومن کے جان و مال اس لئے جنت سے اعلیٰ ہیں کہ وہ مومن کے جان مال ہیں صفت ایمان نے انہیں قیمتی کردیا۔ ورنہ کافر کے جاو مال مچھر کے برابر پر بھی نہیں۔ وہ تو صرف مٹی کا ڈھیر ہے۔ یہ فائدہ من المومنین سے حاصل ہوا شعر۔

نور الٰہ گر نہ ہو انساں میں جلوہ گر کیا قدر اس خمیرۂ ماؤمدر کی ہے

**پانچواں فائدہ:** یہ قدر و قیمت صرف حضور انور ﷺ کی امت کی ہے مومنین تو سارے نبیوں کی اطاعت کرنے والے تھے۔ مگر یہ قیمت صرف اس دین کے مومنین کی ہے یہ فائدہ من المومنین کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اس سے مراد صرف امت محمدی ہو۔ شعر۔

نور آلہ کیا ہے محبت حبیب کی جس دل میں یہ نہ ہو وہ جگہ خوک و خر کی ہے

**چھٹا فائدہ:** یہ سودا ہر مسلمان کی جان و مال کا ہوا ہے وہ غازی شہید ہو یا نہ ہو اس لئے یہاں من الغازین یا من الشھداء نہیں فرمایا بلکہ من المومنین فرمایا تا کہ سارے مومن اس میں داخل ہوں۔ خواہ انہیں جہاد کا موقع ملے یا نہ ملے۔ دیکھو امام حسن اور ان کی اولاد گیارہ امام اما جعفر صادق۔ موسیٰ کاظم۔ یونہی امام اعظم۔ شافعی۔ مالک احمد بن حنبل یونہی حضور غوث پاک۔ خواجہ اجمیری۔ شاہ نقشبند امام سہروردی سب سے یہ ہی سودا ہو چکا۔ مگر ان میں سے کسی کو کفار پر جہاد کا موقع نہ ملا یہ بات خوب خیال میں رہے۔

**ساتواں فائدہ:** جہاد میں لڑنا مارنا یا مارا جانا شرط نہیں بلکہ جو میدان جہاد میں اخلاص سے پہنچ گیا وہ مجاہد غازی ہوگیا۔ خواہ وہاں زخمیوں کی مرہم پٹی کرے یا ان کا کھانا پکائے۔ خواہ ان کے جانوروں کی خدمت کرے دیکھو یہاں یقاتلون کے بعد یقتلون ویقتلون ارشاد ہوا۔ غرضکہ قتال اور قتل میں فرق ہے۔

**آٹھواں فائدہ:** مومن کو چاہئے کہ سمجھے کہ میں اور میرا مال رب کے ہاتھ فروخت ہو چکے ہیں میری کوئی چیز اپنی نہیں اپنے ہر عضو ہر وقت اور ہر مال کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق صرف کرے ورنہ خائن ہوگا۔ یہ فائدہ انفس اور اموال کو مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔

**نواں فائدہ:** مومنین اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جنت کے مالک ہو چکے ہیں البتہ اس پر قبضہ بعد میں دیا جاوے گا۔ یعنی بعد قیامت یہ فائدہ وعدا علیہ سے حاصل ہوا۔

**دسواں فائدہ:** جنت صرف مومن انسانوں کو ہی ملے گی۔ کسی کافر یا غیر انسان کے لئے جنت کی جزا نہیں۔ یہ فائدہ لھم الجنۃ میں لھم کو جنت پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔

**گیارہواں فائدہ:** دین موسوی و عیسوی میں بھی جہاد کا حکم تھا۔ یہ فائدہ المومنین کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ کہ

اس سے مراد ساری امتوں کے مومن ہوں اور فی التوراۃ و الانجیل میں وعدہ کا اعلان ان ہی امتوں کے غازیوں کے لئے ہوں۔ اس صورت میں عیسیٰ علیہ اسلام کی طرف اس تعلیم کی نسبت غلط ہے کہ جو تجھے ایک طمانچہ مارے تو اس کی طرف دوسرا گال بھی کر دے۔ جیسا کہ موجودہ انجیلوں میں ہے اس کے لئے ہماری کتاب انجیل اور قرآن کا مطالعہ کرو۔

**بارھواں فائدہ:** جہاد میں خوشی کرتا ہوا ہشاش بشاش جاوے۔ غمگین منہ لے کر نہ جاوے یہ فائدہ فاستبشروا (الخ) سے حاصل ہوا۔ بعض مسلمان غسل کر کے کپڑے بدل کر خوشبو مل کر میدان جہاد میں جاتے ہیں اس عمل کا ماخذ یہ آیت ہے حضرت ضرار ابن ازور شوق شہادت میں جہاد کے وقت ذرہ بھی نہیں پہنتے تھے۔

**تیرھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ سے ہماری جان و مال کا سودا ہو جانا بڑی ہی کامیابی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کامیابی کیا ہوگی کہ وہ خود ہی ہمیں جان و مال دے خود ہی خریدار بن جاوے جنت ہماری قیمت ہو۔ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ سودا کرانے والے ہوں۔ انبیاء کرام اس سودے کے گواہ ہوں آسمانی کتاب میں اعلان ہو۔ شعر۔

خس خس جتنا قدر نہ میرا صاحب توں وڈھیایاں　　　　میں گلیاں دا کوڑا روڑا محل چڑھایا سائیاں

**پہلا اعتراض:** شرعی قاعدے سے یہ سودا تین طرح درست نہیں ہونا چاہئے۔ ایک یہ کہ تجارت میں دونوں فریقوں کو خبر اور ان کی رضامندی چاہئے جب مومنین کو اس سودے کی خبر بھی نہ ہوئی تو سودا کیسا دوسرے یہ کہ تجارت کے وقت بیچنے والا سودا اگر موجود ہو اور ربیع شدہ مال کا مالک ہو۔ یہ سودا ہوتے وقت تا قیامت مسلمان نہ موجود تھے نہ ان کے پاس جان و مال تھے۔ تیسرے یہ کہ تجارت میں اپنا دینا دوسرے کا مملوکہ پالینا ہوتا ہے مگر یہاں جان و مال بھی رب کی ملک اور جنت بھی پھر ان اللہ اشتری کہنا کیونکر درست ہوا۔

**جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں جہاد وغیرہ نیک اعمال کا یقینا ثواب دینا مراد ہے۔ جسے خرید و فروخت سے تعبیر کیا گیا۔ جیسے من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا میں اللہ کی راہ میں خیرات کرنے کو رب پر قابض قرار دیا۔ نیز مولا اور بندہ کی تجارت کے احکام جداگانہ ہیں۔

**دوسرا اعتراض:** لھم الجنۃ میں لھم کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا تو چاہئے کہ غازیوں کے سوا جنت کسی کو نہ ملے حالانکہ اسلام کے بڑے بڑے امام پیشواء دین کو جہاد کا موقعہ نہ ملا کیا وہ جنتی نہیں۔

**جواب:** ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہ حصر مومنین کے لئے ہے کہ جنت صرف مومنوں کے لئے ہے کسی کافر کے لئے نہیں اس لئے یہاں من المومنین فرمایا من المجاهدین نہ فرمایا۔

**تیسرا اعتراض:** پھر یہاں جہاد اور مارنے مرنے کی قید کیوں لگائی گئی یقاتلون (الخ)

**جواب:** یہ فرمان عالی قید نہیں بلکہ بیچی ہوئی جان و مال پر قبضہ دینے کا بیان ہے کہ مسلمان ضرورت پڑنے پر جہاد و قتال کر کے ہم کو ان چیزوں پر قبضہ دے دیتے ہیں۔ (دیکھو تفسیر)

**تفسیر صوفیانہ:** ہم ہیں فانی اور عیب دار۔ جنت ہے باقی اور بے عیب رب تعالیٰ ہم کو جانتا ہے اس کریم نے ہم کو ہمارے عیبوں کو جانتے ہوئے بے عیب جنت کے عوض خرید لیا امید ہے کہ اب ہمیں ردنہ کرے گا۔ کہ اس نے جان کر یہ خریداری فرمائی ہے۔

**حکایت:** شیطان نے اس آیت کو پیش کر کے رب تعالیٰ سے عرض کیا کہ مولی یہ بندے بڑے عیبی ہیں عیبی سودا رد کردیا جاتا ہے تو انہیں رد کر کے میرے حوالہ کردے۔ تیرے ہی دین کا یہ قانون ہے۔ رب نے فرمایا اے مردود سودا رد وہاں ہوتا ہے جہاں خریدار بے خبری میں دھوکے سے عیب دار خریدے میں نے ان کے عیوب کو جانتے ہوئے انہیں خریدا۔ پھر رد کیسا (روح البیان) مولانا فرماتے ہیں۔

کالا را کہ بیچ خلقش ننگرید — از خلافت آن کریم آنرا خرید

بیچ خلقے پیش حق مردود نیست — زانکہ قصدش از خریدن سود نیست

خلافِ آدم کا اعلان ہونے پر فرشتوں نے انسان کے عیوب عرض کیے تھے فرمایا انی اعلم مالا تعلمون ۔ ہم سب کچھ جانتے ہیں چونکہ اس خریداری میں اپنا نفع مقصود نہیں کرم نوازی کرنا مقصود ہے۔ انسان جیسا بھی ہو خرید میں آ گیا۔ صوفیاء فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے نہ تو اپنے خریدار پروردگار کو دیکھا نہ اپنی قیمت جنت کا مشاہدہ کیا۔ پھر یہ تجارت مکمل کیسے ہوئی۔ رب نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سارے تاجروں یعنی اپنی امت کا نمائندہ بنا کر معراج میں بلایا۔ کہ چونکہ یہ سودا تمہاری معرفت ہوا ہے آؤ مجھ خریدار کو بھی دیکھ جاؤ اور جنت کے گلزار بھی مشاہدہ کر جاؤ تمہارا دیکھنا سب کا دیکھنا ہے اس معراج رسول نے یہ سودا ہر طرح مکمل کردیا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس اور مال سے جہاد کرو جنت لے لو۔ یہ ہے چھوٹا جہاد۔ رب کی طلب میں دل و جان خرچ کرو تو جنت کے رب کو لے لو یہ ہے جہاد اکبر یعنی بڑا جہاد ہے۔ جہاد اصغر میں ظاہری دشمنوں کا مقابلہ ہوتا ہے۔ یعنی کفار کا اور جہاد اکبر میں چھپے دشمن کا مقابلہ ہے۔ یعنی نفس امارہ کا لفظ قتال ان دونوں جہادوں کو شامل ہے اے مسلمان غور کر کہ رب تعالیٰ کو تیری کونسی چیز پیاری ہے اور تیری کس چیز کا رب خریدار ہے۔ یقین کر کہ اے صرف تیرا ایمان یعنی عشق رسول پیارا ہے ورنہ نفس ایمان تو فرشتوں کے پاس بھی ہے۔ عشق رسول صرف تجھے دیا گیا۔ رب تعالیٰ اس کا خریدار ہے۔ اگر اپنی قیمت چاہئے تو عشق رسول حاصل کر اسی لئے فرمایا من المومنین۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ

رجوع کرنے والے عبادت کرنے والے اللہ کی حمد والے روزہ رکھنے والے رکوع کرنے والے

توبہ والے عبادت والے سراہنے والے روزے والے رکوع والے

السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

سجدے کرنے والے حکم دینے والے اچھی بات کے اور منع کرنے والے بری باتوں سے

سجدہ والے بھلائی کے بتانے والے اور برائی سے روکنے والے

وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

اور حفاظت کرنے والے حدوں کی اللہ کی اور خوشخبری دو ایمان والوں کو

اور اللہ کی حدیں نگاہ میں رکھنے والے اور خوشی سناؤ مسلمانوں کو

**تعلق**: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق**: پچھلی آیات سے شبہ ہو سکتا تھا کہ جنت کا وعدہ صرف غازی شہید مومنوں سے ہے دوسروں سے نہیں۔ اس آیت کریمہ میں وہ شبہ دور فرما دیا گیا کہ ہر متقی مومن سے جنت کا وعدہ ہے متقی مومن وہ ہے جس میں یہ نو صفات ہوں۔ گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی شرح یا اس کی تفصیل یا تفسیر ہے۔

**دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ صرف یہ بڑی کامیابی ہے یعنی مجاہد غازی شہید ہونا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ایک قسم کی بڑی کامیابی تو وہ تھی۔ دوسری قسم کی کامیابی ان صفات سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر جہاد شہادت نصیب نہ ہو تو یہ صفات اختیار کرو۔ یہ تم اپنے گھر میں امن سے بیٹھ کر بھی اختیار کر سکتے ہو۔

**تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ نے ہر مسلمان کی جان و مال جنت کے عوض خرید لئے اللہ کی خریدی ہوئی چیز پر میدان جہاد میں اسے قبضہ دے دو۔ اب ارشاد ہے کہ قبضہ دینا صرف میدان جہاد پر ہی موقوف ہیں یہ ۹ صفات اختیار کرو تم نے اسے قبضہ دے دیا گویا قبضہ دینے کی ایک صورت پچھلی آیت میں مذکور ہوئی دوسری صورتیں اب مذکور ہو رہی ہیں۔

**تفسیر**: التائبون۔ اس آیت کریمہ کی بہت ترکیبیں کی گئی ہیں آسان ترکیب یہ ہے کہ التائبون سے لے کر لحدود الله تک عبارت مبتدا ہے۔ اور اس کی خبر **هم اهل الجنة** پوشیدہ ہے۔ ایک قرات میں **التائبين العابدين** (الخ) ی کے ساتھ ہے تو یہ پچھلی آیت میں **من المومنين** کی صفات ہیں۔ تائب بنا ہے توبہ سے۔ اس کے معنی ہیں۔ لوٹنا۔ بندے کی توبہ یہ ہے کہ وہ گناہوں سے نیکیوں کی طرف لوٹے۔ رب تعالیٰ کی توبہ یہ ہے کہ وہ سزا کے ارادے سے جزا کے ارادہ کی طرف رجوع فرمائے اس لئے اب رب تعالیٰ کی صفت بھی ہے بندے کی توبہ چار چیزوں سے مکمل ہوتی ہے۔ (۱) گناہ کرتے وقت دل کا ملامت کرنا اس گناہ سے راضی نہ ہونا (۲) پھر اس حرکت پر شرمندہ ہونا۔ (۳) آئندہ جرم نہ کرنے کا عہد وارادہ کرنا (۴) یہ

سب کچھ رضاء الہی کے لئے ہوتا۔ اپنے نام نمود اور لوگوں میں عزت حاصل کرنے کی نیت کو دخل نہ ہوتا ( کبیر خازن ) توبہ کفر سے نفاق اور سارے گناہوں سے ہوتی ہے یہاں آخر معنی مراد ہیں۔ یعنی ہر گناہ سے توبہ کرنے والے۔ خواہ دلی گناہوں جیسے کفر و شرک یا جسمانی گناہوں پھر جیسا گناہ ویسی توبہ۔ والعابدون۔ یہ نوصفتوں میں سے دوسری صفت کا بیان ہے۔ عبادت کے معنی اس کے اقسام پھر ہر قسم کے احکام سورہ فاتحہ کی تفسیر ایاک نعبد کے تحت عرض کر چکے ہیں عبادت سے ساری بدنی مالی عبادات مراد ہیں بشرطیکہ اخلاص سے ہوں۔ شعر۔

عبادت باخلاص نیت نکوست ورنہ چہ آید بے مغز پوست

جیسے بغیر مغز چھلکے کی قیمت نہیں ویسے ہی بازار قیامت میں بغیر اخلاص عبادت کو کوئی قیمت نہیں امام اعظم ابو حنیفہ نے چالیس سال عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ اور زمین پر لیٹے نہیں یہ ہے کمال عبادت۔ دیکھو تفسیر روح البیان۔ الحامدون یہ تیسری صفت ہے۔ حمد کے معنی اس کے اقسام ہم الحمد للہ کی تفسیر میں کر چکے ہیں حمد کبھی بمعنی شکر آتی ہے کبھی اپنے معنی میں ہوتی ہے حمد بمعنی شکر تین طرح کی ہے۔ زبانی شکر۔ جنانی شکر ارکانی شکر۔ یہاں حامدون سے مراد ہر وقت ہر حال میں ہر جگہ اللہ کی تعریف کرنے والے یا ہر چھوٹی بڑی نعمت پر اللہ کا شکر ہر طرح کرنے والی۔ السائحون یہ مومنوں کی چوتھی صفت ہے یہ لفظ بنا ہے سبح سے بمعنی سفر کرنا اور تیرنا۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں یہ لفظ آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں روزے رکھنے والے۔ کیونکہ روزے سے آخرت کی روحانی منزلیں طے ہوتی ہیں جیسے سفر سے جسمانی منزلیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد ہیں طالب علم دین کہ طلب علم میں سفر کرتا ہے۔ بعض کے نزدیک مہاجرین مراد ہیں بعض کے نزدیک مجاہدین کہ ان سب کو سفر کرنا پڑتا ہے۔ حضرت جابر نے ایک دفعہ ایک حدیث کے لئے مدینہ منورہ سے مصر تک سفر کیا ( روح البیان ) مگر پہلی تفسیر قوی ہے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اے جابر میری امت کی سیاحت روزہ ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر۔

تراہ یصلی لیلۃ ونھارہ یظل کثیرا الذکر للہ سائحا

اس شعر میں سائح بمعنی روزہ دار ہے۔ گذشتہ امتوں میں بے وطن یعنی خانہ بدوش رہنا بھی عبادت تھی۔ حضور انور ﷺ نے بعض صحابہ سے فرمایا کہ میری امت کی خانہ بدوشی روزہ ہے۔ بعض نے فرمایا جہاد۔ بعض نے فرمایا طلب علم کے لئے سفر۔ بعض نے فرمایا ہجرت سیاحت ہے ( تفسیر خازن ) الراکعون الساجدون۔ یہ مومنوں کی پانچویں صفت ہے۔ اس سے مراد نمازی ہیں۔ اگرچہ نماز میں قیام اور بیٹھنا بھی ہوتا ہے مگر رکوع سجدہ اس کے خاص ارکان ہیں کیونکہ کھڑا ہونا۔ بیٹھنا دوسرے کاموں میں ہوتا ہے۔ رکوع سجدہ صرف نماز میں اس لئے اکثر رکوع سجدے سے مراد نماز ہوتی ہے اگرچہ عابدون میں نمازی بھی داخل تھے مگر چونکہ نماز بہت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے کہ ساری عبادات فرش پر بھیجی گئیں مگر نماز معراج میں عرش پر بلا کر دی گئی۔ اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا۔ اب تک مومنوں کی وہ چھ صفتیں بیان ہوئیں جو انہیں خود اپنے لئے مفید ہیں اب ان کی وہ صفات بیان ہو رہی ہیں جن کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ الا

مرون بالمعروف والناھون عن المنکر ۔اس فرمان عالی میں مومنوں کی ساتویں اور آٹھویں صفت کا ذکر ہوا یعنی وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں حکم اور ممانعت زبانی۔ عملی قلمی ہر طرح کی ہوتی ہے یہاں ساری قسمیں مراد ہیں جیسی تبلیغ ممکن ہو ویسی کرے نیز معروف سے مراد ہر بھلائی ہے اعتقادی ہو یا عملی یوں ہی منکرین میں ہر برائی داخل ہے۔ آمرون کا مفعول پوشیدہ ہے۔ الناس یعنی وہ لوگوں۔ اپنے بال بچوں۔ ماتحتوں وغیرہم کو ہر اچھے عقیدے اچھے اعمال کا ہر طرح حکم دیتے ہیں۔ اور ہر طرح ہر برائی سے منع کرتے ہیں۔

**خیال رہے:** کہ اہل عرب سات تک بغیر واؤ کے بولتے ہیں۔ اس کے بعد واؤ سے اس قاعدے سے التائبون سے الامرون بالمعروف تک سات صفات کا ذکر بغیر واؤ ہوا اور پھر والناھون واؤ سے ارشاد ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ التائبون سے موصوف اور صاجدون تک اس کی صفتیں یہ سب مل کر مبتدا ہوا اور الامرون بالمعروف سے لحدود اللہ تک خبر اس لئے ان میں واؤ ارشاد ہوا (تفسیر خازن۔ کبیر۔ معانی وغیرہ) والحافظون لحدود اللہ۔ یہ مومنوں کی نویں صفت ہے اس میں بہت گنجائش ہے، کیونکہ انسان کے اعضاء ظاہری باطنی اعمال کمال افعال سب کی رب نے حدیں مقرر فرمائی ہیں فرماتا ہے ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنه مسئولا ۔کان۔ آنکھ دل وغیرہ سب کے بارے میں قیامت میں سوال ہوگا۔ کہ کہاں استعمال کئے حد میں رہے یا حد توڑی۔ مومن کا حال یہ ہونا چاہئے۔

| | |
|---|---|
| راہ حق میں ہے دوڑا اور بھاگ ان کی | شریعت کے قبضہ میں ہے باگ ان کی |
| جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ | جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ |

غرضکہ مومن کا سونا جاگنا حرکت وسکون اللہ رسول کے فرمان کے ماتحت ہو یہ فرمان شریعت وطریقت کی جامع ہے رب تعالٰی عمل کی توفیق دے۔ وبشر المومنین یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے بشر میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ظاہر یہ ہے کہ المومنین سے وہ مذکورہ نو صفات والے مسلمان مراد ہیں اور بشارت خاص درجہ جنت کے خاص مقامات۔ رب تعالٰی سے خاص قرب کی بشارت مراد ہے یعنی اے محبوب ایسے متقی مسلمانوں کو ہمارے خاص قرب کی خوشخبری دے دو۔

**خلاصہ تفسیر:** اے مسلمانو یہ خیال نہ کرنا کہ جنت صرف غازیوں مجاہدوں اور شہیدوں کو ہی ملے گی۔ باقی مسلمان اس سے محروم رہیں گے۔ غزوہ جہاد تو کسی خوش نصیب جماعت کو میسر ہوتا ہے ان کے علاوہ ان مومنوں کو بھی جنت عطا ہوگی۔ جن میں نو صفات ہوں (۱) اپنے گناہ اپنی کوتاہیوں سے ہمیشہ توبہ کرنے والے (۲) رب کی عبادت جس پر وہ قادر ہوں ہمیشہ کرنے والے (۳) ہر حال میں رب کی حمد ہر نعمت پر اس کا شکر کرتے والے۔ (۴) روزہ رکھنے والے یا طلب علم یا ہجرت وغیرہ کے لئے سفر کرنے والے تارک وطن۔ (۵) ہمیشہ رکوع سجدہ میں رہنے والے۔ یعنی نماز فرض واجب نفل سنن ادا کرنے والے (۶) لوگوں کو ہاتھ زبان۔ قلم۔ وغیرہ سے اچھی راہ پر چلانے والے (۷) ہر برائی سے روکنے والے (۸) ان کی زبان کان ہاتھ پاؤں بلکہ خیال وارادے اور اعمال احوال افعال کے لئے رب نے جو حدیں مقرر کی ہیں ان حدود کی حفاظت

کرنے والے یہ لوگ جنتی ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نیک کاروں کو ہمارے قرب کے خاص درجات کی عظیم الشان خوشخبری دے دو یہ لوگ بڑے کامیاب ہیں کفار سے جہاد تو کسی خوش نصیب کو کبھی کبھی جا کر نصیب ہوتا ہے یہ جہاد ہر وقت ہر جگہ ہر مسلمان کو میسر ہے ہمت کرو جنت اور رب کی رحمت لو۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** توبہ سارے عمل ساری عبادات پر مقدم ہے یہ فائدہ اس ترتیب بیانی سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے التائبون پہلے فرمایا بعد میں دوسری چیزوں کو خصوصاً کفر ،شرک منافقت بدعقیدگی سے توبہ کہ یہ اعمال کے لئے ایسی ہے جیسے نماز کے لئے وضو گویا یہ دل کا وضو ہے۔

**دوسرا فائدہ:** مومن کو چاہے کہ ہر قسم کی نیکی کرے اور ہر قسم کے گناہ سے بچے صرف ایک نیکی کرنے اور ایک گناہ سے بچنے پر کفایت نہ کرے۔ یہ فائدہ ان مذکورہ صفات کو بغیر واؤ لانے سے بطور اشارہ حاصل ہوا کہ ان تمام کو التائبون کی صفت بتایا گیا۔

**تیسرا فائدہ:** کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر ایمان۔ توبہ۔ نیک اعمال سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ التائبون وغیرہ کو جمع فرمانے سے حاصل ہوا اگر جنت چاہئے تو یہ اعمال کرو۔

**چوتھا فائدہ:** جنت اور رب کی رضا وطن۔ زبان۔ قومیت۔ نسل۔ رنگ و بو سے نہیں ملتی یہ صرف اور صرف اچھے عقائد اور اچھے اعمال سے ملتی ہے۔ مومن کا وطن دامن مصطفیٰ ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے
بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے

حضور انور ﷺ نے عرب کے لڑنے والے قبیلوں کو زبان یا عرب یا قریش کے نام پر جمع نہیں فرمایا۔ بلکہ اسلام تقویٰ کے نام پر جمع کیا۔ آج مسلمان اپنے اس دیس کو بھول گئے۔

**پانچواں فائدہ:** تمام عبادات میں نماز اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے عابدون کے بعد الراکعون (الخ) ارشاد فرمایا جس نے نماز درست کر لی اس کے سارے عبادات ان شاء اللہ ضرور درست ہوں گے۔

**چھٹا فائدہ:** نماز میں اگرچہ قیام رکوع۔ سجدہ۔ جلسہ سب کچھ ہے مگر رکوع سجود ان سب ارکان میں اعلیٰ ہیں یہ فائدہ الراکعون الساجدون سے حاصل ہوا کہ رب نے خصوصیت سے ان دو رکنوں کا ذکر کیا۔

**ساتواں فائدہ:** مومن کے لئے خود نیک بننا کافی نہیں بلکہ دوسروں کو بھی نیک بنائے یہ فائدہ الامرون بالمعروف (الخ) سے حاصل ہوا۔

**آٹھواں فائدہ:** تبلیغ صرف علماء پر نہیں بلکہ ہر مسلمان بقدر علم اور بقدر طاقت تبلیغ کرے۔ حتیٰ کہ بادشاہ تلوار کے زور سے علماء وعظ و تصنیف سے عوام گفتار و کردار سے تبلیغ کریں۔ یہ فائدہ الامرون والناھون جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔

**نواں فائدہ:** کوئی شخص معمولی نیکی چھوٹی سمجھ کر چھوڑ نہ دے اور معمولی گناہ سمجھ کر کر نہ لے کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچا لیتا ہے اور ایک چنگاری گھر جلا دیتی ہے۔ یہ فائدہ الحافظون لحدود اللہ سے اشارۃً حاصل ہوا۔

**دسواں فائدہ:** مومن کو چاہئے کہ ہمیشہ اپنے سارے اعضاء پر کنٹرول رکھے کسی عضو کو ناجائز استعمال نہ ہونے دے۔ اپنا محاسبہ کرتا رہے یہ فائدہ بھی الحافظون لحدود اللہ سے حاصل ہوا۔

**گیارھواں فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں قیامت تک ہر مسلمان کو پہنچ رہی ہیں یہ فائدہ بشر المومنین سے حاصل ہوا کہ المومنین عام ہے سارے مسلمانوں کو کبھی تو علماء صلحاء قرآن وحدیث کے واسطے سے کبھی نیکی پر قدرتی طور سے دل خوش ہو جاتا ہے گناہ سے غمگین یہ نگاہ مصطفوی کا فیضان ہے وہ ہر مومن کے دل میں بسے ہیں ہر مومن کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

قبر میں دیکھا جو اس پردہ نشیں تو کھلا　　میرے ہی دل میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا

جلوہ سا دکھا کے چھپ گئے ہیں　　دیوانہ بنا کے چھپ گئے ہیں

کیوں ڈھونڈوں میں ان کو یارو در در　　وہ مجھ میں سما کے چھپ گئے ہیں

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جس مسلمان میں یہ مذکورہ نوصفات ہوں وہ جنتی ہے اس صورت میں ہزار میں ایک مسلمان بمشکل جنتی ہوگا۔ یہ نوصفات نہ ہر مسلمان میں جمع ہوں گی نہ وہ جنتی بنے گا۔ جنت تو بہت ہی مہنگا سودا ہوا مگر تم کہتے ہو۔ شعر۔

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا　　ہم مفلس کیا مول چکائیں ہاتھ ہی اپنا خالی ہے

**جواب:** تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ اس آیت کریمہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس شخص میں یہ نوصفات پوری کی پوری کامل طور پر پائی جائیں وہ جنتی ہو بلکہ جس مسلمان کو جنتی نیکیوں کی جس قدر طاقت ہو وہ اختیار کرے انشاء اللہ جنتی ہیں نیز یہ نو کام بہت مشکل نہیں بفضلہ تعالیٰ قریبا ہر مسلمان ان پر بقدر طاقت عمل کرتا ہے۔ نماز۔ روزہ۔ حمد۔ اچھی باتوں کی اشاعت برائیوں سے روکنا ایسی چیزیں ہیں کہ فاسق مسلمان بھی ان پر کچھ نہ کچھ عمل کرتے ہی ہیں۔ نیز یہ صفات جنت کا اعلیٰ مقام پانے رب سے قرب خاص حاصل کرنے کے لئے ہے جنت کا داخلہ صرف صحیح ایمان پر ہے۔

**دوسرا اعتراض:** مسلمان کے چھوٹے فوت شدہ بچے یوں ہیں وہ نومسلم جو ایمان لاتے ہی فوت ہو گیا وہ جنتی نہ ہونا چاہئے کیونکہ وہ ان نو میں سے کسی پر عمل نہ کر سکا۔ مگر تم کہتے ہو کہ وہ بھی جنتی ہے۔

**جواب:** اس کا جواب وہ ہی ہے کہ بقدر طاقت عمل ضروری ہے۔ ایسے لوگوں کو عمل کا وقت اس کا موقعہ طاقت نہ ملے اس لئے صرف ایمان لانا ہی کافی ہے اور مومنوں کی چھوٹی اولاد اپنے ماں باپ کے تابع ہو کر جنتی ہے۔ رب فرماتا ہے الحقنا بھم ذریتھم ما التناھم من عملھم من شیء۔

**تیسرا اعتراض:** نماز۔ روزہ۔ حمد الٰہی وغیرہ ساری چیزیں عبادت میں آ گئیں پھر عبادات میں ان کا ذکر الگ کیوں فرمایا

کہ ارشاد ہوا الحامدون السائحون (الخ)

جواب: یہ ظاہر فرمانے کے لئے یہ اعمال عبادات میں بہت اہم ہیں اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے علیحدہ فرمایا گیا۔

**چوتھا اعتراض:** نماز کیلئے رب نے اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد فرمائی الراکعون الساجدون مصلون فرما دینا کافی تھا۔

جواب: یا اس لئے کہ نماز میں یہ دو رکن بہت اہم ہیں نہ قیام اور بیٹھنا نماز کے علاوہ اور کاموں کے لئے بھی ہو سکتا ہے مگر رکوع سجدہ صرف نماز میں ہی ہوں گے۔ کسی بندے کے سامنے ادب کے لئے قیام اور بیٹھنا جائز ہے مگر رکوع و سجدہ خدا کے سوا کسی کے لئے یا حرام ہے یا کفر نیز گذشتہ اکثر دینوں کی نماز میں رکوع نہ تھا ان وجوہ سے ان دو کا ذکر ہوا۔

**پانچواں اعتراض:** رب تعالیٰ نے ان توصفوں کو اس طرح بیان فرمایا کہ سات کو بغیر واؤ کے اور دو کو واؤ سے والناھون والحافظون اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔

جواب: مفسرین نے اس فرق کی چند وجہیں بیان فرمائی ہیں۔ (١) الساجدون تک کی عبادت مبتداء ہے اس طرح کہ التائبون موصوف اور باقی پانچ اس کی صفات اور الامرون سے آخر تک خبر موصوف اور اس کی صفات کے درمیان واؤ نہیں آ سکتا الامرون مع اپنے معطوفوں کے خبر اور معطوفوں پر واؤ چاہئے۔ (٢) اہل عرب سات تک اعداد کو ایک سلسلہ میں شمار کرتے ہیں۔ اس کے بعد کے اعداد کو دوسرے سلسلہ میں۔ الامرون بالمعروف تک سات عدد پورے پورے ہوئے ایک سلسلہ ختم ہوا اور الناھون سے آٹھویں صفت شروع ہوئی۔ جو دوسرے سلسلہ کا عدد ہے۔ اس فرق کو ظاہر فرمانے کے لئے پہلے سلسلہ کو بغیر واؤ بیان کیا دوسرے سلسلہ کو واؤ سے رب فرماتا ہے ثیبات و ابکارا دیکھو ثیبات پر سات صفات پوری ہو گئیں تو آٹھویں پر واؤ آ گیا۔ اور فرماتا ہے وثامنھم کلبھم۔ دیکھو ثلثة رابعھم کلبھم وغیرہ میں واؤ نہ آیا ثامنھم سے پہلے واؤ آیا اور فرماتا ہے وفتحت ابوابھا دیکھو جنت کے دروازے آٹھ ہیں تو واؤ لایا گیا۔ دوزخ کے دروازے سات ہیں تو وہاں واؤ نہ آیا۔ بلکہ فتحت ابوابھا ارشاد ہوا (روح البیان کبیر معانی وغیرہ) (٣) اچھی باتوں کا حکم دینا۔ اور بری باتوں سے روکنا۔ گویا ایک وصف کے دو جز ہیں پچھلی صفات علیحدہ علیحدہ ہیں۔ یہ فرق دکھانے کے لئے وہاں واؤ نہ آیا اور یہاں واؤ آیا۔ واللہ اعلم لخصیات امورہ۔

**تفسیر صوفیانہ:** مومنین کے اعمال تین قسم کے ہیں۔ (١) اعضاء ظاہری کے کام جنہیں افعال جوارح کہتے ہیں (٢) دل کے دماغ کے کام جنہیں افعال قلب کہتے ہیں (٣) اخلاقیات پہلی قسم کے افعال کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ دوسرے دو قسم کے افعال کتابوں میں نہیں بلکہ اللہ والوں کی صحبت سے ملتے ہیں یہ آیت کریمہ ان تینوں قسم کے کاموں کی جامع ہے پھر اس آیت کے دو جز ہیں پہلے جز میں تفصیل ہے آخری جزء والحافظون لحدود اللہ میں اجمالا سارے اعمال بیان کر دیئے یہ ایک جز ساری ہی شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ معرفت کی جامع ہے ہر چیز حد میں رہے تو فائدہ مند حد سے بڑھے تو سخت نقصان دہ۔ آگ چولہے میں مفید ہے یہ چولہے کے باہر بکھرے تو عذاب۔ دریا کا پانی حد میں رہے تو رحمت ہے کناروں سے نکلے تو سیلاب۔ یونہی انسان اور اس کے ظاہری باطنی عضو اطاعت کی حد میں رہیں تو رحمت ورنہ عذاب امام احمد غزالی نے اپنے بھائی محمد غزالی سے فرمایا کہ تمہارے سارے علوم ان دو لفظوں میں جمع ہیں۔ تعظیم امر اللہ اور شفقت علی الخلق۔ حضرت خلف ابن ایوب نے آدمی

رات کو اپنی بیوی سے کہا کہ بچے کا دودھ اس وقت سے چھڑا دو۔ وہ بولیں صبح کو چھڑا دوں گی فرمایا۔ اس وقت اس کی عمر پورے دو سال ہوئی اب دودھ پلانا حد الٰہی توڑنا ہے۔ اور یہی آیت تلاوت کی۔ والحافظون لحدود الله (از روح البیان) حضور انور ﷺ تاقیامت سارے متقی مومنوں کے بشیر ہیں۔ ہم انہیں کی بشارت پر خوش ہو جاتے ہیں۔ دیکھو گیارہواں فائدہ۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا

نہیں ہے واسطے نبی کے اور ان لوگوں کے جو ایمان لائے یہ کہ دعاء مغفرت کریں

نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں

لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

واسطے کافروں کے اگرچہ ہوں وہ قرابت والے اس کے بعد کہ ظاہر ہو گیا

اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں جب کہ انہیں کھل چکا کہ دوزخی ہیں

لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ

واسطے ان کے کہ تحقیق وہ دوزخ والے ہیں اور نہیں تھا بخشش مانگنا

اور ابراہیم کا اپنے باپ

إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ

ابراہیم کا واسطے باپ کے اپنے مگر اس وعدے سے جو وعدہ کیا تھا اس نے ان سے

کی بخشش چاہنا وہ تو نہ تھا مگر ایک وعدے کے سبب جو ان سے

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ

پس جب ظاہر ہو گیا واسطے ان کے تحقیق وہ دشمن ہے اللہ کا تو بیزار ہوئے اس سے بیشک ابراہیم

کر چکا تھا پھر جب ابراہیم کو کھل گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس نے تنکا توڑ دیا بیشک ابراہیم

لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴿۱۱۴﴾

والے حلم

ضرور آہیں کرنے والا متحمل ہے۔

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں قابل عمل اعمال کا ذکر ہوا۔ توبہ عبادت۔ حمد الٰہی وغیرہ اب ناقابل عمل کام ذکر ہے۔ جس سے

ہر مسلمان کو بچنا چاہیے۔ یعنی کفار کے قرابتداروں کے لئے دعا مغفرت گویا روحانی غذاؤں کے بعد روحانی پرہیز کا تذکرہ ہے۔

**دوسرا تعلق:** گذشتہ پچھلی آیات میں زندہ کفار و منافقین سے بے تعلق رہنے بلکہ نفرت کرنے کا تاکیدی حکم ہے گویا زندہ کفار سے نفرت کے بعد مردہ کفار سے نفرت کا ذکر ہے۔ تاکہ ان سے مکمل علیحدگی ہو۔ (تفسیر کبیر)

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو کفار پر جہاد کا حکم دیا گیا۔ یقاتلون فی سبیل اللہ (الخ) اب حکم ہے کہ اپنے قرابت دار کفار کو بعد موت دعاء خیر سے یاد نہ کرو۔ یعنی زندگی میں ان سے نہ ملو۔ اور ان کی موت کے بعد نہ ان پر افسوس کرو نہ انہیں دعائیں دو۔

**شان نزول:** ان آیات کے نزول کے متعلق چند روایتیں ہیں۔ (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو سنا جو اپنے فوت شدہ مشرک ماں باپ کے لئے دعاء بخشش کر رہا ہے کہ خدایا انہیں بخش دے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تو مشرکوں کے لئے دعاء مغفرت کر رہا ہے۔ وہ بولا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے مشرک باپ (چچا) کے لئے دعاء مغفرت کی تھی آپ نے یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ اس پر دونوں آیتیں نازل ہوئیں۔ (تفسیر خازن۔ نسائی۔ ترمذی۔ طبری) (۲) بعض صحابہ نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ ہمارے بعض باپ دادا اپنی زندگی میں بہت اچھے کام کرتے تھے۔ قیدیوں کو چھڑانا۔ وعدے پورے کرنا۔ قرابت داروں سے سلوک لوگوں کو امان دینا وغیرہ مگر وہ مرے شرک پر۔ کیا ہم ان کے لئے دعاء مغفرت کریں۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن) (۳) ابوطالب کی وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے اور فرمایا چچا اب بھی کلمہ پڑھ لو۔ تاکہ میں تمہاری شفاعت کروں۔ وہاں پہلے سے ہی سرداران قریش ابوجہل۔ عبداللہ بن ابی اوفی وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے ابوطالب اب مرتے وقت اپنے باپ دادوں کے دین سے پھر جاؤ گے۔ دو طرف یہ ہوتا رہا کہ حضور انور دعوت اسلام دیتے رہے ابوجہل وغیرہ روکتے رہے ابوطالب نے آخری کلام یہ کیا کہ میں اپنے خاندان کی ملت پر ہوں۔ اور فوت ہوگئے۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے اس وقت تک دعاء مغفرت کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے منع نہ کیا جائے۔ اس پر آیت کریمہ نازل ہوئیں۔ (بخاری۔ احمد ابن شیبہ۔ مسلم۔ نسائی۔ ابن جریر ابن منذر بیہقی تفسیر روح المعانی۔ روح البیان۔ خازن۔ کبیر وغیرہ۔) یہاں تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ ابوطالب نے حضور انور ﷺ کو جواب دیا کہ اگر مجھے قوم کے طعنہ کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میرے مرنے کے بعد لوگ کہیں گے کہ موت کے خوف سے بھتیجے پر ایمان لائے۔ تو میں ضرور کلمہ پڑھ لیتا اور انہیں خوش کر دیتا۔ حضور انور ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے۔ حضرت عباس وہاں رہ گئے۔ انہوں نے ابوطالب کے ہونٹ ہلتے دیکھے وہ کلمہ پڑھ رہے تھے کہ ان کی جان نکل گئی۔ جناب عباس نے حضور انور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ابوطالب نے کلمہ پڑھ لیا۔ (روح المعانی) (۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی جو دے دی گئی اور حضور ﷺ نے زیارت کی پھر ان کے لئے دعاء مغفرت کی اجازت چاہی اس پر آیت کریمہ نازل

ہوئی۔ جس میں حضور کو اس سے روک دیا گیا۔ (اس پر حضور بہت روئے اور صحابہ کرام کو رلایا۔ (تفسیر خازن و روح المعانی وغیرہ) (۵) ایک بار حضور انور نے فرمایا کہ میں اپنے والد کے لئے دعاء بخشش کروں گا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ (چچا) کے لئے دعاء مغفرت کی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئیں (خازن) اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں۔ مگر پہلی روایات قوی ہیں آخری دو ضعیف ہیں۔

**خیال رہے:** کہ حسین ابن فضل نے فرمایا کہ ابو طالب کی وفات ہجرت سے تین سال پہلے ہے یعنی نبوت کے دسویں سال اور سورۂ توبہ وفات شریف سے کچھ پہلے ہے۔ یعنی ابو طالب کی وفات سے قریباً بارہ برس بعد پھر ان کی وفات پر یہ آیات کیسے نازل ہو سکتی ہیں۔ نیز سوال یہ ہے کہ اتنے دراز عرصہ تک حضور انور ﷺ ابو طالب کے لئے دعا مغفرت کرتے رہے یا نہیں۔ اگر نہ کرتے رہے تو آیت نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اگر کرتے رہے تو اتنے دنوں تک رب تعالیٰ نے ایک ناجائز کام حضور انور ﷺ کو کیوں کرنے دیا اور حضرت آمنہ کی وفات تو حضور انور ﷺ کے بچپن شریف ہی میں ہوئی۔ اس کے متعلق اس آیت کا نزول بہت ہی عجیب ہے۔ یہ بھی

**خیال رہے:** کہ اس بارے میں طبرانی ابن سعد اور ابن شاہین وغیرہ نے جس احادیث نقل کی ہیں کہ یہ آیت حضرت آمنہ کے متعلق نازل ہوئی سب ضعیف ہیں امام ذہبی نے مستدرک میں کہا کہ ان احادیث کی اسناد میں ایوب ابن ہانی ہے جسے ابن معین نے ضعیف کہا لہذا یہ آیت حضرت آمنہ کے متعلق ہرگز نہیں نہ حضرت عبداللہ سے اس کا کوئی تعلق۔ حضور ﷺ کے والدین کا ایمان و اسلام قرآن مجید سے ثابت ہے **ومن ذریتنا امة مسلمة** اور آگے ہے **ربنا وابعث فیھم رسولا** (الخ) (از تفسیر خزائن العرفان) ہم حضور کے والدین کریمین کے ایمان کی بحث پارہ اول آیت **ولا تسئل عن اصحاب الجحیم** کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ فقیر کے نزدیک پہلی اور دوسری روایت اس کے شان نزول کے متعلق قوی ہے از آدم علیہ السلام تا حضرت عبداللہ حضور انور ﷺ کی نسل پاک میں نہ کوئی مشرک ہوا نہ کسی نے زنا کیا۔ اس نسل کو اللہ نے کفر و زنا سے محفوظ رکھا۔ دیکھو پارہ اول۔

**تفسیر:** **ما کان للنبی والذین امنوا** ۔ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے کان کے بعد **لائقا** یا **جائزا** پوشیدہ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ **النبی** سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کہ قرآن مجید میں عموماً النبی اور الرسول سے مراد حضور انور ﷺ ہی ہوتے ہیں **والذین امنوا** سے مراد از صحابہ کرام تا روز قیامت سارے مسلمان ہیں نو مسلم ہوں یا پرانے اس لئے **المومنین** نہ فرمایا بلکہ **الذین امنوا** ارشاد ہوا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے ایمان لے آنے والوں کو یہ جائز یا لائق نہیں ہے اور اگر **النبی** سے مراد متعلق نبی ہوں اور **الذین امنوا** سے مراد ان سب کے امتی تو معنی یہ ہوں گے کہ کسی نبی اور کسی مومن کو یہ کبھی جائز نہیں ہوا کہ **ان یستغفروا للمشرکین** یہ عبارت **ما کان** کا اسم ہے۔ استغفار کے معنی ہیں دعائے بخشش کرنا **المشرکین** سے مراد سارے ہی کفار ہیں خواہ بت پرست ہوں یا یہودی یا عیسائی یا دہریئے وغیرہ قرآن مجید میں اکثر مشرکین سے مراد کفار ہوتے ہیں اور شرک سے مراد کفر دیکھو رب فرماتا ہے **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء** ۔ اللہ شرک

کو نہ بخشے گا اس کے سواء جسے چاہے گا بخش دے گا۔ وہاں بھی شرک سے مراد کفر ہے کیونکہ نہ شرک یعنی بت پرستی کی بخشش بھی
ناممکن ہے۔ خیال رہے کہ کافر کی بخشش یعنی اس کا جنتی ہو جانا ممکن ہے۔ ہاں بعض کفار کا عذاب ہلکا ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ان کی
ولو کانوا اولی قربی۔ اس فرمان عالی کا تعلق مشرکین سے ہے اولی جمع ہے
یعنی اگرچہ کفار مسلمان کے رشتہ دار ہوں۔ ان کے دنیاوی حق ادا کرو مگر ان کی
ہم اصحاب الجحیم۔ اس فرمان عالی کا تعلق ماکان سے ہے یعنی اس دعاء

اب تک تو قانون اسلام ارشاد ہوا۔ اب ایک شبہ کا جواب دیا جارہا ہے وما کان

مغفرت نہیں بلکہ مومن کے لئے ہے اب تک تو قانون اسلام ارشاد ہوا۔ اب ایک شبہ کا جواب دیا جارہا ہے وما کان
استغفار ابراھیم لابیہ اس فرمان عالی کا اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے کہ حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی واغفر لابی
انہ کان من الضالین۔ یہاں ابیہ سے مراد حضرت ابراہیم کا چچا آزر ہے کہ وہ بت پرست۔ بت تراش۔ بت فروش تھا۔
آپ کے والد حضرت تارخ اور آپ کی والدہ متلی دونوں مومن تھے۔ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ اس فرمان عالی میں
حضرت ابراہیم کی دعا کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے۔ اس میں الا بمعنی لیکن ہے اور عن بمعنی وجہ اور موعدہ مصدر ہے وعد یعد کا
بمعنی وعدہ اس جملہ کی تین تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وعدہ کا فاعل حضرت ابراہیم ہیں اور ایاہ سے مراد آزر اور وعدہ سے
مراد وہ وعدہ ہے کہ آزر نے آپ کو دھمکایا کہ لارجمنک واھجرنی ملیا۔ اے ابراہیم تم مجھے تبلیغ نہ کرو ورنہ میں تم کو رجم
یعنی سنگسار کردوں گا تو آپ نے اس دھمکی کے جواب میں فرمایا سلام علیک ساستغفر لک ربی انہ کان بی
حفیا۔ تو مجھے رجم کرنا چاہتا ہے مگر میں تو تیرے لئے دعاء مغفرت ہی کروں گا۔ رب تعالیٰ مجھ پر مہربان ہے اس رحم و کرم کا
ظہور حضور کی ذات میں تھا۔ شعر۔

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں  سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

یہ وعدہ پورا کرنے کے لئے آپ نے فرمایا واغفر لابی الٰہی میرے باپ (چچا) کو بخش دے۔ دوسرے یہ کہ آپ
نے اس کے لئے دعاء مغفرت بشرط ایمان کی یعنی الٰہی اسے ایمان کی توفیق دے۔ اسے مسلمان کر کے بخش دے۔ تیسرے
یہ کہ وعدہ کا فاعل آزر ہے ایاہ سے مراد ابراہیم علیہ السلام (یعنی آزر نے حضرت ابراہیم سے وعدہ کیا کہ میں ایمان قبول کروں
گا تو آپ نے اس کے لئے دعاء مغفرت کی (تفسیر خازن۔ روح المعانی۔ کبیر و خزائن العرفان) ایک قرأۃ میں اباہ ہے ب
سے مگر وہ قرأۃ شاذہ ہے عام قرأۃ ایاہ ی سے ہے فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبرا منہ اس فرمان عالی میں دعاء ابراہیمی کا
انجام کا ذکر ہے یعنی جب آپ پر ظاہر ہو گیا کہ آزر تو اللہ کا دشمن ہے تو آپ دل سے اس سے متنفر ہو گئے اور دعا بند کر دی۔
آپ کو یہ بات کیسے ظاہر ہوئی۔ اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ آپ پر وحی آ گئی کہ آزر کفر پر مرے گا۔ دوسرے یہ کہ آزر کفر پر

مر گیا تب آپ نے دعا بند کر دی۔ خیال رہے کہ آذر آپ کی ہجرت سے پہلے ہی آپ کے سامنے مر چکا تھا۔ اس کی موت کے بعد آپ نے عراق سے فلسطین کی طرف ہجرت کی۔ پھر فلسطین پہنچنے کے بعد آپ کو بڑھاپے میں رب نے اسماعیل و اسحاق جیسے شاندار بیٹے عطا کئے اور آپ نے ان الفاظ سے شکر کیا الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسماعیل و اسحاق اور پھر اس شکریہ کے ساتھ یہ دعا کی رب اغفرلی ولوالدی وللمومنین ۔ وہاں اب نہیں فرمایا بلکہ والوالدی وہاں اس سے مراد آپ کے والد تارخ اور والدہ متلی بنت نمر ہیں اس سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ آپ کے والدین کریمین مومن ہیں جن کے لئے آپ نے اپنے بڑھاپے میں دعاء مغفرت کی والدین صرف سگے ماں باپ کو کہتے ہیں ان ابراھیم لاواہ حلیم اس فرمان عالی میں حضرت ابراہیم کی ایسی دو صفات بیان فرمائی جن سے دعا فرمانے کی وجہ معلوم ہوتی ہے۔ اواہ مبالغہ ہے تاوہ کا جس کا مادہ اوہ ہے تاوہ کے معنی آہ کھینچنا اواہ بہت آہیں زاریاں کرنے والے یہ وہ مبالغہ ہے جو باب تفعل کا آیا ہے شاعر کہتا ہے۔

اذا ما قمت ارحلها بلیل تاوہ اھۃ الرجل الحزین

بعض نے فرمایا کہ اوہ مبالغہ اہ یووہ اوھا کا جیسے قال یقول قولا سے قوال (روح المعانی) اوہ کے چودہ معنی ہیں بہت آہ و زاری کرنے والا۔ بہت دردِ دل والا۔ بہت سے خشوع خضوع یعنی عاجزی زاری کرنے والا۔ بہت دعائیں کرنے والا مومن تواب۔ (بہت توبہ کرنے والا۔ رحم والا۔ یقین والا۔ بہت تسبیح پڑھنے والا۔ بھلائی سکھانے والا۔ آگ سے بہت ڈرنے والا۔ برائی سے بہت ہی بچنے والا۔ (صاوی) حبشی زبان میں اواہ بمعنی رحیم و کریم۔ بخاری نے اپنی تاریخ میں فرمایا کہ اواہ وہ جس کا دل ہر وقت رب سے لگا رہے (تفسیر روح المعانی) یعنی ابراہیم علیہ السلام بہت دردِ دل والے حلم بردباری والے تھے اس لئے وہ آذر کی سخت کلامی سننے کے بعد دعائیں ہی دیتے تھے۔ لہذا اے مسلمانوں تم ان کے اس عارضی عمل کو اپنے لئے دلیل نہ بناؤ کہ تم بھی اپنے کافر باپ داداؤں کے لئے دعاء بخشش کرنے لگو۔

**خلاصہ تفسیر:** نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لائق ہے اور نہ مومنین کو جائز اور لائق ہے کہ وہ کفار کے لئے زندہ یا مردہ کے لئے واضح ہو جاوے کہ وہ دوزخی ہیں یا اس طرح کہ وہ کفر پر مر جاویں یا اس طرح کہ ان کے متعلق وحی الٰہی آ جاوے کہ وہ کفر پر مریں گے وہ اللہ کے علم میں کفار کے زمرہ میں ہیں۔ کوئی مسلمان اس سے دلیل نہ پکڑے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے باپ (چچا) آذر کے لئے دعاء مغفرت کی تھی۔ ان کی دعاء مغفرت کرنا اس وجہ سے تھا کہ آپ نے آذر سے مشروط وعدہ فرما لیا تھا کہ میں تیرے لئے دعائیں کروں گا۔ انہیں اس کے ایمان کی امید تھی۔ مگر جب انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ رب کا دشمن ہے۔ یا اس طرح کہ وہ کفر پر مر گیا اس طرح کہ آپ کو بذریعہ وحی بتا دیا گیا۔ کہ یہ دوزخی ہے کافر مرے گا تو آپ اس سے سخت متنفر ہو گئے پھر کبھی اس کے لئے دعاء مغفرت نہ کی بات یہ ہے کہ جناب ابراہیم بہت دردِ دل آہ و زاری کرنے والے حلم و بردباری والے تھے۔ اس وجہ سے اگرچہ آذر ان سے سخت کلامی کرتا تھا مگر آپ اس کے جواب میں دعائیں دیتے تھے۔ اس بات میں ان کی تقلید نہ کرو۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: الذین امنوا بالمومنین جیسے عام الفاظ میں نبی خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوا کرتے ان کے لئے النبی۔ الرسول وغیرہ الفاظ آتے ہیں یہ فائدہ للنبی و الذین امنوا فرمانے سے حاصل ہوا اگر الذین امنوا میں حضور انور ﷺ داخل ہوتے تو آپ کے لئے للنبی علیحدہ نہیں فرمایا جاتا۔ اس کی تحقیق سورہ بقر کے آخری رکوع امن الرسول بما انزال (الخ) میں کی جا چکی ہے۔

دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف بلا ضرورت صرف نام سے نہ کرو۔ بلکہ القاب سے کرو۔ صرف نام سے ذکر میں بے ادبی کا شائبہ ہے یہ فائدہ بھی للنبی سے حاصل ہوا کہ رب نے یہاں محمد نہ فرمایا۔

تیسرا فائدہ: مسلمان کسی کافر کو مرحوم یا رحمۃ اللہ علیہ یا رضی اللہ عنہ کہے کہ یہ سب دعاء مغفرت کے الفاظ ہیں اور ان کے لئے یہ دعا ممنوع ہے یہ فائدہ ان تستغفرو (الخ) سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: یونہی مشرکین کو ختم قرآن۔ صدقہ و خیرات وغیرہ کا ثواب بخشنا حرام ہے کہ اس میں بھی ان کے لئے دعاء مغفرت ہے بعض خوشامدی مسلمانوں نے گاندھی کے لئے ختم قرآن کرائے تھے۔ وہ سب گنہگار ہوئے اور اگر اس کی بخشش کی امید سے ایصال ثواب کیا تو کافر ہوئے کہ اس میں قرآنی آیت کا انکار ہے۔

پانچواں فائدہ: کفار کی بخشش ناممکن ہے۔ یعنی جو کفر پر مرجائے وہ جنتی نہیں ہوسکتا یہ فائدہ اصحاب الجحیم سے حاصل ہوا۔ رب تعالٰی فرماتا ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ اور فرماتا ہے۔ ان الذین کفرو و ظلموا لم یکن اللہ یغفرلھم۔

چھٹا فائدہ: کسی شخص کا مرتے وقت تک کافر رہنا اس کا اسلام ظاہر نہ ہونا اس کی علامت ہے کہ وہ کافر مرا۔ یہ فائدہ ہو من بعد ماتبین لہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ یونہی کسی کا مرتے وقت تک مومن رہنا۔ اس کا کفر ظاہر نہ ہونا۔ اس کے مومن مرنے کی علامت ہے لہذا یہ احتمال کہ شاید فلاں کافر مومن مرا ہو یا شاید فلاں مومن کافر مرا ہے محض باطل ہے۔ کفر و اسلام کے احکام ظاہر پر ہیں لہذا کسی مشرک کا کفن دفن نماز جنازہ پڑھنا کہ شاید وہ مسلمان ہو کر مرا ہو یا کسی مسلمان کا دفن کفن نماز نہ پڑھنا شاید وہ کافر مرا ہو محض باطل ہے۔

مسئلہ: اگر نزع کی حالت غشی میں کسی کے منہ سے کفر کی بات سنے تو اسے کافر نہ کہا جاوے گا کہ غشی نشہ۔ بے ہوشی کی حالت میں کفر منہ سے نکلنا کافر نہیں کرتا۔ دیکھو ایک صحابی نے نشہ کی حالت میں نماز مغرب میں سورہ کافرون پڑھی اور ہر جگہ لا چھوڑ گئی قرآن کریم نے فرمایا۔ لاتقربوا الصلوۃ و انتم سکاری مگر انہیں کافر نہ کہا یہ مسئلہ بھی من بعد ماتبین (الخ) سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: حضرت انبیاء کرام سے لوگوں کے اعتراض دفع کرنا ان کی صفائی بیان کرنا سنت الہیہ ہے یہ فائدہ وما کان استغفار ابراھیم (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو بعض لوگوں نے حضرت ابراہیم کے بارے میں فرمایا ما کان ابراھیم

یھودیا ولا نصرانیا۔ ان آیات کے ذریعے حضرات انبیاء کرام سے لوگوں کے طعنے دفع کیے گئے بلکہ حضرات اولیاء اللہ سے اعتراضات دفع کرنا ان کی صفائی بیان کرنا سنت الٰہیہ ہے۔ دیکھو یہود نے حضرت مریم کو بہتان لگایا تو رب تعالیٰ نے ان کی صفائی کے لئے سورۂ مریم اتاری منافقوں سے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کو تہمت لگائی تو آپ کی برأت کے لئے سورۂ نور نازل فرمائی۔ یہ ہے حمایت اولیاء۔

**آٹھواں فائدہ:** کفار بے دینوں سے اگرچہ وہ مسلمان کے قرابت داری ہوں بیزاری سنت ابراہیمی ہے یہ فائدہ تبرء منہ سے حاصل ہوا۔ ایک اجنبی دیندار پر ہزار بے دین قرابت دار قربان ہوں۔ شعر۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فدائے یک تن بیگانہ آشنا باشد

**نواں فائدہ:** حضرت ابراہیم علیہ السلام مظہر جمال الٰہی ہیں اور حضرت موسیٰ و نوح علیہ السلام مظہر جلال یہ فائدہ بھی تبرء منہ سے حاصل ہوا کہ آپ نے آذر سے مایوس ہو جانے پر بھی اس کے لئے بددعا نہ کی اس سے علیحدگی اختیار کی اس لئے رب نے انہیں حلیم فرمایا آپ نے نافرمانوں کے متعلق فرمایا ومن عصانی فانک غفور رحیم۔

**پہلا اعتراض:** کفار کے لئے دعاء مغفرت منع کیوں ہے جب کافر ماں باپ کی خدمت کرنا اچھا ہے تو چاہئے کہ ان کے لئے دعا کرنا بھی اچھا خدمت تو دعاء سے اعلیٰ ہے۔

**جواب:** اس لئے کہ اس دعا میں رب تعالیٰ سے درپردہ یہ عرض کیا جاتا ہے کہ تو اپنے کلام کو جھوٹا کردے۔ کیونکہ رب نے فرمایا کہ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشے گا۔ تم کہتے ہو کہ خدایا اسے بخش دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنا وہ کلام غلط کردے لہٰذا یہ دعا رب کی تکذیب کی دعا ہے۔ کسی ناممکن چیز کی دعا جائز نہیں۔ آج یہ دعاء کرنا کہ خدایا مجھے نبی کردے حرام بلکہ کفر ہے۔

**دوسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ کفار قرابت داروں کے لئے دعاء مغفرت تب ممنوع ہے جب کہ ان کا دوزخی ہونا ظاہر ہو جاوے بعد ماتبین لھم یہ تو غیبی چیز ہے ہمیں اس کا پتہ کیسے چلے۔

**جواب:** اس کی دو صورتیں ہیں ایک نبی ﷺ کی خبر کہ فلاں کافر مرے گا۔ دوسرے اس کا کفر سے بغیر توبہ کئے مر جانا اس کے لئے دعاء مغفرت کفر ہے اگر اس کی قبولیت کی امید رکھے۔ جیسے خلفاء راشدین اور صحابہ کرام خصوصاً عشرہ مبشرہ کو بد دعائیں دینا۔ ان پر لعن طعن کرنا صریح کفر ہے کہ اس میں رب تعالیٰ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ خلافی کا اعتقاد ہے۔ ابو جہل ابولہب کے جنتی ہونے کا احتمال کفر ہے۔ یوں ہی ان حضرات کے دوزخی ہونے کا احتمال کفر ہے۔

**تیسرا اعتراض:** ہوسکتا ہے کہ جسے ہم کافر سمجھتے ہیں وہ مومن ہو کر مرا ہو اس کا احتمال ہے اس کے لئے دعاء مغفرت میں کیا حرج ہے (عام بے دین) مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

ہیچ کافر رانجواری منگرید کہ مسلمان بودنش باشد امید

**جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔

**جواب:** الزامی تو یہ ہے کہ پھر مسلمان مردہ کو بھی جلا دینا جائز ہونا چاہیے کہ شاید وہ کافر ہو کر مرا ہو۔ جیسے وہاں زندگی کا ایمان مومن مرنے کی علامت ہے اسی علامت پر ایمان کے احکام جاری ہیں ایسے ہی وہاں زندگی کا کفر۔ کافر مرنے کی علامت ہے۔ اس شعر کا مطلب ہے کہ کسی زندہ کافر کے متعلق کافر رہنے کا یقین نہ کرو۔ ممکن ہے کہ رب تعالیٰ اسے ایمان کی توفیق دے دے۔ خیال رہے کہ عام مردہ کافروں پر نام لے کر لعنت نہ کی جاوے۔ ہاں یہ کہا جاوے کہ وہ لعنتی تھا۔ یعنی زندگی میں۔ ہاں جن کے کفر پر مرنے کی وحی آچکی جیسے فرعون۔ ہامان ابولہب وغیرہ ان پر نام لے کر لعنت جائز ہے۔

**چوتھا اعتراض:** ابراہیم علیہ السلام نے کافر آذر کے لئے دعاء مغفرت کا وعدہ کیوں فرمایا۔ حرام کام کا وعدہ کرنا بھی حرام ہے اور اگر وعدہ کر لیا تو پورا کرنا بھی حرام۔ آپ نے بری بات کا وعدہ کیا یہ بھی درست نہ تھا پھر اس وعدے کو پورا کیا یہ بھی جرم۔

**جواب:** اولاً تو اس میں گفتگو ہے کہ وعدہ کس نے کیا کس سے کیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وعدہ آذر نے کیا حضرت ابراہیم سے کیا۔ ایمان لانے کا اس وعدے پر آپ نے دعاء مغفرت کا وعدہ فرمایا۔ تب تو معاملہ ہی صاف ہے اور اگر آپ نے وعدہ کیا آذر سے تو کیا وعدہ کیا یہ کہ میں تیرے ایمان اور مغفرت کی دعا کروں گا کہ خدایا اسے ایمان اور معافی دے تب بھی صاف ہے اور اگر آپ نے دعاء کا وعدہ بغیر شرط ایمان کیا تو اس وقت کیا جب کہ دعا مشرکوں کے لئے ممنوع نہ تھی۔ جیسے ہمارے حضور نے عبداللہ ابن ابی کا جنازہ پڑھا جب کہ یہ ممنوع نہ تھا۔ بہر حال آپ پر کوئی اعتراض نہیں۔

**پانچواں اعتراض:** حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آذر کا دشمن خدا ہونا کب اور کیسے معلوم ہوا۔ فلما تبین له انه عدو الله کا مطلب کیا ہے۔

**جواب:** ظاہر یہ ہے کہ اسکے کفر پر مرجانے سے یہ ظاہر ہوا آپ اس کے مرنے کے بعد عراق سے ہجرت کر کے شام روانہ ہوئے۔ بعض نے کہا کہ آپ کو اس کی زندگی میں ہی بتا دیا گیا تھا کہ یہ کفر پر مرے گا۔ اس وحی سے آپ کو یہ علم ہوا مگر اول بات قوی ہے۔

**چھٹا اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن آذر سے ملیں گے۔ آخر کار بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے کہ الٰہی تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو مجھے قیامت میں رسوا نہیں کرے گا۔ اس سے بڑھ کر میری رسوائی اور کیا ہوگی میرا باپ (چچا) دوزخ میں جاوے تب ارشاد الٰہی ہوگا کہ میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے۔ پھر اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اگر آپ دنیا میں اس سے بیزار ہو چکے تھے۔ تو قیامت میں اس کی یہ شفاعت کیسی۔ قرآن اور حدیث میں تعارض ہے یہ حدیث بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی۔

**جواب:** حافظ ابن حجر وغیرہم نے اس اعتراض کے چند جواب دیئے ہیں۔ فقیر کے نزدیک قوی جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کا قیامت میں یہ عرض کرنا اس کی شفاعت کے لئے نہیں۔ بلکہ معاملہ صاف کرنے کے لئے ہوگا کہ اس کے عذاب سے میری عظمت کو دھبہ نہ لگے۔ اس حدیث میں شفاعت کا ایک لفظ نہیں۔ جیسے نوح علیہ السلام نے کنعان کے ڈوب جانے

کے عرصہ کے بعد عرض کیا تھا رب ان ابنی من اهلی الٰہی وہ تو میرے گھر والوں میں سے تھا۔ اس کا مقصد بھی اس کی شفاعت نہیں وہ تو ڈوب چکا بلکہ رب سے یہ کہلوا کر انہ لیس من اهلک قوم کے سامنے اپنی حمایت صاف کرنے کے لئے ایسے خوب سمجھ لو۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت سے مقصود ہے مسلمانوں کو مشرکین کے لئے دعاء مغفرت سے باز رکھنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف اس مسئلہ کی اہمیت کے لئے ہے۔

خیال رہے: کہ ہم لوگ مومن یعنی ایمان والے اور اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومن گرہ ہیں یعنی ایمان والے۔ ان دونوں میں تضاد ہے۔ لہٰذا ایک لفظ مومن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امت مراد نہیں ہو سکتے اس لئے النبی الگ ارشاد ہوا۔ اور الذی امنوا الگ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کفر اور مغفرت گرمی اور ٹھنڈک نور و ظلمت کی طرح ضدیں ہیں۔ جن کا اجتماع ناممکن ہے اور ناممکن چیز کی دعاء ممنوع ہے۔ کوئی کافر کسی مومن کا رشتہ دار قرابتدار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ روحانی منقطع ہے حتی کہ کافر و مومن اگرچہ باپ بیٹے ہوں مگر ایک دوسرے کی میراث نہیں پا سکتے۔ عاص بن وائل اگرچہ صاحب اولاد تھا مگر رب نے اسے ابتر فرمایا یعنی اوتر لاولد ان شانئک هو الابتر۔ ایمان کی حقیقت ہے محبت رسول، کفر کی حقیقت ہے عداوت رسول۔ رسول کا دشمن خدا کا دشمن ہے دیکھو یہاں آذر کو عدو للہ فرمایا کیونکہ وہ حضرت ابراہیم کا دشمن تھا۔ یونہی رسول کا پیارا خدا کا پیارا ہے۔

| |
|---|
| وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى |
| اور نہیں ہے کہ اللہ گمراہ کرے کسی قوم کو پیچھے اس کے کہ ہدایت دے انہیں یہاں |
| اور اللہ کی شان نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کر کے گمراہ فرمائے جب تک |
| يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ |
| تک کہ خوب بیان کردے واسطے ان کے کہ وہ بچیں تحقیق اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے |
| انہیں صاف نہ بتادے کہ کس چیز سے انہیں بچنا چاہیے بیشک اللہ سب کچھ جانتا ہے |
| اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ |
| تحقیق اللہ اسی کا ہے ملک آسمانوں اور زمین کا زندہ کرتا اور موت دیتا ہے |
| بے شک اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت جلاتا ہے اور مارتا ہے |
| وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ |
| اور نہیں تمہارے لیے اللہ کے مقابل کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار |
| اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی والی اور نہ کوئی مددگار |

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں مردہ کافروں پر انتہا غضب کا اظہار فرمایا گیا کہ کوئی ان کے لئے بخشش کی دعا بھی نہ کرے اب اس غضب کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں سب کچھ بتا دیا تھا پھر وہ جان بوجھ کر کافر رہے ان پر یہ سختی ظلم نہیں بلکہ عین عدل و انصاف ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو مشرکین و کفار کے لئے دعاء مغفرت سے سختی سے روکا گیا تھا اب ارشاد ہے کہ اس ممانعت سے پہلے جو مسلمان ان کے لئے دعاء مغفرت کرتے رہے وہ معاف ہے اس پر پکڑ نہیں۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیات سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو کفار سے بالکل بے تعلق چاہئے حتی کہ ان کے مردوں سے دعا کا تعلق بھی نہ رکھیں جس سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان پھر کس سے ملیں۔ ساری دنیا تو کافروں سے بھری ہوئی ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ تم دنیا بنانے والے رب اس کے محبوب اور اولیاء اللہ سے تعلق رکھو۔ کفار کے محتاج نہ رہو گویا سخت حکم کے بعد اس کا اچھا انجام بیان ہو رہا ہے۔ یعنی اللہ رسول کا مل جانا۔

**شان نزول:** ان آیات کے نزول کے متعلق دو روایتیں ہیں (۱) جب گذشتہ آیات نازل ہوئیں جن میں کفار کے لئے دعائے مغفرت سے روکا گیا تب صحابہ کی ایک جماعت بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوئی کہ یا رسول اللہ ہم تو اس سے پہلے عرصہ تک اپنے مردہ کافر باپ دادوں کے لئے بخشش کی دعائیں کرتے رہے ہیں ہمارا کیا بنے گا تب یہ آیات نازل ہوئیں۔ جن میں فرمایا گیا وہ سب کچھ معاف ہے کہ یہ قانون تو اب بنا ہے قانون بننے سے پہلے اس پر عمل نہیں کرایا جاتا۔ (۲) یہ آیات منسوخ احکام کے متعلق نازل ہوئیں کہ کچھ دیہاتی لوگ حاضر بارگاہ ہو کر مسلمان ہوئے اور اپنے وطن چلے گئے اور وہاں پہنچ کر شراب پیتے رہے بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھتے رہے کچھ عرصہ بعد پھر مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے تو پتہ لگا کہ عرصہ سے شراب حرام ہو چکی ہے اور قبلہ تبدیل ہو چکا ہے وہ مغموم ہو کر بولے کہ یا رسول اللہ ہم تو اور ہی دین پر رہے شراب پیتے اور بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھتے رہے ہمارا حکم کیا ہے تب یہ آیات نازل ہوئیں۔ جن میں انہیں تسلی دی گئی کہ وہ سب کچھ معاف ہے کیونکہ تم تک یہ احکام پہنچے نہ تھے۔ امام کلبی نے فرمایا۔ پہلا قول عام مفسرین کا ہے (تفسیر خازن۔ معانی)

**تفسیر:** **وما كان الله ليضل قوما بعد اذهم** ۔ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے لہذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **ليضل** بنا ہے اضلال سے اس کی چند معنی ہیں گمراہ کرنا گمراہیوں میں داخل کرنا۔ گمراہ سمجھنا یا کہنا یہاں دوسرے معنی میں ہے معانی اقسام۔ احکام ہم سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں **اهدنا الصراط المستقيم** کی تفسیر میں عرض کر چکے۔ یعنی اللہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہیوں میں داخل نہیں فرماتا۔ ظاہر یہ ہے کہ ہدایت سے مراد سلام کی ہدایت ہے جو دنیا میں نبی کے ذریعہ ملتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد فطری ہدایت ہو۔ جو ہر بچہ رب کی طرف سے دنیا میں لاتا ہے۔ **حتى يبين لهم ما يتقون** ۔ یہ فرمان

عالی لیضل کی انتہا ہے بیان سے مراد بذریعہ پیغمبر بتانا ہے بذریعہ وحی جلی کے یا بذریعہ وحی خفی کے صراحۃ یا اشارۃ یا دلالۃ لہذا یہ ایک لفظ بہت جامع ہے۔ ما سے مراد عقائد۔ اعمال سب ہی ہیں۔ تقوی کے معنی ڈرنا بھی بچنا بھی۔ یعنی حتی کہ رب انہیں وہ برے عقائد و احکام ذریعہ پیغمبر بتا دے جن سے انہیں بچنا چاہئے پھر وہ ان سے نہ بچیں تو گمراہ یا کافر ہوں گے۔ قانون بننے یا ان تک پہنچنے سے پہلے ان پر نہ حکم کفر دیا جاوے نہ حکم گمراہی ان اللہ بکل شیء علیم ۰ یہ فرمان عالی گذشتہ فرمان کی وجہ یا علت ہے یعنی اللہ تعالی ہر چیز کو جانتا ہے اس کے علم میں ہے کہ کون مجبوری سے بے خبری کی وجہ سے کچھ کر رہا ہے اور کون سرکشی کی وجہ سے کس کو سزا دینی چاہئے کس کو معافی کون کس چیز کا مستحق ہے ان اللہ لہ ملک السموت والارض اس فرمان عالی میں ان لوگوں کی تسکین دی گئی ہے جو کہتے تھے کہ اگر ہم سارے کفار سے الگ ہو جاویں تو دنیا میں کیسے رہیں کہ اکثر تو کفار ہی ہیں اس کی تفسیر سورۂ بقر کے آخری رکوع میں للہ ما فی السموت والارض کی تفسیر میں کی جا چکی ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ لہ میں لام نفع کا نہیں بلکہ ملکیت کا ہے اور ملکیت سے مراد حقیقی دائمی ذاتی غیر عطائی ملکیت ہے۔ ظاہر سلطنت کو ملک کہا جاتا ہے باطن کو ملکوت جسم پر حکومت ملک ہے دل و جان دماغ پر راج ملکوت ہے اللہ تعالی ملک کا بھی ہے ملکوت کا بھی اس کے بندوں میں سے جو جس کا مالک ہے اس کی عطا سے ہے۔ یحی ویمیت یہ اس کے حقیقی مالک الملک ہونے کی دلیل ہے کہ وہ زندوں میں موت پیدا فرماتا ہے اور مردوں میں زندگی اور ان دونوں فعلوں کا مفعول پوشیدہ ہے زندگی و موت شخصی بھی ہوتی ہیں قومی بھی۔ جسم کی بھی جان و ایمان کی بھی۔ دائمی بھی عارضی بھی۔ یہ تمام زندگیاں اور موتیں اسی رب کے قبضہ میں ہیں جب اس کی یہ شان ہے تو اے بندو وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر ۔ اس فرمان عالی میں اس کی چوتھی صفت کا ذکر ہے ہم یہ بارہا عرض کر چکے ہیں کہ دون کے بہت معنی ہیں۔ سوا۔ مقابل۔ دور الگ اور بے تعلق ہو کر ان جیسی آیات میں دون بمعنی مقابل ہوتا ہے اور اگر بمعنی سوا ہو تو ولی اور نصیر سے مراد حقیقی ولی و نصیر ہیں۔ ولی بنا ہے ولی یا ولیت سے نصیر بنا ہے نصرت سے محبت و کرم کی بنا پر بچانے والا ولی ہے قوت و طاقت کے ذریعہ بچانے والا نصیر۔ یعنی اللہ کے مقابل ہیں کوئی تمہارا نہ تو دوست اور والی ہے نہ مددگار جو تم کو اللہ کے عذاب سے بچائے یا اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی ولی ہے نہ مددگار جو کوئی مدد وغیرہ کرتا ہے وہ رب تعالی کے اذن سے بلکہ مخلوق کی الفت و نصرت بھی رب کی طرف سے ہے۔ شعر۔

مولی تیری روٹھ سے میرا آدر کرے نہ کوئے ۔۔۔ در در کریں سہیلیاں میں مڑ مڑ دیکھوں توئے

**خلاصہ تفسیر:** رب تعالی کا قانون یہ ہے کہ لوگوں کو پیغمبر کے ذریعہ کرنے والے کام بھی بتا دیتا ہے اور بچنے والے کام بھی پھر جو شخص ان قوانین بننے جاننے کے بعد ان پر عمل نہ کرے وہ گمراہ یا کافر یا فاسق ہوتا ہے لہذا یہ نہیں ہو سکتا کہ رب تعالی قانون بنانے بتانے کے بغیر ان لوگوں کو گمراہ کر دے۔ انہیں کافر یا گمراہ قرار دے جنہیں برے کام اور ان سے بچنے کی اطلاع نہ دی ہو۔ اللہ تعالی ہر چیز کا جاننے والا ہے وہ جانتا ہے کہ بے خبر کون ہے اور خبردار ہو کر غدار کون۔ اے مسلمانو تم اس کا خیال رکھو کہ آسمانوں اور زمین کا مالک رب تعالی ہی ہے اس کی مالکیت خالقیت میں کوئی شریک نہیں وہ ہی چلاتا ہے وہ

ہی مارتا ہے اے مسلمانوں اگر تمہارے لئے تمام کفار سے الگ تھلگ ہو جاؤ تو یہ سارے مل کر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کہ ہم جو تمہارے ہیں لیکن اگر تم نے ہم کو اپنی حرکتوں ۔ کفار کی محبتوں سے ناراض کر لیا تو دنیا میں نہ کوئی دوست ہے نہ کوئی مددگار۔ لہٰذا تم سب کو راضی کرنے کی کوشش نہ کرو۔ رب کو راضی کرو۔

**مسئلہ:** دیوانے چھوٹے بچے شرعی احکام کے مکلف نہیں کیونکہ انہیں بے عقلی کی وجہ سے احکام پہنچے ہی نہیں۔

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** قانون بننے سے پہلے نہ کوئی کام فرض ہوتا ہے نہ حرام لہٰذا انسان اس وقت کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے سے گنہگار نہیں ہوتا۔ یہ فائدہ حتی یتبین (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو نماز کے فرض ہونے اور شراب حرام ہونے سے پہلے مسلمان نماز پڑھتے نہ تھے عموماً شراب پیتے تھے مگر گنہگار نہ ہوتے تھے۔

**دوسرا فائدہ:** یہ ہی حال عقائد کا ہی کہ اسلامی عقائد کی تفصیل فرمائی جانی سے پہلے کسی پر کسی عقیدہ کا ماننا لازم نہیں سوائے [illegible] کی تعلیم پہنچے یہ فائدہ ما کان لیضل قوما (الخ) سے

حرمت وممانعت نہ ملنا۔ اس کے حلال ہونے کی دلیل ہے۔

**ساتواں فائدہ:** ساری دنیا کا مالک، حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے کوئی دوسرا مالک حقیقی نہیں یہ فائدہ لہ ملک السموت والارض میں لہ کو مقدم فرمانے سے حاصل ہوا کہ اس مقدم کرنے سے حصر معلوم ہوا۔ جو کسی بندے کو ایک ذرہ کا مالک حقیقی مانے وہ مشرک ہے بلکہ دنیا کے عارضی مالکوں کا مالک بھی۔ رب تعالیٰ ہی ہے۔

**آٹھواں فائدہ:** مرضی الٰہی کے خلاف کوئی کسی کا نہ مددگار ہے نہ دوست یہ فائدہ وما لکم من دون اللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں بعد اذھم اھم کی قید کیوں لگائی قانون بنانے بتانے سے پہلے کوئی شخص بھی کسی جرم پر گنہگار نہیں ہونا چاہئے۔ خواہ مسلمان ہو یا کافر۔

**جواب:** اگر ہدایت سے مراد فطری ہدایت ہے جو میثاق کے دن ہر شخص کو دی گئی جس پر ہر بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر تو بات صاف ہے اور اگر شرعی ہدایت مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں مسلمانوں کو بھی کوئی جرم معتبر نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ کفار۔ ان پر تو شرعی احکام جاری ہوتے ہی نہیں۔

**دوسرا اعتراض:** کیا اسلامی قانون دنیا میں آنے سے پہلے لوگوں کو ڈکیتی۔ چوری۔ قتل وغیرہ جائز تھے۔ تو اسلام سے پہلے کفار عرب پر بچیوں کو زندہ دفن کرنے پر عتاب کیسا۔ رب فرماتا ہے واذا الموءدۃ سئلت بای ذنب قتلت۔

**جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی فوائد سے معلوم ہو گیا کہ یہ قاعدہ مظالم اور حقوق عباد کے متعلق نہیں جن کی برائی بھلائی عقل سے بھی معلوم ہو سکتی ہے یہ فرق خیال میں رہے۔ اور اگر اس حکم کا تعلق عقائد سے ہو تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں۔ غالباً اسی وجہ سے یہاں ضلال اور ہدایت کا ذکر ہے۔ نیز اس کا شان نزول بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضرت انبیاء کرام کے شرعی فرعی خصوصی احکام میں فرق ہے باقی عقائد اور معاملات وغیرہ تمام نبیوں کے سب لوگوں پر ماننا ضروری ہیں ڈکیتی چوری۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا ہر آسمانی دین میں جرم لہٰذا ان کا ماننا سارے لوگوں پر لازم ہے۔

**تیسرا اعتراض:** آج اگر کوئی شخص شرعی احکام سے بے خبر ہو اس وجہ سے وہ عمل نہ کرے کیا وہ بھی معذور ہے۔

**جواب:** ہرگز نہیں کیونکہ اب شرعی احکام تمام دنیا میں شائع ہو چکے ہیں اب جو بے خبر ہو گا اپنی کوتاہی سے ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم دین طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

**چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین اور ان کی چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں تو جو بھی کسی نبی۔ ولی کو ان میں سے کسی چیز کا مالک مانے وہ مشرک ہے۔ حتیٰ کہ تم ان کی بیع ہبہ کرایہ درست مانتے ہو۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ حقیقی ذاتی ملک صرف خدا تعالیٰ کی ہے عطائی۔ عارضی ملکیت مخلوق کو دی گئی ہے۔ رب حضرت سلیمان کے متعلق فرماتا ہے۔ واتیناہ ملکا۔ ہم نے انہیں بڑا ملک عطا فرمایا اور فرماتا ہے وسخرنا لہ الریح تجری بامرہ ہم نے ہوا ان کے تابع فرمان کر دی جو ان کے حکم سے چلتی تھی۔ بہر حال یہ آیت کریمہ اس آیت کے خلاف نہیں۔ انما ولیکم اللہ ورسولہ

والذین امنوا ۔تمہارا والی اللہ رسول اور مومنین ہیں اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کرو۔

**پانچواں اعتراض:** مرتے وقت ایمان لانا معتبر نہیں۔ فرعون نے ڈوبتے وقت کہا تھا آمنت بما امنت بہ بنو اسرائیل مگر قبول نہیں ہوا پھر حضرت آمنہ کو زندہ فرما کر انہیں کلمہ پڑھانا کیسے قبول ہو گیا۔

**جواب:** یہ مسئلہ کفار کے لئے ہے جو زندگی میں نبی کا انکار کرتا ہے مرتے وقت ایمان قبول کرے۔ حضرت آمنہ کافرہ نہ تھیں مومنہ تھیں۔ نیز یہ حضور انور ﷺ کی خصوصیت ہے قانون اور خصوصیت میں فرق ہوتا ہے۔ پھر حضور انور ﷺ کا انہیں کلمہ پڑھانا دیدار دکھانا دین محمدی میں داخل فرمانے اور انہیں صحابیہ بنانے کے لئے ہوا وہ بھی حضور کی خصوصیت ہے۔

**تفسیر صوفیانہ:** رب العالمین نے درد کے لئے دوا فریاد کے لئے نوا۔ بھوک کے لئے غذا۔ پیاس کے لئے پانی۔ تاریکی کے لئے روشنی۔ خشکی کے لئے بارش پیدا فرمائی ہے۔ اسی طرح گمراہوں کے لئے نبی اور گمراہی کے لئے نبوت و ہدایت پیدا فرمائی۔ جیسے یہاں ہدایت سے پہلے کسی کو گمراہ نہیں کیا جاتا۔ ایسے ہی ہادی کی تشریف آوری سے پہلے کسی کو گمراہ نہیں کیا جاتا۔ گمراہی کی اصل وجہ نبی کا انکار ہے اور انکار ان کی تشریف آوری کے بغیر ناممکن ہے۔ نبی کا اقرار ہدایت یعنی ایمان کا سرچشمہ ہے۔ ایسے ہی نبی کا انکار گمراہی کی جڑ نبی کا کسی چیز کو بیان فرمانا خود رب تعالیٰ کا بیان فرمانا ہے۔ یہ مطلب ہے اس فرمان کا کہ حتی یتبین لھم ما یتقون اللہ تعالیٰ اور اس کے صفات اور عیوب کو جانتا ہے۔ اسے خبر ہے کہ کس دل میں نور نبوت کی گنجائش ہے۔ اور کس میں نہیں مومن کے دل میں نبی اور نبی کا اسباب ایمان و تقویٰ وغیرہ رہتے ہیں۔ کافر کے دل میں ابلیس اور اس کا سامان۔ شعر۔

در دل مومن مقام مصطفیٰ است — آبروئے ما زنام مصطفیٰ است

آسمان یعنی نبیوں کی ہدایت بھی رب کی ملک اور زمین یعنی لوگوں کے دل بھی رب کا ملک ہے وہ ہی دلوں کو زندگی و موت بخشتا ہے مردہ جسم کے لئے کوئی حکیم ڈاکٹر نہیں مردہ دل کے لئے کوئی ولی و نصیر نہیں۔ شعر۔

سر کٹانے کی تمنا ہے تو سر پیدا کر — تیر کھانے کی ہوس ہے تو جگر پیدا کر

اگر یار کو بلانا ہے تو پہلے اس کا گھر یعنی دل اغیار کے گرد و غبار سے پاک صاف کر پھر دیکھ تیرے لئے نبی ولی بھی ہوں گے اور نصیر بھی

| |
|---|
| لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ |
| البتہ تحقیق توبہ ڈالی اللہ نے نبی پر اور مہاجروں پر اور انصار پر |
| بے شک اللہ کی رحمتیں متوجہ ہوئیں ان غیب کی خبریں بتانے والے اور ان مہاجرین |
| الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ |
| وہ کہ پیروی کی انہوں نے نبی کی تنگی والی گھڑی میں پیچھے سے اس کے کہ قریب |
| اور انصار پر جنہوں نے مشکل کی گھڑی میں ان کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ قریب |

يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ

تھے کہ کج ہو جاویں دل ایک گروہ کے کہ ان میں سے پھر توبہ ڈالی بیشک وہ ان پر بہت

تھا کہ ان میں کچھ لوگوں کے دل پھر جائیں پھر ان پر رحمت سے متوجہ ہوا بیشک

رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱۷﴾

| ہے | والا | رحم | مہربان | تھی |
|---|---|---|---|---|
| والا | رحم | مہربان | نہایت | پر | ان | وہ |

**تعلق**: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق**: بہت دور سے ان منافقوں کی برائیاں بیان ہوتی آ رہی ہیں جو غزوۂ تبوک سے غیر حاضر رہے اب ان کا خوش نصیب صحابہ کی تعریفیں ہو رہی ہیں جو اس میں حاضر ہوئیں کہ رب تعالیٰ نے اس حاضری کی برکت سے ان کی ساری خطائیں معاف فرمادیں۔

**دوسرا تعلق**: ابھی پچھلی آیت میں صحابہ کے ان اعمال کا ذکر ہوا جو بعد میں حرام کرائے گئے بعض مشرکین عزیزوں کے لئے دعاء مغفرت کرنا اور اب ان حضرات کے ان اعمال کا ذکر ہے جو غزوۂ تبوک میں حاضری کی برکت سے معاف ہو گئے یعنی وہاں کی حاضری سے سستی یا وہاں نہ جانے کا خیال کرنا گویا ایک قسم کی معافی کے بعد دوسری قسم کی معافی کا تذکرہ ہے۔

**تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لوگوں کے اعتراضات دفع کئے۔ وما کان استغفار ابراھیم (الخ) اب حضرات صحابہ سے لوگوں کے شبہات دفع کئے جا رہے ہیں کہ رب نے ان کی تمام خطائیں معاف فرمادیں۔

**تفسیر**: لقد تاب اللہ علی النبی چونکہ ان آیات کے مضمون کے انکاری اس زمانہ میں بھی موجود تھے اور اب بھی موجود ہیں اور آئندہ بھی پیدا ہوتے رہیں گے ان وجوہ سے اسے لام تاکید اور قد تحقیق سے شروع فرمایا تاب بنا ہے توبۃ سے۔ توبہ کے معنی ابھی کچھ پہلے بیان ہو چکے کہ اس کے معنی لوٹنا اگر اس کا فاعل بندہ ہو تو معنی ہوتے ہیں گناہ سے نیکی کی طرف لوٹنا اگر اس کے بعد گناہ کا ذکر ہو تو من یا عن سے استعمال ہوگا۔ جیسے الٰھی تبت من کل المعاصی تبت عنہ و تبرات اور اگر اس کے بعد اللہ کا نام ہو تو الی سے استعمال ہوتا ہے۔ توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا۔ اور اگر اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اس

[illegible]

نے چند حکمتیں بتائی ہیں (۱) حضور کا نام شریف صرف برکت کے لئے ہے اصل مقصود ہیں مہاجرین و انصار جیسے فان للہ خمسہ و للرسول میں اللہ تعالیٰ کا نام برکت کے لئے ہے۔ ورنہ نہ تو حضور انور ﷺ سے کوئی گناہ یا خطا سرزد ہوئے نہ ان کی توبہ کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ (۲) تاب کے معنی ہیں رحمت الٰہی متوجہ ہوئی چونکہ اللہ کی رحمت آتی ہے حضور انور ﷺ پر اور حضور کے ذریعہ سب میں تقسیم ہوتی ہے اس لئے پہلے حضور انور ﷺ کا ذکر ہوا۔ پھر مہاجرین و انصار کا۔ (۳) توبہ کے معنی ہیں گناہ سے بچانا بے گناہ بنانا یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہ سے معصوم رکھا اور مہاجرین و انصار کو محفوظ (۴) توبہ کے معنی ہیں خطا معاف کرنا یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار کی خطائیں معاف ہیں۔ جب حضور انور ﷺ غزوۂ تبوک کی طرف چلنے لگے تو منافقین نے بہانے بنا کر رہ جانے کی اجازت چاہی۔ حضور انور ﷺ نے اجازت دے دی یہ ہوئی خطاء اجتہادی رب تعالیٰ فرماتا ہے عفا اللہ عنک لم اذنت لھم (الخ) بعض مہاجرین و انصار نے سامان کی کمی۔ گرمی کی شدت۔ سفر کی درازی دیکھتے ہوئے رہ جانے کا خیال کیا یہ ہوئی ان کی خطا۔ مگر وہ لوگ رہے نہیں ساتھ روانہ ہو گئے رب نے یہ تمام خطائیں اس غزوہ کی شرکت کی برکت سے معاف فرما دیں۔ (تفسیر خازن۔ معانی۔ بیضاوی۔ تفسیر مدارک کبیر۔ روح البیان وغیرہ) مگر گناہ یا خطا وہ ہے جس سے رب نے منع کیا ہو۔ رب تعالیٰ نے حضور کو اس اجازت دینے سے منع نہیں کیا تھا پھر اجازت دینا خطا کیسے ہو گیا۔ پھر توبہ کرنے کو کہا۔ اور توبہ قبول کرنے کا کیا مطلب ہے۔ (۵) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار ہمیشہ توبہ و استغفار کرتے تھے استغفر اللہ (الخ) اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ رب تعالیٰ یہ تمام توبہ و استغفار قبول فرمائے اور آئندہ انہیں ان پر قائم رہنے کی توفیق دے۔ (جلالین وصاوی) بہر حال یہاں گناہ معاف کرنا ہی مراد نہیں۔ اعلحضرت قدس سرہ نے دوسری تفسیر پر ترجمہ فرمایا یہی توجیہ قوی ہے۔ لہٰذا بھی حضور انور ﷺ کا گناہ صغیرہ و کبیرہ سے معلوم ہوتا بلکہ کبھی آپ کا گناہ کا ارادہ بھی نہ کرنا کہ انبیاء کرام کسی گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتے قرآن مجید سے اور احادیث سے ثابت ہے۔ اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء ملاحظہ کرو۔ علی فرما کر اشارۃ فرمایا کہ توبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے طفیل مہاجرین و انصار پر نثار ہوئی۔ یہ اس دولہا کی نچھاور ہے۔ والمھاجرین و الانصار یہ عبارت معطوف ہے النبی پر مہاجر وہ لوگ جو رضاء الٰہی اور وصال مصطفوی کے لئے مدینہ آ کر بسے۔ انصار انہیں مدینہ میں بسانے والے چونکہ مہاجرین افضل ہیں انصار سے اس لئے ان کا ذکر انصار سے پہلے ہوا۔ انصار یا تو ناصر کی جمع ہے جیسے صاحب کی جمع اصحاب یا نصیر کی جیسے شریف کی جمع اشراف مدینہ والے۔ دو قبیلوں اوس اور خزرج کا یہ نام رب تعالیٰ نے رکھا (روح البیان) الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرہ ۔ یہ فرمان مہاجرین و انصار کی صفت ہے اتباع سے مراد ہے حضور انور ﷺ کے ساتھ رہنا۔ ہر طرح حضور کی مدد و خدمت کرنا ساعۃ بمعنی منٹ یا سیکنڈ یعنی گھنٹہ کا مقابل نہیں۔ بلکہ اس کے معنی ہیں۔ گھڑی اور موقعہ یا وقت عسرہ کے معنی ہیں تنگی شدت۔ اس کا مقابل ہے یسر بمعنی سہولت و آسانی ساعت عسرت سے مراد یا تو غزوہ تبوک ہے کہ اس غزوہ میں کھانے پینے اور سواری ہر چیز کی تنگی تھی۔ حتی کہ دس دس صحابہ ایک اونٹ کے اوپر باری باری سوار ہوتے تھے۔ ایک چھوارے کی گٹھلی چوس چوس کر پانی پی کر رات نکالتے

تھے۔ پیاس سے زبانیں باہر نکل پڑیں۔ پانی کا دور دور پتہ نہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا یارسول اللہ بارش کی دعا فرمائیں ہم لوگ پیاس سے جان بلب ہیں۔ فرمایا کیا تم یہ پسند کرتے ہو۔ عرض کیا ہاں حضور انور ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ادھر بادل اٹھا۔ خوب برسا۔ غازیوں نے پانی پیا۔ پلایا تمام برتن بھر لئے پتہ لگا کہ بادل صرف لشکر پر برسا باقی آس پاس کی تمام زمین خشک تھی۔ (خزائن۔ روح البیان۔ کبیر وغیرہ) ان وجوہ سے اسے تنگی کی گھڑی فرمایا گیا۔

**خیال رہے:** کہ غزوہ تبوک میں مجاہدین ستر ہزار تھے۔ گھوڑے بارہ ہزار اونٹ پندرہ ہزار (تفسیر خازن اور روح البیان) ان میں سے کچھ اونٹ کھالئے گئے۔ سخت بھوک کی وجہ سے۔ بعد میں حضور انور ﷺ کا معجزہ دکھانے میں برکت کا ظاہر ہونا۔ اور ہوسکتا ہے کہ تنگ گھڑی سے مراد سارے غزوات خصوصاً غزوہ خندق ہو کہ اس وقت بھی مسلمانوں پر بہت ہی تنگی تھی حتی کہ قرآن مجید نے فرمایا **وبلغت القلوب الحناجر** انکے دل گلے گھانٹوں میں آگئے (تفسیر کبیر) **من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منهم** ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی متعلق ہے **اتبعوہ** کے اس میں **ما** موصولہ ہے یزیغ بنا ہے زیغ سے بمعنی مائل ہو جانا۔ ہٹ جانا۔ فریق فرما کر یہ بتایا کہ یہ حال سب کا نہیں ہوا۔ بلکہ کچھ لوگوں کا کہ انہوں نے سفر کی سختی دیکھ کر واپس لوٹ جانے کا وسوسہ کیا مگر رب نے انہیں ہمت دی اور وہ حضور ﷺ کی ہمراہی پر ثابت قدم رہے اس لئے **کاد یزیغ** ارشاد ہوا خیال رہے کہ اس عبارت میں کاد کا اسم ضمیر شان اور یزیغ (الخ) اس کی خبر جب کاد کا اسم ضمیر شان ہو اور خبر جملہ ہو تو اس جملہ میں ایسی ضمیر ضروری نہیں جو اسم کی طرف لوٹے۔ لہذا آیت پر کوئی نحوی اعتراض نہیں (تفسیر روح المعانی روح البیان)

**ثم تاب علیهم** یہ فرمان عالی **لقد تاب الله** (الخ ۹ کی تاکید ہے اور نحویوں کے نزدیک تاکید پر ثم آسکتا ہے۔ تاب کا فاعل رب تعالیٰ ہے اور علیہم کی ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار کی طرف ہے یعنی اے مسلمانو! پھر غور سے سن لو کہ رب نے ان سب پر اپنی رحمت نچھاور فرمادی ان پر توبہ ڈال دی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ **علیهم** کی ضمیر **فریق منهم** کی طرف ہو۔ اس صورت میں یہ فرمان عالی معطوف ہے اور ثم حرف عطف یعنی ایک فریق کے دل ٹیڑھے ہونے کے قریب ہو گئے تھے کہ وہ تبوک کے سفر سے واپس ہونے کا ارادہ کر بیٹھے تھے۔ پھر رب تعالیٰ نے ان پر توبہ ڈال دی اور وہ اس ارادے سے باز رہے۔ (روح المعانی) **انه بهم رؤف رحيم**۔ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں گذشتہ فرمانوں کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے۔ یعنی اس توبہ و مہربانی کی وجہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ ان سب حضرات پر رؤف بھی ہے رحیم بھی۔ رافت و رحمت یا تو ہم معنی ہیں یا رافت بہت ہی بڑی مہربانی ہے اور رحمت عام مہربانی یا مصیبت کا دور کرنا رافت ہے اور نفع دینا رحمت (روح المعانی)

**خلاصہ تفسیر:** رب ذوالجلال کی رحمتیں نثار ان نبی مختار ان کے صحابہ اخیار پر مہاجر ہوں یا انصار جنہوں نے اس پیارے کا مشکل گھڑی میں ساتھ نبھایا۔ یعنی غزوہ تبوک میں ان کے ساتھ گئے۔ حالانکہ وقت بھی گرم تھا۔ راستہ بھی دور دراز سواریوں کی کمی کھانے پینے کی قلت۔ ان تمام مشکلات کے باوجود انہوں نے نبی کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اس کے باوجود کہ اس موقعہ پر

راستہ میں ایک گروہ کے دل ڈولنے لگے تھے۔ مگر وہ ثابت قدم رہے حضور کے ساتھ رہے۔ اے لوگو پھر ان لوگوں نے ان سب پر توبہ ڈال دی ان پر رحمت نچھاور کر دی۔ کیونکہ رب تعالیٰ بہت مہربان بھی ہے کہ بندوں کی مصیبتیں دور فرماتا ہے اور رحم والا بھی کہ ان کے کام بناتا ہے اپنی نعمتیں دیتا ہے۔ خیال رہے کہ یہ ساری نعمتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکت سے ہیں۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** غزوۂ تبوک میں شرکت کرنے والے سارے صحابہ قطعی یقینی جنتی ہیں۔ جو ان کے جنتی ہونے میں شک کرے وہ اس آیت کریمہ اور اس جیسی بہت سے آیات کا منکر ہے۔ ان حضرات کا جنتی ہونا ایسا ہی یقینی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا کہ توحید الٰہی اور نبوت مصطفوی بھی قرآنی آیات سے ثابت ہے اور ان کا جنتی ہونا بھی اسی قرآن کی آیات سے ثابت ہے یہ فائدہ لقد تاب الله (الخ) سے حاصل ہوا کہ اس مضمون کو لام اور قد تاکید سے شروع فرمایا گیا۔

**دوسرا فائدہ:** توبہ کے لئے گناہ ضروری نہیں بغیر گناہ بھی توبہ کی جاتی ہے۔ حالانکہ کبھی نیکی کر کے بھی توبہ کی جاتی ہے کہ یہ نیکی اس بارگاہ عالی کے لائق نہیں ہوتی۔ یہ فائدہ بھی لقد تاب الله (الخ) سے حاصل ہوا کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر نہ تو حضور انور ﷺ سے کوئی خطا سرزد ہوئی نہ غازیوں سے مگر فرمایا گیا۔ لقد تاب الله۔ ایسے موقع پر توبہ کے معنی کچھ اور ہی ہوتے ہیں۔ جیسا کہا بھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔

**تیسرا فائدہ:** اللہ کی رحمتیں پہلے حضور انور ﷺ پر آتی ہیں پھر حضور کی طرف سے مخلوق میں تقسیم ہوتی ہیں۔ رب تعالیٰ حضور ﷺ پر برساتا ہے حضور انور ﷺ مخلوق پر۔ یہ فائدہ النبی والمهاجرين (الخ) کی ترتیب سے حاصل ہوا۔ اعلیٰحضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔ شعر۔

بر تو او باشد تو بر ما — تا ابد یہ سلسلہ ہو

**چوتھا فائدہ:** بندہ خواہ کسی درجہ اور کسی رتبہ و مقام کا ہو۔ توبہ ضرور کرے یہ فائدہ بھی لقد تاب الله على النبی (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء ہیں اور صحابہ کرام خصوصاً مہاجرین و انصار سید الاولیاء ہیں مگر ان کے لئے ارشاد ہوا تاب الله۔ نماز روزہ کی طرح توبہ بھی عبادت ہے۔

**پانچواں فائدہ:** سارے صحابہ جنت والے ہیں مگر مہاجرین افضل ہیں انصار سے۔ یہ فائدہ مہاجرین و انصار سے پہلے بیان کرنے سے حاصل ہوا کہ ترتیب ذکری ترتیب رتبی کی بنا پر ہے۔

**چھٹا فائدہ:** بندوں سے مدد لینا شرک نہیں بلکہ حق ہے یہ فائدہ و الانصار سے حاصل ہوا۔ اگر غیر اللہ سے مدد لینا شرک ہوتا تو انصار نام مشرکانہ ہوتا حالانکہ اوس اور خزرج کا نام انصار رسول اللہ نے رکھا۔ کیونکہ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کے مددگار تھے۔

**ساتواں فائدہ:** حضور انور ﷺ کی اتباع اللہ کی رحمتوں کا ذریعہ ہے جسے جو ملتا ہے حضور ﷺ کی اتباع سے ملتا ہے یہ فائدہ الذین اتبعوہ سے حاصل ہوا کہ اسے رب نے توبہ کی وجہ قرار دیا۔

**آٹھواں فائدہ:** آڑے وقت میں حضور انور ﷺ کا ساتھ دینا مشکلات میں مدد کرنا اس کا رب کی بارگاہ میں بڑا ہی درجہ ہے۔ یہ فائدہ **ساعۃ العسرۃ** سے حاصل ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق بعد رسل ساری خلق سے افضل کیوں ہیں کہ انہیں رب نے اولوالفضل فرمایا اس لئے کہ حضور ﷺ کے غار جیسی مشکل جگہ اور تمام آڑے وقتوں کے ساتھی ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین و دنیا میں ان کی ہمراہی نصیب کرے

**نواں فائدہ:** ارادہ گناہ گناہ نہیں جب تک کہ عزم بالجزم نہ ہو۔ یہ فائدہ **کاد یزیغ قلوب فریق منهم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہ ارشاد کیا کہ ایک فریق کے دل پھر جانے کے قریب تھے۔ یعنی انہوں نے تبوک کے راستہ سے واپس ہو جانے کا ارادہ کر لیا۔ مگر اس ارادہ پر عتاب نہ فرمایا۔ بلکہ پھر ثابت قدم رہنے کی تعریف کی۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی خطا ہوئی کہ آپ ﷺ نے منافقین کو مدینہ منورہ رہ جانے کی اجازت دے دی۔ اور مہاجرین و انصار سے بھی گناہ ہوئے کہ ان میں سے بعض تو رہ گئے جیسے حضرت کعب اور دو ان کے ساتھی۔ بعض نے رہ جانے کا ارادہ کیا۔ بعض راستہ سے لوٹنے لگے۔ پھر ان سب نے ان غلطیوں سے توبہ کی رب نے توبہ قبول کی ورنہ **لقد تاب اللہ** کے کیا معنی۔ قبول توبہ جب ہو جب بندہ توبہ کرے اور توبہ جب کرے جب گناہ کرے (بعض بے دین)

**جواب:** ہم نے اس قسم کے اعتراضات کے جواب اپنی کتاب عصمت انبیاء میں دیئے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ خطا اور گناہ دونوں کے لئے شرعی ممانعت ضروری ہے۔ یعنی صرف وہ ہی کام گناہ یا خطا ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہو۔ اس کے بغیر گناہ بن سکتا ہی نہیں۔ ابھی پچھلی آیت میں رب نے گناہ کو اس میں منحصر فرما دیا کہ **حتی یبین لهم مایتقون** بندے کو اگر ممانعت یاد نہ رہے اور کرے تو یہ ہے نسیان یعنی بھول اور اگر ممانعت سمجھنے میں غلطی کرے تو یہ ہے خطا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حضرت آدم کو فرمایا **لاتقربا هذه الشجرة** یہ ہوئی گندم کھانے کی ممانعت اور فرمایا کہ شیطان تم دونوں کا دشمن ہے۔ حضرت آدم کو شیطان کی دشمنی یاد نہ رہی یہ ہوا نسیان اور ممانعت کا پورا مطلب سمجھے نہیں۔ خیال کیا کہ ممانعت اس وقت تک کے لئے تھی دائمی نہ تھی یہ خیال نہ آیا کہ رب سے پوچھ لیتے۔ گندم کھا لیا یہ ہوئی خطا اور اگر ممانعت یاد ہو۔ مطلب بھی معلوم کرتے ہیں پھر وہ کام کرے تو ہے گناہ۔ اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کو اس اجازت دینے سے کہیں منع نہیں فرمایا۔ کوئی آیت ممانعت کی موجود نہیں پھر آپ ﷺ کا اجازت دینا نہ گناہ ہوا نہ خطا نہ نسیان کہ ان تینوں کے لئے ممانعت ہو چکنا ضروری ہے۔ فقیر کا عقیدہ ہے کہ حضور انور ﷺ نے ساری عمر نہ کبھی گناہ کیا نہ گناہ کا ارادہ نہ خطا کی۔ نہ گناہ پر قادر ہیں کیونکہ معصوم ہیں۔ ایک کام ایسا دکھا دو جو حضور ﷺ نے ممانعت کے بعد کیا ہو۔ ایسا کوئی کام نہ ملا نہ ملے۔ تاب اللہ کے وہ معنی ہیں جو ابھی **تاب اللہ علی النبی** کی تفسیر میں عرض کئے گئے۔

**دوسرا اعتراض:** اگر یہ اجازت دینا گناہ یا خطا نہ تھا تو رب نے اس کی معافی کا اعلان کیوں فرمایا عفا اللہ عنک لم اذنت لھم۔ معافی تو گناہ یا خطا کی ہوتی ہے۔

**جواب:** قرآن مجید میں عربی محاورے استعمال ہوتے ہیں عرب میں اظہار غضب کے لئے بدعا کے الفاظ کہہ کر بات کرتے ہیں اور اظہار کرم کے لئے خطاب کے موقعہ پر دعائیہ کلمات سے خطاب ہوتا ہے۔ اسی طرح قاتلھم اللہ انی یوفکون۔ یاتبت یدابی لھب وتب ہیں۔ اظہار غضب کے لئے یہ بددعائیہ کلمات اللہ انہیں غارت کرے ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جاویں اور عفا اللہ عنک دعائیہ کلمات ہیں۔ وہ بھی کرم کے اظہار کے لئے ورنہ رب تعالیٰ دعا یا بددعا کرنے سے پاک ہے اس اعتراض کے اور جواب ابھی تفسیر میں لقد تاب اللہ علی النبی کے ماتحت عرض کیے گئے۔

**تیسرا اعتراض:** اس آیت میں پہلے ہے لقد تاب اللہ (الخ) پھر ہے ثم تاب اللہ علیھم علی النبی دونوں کا مطلب ایک ہی ہے پھر یہ دو بار کیوں ارشاد ہوا۔

**جواب:** ابھی تفسیر سے اس کے دو جواب معلوم ہو گئے۔ ایک یہ کہ یہ تکرار تاکید کے لئے ہے۔ جس سے ان حضرات کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے ہم کسی کے ذکر کے دوران بار بار کہتے ہیں اسے اللہ بخشے۔ اس پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔ دوسرے یہ کہ ثم تاب اللہ علیھم کا تعلق اس فریق سے ہے جنہوں نے تبوک کے سفر کے دوران واپس ہو جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ یزیغ قلوب فریق منھم اور لقد تاب اللہ علی النبی میں تمام غازیان تبوک سے لہٰذا وہاں تاب کے اور معنی ہیں۔ اور یہاں ثم تاب علیھم میں اور معنی کہ انہیں ثابت قدم رکھا۔

**چوتھا اعتراض:** توبہ کے معنی توجہ رحمت لغت میں نہیں پھر یہاں یہ معنی کیوں کئے گئے۔

**جواب:** توبہ کے حقیقی معنی ہیں۔ رجوع کرنا رحمت کا کسی طرف رجوع کرنا بھی رجوع ہے بلکہ یہاں روح المعانی نے تو فرمایا کہ توبہ یہاں مجازی معنی میں ہے۔ یعنی گناہ سے معصوم یا محفوظ رکھا۔ وغیرہ غرضکہ یہاں گناہ معاف کرنے کے معنی نہیں بنتے۔ کیونکہ کسی سے اس وقت گناہ نہیں ہوا۔ البتہ رجوع رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور نوعیت کی ہے عام غازیان تبوک کی طرف دوسری قسم کی۔ اور وہ تین حضرات جن کا ذکر آگے آ رہا ہے ان کی طرف اور طرح کی بارش ایک رحمت ہے مگر باغ کھیت، سمندر کی سیپ ہیں اور اور طرح کی رحمت ہے۔ عام زمین پر دوسری طرح کی، تالاب درختوں پر اور قسم کی شورہ زمین میں اور طرح کی، غرضکہ توبہ کے معنی صرف معافی گناہ نہیں۔

**تفسیر صوفیانہ:** جیسے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھن والی جسمانی بیماریوں سے محفوظ رکھا جیسے جذام برص وغیرہ۔ یونہی حضور انور ﷺ کو نفرت والی روحانی بیماریوں سے محفوظ رکھا۔ کہ گناہ سے مومنوں کے دل نفرت کرتے۔ پھر جیسے اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کو تمام عالم خصوصاً اپنی امت کے ظاہری گناہوں سے شفا کے لئے طبیب مطلق بنا کر بھیجا ویسے کہ جو کر حضور سب کو تزکیہ طہارت عطا فرماتے ہیں۔ یوں ہی حضور ﷺ کو باطنی روحانی دلی گناہوں کا طبیب مطلق بنا کر بھیجا تو یہ توبہ روحانی بیماریوں کی دوا تھی تو باپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تقسیم کے لئے نازل فرمائی تاکہ اس سے

رب کے بندے فائدہ اٹھائیں۔ پھر یہ بندے دو طرح کے ہیں۔ مخصوص لوگ جو حضور علیہ السلام کے ہاتھوں اس دواء کے ذریعہ کامل شفاء پائیں بلکہ دوسروں کو شفا بخش بن جائیں (۱) ڈاکٹر تجویزی کرتا ہے کمپونڈر طریقہ استعمال بتاتا ہے المہاجرین و الانصار یہ دو گروہ ہیں جنہوں نے حضور علیہ السلام سے صرف اپنے لئے ہی شفا حاصل نہیں کی۔ بلکہ یہ لوگ دوسروں کے لئے بھی شفا بخش توبہ بخش ہوگئے۔ اور کیوں نہ ہوتے کہ انہوں نے تنگ گھڑیوں میں محبوب کا ساتھ دیا۔ نبوت کے ذریعہ ولایت کو فیض ہوا اور ولایت کے ذریعہ تا قیامت عوام کو۔ توبہ ایک نعمت و رحمت ہے جس کی تقسیم دوسری نعمتوں کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ ہر نعمت کی طرح توبہ بھی حضور انور علیہ السلام سے حاصل کریں توبہ کا نتیجہ مغفرت ہے ولو انهم اذظلموا انفسهم (الخ)

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ

اور اوپر تین کے وہ جو پیچھے رکھے گئے حتیٰ کہ جب تنگ ہوگئی ان پر

اور ان تین پر جو موقوف رکھے گئے یہاں تک کہ جب زمین اتنی وسیع

الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ

زمین باوجود اس کے وسیع تھی وہ اور تنگ ہوگئیں ان پر جانیں ان کی اور

ہو کر ان پر تنگ ہوگئی اور وہ اپنی جان سے تنگ آگئے اور

ظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ

جان گئے وہ کہ نہیں ہے کوئی ٹھکانہ اللہ کے مگر طرف اس کی پھر توبہ ڈالی ان

انہیں یقین ہوا کہ اللہ سے پناہ نہیں مگر اسی کے پاس پھر ان کی توبہ قبول

عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (۱۱۸) ع ۱۴

پر تاکہ توبہ پر رہیں تحقیق اللہ ہے توبہ قبول کرنے والا رحموں والا

کی کہ تائب رہیں۔ بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

**تعلق:** اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** گذشتہ پچھلی آیات میں ان بہانہ باز منافقوں پر عتاب کیا گیا تھا جو جھوٹے بہانے بنا کر غزوہ تبوک سے رہ گئے تھے۔ اب ان مخلصین صحابہ کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے جو محض سستی سے اس غزوہ سے رہ گئے گویا جھوٹے لوگوں کے بعد سچے لوگوں اور ان کی سچی توبہ کا تذکرہ ہے۔

**دوسرا تعلق:** گزشتہ پچھلی ایک آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ کچھ صحابہ کرام کا معاملہ موقوف رکھا گیا کہ نہ تو ان کی توبہ قبول کی گئی نہ رد کہ ارشاد ہوا تھا **وآخرون موجون لامر الله اما يعذبهم واما يتوب عليهم** جس سے وہ حضرات بے چینی سے اپنے فیصلہ کا انتظار دیکھ رہے ہیں۔ اور پچاس شب ان پر بہت ہی دشوار گزرے۔ اب اس آیت کریمہ میں ان کا فیصلہ فرما دیا گیا کہ ان کی توبہ قبول ہے۔ گویا اس مذکورہ آیت میں ان صحابہ کو انتظار میں رکھا گیا تھا۔ اب ان کی انتظار کی گھڑیاں ختم فرمائی جا رہی ہیں۔ گویا انتظار کی ابتداء کے بعد انتظار کی انتہا کا بیان ہو رہا ہے۔

**تیسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت کریمہ میں ان خوش نصیب لوگوں کا ذکر ہوا جو غزوہ تبوک میں حضور انور ﷺ کے ساتھ رہے اب ان مخلصین کا ذکر ہو رہا ہے۔ جو صرف سستی کی وجہ سے نہ گئے اور فرمایا جا رہا ہے کہ توبہ قبول ہونے کے بعد حضرات بھی ان ساتھ جانے والوں بلکہ خود اس دولہا کے ساتھی باقی ہوئے اور جو کمی تھی وہ اس دولہا پر ہوئی اس کی تعمیر ان کو بھی مل گئی۔ یہ انہیں کے ساتھ ہو گئے۔ غرضکہ کوئی آگے کوئی پیچھے ہیں۔ انہیں کے دم سے وابستہ رضی اللہ عنہم

**شان نزول:** غزوہ تبوک تمام غزوات سے بہت ہی اہم ہے کہ یہ سخت گرمی میں ہوا۔ دور کا سفر تھا۔ مسلمانوں کے پاس سامان سفر کی بہت کمی تھی اس لئے دوسرے غزوات میں حضور انور ﷺ غزوہ کی جگہ کی خبر صراحۃً نہیں دیتے تھے بلکہ جانا کسی طرف ہوتا اور حالات کسی طرف سے معلوم فرماتے۔ پھر اچانک حملہ سوچی ہوئی جانب کرتے تاکہ منافقین ان کفار کو جاسوسی کر کے مسلمانوں کے ارادہ سے آگاہ نہ کر سکیں۔ مگر غزوہ تبوک وہ غزوہ ہے جس کی خبر حضور انور ﷺ نے سب کو صراحۃً دے دی تھی۔ تاکہ مجاہدین اتنے دراز سفر کی تیاری کر لیں۔ اس موقعہ پر لوگوں کے چار گروہ ہو گئے تھے منافقین جو بہانہ بنا کر رہ گئے۔ (۲) مجاہدین جو حضور انور ﷺ کے ساتھ گئے (۳) وہ مخلصین جو اولاً تو سستی کر گئے اور نہ گئے مگر بعد میں پچھتائے اور فوراً پیچھے سے روانہ ہو گئے اور حضور انور ﷺ کے ساتھ گئے (۴) وہ مخلصین جو سستی سے رہ گئے اور حضور انور ﷺ سے مل بھی نہ سکے یعنی نہ ساتھ گئے نہ پیچھے پہنچے۔ منافقین قریباً پچاس تھے۔ مجاہدین ستر ہزار پہلی قسم کی سستی کر جانے والے قریباً دس حضرات تھے۔ دوسری قسم کی سستی کرنے والے کچھ لوگ وہ تھے جنہوں نے حضور ﷺ کے واپس آتے ہی اپنے کو ستون سے باندھ دیا۔ توبہ قبول ہونے پر کھلے۔ جیسے ابولبابہ اور تین حضرات وہ تھے جو ساتھ نہ گئے پیچھے سے بھی نہ ملے حضور انور ﷺ کے پاس آنے پر اقرار جرم کر لیا اور ان کا فیصلہ موقوف رکھا گیا۔ یہ تین صاحب تھے جن کا ذکر ان شاء اللہ ابھی تفسیر میں آوے گا۔ چنانچہ ایک صحابی کا باغ ایک لاکھ روپیہ کا تھا۔ پھل تیار تھے وہ غزوہ تبوک اس کی وجہ سے نہ گئے۔ ایک دن بولے کہ اے باغ تو نے مجھے جناب مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی سے روک دیا جا میں نے تجھے اللہ کی راہ میں وقف کیا۔ اپنی ملکیت سے نکال دیا۔ یہ کہہ کر تنہا تبوک کی طرف روانہ ہو گئے اور حضور انور ﷺ سے جا ملے۔ ایک صاحب اپنی بیوی بچوں کی محبت میں تبوک میں نہ گئے ایک دن ان سب سے بولے کہ تمہاری محبت میں حضور انور ﷺ کے ساتھ نہ گیا اب میں اس کے عوض اکیلا یہ دراز سفر طے کروں گا یہ کہہ کر روانہ ہو گئے اور حضور انور ﷺ سے جا ملے۔ ایک صاحب بہت غریب تھے وہ صرف آرام طلبی کی بنا پر نہ گئے ایک دن اپنے سے خطاب کیا کہ اے نفس تیری ہی آرام طلبی میں میں حضور انور ﷺ کے ساتھ نہ

رگیا۔ اب اس کا کفارہ ادا کروں گا یہ کہا اور نکل کھڑے ہوئے۔ بہت مشقت سے راہ طے کیا اور حضور انور ﷺ تک پہنچ گئے۔

اولجھ کر رہ گیا میں وادی طیبہ خاروں میں　　　مجھے پہنچا دیا بوئے بتوں نے ان کے قدموں تک

حضرت ابوذر غفاری بھی اکیلے ہی تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں اونٹ ہلاک ہو گیا۔ سامان سر پر رکھا اور پیدال چل پڑے یہ زبان حال کہتے تھے۔

راہ نزدیک و بماندم سخت دیر　　سیر گشتم زیں سواری سر بسر

حضور انور ﷺ نے دور سے دیکھ کر فرمایا کہ یہ ابوذر ہونے چاہئیں۔ چنانچہ آپ ان تک پہنچ گئے۔ (تفسیر روح البیان) بہر حال یہ تین حضرات یہ بھی نہ کر سکے۔ جب حضور انور ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے اور مسجد نبوی شریف میں رونق افروز ہوئے لوگ حاضر ہوتے گئے۔ رہ جانے والے منافقین بہانہ بناتے گئے رخصت ہوتے گئے۔ حضرت کعب کی باری آ گئی۔ حاضر بارگاہ ہوئے۔ حضور انور ﷺ نے رہ جانے کی وجہ پوچھی۔ عرض کیا یا حبیب اللہ ہوتے اگر میں کسی دنیاوی بادشاہ کے پاس حاضر ہوتا تو کوئی بہانہ بنا دیتا۔ یارسول اللہ مجھے کوئی مجبوری نہ تھی۔ صرف سستی ہو گئی۔ فرمایا تم نے سچی بات کہی ہے تمہارا فیصلہ رب تعالیٰ ہی کرے گا۔ اور آپ کے بائیکاٹ کا حکم دے دیا۔ اور آپ کے ساتھ دو اور صحابیوں کا یہ ہی حال ہوا۔ حضرت مرارہ ابن لوی۔ بلال ابن امیہ چالیس روز ان صاحبوں کا بائیکاٹ رہا۔ چالیسویں دن حکم پہنچا کہ اپنی بیویوں سے بھی الگ رہو۔ دس دن تک یہ حکم رہا۔ پچاس دن گذرنے پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس کے نزول پر ان تینوں بزرگوں کا بائیکاٹ کھلا اور ان کی بڑی شان ہوئی۔ (تفسیر خازن۔ روح البیان۔ معانی کبیر۔ بخاری۔ مسلم وغیرہ عام کتب حدیث)

**تفسیر** وعلی الثلثۃ ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت معطوف ہے علی النبی پر اور لقد تاب کے متعلق تاب کے معنی تھے توجہ رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور غازیان تبوک مہاجرین و انصار پر توجہ رحمت کی اور نومیت تھی۔ اور ان تین بزرگوں پر رحمت کی اور نومیت ان تینوں کے لئے رحمت ہے گناہ و قصور معاف ہو جانا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں ایک اور تاب پوشیدہ ہے اور یہ نیا جملہ ہے۔ کیونکہ وہاں لقد تاب میں تو یہ مجازی معنی میں تھا اور یہاں ان تینوں کے لئے حقیقی معنی میں (تفسیر صاوی۔ روح المعانی) مگر جو ہم نے عرض کیا اس سے معنی ظاہر ہیں کہ لقد تاب میں تو یہ عموم مجازی معنی میں ہے ان تین سے مراد حضرت مرارہ ابن ربیع عنبری۔ کعب بن مالک شاعر بلال ابن امیہ انصاری ہیں یہ بلال وہی ہیں جنہوں نے اپنی بیوی سے لعان کیا۔ ان تینوں کے نام جمع ہیں لفظ مکہ میں کہ میم سے مراد مرارہ۔ کاف سے کعب۔ ہ سے ہلال۔ اور ان تینوں کے والدوں کے ناموں کے آخری حروف جمع ہیں۔ مکہ میں کہ ربیع کا آخری حرف عین ہے۔ مالک کا آخری حرف کاف ہے امیہ کا حرف ہ ہے (روح البیان) الذین خلفوا یہ عبارت الثلثۃ کی صفت ہے حلفو بنا ہے تخلیف سے جس کے معنی ہیں پیچھے رکھنا ظاہر یہ ہے کہ پیچھے رکھنے سے مراد ان کا فیصلہ موقوف رکھنا ہے کیونکہ ان کے متعلق پہلے ارشاد ہو چکا واٰخرون مرجون

لامر اللہ پچاس دن کے بعد ان کا یہ فیصلہ کیا گیا۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد غزوۂ تبوک سے پیچھے رکھا جانا جوان کے نفس کی طرف سے ہوا۔ بعض کے نزدیک ابولبابہ جیسی توبہ سے پیچھے رکھے گئے۔ یعنی انہیں ابولبابہ کی سی توبہ کی نہ سوجھی جیسا کہ ابھی شان نزول میں عرض کیا گیا۔ مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔ اعلحضرت قدس سرہ کا ترجمہ اسی پر ہے۔ حتی اذا ضاقت علیھم الارض بما رحبت ۔ اس فرمان عالی میں فیصلہ موقوف رکھنے کی انتہا کا ذکر ہے۔ لہٰذا حتی انتہا کا ہی اور اذا بمعنی ان ضاقت بنا ہے۔ ضیق سے بمعنی تنگی رحبت بنا ہے رحب سے بمعنی وسعت وکشادگی یعنی ان کا فیصلہ یہاں تک موقوف رکھا گیا کہ ان پر زمین مدینہ یا ساری روئے زمین وسعت اور فراخی کے باوجود تنگ ہوگئی کہ انہیں چین نہیں ملتا۔ گھر۔ باہر۔ گلی کوچہ بازار وغیرہ جہاں بھی جائیں بے چین ہی رہتے ہیں۔ عربی میں بے چینی کو تنگی زمین کہا کرتے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

کان بلاد اللہ وھی فسیحۃ علی الخائف المطلوب کفتہ حابل

چنانچہ حضرت کعب جہاں بھی جاتے تھے۔ ان سے کوئی کلام وسلام نہ کرتا تھا۔ گھر میں بیوی بچے سارے قرابت داران سے بے رخ ہوگئے تھے بیوی صرف کھانا پیش کردیتی تھیں بات نہ کرتی تھیں ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں زمین تنگ معلوم ہوگی۔ یہ تو بیرونی کا ذکر ہوا۔ وضاقت علیھم انفسھم ۔ ان پر ان کے دل تنگ آگئے۔ یا اپنی جان سے تنگ آگئے۔ انہیں اپنی زندگی وبال معلوم ہونے لگی۔ کہ ان کے دل میں خوشی کبھی نہیں آتی تھی۔ اس زمانہ میں آپ کا حال یہ تھا کہ جماعت کے وقت مسجد میں آتے۔ مسجد صحابہ سے بھری ہوتی۔ بلند آواز سے سلام کرتے کوئی جواب نہ دیتا تھا۔ یہ حضور انور ﷺ کا منہ تکتے۔ دیکھتے کہ حضور انور ﷺ کے ہونٹ بھی ہلے یا نہیں۔ پھر غور کرتے کہ حضور انور ﷺ نے مجھے دیکھتے ہیں یا نہیں۔ ادھر انداز محبوبانہ یہ تھا کہ جب ان کی نظر اور طرف ہوتی تو حضور ﷺ ان کی نظر پر ہوتی۔ مگر جب یہ حضور ﷺ کی طرف دیکھتے تو حضور ﷺ اپنی نظر ان سے ہٹا لیتے۔ اس محبوبانہ انداز کے صدقے حضرت کعب فرماتے ہیں کہ مجھے خطرہ یہ تھا کہ اگر بائیکاٹ کے زمانہ میں میری وفات ہوگئی تو کوئی میرا جنازہ نہیں پڑھے گا اور اگر حضور انور ﷺ کا وصال ہوگیا تو کبھی میرا بائیکاٹ نہیں کھلے گا۔ جو دروازہ حضور ﷺ بند کردیں وہ کسی کے ہاتھوں کیسے کھلے۔ یہ خیال ان کو پریشان کئے ہوئے تھے۔ وظنوا ان لا ملجا من اللہ الا الیہ ۔ یہ عبارت معطوف ہے وضاقت علیھم الارض پر اور اس میں آپ کی تیسری حالت کا بیان ہے ظنو ۱ بمعنی علموا یا بمعنی ایقنوا ہے یعنی انہیں یقین ہوگیا۔ انہوں نے جان لیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے عتاب میں آگیا۔ اب سوا اس کے اور کوئی مجھے اس عتاب سے نہیں نکالے گا۔ کیونکہ حضور انور ﷺ نے فرمادیا تھا کہ میں تمہارا فیصلہ رب کے سپرد کرتا ہوں۔ تمہارا فیصلہ آسمان سے آوے گا۔ اس لئے اس زمانہ میں آپ بہت ہی توبہ واستغفار میں مشغول رہے۔ (روح البیان) اس استغفار کو اپنی خلاصی کا ذریعہ جانا ثم تاب علیھم ظاہر یہ ہے کہ عبارت گذشتہ مضمون پر معطوف ہے اور تاب کے معنی ہیں۔ توبہ قبول فرمانا۔ اور حضور انور ﷺ کے ذریعہ قبولیت توبہ کا اعلان کرانا۔ چونکہ یہ قبولیت پچاس دن ورات کے بعد ہوئی۔ اس لئے یہاں ثم ارشاد ہوا۔ یعنی پھر عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تو ان کی خلاصی کی۔ لیتوبوا اس کا تعلق ثم تاب سے ہے اور لیتوبوا کے معنی ہیں کہ اس توبہ قبولیت کی قدر کریں اور توبہ پر قائم رہیں۔ آئندہ

کبھی جہاد وغیرہ میں سستی نہ کریں۔ عمر بھر گناہ کے قریب نہ جائیں۔ روح المعانی نے فرمایا کہ لیتوبوا کا فاعل تا قیامت مسلمان ہیں یعنی ہم نے عرصہ کے بعد ان تینوں حضرات کی توبہ قبول کی اور اس قبولیت کا اعلان قرآن مجید میں کیا۔ تا کہ سارے گنہگار اس واقعہ سے عبرت پکڑیں اور اخلاص سے توبہ کریں۔ روح البیان نے فرمایا کہ حضرت کعب وغیرہم کی توبہ میں تین کام ہوئے نفس توبہ یعنی توجہ رحمت اس کا بیان لقد تاب سے ہوا۔ کیونکہ علی النبی کا تعلق اس سے ہے (۲) توبہ کی توفیق دینا اس کا بیان ثم تاب علیھم میں ہوا (۳) توبہ کی قبولیت اس کا ذکر لیتوبوا میں ہوا۔ ان تین توبہ کے معنی ہیں۔ توبہ۔ توفیق توبہ۔ قبول توبہ اس لئے ان حضرات کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار غازیان تبوک کے ساتھ ہوا کہ یہ تینوں توبہ کر کے انہیں کے زمرہ میں آ گئے۔ ان اللہ ھو التواب الرحیم اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا بھی ہے اور عام رحم فرمانے والا بھی اگر انسان دن میں سو گناہ کرے اور توبہ کرے تو جلد یا بدیر توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ اور ساتھ میں انعام بھی دیتا ہے۔ دیکھو ان تینوں حضرات کی توبہ قبول بھی کی۔ ان کی عزت افزائی بھی کہ آج تک ان کے نام کے ڈنکے بج رہے ہیں۔

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے توجہ کرم ان تینوں صاحبوں (کعب ابن مالک، ہلال ابن امیہ مرارہ ابن لوی) پر بھی فرمائی جن کا معاملہ موقوف رکھا گیا تھا کہ اے محبوب آپ ﷺ نے انہیں ہمارے حوالہ فرما دیا تھا آپ ﷺ کے موقوف فرما دینے سے ان پر تین سخت آزمائشیں آئیں ایک یہ کہ ان پر ساری وسیع لمبی چوڑی زمین ایسی تنگ ہوگئی کہ انہیں کہیں چین نہ ملتا تھا۔ (۲) وہ اپنی جان سے تنگ آ گئے۔ انہیں آپ ﷺ کی ناراضی سے اپنی زندگی بوجھ معلوم ہونے لگی (۳) آپ کے سپرد خدا کر دینے سے انہیں یقین ہوگیا کہ اب ہماری پناہ ہی ہے جب ان کا یہ حال ہوگیا تو رب تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اس کا اعلان کیا تا کہ انہیں اس کی قبولیت کی قدر ہو۔ اور آئندہ وہ توبہ پر قائم رہیں۔ گناہوں سے بچیں اس تاخیر میں بڑی حکمتیں ہیں اس سے ثابت ہوا کہ رب تعالیٰ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا ہے اور بڑا ہی رحم و کرم والا ہے۔ یہاں دو روائتیں یاد رکھو ایک یہ کہ جب حضرت کعب کا بائیکاٹ شباب پر تھا کہ ایک کسان جو باہر سے مدینہ منورہ سودا فروخت کرنے آیا تھا۔ وہ آپ کا پتہ پوچھتا پھرتا تھا۔ لوگوں نے آپ کا نشان بتایا۔ اس کسان نے بادشاہ غسان کا ایک خط دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ ہم کو پتہ لگا ہے مدینہ والوں نے تم جیسے شخص کی قدر و منزلت نہ کی۔ تمہارے صاحب نے تم پر ظلم کیا۔ تم ہمارے پاس آ جاؤ۔ ہم آپ کی بڑی عزت کریں گے۔ آخر میں شاہ غسان حارث ابن ابی شمر کے دستخط تھے اور خط ریشمی رومال میں لپیٹا ہوا تھا۔ یہ خط پڑھ کر حضرت کعب کی آنکھوں تلے اندھیرا آ گیا۔ بولے الٰہی کیا میں تیرے حبیب سے دور کیا جا رہا ہوں۔ یہ میرے ایمان کی کڑی آزمائش ہے یہ وہ خط جلتے تنور میں جلا دیا یہ واقعہ پہلے چالیس دن کے اندر ہوا۔ (روح البیان) پھر انہیں حکم پہنچا کہ اپنی بیوی سے الگ رہو۔ انہیں ہاتھ نہ لگاؤ۔ دوسری روایت یہ کہ پچاس دن پورے ہوئے حضور انور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جلوہ افروز تھے۔ آدھی رات کے وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حضرت کعب وغیرہم کی توبہ قبول ہوئی۔ حضور انور ﷺ نے بی بی ام سلمہ کی قبولیت کی خبر دی۔ آپ بولیں کیا میں اسی وقت کعب کو یہ بشارت بھیج دوں۔ فرمایا

نہیں ابھی مدینہ میں شور مچ جائے گا۔ تمہارا سونا مشکل ہو جائے گا۔ بہرحال نماز فجر کے بعد حضور انور ﷺ نے مسجد نبوی شریف میں قبولیت توبہ کی حاضرین کو خبر دی۔ حضرت کعب کا گھر دور تھا۔ وہ نماز کے لئے یہاں نہ آئے تھے۔ اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھ کر مکان کی چھت پر تھے کہ حمزہ ابن عمرو سے اس کی آواز سنی جو پہلے پہاڑ سے پکار رہے تھے کہ کعب بشارت ہو تمہاری توبہ قبول ہوئی۔ آپ سجدے میں گر گئے جب حمزہ حضرت کعب کے پاس پہنچے تو آپ نے خوشی میں اپنے کپڑے اتار کر حمزہ کو دے دیے۔ بلال ابن امیہ کو بشارت حضرت اسعد ابن سعد نے اور مرارہ ابن ربیع کو بشارت سلکان ابن سلامہ نے دی (روح البیان وغیرہ) حضرت کعب اور وہ دونوں حضرات دوڑے ہوئے مسجد نبوی میں پہنچے صحابہ کا ہجوم تھا درمیان میں حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر تھے۔ صحابہ نے مبارک باد دی۔ آپ حضور انور ﷺ کے روبرو دو زانو بیٹھے۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا اے کعب تم کو اس خوشی کی مبارک ہو جس کی مثل تمہاری پیدائش سے اب تک تم کو نہ ہوئی۔ حضرت کعب نے اس قبولیت کی خوشی میں اپنا وہ باغ جس کی وجہ سے آپ غزوۂ تبوک سے محروم رہے تھے خیرات کر دیا اور حضور انور ﷺ سے وعدہ کیا کہ مجھے میرے سچ نے سرخرو کیا ہے میں مرتے دم تک کبھی جھوٹ نہ بولوں گا (تفسیر کبیر خازن روح البیان۔ معانی بخاری مسلم وغیرہ کتب احادیث) یہ ہے حضرت کعب ابن مالک کی توبہ کا واقعہ اس آیت کی وجہ سے اس سورۃ شریف کا نام سورہ توبہ ہے۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** حضرات صحابہ کرام مظہر انبیاء کرام ہیں۔ کہ جیسے رب نے حضرت آدم، نوح، داؤد، علیہم السلام کی خطاؤں کی معافی کا قرآن مجید میں اعلان فرمایا ایسے ہی حضرات صحابہ کو معافی کا اعلان قرآن مجید میں ہوا۔ ان کی یہ معاف شدہ خطا میں ہماری ان عبادات سے افضل ہیں جن کی قبولیت کی کوئی خبر نہیں۔ یہ فائدہ **وعلی الثلثة الذین خلفو** (الخ) سے حاصل ہوا۔

**دوسرا فائدہ:** یہ تین حضرات جن کی توبہ دیر میں قبول ہوئی اس مقبول توبہ کی برکت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور غازیان تبوک کی جماعت میں پوری طور پر داخل ہیں یہ فائدہ **وعلی الثلثة** کے واؤ سے حاصل ہوا کہ ان بزرگوں کو **علی النبی والمهاجرین** (الخ) پر معطوف فرمایا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ معطوف اپنے معطوف علیہ کے ساتھ اسی کے حکم میں ہوتا ہے۔ واؤ جمع کے لئے آتا ہے۔

**تیسرا فائدہ:** توبہ دعا کی طرح ہے بلکہ ایک قسم کی دعا ہی ہے کہ کبھی جلد قبول ہوتی ہے کبھی دیر سے یہ فائدہ **خلفوا** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ آدم علیہ السلام کی توبہ تین سو برس کے بعد قبول ہوئی۔

**چوتھا فائدہ:** انبیاء کرام کی خطاؤں کی طرح حضرات صحابہ کرام کی خطا میں ان کے قصور رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جن میں صد ہا حکمتیں ہوتی ہیں یہ فائدہ **خلفو** ماضی مجہول فرمانے سے حاصل ہوا۔ یعنی یہ تین حضرات خود پیچھے نہ رہے بلکہ رب کی طرف سے پیچھے رکھے گئے تاکہ قیامت مسلمانوں کو اس واقعہ سے بہت سے دینی ایمانی مسائل معلوم ہوں ہمارے

گناہ شیطانی ہیں۔ ان کی خطائیں ربانی۔ آدم علیہ السلام کے گندم کھانے کی بہاریں آج بھی دیکھی جارہی ہیں۔

**پانچواں فائدہ:** حضور انور ﷺ نے حضرات صحابہ میں وہ تنظیم واتحاد پیدا فرمادیا تھا جس کی مثال آسمان نے نہ دیکھی۔ دیکھو ایک فرمان عالی سے کہ کعب کا بائیکاٹ کرو ان کی بیوی بچے بھائی۔ برادر بلکہ سارا جہان غیر ہوگیا۔

مولی تیری روٹھ سے میرا آدر کرے نہ کوئے ۔۔۔ دور دور کریں سہیلیاں میں مڑ مڑ دیکھوں توئے

آج تنظیم اتحاد۔ یقین محکم کے صرف الفاظ رہ گئے ہیں جو ہماری زبانوں پر جاری ہیں اصلیت نہ رہی۔

**چھٹا فائدہ:** مسلمان تمام جسمانی رشتے حضور انور ﷺ کے دم سے وابستہ ہیں جو حضور ﷺ کا غیر ہوگیا وہ اپنے ماں باپ قرابت داروں سے غیر ہوگیا۔ یہ فائدہ کعب کے بائیکاٹ سے حاصل ہوا کہ حضور ﷺ کی نگاہ کرم پھرنے پر حضرت کعب کا کوئی عزیز نہ رہا۔

**ساتواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے احکام شرعیہ کا مالک بنایا ہے اور حلال و حرام حضور ﷺ کے اختیار میں دیے ہیں۔ دیکھو مسلمان کے سلام کا جواب دینا بحکم قرآن فرض ہے مگر حضرت کعب وغیرہ تین صاحبوں کا سلام کا جواب دینا بائیکاٹ کے زمانہ میں ممنوع فرمادیا گیا۔ رب فرماتا ہے **یحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث** وہ نبی تم پر اچھی چیزیں حلال کرتے ہیں بری چیزیں حرام ہیں۔

**آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کو مسلمانوں کے جان و مال و ایمان کا مالک بنایا۔ ہم سب حضور ﷺ کے بندہ بے دام ہیں۔ حضور ﷺ ہمارے مالک۔ دیکھو مولی اپنے غلام کی بیوی اس پر حرام نہیں کرسکتا مگر حضور انور ﷺ نے بائیکاٹ کے کچھ دنوں میں ان تینوں حضرات کی بیویاں ان پر حرام فرمادیں کہ بیوی نکاح میں رہی مگر حرام ہوگئی۔ یہ سب ہے سلطنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

**نواں فائدہ:** خطا کار بندوں کی اصلاح کے لئے ان کا بائیکاٹ کرنا سنت ہے۔ دیکھو ان تین حضرات کا پچاس دن مکمل بائیکاٹ رہا۔ رب فرماتا ہے **واھجروھن فی المضاجع** اپنی نافرمان بیوی کو ان کے بستروں میں چھوڑ دو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتیس دن اپنی ازواج پاک سے علیحدگی اختیار فرمائی۔ رب تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے تین سو سال وکلام سلام نہیں فرمایا۔ بائیکاٹ اصلاح کا بہترین ذریعہ ہے۔

**دسواں فائدہ:** اپنی جان سے بیزار ہونا۔ اپنی زندگی گراں معلوم ہونا اگر دینی وجہ سے ہو تو اعلیٰ درجہ کا ایمان ہے۔ دنیاوی وجہ سے ہو تو بے کار ہے یہ فائدہ **فضاقت علیھم انفسھم** سے حاصل ہوا۔ ہم نے ایک خواب کے بعد عرض کیا۔

وہ دکھا کے شکل چلے گئے مرے دل کا چین بھی لے گئے ۔۔۔ مری روح ساتھ نہ کیوں گئی مجھے اب تو زندگی بار ہے

**گیارھواں فائدہ:** جس مومن پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بھرمار ہو وہ رب کا شکر بے شمار کرے۔ **لئن شکرتم لا زیدنکم** اور جس کو غم و افکار گھیر لیں وہ توبہ و استغفار بار بار کرتا رہے کہ اس سے غم دفع ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ لیتوبوا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

**پہلا اعتراض:** رب کا فائدہ ہے ادعونی استجب لکم تم مجھ سے دعائیں کرو۔ میں قبول کروں گا۔ حضرت کعب کی توبہ و دعا اتنے روز تک قبول نہ ہوئی۔

**جواب:** اس اعتراض کا تفصیلی جواب ہماری کتاب درس القرآن میں دیکھو۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس میں قبولیت دعا کا وعدہ ہے جلد قبول فرمالینے کا وعدہ نہیں۔ بعض لوگوں کی قبولیت دعا کا ظہور بعد موت بعض کو قیامت میں ہوگا۔ نیز استجابت کے معنی جواب دینا بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی تم مجھے پکارو یا ربی میں تم کو جواب دوں گا۔ یا عبدی ان کی دعا قبول ہوئی مگر پچاس دن کے وقفہ سے اس دیر میں رب کی حکمت ہے۔

**دوسرا اعتراض:** وعلی الثلثة الذین (الخ) معطوف ہے علی النبی پر اور لقد تاب کے متعلق ہے۔ اس کے معنی یہاں یہ ہیں کہ ان تین حضرات کے گناہ معاف کئے تو چاہئے کہ وہاں بھی معنی یہ ہوں کہ اللہ نے نبی اور مہاجرین و انصار کے گناہ معاف کئے۔ ایک لفظ تاب کے دو معنی کیسے ہو سکتے ہیں کہیں توجہ رحمت اور کہیں معافی گناہ۔

**جواب:** تفسیر روح المعانی نے تو وعلی الثلثة سے پہلے ایک تاب پوشیدہ مانا ہے۔ اور تفسیر صاوی نے فرمایا کہ حقیقت و مجازی یونہی مشترک کا دو معنی میں استعمال بالکل جائز ہے۔ اس کے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ لہٰذا پچھلی آیت میں لقد تاب اللہ علی النبی میں توبہ مجازی میں ہے اور یہاں علی الثلثة (الخ) میں توبہ حقیقی معنی میں ہے۔ وہاں توجہ رحمت مراد تھی۔ یہاں گناہ کی معافی مراد ہے۔ مگر فقیر کے نزدیک قوی وہ ہی بات ہے جو ابھی تفسیر میں عرض کی گئی کہ یہاں توبہ کے مجازی معنی مراد ہیں یعنی توبہ رحمت مگر پھر توجہ رحمت کی تین نوعیتیں ہیں۔ حضور کے لئے قرب الٰہی بڑھنا۔ غازیان تبوک کے ترقی درجات اور تین صاحبوں کے لئے معافی گناہ گویا عموم مجاز ہے۔

**تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں ان تین حضرات کے لئے توبہ تین جگہ ارشاد ہوئی۔ ایک لقد تاب اللہ میں دوسری ثم تاب علیهم تیسری لیتوبوا (الخ) اس تکرار کی وجہ ہے۔

**جواب:** اس کی نہایت نفیس وجہ بلکہ چند وجہیں ابھی تفسیر میں عرض ہو ئیں کہ مومن بندے کے لئے توبہ کے تین درجے ہوتے ہیں۔ توبہ کی توفیق ملنا توبہ قبول ہونا۔ توبہ پر قائم رہنا۔ لقد تاب میں توفیق توبہ مراد ہے اور ثم تاب میں توبہ قبول فرمانا۔ اور لیتوبوا میں توبہ پر قائم رہنا۔ اس کے اور بہت جواب دئے گئے ہیں۔ مگر یہ جواب قوی اور مختصر ہے۔

**چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی مصیبت میں خدا تعالیٰ ہی کی پناہ لینی چاہئے لا ملجاء من اللہ الا الیه۔ لہٰذا مصیبتوں میں تمہارا ولیوں نبیوں کی پناہ لینا نرا شرک ہے (وہابی) اس اعتراض کے چند جواب ہیں کچھ الزامی اور کچھ تحقیقی (۱) فرعونیوں پر جب رب کی طرف سے قحط طوفان۔ ٹڈی۔ مینڈک۔ جوں۔ خون کے عذاب آتے تھے۔ تو وہ موسیٰ علیہ السلام کی پناہ لیتے تھے یا موسیٰ ادع لنا ربک اور کہتے تھے لئن کشفت عنا الرجز لنومنن لک (الخ) وہاں موسیٰ علیہ السلام نے یا رب تعالیٰ نے اس سے فرعون کو منع کیوں نہ فرمایا (۲) تم لوگ رب کی بھیجی بیماریوں۔ ناداریوں۔ آزادیوں میں حکیموں حاکموں۔ امیروں کی پناہ کیوں لیتے ہو۔ (۳) اس موقعہ پر حضور انور ﷺ نے

تینوں کا مقدمہ رب تعالیٰ کے سپرد فرمایا اس لئے اب وہ کہاں پناہ لیتے۔ حضور ﷺ کا یہ فرمان سن کر انہیں یقین ہو گیا۔ کہ لا ملجا من اللہ الا الیہ (۴) جیسے مصیبتیں رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ ایسے ہی ان بندوں کی پناہیں رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ ان کی پناہ رب کی پناہ ہے۔ حضور انور ﷺ تو سارے جہان پر سایہ فگن ہیں۔ سب کی پناہ ہیں۔ شعر۔

عاصیاں دربستہ دامان تو اے پناہ ماغریباں السلام
اے زہے قسمت کو تو بر ما حریص جان عالم برتو قربان السلام

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک بلکہ خود حضور انور ﷺ نے فرمایا انافیۃ المسلمین۔ میں مسلمانوں کی پناہ میں ہوں۔

**تفسیر صوفیانہ:** خداری کے لئے بہترین ذریعہ دو چیزیں ہیں۔ بے قراری دل۔ شعر۔

لوگ ہو چاہیں کدا سے مانگ لیں میں نہ کچھ مانگوں سوائے درد دل
کوچہ محبوب میں کشکول ہو اور لب پر ہو سدائے درد دل

یہ دونعمتیں مختلف ذریعہ سے ملتی ہیں حضرت کعب اور ان کے دونوں ساتھیوں کو اولاً غزوۂ تبوک سے روکا گیا پھر محبوب سے ان کا بائیکاٹ کرایا گیا پھر انہیں تڑپایا گیا۔ انہیں تمام مومنین سے اجنبی بنایا گیا۔ انہیں مدینہ منورہ کی گلی کوچوں میں بے قرار پھرایا گیا۔ اس آیت میں خلفوا۔ ضاقت علیھم الارض یوں ہی ضاقت علیھم انفسھم یوں ہی ظنوا ان لا ملجاء من اللہ الا الیہ قابل غور ہیں۔ یہ سب بے قراری دل، تڑپ اور سوز کا سامان تھا۔ اس کا مزہ کسی دل والے سے پوچھو۔ شعر۔

اب لذت زخم جگری پوچھتے کیا ہو جب تم ہی نمک پاش ہو پھر کیوں نہ مزا ہو

غرضکہ ان تینوں حضرات کے دلوں کا زخم پھر اس زخم پر نمک پاشی۔ ان کا تڑپنا۔ سب رب کی طرف سے تھا۔ جب یہ چیزیں حد کو پہنچیں تب دریائے رحمت جوش میں آیا کہ فرمایا ثم تاب علیھم ان کا اتنا درجہ بڑھا کہ اپنے محبوب سے۔ سفارش کی کہ انہیں بلاؤ۔ سینہ سے لگاؤ۔ تو ان کی بے چینی حد سے گذر گئی۔ یہ آیت ان تینوں کی انتہائی مداح سرائی فرما رہی ہے۔ صوفیاء کے نزدیک ایسے گناہ بھی عشاق کی معراج ہوتے ہیں۔ اس کے ذریعہ قرب الٰہی بہت ہی بڑھ جاتا ہے۔ جب تک بچہ کھلونوں سے کھیلتا ہے ماں بے پرواہ رہتی ہے مگر جب ان سے بے تعلق ہو کر روتا اور رو رو کر ماں سے فریاد کرتا ہے کہ اب میرا تیرے سوا کوئی نہیں تو ماں سینے سے لگا لیتی ہے جب تک بندہ اسباب میں لگا رہتا ہے رب تعالیٰ اظہار بے نیازی فرماتا ہے مگر جب اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ ظنوا ان لا ملجاء من اللہ الا الیہ کہ مولیٰ میرا تیرے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ تب ثم تاب علیھم کی جلوہ گری ہوتی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں حضور ﷺ کو ہم جہاں رکھیں وہ ہی جگہ مدینہ ہے۔ ان حضرات کے لئے غزوہ تبوک کے موقعہ پر تبوک مدینہ بنا دیا گیا۔ اب انہیں مدینہ منورہ میں رہنا ممنوع ہو گیا۔ جہاں مدینہ والے کا حکم وہاں مدینہ ہے۔

## یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (۱۱۹)

| |
|---|
| اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو ساتھ سچ والوں کے |
| اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو |

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں جھوٹے منافقوں پر عتاب اور سچے صحابہ کی قبولیت توبہ کا ذکر ہوا۔ اب اس کے نتیجہ میں تمام مسلمانوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ تم سچے صحابہ کے ساتھ رہو۔ ان کی طرح ہمیشہ سچ بولو۔ جھوٹے منافقوں سے بچو۔ گویا یہ حکم گذشتہ آیات کا نتیجہ ہے۔

**دوسرا تعلق:** ابھی پچھلی مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ جو صحابہ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے وہ بڑی مشکل میں پھنس گئے۔ اب انہیں صحابہ سے ارشاد ہے کہ تم نے دیکھ لیا کہ نبی کا ساتھ نہ دینے سے ان کے ساتھ غزوات میں نہ جانے سے کیسی مصیبت بن جاتی ہے آئندہ خیال رکھنا کہ اچھوں کے ساتھ رہنا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ... میں رہنا۔

**تیسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ تواب بھی ہے رحیم ... تو ابیت اور رحمت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اچھوں کا ساتھ اختیار کرو۔ کہ اس کے ذر... قبولیت توبہ ملتی ہے گویا کریم کے دینے کا ذکر پہلے ہوا فقیروں کے لینے کا ذکر اب ہورہا ہے۔

**تفسیر:** یایها الذین امنوا ۔ چونکہ تقویٰ اور اچھوں کا سنگ بہت مشکل بھی ہے اور اہم ... ہے اس لئے کہ اس حکم سے پہلے پیاری ندائے مبارک کے خطاب سے مسلمانوں کو پکارا ... مشکل کام آسان ہو جائے۔ نیز تقویٰ اور سچوں کا ساتھ مومنوں کے لئے فائدہ مند ہے ... ایمان لاچکے تھے۔ جیسے عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی یا ابولبابہ اور ان کے ساتھی۔ جنہو... سے بندھوادیا تھا یا تاقیامت سارے مومنین (روح المعانی) آخری احتمال قوی ہے کہ یہ... لئے ہیں۔ اتقوا الله تقویٰ کے معنی سے اقسام۔ احکام۔ درجات ہم تفصیل سے پہلے پارہ م... کر چکے ہیں۔ اگر روئے سخن غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں سے ہے تو تقویٰ سے مر... اس سے بچنا ہے۔ یعنی اللہ سے ڈرو کہ ہمیشہ جہاد میں حضور انور ﷺ کے ساتھ جایا کرو۔ ا... اور اگر خطاب مومنین اہل کتاب یا سارے جہان کے مسلمانوں سے ہے۔ تو یہ فرمان عالی ا... کا خلاصہ اسلام کے احکام پر عمل کرنا اس کی ممنوعہ چیزوں سے بچنا ساری شریعت اس کی تفس...

... غازی صحابہ کے ساتھ جہادوں

... اب ارشاد ہے کہ اگر تم اس کی
... اللہ کی رحمت اس کی طرف سے

... کہ اس پر ایمان کا بھی دارومدار
... کہ اس ندا کی برکت سے یہ
... ار کے لئے نہیں اس لئے پہلے
... نے اس موقعہ پر اپنے کو ستونوں
... حکیم سارے مسلمانوں کے
... ھدی للمتقین کی تفسیر میں عرض
... آئندہ جہادوں سے پیچھے نہ رہنا
... حکم دل و جان سے مانا کرو۔
... کا دریا ناپیدا کنار ہے۔ جس
... ہے۔ پھر جیسا مومن ویسا اس کا

تقویٰ فہم جیسے گنہگاروں کا تقویٰ اور ہے۔ نیک کاروں کا تقویٰ کچھ اور اولیاء اللہ پرہیزگاروں کا تقویٰ کچھ اور یہ فرمان عالی ہر قسم کے تقویٰ کو شامل ہے۔ **وکونوا مع الصادقین** یہ عبادت معطوف ہے۔ **اتقوا اللہ** پر اور مسلمانوں کو دوسرا حکم ہے اگر یہاں خطاب غزوۂ تبوک سے رہ جانے والوں سے ہے تو معیت یعنی ہمراہی مراد ہی جہادوں میں ساتھ رہنا اور صادقین سے مراد حضور کے مخلصین صحابہ ان کے مقابل میں منافقین یعنی غزوات میں مخلصین منافقین کے ساتھ نہ رہا کرو۔ مسلمانوں کے ساتھ رہا کرو اور اگر خطاب سارے مسلمانوں سے ہے تو صادقین سے مراد حضرات صحابہ کرام اور تا قیامت علماء دین اور اولیاء کاملین ہیں۔ جو دل کے زبان کے اعمال کی نیت کے ارادہ کے سچے ہیں معیت اور ہمراہی سے مراد ہے عقائد و اعمال میں ساتھ رہنا۔ یعنی ان کے سے عقیدے اختیار کرنا۔ ان کے سے اعمال کرنے کی کوشش کرنا کہ اس سے دلی ہمراہی نصیب ہوتی ہے جو کبھی ٹوٹتی نہیں۔ دنیا۔ برزخ۔ آخرت میں کام آتی ہے۔ معیت اور ہمراہی کے معانی۔ اس کے اقسام۔ احکام دوسرے پارہ میں **ان اللہ مع الصابرین** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔

**خلاصہ تفسیر:** ابھی تفسیر معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں ہیں ہم ان میں سے آخری تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو قوی تر ہے۔ اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے صرف ایمان پر کفایت نہ کرو۔ بلکہ اعمال کی بھی کوشش کرو۔ درخت کا پھل وہ کھاتا ہے جو جڑ اور شاخوں دونوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اعمال شرعیہ بہت قسم کے ہیں۔ اور ہر قسم کے اعمال بہت۔ ان سب کو ایک لفظ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اللہ سے ڈرو۔ تقویٰ اختیار کرو۔ پھر متقی بن کر اللہ والوں سے بے نیاز نہ ہو جاؤ۔ اچھوں کا سنگ اختیار کرو۔ کہ ان سے محبت رکھو۔ ان کے سے عقیدے ان کے سے اعمال کرو کہ وہ حضرات حقانیت کی دلیل ہیں۔ راستہ دراز ہے سفر لمبا ہے راہ میں ڈکیتی بہت ہوتی ہے اچھوں سچوں کے ساتھ رہو گے تو تمہارے اعمال بخیریت تمہارے گھر پہنچیں گے۔ شعر۔

دل پہ کندہ ہو ترا نام کہ وہ دزد رجیم　　الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا

نیز سچوں کے ساتھ رہنے میں زیادہ تحقیق نہ ہوگی۔ پردہ پوشی ہوگی۔

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو　　کہ رستہ میں ہیں جابجا تھانے والے

**لطیفہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد جب مسئلہ خلافت طے ہونے لگا تو انصار نے کہا کہ ایک خلیفہ ہم میں سے ہو اور ایک خلیفہ تم میں سے ہو۔ یعنی مہاجر۔ سیدنا ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ رب العالمین نے مہاجرین کو صادقین فرمایا **للفقراء المھاجرین تا اولائک ھم الصادقون** کس کو کہا گیا۔ انصار بولے مہاجرین کو تب آپ نے فرمایا کہ رب نے فرمایا **وکونوا مع الصادقین** تو تم ہمارے ساتھ رہو۔ نہ یہ کہ ہم تمہارے ساتھ رہیں لہٰذا ہم امیر ہوں اور تم وزیر اس پر مسئلہ خلافت طے ہو گیا۔ اور حضرت صدیق اکبر خلیفہ ہوئے۔ رضی اللہ عنہ (تفسیر خازن)

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** نیک اعمال اور سچوں کا ساتھ صرف مومنوں کو فائدہ مند ہے کافروں کو نہیں۔ یہ فائدہ مذکورہ ترتیب سے حاصل

ہوا کہ ایمان کا ذکر پہلے ہوا اور تقویٰ وغیرہ کا بعد میں۔ دیکھو کنعان اور قابیل دونوں نبی زادے تھے نبی کے گھر میں رہتے تھے مگر تھے کافر تو عذاب کے مستحق ہوئے۔ بعض کفار صدقات خیرات اور بہت سی نیکیاں کرتے ہیں مگر ان کی بخشش نہیں۔

**دوسرا فائدہ:** مسلمان کو چاہئے کہ صرف ایمان پر کفایت نہ کرے نیک اعمال بھی کرے۔ یہ فائدہ آمنوا کے بعد اتقوا اللہ فرمانے سے حاصل ہوا۔

**تیسرا فائدہ:** بڑے سے بڑا مومن متقی نہ بروں کے ساتھ رہے نہ اکیلا بلکہ سچوں نیکوں کے ساتھ رہے یہ فائدہ اتقوا اللہ کے بعد کونوا مع الصادقین فرمانے سے حاصل ہوا لکڑی کے سہارے لوہا تیر جاتا ہے۔

**چوتھا فائدہ:** دنیا میں سچے لوگ یعنی علماء دین اور اولیاء اللہ ان شاء اللہ قیامت تک رہیں گے۔ زمانہ ان سے خالی نہ ہوگا۔ یہ فائدہ کونوا مع الصادقین سے حاصل ہوا کہ سچی کے ساتھ رہنے کا حکم تا قیامت سارے مسلمانوں کو ہے۔ اگر کبھی سچے رہیں ہی نہیں تو کس کے ساتھ رہا جاوے اور اس پر عمل کیسے ہو (تفسیر کبیر)

**پانچواں فائدہ:** مومنین کا اجماع دلیل شرعی ہے یعنی جس مسئلہ پر امت رسول اللہ۔ صالحین۔ مجتہدین کا اتفاق ہو جاوے وہ حق ہے۔ اس کا انکار کفر ہے کیونکہ ان دونوں خلافتوں پر سارے مومنوں کا اجماع و اتفاق ہو گیا۔ (از تفسیر مدارک و کبیر)

**چھٹا فائدہ:** ہمیشہ اس فرقہ میں رہو جس میں اولیاء اللہ ہوں کہ یہ حضرات قول۔ عمل نیت کے سچے ہوا کہ نبی کا فیض اسی فرقہ میں آرہا ہے اسی شاخ میں پھل پھول لگتے ہیں جن کا تعلق جڑ سے ہو۔ مسئلہ نبوت منسوخ ہو جانے پر ولایت اس جماعت سے اٹھالی جاتی ہے دیکھو دین موسوی۔ عیسوی میں بڑے بڑے اولیاء ہوئے مگر جب سے ان کے دین منسوخ ہوئے ان میں کوئی ولی نہیں۔

**مسئلہ:** ہمارے نبی کا دین اور آپ کی نبوت کبھی منسوخ نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اس میں اولیاء اللہ تا قیامت رہیں گے۔

**ساتواں فائدہ:** اماموں کی تقلید برحق ہے اور چاروں امام سچے ہیں۔ کیونکہ ان ہی کے مقلدین میں اولیاء اللہ تھے اور ہیں اور رہیں گے غیر مقلدوں میں کوئی ولی نہیں۔ لہذا وہ برحق نہیں۔ سیدھا راستہ وہ ہی ہے جس میں اولیاء اللہ ہوں۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔

**آٹھواں فائدہ:** صدق یعنی سچائی بہترین عبادت بلکہ تقویٰ کی جڑ ہے۔ یہ فائدہ کونوا مع الصادقین۔ سے حاصل ہوا۔

**روایت:** ایک شخص بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ بولا مجھے زنا۔ چوری۔ شراب۔ جھوٹ کی عادت ہے میں ایمان لانا چاہتا ہوں۔ مگر یکدم یہ چاروں عیب نہیں چھوڑ سکتا۔ حضور مجھے ایک عیب سے منع فرمادیں تو میں اسلام قبول کرلوں گا۔ فرمایا جھوٹ چھوڑ دے۔ وہ بولا بہت اچھا۔ مسلمان ہوا۔ جب دربار عالی سے گیا چوری کا ارادہ کیا خیال آیا کہ اگر پکڑا گیا تو میں جھوٹ تو بولوں گا نہیں اقرار کروں گا اور میرا ہاتھ کٹے گا۔ یہ ہی خیال ہر عیب کرتے وقت آیا۔ سب سے توبہ کرلی۔ بارگاہ عالی میں حاضر ہوا۔ بولا میری جان فدا آپ ﷺ جیسے معلم پر کہ حضور ﷺ نے مجھے جھوٹ سے روک کر سارے عیبوں سے بچا

لیا۔(تفسیر کبیر) سچ میں چند خوبیاں ہیں ایک تو یہ ہی کہ یہ تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی عبادت ایمان نہیں اور کسی عبادت کا چھوڑنا کفر نہیں سوا، سچ کے۔ ایمان چند سچے عقیدوں کا نام ہے۔ کفر چند جھوٹے عقیدوں کا نام۔ تیسرے یہ کہ ابلیس نے بھی رب کی بارگاہ میں جھوٹ نہ بولا۔ جو اس نے کرنا تھا وہ ہی کہا لاغوینھم اجمعین چوتھے یہ کہ سب سے پہلا جھوٹ بندوں کے سامنے ابلیس نے بولا کہ وہ تقیہ کر کے بولا ان لکما لمن الناصحین میں تم دونوں کا بڑا ہی خیر خواہ ہوں یعنی حضرت آدم و حواء کا (تفسیر کبیر)

**پہلا اعتراض:** جو شخص مومن بھی ہو متقی بھی وہ خود ہی عقیدے اور اعمال کا سچا ہو گیا۔ پھر اسے سچوں کے ساتھ رہنے کی کیا ضرورت ہے تو ایمان و تقوٰی کے بعد سچوں کے ساتھ رہنے کا کیوں حکم دیا گیا۔

**جواب:** سچا رہنے کے لئے سچوں کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ سچا ہونا آسان ہے سچا رہنا مشکل سچوں کی جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے ید اللہ فوق ایدیھم ریوڑ پر بھیڑیا حملہ کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔

**دوسرا اعتراض:** تو چاہئے کہ کوئی مسلمان نہ تو کافروں فاسقوں کے محلہ میں رہے نہ کسی ایسی مجلس میں بیٹھے جہاں جھوٹے کافروں فاسقوں کی موجودگی ہو۔ پھر زندگی کیوں گزارے۔

**جواب:** یہاں معیت اور ہمراہی میں صرف جسمانی مکانی ہمراہی مراد نہیں بلکہ جنانی۔ ارکانی یعنی عقائد اور اعمال میں ان کی ہمراہی مراد ہے کہ ان سے عقیدے اعمال کرے ان سے محبت رکھے۔

گر بامنی و در یمنی پیش منی      گر بے منی و پیش منی در یمنی

مکہ معظمہ کا ابو جہل حضور انور علیہ السلام کے ساتھ نہ ہوا۔ یمن کے اویس قرنی حضور علیہ السلام کے ساتھ ہوئے۔ اگر اس کے ساتھ مکانی ہمراہی بھی نصیب ہو جائے تو زہے قسمت پھر مکانی ہمراہی میں خلوت کی ہمراہی سونے پر سہاگہ ہے حضرت ابوبکر صدیق غار کے یار ہیں۔ تو بعد انبیاء ساری خلقت سے افضل ہیں۔

**تیسرا اعتراض:** بہت کافر بہت سچے ہوتے ہیں کیا ہم ان کے ساتھ ہی رہیں۔ آج یورپ کے عیسائی تجارت کے بڑے سچے ہیں۔

**جواب:** کوئی کافر بھی سچا ہو سکتا ہی نہیں۔ اگر سچا ہو گا تو کافر نہیں رہے گا۔ اس کا عقیدہ کہ معبود چند ہیں۔ رب تعالیٰ کے بیٹے بیٹیاں ہیں۔ یہ جھوٹ ہے سچائی میں عقیدے کی سچائی پہلے ہے پھر زبان کی سچائی پھر اعمال کی سچائی۔

**چوتھا اعتراض:** تم نے کہا کہ ولیوں کے دین میں رہو۔ یعنی کسی دین میں اولیاء اللہ کا ہونا اور اس دین کی حقانیت کی دلیل ہے تو ہر فرقہ والا اپنی دینی پیشواؤں کو ولی سمجھتا ہے مرزائی کہتے ہیں کہ ہمارے دین کا ولی مرزا بشیر محمود ہے۔ وغیرہ لہذا ہمارا دین ولیوں کا دین ہے یہ کسوٹی تو غلط ہوئی

**جواب:** اس کا فیصلہ قرآن مجید نے کر دیا ہے کہ ولی کون ہے اس کی پہچان کیا ہے فرماتا ہے الذین امنوا و کانوا یتقون لھم البشری فی الحیوۃ و الاخرۃ یعنی اولیاء وہ ہیں جو مومن ہوں متقی ہوں اور انہیں ولایت کی بشارتیں ملیں کہ

مخلوق انہیں ولی کہے یعنی ہر ایک کے منہ سے قدرتی طور پر نکلے کہ وہ ولی ہے۔ دیکھو خواجہ صاحب۔ داتا صاحب کی شان مرزا بشیر وغیرہ کو یہ کہاں نصیب۔ انھیں تو دنیا بے دین بے ایمان کہہ رہی ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں انتم شھداء اللہ فی الارض۔

**پانچواں اعتراض:** سب سے بڑے سچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بس انہی کے ساتھ رہو محمدی بنو۔ حنفی شافعی وغیرہ نہ بنو۔ سچے کا ساتھ نہ چھوڑو۔ (غیر مقلد) جواب جیسے سارے انسان حضرت آدم کی اولاد ہیں مگر اس کے باوجود مختلف قوموں ملکوں میں بٹی ہوئی ہیں اس تقسیم سے دنیا کا نظام قائم ہے آپ کا پتہ صرف اولاد آدم ہونا نہیں بلکہ کچھ اور قیود ہیں اس طرح ہر کلمہ گو اپنے کو محمدی کہتا ہے اب صرف محمدی کہنے سے پتہ نہیں لگ سکتا کہ مرزائی ہے کہ چکڑالوی شیعہ ہے یا خارجی وغیرہ لہذا ضروری ہے کہ ہمارا دینی پتہ ضرور ہو۔ وہ ہے حنفی شافعی ہونا جیسے شیخ پٹھان ہونا آدمی کے خلاف نہیں بلکہ ضروری ہے جسمانی امتیاز۔ قوم۔ ملک۔ وطن سے ہوتا ہے روحانی امتیاز شریعت وطریقت کے سلسلوں سے ہوتا ہے۔ رب فرماتا ہے انا جعلنا کم شعوبا وقبائل لتعارفوا۔ مخالفین بھی اپنے کو اہل حدیث کہہ کر دوسروں سے ممتاز کرتے ہیں پھر اہل حدیث بھی اپنے کو روپڑی اور ثنائی کہہ کر آپس میں ایک دوسرے سے چھٹتے ہیں۔ خیال رہے کہ جب انسان تھوڑے تھے تو ان میں نہ قومیں تھیں نہ مختلف وطن ہابیل شیث وغیرہم ایک ہی قوم تھے ہم وطن تھے جب انسان زیادہ ہوئے تو قوموں وطنوں کی ضرورت ہوئی یونہی جب مسلمان تھوڑے تھے یعنی حضور ﷺ کے زمانہ میں تو انہیں کسی سلسلہ کی ضرورت نہیں تھی۔ جب مسلمان ہو گئے تو فرق کے لئے سلسلے قائم ہو گئے۔

**تفسیر صوفیانہ:** ایمان وتقویٰ کے لئے اچھوں کا ساتھ ایسا ہے جیسے تخم کے لئے پانی اور کھاد جیسے بغیر پانی وکھاد کے تخم فنا ہو جاتا ہے ایسے ہی بغیر اچھوں سچوں کی صحبت کے ایمان وتقویٰ برباد ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ ولی زمین ہے۔ ایمان وخوف عشق رسول اس میں بویا ہوا تخم اس لئے رب العلمین نے ایمان تقویٰ کے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔ جھوٹے اور برے لوگ اس دولت کے چور ہیں جن کے ساتھ رہنے سے اس دولت کے چوری ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ بعض لوگ صرف زبان یا دل اعمال کے سچے ہوتے ہیں وہ صادقین ہیں۔ بعض لوگ دل زبان اعمال کے ارادے وغیرہ سب کے سچے وہ صدیق ہیں۔ بعض وہ کہ جیسا واقعہ ہو ویسا بیان کریں۔ وہ صادق ہیں۔ بعض وہ کہ جیسا ان کی زبان سے نکل جائے ویسا واقعہ ہو جائے وہ صدیق۔

| | |
|---|---|
| فقط اشارہ سے سب کی نجات ہو کے رہی | تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی |
| جو شب کو کہہ دیا دن ہے تو دن نکل آیا | جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو رات ہو کے رہی |

صادقین کی ہمراہی صادق بنا دیتی ہے صدیقین کی ہمراہی صادق کر بنا دیتی ہے حضرت صحابہ مومن گر ہیں ہم لوگوں کے اعمال گویا صفر ہیں اور سچوں کی صحبت گویا عدد اگر عدد کے ساتھ صفر ملے تو ایک صرف دس گناہ کر دے گا۔ دوسرا سو۔ تیسرا ہزار۔ چوتھا دس ہزار اگر عدد نہ ہو تو سارے صفر بیکار شیطان کے سارے اعمال برباد ہوئے۔ کیونکہ اسے اچھوں کا ساتھ میسر نہ

ہوا۔ پھر ساتھ ہونے میں ولی عقیدت کو بڑا دخل ہے۔ عقیدت کے ساتھ ہمراہی یہ رنگ دکھاتی ہے بغیر عقیدت یہ ہمراہی بیکار ہے عداوت کے ساتھ ہمراہی باعث عذاب نار اور قہر قہار ہے۔ قرین شیطان مقبولوں کے ساتھ رہتا ہے مگر شیطان بن کر صوفیاء فرماتے ہیں کہ ساری عبادات کا فائدہ صرف عابد انسانوں کو ہوتا ہے مگر اچھوں بچوں کی صحبت کا فائدہ جانوروں بلکہ درختوں پتھروں کو بھی پہنچ جاتا ہے۔ گل پھول کی صحبت میں پھولوں کی طرح مہک جاتے ہیں حتی کہ ان کا تیل بھی خوشبودار ہوتا ہے۔

بگفتا من گل ناچیز بودم ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہم نشیں درمن اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

حضور انور ﷺ کے ہاتھ منہ سے لگا ہوا رومال آگ میں نہیں جلتا تھا۔ آپ ﷺ کے ہاتھ پاؤں کا غسل بیماریوں سے شفا تھی صفا مروہ پہاڑ حضرت ہاجرہ کے قدم پا کر تاقیامت افضل ہوگئے۔ ہم بزرگوں کے ہاتھ پر بیعت اس لئے کرتے ہیں کہ ان کی صحبت کی برکت سے ہم بھی سچے اور اچھے ہو جائیں۔ اس آیت میں اتقوا اللہ شریعت کا مرکز ہے اور کونوا مع الصادقین طریقت کا سرچشمہ یہ آیت شریعت و طریقت کی جامع ہے۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ

نہیں تھا لائق مدینہ والوں کو اور ان کو جو آس پاس ہیں ان کے دیہاتیوں
مدینہ والوں اور ان کے گرد دیہات والوں کو لائق نہ تھا کہ رسول اللہ سے

اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ

کو یہ کہ پیچھے رہیں وہ اللہ کے رسول سے اور نہ یہ کہ رغبت رکھیں جانوں
پیچھے بیٹھ رہیں اور نہ یہ کہ ان کی جان سے اپنی جان

عَنْ نَّفْسِهٖ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ

سے اپنی کی جان سے یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ لوگ نہیں پہنچتی ان کو پیاس اور نہ کوئی
پیاری سمجھیں یہ اس لئے کہ انہیں جو پیاس یا تکلیف یا بھوک اللہ کی راہ میں پہنچتی

وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا

تکلیف یا بھوک راستہ میں اللہ کے اور نہیں روندتے کوئی راستہ کہ
ہے اور جہاں ایسی جگہ قدم رکھتے ہیں جس سے کافروں کو غیظ آئے

يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ

غصہ میں ڈالے کافروں کو اور نہیں چھینتے دشمن سے کوئی چھیننا مگر لکھا جاتا ہے واسطے ان

اور جو کچھ کسی دشمن کا بگاڑتے ہیں اس سب کے بدلے ان کے

لَهُم بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ

کے اس کی وجہ سے نیک عمل تحقیق اللہ نہیں رائیگاں کرتا ثواب

لئے نیک عمل لکھا جاتا ہے بے شک اللہ نیکوں کا نیک عمل ضائع نہیں

الْمُحْسِنِينَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا يُنفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً

نیک کاروں کا بدلہ نہیں کرتے خرچ چھوٹا اور نہ بڑا

کرتا اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں چھوٹا یا بڑا

وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ

اور نہیں طے کرتے کوئی جنگل مگر لکھا جاتا ہے ان کے لئے تاکہ بدلہ دے انہیں

اور جو نالا طے کرتے ہیں سب ان کے لئے لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ ان سب سے

أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢١﴾

اللہ اچھا اس سے جو وہ کام کرتے تھے

بہتر کاموں کا انہیں صلہ دے

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو تقویٰ و پرہیزگاری کا حکم دیا گیا۔ اتقوا اللہ۔ اب وہ چیز بتائی جا رہی ہے جو تقویٰ کی اصل ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لگ کر رہنا۔ آپ کے فرمان پر چلنا۔ گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی شرح یا تفسیر ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں حکم تھا کہ وکونوا مع الصادقین سچوں کے ساتھ رہو۔ اب ارشاد ہے کہ سچے وہ لوگ ہیں جو اس کے سچوں کے شہنشاہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سایہ کی طرح رہیں ان سے کبھی جدا نہ ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ تم سچوں کے ساتھ رہو۔ سچے ہمارے محبوب کے ساتھ ہیں تو تم ان کے وسیلہ سے ہمارے حبیب کے ساتھ ہو گے۔

**تیسرا تعلق:** گزشتہ پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ کی پناہ اللہ ہی کی طرف مل سکتی ہے۔ لا ملجاء من اللہ الا الیہ

اب ایسی پناہ کی نشاندہی کی جارہی ہے کہ ہمارے محبوب کے ساتھ رہو۔ اللہ کی پناہ میں رہو گے۔ ہر آفت کی پناہ علیحدہ ہے۔ دھوپ سے پناہ درخت کا سایہ بارش سے پناہ چھت سائبان سے پناہ آگ کی گری لینا۔ دنیا و دین کی آفات سے پناہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن ہے۔

تفسیر: ما کان لاھل المدینۃ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس میں کان کے بعد جائز ایا لائقا یا بھلا پوشیدہ ہے اہل مدینہ سے مراد مدینہ منورہ میں رہنے والے ہیں جو مہاجرین ہوں یا انصاری لغت میں مدینہ ہر شہر کو کہا جاتا ہے مگر اصطلاحا اس سے مدینہ منورہ کا دار الہجرۃ مراد ہوتا ہے۔ اگر اور شہر مراد ہو تو وہاں قید لگانی پڑتی ہے مدینہ مصر وغیرہ جیسے النجم سے ثریا تارہ مراد ہوتا ہے۔ مدینہ والے کو مدنی کہا جاتا۔ ان کے علاوہ دوسرے شہر والوں کو مدنی کہا جاتا ہے۔ امام نووی نے فرمایا کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے اتنے نام ہیں جتنے دنیا میں کسی شہر کے نام نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ مدینہ منورہ کے ایک سو نام ہیں۔ جس میں دار الاخیار۔ دار الابرار۔ دار السنۃ۔ دار السلامۃ۔ دار الفتح۔ بارہ۔ طابہ۔ طیبہ مدینہ۔ مشہور نام ہیں۔ مدینہ منورہ کی مٹی جذام و برص کے لئے خصوصا اور ہر بیماری کے لئے عموما شفا ہے۔ وہاں کی عجوہ کھجور زہر کے لئے شفاء ہے۔ مکہ۔ مدینہ علم۔ اہل علم اور فضل و کمال والوں اور دین سے قیامت تک خالی نہیں ہوگا۔

مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

ومن حولھم من الاعراب۔ یہ فرمان عالی اہل المدینہ پر معطوف ہے۔ من سے مراد وہاں رہنے والے لوگ ہیں حولھم کے معنی مدینہ والوں کے آس پاس رہنے والے دیہاتی لوگ۔ ان سے مراد قبیلہ مدینہ۔ جہینہ۔ اشجع اور غفار وغیرہم ہیں چونکہ یہ لوگ مدینہ منورہ سے قریب ہی رہتے تھے اس لئے انہیں حضور انور ﷺ کے سفر اور جہاد وغیرہ کی خبریں بآسانی مل سکتی تھیں دور والے دیہاتی عموماً بے خبر رہتے تھے۔ نیز ان قبیلوں کے گاؤں تبوک کے راستہ میں تھے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان سے مراد سارے دور و قریب کے دیہاتی ہیں کہ وہ سب ہی مدینہ منورہ کے ارد گرد آباد تھے (تفسیر خازن۔ روح البیان)

ان یتخلفوا عن رسول اللہ۔ یہ ہے ما کان کا اسم تخلف کے معنی خلف یعنی پیچھے رہ جانا۔ اس طرح کہ حضور ﷺ کے ساتھ نہ غزوہ میں جانا نہ حضور ﷺ کے پیچھے روانہ ہو کر وہاں پہنچ کر مل جانا۔ ولا یرغبوا بانفسھم عن نفسہ یہ دوسرا حکم ہے اور یہ عبارت معطوف ہے ان یتخلفوا (الخ) پر لا یرغبوا بنا ہے رغبۃ سے اگر اس کے بعد ب یا فی آئے تو اسکے معنی ہوتے ہیں مشغول ہونا یا رغبت و الفت کرنا اور اگر اس کے بعد من آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں منہ پھیرنا بے رغبت ہونا۔ محبت نہ کرنا یہاں مقابلہ کے لئے عن استعمال ہوا اور بانفسھم میں ب متعدی کرنے کے لئے ہے۔ (روح البیان معانی وغیرہ) یعنی اپنی جانوں کو جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے زیادہ نہ جانیں اپنی جانوں کو ان کی جان سے زیادہ نہ چاہیں۔ یا اپنی جانوں کے آرام میں مشغول ہو کر اس پیارے کے آرام سے بے پرواہ ہو جائیں۔ یا حضور انور ﷺ جس تکلیف میں اپنے کو مشغول کر دیں جیسے دراز سفر گرم موسم خوراک کی کمی اس حالت میں مسلمان جہاد وغیرہ کی ان تکالیف سے اپنے کو نہ بچائیں ان تمام باتوں کو اعلیٰحضرت قدس سرہ نے اپنے مبارک ترجمہ میں ایک لفظ سے ادا فرما دیا (نہ یہ کہ اپنی جان

کو ان کی جان سے پیاری سمجھیں) اس فرمان عالی کے تین مطلب ہو سکتے ہیں۔(۱) کسی جہاد میں حضور انور ﷺ سے پیچھے نہ رہیں کہ حضور ﷺ تو جہاد میں جاویں اور یہ نہ جائیں (۲) جس جہاد میں حضور انور ﷺ اپنے جانے کا حکم دیں اس میں حضور ﷺ سے پیچھے نہ رہیں (۳) یہ حکم صرف غزوہ تبوک کے لئے تھا اور آیت کا مقصد یہ ہے کہ کسی مسلمان کو یہ جائز نہ تھا کہ حضور انور ﷺ کے ساتھ نہ جائے۔ پہلی صورت میں یہ آیت منسوخ ہے اور دوسری دو صورتوں میں محکم بعض علماء نے فرمایا کہ یہ حکم تا قیامت جاری ہے جب کہ جہاد فرض عین ہو جائے تو کسی مسلمان کو رہ جانا جائز نہیں۔ سواء معذورین کے (تفسیر خازن) اس کے بعد رب تعالیٰ نے جہاد میں جانے اس میں خرچ کرنے کے سات فائدے بیان فرمائے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا **ذلک بانهم لایصیبهم ظماء و لا نصب**۔ **ذلک** سے اشارہ وجوب جہاد کی طرف ہے کیونکہ جہاد نہ کرنے کی حرمت سے جہاد کی فرضیت ثابت ہوگئی **هم** کا مرجع غازی مجاہدین ہیں۔ ظما سے مطلقاً پیاس مراد ہے اور نصب مطلقاً تکلیف چھوٹی ہو یا بڑی بعض نے فرمایا کہ ان دونوں کی تنوین تحقیر کے لئے ہے اور معنی ہیں معمولی سی بھی پیاس تھوڑی سی تکلیف **و مخمصة** مخمصہ بمعنی بھوک ہے اس سے مراد بھی مطلقاً بھوک ہے یا معمولی سی بھوک فی سبیل اللہ اس کا تعلق پیاس تکلیف بھوک تینوں سے ہے اور اللہ کی راہ ہے حتیٰ کہ نماز کے لئے مسجد کو جانا علم دین کے لئے مدرسہ جانا۔ حج اور مدینہ منورہ کے لئے چلنا سب ہی سبیل اللہ ہے۔ **و لا یطؤن موطئا الکفار** ۔ یہ چوتھے فائدہ کا ذکر ہے۔ یطؤن بنا ہے وطی سے بمعنی روندھنا خواہ اپنے قدموں سے چلنا ہو یا اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے **موطا** وطی کا ظرف ہے یا مصدر یمی پہلی صورت میں اس سے مراد ہے راستہ یعنی غازی لوگ کسی ایسی زمین کو اپنے یا اپنے گھوڑوں کے قدموں سے نہیں روندھتے اسے طے یا فتح نہیں کرتے۔ جس سے کافر جل جاویں۔ خیال رہے کہ غیظ اور غضب دونوں کے معنی ہیں غصہ مگر کسی ناگوار چیز کو دیکھ کر صرف ناراض ہونا غیظ ہے اور ناراضی کے ساتھ بدلہ لینے کا ارادہ کرنا غضب (روح البیان)

**و لا ینالون من عدو نیلا** ۔ یہ جہاد کا پانچواں فائدہ ہے۔ ینالو بنا ہے نیل سے بمعنی پانا۔ حاصل کرنا۔ اس سے ہے **لن تنالوا البر** اس کا فاعل وہ مذکورہ غازی ہیں **عدو** سے مراد حربی کفار جن پر جہاد ہو۔ نیل کے دو معنی ہو سکتے ہیں کسی تکلیف وہ چیز کا پانا۔ کفار سے کوئی تکلیف پہنچنا (روح البیان) یا فائدہ مند چیز کا حاصل کرنا۔ جیسے کفار کو قید کرنا مال غنیمت لونڈی غلام لینا وغیرہ۔ (تفسیر خازن) یعنی وہ غازی کفار سے کوئی تکلیف پائیں یا ان سے فائدہ اٹھائیں **الا کتب لهم به عمل صالح** ۔ یہ فرمان عالی مذکورہ کاموں کا نتیجہ ہے اس میں **الا** سے حصر کا فائدہ ہوا۔ **کتب** سے مراد ہے ان کے نامہ اعمال میں لکھا جانا۔ **به** میں ب سببی ہے اور ہ سے مراد وہ پانچوں کام چونکہ وہ کام الگ الگ **لا** سے ذکر ہوئے اس لئے ان میں ہر ایک مستقل چیز بن گیا اور ہر کام پر یہ وعدہ مستقل طور پر کیا گیا اس لئے **به** ضمیر واحد ارشاد ہوئی۔ یعنی ان پانچوں کاموں میں سے ہر کام ہر نیک عمل لکھا جاوے گا۔ (تفسیر روح المعانی) یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے۔ عمل صالح سے مراد مقبول عبادت ہی یعنی غازی پانچوں کاموں سے جو کام بھی کرے اس کے نامہ اعمال میں نیکی لکھی جاوے گی۔ اگر وہ بحالت سفر جہاد سو رہا ہے تو فرشتے نامہ اعمال میں نوافل اور نیکیاں لکھ رہے ہیں کہ وہ قائم اللیل ہے۔ اور صائم النہار وہ اس راہ میں کھا رہا ہے تو روزی کا

ثواب پارہا ہے ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین یہ فرمان عالی گذشتہ کرم ورحم کی علت ہے۔ یعنی غازیوں پر یہ رحم وکرم اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک کار کا ثواب ضائع وبرباد نہیں کرتا۔ یہ غازی تو اول نمبر کے نیک کار ہیں پھر ان کا ثواب کیوں برباد فرمادے گا۔ ولا ینفقون نفقۃ صغیرۃ ولا کبیرۃ ۔ یہ فرمان عالی معطوف ہے ولا ینالون (الخ) پر اور اس میں جہاد کا چھٹا فائدہ ارشاد ہوا۔ اور غازیوں کے مال جہاد پر ثواب کا وعدہ ہوا۔ چونکہ تھوڑا خرچ زیادہ لوگ کرتے ہیں بڑا خرچ تھوڑے اس لئے چھوٹے خرچ کا ذکر پہلے ہوا بڑے کا بعد میں۔ چھوٹا خرچ وہ ہے۔ جو حضرت علی نے غزوۂ تبوک میں کیا یعنی کچھ کھجوریں اور بڑا خرچ وہ جو حضرت عثمان غنی اور عبدالرحمٰن ابن عوف نے کیا۔ رضی اللہ عنہم۔ ان کے خرچ کا ذکر کچھ پہلے الذین یلمزون المطوعین (الخ) کی تفسیر میں ہو چکا یعنی وہ حضرات جہاد میں جو کچھ بھی تھوڑا بہت خرچ کریں۔ ولا یقطعون وادیا یہ فرمان عالی معطوف ہے ولا ینفقون پر اور مجاہدین کے ساتویں عمل کا ذکر ہے قطع کے معنی ہیں راستہ طے کرنا۔ وادی بنا ہے ودی سے بمعنی بہنا۔ اسی لئے پیشاب کے بعد سفید قطرہ کو ودی کہا جاتا ہے اصطلاح میں پہاڑی یا میدانی نالہ کو وادی کہتے ہیں کہ اس میں برساتی پانی بہتا ہے پھر ہر میدان کو وادی کہنے لگے۔ یہاں یا بمعنی میدان ہے یا بمعنی نالہ اس کی جمع اودیہ ہے جیسے نادی کی جمع اندیہ ہے اور ناجی کی جمع انجیہ (روح المعانی) الا کتب لھم یہ ان آخری دو کاموں کا نتیجہ ہے چونکہ یہ دونوں کام گزشتہ پانچ کاموں کے مقابل آسان تھے اس لئے انہیں علیحدہ کرکے ذکر کیا گیا کتب سے مراد ہے ان کے نامہ اعمال میں لکھ لیا جاتا۔ اس طرح کہ مٹ نہ سکیں۔ (روح المعانی) لیجزیھم احسن ما کان یعملون اس فرمان عالی میں اس مذکورہ تحریر کی حکمت کا ذکر ہے احسن سے پہلے خیرا پوشیدہ ہے اس فرمان کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ مہاجر غازی معمولی نیکیاں بھی کرتے رہتے تھے۔ جیسے مستحب کام اور اعلیٰ نیکیاں۔ جیسے واجب اور فرائض انہیں ان دو کاموں پر ان کے اعلیٰ درجہ کی نیکیوں کا ثواب دیا جائے گا۔ گویا وہ اس دوران میں اعلیٰ درجہ کے فرائض وواجبات ادا کرتے رہے۔ دوسرے یہ کہ ان دو عملوں کی وجہ سے غازیوں کا گذشتہ ادنیٰ نیکیوں کا ثواب اعلیٰ نیکی کا سا ملے گا۔ مثلاً ایک شخص نے سو نیکیاں کیں۔ اٹھانوے معمولی اور دو اعلیٰ درجہ کی پھر مجاہد بن کر اس نے یہ دو کام کئے تو ان دو کاموں کی برکت سے رب تعالیٰ ان کی اٹھانوے معمولی نیکیوں کو بھی اعلیٰ نیکی بنادے گا۔ ان سب کو قبول کرے گا۔ سب پر اعلیٰ ثواب دے گا (تفسیر روح البیان و روح المعانی) گویا جہاد غازی کے لئے اکسیر ہے جو ہلکی نیکی کو اعلیٰ میں تبدیل کردیتا ہے اور گناہ مٹا دیتا ہے۔ جیسے اکسیر پیتل کو سونا کردیتی ہے۔

**خلاصہ تفسیر:** نہ تو مدینہ والوں کو یہ جائز یا مناسب ہے نہ آس پاس کے دیہاتی لوگوں کو وہ اللہ کے رسول سے پیچھے بیٹھ رہیں کہ وہ تو جہاد کو روانہ ہوں اور یہ اپنے گھروں میں آرام کریں نہ یہ مناسب ہے کہ ان محبوب کی ذات کے مقابلہ میں اپنی ذات اپنی جان کو مرغوب جانیں کہ محبوب تو جہاد کی مشقتیں اٹھائیں اور یہ لوگ اپنے گھروں میں اپنی جانوں کو آرام دیں۔ ان سب پر فرض ہے کہ رسول انور ﷺ کے ساتھ جہادوں میں جایا کریں یہ فرضیت اس لئے ہے کہ انہیں جہادوں میں سات فائدے ہوں گے (۱) اس راہ میں انہیں اگر معمولی پیاس برداشت کرنا پڑے۔ یا معمولی تکلیف یا معمولی بھوک یا وہ کفار کا

کوئی علاقہ اپنے قدموں یا اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندھیں کہ اس علاقہ میں گھس جائیں جس سے کفار کو ایذا پہنچے۔ یا وہ دشمن سے کچھ تکلیف برداشت کریں یا ان کے مال پر غنیمت کے طور پر ان کے آدمی غلام لونڈی کے طور پر قبضہ کریں غرض ان میں سے کچھ بھی کریں انہیں ہر عمل پر بروقت بڑی نیکی کا ثواب ان کے نامہ اعمال میں لکھا جائیگا۔ کیونکہ یہ لوگ نیک کار ہیں اور اللہ تعالیٰ نیک کاروں کا ثواب ضائع و برباد نہیں کرتا۔ یہ لوگ جو بھی تھوڑا یا بہت مال جہاد میں خرچ کریں گے یا اس راہ میں کوئی میدان ندی نالہ طے کریں گے سب ان کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان دونوں کاموں پر بہترین نیکی کا ثواب دے تو اے مسلمانوں ایسے نفع بخش کام سے کیوں سستی کرتے ہو۔ اٹھو کمر باندھو ہمت کرو فتح و نصرت تمہارے قدم چومنے کو تیار ہے۔

**روایت:** یہاں تفسیر بیضاوی نے فرمایا کہ حضرت ابوخثیمہ کا نہایت گھنا باغ تھا۔ جس میں ٹھنڈا سایہ ہر قسم کے پھل تھے وہاں باغ میں ہی انہوں نے اپنا مکان بنایا تھا۔ ان کی بیوی نہایت ہی حسینہ تھی حضور انور ﷺ تبوک کو روانہ ہو گئے یہ مدینہ منورہ میں رہ گئے۔ دوپہر کو اپنے باغ میں پہنچے۔ ان کی بیوی نے ان کے لئے گھنے سایہ میں بستر بچھا دیا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے تھے۔ ہر قسم کی کھجوریں اور دیگر پھل حاضر کیے۔ ٹھنڈے پانی کا گھڑا سامنے رکھ دیا خود خدمت کے لئے بیٹھ گئی۔ خیال آیا کہ سایہ گھنا ہے ہوا سرد ہے پانی ٹھنڈا ہے ہر پھل حاضر حسینہ بیوی موجود ہے ہر قسم کا آرام ہے مگر اس وقت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سفر اور لو میں ہیں نہ معلوم حضور ﷺ نے کھانا کھایا ہے یا نہیں پانی پیا ہے یا نہیں ابوخثیمہ یہ انصاف نہیں کہ محسن اعظم نبی مکرم مشقت جھیلیں اور تم آرام کرو یہ کہتے ہوئے اٹھے۔ نیزہ تلوار ساتھ لئے اور اونٹنی پر سوار ہوئے اور اکیلے تبوک روانہ ہو گئے اور یہ سفر دراز طے کر کے آخر جو بندہ یا بندہ محبوب حقیقی یعنی حضور انور ﷺ سے جا ملے۔ حضور نے انہیں بہت ہی دعا دیں۔ یہ ہے اس آیت کریمہ کی جیتی جاگتی عملی تفسیر۔ (بیضاوی)

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئی۔

**پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی مدینہ والوں میں شمار فرمالیتا ہے جو وہاں ایمان و اخلاص کے ساتھ باہر سے پہنچ جائیں یہ فائدہ **لاھل المدینة** فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب نے مہاجرین کو جو باہر سے آ کر مدینہ میں رہے انہیں اہل مدینہ فرمایا۔

**مسئلہ:** غریب آدمی پر حج فرض نہیں لیکن اگر وہ کسی صورت سے کر لے تو ادا ہو جاتا ہے کیونکہ شخص مکہ معظمہ پہنچتے ہی مکہ والا بن جاتا ہے اور مکہ والے غریب پر بھی حج فرض ہے اس لئے بچہ کا حج صحیح نہیں غریب کا صحیح ہے کہ کہ بچہ پر حج نہیں اور غریب مکی پر حج ہے یہ مسئلہ یہاں سے مستنبط ہو سکتا ہے غرضکہ مدینہ میں داخل ہوتے ہی مدنی بن جاتا ہے اور مکہ میں داخل ہوتے ہی مکی۔ یہ دونوں شہر غیروں کو بھی اپنا بنا لیتے ہیں۔

**دوسرا فائدہ:** مدینے والوں میں اور آس پاس کے لوگوں کو حضور انور ﷺ کے ساتھ ہر جہاد میں جانا فرض تھا کہ بغیر مجبوری گھر نہیں رہ سکتے یہ فائدہ ان **تخلفوا** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ **تخلف** سے مراد ہو کسی غزوہ میں حضور

علیہ السلام سے پیچھے رہنا۔

**تیسرا فائدہ:** مومن وہ ہے جو حضور انور علیہ السلام کو اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا جانے اس کے بغیر ایمان نصیب نہیں ہوتا یہ فائدہ **ولا یرغبوا بانفسھم** (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر بفضلہٖ تعالیٰ یہ محبوبیت ہر مومن کو حاصل ہے۔

**چوتھا فائدہ:** جو اللہ رسول کی اطاعت میں رہے اس کا اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا سونا جاگنا سب عبادت ہوتا ہے۔ یہ فائدہ **الا کتب لھم بہ عمل صالح** سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس جو کوئی اللہ رسول کی نافرمانی میں رہے اس کے یہ تمام کام گناہ ہوتے ہیں (تفسیر خازن۔ روح المعانی) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجاہد غازی کو رات کے نوافل دن کے روزے کا ثواب ملتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنے گھر واپس آجائے۔ اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ سفر حج سفر زیارت اور سفر طلب علم کو بھی ایسا ہی مبارک بنادے کہ یہ سب سفر فی سبیل اللہ ہیں۔

**پانچواں فائدہ:** جہاد کی برکت سے پچھلی نامقبول نیکیاں بھی مقبول بن جاتی ہیں یہ **لیجزیھم اللہ احسن ما کانوا یعملون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

**چھٹا فائدہ:** غازی بحالت سفر خواہ اپنے ملک میں چلے یا دشمن کے ملک میں بہرحال ہر قوم پر ثواب پاتا ہے یہ فائدہ **لا یقطعون وادیا** کے مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔

**پہلا اعتراض:** ان آیات کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضور انور علیہ السلام کے ساتھ ہر سفر جہاد میں یا غزوۂ تبوک میں جانا فرض تھا۔ مگر احادیث سے ثابت ہے کہ بہت مدینہ والے اس غزوہ میں نہ گئے کیا وہ سب فاسق ہوئے اگر فاسق جھوٹے بہانے بنا کر رہ گئے تھے۔ معذورین جنہیں درست و صحیح عذر نے روک دیا۔ سستی سے رہ جانے والے مگر بعد میں حضور انور علیہ السلام تک پہنچ جانے والے۔ سستی سے بالکل ہی رہ جانے والے منافقین تو فاسق کیا کافر تھے۔ معذورین کو شریعت نے روک دیا تھا جیسے۔ نابینا اور بیمار بچے۔ عورتیں وغیرہم ان کے متعلق حضور انور علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ لوگ گھر میں رہتے ہوئے ہمارے ساتھ ہیں ثواب میں برابر کے شریک ہیں۔ تیسری قسم کے لوگوں کا بعد میں حضور انور علیہ السلام تک پہنچ جانا کفارہ ہوگیا۔ چوتھی قسم کے لوگ گنہگار ہوئے مگر توبہ کی وجہ سے جلد یا دیر سے ان کی معافی ہوگئی لہٰذا فاسق نہ ہوئے۔ فاسق وہ ہے جو گناہ کرے اور توبہ نہ کرے۔

**دوسرا اعتراض:** تم نے فوائد میں کہا کہ مومن وہ ہے جسے حضور انور علیہ السلام سے محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہو۔ اس قاعدے سے تو آج دنیا بھر میں چند ہی مومن ہوں گے۔ جان سے زیادہ محبت تو کسی کو بھی نہیں ہوتی ورنہ کبھی گناہ نہ کرتا محبت کی علامت اطاعت ہے۔

**جواب:** بفضلہٖ تعالیٰ گنہگار سے گنہگار مسلمانوں کو حضور انور علیہ السلام اپنی جان سے زیادہ پیارے ہیں۔ محبت کا امتحان مقابلہ کے وقت ہوتا ہے بعض فاسق مسلمان حضور کی عزت پر اپنی جان فدا کردیتے ہیں۔ گستاخوں بدگوؤں کو قتل کر کے پھانسی پر لٹک جاتے ہیں۔ عبدالقیوم۔ علم دین لاہوری۔ عبدالرشید دہلوی کے واقعات سب کے سامنے ہیں محبت کی علامت اطاعت نہیں۔

منافقین اطاعت کرتے تھے مگر کافر تھے اطاعت لالچ اور ڈر کی بھی ہوتی ہے۔ حضور ﷺ اگر چہ گناہ کر بیٹھے مگر رہے اللہ رسول کے پیارے۔ محبت کی علامت زیادہ چرچہ کرنا ہے۔ من احب شیئا اکثر ذکرہ اور اپنے محبوب میں عیب نہ نکالنا اور عیب نکالنے والوں سے نفرت کرنا ہے۔ رب فرماتا ہے لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا اباء ھم وابناء ھم او اخوانھم (الخ) یہ ہے محبت رسول کی کسوٹی کہ اللہ رسول کے مخالف اگرچہ اپنے باپ دادا سے بھائی عزیز ہوں ان سے الفت نہ ہو۔ نفرت ہو۔

**تیسرا اعتراض:** ان آیات کریمہ میں نمازیوں کے پانچ کاموں کے بعد ارشاد ہوا الا کتب لھم بہ عمل صالح اور آخری کاموں کے متعلق ارشاد ہوا صرف الا کتب لھم یہاں عمل صالح نہیں فرمایا گیا۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے۔

**جواب:** وہ پانچ کام یعنی بھوک، پیاس، تکلیف زخم، شہادت دشوار ہیں اور یہ دو کام جہاد میں خرچ اور صرف سفر ان سے آسان ہیں اور جہاد میں اجر بقدر مشقت ملتا ہے یہ فرق ظاہر فرمانے کے لئے عبادت میں فرق کیا گیا۔

**تفسیر صوفیانہ:** رب تعالیٰ نے انسان کو خصوصی نعمتیں چار بخشی ہیں مال۔ جسم۔ جان۔ ایمان۔ مال خارجی نعمت ہے باقی تین داخلی مال سے جسم اور جسم سے جان اور جان سے ایمان افضل و اعلیٰ ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ شعر۔

ہر ادنیٰ چیز ہوا کرتی ہے اعلیٰ پہ نثار ۔۔۔ جسم ہے جان کے لئے جان ہے ایماں کے لئے

ہمیشہ ادنیٰ چیز اعلیٰ پر قربان ہوتی ہے جمادات جانوروں پر اور جانور انسانوں پر قربان ہوتے ہیں کوئی سر پر چوٹ مارے تو ہاتھ سے سر بچاتے ہیں کیونکہ ہاتھ سر سے ادنیٰ ہے۔ لہٰذا مال بدن پر اور بدن جان پر قربان ہے تو چاہئے کہ جان ایمان پر فدا ہو۔ شعر

دھن دے تن کو راکھئے اور تن دے رکھئے لاج ۔۔۔ تن من دھن سب وارئے ایک دھرم کے کاج

یعنی مال جسم پر جسم عزت پر قربان کرو اور مال جسم۔ دل و جان سب ایمان پر قربان کرو اور ایمان کی جان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس قاعدے سے مومن کا سب کچھ حضور انور ﷺ پر صدقے ہونا چاہئے۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا کہ مومنین غزوات میں حضور انور ﷺ سے پیچھے نہ رہیں۔ اپنی جان کو ان سے زیادہ پیارا نہ جانیں بلکہ ان کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھیں۔ جب ان کا یہ حال ہوگا تو ان کا ہر کام باعث ثواب ہوگا۔ کیونکہ حضور انور ﷺ اللہ کے محبوب ہیں اور یہ لوگ محبوب کے منسوب لہٰذا ان کی ہر ادا مرغوب۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہر ادا جنبش پر ثواب دے گا کہ محبوب کے منسوب کی جنبش ہے محبت و عداوت بجلی کے پاور کی طرح ہے جو بہت دور تک کام کرتی ہے یا اچھے ہو کر جیو یا اچھوں کے ہو کر جیو۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ

اور نہیں ہیں کہ مومنین نکلیں سب کے سب پس کیوں نہ ہوا کہ نکلتا ہر

اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہوا کہ

كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا

جماعت سے اس میں سے ایک ٹولہ تاکہ فقہ حاصل کریں دین میں اور تاکہ

ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر

قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ع

ڈرائیں قوم کو اپنی جب لوٹیں وہ طرف ان کے تاکہ وہ ڈریں

اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں

**تعلق**: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں مسلمانوں کو سفر جہاد کی رغبت دی گئی اور جہاد کے موقعہ پر گھر میں بیٹھ رہنے سفر نہ کرنے پر عتاب فرمایا گیا۔ اب علم دین کے لئے سفر کرنے کا حکم دیا جارہا ہے اس کے قاعدے بیان ہو رہے ہیں کیونکہ جہاد تلوار سے بھی ہوتا ہے اور علم سے بھی۔ نیز جہاد کے ذریعے کفار مسلمان بنتے ہیں اور علم دین کے ذریعہ مسلمان مسلمان رہتے ہیں گویا ایک قسم کے سفر کے بعد دوسرے قسم کے سفر کا ذکر ہے۔

**دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں حکم تھا کہ سارے اہل مدینہ اور اطراف کے لوگ جہاد کے لئے روانہ ہوا کریں کوئی بلاسخت مجبوری اپنے گھر میں نہ رہا کرے اب ارشاد ہے کہ انہیں بلکہ بعض لوگ جہاد کو جائیں بعض گھر رہیں علم دین سیکھیں وہ حکم اور حالت میں تھا یہ حکم دوسری حالت میں ہے۔

**تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں حکم تھا کہ جب نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لئے سفر فرمائیں تو کوئی پیچھے نہ رہے سب ان کے ساتھ روانہ ہوں اب ارشاد ہے کہ اگر وہ محبوب خود جہاد کو روانہ نہ ہوں بلکہ صحابہ کو روانہ فرمائیں تو یہ حکم نہیں بلکہ اس صورت میں بعض حضرات جہاد میں جائیں اور بعض لوگ ہمارے محبوب کے پاس رہیں تاکہ ان سے علم دین سیکھیں۔

**شان نزول**: اس آیت کے شان نزول کے متعلق چند روایات ہیں (۱) ایک بار قبیلہ مصر وغیرہم کے سارے لوگ مدینہ منورہ آگئے تاکہ علم دین حضور انور ﷺ سے سیکھیں اس سے ان کے علاقے ویران ہوگئے اور مدینہ میں سخت تنگی ہوگئی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حکم دیا گیا کہ دین سیکھنے کے لئے سب لوگ اپنے وطن سے نہ نکلا کریں کہ اس میں دو نقصان ہیں مدینہ منورہ میں تنگی اور ان کی وطن کی ویرانی معاش حاصل کرنے میں دشواری (از تفسیر خازن) (۲) جب گزشتہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں جہاد سے رہ جانے والوں پر سخت عتاب فرمایا گیا تو مسلمانان مدینہ ہر غزوے ہر سریے میں روانہ ہونے لگے بعض دفعہ ہوتا ہے کہ سریے میں سارے مومن جہاد کے لئے چلے جاتے مدینہ منورہ میں حضور انور ﷺ اکیلے رہ جاتے ان کے پیچھے شرعی احکام نازل ہوتے جنہیں ان سے کوئی نہ سیکھ سکتا اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس

میں حکم دیا کہ بعض حضرات جہاد کے لئے سفر کریں۔ بعض حضرات دین سیکھنے کے لئے حضور انور ﷺ کے ساتھ اپنے گھر رہیں۔ (از تفسیر کبیر و خازن) (۳) مجاہد فرماتے ہیں کہ کچھ صحابہ کرام نے مدینہ منورہ چھوڑ کر دیہات کی زندگی اختیار کر لی۔ وہاں انہیں بہت آرام ملا اور انہیں لوگوں کو تبلیغ کرنے کا بھی اچھا موقعہ ملا۔ بہت عرصہ کے بعد یہ حضرت مدینہ منورہ آئے تو دیکھا کہ ان کے پیچھے بہت سی قرآنی آیات نازل ہو چکی ہیں اور حضور انور ﷺ کے پاس رہنے والے صحابہ علم میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔ اس پر انہیں افسوس ہوا۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ ہر جماعت کے کچھ لوگ ہمارے محبوب کے پاس ضرور رہا کریں تاکہ علم دین سیکھیں (از تفسیر خازن)

**تفسیر:** **وکان المومنون لینفروا کافۃ** اس فرمان عالی کی تین تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ مومنین سے مراد اہل مدینہ اور اطراف مدینہ کے باشندے ہیں نفر سے مراد ہے جہاد کے لئے اپنے گھروں سے روانگی یعنی مسلمانوں کو یہ مناسب نہیں کہ سارے کے سارے جہاد کے لئے روانہ ہو جایا کریں اور مدینہ منورہ کو خالی اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا مدینہ میں چھوڑ دیا کریں دوسرے یہ کہ مومنین سے مراد دور دراز علاقے کے رہنے والے مسلمان ہیں نفر سے مراد ہے طلب دین کے لئے اپنے وطن سے مدینہ منورہ آ جانا یعنی ان مسلمانوں کو یہ مناسب نہیں کہ سارے اپنے گھروں سے مدینہ منورہ آ جایا کریں۔ علم دین سیکھنے کے لئے جس سے مدینہ منورہ میں تنگی ہو اور ان کے وطن ویران ہو جائیں۔ تیسرے یہ کہ مومنین سے مراد وہ مسلمان جو مدینہ منورہ چھوڑ کر دیہات میں بس گئے تھے اور نفر سے مراد مدینہ منورہ سے دیہات کی روانگی یعنی یہ مناسب نہ تھا کہ یہ قبیلے کے سارے دیہات کی طرف روانہ ہو جایا کریں جیسا کہ شان نزول کی روایات سے معلوم ہوا بہر حال یہ آیت کریمہ یا تو سفر جہاد کے متعلق ہے اور گذشتہ آیات کے مضمون کا بقیہ ہے یا اس میں نیا حکم ہے گزشتہ کا تکملہ نہیں۔

**فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ**۔ یہ فرمان عالی پچھلے مضمون کی تفصیل ہے اور اس میں ف تفصیل کے لئے ہے **لولا**۔ ھلا اور لو ما تینوں قریباً ہم معنی ہیں۔ (کبیر) اگر یہ مستقبل پر آئیں تو رغبت دینے کے لئے ہوتے ہیں اور اگر ماضی پر آئیں تو جھڑک اور ناراضی ظاہر کرنے کے لئے (روح البیان) یہاں بھی نفر میں تین احتمال ہیں (۱) مدینہ منورہ سے جہاد کے لئے مدینہ منورہ روانگی فرقے سے مراد ہے بڑی جماعت۔ پورا خاندان یا قبیلہ یا پورے شہر کے لوگ۔ طائفہ سے مراد تھوڑے سے لوگوں کی جماعت اگرچہ ہر جماعت یا ہر شہر سے ایک ہی ہو۔ **لیتفقھوا فی الدین** اس فرمان عالی میں کچھ لوگوں کے جانے اور کچھ کے رہ جانے کی حکمت کا ذکر ہے اس میں لام وجہ یا حکمت کا ہے تفقہ کا مادہ فقہ ہے جس کے معنی ہیں دینی مسائل کو سمجھنا اور سمجھ کر یاد کرنا۔ اس کو قرآن مجید میں حکمت فرمایا گیا۔ **ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا**۔ اجتہاد اور مسائل کے استنباط کو بھی فقہ کہا جاتا ہے لہٰذا فقیہ عالم دین کو بھی کہتے ہیں اور مجتہدین کو بھی **لیتفقھوا** کا فاعل یا تو رہ جانے والے لوگ ہیں یا جانے والے یعنی تاکہ ہمارے محبوب کے پاس مدینہ منورہ میں رہ جانے والے لوگ ان محبوب سے دینی مسائل سمجھیں اور یاد کریں۔ یا اپنے وطن سے مدینہ منورہ آنے والے لوگ ہمارے محبوب سے علم دین حاصل کریں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر نفر سے مراد جہاد کے لئے نکلنا ہے تو **یتفقھوا** کا فاعل وہی نکلنے والے ہیں۔ علم دین سے مراد علم عقائد۔

علم عبادات۔علم معاملات حتی کہ علم اسرار سب ہیں (روح البیان) ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم اور یہ دوسری حکمت کا بیان ہے اور معطوف ہے۔ لیتفقھوا پر لینذروا اور رجعوا کا فاعل یا علم دین سیکھنے کے لئے روانہ ہو جانے والے لوگ ہیں تو قومھم سے مراد رہ جانے والے لوگ یعنی یہ علم سیکھنے کے لئے سفر کرنے والے جب اپنے وطن آئیں تو اپنی قوم کے رہ جانے والے لوگوں کو علم سکھائیں۔ اللہ رسول سے ڈرائیں۔ تبلیغ کریں کہ دین سیکھنے کا یہی مقصد ہے نہ کہ اس کے ذریعہ صرف دنیا حاصل کرنا۔ یا ینذروا کا فاعل رہ جانے والے لوگ ہیں۔ اور رجعوا کا فاعل جہاد میں جانے والے لوگ یعنی یہ لوگ جو جہاد میں نہیں گئے حضور انور ﷺ کی خدمت میں رہے وہ ان مجاہدین غازیوں کو اس زیادہ کا سیکھا ہوا علم سکھائیں جب وہ غازی جہاد کے سفر سے واپس آئیں کہ وہ غازی بن کر ثواب پائیں۔ یہ عالم دین بن کر ثواب و درجات کمائیں۔ لعلھم یحذرون یہ فرمان عالی لینذروا کا نتیجہ بیان فرما رہی ہے لعلھم کے معنی ہیں شاید یا تاکہ ھم کا مرجع وہی لوگ ہیں جن کو تبلیغ کی گئی۔ رب سے ڈرایا گیا۔ یا تو غازی مجاہدین جو بحالت سفر حضور انور ﷺ سے غائب رہے یا وہ جو اپنے گھروں میں رہے اور دوسرے لوگ علم دین سیکھنے سفر میں گئے یعنی اس امید سے ڈرائیں کہ وہ لوگ اللہ سے ڈریں ان کے دل میں خوف خدا پیدا ہو دنیاوی لالچ سے تبلیغ نہ ہو بہر حال اچھی نیت بڑی اعلیٰ نعمت ہے۔

**خلاصہ تفسیر:** یہ آیت کریمہ یا سفر جہاد کا تکملہ ہے یا طلب علم کے سفر کے متعلق ہے اس لئے اس کی چند تفسیریں ہیں۔ (۱) یہ مناسب نہیں کہ سارے مسلمان جہاد میں چلے جایا کریں اور ہمارے محبوب کو مدینہ منورہ میں تنہا چھوڑ جایا کریں اس میں خطرہ بھی ہے ان کا نقصان بھی مدینہ منورہ کو خالی چھوڑنا خطرناک ہے دشمن تاک میں ہے اور سب مسلمانوں کا حضور انور ﷺ سے جدا رہنا اس میں ان کا نقصان یہ ہے کہ ان کے پیچھے جو آیات قرآنیہ احکام شرعیہ نازل ہوں گے ان سے یہ بے خبر رہیں گے۔ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہر قوم میں سے ایک جماعت سفر جہاد میں روانہ ہو باقی لوگ محبوب کے پاس رہیں تاکہ حضور انور ﷺ سے دینی نئے مسائل نئی آیات نئے احکام سیکھیں اور سمجھیں پھر جب مجاہدین واپس آ دیں تو یہ لوگ ان کے پیچھے سیکھے ہوئے مسائل انہیں سکھائیں رب سے ڈرائیں تاکہ ان حضرات کو خوف خدا اور زیادہ ہو۔ (۲) مسلمانوں سے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ سارے کے سارے اپنی بستیاں خالی کر کے سب مدینہ منورہ علم دین سیکھنے کے لئے جائیں کہ اس سے ان لوگوں کی معیشت خراب ہو گی۔ مدینہ والوں پر تنگی اور بوجھ ہو گا۔ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہر بستی ہر قبیلہ سے کچھ لوگ جائیں باقی لوگ گھروں میں رہیں یہ جانے والے دینی مسائل سیکھ کر سمجھ کر آ دیں اور اپنی باقی ماندہ قوم کو سکھائیں سمجھائیں۔ انہیں رب سے ڈرائیں کسی دنیاوی لالچ سے نہیں بلکہ اس امید سے کہ ان لوگوں میں خوف خدا پیدا ہو۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** پورا عالم دین اور فقیہ بننا ہر شخص پر ضروری نہیں یہ فرض کفایہ ہے کہ بستی میں ایک اس پر عمل کرے سب کی طرف سے ادا ہو جائے۔ یہ فائدہ طائفۃ منھم کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ یہاں سفر سے سفر طلب علم مراد ہو۔

**دوسرا فائدہ:** عام حالات میں جہاد فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے یہ فائدہ طائفہ کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ

یہاں سفر سے سفر جہاد مراد ہو۔ جب جہاد میں فرض ہو جاوے تو سب پر یہ سفر لازم ہوگا۔

**تیسرا فائدہ:** علم دین کے لئے سفر کرنا عبادت ہے یہ فائدہ لو لا نفروا سے حاصل ہوا جب کہ یہاں سفر طلب علم مراد ہو۔

**چوتھا فائدہ:** مسلمانوں کو چاہئے کہ جہاد کے موقعہ پر دارالاسلام کو بالکل خالی نہ کریں یہاں بھی فوج اور دفاعی انتظام رکھیں اور ادھر دشمن سے مقابلہ بھی کریں مرکز کمزور نہ ہونے دیں۔ یہ فائدہ بھی ما کان المومنون لینفروا کافۃ سے حاصل ہوا۔

**پانچواں فائدہ:** حفظ قرآن سے علم قرآن حفظ حدیث سے علم حدیث افضل ہے یہ فائدہ لیتفقھوا فی الدین سے حاصل ہوا۔

**چھٹا فائدہ:** تمام علوم دین میں علم فقہ افضل یہ فائدہ لیتفقھو فی الدین سے حاصل ہوا دوسری جگہ ارشاد ہے ومن یولی الحمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا حضور انور ﷺ فرماتے ہیں من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین رب تعالیٰ جس کا بھلا چاہتا ہے اس کو دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علم فقہ میں عطا فرماوے۔

**مسئلہ:** تلاوت قرآن اور نوافل پڑھنے سے افضل ہے علم فقہ حاصل کرنا (شامی) چاہئے یہ کہ شاگرد استاد کے پاس علم سیکھنے کے لئے حاضر ہو استاد کو اپنے ہاں بلا کر نہ سیکھے یہ مسئلہ اس آیت سے مستنبط ہو سکتا ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نبی کلیم اللہ ہیں مگر علم سیکھنے کے شوق میں ایک نبی خضر علیہ السلام کے پاس سفر کر کے تشریف لے گئے اگرچہ ان سے کچھ سیکھا نہیں۔ حالانکہ آپ خضر علیہ السلام سے کہیں افضل تھے کہ صاحب شریعت صاحب کتاب نبی تھے۔ انشاء اللہ اس سفر موسوی کے فوائد ہم پندرہ پارہ کی آخری آیات کی تفسیر میں عرض کریں گے۔

**ساتواں فائدہ:** علم دین خصوصاً علم فقہ تبلیغ دین کے لئے حاصل کرے دنیا کمانا مقصود نہ ہو یہ فائدہ ولینذروا قومھم (الخ) سے حاصل ہوا۔

**مسئلہ:** محدثین اور مفسرین سے فقہاء افضل ہیں کہ الفاظ و معانی ان دو جماعتوں کے پاس ہیں مگر سمجھ فقہاء کے پاس مفسرین و محدثین گویا دین کے پنساری ہیں۔ فقہاء طبیب پنساری کی دوائیں طبیب کے قلم کے ذریعہ استعمال ہوں تو مفید ہیں اس کے بغیر ہلاکت کا ذریعہ یہ مسئلہ لیتفقھوا فی الدین سے حاصل ہوا۔

**آٹھواں فائدہ:** تبلیغ دین صرف دنیا کمانے کے لئے نہ ہو دین کی اشاعت کے لئے انشاء اللہ دنیا خود بخود لونڈی بن کر آوے گی۔ یہ فائدہ لعلھم یحذرون سے حاصل ہوا۔

**نواں فائدہ:** جاہل کو عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور غیر مجتہد کو مجتہد کی تقلید کرنا لازم ہے یہ فائدہ لینذروا قومھم سے حاصل ہوا۔ کیونکہ یہاں یہ نہیں ارشاد ہوا کہ گھر میں رہنے والے لوگ خود ترجمے منگا کر پڑھ لیا کریں بلکہ عالم بن کر آنے والوں سے سیکھیں۔

**دسواں فائدہ:** دینی احکام میں ایک شخص کی خبر معتبر ہے یہ فائدہ طائفۃ سے حاصل ہوا اگر شہر سے ایک عالم آ کر شرعی

احکام کی تبلیغ کرے تو باشندوں کو اس کی بات ماننا پڑے گی حضور انور ﷺ کے زمانہ میں ایک صاحب گاؤں سے آتے تھے دین سیکھ کر قوم کے پاس پہنچتے اور فرماتے کہ حضور انور ﷺ نے یہ فرمایا ہے۔ سب پر اس کا ماننا لازم تھا۔ ہر حدیث پر گواہی نہیں مانگی جاتی ہے۔ ایک آدمی بھی طائفہ میں داخل ہے۔ (از تفسیر کبیر۔ خازن)

**مسئلہ:** بقدر ضرورت دینی مسائل سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور زیادہ بہتر۔ لہذا نماز روزے ضروری مسائل ہر مسلمان پر سیکھنا فرض ہے۔ عورتوں پر حیض و نفاس کے مسائل سیکھنا ضروری ہیں۔ کہ ان سب کو ان سے واسطہ پڑتا ہے حاجی کو حج کے مسائل تاجر کو تجارت کے مسائل سیکھنا ضروری ہیں۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں علم دین سیکھنے کے لئے سفر کرنا فرض ہے۔ دیکھو ارشاد ہوا فلولا نفروا (الخ) مگر دیکھا یہ جارہا ہے کہ بہت لوگ اپنے گھر میں ہی علم سیکھ لیتے ہیں کیا وہ سفر نہ کرنے پر گنہگار ہیں۔

**جواب:** اس اعتراض کا جواب تفسیر کبیر نے یہ دیا کہ سفر کا حکم جب ہے جب کہ گھر رہ کر علم حاصل نہ ہو سکے۔ حضور انور ﷺ کے زمانہ شریف میں قریباً یہی حال تھا کہ مدینہ منورہ میں ہی علم ملتا تھا کیونکہ اس وقت شرعی احکام بلکہ آیات قرآن جمع نہیں ہوئے تھے۔ روزانہ ان میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اہل مدینہ کو سفر کی ضرورت تب پڑتی تھی جب حضور انور ﷺ سفر میں جاتے تو یہ بھی ساتھ جاتے تھے۔ کیونکہ بحالت سفر جو احکام اور آیات نازل ہوں انہیں سیکھیں۔

طلب کردن علم شدہ بر تو فرض    وگر واجب است از پیش قطع ارض

**دوسرا اعتراض:** کیا عورتیں بھی طلب علم کے لئے سفر کریں۔

**جواب:** عورت کے لئے بغیر محرم سفر کرنا ممنوع ہے حتی کہ وہ بغیر محرم حج کے لئے بھی سفر نہیں کر سکتی بلکہ اس صورت میں اس پر فرض ہی نہیں۔ مرد کے لئے حج کے لئے سامان سفر ضروری ہے اور عورت کے لئے حج کے لئے سامان سفر اور محرم کی ہمراہی شرط ہے عورت اپنے ماں باپ یا خاوند سے دین سیکھے۔

**تیسرا اعتراض:** کیا عورت اپنے وطن میں عالم دین کے پاس یا دینی جلسہ میں جا کر دین سیکھ سکتی ہے۔

**جواب:** ہاں پردے کے ساتھ حضور انور ﷺ کے زمانہ میں تو حائضہ عورتوں تک کو حکم تھا کہ وہ عید کی نماز کے موقعہ پر عید گاہ حاضر ہوں اگر ان کے پاس چادر نہ ہو تو اپنی کسی سہیلی سے مانگ کر اوڑھیں اور وہاں پہنچیں۔ عید گاہ سے الگ بیٹھیں تاکہ اپنے متعلق حضور انور ﷺ سے شرعی احکام سنیں اور سیکھیں۔ خلافت فاروقی میں عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا گیا۔ اب فی زمانہ چونکہ عورتیں کالجوں اسکولوں بازاروں بلکہ سینما گھروں سے نہیں رکتیں اس لئے مناسب یہ ہے کہ انہیں پردے کے ساتھ جمعہ کی نماز اور دینی جلسے میں آنے سے نہ روکو کہ یہاں کچھ دینی مسائل تو سنیں گی۔ اب فقیر یہی فتویٰ دیتا ہے مگر مردوں سے علیحدگی اور پردہ ضروری ہے۔

**چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں رہ جانے والوں کے لئے فرقہ فرمایا اور جانے والوں کے لئے طائفہ اس فرق کی کیا وجہ ہے۔

**جواب:** اگر یہ آیت علم دین کے سفر کے لئے ہے تب تو ظاہر ہے۔ کیونکہ طالب علم ایک دو بھی کافی ہیں باقی لوگ کاروبار بستی کی آبادی کے لئے گھروں میں رہیں۔ اور اگر مراد سفر جہاد ہے تو بھی زیادہ لوگ وطن میں ٹھہریں یہاں کا انتظام کریں اور کچھ لوگ سن کر جہاد میں جائیں اس لئے جانے والوں کو طائفہ یعنی تھوڑی جماعت فرمایا۔

**پانچواں فائدہ:** اس آیت میں مسافر طلبا کے لئے فقہ کی قید کیوں لگائی **لیتفقھوا فی الدین** کیا علم حدیث تفسیر اور دنیوی علوم حاصل کرنے کے لئے سفر جائز نہیں۔

**جواب:** بالکل جائز ہے مگر ان سفروں پر وہ ثواب نہیں اور ان کا وہ درجہ نہیں جو دینی تفقہ کے لئے سفر کا درجہ ہے فقہ فی الدین یعنی دین سمجھنا بہت ہی بڑا کام ہے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے **فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد** ابلیس پر ایک فقیہ ہزار عابدوں سے بھاری ہے اور کیوں نہ ہو۔ شعر۔

گفت او گلیم خویش بدر یا بروز موج ویں جہد می کندکہ بگیرو غریق را

عابد دریا سے اپنی کملی بچاتا ہے اور فقیہ عالم امت کا جہاز پار لگاتا ہے اس لئے علماء کو نائب رسول وارث جناب مصطفےٰ کہا جاتا ہے وراثت مال سے وراثت کمال ہے حضرت علی فرماتے ہیں۔ شعر۔

**فان المال یفنی عن قریب وان العلم باقی لا یزال**

**چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں پہلے **لیتفقھو** فرمایا بعد میں **ولینذروا قومھم** (الخ) ارشاد ہوا۔ اس ترتیب ذکری میں کیا حکمت ہے

**جواب:** اس ترتیب ذکری سے چند باتیں بتائی گئیں۔ ایک یہ کہ خود سیکھنا پہلے ہے دوسروں کو سکھانا بعد میں جاہل تبلیغ نہیں بلکہ جہالت سکھائے گا۔ دوسرے یہ کہ مسافر طالب علم کے دو حال ہیں ایک گھر سے جانا۔ دوسرے گھر واپس آنا چاہیے۔ یہ کہ سفر میں جانا سیکھنے کے لئے ہو۔ اور واپس آنا سکھانے کے لئے تاکہ جانا بھی عبادت ہو جائے اور آنا بھی۔ تیسرے یہ کہ علم دین سیکھنے کی نیت ہو نہ تو مال کمانا ہو نہ صرف خود ہی عمل کرنا۔ بلکہ دوسروں تک پہنچانا اصل مقصود ہو کہ علم دین کا مقصد عمل بھی ہے اور دوسروں کی تعلیم بھی چوتھے یہ کہ تبلیغ و تعلیم سے نیت قوم کی اصلاح ہو نہ کہ اپنی بڑائی اس ترتیب ذکری سے بہت باتیں بتا دی گئیں پانچویں یہ اصلاح و تبلیغ پہلے اپنی قوم کی ہو پھر دوسروں کی اس لئے ارشاد ہوا **ولینذروا قومھم** پھر خدا توفیق دے تو سارے مسلمانوں کو تبلیغ کرو کہ ساری مسلم برادری ہماری قوم ہے۔

**ساتواں اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں علم فقہ تھا ہی نہیں یہ تو بعد میں فقہاء۔ علماء نے بنایا پھر رب تعالیٰ کا یہ فرمان کیونکر درست ہوا کہ **لیتفقھو فی الدین** حضرات صحابہ نے فقہ نہ پڑھا نہ پڑھایا۔

**جواب:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اقدس میں علم فقہ کامل طور پر تھا۔ ہاں یہ کہو کہ فقہ کی کتابیں نہ تھیں وہ علم حضور اقدس کے سینہ۔ زبان فیض ترجمان اور نگاہ کرم سے عطا ہوا تھا۔ بعد میں اسے کتابوں کے ذریعہ پھیلایا گیا۔ حضرت عمر نے حضور ﷺ سے سورۂ بقر تقریباً بارہ سال میں پڑھی سوچو کہ کیا بارہ سال میں اس سورت کے الفاظ پڑھے۔ نہیں بلکہ اس کا فقہ

پڑھا حضور علیہ السلام کے زمانہ میں کتب احادیث بلکہ علم حدیث نہ تھا مگر احادیث موجود تھیں جنہیں بعد میں کتابی شکل میں جمع کیا گیا اور علم حدیث اسناد۔ قسام۔ مراتب حدیث مقرر کئے گئے قرآن و حدیث کی صحیح سمجھ فقہ ہے۔
کا شکریہ نماز روزہ و حج ہے جانی نعمت کا شکریہ ایمان اور جہاد ہے مگر دل و دماغ عقل صحت، تندرست ان نعمتوں کا شکریہ علم دین سیکھنا سکھانا ہے قرآن کریم فرماتا ہے واللہ اخرجکم من بطون امهاتكم لا تعلمون شيئا وجعل لكم السمع والابصار والافئدة لعلكم تشكرون اس آیت نے پردے کھول دیئے کہ علم حواس دل و دماغ، صحت کا شکریہ ہے علم کا ایک ڈھانچہ ہے اور ایک روح علم کا ڈھانچہ فرمان ہے اور اس کی روح فیضان فرمان تو زبان، قلم، کتاب سے ملتا ہے مگر فیضان صرف استاد کی نگاہ سے ملتا ہے اور اس کی صحبت سے اس لئے آج باوجود علم کتب میں آ گیا مگر پھر بھی استاد کی خدمت میں حاضری اس کے پاس سفر کر کے جانا ضروری ہے فلولا نفر کا حکم تا قیامت طلباء کے لئے ہے۔ شعر۔

علم و حکمت از کتب دیں از نظر ۔۔۔ دیں مجو اندر کتب اے بے خبر
روئے دل را جانب دلدار کن ۔۔۔ صد کتاب و صد ورق در نار کن

صوفیاء فرماتے ہیں کہ بڑے عالم۔ بڑے زاہد بڑے متقی پرہیزگار استاد سے علم دین حاصل کرو۔ اس لئے امام ابوحنیفہ نے حضرت حماد جیسے فقیہ۔ متقی ولی کو اپنا استاد بنایا۔ آپ کو دو سال تک حضرت امام جعفر صادق کی صحبت پاک میسر رہی اور بیس سال حضرت حماد کی۔ ان کی فیوض نے انہیں امام اعظم بنا دیا۔ حضرت جابر نے ایک حدیث کے لئے مدینہ منورہ سے مصر کا سفر کیا۔ علماء کے نزدیک فقہ پانچ علوم کو کہتے ہیں علم عقائد، تفسیر، حدیث، علم فقہ، اصول فقہ مگر صوفیاء کے نزدیک رب تعالیٰ کی ذات و صفات نبی کے کمالات، اپنے نفس، قلب روح کی کیفیات کا جاننا ہے یہ دو طرح حاصل ہوتا ہے۔ معاملہ سے در مکاشفہ سے۔ سرکار عالی کا فرمان کہ عالم کی عابد پر افضلیت ایسی ہے جیسے میری افضلیت تمہارے ادنیٰ پر۔ وہاں عالم سے مراد عالم مکاشفہ ہے اس کی فضیلت اسی قسم کی ہے جیسی نبی کی امتی پر اس حدیث میں نوعیت کا ذکر ہے نہ کہ برابری کا علماء کا ڈرانا تبلیغ فرمانا زبان یا قلم سے ہے صوفیاء کا ڈرانا تبلیغ فرمانا ولی فیضان یا نظر سے ہے یہ دونوں قسم کی تبلیغیں تا قیامت قائم رہتی ہیں۔ علماء کے قلم کا فیض صوفیاء کے قلب کا فیض کبھی فنا نہیں ہوتا۔ اب پڑھو۔ ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم (از روح البیان)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قَٰتِلُوا۟ ٱلَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے جنگ کرو ان لوگوں سے جو قریب ہیں تمہارے

اے ایمان والو جہاد کرو ان کافروں سے جو تمہارے قریب

ٱلْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا۟ فِيكُمْ غِلْظَةً وَٱعْلَمُوٓا۟

یعنی کفار اور چاہیے کہ پائیں وہ تم میں سختی اور جان لو

ہیں اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی پائیں اور جان رکھو کہ

# اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ

| کہ | تحقیق | اللہ | ساتھ | ہے | پرہیز | گاروں | کے |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| اللہ | پرہیز گاروں | کے | ساتھ | ہے | | | |

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** بہت دور سے سفر جہاد کا ذکر ہو رہا ہے اس سفر کے احکام ارشاد ہو رہے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ صرف سفر والے جہاد ہی نہ کرو بلکہ گھر والے جہاد بھی کرو جن میں سفر کرنا پڑے بلکہ گھر والے جہاد سفر والے جہادوں سے پہلے کرو۔ گویا ایک قسم کے بعد دوسری قسم کے جہاد اور اس کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

**دوسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ سارے مسلمان جہاد کے لئے نہ نکل جائیں تھوڑے جائیں باقی وطن میں رہیں اب ارشاد ہے کہ یہ احکام اس جہاد کے لئے ہیں جو باہر جا کر کرنا ہو۔ مگر جو جہاد گھر میں رہ کر ہو اس میں یہ پابندی نہیں وہ بیک وقت سارے مسلمان کر دیں گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفسیر و تشریح ہے۔

**تیسرا تعلق:** گزشتہ پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ غازیوں کو راستہ کی بھوک، پیاس، جنگل کی مشقت برداشت کرنے وغیرہ سب پر ثواب ملے گا۔ اب ارشاد ہے کہ اگر کوئی جہاد ان مشقتوں سے خالی بھی ہو تب بھی ان کے ثواب جہاد میں فرق نہ آئے گا۔ جہاد بذات خود بڑے ثواب کا باعث ہے۔

**نزول:** بعض صحابہ کو خیال ہوا کہ اپنے قرابتدار کفار پر جہاد نہیں کرنا چاہئے شاید وہ سمجھے کہ اہل قرابتہ سے صلہ رحمی اور سلوک کرنا چاہئے ان پر جہاد صلہ رحمی اور سلوک کے خلاف ہے کہ مومن بیٹا کافر باپ پر تیر تلوار چلائے۔ ان کے اس خیال کو دور فرمانے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں فرمایا گیا کہ ان پر تو پہلے جہاد کرنا چاہئے۔ دور والے کفار پر بعد میں (تفسیر روح المعانی) مقصد یہ ہے کہ جہاد میں کفار کو ستانا مقصود نہیں بلکہ انہیں راہ راست پر لانا مقصود ہے یہ ایک طرح کا احسان ہے اور اہل قرابتہ احسان کے زیادہ حقدار ہیں وبالوالدین احسانا یہ روحانی احسان ہے۔

**تفسیر صوفیانہ:** ہم کو رب تعالیٰ کی طرف سے بہت قسم کی نعمتیں ملی ہیں مالی نعمت کا شکریہ زکوٰۃ و صدقات ہیں۔

**تفسیر:** یاایھا الذین امنوا۔ چونکہ عبادت جہاد کی درستی ایمان پر موقوف ہے کہ بغیر ایمان نہ جہاد قبول نہ کوئی اور عبارت۔ نیز حکم جہاد نفس پر بڑا بھاری ہے اسے ہلکا کرنا مقصود ہے نیز جہاد صرف ایمان و کفر کی بناء پر جنگ کرنے کا نام ہے۔ قومیت، ملک، وطن، زبان، طلب دنیا کے لئے لڑنا بھڑنا نرا فساد ہے جہاد نہیں۔ ان وجوہ سے پہلے مجاہدین کو صفت مومنین سے پکارا۔ یہ بارہا عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید میں ان جیسے عام خطابات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوا کرتے۔ حضور ﷺ کے لئے خاص خطابات ہیں یاایھا النبی یاایھا الرسول یاایھا المزمل وغیرہ۔ لہذا اس جگہ بھی حضور انور ﷺ اس خطاب میں داخل نہیں۔ دیکھو کہ یہ سورت یعنی سورۂ توبہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر آئی مگر حضور انور ﷺ اس حکم پر اول

سے ہی عامل تھے کہ حضور ﷺ نے پہلے ہی اہل حجاز پھر اہل عرب پھر دور دراز علاقے کے کفار پر جہاد فرمائے پھر شام وغیرہ کی طرف توجہ فرمائی۔ جیسے نماز کا حکم بعد معراج قرآن مجید میں آیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول سے ہی اس پر عامل تھے۔ ایمان وتوحید کا فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں کہ ایمان ایک اور صرف ایک چیز کا نام ہے۔ نبی کا ماننا۔ شعر۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست　　　اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ۔ ظاہر یہ ہے کہ قاتلوا امر وجوب کے لئے ہے کیونکہ جہاد بھی دوسری عبادت کی طرح کچھ شرائط کے ساتھ مومنوں پر اکثر کفایہ ہوتا۔ اور کبھی فرض عین۔ چونکہ جہاد میں کفار سے لڑنا اصل مقصود ہے اس کے باقی لوازمات اس کے لئے ہیں اس لئے قاتلوا فرمایا یعنی جنگ کرو لڑو۔ مجاہدین کی حفاظت ان کی خدمت ان کی پشت پناہ بننا بھی جہاد ہے یلون بنا ہے ولی سے بمعنی قرب ونزدیکی خواہ جگہ کی نزدیکی ہو یا رشتہ قرابت اور نسب وحسب وغیرہ کی یلون اصل میں یولیون تھا بروزن یضربون اس میں دو تعلیلیں ہوئیں پہلے یعد کے قاعدہ سے واؤ گرا پھری کا پیش لام کو دے کر اسے گرا دیا گیا الکفار سے مراد ہر قسم کے حربی کافر ہیں خواہ مشرک ہوں یا اہل کتاب یاد رہے۔ ہاں ذمی اور مستامن کفار پر نہیں کہ وہ ہماری امان میں ہیں۔

خیال رہے کہ جیسے نماز روزے کے احکام میں صرف ایک بار نماز روزہ نہیں بلکہ مقصد ہے پڑھتے رہو ایسے ہی قاتلوا کے معنی ہیں جہاد کرتے رہو کہ مومن کی بقا جہاد میں ہے۔ ولیجدوا فیکم غلظۃ یہ فرمان عالی بظاہر دوسرا حکم ہے مگر درحقیقت جہاد کے حکم کا تتمہ ہے۔ مقصود تو یہ ہے کہ تم کفار کے مقابل سخت رہو مگر فرمایا یہ گیا کہ کفار تم میں سختی پائیں۔ غلظ مقابل ہے رقۃ کا رقہ کا قوت نرمی غلظۃ سختی یعنی تم میں سختی ہونی بھی چاہئے اس کا اظہار بھی کفار پر ہے۔ سختی ہونا کافی نہیں۔ بلکہ کفار کا سختی محسوس کرنا ضروری ہے۔ غلظ یعنی سختی میں بہت گنجائش ہے سخت جان، مضبوط ایمان، مضبوط ارادہ، جہاد کی پوری طاقت، کفار کے مقابلہ میں جرات وہشت کی بات کرنا ارادہ کی پختگی سب ہی اس میں داخل ہیں کہ مصیبت میں صبر دوران جنگ استقامت کفار کے مقابلہ میں سیسہ پلائی دیوار کی طرح جم جانا سب ہی اس میں داخل ہے۔ واعلموا ان اللہ مع المتقین یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے مگر جہاد کی جان ہے۔ یعنی ہمیشہ مگر جہاد میں خصوصا تقویٰ، طہارت، اللہ تعالیٰ کا خوف مومن کے لئے لازم ہے۔ تقویٰ مومن کا وہ ہتھیار ہے جو کسی کافر کو میسر نہیں اور بفضلہ تعالیٰ اس کے مقابل کوئی مادی طاقت نہیں ٹھہرتی۔

خیال رہے: کہ اللہ تعالیٰ کا ساتھ بہت قسم کا ہے، رحمت وکرم نوازی کا ساتھ، نصرت ومدد کا ساتھ وغیرہ، یہاں یہ دونوں ساتھ مراد ہو سکتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم اور مدد ونصرت پرہیزگاروں کے ساتھ ہے تم بوقت جہاد اعلیٰ درجہ کے متقی رہو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ جب ہم تمہارے ساتھ ہوں تو کوئی تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ دوسرے پارہ میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے ان اللہ مع الصابرین ایک جگہ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ تم سب مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

حضور انور ﷺ نے غار ثور میں اپنے پیارے ساتھی ابوبکر صدیق سے فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا غم نہ کرو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ غرضکہ رب کے ہمراہی مختلف نوعیت کی ہے۔

**خلاصہ تفسیر:** اے مومنو! تم کو حکم دیا جا چکا ہے کہ سارے کفار پر جہاد کرو اقتلوا المشرکین کافۃ مگر جہاد کی ترتیب یہ رکھو کہ پہلے اپنے قریب والے کفار سے جنگ کرو۔ یا اس طرح کہ پہلے اپنے عزیز و اقارب کافروں پر جہاد کرو یا اس طرح کہ پہلے ان کافروں پر جہاد کرو جو تم سے قریب جگہ ہیں پھر دور والے کافروں پر۔ چونکہ دنیا بھر کے کفار پر یک وقت تو جہاد نہیں ہو سکتا لہذا اس ترتیب سے جہاد کرو۔ یہ بھی خیال رکھو کہ تم میں کفار کبھی بھی کسی طرح کا پلپلہ پن نہ پائیں۔ تم میں ہر طرح کی مضبوطی سختی، پختگی پائیں۔ مال تمہارے مضبوط ہوں۔ سامان جہاد تمہارے پاس اعلیٰ درجہ کا بقدر طاقت موجود ہو۔ کفار سے گفتگو نہایت بہادرانہ کرو۔ بدلہ کا موقعہ آئے تو ایسا بدلہ لو جو انہیں پشتوں یاد رہے ان کی بھاری تعداد کثرت سامان سے مرعوب نہ ہو جاؤ۔ ساتھ میں یہ بھی خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے یوں تو ہمیشہ پرہیزگار رہو مگر جہاد میں بڑے متقی بن کر رہو۔

**لطیفہ:** کسی نے سکندر سے کہا کہ تیرے مقابل دارا کی فوج دس لاکھ ہے۔ ہنس کر بولا کہ قصائی بکروں کی زیادہ بھیڑ سے گھبرایا نہیں کرتا۔

**خیال رہے:** کہ جہاد کی اس ترتیب میں کہ پہلے قریبی کافروں پر ہو پھر دور والوں پر بہت حکمتیں ہیں (۱) قریبی کافروں پر جہاد کرنے میں تھوڑی سواریاں تھوڑا سامان بھی کافی ہوتا ہے دور جا کر جہاد میں بڑے سامان وغیرہ کی ضرورت ہے، بہرحال قریبی جہاد آسان ہے دور والا مشکل۔ آسان کام پہلے کرو مشکل بعد میں۔ (۲) قریبی کافروں کو چھوڑ کر دور والوں پر جہاد کرنا اپنے مکانات اور بال بچوں کو ہلاک کرنا ہے کہ مسلمان دور جگہ میں جہاد کرتے ہوں اور قریبی کافر ان کے شہروں بال بچوں پر ٹوٹ پڑیں پہلے قریب کو ہموار کرو پھر دور جا کر جہاد کرو۔ (۳) عام طور پر قریبی علاقہ کے حالات سے باخبر ہوتے ہیں دور سے بے خبر لہذا قریب علاقہ کا فتح کرنا آسان ہے (۴) بفضلہ تعالیٰ دار السلام دنیا میں پھیلا ہوا ہے تو ہر سلطنت اسلامیہ اپنے قریبی کافروں پر جہاد کرے یہ مناسب ہے نہ یہ کہ دور کے لوگ آ کر جہاد کریں بہرحال اس ترتیب میں بہت حکمتیں ہیں (تفسیر کبیر)

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** مومن کی جنگ کفار سے جہاد ہے مگر کافروں کی جنگ مومنین سے عین فساد ہے جنگ ایک ہے مگر اس کے رخ دو۔ یہ فائدہ یاایھا الذین امنوا خطاب سے حاصل ہوا۔

**دوسرا فائدہ:** کفر و اسلام کے سوا، کسی دنیاوی وجہ سے لڑنا بھڑنا جہاد نہیں۔ فتنہ و فساد ہے جیسے برادریوں یا ملکی یا زبانی جھگڑوں کی بنا پر جنگ یہ فائدہ بھی الذین امنوا (الخ) سے حاصل ہوا۔

**تیسرا فائدہ:** مومن بھی کفار سے جنگ کریں تو نہ ملک کے لئے کریں نہ مال کے لئے صرف اسلام پھیلانے کے لئے یہ

فائدہ بھی اس الذین امنوا سے حاصل ہوا۔ شعر

جنگ کافر فتنہ و غارتگری است جنگ مومن سنت پیغمبری است

اس لئے قرآن مجید میں جاھدوا فی سبیل اللہ یاقاتلوا فی سبیل اللہ فرمایا گیا۔

**چوتھا فائدہ:** ہر قسم کے کفار پر جہاد کیا جاتا ہے خواہ مشرک ہوں یا کتابی یا اور یہ فائدہ الکفار جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔

**پانچواں فائدہ:** جہاد میں کسی کافر کی رعایت نہیں اپنا ہو یا پرایا یہ فائدہ یلونکم کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ قریبی سے مراد نسبی قریبی ہوں۔ اس کی تفسیر غازیان بدر کی سیرت پاک ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو مقابلہ کی دعوت دی کہ آ بیٹا۔ باپ بیٹے کے دو دو ہاتھ ہو جائیں وغیرہ وغیرہ ایسے جہاد میں اللہ کی رحمت کیوں نہ شامل حال ہو۔

**چھٹا فائدہ:** مجاہد غازی کفار کے سامنے اپنی بہادری ظاہر کرے اس سے سخت کلام کرے شیخی کی باتیں کرے سب جائز ہے۔ یہ فائدہ ولیجدوا فیکم غلظة اس غلظہ یعنی سختی میں کلام کی سختی بھی داخل ہے۔ خیال رکھو کہ کمزور ہونا برا نہیں اپنے کو کمزور سمجھنا برا ہے۔ ہر مجاہد اپنے کو بہادر اپنے مقابل کافر کو بزدل سمجھ کر میدان میں جائے ان شاء اللہ مار کر آئے گا۔

**ساتواں فائدہ:** تقویٰ و پرہیزگاری ہر وقت ضروری ہے مگر بحالت جہاد بہت ضروری کہ اس وقت غازیوں کی نصرت اور تائید الٰہی کی بہت ضرورت ہوتی ہے اور اللہ کی مدد و رحمت تقویٰ سے آتی ہے۔ یہ فائدہ ان اللہ مع المتقین سے حاصل ہوا۔ بعض غازی مجاہد نماز میں سستی کرتے ہیں۔ بعض لوگ غنیمت لوٹ مار پر نظر رکھتے ہیں یہ غلطی ہے اللہ فتح دے پھر سب کچھ تمہارا ہی ہے ایمان و تقویٰ جہاد میں مومنوں کا بہترین ہتھیار ہے۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف قریبی کافروں پر جہاد کرنا چاہئے۔ دور والوں پر نہیں کہ فرمایا گیا یلونکم۔

**نوٹ:** بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ اقتلوا المشرکین کافة سے یہاں صرف قریبی کافروں پر جہاد کا حکم ہے وہاں سارے کافروں پر۔

**جواب:** یہ اعتراض جب درست ہوتا جب یہاں فرمایا جاتا کہ صرف قریبیوں سے جہاد کرو۔ حصر کا لفظ کوئی نہیں یہ آیت کریمہ جہاد کی ترتیب بتا رہی ہے کہ پہلے قریبی کافروں پر جہاد کرو پھر دور والوں پر۔ گویا یہ آیت اقتلوا المشرکین کافة کی تفسیر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے غزوات اس کی تفسیر ہیں۔ صحابہ کرام نے شام فتح کرنے کے بعد عراق کا رخ کیا۔

**دوسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے کہیں فرمایا گیا کہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے کہیں فرمایا کہ اللہ ہر مومن کے ساتھ ہے کہیں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے ساتھ ہے وھو معھم اذ یبیتون مالا یرضی من القول بتاؤ کون سی آیت صحیح ہے رب کس کے ساتھ ہے۔

**جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ رب تعالیٰ قہر و غضب سے کافروں کے ساتھ ہے رحم و کرم کے ساتھ

مومنوں کے ساتھ ہے مجرم کے ساتھ بھی پولیس ہوتی ہے اور شاہی مہمان کے ساتھ بھی جب کہ اس کا استقبال کرتی ہے۔

**تیسرا اعتراض:** مسلمانوں سے فرمایا گیا قاتلوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا یاایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم میں فرق بیان کی وجہ کیا ہے۔

**جواب:** جہاد عام ہے قتال خاص قتال صرف تلوار سے لڑنے کو کہتے ہیں مگر جہاد تلوار، زبان، قلم سب سے جہاد کرنے کو کہتے ہیں۔ اس لئے یہاں صرف کفار کا ذکر ہے وہاں منافقوں کا بھی جاھدوا الکفار والمنافقین منافقوں پر تلوار سے جہاد نہیں ہوتا صرف زبان سے ہوتا ہے۔

**چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد صرف کفار پر ہوگا۔ مگر حضرت علی نے جناب امیر معاویہ اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ سے جہاد کیا۔ یہاں کفار کی قید کیوں لگائی گئی۔

**جواب:** وہ جہاد نہ تھا بلکہ بغاوت دبانے کے لئے قتال تھا رب فرماتا ہے وقاتلوا التی تبغی حتی تفئی الی امر اللہ باغیہ جماعت سے قتال کرو۔ حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے اس لئے اس جنگ میں نہ کسی کا مال غنیمت بنایا گیا نہ کسی کو لونڈی غلام۔ حضرت علی نے فرمایا کہ اخواننا بغوا علینا یہ ہمارے بھائی ہیں ہم پر بغاوت کر بیٹھے۔

**پانچواں فائدہ:** حضرت علی نے خوارج پر جہاد کیا وہ بھی تو مسلمان غازی تھے۔

**جواب:** خارجی لوگ کافر مطلق ہیں۔ ان کے متعلق حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ وہ قرآن پڑھیں گے مگر اسلام سے ایسے نکل چکے ہوں گے جیسے کمان یا شکار سے تیر۔

**تفسیر صوفیانہ:** اے مومنو! پہلے اپنے قریبی نفس امارہ پر قتال و جہاد کرو۔ پھر خارجی اور دور والے کافروں پر خیال رکھو کہ خارجی کافروں سے جہاد آسان ہے مگر اپنے نفس سے جہاد مشکل اس لئے تم میں خوب سختی اور غلظت چاہئے کسی وقت نفس تم کو نرم نہ پائے۔ شعر۔

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں | ماند خصمے زو بتر در اندروں
قد رجعنا من جھاد الاصغریم | باعدو اند جہاد اکبر یم
سہل شیرے داں کہ بشکند بروں | شیر آنست آنکہ خودرا بشکند

کفار سے جہاد جہاد اصغر ہے اپنے نفس سے جہاد جہاد اکبر کفار پر جہاد تیر و تلوار سے ہوتا ہے نفس سے جہاد خوف خدا عشق نبی مختار کے ہتھیار سے ہوتا ہے۔ تیر تلوار بازار میں مل جاتے ہیں مگر یہ ہتھیار کوچہ یار سے ملتے ہیں صوفیاء فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا وقولہ قولا لینا۔ فرعون سے نرم بات کرنا۔ مگر ہمارے محبوب سے فرمایا گیا یاایھا النبی جاھدا الکفار والمنافقین واغلظ علیھم اور امت رسول سے فرمایا گیا ولیجدوا فیکم غلظة کیونکہ موسیٰ علیہ السلام جلالی نبی ہیں وہاں جمال کی طرف رہبری کی گئی۔ ہمارے حضور ﷺ جمالی رسول انہیں جلال کی تعلیم دی گئی۔

وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ اَیُّكُمْ

اور جب بھی اتاری جاتی ہے سورت پس ان میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ تم

اور جب کوئی سورت اترتی ہے تو ان میں کوئی کہنے لگتا ہے کہ اس نے تم میں

زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِیْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ

سے کون ہے کہ بڑھایا اس کو اس نے ایمان پس لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے پس

کس کے ایمان کو ترقی دی تو وہ جو ایمان والے ہیں ان کے ایمان کو اس نے ترقی دی

اِیْمَانًا وَّهُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ

بڑھائی ہیں ان کے ایمان کو اور وہ بشارت حاصل کرتے ہیں اور لیکن وہ لوگ کہ ان کے دلوں

اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں اور جن کے دلوں میں

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَ

میں بیماری ہے پس بڑھاتی ہے ان کی گندگی طرف ان کے اور

آزار ہے انہیں اور پلیدی پر پلیدی بڑھائی اور

مَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

وہ مر گئے حالانکہ وہ کافر ہیں

وہ کفر پر ہی مر گئے

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ متقین مومنین کے ساتھ ہے یعنی اللہ کی رحمت متقین کے ساتھ ہے ان رحمته الله قریب من المحسنین اس سے پتہ لگا کہ کفار و منافقین کے ساتھ اللہ کی رحمت نہیں اب اس ہمراہی کا نتیجہ ارشاد ہو رہا ہے کہ چونکہ مومنوں کے ساتھ اللہ ہے لہذا کلام اللہ قرآن مجید کی ہر سورۃ ہر آیت ان کے ایمان میں اضافہ کرتی ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کا نتیجہ ہے۔

**دوسرا تعلق:** گزشتہ پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ سارے مومن غزوہ میں نہ جائیں بلکہ کچھ لوگ حضور انور ﷺ کے ساتھ مدینہ میں رہیں تا کہ وہ اس زمانہ میں فقیہ فی الدین اور مبلغ بنیں اب ارشاد ہے کہ یہ نعمت صرف مومنوں کو نصیب ہوگی

رہے منافقین وہ حضور انور ﷺ کے پاس رہ کر آیات قرآنیہ کا نزول دیکھ کر اپنا کفر ہی بڑھائیں گے کتا سمندر میں غوطہ لگا کر زیادہ گندا ہی ہوگا۔

**تیسرا تعلق:** گزشتہ پچھلی آیات میں مومنین مجاہدین کے متعلق ارشاد ہوا تھا کہ ان کی ہر حرکت اللہ کی رحمت ہے راہ خدا میں بھوک پیاس۔ تکلیف کفار کے ملک میں داخل ہونا خرچ کرنا سب ہی ثواب کا باعث ہے **ذلک بانہم لا یصیبہم ظلماء و لا نصب** اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جیسے مومنوں کی حرکت میں برکت ہے ایسے ان کے ہر سکون میں مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کے ساتھ رہنے میں رحمت ہی رحمت گویا مومنوں کی جنبش وسکون بابرکت ہیں کہ جہاد میں جائیں تو ثواب بڑھے حضور انور ﷺ کے ساتھ رہیں تو ایمان بڑھے۔ منافقوں کی حرکت وسکون لعنت ہی لعنت ہے اگر جہاد میں آ جائیں نامہ اعمال کی سیاہی بڑھائیں۔ یہاں رہیں تو روسیاہی بڑھائیں۔

**تفسیر:** **واذا ما انزلت سورۃ** چونکہ یہ فرمان عالی علیحدہ کلام ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اس میں اذا یا ظرفیہ ہے یا شرطیہ مگر ما بہر حال نکرہ کا ہے۔ جس سے ظرفیت کو عام کر دیا اب معنی سوئے جب بھی یہاں انزال کے معنی مطلقاً اترنا ہے نہ کہ یکدم اترنا سورۃ سے مراد مطلقاً قرآن مجید کا کوئی حصہ ہے۔ خواہ سورۃ ہو یا آیت۔ سورۃ اور آیت کا فرق ان کے اقسام اور احکام سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کئے جا چکے ہیں۔ یعنی جب بھی قرآن مجید کا کوئی حصہ اتارا جاتا ہے **فمنہم من یقول ایکم زادتہ ھذہ ایمانا** یہ عبارت اذا ما کی جزا ہے یہ حذف جزائیہ ہے ھم سے مراد منافقین ہیں نہ کہ ضعفاء مومنین جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا یقول کا تعلق منافقین سے ہی ہے یعنی بعض منافقین اپنی مجلسوں دوسرے منافقوں سے بطور مذاق ودل لگی کہتے کہ میرا ایمان تو بڑھا نہیں تم میں کوئی ایسا ہے جس کا ایمان اس نازل شدہ آیت سے بڑھا: وہ جواب دیتے ہیں۔ نہیں جی ہمارا ایمان بھی نہیں بڑھا اس آیت کریمہ کا مذاق اڑاتے تھے کہ **واذا تلیت علیہم ایاتہ زادتھم ایمانا** یعنی جب مسلمانوں پر آیات الہیہ تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں یہ مردود کہتے ہیں کہ یہ آیت غلط ہے کیونکہ آیات اتر رہی ہیں ہم میں سے کسی کا ایمان بھی نہیں بڑھا۔ بے وقوفو اگر ایمان ہوتا تو بڑھتا جب تمہارے پاس ایمان ہی نہیں تو بڑھے کیا چیز۔ چنانچہ ارشاد ہوا **فاما الذین امنوا فزادتھم ایمانا** یہ فرمان عالی ان منافقوں کی تردید کے لئے ہے۔

**خیال رہے:** کہ ایمان نبی سے ملتا ہے نہ کہ صرف قرآن سے۔ قرآن مجید کی آیتیں اس حاصل شدہ ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں بارش کا پانی بوئے ہوئے تخم کو اگا دیتی ہے۔ تخم بونا کاشت کار کا کام ہے دل میں تخم ایمان نگاہ مصطفوی بوتی ہے قرآن مجید اسے اگاتا ہے۔ بعض وہ لوگ ہیں جو عین جہاد کی حالت میں حضور ﷺ کو دیکھ کر ایمان لائے اور شہید ہو گئے انہوں نے قرآن مجید کا نام بھی نہیں سنا۔ فرعونی جادوگروں نے توریت کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ مگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور شہید ہو گئے یہ بات خوب خیال میں رہے اس لئے اس آیت **الذین امنوا** کو بطور شرط بیان فرمایا۔ اور **فزادتھم ایمانا** بطور جزاء۔ بہر حال قرآن ایمان دیتا نہیں بڑھاتا ہے۔ عطاء ایمان نگاہ مصطفیٰ سے ہے ایمان کی زیادتی وکمی کی بحث ہم بارہا کر چکے ہیں کہ نفس ایمان مقدار میں نہیں بڑھتا کہ کسی کا ایمان آدھا ہو کسی کا پورا کسی کا سوایا کسی کا ڈیوڑھا وغیرہ۔ ایمان

ولی یقین کا نام ہے جو ایک بسیط چیز ہے ہاں ایمان کی کیفیت بڑھتی گھٹتی ہے کہ کسی کو یقین کسی کو عین الیقین کسی کو حق الیقین حاصل ہوتا ہے۔ یا مومن بہ کی زیادتی ہوتی ہے۔ کہ جتنی آیات آتی گئیں اس پر ایمان لاتے گئے اس کی کچھ تحقیق ہم تیسرے پارہ میں **ولکن لیطمئن قلبی** کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ **وھم یستبشرون** یہ عبارت حال ہے **زادتھم** کی **ھم** سے استبشار کے معنی ہیں۔ خوشی منانا یا ایک دوسرے کو خوشخبری سنانا مبارکباد دینا یعنی مومن کا ایمان اس حال میں بڑھتا ہے کہ وہ نزول آیات پر خوشیاں مناتے ایک دوسرے کو مبارک دیتے ہیں کیونکہ بعض آیات میں حضور ﷺ کی نعت ہوتی ہے جو ایمان کی جان ہے کسی میں مومنین کو رحمت و برکت کی خوشخبری کسی میں آئندہ فتح و نصرت کی بشارت کسی میں کفار پر عتاب کسی میں شریعت کے احکام یہ تمام چیزیں خوشی کی ہیں۔ **واما الذین فی قلوبھم مرض** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے جس میں منافقین کی حالت زار کا ذکر ہے **الذین** سے مراد منافقین ہیں۔ مرض سے مراد وہ نفاق اور حیرت ہے جو دل کی بیماری ہے۔ جیسے بدن کی بیماری کا انجام موت ہے ایسے ہی دل کی بیماری کا انجام ہلاکت روح ہے۔ منافقین کو یہ بیماری حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر اطمینان نہ ہونے کی وجہ سے ہے کہ کبھی سمجھتے ہیں حضور انور ﷺ برحق ہیں کبھی سمجھتے ہیں کہ نہیں **فزادتھم رجسا الی رجسھم** یہ فرمان عالی خبر ہے **الذین فی قلوبھم** (الخ) کی چونکہ **اما** نے اس میں شرط کے معنی پیدا کر دیئے تھے اس لئے یہاں ف ارشاد ہوئی ذات کا فاعل مذکورہ آیات قرآنیہ ہیں جس سے مراد ان کی بدعقیدگی اور انکار آیات ہے رجس اور نجس دونوں کے معنی پلیدی نجاست ہے مگر اکثر لفظ نجس طبعی پلیدی پر بولا جاتا ہے اور رجس عقلی گندگی کو چونکہ یہاں بدعقیدگی مراد ہے جو کہ عقلی نجاست ہے اس لئے رجس ارشاد ہوا (روح البیان) **وماتوا وھم کافرون** یہ فرمان عالی معطوف ہے **فزادتھم** (الخ) پر اور منافقین کے دوسرے برے انجام کا ذکر۔ اس میں ماضی بمعنی مستقبل ہے خلاصہ یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کے نزول سے مسلمانوں کو دو نفع ہیں۔ ایمان میں زیادتی اور بشارت منافقوں کو دو نقصان کفر کی زیادتی اور کفر پر موت۔ خیال رہے کہ کفر بھی ایک بسیط چیز ہے جس میں مقدار کی زیادتی کمی نہیں ہوتی کوئی کوئی آدھا تین پاؤ کافر نہیں ہوتا نہ کوئی سوا یا ڈیڑھ کافر۔ ہاں نفعت میں زیادتی کمی ہوتی ہے۔ کوئی سخت تر کافر کوئی ہلکا کافر۔ رب فرماتا ہے **الاعراب اشد کفرا و نفاقا** یا یہ مطلب ہے کہ آیات نازل ہوتی رہتی ہیں ان کے دل کا انکار بڑھتا رہتا ہے کہ ہر آیت کا انکار کرتے جاتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہ فرمان عالی ان منافقوں کے متعلق ہے جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا تھا۔ اس لئے آئندہ موت کو ماضی سے تعبیر فرمایا اور نہ بعض منافقین توبہ کر کے مخلصین بن گئے غالب یہ ہے کہ نفاق پر مرنے والے وہ منافقین تھے جو یہ بکواس کرتے تھے کہ بولو آیات نے کسی کا ایمان بڑھایا۔

**خلاصہ تفسیر**: جب بھی قرآن مجید کا کوئی حصہ آیت یا سورۃ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی ہے تو منافقین اپنی مخصوص مجلسوں میں دل لگی مذاق کے طور پر بعض سے پوچھتے ہیں کہ بولو اس آیت نے کسی ایمان میں اضافہ کیا تو دوسرے کہتے ہیں کہ ہم میں سے تو کسی کا ایمان نہیں بڑھایا۔ بے وقوفو! یہ فیصلہ رب سے سنو۔ لوگ دو طرح کے ہیں مخلصین اور منافقین۔ مخلصین کو ہر آیت سے دو نعمتیں ملتی ہیں ایک یہ کہ ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اس میں ترقی ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ

وہ ہر آیت کے نزول پر خوشیاں مناتے ہیں ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں۔ منافقین پر آیت سے دو آفتیں آتی ہیں ایک یہ کہ اولاً تو ان میں پہلے سے ہی پلیدی موجود ہے نزول آیت سے وہ اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ آیات کا انکار کر کے ان کا مذاق اڑا کر کفر پر ہی مریں گے۔ ان کے لئے یہ ہی فیصلہ ہو چکا ہے۔ بارش زمین میں سبزہ اگاتی ہے گندی نالی میں اور گندگی بڑھاتی ہے بارش تمام زمین کے لئے رحمت ہے گندی نالی کے لئے زحمت۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** آیات قرآنیہ کا مذاق اڑانا کفر ہے اور طریقہ منافقین ہے یہ فائدہ ایکم زادته هذه (الخ) سے حاصل ہوا۔ منافقین یہ گفتگو مذاق کے طور پر کرتے تھے۔

**دوسرا فائدہ:** قرآن مجید سچا ہے اس کی کسی چیز کسی تاثر کو غلط سمجھنا کفر اور طریقہ منافقین یہ فائدہ بھی اس ایکم زادته (الخ) سے حاصل ہوا کہ منافقین یہ گفتگو اس آیت کو غلط ثابت کرنے کے لئے کرتے تھے و اذا تلیت علیهم ایاتة زادتهم ایمانا قرآن کی ہر خبر سچی ہے اگر کسی موقعہ پر اس خبر کا ظہور نہ ہو یا الٹا ظہور ہو تو اس کی وجہ ہماری اپنی خرابی ہے۔ اگر بارش کھاری زمین میں پیداوار نہ کرے تو بارش کی خرابی نہیں زمین کی خرابی ہے۔ شعر۔

باران کہ در لطافت طبعش خلافت نیست  در باغ لالہ روید و در شورہ بوم و خس

**تیسرا فائدہ:** ایمان اور کفر دونوں کی کیفیت میں زیادتی کمی ہو سکتی ہے بلکہ ہوتی رہتی ہے۔ یہ فائدہ فزادتهم ایمانا اور فزادتهم رجسا الی رجسهم سے حاصل ہوا۔ مگر کیفیت اور مقدار کا فرق خیال میں رہے۔

**چوتھا فائدہ:** قرآن مجید سے ایمان نہیں ملتا بلکہ کبھی زیادتی ایمان ملتی ہے۔ یہ فائدہ آمنو ماضی اور ذادتهم (الخ) سے حاصل ہوا۔

**پانچواں فائدہ** آیات قرآنیہ مومنین کے لئے رحمت ہیں منافقین و کفار کے لئے عذاب جیسے بارش کا پانی اچھی زمین کے لئے رحمت کھاری زمین اور بعض گھاس کے لئے نقصان دہ یہ فائدہ ان دونوں آیتوں کے مضمون سے حاصل ہوا۔

**چھٹا فائدہ:** نزول آیات کی تاریخوں میں خوشیاں منانا بلکہ خود بعض آیات پر خوشی منانا مومنین کا طریقہ ہے اور رب تعالیٰ کو پسند ہے یہ فائدہ وهم یستبشرون سے حاصل ہوا۔ بعض لوگ جب ان کے بچے مکتب میں سورہ اقراء شروع کرتے ہیں تو شیرینی تقسیم کرتے ہیں ان سب حضرات کی دلیل یہ ہی آیت ہے وهم یستبشرون۔

**ساتواں فائدہ:** یوں ہی عید میلاد النبی منانا۔ ربیع الاول میں روشنی۔ خیرات جیسے جلوس قائم کرنا رات کو نوافل پڑھنا مومنین کا طریقہ ہے آیات کے نزول پر خوشی منانا رب کو پیارا ہے تو جن کے دم کی یہ ساری بہار ہے ان کی تشریف آوری کی خوشی منانا رب کو ضرور پیارا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ قل بفضل الله و برحمته فبذالک فلیفرحوا اور فرماتا ہے واما بنعمة ربک فحدث یعنی اپنے رب کے فضل و رحمت پر فرحت و سرور کرو اور اپنے رب کی نعمت کا چرچا کرو۔ حضور انور ﷺ تمام رحمتوں نعمتوں سے بڑی رحمت بڑی نعمت ہیں۔ حتی کہ رب نے اس کا احسان جتایا ہے لقد من الله علی

المومنین (الخ) شعر

رب اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود　　حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

**آٹھواں فائدہ:** جس کے دل میں نبی سے عداوت قرآن مجید سے نفرت ہو خطرہ ہے کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا۔ ایسے بدبخت کو ہدایت بمشکل ملتی ہے۔ یہ فائدہ وماتوا وھم کافرون سے حاصل ہوا۔

**نواں فائدہ:** برے عقیدے دل کی نجاست روح کی خباثت ہے جیسے پیشاب پاخانہ جسم کی نجاست ہے یہ فائدہ رجسا الی رجسھم سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے انما المشرکون نجس۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا کہ منافقین سورت قرآنی کے نزول پر یہ مذاق اڑاتے تھے۔ کیا وہ آیت کے نزول پر مذاق اڑاتے تھے۔

**جواب:** یہاں سورۃ سے آیت کا مقابلہ نہیں بلکہ اس سے مراد حصہ قرآنی ہے۔ خواہ آیت ہو یا سورۃ دیکھو رب فرماتا ہے فاتوبسورۃ من مثلہ وہاں بھی سورت کے یہ معنی ہیں۔ یعنی حصہ قرآن۔

**دوسرا اعتراض:** فمنھم ن یقول سے پتہ چلا کہ یہ کہنے والے کون تھے اور کس سے کہتے تھے۔

**جواب:** عام مفسرین نے فرمایا کہ کہنے والے بھی منافقین تھے اور جن سے کہتے تھے وہ بھی منافقین تھے۔ بعض نے کہا منافقین بعض نے نومسلم ضعفا سے یہ کہتے تھے انہیں بہکانے کے لئے ایک قول یہ بھی ہے بعض مومن دوسرے مومنوں سے یہ کہتے تھے۔ اظہار خوشی کے لئے اور قرآن پاک کی تعریف کرتے ہوئے مگر پہلی توجیہ قوی ہے کہ پہلے بھی منافقین کا ذکر ہوا اور آئندہ بھی انہیں کا تذکرہ ہے اور یہ کلام مذاق دل لگی اور قرآن کریم کو جھٹلانے کے لئے ہے۔ (از خازن وروح البیان)

**تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ایمان و کفر دونوں میں زیادتی کمی ہوتی ہے مگر فقہاء اور متکلمین کہتے ہیں کہ ان دونوں میں نہ زیادتی ہو نہ کمی۔ ان کا یہ قول اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔

**جواب:** اس کا تفصیلی جواب تو تیسرے پارہ میں دیا گیا و لکن لیطمئن قلبی کی تفسیر میں اجمالی جواب ابھی تفسیر میں گزرا کہ فقہاء مقدار کی زیادتی کمی کا انکار کرتے ہیں۔ آیت میں کیفیت زیادتی مراد ہے فقہاء کا قول بالکل درست ہے ایک آیت کا منکر بھی پورا کافر ہے۔ آدھا یا پونا کافر نہیں اور سارے قرآن کا منکر بھی پورا کافر ہے بلکہ حضور انور ﷺ کی بارگاہ میں بے ادبی سے چیخ کر بولنے والا بھی پورا کافر ہے ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔

**چوتھا اعتراض:** یہاں منافقین اور کفار کے متعلق مرض اور رجس دونوں ثابت فرمائی گئی۔ فی قلوبھم مرض اور فزادتھم رجسا (الخ) اس فرق بیان کی وجہ کیا ہے۔

**جواب:** نفاق و کفر دونوں دل کی بیماری ہیں اور روح کو گندی کرنے والی چیزیں۔ انہیں دل کے لحاظ سے مرض فرمایا اور روح کے لحاظ سے رجس یا یوں کہو کہ کفر و نفاق دل کی بیماریاں ہیں۔ اور دل بادشاہ ہے باقی چیزیں رعایا۔ دل صحیح ہے تو سب کچھ صحیح ہے دل گندا ہے تو سب کچھ گندا۔ ان کے دل میں کفر کی بیماری آئی جس سے دل پلید ہوا اور دل کی پلیدی سے وہ

پورے کے پورے ہی گندے ہوگئے اس لئے ارشاد ہوا فی قلوبھم مرض اور پھر ارشاد ہوا فزادتھم رجسا الی رجسھم یہاں قلب کا ذکر نہیں۔

**پانچواں اعتراض:** نحوی قاعدے سے زیادتی کے بعد الی نہیں آنا چاہیے پھر رجسا الی رجسھم کیوں فرمایا گیا۔ الی انتہا کے لئے آتا ہے۔

**جواب:** تفسیر روح المعانی نے اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ یہاں الی بمعنی مع ہے جیسے رب فرماتا ہے ولا تاکلو اموالھم الی اموالکم میں الی بمعنی مع ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں زادتھم میں ضم یعنی ملانی کے معنی شامل ہیں اور ضم ب سے بھی آتا ہے۔ الی سے بھی (معانی)

**تفسیر صوفیانہ:** انسانوں کے دل دو طرح کے ہیں بعض وہ جن میں قدرت نے ایمان کا تخم بویا ہے بعض وہ جن میں طغیانی کا تخم ودیعۃ ہے قرآن مجید رحمت کی بارش ہے جو انسانوں کے دلوں پر برستی ہے اس بارش سے مومنوں کے دلوں میں ایمان عرفان عشق رسول خوف خدا کے باغ لگ جاتے اور کفار و منافقین کے دلوں میں ببول وغیرہ خار دار درختوں کے جھنڈ یہ بدنصیب آپس میں حیرت سے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ قرآن نے تو فرمایا تھا کہ آیات قرآنیہ ایمان بڑھاتی ہیں ہم میں سے تو کسی کا ایمان نہیں بڑھتا مگر یہ نہیں سوچتے کہ ایمان بڑھے تب جب کہ اس کا تخم پہلے بویا جا چکا ہو۔ اطمینان رحمت رحمان ہے حیرت دل کا مہلک مرض ہے جس سے دل کی موت واقع ہوتی ہے اس مرض کا جلد علاج کرنا چاہیے۔ اس کا علاج صحبت صالحین ہے رب فرماتا ہے وکونوا مع الصادقین اور اس کا پرہیز منافقین کی صحبت سے نفرت۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس قرآن عظیم کے ذریعہ رب تعالیٰ بعض لوگوں کو گرائے گا بعض کو اٹھائے گا صوفیاء فرماتے ہیں کہ نیک اعمال سے ایمان کے کمال میں زیادتی ہوتی ہے حضرت صدیق اپنے دوستوں سے کہتے تھے آؤ اپنے ایمان بڑھائیں۔ حضرت علی فرماتے تھے کہ ایمان سے دل میں سفیدی اور چمک پیدا ہوتی ہے نفاق سے دل میں سیاہی آتی ہے کہ آخر میں مومن کا دل خالص چٹا چمکیلا ہو جاتا ہے کافر کا دل خالص کالا اگر کوئی مومن دل نکال کر دیکھے تو سفید پائے گا۔ منافق و کافر کا دل سیاہ دیکھے گا۔ (تفسیر خازن) نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایمان کی طرح احسان میں بھی زیادتی کمی ہوتی ہے احسان کی ابتداء وہ ہے جس کے متعلق حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کی عبادت ایسے کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ نہ سکو تو یہ خیال کرلو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور اس احسان کی انتہاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کا آنکھ، کان، زبان، ہاتھ پاؤں ہو جائے کہ بندہ اللہ کی قوت و قدرت سے دیکھے سنے۔ بولے چلے پھر جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے یہاں تک کوئی کوئی خوش نصیب پہنچتا ہے۔

| |
|---|
| اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ |
| اور کیا نہیں دیکھتے وہ کہ تحقیق وہ مبتلا کیے جاتے ہیں ہر سال ایک دفعہ یا دو |
| کیا انہیں نہیں سوجھتا کہ ہر سال ایک یا دو بار آزمائے جاتے ہیں |

مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۲۶﴾

دفعہ پھر نہیں توبہ کرتے وہ اور نہ وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں

پھر نہ توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت مانتے ہیں

وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ

اور جب کبھی اتاری جاتی ہے کوئی سورت تو دیکھتے ہیں بعض ان کے طرف بعض

اور جب کوئی سورت اترتی ہے ان میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگتا ہے

هَلْ يَرَاكُمْ مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوا صَرَفَ اللَّهُ

کے کہ کیا دیکھ رہا ہے تم کو کوئی ایک پھر لوٹ جاتے ہیں وہ لوٹ دیئے اللہ

کہ کوئی تمہیں دیکھتا تو نہیں پھر پلٹ جاتے ہیں اللہ نے ان کے دل پلٹ دیئے

قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿۱۲۷﴾

نے دل ان کے اس وجہ سے کہ تحقیق وہ قوم ہیں جو نہیں سمجھتے

کہ وہ نا سمجھ لوگ ہیں

**تعلق**: ان آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ قرآن سے مومنین کے ایمان میں منافقین کے کفر میں اضافہ ہوتا ہے اب ارشاد ہے کہ دنیا کی آفتیں اور مصیبتیں مومنوں کی آنکھیں کھول دیتی ہیں مگر منافقوں کافروں کی غفلت اور زیادہ ہوجاتی ہے۔ گویا قرآنی آیات کی تاثیر کے بعد دنیوی آفات کی تاثیر کا ذکر ہے۔

**دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں منافقین کے غائبانہ قول و فعل کا ذکر ہوا تھا کہ وہ حضور انور ﷺ کی مجلس سے دور اور غائب رہ کر آپس میں کیا باتیں کرتے ہیں اب ان کی حاضرانہ حرکتوں کا تذکرہ ہے کہ وہ لوگ حضور انور ﷺ کی بارگاہ عالی میں رہ کر کیا حرکتیں کرتے ہیں۔

**تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ عکس آیات سے منافقین نقصان ہی پاتے ہیں اب ارشاد ہے کہ صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک سے بھی یہ بدنصیب محروم ہی رہتے ہیں گویا ان کی ایک بدنصیبی کے ذکر کے بعد دوسری بدنصیبی کا تذکرہ ہے۔

**تفسیر**: اولا یرون اس فرمان عالی میں الف تو انکار سوال کا ہے اور واؤ ابتدائیہ۔ یہ فرمان نیا جملہ ہے ہماری قراۃ میں

یــرون سے ہے اس کا فاعل منافقین ہیں جن کا ذکر پہلے سے چلا آرہا ہے ایک قرآۃ میں تــرون ت سے ہے۔ تو خطاب مسلمانوں سے ہے یرون بنا ہے راٰی سے بمعنی غور کرنا رویۃ بمعنی دیکھنے سے نہیں بنا۔ یعنی کیا منافقین یہ غور نہیں کرتے۔ انھم یفتنون فی کل عام مــرۃ او مرتین۔ یہ عبارت یرون کا مفعول ہے ھم کا مرجع ہے مذکورہ منافقین میں یفتنون بنا ہے فتنۃ سے بمعنی آزمانا بمعنی آفات میں مبتلا کیا جانا۔ اس سے مراد تو بیماریاں ہیں یا قحط سالیاں یا اسلامی جہاد جو منافقوں کے لئے وبال جان ہوتے تھیں کہ اگر ان میں شریک نہ ہوں تو ان کا نفاق کھل جائے اور دنیا ان پر طعن کرے اگر جائیں تو وہاں زخمی ہونے اور مارے جانے کا خطرہ ہو جو ان کے لئے پوری مصیبت یا مراد ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یا قرآن مجید جو سال میں ایک دوبار ان کے پول کھولتا ہے وقتاً فوقتاً حضرت جبرائیل کا حضور انور ﷺ کو ان کی خفیہ تدابیر پر مطلع کرتا ہے اور حضور انور ﷺ کا مسلمانوں کو بتا دینا ہے۔ (تفسیر کبیر وغیرہ) ثــم لایتوبون ولاھم یذکرون یہ عبارت معطوف ہے یفتنون (الخ) پر ثم فرما کر یہ بتایا کہ انہیں اس کے بعد کافی مہلت دی جاتی ہے کہ غور کریں مگر وہ اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھاتے نہ زبان سے سچی توبہ کرتے ہیں کہ ہم پر یہ آفات کیوں آرہی ہیں یذکرون باب تفعّل سے ہے تفعل سے ہے ت کا ذال میں ادغام ہوگیا۔

**خیال رہے:** کہ یہاں مرہ اور مرتین عدد کے لئے نہیں بلکہ تکرار اور زیادتی کے لئے ہے جیسے رب فرماتا ہے فــارجع البصر کرتین وہاں بھی کرتین کے معنی دوبار نہیں بلکہ بار بار ہیں یہاں تک تو ان کی بڑی غفلت اور لاپرواہی کا ذکر ہوا اب بتایا جارہا ہے کہ وہ بارگاہ رسالت سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتے حالانکہ حضور انور ﷺ کی صحبت سے قرین شیطان بھی مسلمان ہوگیا نبی کریم فرماتے ہیں ولکن اللہ اعاننی علیہ فاسلم فلایامرنی الابخیر میری رب نے مدد کی کہ وہ مسلمان ہوگیا اور وہ مجھے بھلائی کا ہی مشورہ دیتا ہے یہ لوگ انسان ہو کر بھی فیض نہیں پاتے چنانچہ ارشاد ہے واذا مــا انــزلت سورۃ اس فرمان عالی کی تفسیر ابھی پچھلی آیت میں گزر گئی کہ اذا مــا کے معنی ہیں جب بھی اور سورۃ سے مراد ہے قرآن مجید کا حصہ خواہ آیت ہو یا سورۃ۔ یہاں نزول سے مراد ہے منافقین کی موجودگی میں نزول کہ وہ حضور انور ﷺ کی مجلس میں ہوں اور آیت اترے اور سورۃ سے مراد آیت ہے یا سورۃ ہے جس میں منافقین کے عیوب سنائے گئے ہیں اور ممکن ہے کہ حمد و نعت کی آیات مراد ہوں یا مطلقاً ہر طرح کی آیت یا سورۃ نظر بعضھم الی بعض یہ اذا کی جزاء ہے دونوں بعض سے مراد منافقین ہیں جو حضور انور ﷺ کی مجلس پاک میں بکھرے ہوئے بیٹھے ہوتے تھے یعنی اس موقع پر یہ لوگ مجلس پاک سے ترکیب کے ساتھ اٹھ جانے کی تیاری کرتے ہیں۔ چنانچہ اولاً تو وہ ایک دوسرے کی آنکھوں آنکھوں میں اشارے کرتے ہیں کہ چلو اب یہاں ٹھہرنا ہمارے لئے نقصان دہ ہے ہمارے عیوب کی آیات اتری ہیں کہیں ہمارا راز فاش نہ ہو جائے یا حمد و نعت اور احکام اسلام کی آیات اتر رہی ہیں۔ جن سے ہم کو ہنسی آرہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری ہنسی زور سے نکل جائے اور ہم رسوا ہو جائیں۔ (تفسیر کبیر۔ روح المعانی وغیرہ) مگر یہ دیکھ لو ھل من احد اس فرمان عالی میں احد سے مراد مومنین حاضرین ہیں یعنی کیا تمہیں کوئی مسلمان دیکھ رہا ہے تو بیٹھے رہو اگر نہیں دیکھ رہا تو اٹھ چلو مگر خبردار ثم انصرفوا یہ رب تعالیٰ کا اپنا فرمان

ہے اس میں ثم فرما کر یہ بتایا کہ وہ لوگ کچھ دیر اس کشمکش میں رہتے ہیں کہ اٹھیں یا نا اٹھیں اور اٹھیں تو کس طرح اٹھیں کہ لوگ نہ ہم کو دیکھیں نہ ہمارے جانے سے خبردار ہوں۔ جہاں دیکھا کہ مسلمان ہمہ تن گوش بن کر حضور انور ﷺ کی طرف متوجہ ہیں ہم سے بے خبر ہیں تو چپکے سے ایک دو کر کے سارے اٹھ گئے باہر جا کر مل گئے رب نے فرمایا۔ صرف اللہ قلوبھم یہ فرمان عالی بددعا کا ہے۔ رب تعالیٰ کی بددعا کا مقصد ہوتا ہے اظہار غضب جیسے قاتلھم اللہ انی یوفکون یا بیان واقعہ کے لئے (روح المعانی و روح البیان وغیرہ) یعنی اللہ ان کے دل اسلام سے پھیرے ہی رکھے یا پھیرے رکھے گا یا ان کا اٹھ جانا اس لئے ہے کہ اللہ نے ان کے دل پھیر دیئے ہیں غرضکہ اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ بانھم قوم لا یفقھون ۔اس فرمان عالی کا تعلق یا تو صرف اللہ سے ہے یا انصرفوا سے یعنی رب نے ان کے دل اس لئے پھر دیئے یا وہ اس مجلس پاک جہاں فرشتوں کو حاضری کی تمنا رہتی ہے اس لئے اٹھ جاتے ہیں کہ وہ نا سمجھ ہے۔ (معانی) یا اللہ نے ان کے دل اس مجلس پاک سے دور کر دیئے پھر دیئے کہ وہ قوم احمق ہے بے وقوف ہے۔ وہ جب اس مجلس پاک میں آتے ہیں تو ان کے صرف جسم آتے ہیں دل وہاں سے دور رہتے ہیں۔

**خلاصہ تفسیر:** کیا یہ منافقین اس میں غور نہیں کرتے کہ وہ ہر سال ایک دو بلاؤں میں پھنستے ہی رہتے ہیں کبھی بیماری آزادی کبھی قحط سالی کبھی بال بچوں میں کمی کبھی ان کے خلاف آیات قرآنیہ کا نزول کبھی مسلمانوں پر ان کے راز کھل جانا اور ان کا ذلیل ہو جانا کبھی اسلامی جہادوں کا پیش آ جانا جو ان کے لئے ہر طرح مصیبت ہے اگر جہاد میں نہ جائیں تو بدنام ہوں اگر جائیں تو جان و مال خطرے میں پڑیں ان مصیبتوں کے باوجود نہ تو نفاق سے توبہ کرتے ہیں نہ آئندہ کے لئے نصیحت پکڑتے ہیں۔ رہے مخلص مومن وہ ہر تکلیف میں توبہ کر کے پاک وصاف ہو جاتے ہیں۔ انہیں منافقین کا حال یہ ہے کہ جب وہ آپ ﷺ کی مجلس پاک میں ہوتے ہیں اور کوئی آیۃ یا سورۃ آپ ﷺ پر اترتی ہے جس میں ان کے چھپے عیب ظاہر کئے جائیں تو انہیں آپ کی مجلس میں بیٹھنا مشکل پڑ جاتا ہے ان کے لئے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن تو ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے ہیں اور آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ ذرا خیال رکھو مخلصین حاضرین کی نظریں ہم پر تو نہیں ہیں۔ اگر ہوں تو چار ناچار بیٹھے رہو اور اگر وہ دوسری طرف متوجہ ہوں تو یہاں سے اٹھ چلو۔ دیر تک یہ ہی سوچتے رہتے ہیں۔ جہاں ان سے مومنوں کی آنکھیں بچیں اور وہ چپکے سے وہاں سے نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مجلس سے ان کے دل ہی پھیر دیئے۔ جب وہ یہاں آتے ہیں تو صرف جسم سے آتے ہیں دل دور ہی رہتے ہیں انہیں ہر دم دھڑ کا لگا رہتا ہے کہ کہیں قرآن مجید یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے عیب نہ کھول دیں۔ یہ سب اس لئے ہے کہ وہ نا سمجھ ہیں اس مجلس پاک کے لائق ہی نہیں۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** واقعات عالم اور دنیا کی گردشوں میں غور نہ کرنا انہیں محض اتفاقیات سمجھنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ او لا یرون (الخ) سے حاصل ہوا۔

**دوسرا فائدہ:** اس کے برعکس مومن ہر مصیبت کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اسے اپنے گناہوں کا نتیجہ سمجھتا ہے یا رب کی طرف سے امتحان اس لئے دنیا کی تکالیف اسے گناہوں سے پاک صاف کر کے یا ترقی درجات دے کر کی جاتی ہے۔

**تیسرا فائدہ:** انبیاء کرام اولیاء اللہ کی تکالیف ایک قسم کی تبلیغ ہوتی ہے۔ وہ صبر و شکر کر کے لوگوں کو سکھا دیتے ہیں کہ صبر یوں کیا کرتے ہیں۔ اس سے انہیں قرب الٰہی اور زیادہ حاصل ہوتا ہے۔

**چوتھا فائدہ:** مصیبتوں میں توبہ نہ کرنا آئندہ کے لئے نصیحت پکڑنا منافقوں کافروں کا طریقہ ہے یہ فائدہ **ثم لایتوبون** سے حاصل ہوا بیماریوں میں غافل حکیموں اور دواؤں کی طرف بھاگتا ہے مگر مومن احکم الحاکمین کی طرف ادھر سے بلاوا آرہا ہے **ففروا الی اللہ** اے بندوں اللہ کی طرف بھاگ آؤ۔ کا فر رب سے بھاگ آتا ہے۔

**پانچواں فائدہ:** دنیا کی مصیبتیں آزمائش و امتحان میں ہیں اور بلاوے کا سمن بھی۔ بھاگنے کا نوٹس بھی یہ فائدہ **انھم یفتنون** (الخ) سے حاصل ہوا۔

**چھٹا فائدہ:** کفر بے دینی بلکہ غیبت صرف زبان سے ہی نہیں ہوتے بلکہ دوسرے اعضاء خصوصاً نگاہوں سے بھی ہوتے ہیں یہ فائدہ **نظر بعضھم الی بعض** سے حاصل ہوا کہ منافقین اپنے خلاف آیات اترنے پر ایک دوسرے کو اشارہ کر کے ان کا انکار کرتے اور مجلس پاک سے نکل بھاگنے کی کوشش کرتے۔ دیکھو حضرت صدیق حضور انور ﷺ کا چہرہ پاک دیکھ کر صحابی ہوئے۔ ابوجہل نے بھی وہ چہرہ انور ﷺ کو دیکھا مگر عذابی ہوا نگاہیں بہت قسم کی ہیں۔

**ساتواں فائدہ:** ذکر خیر کی مجلسوں سے بھاگنے کی کوشش کرنا ان سے نفرت کرنا منافقوں کا طریقہ ہے یہ فائدہ **ثم انصرفوا** سے حاصل ہوا۔ مومن انہیں غنیمت جان کر وہاں حاضری کو خوش نصیبی سمجھتا۔

**آٹھواں فائدہ:** جو حضور ﷺ کے آستانہ سے نکلا وہ رب کے دروازہ سے نکالا گیا یہ فائدہ **صرف اللہ قلوبھم** سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس جو حضور انور ﷺ کے در کا ہوا وہ اللہ کا ہو گیا بلکہ اس کا ہو گیا۔

**نواں فائدہ:** جو علم و عقل حضور ﷺ کے آستانہ تک نہ پہنچائے وہ جہالت اور بے عقلی ہے یہ فائدہ **لا یفقھون** سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقین عاقل چالاک اپنے فن کار ہوشیار تھے مگر رب تعالیٰ نے انہیں **لایفقھون** فرمایا کہ سمجھتے ہی نہیں۔ خدا جنون دے جو یار تک پہنچا دے۔ شعر۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں — خداوندا مجھے صاحب جنوں کر (اقبال)

**پہلا اعتراض:** اس آیۃ سے معلوم ہوا کہ دنیا کی مصیبتیں صرف منافقوں کافروں پر آتی ہیں دیکھو ارشاد ہوا **ثم لا یتوبون** (الخ) مگر دیکھا یہ جارہا ہے کہ مسلمانوں پر تکالیف زیادہ آتی ہیں پھر اس آیت کریمہ کا مطلب کیا ہے۔

**جواب:** یہاں مصیبتیں آنے کو منافقوں کی نشانی قرار نہ دیا گیا بلکہ مصیبتوں سے عبرت نہ پکڑنا آفات کو اتفاقیات سمجھنا گناہوں سے توبہ نہ کرنا منافقوں کا طریقہ ہے اس لئے ارشاد ہوا **ثم لایتوبون** (الخ) رب تعالیٰ بیدار دل عطا فرمائے۔

**دوسرا اعتراض:** یہاں **ثم لا یتوبون** ثم۔ تو مہلت کے لئے آتا ہے۔

جواب: مطلب یہ ہے کہ آفات و مصیبتیں ان پر عرصہ تک رہتی ہیں۔ مگر پھر بھی عبرت نہیں پکڑتے وہ اس اونٹ کی طرح ہیں کہ جسے باندھ دو تو نہیں سمجھتا کہ کیوں باندھا گیا کھول دو تو نہیں جانتا کہ کیوں کھولا گیا۔

جواب: ثم انصرفوا سے مراد ہے منہ پھیر کر چل دینا۔ اور صرف الله قلوبهم کا مقصد یہ ہے کہ وہ جب اس دربار میں آتے ہیں تب بھی ان کے دل یہاں نہیں آتے۔ یعنی وہ حاضر ہو کر بھی غائب رہتے بلکہ دل کا غائب رہنا وجہ ہے وہاں سے بھاگ جانے کا گویا صرف الله قلوبهم دلیل ہے انصرفوا کی۔

تفسیر صوفیانہ: انسان تین قسم کے ہیں ایک وہ جو صورۃ انسان ہیں۔ سیرۃ حیوان۔ ان کا یہ حال کہ لهم قلوب لا يفقهون بها ان کے پاس دل ہیں مگر دلوں میں سمجھ نہیں۔ دوسرے وہ جسماً انسان ہیں دل کے شیطان تیسرے وہ جن کے جسم انسانی ہیں دل رحمانی یہاں منافقین کا ذکر ہے ان کے بعض حیوان تھے بعض شیطان اور حضرات صحابہ کرام جو دل سے حاضرین بارگاہ تھے وہ سب رحمانی لوگ تھے۔ رحمانیوں میں نفسانیوں اور شیطانیوں کا گزارہ کیسا اس لئے وہ اس مجلس پاک سے گھبراتے تھے اور وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرتے تھے جب ان کا دل شیطانی تھا تو دنیا کی آفات سے بیدار کیسے ہوتا غفلت ان کی سرشت میں داخل تھی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور انور ﷺ کا آستانہ رحمت الٰہی کا سمندر ہے سمندر دریائی جانوروں کو باہر نہیں رہنے دیتا اور خشکی کے جانوروں کو اندر نہیں آنے دیتا۔ حضور ﷺ کی مجلس مومنین کو باہر نہیں رہنے دیتی منافقین کو اندر نہیں آنے دیتی۔ مومن باہر رہ کر بھی مجلس میں حاضر رہتے ہیں۔ منافق اندر رہ کر بھی غائب مولانا فرماتے ہیں۔

ماهیاں را بحر نگذارد بروں خاکیاں را بحر نگذارد دروں

اس لئے فرمایا صرف الله قلوبهم غافل مومن گویا سویا ہوا ہے۔ کافر گویا مردہ ہے سوتے کو بیدار کیا جا سکتا ہے مردہ کو کون جگائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دل کی چھ وارداتیں ہیں۔ زندگی موت، بیداری، نیند، تندرستی و بیماری۔ ایمان دل کی زندگی ہے کفر موت۔ تقویٰ بیداری ہے گناہ دل کی نیند ذکر صحت ہے۔ غفلت دل کی بیماری۔ پھر دل کی غذائیں دوائیں مختلف ہیں۔ (از روح البیان)

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

البتہ تحقیق آئے تمہارے پاس ایک شاندار رسول تمہاری جانوں میں سے بھاری ہے

بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ

ان پر وہ چیز کہ مشقت میں پڑو تم حرص والے ہیں تم پر مومنوں سے کرم والے رحم والے ہیں پس اگر

گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان پھر اگر

تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

منہ پھیریں وہ تو تم فرما دو کہ کافی ہے مجھے اللہ نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا اس پر

وہ منہ پھیریں تو تم فرما دو مجھے اللہ کافی ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں میں نے اسی پر

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾ ع

بھروسہ کیا میں نے اور وہ رب ہے بڑے عظمت والے عرش کا

بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ منافقین بڑے ناقدرے تھے کہ وہ حضور انور ﷺ کی مجلس پاک کی قدر نہ کرتی تھے وہاں سے بھاگ جانے کی کوشش کرتے تھے اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا ذکر ہے کہ حضور ﷺ کیسی شان والے ہیں تو سمجھ لو کہ ان کی مجلس پاک اللہ کی کیسی رحمت ہوگی۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں منافقین کے دربار رسول سے بھاگنے کا ذکر ہوا اب ارشاد ہے کہ وہ حضور انور ﷺ سے بھاگ کر کہاں جائیں گے ان کا نور تو ہر جگہ ہے۔ لقد جاء کم میں کم فرما کر یہ ہی بتایا جیسے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی سلطنت سے نہیں نکل سکتا لاتنفذون الا بسلطان ایسے ہی حضور انور ﷺ کی نبوت سے نہیں نکل سکتا۔ جہاں رب کی ربوبیت ہے وہاں حضور ﷺ کی نبوت۔ سورج کی روشنی ہر جگہ موجود ہے۔

**تیسرا تعلق:** پہلے ارشاد ہوا کہ منافقین آپ ﷺ سے بھاگتے ہیں۔ اب ارشاد ہے کہ ان کا بھاگنا آپ ﷺ کو مضر نہیں آپ ﷺ کا رب تعالیٰ کفیل ہے فان تولوا (الخ) گویا منافقین کی نفرت کے بعد حضور انور ﷺ کی بے پرواہی کا تذکرہ ہے۔

**تفسیر:** لقد اس آیت کریمہ میں حضور انور ﷺ کے ساتھ صفات عالیہ کا ذکر ہوا۔ تشریف آوری۔ سب کے پاس تشریف آوری۔ شاندار رسالت۔ سارے مومنوں کی نفسوں یعنی جانوں سے ہونا۔ مومنوں کی تکلیف سے آپ ﷺ کو دکھ ہونا۔ مومنوں پر حریص۔ ان پر رؤف رحیم ہونا۔ چونکہ کفار ہمیشہ سے تمام صفات عالیہ کے منکر رہے اور منکر ہیں اور مسلمانوں کے بہت سے فرقے حضور انور ﷺ کی ان صفات میں سے بعض کے انکاری ہوئے اور ہیں ان وجوہ سے رب تعالیٰ نے لام اور قد دو تاکیدوں سے شروع فرمایا۔ انکار سخت تھا تو تاکید بھی قوی لائی گئی۔ جاء کم قرآن مجید میں ہم لوگوں کے لئے خلق یا بدع ارشاد فرمایا جاتا ہے۔ یعنی پیدا کرنا۔ ایجاد کرنا۔ مگر حضور انور ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کے لئے تین لفظ ارشاد ہوئے ہیں۔ جاء۔ ارسل اور بعث چنانچہ یہاں اور قد جاء کم من اللہ نور میں قدجاء کم برھان من ربکم

میں جاء فرمایا۔ اور ھو الذی ارسل رسولہ وغیرہ میں ارسال اذبعث فیھم رسول میں بعث کا لفظ ارشاد ہوا ہے۔ کیونکہ حضور انور ﷺ رب تعالیٰ اعلیٰ نعمت ہیں جو بطور تحفہ مخلوق کو دیئے گئے۔ نیز آپ ﷺ کا دنیا میں آنا ایسا ہے جیسے کسی حاکم کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تبادلہ ہو کر آنا کہ وہ پہلے سے ہی من جانب حکومت افسر جگہ کی تبدیلی ہوئی ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں رسول تھے۔ سارے نبیوں کو فیوض دے رہے تھے خود فرماتے ہیں کنت نبیا وادم بین الماء والطین ہم اس وقت نبی تھے جب آدم علیہ السلام پانی و مٹی کے درمیان تھے۔ امام بوصیری فرماتے ہیں۔ شعر۔

فانک شمس فضل ھم کواکبھا یظھرن انوارھا للناس فی الظلم

سورج طلوع ہونے سے پہلے چمکیلا سورج ہی تھا۔ طلوع ہو کر ادھر متوجہ ہو گیا۔ طلوع سے پہلے چاند تاروں کے ذریعہ دنیا کو نور دے رہا تھا۔ حضور انور ﷺ تشریف آوری سے پہلے بذریعہ انبیاء دنیا کو فیض دے رہے تھے ان وجوہ سے حضور ﷺ کی تشریف آوری کو جاء سے بیان فرمایا۔ خلق یا ابدع نہیں فرمایا۔ قوی یہ ہے کہ کم میں خطاب نہ تو صرف مکہ والوں سے نہ صرف عرب والوں سے بلکہ قیامت سارے انسانوں سے ہے کہ حضور انور ﷺ سب ہی کے رسول ہیں۔

خیال رہے: کہ حضور انور ﷺ کی ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی۔ رہائش ظاہر مدینہ منورہ میں رہی مگر جلوہ گری اور تشریف آوری ہر مومن کے سینہ میں ہے جیسے سورج رہتا ہے چوتھے آسمان پر مگر چمکتا ہے سارے جہان پر پھر سورج روشنی تو سارے جہان کو دیتا ہے۔ مگر دانے کھیت میں پھل باغ میں پکاتا ہے لعل بدخشاں کے پہاڑ میں۔ یونہی حضور انور ﷺ نے ہدایت سب کو دی مگر ایمان، عرفان، ولایت قرب الٰہی کسی کسی کو۔ خیال رہے کہ حضور انور ﷺ ساری مخلوق الٰہی کے نبی ہیں۔ لیکون للعالمین نذیرا ساری خلقت پر حضور ﷺ کی اطاعت ضروری ہے مگر شریعت کے سارے احکام صرف انسانوں پر جاری ہیں اس وجہ سے جاء کم میں خطاب صرف انسان سے ہوا۔ یہ بھی خیال رہے کہ حضور انور ﷺ کی وفات سے احکام کی ولادت یعنی ظہور ختم ہوا آپ ﷺ کی تشریف آوری ختم نہیں ہوئی۔ حضور انور ﷺ تا قیامت ہر مومن کے پاس اس کے ساتھ ہیں۔ جیسے سورج غروب ہو کر مٹ نہیں جاتا چھپ جاتا ہے اور چھپنے کے بعد بھی نماز۔ مغرب، عشاء، تہجد، فجر کے اوقات بتاتا ہے۔ چاند تارے چمکاتا ہے طلوع ہو کر نماز اشراق، ظہر عصر کے اوقات بتاتا ہے ذرے چمکاتا ہے حضور انور ﷺ ظاہری حیات میں تھے تو صحابہ بنا رہے تھے پردہ فرمانے کے بعد اولیاء اللہ علماء دین بنا رہے ہیں انکی تمام صفات ایسی عمومی تشریف آوری پر مبنی ہیں۔ رسول یہ جاء کا فاعل ہے حضور انور ﷺ کو رب تعالیٰ نے لاکھوں صفات بخشی ہیں۔

تیری صفات عیب تناہی سے ہیں بری حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

نبوت و رسالت حضور ﷺ کے مشہور ترین صفات ہیں حتیٰ کہ کلمہ طیبہ میں آپ ﷺ کا ذکر صفت رسالت سے ہے محمد رسول اللہ محمد ہیں اللہ کی طرف سے فرمان رساں اور رسول فیضان رساں کا نام ہے۔ اس لئے حضرت جبرائیل نے بی بی مریم سے فرمایا تھا انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا۔ دیکھو انہیں بیٹا دینے آئے تو اپنے کو رسول کہا پتہ لگا کہ رسول وہ ہی ہوتے ہیں۔ جو رب کی طرف سے کچھ دینے آتے ہیں۔ رسول کی توین یا تعظیم کی ہے یعنی شاندار اور عظمت

والے رسول جو رسولوں کے بھی رسول ہیں اس لئے رب تعالیٰ نے میثاق کے دن تمام رسولوں سے حضور انور ﷺ پر ایمان لانے آپ ﷺ سے تعاون کرنے کا عہد و پیمان لیا۔ لتومنن بہ ولتنصرنہ سارے رسولوں نے معراج کی رات حضور انور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ شعر۔

نماز اسریٰ میں تھا یہی سر عیاں ہو معنی اول آخر  کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

یا یہ تنوین عموم کی ہے یعنی سب کے رسول جنہیں ہم گنہگار کہیں کہ ہمارے رسول۔ متقی پرہیزگار ہمارے رسول اخیار و ابرار کہیں ہمارے رسول بلکہ خود رب غفار و ستار کہئے ہمارے رسول یعنی خدا کے رسول خدائی کے رسول بہر حال رسول بھی حضور انور ﷺ کی نعت ہے اور اس کی تنوین بھی۔ چوتھی صفت ارشاد ہوئی۔ من انفسکم یہ فرمان عالی کائن کے متعلق ہو کر رسول کی صفت ہے یعنی ایسے رسول آئے جو تمہاری نفسوں میں سے ہیں ہماری قرأت میں انفس ف کے پیش سے ہے۔ نفس کی جمع نفس کے بہت معنی ہیں۔ ذات جنس، جان، دل، خون وغیرہ علماء کرام کے نزدیک بمعنی جذات یا جنس ہے اس میں خطاب صرف مکہ والوں یا عرب والوں سے نہیں بلکہ تاقیامت سارے انسانوں یا سارے مسلمانوں سے یعنی وہ رسول فرشتہ یا جن میں سے نہ آئے بلکہ تم انسانوں میں سے آئے جس سے انسانیت کو فخر ہو گیا۔ شعر۔

انسانیت کو فخر ہوا تیری ذات سے  بے نور تھا خرد کا ستارا تیرے بغیر

یہ بھی تم پر اللہ کا فضل ہے کیونکہ جن اور فرشتے اپنی لطافت کی وجہ سے نہ انسانوں کو نظر آ ئیں نہ ان سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ ایسی ذات کی ضرورت تھی جو صورتاً بشر ہو اور سیرت میں فرشتوں سے بھی افضل تا کہ رب سے لے سکے اور ہم کو دے سکے۔ شعر۔

مشعلہ افروز شب خاکیاں  شمع سرا پردہ افلاکیاں

صوفیاء کے نزدیک نفس بمعنی روح اور جان ہے یعنی وہ تم میں ایسے آئے جیسے روح جسم میں آتی ہے۔ شعر۔

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظریوں دل میں ہیں جیسے جسم و جان

ہیں مجھ میں وہ لیکن مجھ سے جہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے

ایک قرأۃ میں انفسکم ہے ف کے فتح سے نفاست کی تفصیل یعنی اے انسانوں تم میں سے نفیس ترین جماعت میں سے آئے کہ ان کا ملک سارے ملکوں سے ان کا خاندان سارے خاندانوں اور ان کے ماں باپ سارے جہان کے غیر نبی ماں باپ سے ان کے صحابہ تمام نبیوں کے صحابہ سے ان کی آل پاک تمام رسولوں کی آل اولاد سے نفیس ترین ہے۔ پانچویں صفت ارشاد ہوئی عزیز علیہ ما عنتم یہ فرمان عالی رسول کی دوسری صفت ہے۔ عزیز بنا ہے عز سے بمعنی غلبہ۔ شدت۔ صعوبتہ۔ یہاں بمعنی شدید یا صعب ہے مَا یا مصدر ہے یا موصول عنتم بنا ہے عنت سے بمعنی مشقت و تکلیف رب فرماتا ہے ولو شاء اللہ لا عنتکم اور فرماتا ہے لمن خشی العنت منکم یعنی ان محبوب پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے یا تمہارے وہ گناہ گراں ہیں جو تم کو مشقت یعنی دوزخ میں پہنچا ئیں تم گناہ کرتے ہو تو وہ بے چین ہو جاتے ہیں جسم کے کسی عضو

کو چوٹ لگے تو وہ روح بے چین ہو جاتی ہے۔

**خیال رہے:** کہ یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ ایک قراۃ میں **عزیز** پر وقف اور **علیہ ما عنتم** علیحدہ جملہ۔ اس صورۃ میں عزیز بمعنی پیارا ہے یعنی وہ رسول تم کو تمہاری جانوں سے بھی پیارے نبی۔ ان کے ذمہ کرم پر تمہارے وہ گناہ جو تم کو مشقت میں ڈالیں کہ انشاء اللہ وہ شفاعت سے بخشوائیں گے۔ دیکھو تفسیر روح البیان یہ ہی مقام۔ چھٹے صفت ارشاد ہوئی۔ **حریص علیکم** یہ فرمان عالی رسول کی تیسری صفت ہے حریص بنا ہے حرص سے جس کے معنی ہیں دل نہ بھرنا۔ یہ صفت بھی ہے اور عیب بھی۔ مال کی حرص بری ہے علم کی حرص اچھی عشق رسول اور خوف خدا کی حرص ایمان کی جان ہے۔ شعر

حاجتے نیک مرا سیر از یں آب حیاتی ضاعف اللہ علی کل زمان عطشی

مجھے آب حیات سے کبھی سیری نہیں ہوتی اللہ میری پیاس بڑھاتا ہے مگر جو حرص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے اس کے معنی ہیں دینے سے دل نہ بھرنا ہم حریص ہیں لینے کے لئے نبی کریم حریص ہیں دینے کے لھذا علیکم سے مراد ہے **علی عطاء کم**۔ شعر

گھڑیاں بندہ گئیں پر ہاتھ تیرے بند نہیں بھر گئے دل نہ بھری دینے سے نیت تیری

حضور ﷺ نے حضرت عباس کو ایک بار اتنے روپیہ دیئے کہ ان سے اٹھ نہ سکے۔ اب بھی ان کی شاہانہ عطائیں دیکھنے میں آرہی ہیں ساتویں صفت ارشاد ہوئی **بالمومنین رؤف رحیم** یہ رسول کی چوتھی صفت ہے **بالمومنین** کا تعلق رؤف رحیم دونوں سے ہے اسے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی حضور انور ﷺ رحیم تو سارے عالم پر ہیں۔ **وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین** مگر رؤف ورحیم صرف مسلمانوں پر۔ سورج روشنی دینے والا ساری دنیا کو ہے مگر روشنی اور پھل دونوں صرف باغوں کو دیتا ہے بارش ساری زمین کو تری دیتی ہے مگر تری و سبزی دونوں نفیس زمین کو دیتی ہے یا موتی صرف سمندر کی سیپ کو رؤف بنا ہے رافۃ سے بمعنی مشقت اور مصیبتوں کا دفع کرنا۔ رحیم صفت مشبہ ہے۔ رحمت کا بمعنی احسان کرنا۔ مفید چیزیں عطا بغیر استحقاق۔ رافۃ کا ذکر رحمت سے پہلے ہے کہ مضر چیزوں کا دفع پہلے ہوتا ہے مفید کی عطا بعد میں رب فرماتا ہے **رافۃ ور حمۃ ورھبانیۃ ن ابتدعوا ھا** اس لئے کپڑے کی جھیں دور کرنے کو رفو کہتے ہیں خیال رہے کہ رؤف بھی رب تعالیٰ کا نام ہے اور رحیم بھی۔ رب نے یہ دونوں نام اپنے حبیب کو عطا فرمائے کسی نبی کو رب کے دو نام نہیں ملے۔ بعض نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قرابتداروں عزیزوں پر رؤف ہیں اپنے دوستوں پر رحیم۔ یا جس نے حضور ﷺ کو دیکھا اس پر رؤف ہیں جو بغیر دیکھے آپ ﷺ پر ایمان لائے ان پر رحیم (از روح المعانی) پرہیزگاروں پر رؤف ہیں گنہگاروں پر رحیم یا اس کے برعکس۔ **فان تولو** اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے۔ تولو بنا ہے بمعنی منہ پھیرنا۔ اس کا فاعل یا تو کفار ہیں یا مذکورین منافقین۔ مراد ہے حضور انور ﷺ سے منہ پھیرنا یا آپ ﷺ کے صفات عالیہ کو ماننے سے منہ پھیرنا۔ یعنی اگر یہ صفات عالیہ سن کر بھی یہ لوگ آپ سے منہ پھیریں۔ **فقل حسبی اللہ** آپ ﷺ ان سے فرما دو کہ مجھے اللہ تعالیٰ کافی و وافی ہے اس کے ہوتے مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ تم کو میری ضرورت ہے مجھ کو تمہاری ضرورت نہیں۔ اس

جملہ کی ترکیب نحوی دوبارہ کردی گئی ہے۔ لا الہ الا ھو ۔ یہ جملہ نیا ہے اور حسبی اللہ کی دلیل ہے یعنی مجھے اس لئے کافی ہے۔ اس کے ہوتے تمہاری اس لئے ضرورنہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جس کا وہ حامی ہوا سے کسی کی کیا حاجت اس فرمان عالی کا مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نیازی ظاہر فرمانا ہے۔ علیہ توکلت میں نے اول ہی سے صرف رب تعالیٰ پر توکل کیا علیہ کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ توکل کے معنی توکل کے اقسام واحکام پہلے بیان ہو چکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم توکل کے اعلیٰ درجہ پر ہیں توکل کے چند فائدے ہوتے ہیں۔ غیر خدا سے بے خوفی۔ دنیا سے مایوسی۔ رب تعالیٰ پر اعتماد دل کا سکون وچین۔ شعر۔

از خواہ یاری کہ یاری دہ اوست بدو التجا کن کہ لدہا ازواست

کسی راکہ اور آدرد در پناہ چہ غم وارداز فتنہ کینہ خواہ

وھو رب العرش العظیم ہماری قرأت میں العظیم کو جر ہے۔ یہ عرش کی صفت ہے ایک قرأت میں عظیم کو پیش ہے صفت ہی رب کی عرش وکرسی کی تحقیق آیۃ الکرسی کی تفسیر میں وسع الکرسیہ کی تفسیر میں ہو چکی۔ سارے عالم اجسام میں عرش سب سے بڑا ہے کہ وہ تمام اجسام کو گھیرے ہوئے ہے۔ نیز وہ فرشتوں کا مطاف ہے کہ فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں۔ نیز وہ قبلہ دعا ہے اس کے تیس لاکھ پائے ہیں اس کے نیچے کی سطح سے اوپر کی سطح تک ایک ہزار سال کا راستہ ہے وہ رب اس کا خالق اس کا باقی رکھنے والا ہے جب وہ عرش کا رب ہے تو ساری مخلوق کا بھی رب ہے۔ جس کو وہ اپنی پناہ میں لے لے تو کون ہے جو اس کا کچھ بگاڑ سکے (روح البیان) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زمین پہلے آسمان کی نسبت ایسی ہے جیسے میدان میں چھوٹی سی انگوٹھی۔ پہلا آسمان دوسرے آسمان کے مقابل ایسا ہی ہے اس طرح ہر آسمان اپنے اوپر والے آسمان کے لحاظ سے ایسا ہی ہے ساتواں آسمان کرسی کی نسبت سے ایسا ہی ہے اور کرسی عرش اعظم کی نسبت سے ایسا ہی ہے فلک اعظم کا فاصلہ مرکز سے نو کروڑ تیس لاکھ چوبیس ہزار چھ سو نو فرسخ ہے (روح المعانی)

**خلاصہ تفسیر:** نووارد شخص کے متعلق چند سوال ہوتے ہیں کہاں سے آئے۔ کہاں آئے ہو۔ کہاں ٹھہرے ہو۔ کیوں آئے ہو۔ حضور انور ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو آپ ﷺ کی ذات عالی کے متعلق بھی یہ تین سوال ہو سکتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے ان تینوں سوالوں کے جواب مختلف آیات میں دیئے ہیں حضور ﷺ کہاں سے آئے قد جاء کم من اللہ نور اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئے۔ وہاں سے آئے جہاں نہ وہاں ہے نہ کہاں ہے۔ کہاں آئے لقد جاء کم رسول اے انسانوں سب کے پاس آئے۔ تمہارے ایمانوں میں تمہاری جانوں میں تمہارے دلوں میں تمہارے سینوں میں آنکھوں کی پتلیوں میں آئے۔ کیوں آئے یہ بہت ہی گہرا سوال ہے اس کے جوابات مختلف میں دیئے گئے یتلو علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ اور فرماتا ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعا اور فرماتا ہے۔ ویعلمکم مالم تکونو تعلمون اور فرماتا ہے۔ عزیز علیہ ما عنتم اور فرماتا ہے حریص علیکم خلاصہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی نعمت بن کر لاکھوں کروڑوں نعمتیں بانٹنے آئے۔ تمام سخی بھکاری کو بلا کر دیتے ہیں۔ وہ ایسے نرالے سخی ہیں جو بھکاریوں کے پاس آ کر دیتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوا

کہ اے انسانو تمہارے پاس تمہارے رب کے شاندار رسول تشریف لائے۔ جو رسولوں کے بھی رسول ہیں اور وہ رسول آئے جو اللہ کی ساری مخلوق کے رسول ہیں وہ تمہارے پاس ایسے آئے جیسے جسم میں جان آتی ہے من انفسکم کہ جان عیاں بھی ہوتی ہے اور نہاں بھی یا تمہاری جنس سے آئے فرشتہ یا جناب میں سے نہ آئے جس سے انسانیت کو چار چاند لگ گئے۔ ان کا کرم یہ ہے کہ تمہارا غافل ہونا انہیں بہت گراں ہے خطاء تم کرو تکلیف انہیں ہو۔ تم پر بہت حریص ہیں کہ دینے سے ان کا دل ہی نہیں بھرتا۔ شعر

اے زہی قسمت کہ تو بر ما حریص جان عالم بر تو قربان السلام

وہ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں مگر مسلمانوں کے لئے رؤف بھی ہیں رحیم بھی کہ ان سے مصیبتیں رفع کرتے ہیں۔ مفید چیزیں عطا فرماتے ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر کفار و منافقین اب بھی آپ ﷺ سے منہ پھیریں تو آپ ﷺ اپنی شان بے نیازی ظاہر فرماتے ہوئے انہیں بتا دو کہ مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ مجھے میرا رب کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میرا اسی پر بھروسہ ہے۔ وہ تو عرش عظیم جیسی مخلوق کا رب ہے جس کا وہ والی اور کارساز ہوا سے کسی کی کیا پرواہ ہو۔

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** دنیا میں تمام لوگ بننے سیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ اس لئے ان کا دنیا میں آنا خلق ہے مگر حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ سیکھ کر بن کر آتے ہیں سکھانے بنانے کے لئے آتے ہیں۔ یہ فائدہ لقد جاء (الخ) سے حاصل ہوا۔ قرآن مجید میں ہمارے لئے ہدایت ہے حضور انور ﷺ کے لئے ہدایت نہیں دیکھو فرماتا ہے ھدی للمتقین کہیں یہ کہیں نہیں فرمایا ھدی لک نماز معراج میں فرض ہوئی مگر حضور انور ﷺ پہلے سے ہی نماز و عبادت ادا کرتے تھے۔

**دوسرا فائدہ:** حضور انور ﷺ صرف مکہ یا مدینہ میں نہیں آئے بلکہ سارے مومنوں کے پاس آئے۔ یہ فائدہ جاء کم میں کم فرمانے سے حاصل ہوا۔ جیسے سورج رہتا ہے آسمان پر مگر طلوع ہوتا ہے جہان پر اس لئے ہر مومن التحیات میں حضور انور ﷺ کو سلام کرتا ہے السلام علیک ایھا النبی اگر حضور انور ﷺ پاس نہیں تو سلام کسے کہہ رہا ہے۔ رب فرماتا ہے النبی اولی بالمومنین من انفسھم نبی مومنوں سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

**تیسرا فائدہ:** حضور ﷺ سارے انسانوں کے دائمی رسول ہیں۔ آپ ﷺ کی رسالت زمین یا زمان سے مقید نہیں یہ فائدہ رسول کی تنوین سے حاصل ہوا۔ جب کہ یہ تنوین عموم کی ہو فرماتا ہے انا ارسلناک کافۃ للناس بشیرا و نذیرا۔

**چوتھا فائدہ:** حضور انور ﷺ بڑی شان والے رسول ہیں حتی کہ رسولوں کے بھی رسول یہ فائدہ رسول کی تنوین سے حاصل ہوا۔ جب کہ یہ تنوین تعظیم کی ہو۔ اس لئے رب تعالیٰ نے انبیاء کرام سے آپ ﷺ پر ایمان لانے کا عہد لیا۔ لتومنن بہ ولتنصرنہ اور حضور انور ﷺ معراج میں سارے رسولوں کے امام بنے۔ دیکھو تفسیر۔

**پانچواں فائدہ:** حضور انور ﷺ کے والدین کریمین بلکہ سارے آباؤ اجداد مومن تھے کوئی شرک نہیں اور رب نے اس

نسل شریف کو زنا اور دیگر فحش باتوں سے محفوظ رکھا۔ یہ فائدہ من انفسکم کی ایک قرأت سے حاصل ہوا۔ جب کہ انفس ف کی فتحہ سے ہو۔ بمعنی نفیس ترین کافر۔ زانی نفیس نہیں ہوتا ہے۔ حضور ﷺ تمام جہان میں بہترین نسب والے ہیں۔

**حدیث شریف:** ترمذی اور نسائی نے مطلب ابن ربیعہ سے بروایت صحیح حدیث بیان کی ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر قیام فرما ہوئے ارشاد فرمایا کہ بتاؤ میں کون ہوں لوگوں نے عرض کیا آپ ﷺ رسول اللہ ہیں فرمایا محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ نے مخلوق کے دو حصے کئے ہیں۔ میں بہتر حصے میں بھیجا گیا پھر اس کے دو فرقے کئے ہیں میں بہترین فرقے میں بھیجا گیا پھر اس فرقے کے بہت سے قبیلے کئے ہیں بہترین قبیلے میں آیا اس قبیلے کے بہت سے گھر ہیں میں بہتر گھر میں آیا میں تم سے سب سے بہترین جماعت بہترین گھرانے میں پیدا ہوا۔ اس مضمون کی اور بہت احادیث ہیں (روح المعانی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والد کی طرف سے ابن عبداللہ بن عبدالمطلب ابن ہاشم بن عبدمناف ابن قصی ابن کلاب میں۔ والدہ کی طرف سے ابن آمنہ بنت وہب ابن عبدمناف ابن زہرہ ابن کلاب۔ حضور ﷺ تمام جہاں کی علت غائی اور اصل مقصود ہیں آپ ﷺ کی ذات افضل خلق آپ ﷺ کی زبان تمام زبانوں سے افضل۔ جو پانی حضور ﷺ کی انگلیوں سے جاری ہوا وہ تمام پانیوں بلکہ زمزم سے افضل ہے (روح البیان)۔

**چھٹا فائدہ:** حضور انور ﷺ کا میلاد شریف پڑھنا سنت الٰہیہ ہے سنت رسول بھی اور سنت انبیاء بھی۔ یہ فائدہ لقد جاء کم رسول سے حاصل ہوا کہ خود رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کا میلاد شریف فرمایا تھا۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کرو۔

**ساتواں فائدہ:** فائدہ حضور انور ﷺ کو ہمارے ہر دکھ درد ہر نیک و بد کی خبر نہ ہوتی تو آپ ﷺ کو اس کی تکلیف کیسے ہوتی۔ شعر۔

بندہ مٹ جائے نہ آقا پہ وہ بندہ کیا ہے　　　بے خبر ہو غلاموں سے وہ آقا کیا ہے

**آٹھواں فائدہ:** حضور انور ﷺ ایسے سخی داتا ہیں کہ دینے سے آپ ﷺ کا دل نہیں بھرتا یہ فائدہ حریص علیکم سے حاصل ہوا۔

**نواں فائدہ:** حضور انور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے بعض ناموں سے یاد کر سکتے ہیں یہ فائدہ رءوف رحیم سے حاصل ہوا کہ رؤف اور رحیم دونوں رب تعالیٰ کے نام ہیں جو اس آیت میں حضور ﷺ کو دیئے گئے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضور ﷺ کریم ہیں رحیم ہیں ستار عیوب ہیں شفیع الذنوب ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ شیخ عطار فرماتے ہیں۔

خویشتن را خواجہ عرصات گفت　　　انما انا رحمۃ مھداۃ گفت

شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

نماند بہ عصیاں کسے در گرو　　　کہ دارد چنیں سید پیش رو

اگر دفترت از گنہ پاک نیست　　　چو او عذر خواہد بود باک نیست

انشاء اللہ ان صفات کا پر لطف نظارہ قیامت میں ہوگا۔

**دسواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ پر توکل اور تکالیف میں صبر بڑی اعلیٰ چیزیں ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

صد ہزار کیمیا حق آفرید    کیمیا ہمچو صبر آدم نہ دید

ہزار ہا کیمیا سے صبر اعلیٰ درجہ کی کیمیا ہے۔

**پہلا اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ذات کریم ہیں جو مکہ میں پیدا ہوئے مدینہ میں قیام پذیر رہے۔ وہ ایک سارے انسانوں کے پاس کیسے آسکتے ہیں پھر لقد جاء کم کیونکر درست ہوا کہ تم سب کے پاس آئے۔

**جواب:** حضور انور ﷺ اللہ کا نور ہیں اور نور بیک وقت ہزار ہا جگہ ہزار ہا چیزوں میں جلوہ گر ہوسکتا ہے۔ اگر بیک وقت ہزاروں جگہ سے ہزاروں شیشوں کا رخ سورج کی طرف کر دیا جائے تو سورج ان سب میں جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ مومنوں کے سینے صاف آئینے ہیں جن میں حضور ﷺ جلوہ گر ہیں روح بیک وقت جسم کے ہر عضو میں جلوہ گر ہے اس لئے ساتھ ہی ارشاد ہوا من انفسکم۔ شعر

جان ہیں جان کیا نظر آئے    کیوں عدو گرد غار پھرتے ہیں

**دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف انسانوں کے رسول ہیں۔ دوسری جگہ ہے کہ حضور ﷺ ساری مخلوق کے رسول ہیں لیکون للعالمین نذیرا ان دونوں آیتوں میں مطابقت کیوں کر ہو۔

**جواب:** یہاں تشریف آوری کا ذکر ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں انسان کی جنس انسانوں کی شکل میں تشریف لائے تمہاری پیش کردہ آیت میں نبوت کا ذکر ہے حضور ﷺ کی نبوت تمام جہان کے لئے ہے مگر تشریف آوری انسانوں میں ہے۔

**تیسرا اعتراض:** اگر حضور انور ﷺ سارے جہان کے نبی ہیں تو کیا تمام مخلوق پر آپ ﷺ کی شریعت کے احکام جاری ہیں کیا چاند سورج ذرات پر تمام نماز روزہ فرض ہے۔ اگر نہیں تو آپ ﷺ ان کے نبی کیونکر ہوئے۔

**جواب:** ساری مخلوق پر حضور انور ﷺ کی اطاعت ضروری ہے اس لئے اشارہ سے سورج لوٹا۔ چاند پھٹا بادل آ کر برسا۔ دوسرے اشارہ پر کھل گیا حکم پر درختوں پتھروں نے کلمہ پڑھا مگر جیسی مخلوق اس کے لئے حضور ﷺ کا ویسا ہی حکم ہے اور مخلوق اس حکم کی اطاعت کرے گی۔ غریبوں پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ انہیں اس کا حکم نہیں لہٰذا للعالمین نذیرا بالکل درست ہے۔ شعر

اشارہ سے چاند چیر دیا۔ چھپے ہوئے خود کو پھر لیا    گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و تواں تمہارے لئے

ارشاد ہوا سورج لوٹا پایا جو اشارہ چاند پھٹا    بادل رم جھم رم جھم برسا جب حکم حبیب خدایا پایا

**چوتھا اعتراض:** تم نے کہا کہ حضور انور ﷺ دنیا میں آنے سے پہلے رسول تھے لقد جاء کم رسول اس آیت سے پتہ لگا کہ حضور ﷺ کی رسالت پہلے ہے دنیا میں آنا بعد میں۔ مگر آپ ﷺ اس وقت نبی تھے جب آدم علیہ السلام آب و گل میں جلوہ گر تھے لیکن نبی اور رسول کی تعریف یہ ہے کہ وہ انسان جسے رب نے احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لئے بھیجا اور انسانیت چلی

ہے آدم علیہ السلام سے تو حضور انور ﷺ حضرت آدم سے پہلے نبی کیسے ہوگئے اور لقد جاء کم کی یہ تفسیر کیونکر درست ہوئی۔

**جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں ابوالانسان نہیں ہیں۔ بشریت کے لئے یہ جسم ضروری ہے آپ ﷺ اجسام کے والد ہیں انسان جسم کو بھی کہا جاتا ہے اور روح کو بھی حضرت آدم کسی روح کے والد نہیں رب فرماتا ہے **واذا اخذ اللہ میثاق النبیین** ہم نے عالم ارواح میں نبیوں سے معاہدہ لیا۔ یہاں نبیوں کی روح کو نبی فرمایا گیا۔ دوسرے یہ کہ اس دنیا یعنی عالم اجسام کی نبوت ورسالت کے لئے ابن آدم ہونا ضروری ہے۔ عالم ارواح کی نبوت کے لئے یہ انسانیت شرط نہیں۔ دیکھو اس دنیا کے لئے جنسیت شرط ہے کہ انسان کا نکاح جنات یا جانوروں سے نہیں ہوسکتا رب فرماتا ہے **وخلق منھا زوجھا** مگر جنت میں جنتی انسانوں کا نکاح حوروں سے ہوگا دنیا کے احکام اور ہیں اور جنت کے نکاح کے دوسرے احکام۔ دیکھو دنیا کی نبوت کے لئے وحی امت تبلیغ ضروری ہیں۔ مگر اس عالم کی نبوت کے لئے نہ وحی ضروری ہے نہ امت نہ تبلیغ نہ کتاب۔

**نوٹ ضروری:** دنیا میں نبوت کے لیے صرف تبلیغی وحی کافی ہے مگر رسالت کے لئے وحی اور کتاب یا صحیفہ بھی ضروری ہے۔ خواہ نئی ہو یا پرانی اور مرسلیت کے لئے نئی کتاب نئی شریعت ضروری ہے اس لئے انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ رسول تین سو تیرہ۔ مرسل چار اور مصطفیٰ صرف ایک مصطفیٰ وہ جن کا دین تمام دینوں کا ناسخ ہو دیکھو مشکوٰۃ شریف آخر کتاب ذکر الانبیاء اور دیکھو اسی جگہ مرقات اور لمعات۔

**پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف مومنوں پر رؤف ورحیم ہیں مگر دوسری جگہ ارشاد ہے رحمۃ للعالمین تمام جہانوں کے لئے رحیم ہیں آیتوں میں تعارض ہے۔

**جواب:** اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں ایک یہ کہ حضور ﷺ کی صرف رحمت سارے جہانوں کے لئے ہے مگر رافت و رحمت کا مجموعہ صرف مسلمانوں کے لئے دوسرے یہ کہ رحمت عامہ دنیاوی رزق وغیرہ سارے عالم کے لئے ہے مگر رحمت خاصہ ایمان۔ عرفان وغیرہ صرف مومنوں کے لئے۔

**چھٹا اعتراض:** رب تعالیٰ اپنے متعلق فرماتا ہے **ان اللہ بالناس لرئوف رحیم** اللہ تعالیٰ تمام لوگوں پر رؤف بھی ہے رحیم بھی مگر حضور انور ﷺ کے لئے فرمایا **بالمومنین رئوف رحیم**۔ کیا رب تعالیٰ کافروں پر بھی رؤف رحیم ہے۔

**جواب:** اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں ایک یہ کہ وہاں **الناس** سے مراد مومنین ہیں کہ صحیح انسان وہ ہی ہیں دوسرے یہ کہ وہاں رافت اور رحمت سے مراد دنیاوی رافت و رحمت ہے۔ واقعی وہ رب کریم دنیا میں ہر کافر مومن پر رؤف ورحیم ہے۔ شعر

اے کریمے کہ از خزانہ غیب گبر و ترسا وظیفہ خورداری

اور یہاں حضور انور ﷺ کی آخری رافت و رحمت مراد ہے جو صرف مومنین پر ہے۔ لہٰذا آیات میں کوئی تعارض نہیں۔

**ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اس پر بھروسہ چاہئے حسبی اللہ اور لا الا الاھو میں غور کرو۔ پھر تم نبی ولی کے دروازہ پر کیا لینے جاتے ہو۔

جواب: ولی اللہ تعالیٰ کے غیر ہیں۔ تمہارا یہ عمل اس آیت کے خلاف ہے (وہابی)

**جواب:** اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کافی ہے اسی پر بھروسہ چاہئے تو تم مصیبتوں میں حاکم حکیم۔ امیر کے دروازوں پر کیوں جاتے ہو۔ پیاسا کنویں پر۔ بھوکا روٹی کی دوکان پر کیوں جاتا ہے کیا تمہارے لئے خدا کافی نہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ اللہ کی نعمتیں ان مقبولوں کے دروازوں پر ملتی ہیں۔ ہم وہاں رب کی نعمتیں لینے جاتے ہیں۔ ان کے دروازوں پر حاضری رب پر توکل کے خلاف نہیں۔ اس کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔

**تفسیر صوفیانہ:** اللہ تعالیٰ کی بڑی سے بڑی نعمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف جگہ الگ الگ پیرایہ میں حضور انور ﷺ کا میلاد شریف ارشاد کیا۔ کہیں عام انسانوں کو حضور ﷺ کا میلاد شریف سنایا۔ یاایھا الناس جاء کم برھان من ربکم کہیں صرف مسلمانوں کو لقد من اللہ علی المومنین اذبعث فیھم رسولا کہیں ساری مخلوق کو وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین کہیں حضور انور ﷺ کو ان کا میلاد سنایا۔ یاایھا النبی انا ارسلناک شاھدا (الخ) کہیں رب نے خود اپنے نبیوں کو اپنے محبوب کا میلاد سنایا۔ ھو الذین ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق پھر ہر جگہ ایسی شان سے میلاد پڑھا کہ قربان جاؤں۔ چنانچہ اس آیت میں حضور انور ﷺ کی بہت صفات کے ساتھ میلاد شریف فرمایا۔ اے لوگو تمہارے پاس وہ رسول کریم تشریف لائے جن کا غلغلہ۔ سلسلہ انسانی قائم ہونے سے پہلے مچ گیا تھا۔ واذا اخذ اللہ میثاق النبیین (الخ) جن کی دھوم سارے نبی مچا گئے۔ جن کا انتظار دنیا کو تھا وہ جسمانی طور پر اگر چہ عرب میں آئے مگر ان کی رسالت تا قیامت ہر جگہ ہر گھر میں ہر دل میں پہنچی۔ جیسے روح جسم کے ہر عضو بال کھال میں پہنچتی ہے من انفسکم پھر وہ تم پر ایسے مہربان اور تمہارے ہر حال سے ایسے خبردار ہیں کہ تمہاری تکلیف ان پر گراں۔ جیسے جسم کا کوئی عضو دکھے روح کو بے چینی ہوتی ہے تمہارا دل لینے مانگنے سے نہیں بھرتا ان کا دل تم کو عطا فرمانے سے نہیں بھرتا۔ وہ دینے کے لئے حریص ہیں حریص علیکم ان کی رحمت عامہ سارے جہانوں کے لئے ہے۔ مگر خاص رافت ورحمت ہمیشہ مومنوں کے لئے ہے۔ دنیا میں بھی قبر وحشر میں بھی اگر دنیا دار کمینے آپ ﷺ کی صفات کے قائل نہ ہوں تو ان کی شان بے نیازی یہ ہے کہ تم سب منہ پھیر لو انہیں رب کافی ہے رب انہیں کافی اور ان کے ذریعہ تم کو کوئی حضور انور ﷺ عالم روحانیات کے عرش عظیم ہیں کہ وہ عرش کی طرح تمام عالم کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں احکام الٰہیہ انہیں سرکار کے دربار سے جاری ہوتے ہیں۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے روح مصطفیٰ کو صورت نورانی دے کر دنیا میں بھیجا۔ آپ ﷺ کے سر کی ساخت برکت سے سر کی آنکھیں حیاء شرم سے کان عزت سے زبان ذکر سے ہونٹ تسبیح وتہلیل سے چہرہ پاک رضاء الٰہی سے سینہ اخلاص سے دل رحمت سے تو اد شفقت سے ہاتھ سخاوت سے بال مبارک جنت کے سبزہ سے تھوک شریف جنت کے شہد سے

بنا ہے دیکھو کھاری کنویں میں تھوک پڑا میٹھا کر دیا ان تمام صفات سے موصوف کر کے حضور علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا۔

**حکایت:** چار مختلف زبان والے فقیروں کو کہیں ایک روپیہ مل گیا۔ انگور کا موسم تھا۔ ان میں سے ایک بولا میں اس کا انگور لوں گا۔ دوسرا بولا نہیں عنب لوں گا۔ تیسرے نے کہا روزم چوتھا بولا میں داخ خریدوں گا۔ چاروں کی نیت ایک تھی مگر الفاظ جداگانہ ایک وہ آیا جو چاروں زبانیں جانتا تھا اس نے انگور لا کر سامنے رکھ دیئے سب راضی ہو گئے۔ حضور انور علیہ السلام جھگڑا مٹانے والے ہیں۔

بدخلق جو تھے وہ نیک ہوئے لڑتے جو تھے ہمیشہ وہ ایک ہوئے
جھگڑے تو نے آکر میٹ دیئے تیری فہم و ذکا کا کیا کہنا

**حکایت:** ایک بار حضور انور علیہ السلام نے جبریل امین سے پوچھا کہ تمہاری عمر کتنی ہے عرض کیا یہ تو مجھے خبر نہیں اتنا جانتا ہوں کہ ایک نوری تارا ستر ہزار برس کے بعد چمکتا تھا اور غائب ہو جاتا وہ میں نے بہتر ہزار بار طلوع ہوتے دیکھا ہے۔ زمین و آسمان سے پہلے فرمایا وہ تارا ہم ہی تھے (روح البیان) بعض علماء نے فرمایا کہ حضور انور علیہ السلام نے عمامہ شریف سرکار سرمبارک دکھایا تو وہ تارا سر پاک پر موجود تھا۔ عمل۔ جو کوئی نماز پنجگانہ کے بعد لقد جاء کم رسول (الخ) تک پھر ان اللہ وملائکتہ ایک آیت پڑھ کر پانچ بار صلی اللہ علیہ وسلم یا سیدی یا رسول اللہ پڑھا کرے تو مقبول بارگاہ رسالت ہو جائے اور ہر دعا قبول ہو۔

الحمد للہ کہ آج بتاریخ ۵ ربیع الاول ۱۳۹۱ ہجری ۳۱ مئی ۱۹۷۱ء بروز دوشنبہ چار بجے شام سورۂ توبہ کی تفسیر مکمل ہوئی مجھے امید نہ تھی کہ میں تہائی قرآن مجید کی تفسیر لکھ لوں گا۔ یہ میرے رب کا کرم اس کے محبوب کی نظر ہے کہ مجھ ناچیز سے تہائی قرآن پاک کی تفسیر مکمل کرا دی دعا ہے کہ رب تعالیٰ باقی دو تہائی کی تفسیر بھی مکمل کرا دے اسے مقبول فرما کر مجھ گنہگار کے لئے صدقہ جاریہ بنا دے۔ مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں۔

**نوٹ:** یہ تفسیر ربیع آخر ۱۳۶۳ کو شروع کی گئی مگر ایک ناگوار واقعہ کی وجہ سے تین پارہ لکھنے کے بعد تیرہ سال تصنیف کا کام بند رہا۔ پھر چوتھا پارہ شروع کیا گیا۔

| رکوعاتہا ۱۱ | ۱۰ سورۃ یونس مکیۃ ۵۱ | ایاتہا ۱۰۹ |
|---|---|---|
| رکوع گیارہ | سورہ یونس مکی | آیتیں ۱۰۹ |

**تعلق:** اس سورۂ یونس کا سورۂ توبہ سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** سورۂ توبہ میں ان صحابہ کرام کی مقبول توبہ کا ذکر ہوا جو غزوہ تبوک میں حاضری دینے سے سستی کر چکے تھے۔

جس کی وجہ سے وہ بہت مشقت میں پڑ گئے پھر کچھ عرصہ کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔ سورہ یونس میں حضرت یونس علیہ السلام کی اس مقبول توبہ کا ذکر ہے کہ آپ وحی الٰہیہ کا انتظار کئے بغیر اپنے علاقہ سے چلے گئے جس پر آپ کو مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مشقت جھیلنی پڑی۔ پھر توبہ قبول ہوئی گویا صحابہ کرام کی مقبول توبہ کے بعد ایک نبی کی توبہ کا ذکر ہے۔

**دوسرا تعلق:** سورۂ توبہ میں منافقین کی اس بکواس کا ذکر ہوا جو وہ نزول سورۃ کے موقعہ پر کیا کرتے تھے۔ سورۂ یونس میں کفار کی وہ بکواس بیان کی جاوے گی جو وہ قرآن کریم کے متعلق کرتے تھے۔ گویا چھپے دشمنوں کی بکواس کے بعد کھلے دشمنوں کی بکواس کا ذکر ہے۔

**تیسرا تعلق:** سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا کہ منافقین بلاؤں میں پھنس کر بھی توبہ نہیں کرتے ثم لایتوبون ولاھم یذکرون اس میں سورہ میں ارشاد ہے کہ کفار مصیبتوں میں پھنس کر بھی توبہ کر لیتے ہیں مگر آفت دور ہوتے ہی پھر جاتے ہیں واذا مس الانسان الضر دعانا لجنبہ او قاعدا او قائما (الخ) یا حتی اذا کنتم فی الفلک وجرین بھم الی قولہ دعوا اللہ مخلصین (الخ) گویا ایک قسم کی ڈھٹائی کے بعد دوسری قسم کی ڈھٹائی کا تذکرہ ہے۔

**چوتھا تعلق:** سورہ مرات یعنی توبہ میں حضور انور ﷺ کو کفار سے بیزاری ظاہر فرمانے کا حکم دیا گیا براءۃ من اللہ ورسولہ (الخ) اس سورۃ میں حضور انور ﷺ کو دوسری قسم کی بیزاری ظاہر فرمانے کا حکم دیا جا رہا ہے وان کذبوک فقل لی عملی ولکم عملکم انتم بریئون مما اعمل وانا بریء مما تعملون (از روح المعانی مع زیادۃ)

**تفسیر:** سورۃ کے معانی اس کے احکام سورۃ آیت۔ رکوع۔ منزل۔ حزب وغیرہ کا تفصیلی ذکر ہم سورہ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس سورۃ کا نام سورۂ یونس اس لئے ہوا کہ اس میں حضرت یونس کا قصہ مذکور ہے۔ یعنی جز ہے کل کا نام رکھا گیا۔ قوی یہ ہے کہ یہ سورۃ مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی مگر اس کی تین آیات مدنیہ ہیں۔ فان کنت فی شک مما انزلنا الیک سے آخر تین آیات تک کہ وہ مدنیہ ہیں مقاتل کہتے ہیں کہ قل بفضل اللہ وبرحمتہ یہ دو آیات مدنیہ ہیں مگر پہلا قول ہے۔ وہ ہی حضرت عبداللہ ابن عباس کا قول ہے (تفسیر خازن وروح المعانی وغیرہ) اس سورۃ میں ایک سونو آیتیں ہیں۔ ایک ہزار آٹھ سو میں کلمہ ہیں نو ہزار ننانوے حروف ہیں اور گیارہ رکوع۔ (تفسیر خازن) صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے سمندر سے دریا نکلتے ہیں دریاؤں سے نہریں نہروں سے سوئے سوئے سے نالیاں۔ نالیوں سے پانی کے قطرات ایسے ہی قرآن مجید گویا سمندر ہے اس سے منزلیں۔ منزلوں سے سورتیں اور پارے ان سے رکوع۔ رکوع سے آیات۔ آیتوں سے کلمات پھر کلمات سے حروف اور حروف سے نقطے۔ ہر سورت کے اول بسم اللہ ہے سوا سورۂ توبہ کے قاری تلاوت کے دوران ہر سورۃ کے اول بسم اللہ پڑھتا جاوے مگر نمازی بسم اللہ آہستہ آہستہ سے پڑھا کرے بسم اللہ میں ب مدد کی ہے اس سے پہلے اشرع یا اتلو یا اقراء پوشیدہ ہے۔ اسم اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا نام ہے جو غیر خدا ہے۔ ذات کبریا ایک ہے اس کے ننانوے نام ہیں تو بسم اللہ کی مدد لینا جائز ہے تو رسول اللہ اور ولی کی مدد لینا بھی درست ہے اگر غیر اللہ کی مدد شرک ہوتی تو بسم اللہ نہ ہوتا باللہ ہوتا یہ بحث سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں ہو چکی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع نہایت مہربان رحم والا

الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ﴿۱﴾ اَكَانَ لِلنَّاسِ

یہ آیتیں ہیں کتاب حکمت والی کی کیا ہوا لوگوں کو تعجب

یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں کیا لوگوں کو اس کا اچنبا

عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ

یہ کہ وحی کی ہم نے ایک مرد کی طرف ان میں سے یہ کہ ڈراؤ لوگوں کو

ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد کو وحی بھیجی کہ لوگوں کو ڈر سناؤ

وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ

اور خوشخبری دو ان کو جو ایمان لائے کہ تحقیق واسطے ان کے جگہ ہے سچ کی پاس رب

اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لئے ان کے رب کے پاس

رَبِّهِمْ ؔ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲﴾

کے ان کے کہا کافروں نے کہ بے شک یہ البتہ جادوگر ہے ظاہر ظہور

سچ کا مقام ہے کافر بولے بے شک یہ تو کھلا جادوگر ہے

المنزل ۳

وقف النبی

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دس صفات عالیہ کا ذکر ہوا۔ آپ ﷺ کا نام سب انسانوں کے پاس آنا۔ شاندار عام رسول۔ انسانوں کی نفس و ذات سے ہونا۔ لوگوں کی تکلیف گراں ہونا۔ دینے پر حریص ہونا مومنوں پر رؤف ہونا۔ ان پر رحیم ہونا۔ اللہ پر متوکل ہونا۔ اللہ کا آپ ﷺ کو کافی ہونا۔ اب حضور ﷺ کی گیارہویں صفت کا تذکرہ ہے کہ ان پر وہ قرآن مجید نازل ہوا جو تمام کتابوں سے افضل ہے یعنی آپ ﷺ صاحب قرآن ہیں۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حضور انور ﷺ کی شان بیان ہوئی اب آپ ﷺ کی ذات کریم سے لوگوں کے شبہات دفع کئے جارہے ہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں حضور انور ﷺ کا رسول ہونا بیان ہوا۔ رسول وہ ہے جو مخلوق کی طرف کچھ لے کر آئے یعنی سنانے والا نبی ہے اور پہنچانے والا رسول۔ اب ارشاد ہے کہ حضور انور ﷺ کیا لائے۔ قرآن مجید کی آیات لائے جو تمام نعمتوں سے اعلیٰ گویا یہ آیات کریمہ رسول کی تفسیر و تفصیل ہیں۔

شان نزول: جب اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کو نبوت عطا فرمائی اور حضور ﷺ نے اس کا اعلان کیا تو عرب خصوصاً مکہ والوں نے اس کا انکار کیا۔ ان میں سے بعض بولے کہ اللہ کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ محمد جیسے کو نبی بنائے (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اسے کوئی بڑا آدمی اس منصب کے لئے نہ ملا صرف یتیم ابو طالب ہی ملے ان کی تردید میں یہ آیات نازل ہوئیں (تفسیر خازن۔ مدارک۔ کبیر) اس کا بیان اس آیت میں ہے لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم وہ کہتے تھے کہ قرآن مجید مکہ معظمہ یا طائف کے کسی بڑے مالدار سردار پر آنا چاہئے تھا۔

تفسیر: الٓرٰ۔ یہ یا تو قرآن مجید کا یا ک نام ہے یا اس سورۃ کا نام ہے یا الرحمن کا جزو ہے یہاں الٓرٰ ہے دوسری جگہ حٰم تیسری جگہ نٓ ہے ملاؤ تو الرحمٰن بنتا ہے یا انا اللہ اری کا مخفف ہے مگر حق یہ ہے کہ یہ مقطعات قرآنیہ سے ہے ہم کو نہ اس کے معنی کی خبر ہے نہ مقصد و مطلب کی۔ یا رب تعالیٰ جانے یا اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مفصل بحث الم اور تیسرے پارہ کی تفسیر واخر متشابھات کے ماتحت ہو چکی یہ لکھنے میں الرٰ آتا ہے مگر پڑھنے میں الف۔ لام۔ را آتا ہے تلک آیات الکتب الحکیم۔ یہ نیا جملہ ہے اس میں تلک مبتدا ہے اور آیات الکتاب (الخ) خبر۔ تلک سے اشارہ یا تو پورے قرآن کی آیات کی طرف ہے جن میں سے بعض آ چکی تھیں اور بعض آنے والی تھیں۔ نازل شدہ آیات کی طرف چونکہ آیات قرآنیہ درجہ و شان میں بہت ہی اونچی ہیں اس لئے تلک اشارہ بعید فرمایا گیا یا ان کی آیات کی طرف اشارہ ہے جو لوح محفوظ میں ہیں۔ رب فرماتا ہے بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ چونکہ لوح محفوظ زمین سے بہت دور ہے اس لئے تلک اشارہ بعید ارشاد آیات جمع ہے آیت کی بمعنی نشانی قدرت اصطلاح میں قرآن مجید کا وہ حصہ جس کا مضمون تو پورا ہو مگر اس کا کوئی نام نہ ہو آیت ہے چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت حضور انور ﷺ کی حقانیت کی علامت ہے اس لئے اس کو آیت کہتے ہیں الکتب سے مراد یا لوح محفوظ ہے یا توریت و انجیل۔ کیونکہ قرآن مجید کے مضامین توریت و انجیل میں تھے رب فرماتا ہے وانہ لفی زبر الاولین۔ اس سورت میں حکیم سے مراد حکمت والی (روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو حکیم کے معنی ہیں حکمت والا یا محکم و مضبوط جو منسوخ نہ ہو سکے۔ یہ صفت قرآن مجید کے سوا کسی کتاب میں نہیں سب قابل نسخ تھیں قرآن مجید غیر منسوخ۔ اس معنی سے صرف قرآن مجید حکیم ہے۔ اکان للناس عجبا یہ کلام نیا جملہ ہے اس میں الف سوال کا ہے اور سوال یا انکار کا ہے یا تعجب دلانے کا ناس سے مراد وہی کفار مکہ ہیں جو حضور انور ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ اور جن کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ اس فرمان عالی کی بہت ترکیبیں کی گئی ہیں آسان ترکیب یہ ہے کہ عجبا۔ کان کی خبر ہے اور للناس عجبا کا حال اور ان اوحینا کان کا اسم (روح البیان) عجب ہی مراد کا تعجب نہیں بلکہ انکار کا تعجب ہے یعنی اے لوگو کیسی تعجب کی بات ہے کہ کفار مکہ کو اس پر تعجب ہے اس چیز کا انکار ہے کہ ان اوحینا الی

رجل منهم یہ عبارت کان کا اسم ہے یا ان سے پہلے لام پوشیدہ ہے (روح المعانی) وحی کے معنی اور اس کے اقسام واحکام ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے یہاں وحی سے مراد وحی نبوت ہے۔ حضور انور ﷺ پر بہت قسم کی وحی ہوئی۔ ظاہری وحی بذریعہ فرشتہ کے باطنی وحی خواب یا الہام کے ذریعہ اور بلا واسطہ وحی معراج میں فاوحی الی عبدہ ما اوحی یہاں ظاہری وحی مراد ہے یعنی قرآن کریم کی وحی جس پر حضور ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا۔ خیال رہے کہ پچھلے نبیوں کی نبوت پہلے عطا ہوئی تھی عطاء کتاب بعد میں دیکھو موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف غرق فرعون کے بعد عطا ہوئی مگر حضور انور ﷺ کی نبوت کی ابتداء نزول قرآن کی ابتداء سے ہوئی کہ پہلے آیۂ کریمہ اقراء باسم ربک نازل ہوئی۔ رجل سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ حضور ﷺ کامل مرد ہیں اللہ نے حضور کو ہر وصف میں کامل کیا۔ سخی۔ کامل بہادر۔ کامل علیم وخبیر کامل حکیم وغیرہ حضرت حسان نے کیا خوب کہا۔ شعر

واحسن منک لم ترقط عینی وشلک قط لم تلد النساء

خلقت مبراء من کل عیب کانک قد خلقت کما تشاء

چونکہ حضور انور ﷺ مکہ معظمہ میں مکہ والوں میں سے پیدا ہوئے اس لئے منہم ارشاد ہوا یعنی کیا کفار مکہ اس کا تعجب اور انکار کرتے ہیں کہ ان کے ملک ان کے خاندان میں سے ایک صاحب پر وحی آ گئی وحی کس چیز کی ان انذر الناس کہ آپ ﷺ لوگوں کو دوزخ سے عذاب الٰہی سے ڈراؤ۔ یہ عبارت اوحینا کا مفعول ہے الناس سے مراد تا قیامت سارے جہان کے انسان ہیں۔ کیونکہ حضور انور ﷺ سب کے نبی ہیں اور سب کے ڈرانے والے۔ کفار کو عذاب نار سے گنہگار کو ناراضی غفار سے نیک کار کو اعمال ضائع ہو جانے کے کھٹکے سے اور ہو سکتا ہے کہ الناس سے مراد کفار ہوں کیونکہ آگے مومنوں کا ذکر علیحدہ ہو رہا ہے۔ خیال رہے کہ اگرچہ حضور انور ﷺ کافر جنات کے بھی نذیر ہیں مگر چونکہ انسان اصل مقصود ہیں اور جنات ان کے تابع اس لئے صرف انسانوں کا ذکر ہے۔ وبشر الذین امنوا یہ فرمان عالی معطوف ہے انذر الناس پر چونکہ ڈرانا سب کو ہوتا ہے اور خوشخبری خاص خاص کو اس لئے وہاں الناس ارشاد ہوا اور یہاں الذین امنوا نیز ڈرانا پہلے ہوتا ہے بشارت بعد میں کہ ڈرانا عیب دور کرنے کے لئے ہوتا ہے اور بشارت اوصاف حاصل کرنے کے لئے صفائی پہلے ہے زینت بعد میں اس لئے ڈرانے کا ذکر پہلے ہوا بشارت کا بعد میں الذین آمنوا میں از گنہگار تا اخیار ابرار سب ہی داخل ہیں۔ پھر جس درجہ کا مومن اس درجہ کی اس کو بشارت کسی کو حور وقصور کی بشارت کسی کو رضاء رب غفور کی۔ ان لہم قدم صدق عند ربھم یہ فرمان مذکورہ بشارت کا بیان ہے۔ حضور انور ﷺ بشیر ہیں حضور ﷺ کے فرمان عالی بشارت مومنین مبشرین ہیں اور قدم صدق مبشر بہ جس کی بشارت دی گئی۔ اس فرمان عالی میں لہم کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ صرف مومنوں کے لئے قدم صدق ہے اس نعمت کا ان کے سوا کوئی مستحق نہیں۔ قدق صدق کے بہت معنی کئے گئے ہیں لغت والے کہتے ہیں کہ قدم بمعنی برائی۔ صدق بمعنی بھلائی۔ شاعر کہتا ہے۔

وانت امرء من اھل بیت ذریہ لھم قدم معروفۃ ومواخر

یا آگے بھیجی ہوئی بھلائی سچائی یا قدم وہ نیک عمل جس میں سبقت کی جاوے بغیر دیر لگائے کیا جائے چونکہ سبقت اور دوڑ بذریعہ قدم کے ہوتی ہے اس لئے ایسی نیکی کو قدم کہا جاتا ہے جیسے احسان کو ید کہتے ہیں کہ کسی پر احسان ہاتھ سے ہی کیا جاتا ہے عرب کہتے ہیں له يد على فلاں کا مجھ پر احسان ہے مفسرین فرماتے ہیں کہ قدم سے مراد اعمال ہیں۔ صدق سے مراد نیک یا اس سے مراد ثواب ہے۔ یا مراد شفاعت رسول ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

صلى لذى العرش واتخذ قدما    ينجيك يوم العثار والزلل

اس شعر میں قدم بمعنی شفاعت ہے (تفسیر کبیر، روح البیان، خازن وغیرہ) قوی یہ ہے کہ قدم سے مراد ہے قدم رکھنے کی جگہ یعنی مقام۔ صدق سے مراد اچھا ہے یعنی مومنوں کے لئے کل قیامت میں اچھا مقام ہوگا۔ کہ وہ عرش کی داہنی جانب ہوں گے اس کی تفسیر وہ آیت ہے في مقعد صدق عند مليك مقتدر۔ یعنی مومنوں کو رب کے نزدیک اچھا مقام اچھی جگہ ملے گی قال الكافرون ان هذا لساحر مبين۔ اب تک تو حضور انور ﷺ کی وہ صفات بیان ہوئی تھیں جو رب تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائیں اب وہ عیوب اور تہمت بیان ہو رہی ہے جو کفار حضور ﷺ کو لگاتے تھے کہ کبھی آپ ﷺ کو شاعر کہتے کبھی مسحور اور کبھی مجنوں انہیں کسی بات پر قرار نہ تھا ساحر و شاعر تو بڑا عقلمند ہوتا ہے مسحور و مجنوں بالکل بے عقل مدہوش یہ لوگ حضور ﷺ کے معجزات کو سحر اور آپ ﷺ کو ساحر کہتے تھے جو نبی کو نہ پہچان سکا وہ خدا کو نہیں پہچان سکتا۔

**خلاصہ تفسیر:** یہ آیتیں جو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر اتر چکی یا اتر رہی ہیں یا اتریں گی یہ ایک حکمت والی کتاب قرآن مجید کی آیتیں ہیں جس کا ایک لفظ بھی حکمت سے خالی نہیں۔ جیسے یہ محبوب بے مثال نبی ہیں۔ ایسے ہی ان کی کتاب بے مثال ہے کیا کفار کو اس تعجب کی بناء پر انکار ہے کہ رب تعالیٰ نے وحی اور نبوت کسی جن یا فرشتے یا غیر عربی انسان کو کیوں نہ دی ان میں ایک مکی مدنی ہاشمی قریشی عربی کو یہ وحی کیوں بھیجی تاکہ آپ ﷺ تمام لوگوں کو رب تعالیٰ سے اس کے قہر و غضب سے ڈرائیں اور مومنوں کو اس کی بشارت دیں کہ انہیں رب تعالیٰ کے حضور ﷺ اچھا مقام ملے گا کہ وہ قیامت کے دن عرش کی داہنی طرف ہوں گے اور محبوب کی تمام صفات عالیہ معجزات کو دیکھنے کے باوجود کفار یہ ہی رٹ لگائے جا رہے ہیں کہ وہ نبی نہیں رسول نہیں وہ تو کھلے جادوگر ہیں ان کے معجزات جادو ہیں وہ خود جادوگر یہ نرے اندھے ہیں۔

**خیال رہے:** کہ رب تعالیٰ نے انسان کو کچھ کام کرنے کے لئے پیدا کیا کچھ کاموں سے بچنے کے لئے ضروری ہوا کہ اسے ان دونوں قسم کے کاموں کی تفصیل بتائی جائے۔ یہ تفصیل بتانے کے لئے نبی بھیجے گئے۔ نبی اللہ کی رحمت ہیں۔ یہ تفصیل بتانے والا ایسا چاہئے جو ہماری سمجھ میں آسکے ہم اس کی سمجھ میں آسکے لہذا نبی انسان چاہئے پھر حکمت الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ ملک عرب جو تمام دنیا سے پیچھے رہا ہوا ہے یعنی پس ماندہ علاقہ تھا وہی ہدایت و رشد کا سرچشمہ بنے اس لئے اس عہدے کے لئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا گیا۔ کیونکہ اہل عرب حضور انور ﷺ کے طور طریقہ آپ ﷺ کے صفات حمیدہ سے واقف تھے۔ آپ ﷺ کو پہلے سے ہی صادق الوعدہ اور امین کہتے تھے ان وجوہ سے حضور انور ﷺ کا نبی آخر الزمان ہونا نہایت موزوں ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** کوئی شخص قرآن مجید کا عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں ہو سکتا یہ فائدہ الٓـر سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے بعض سورتوں کو حروف مقطعات سے شروع فرمایا۔ جن کی یقینی تفسیر کوئی نہ کر سکا یہاں ہی تمام علماء کو بے بس کر دیا گیا۔ اور حضور انور ﷺ کو ان کا تفصیلی علم دیا رب فرماتا ہے الرحمن علم القرآن۔ رحمان نے اپنے حبیب کو سارا قرآن خوب سکھا دیا۔

**دوسرا فائدہ:** قرآنی آیات وہاں سے آئیں کہ اگر حضور انور ﷺ کا واسطہ نہ ہوتا تو ہم کو کسی طرح نہیں مل سکتی تھی۔ کیونکہ ہم فرشی۔ قرآن مجید عرشی۔ جہاں تار ٹیلی فون ریڈیو وغیرہ کوئی چیز کام نہ دے سکے حضور انور ﷺ فرشی ہیں عرشی بھی کہ آپ ﷺ کے ذریعہ فرشیوں کو عرشی قرآن ملا یہ فائدہ تلک بعید کا اشارہ فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر جو ابھی کی گئی۔

**تیسرا فائدہ:** قرآن مجید میں ایک خصوصی صفت وہ ہے جو کسی آسمانی کتاب میں نہیں یعنی حکیم ہونا۔ یہ فائدہ الکتاب الحکیم کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ حکم سے مراد محکوم و مضبوط ہونا یعنی ناقابل نسخ۔

**چوتھا فائدہ:** کفار خصوصاً کفار مکہ جانوروں سے زیادہ بے سمجھ ہیں۔ دیکھو جانور حضور انور ﷺ کو نبی جان کر مان کر آپ ﷺ کی اطاعت کرتے تھے وہ بتوں کو نہ معبود جانتے تھے نہ ان کی اطاعت کرتے تھے مگر یہ انسان ہو کر لکڑی پتھر کے بتوں کو معبود جانتے تھے مگر حضور انور ﷺ کو نبی نہیں مانتے تھے۔ یعنی انہوں نے لکڑی پتھر کو خدا مان لیا مگر حضور انور ﷺ کو نبی نہ مانا۔ یہ کہہ کر کہ نبوت کا عہدہ انسان کو نہیں مل سکتا فرشتہ کو ملنا چاہئے۔ یہ فائدہ اکان للناس عجبا (الخ) سے حاصل ہوا۔

**پانچواں فائدہ:** حضور انور ﷺ کا ڈرانا سارے انسانوں کو ہے مگر بشارت صرف مسلمانوں کو یہ فائدہ انذر الناس اور بشر الذین امنوا سے حاصل ہوا کہ ڈرانے کے لئے الناس اور بشارت کے لئے الناس امنوا ارشاد ہوا۔

**چھٹا فائدہ:** حضور ﷺ سارے اولین و آخرین کے نبی ہیں یہ فائدہ الناس اور الذین امنوا کو مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا اور فرماتا ہے لیکون للعالمین نذیرا۔

**ساتواں فائدہ:** قیامت میں حضور انور ﷺ کی شفاعت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف مومنوں کو نصیب ہوگی۔ کفار ان دونوں سے یکسر محروم ہوں گے یہ فائدہ لھم قدم صدق میں لھم کو مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ قدم صدق سے مراد یا شفاعت ہے یا اللہ کی رحمت وغیرہ۔

**آٹھواں فائدہ:** نبی کی دشمنی آدمی کو اندھا اور پاگل کر دیتی ہے اسے خود اپنے پر اعتماد نہیں ہوتا دیکھا کفار حضور انور ﷺ کو کبھی تو مجنوں یعنی دیوانہ اور مسحور یعنی جادو یا ہوا بے عقل کہتے تھے اور کبھی ساحر و شاعر کہتے تھے یعنی بہت بڑا عقلمند۔ شعر و کہانت کامل عقل سے ہوتے ہیں یہ فائدہ ساحر مبین سے حاصل ہوا۔ حالانکہ حضور انور ﷺ آخر تک ان کے سامنے ہی رہے پھر جادو کہاں اور کس سے اور کب سیکھا وہ اس میں غور ہی نہ کرتے تھے نبی کی عداوت میں وہ اندھے ہو گئے تھے۔

**پہلا اعتراض:** رب العالمین نے حضور انور ﷺ کو رجل کو کہہ کر پکارنا حرام بلکہ کبھی کفر ہے عام محاورہ میں صرف رجل

کہنا برابری کے دعوے سے یہ حرام ہے مگر بیان عقیدے میں کہنا یہ جائز ہے کہ حضور انور ﷺ فرشتہ یا جن کی جنس سے نہ تھے انسان اور مرد کی جنس سے تھے وہ ہی مقصود ہے حضرت عائشہ صدیقہ کا فرمانا کان بشرا من البشر اس تیسرے مقصد سے تھا لفظ رجل کبھی اظہار عظمت کے لئے بھی ہوتا ہے۔ قبر میں نکیرین سوال کرتے ہیں ما کنت تقول فی ھذا الرجل۔

**دوسرا اعتراض:** حضور انور ﷺ انسان و جن سب کے ہی نذیر و ڈرانے والے ہیں۔ پھر ان انذر الناس کیوں ارشاد ہوا۔ نیز دوسری جگہ ہے لیکون للعالمین نذیرا وہاں حضور انور ﷺ کو تمام جہانوں کا ڈرانے والا فرمایا گیا۔ آیتوں میں تعارض ہے۔

**جواب:** حضور انور ﷺ ساری مخلوق کے نبی ہیں مگر مخلوق میں مقصود انسان ہے باقی اس کے تابع اس لئے انسان کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ رب العالمین بھی رؤف رب العرش العظیم بھی۔ یا یوں کہو کہ ہر طرح ڈرانا صرف انسانوں کے لئے ہے کلام سے قلم سے تلوار باقی مخلوق کو ڈرانا صرف ایک نوعیت سے ہے دیکھ لو جہاد صرف انسانوں پر ہوئے۔ جنات پر کبھی جہاد نہ ہوئے لہٰذا وہاں للعالمین فرمانا بھی درست ہے اور یہاں للناس فرمانا بھی صحیح ہے۔

**تیسرا اعتراض:** یہاں ڈرانے کے لئے للناس ارشاد ہوا مگر بشارت کے لئے الذین امنوا اس فرق کی کیا وجہ ہے۔

**جواب:** اس فرق کی وجہ ابھی تفسیر میں عرض کی گئی کہ ڈرانے سے مراد عام ہے۔ خواہ عذاب سے ڈرانا ہو یا عتاب سے یا حجاب سے لہٰذا ڈرانا سب کو ہے۔ کافروں کو گنہگاروں بلکہ ابرار و اخیار کو بھی اور بشارت صرف قدم صدق ہے جو بفضلہ تعالیٰ ہر مومن کو میسر ہوگا کفار اس سے یکسر محروم رہیں گے۔

**چوتھا اعتراض:** یہاں مومنوں کو قدم صدق یعنی اچھی جگہ کی بشارت دی گئی۔ اچھی جگہ کونسی خصوصیت ہے۔ کھڑا ہونا رب کے حضور سے خواہ اچھی جگہ میں ہو یا معمولی جگہ میں۔

**جواب:** اگر قدم یعنی پکی جگہ سے مراد حضور انور ﷺ کی شفاعت یا جنت ہو جب تو کوئی سوال نہیں اور اگر مراد ہو عرش اعظم کی داہنی جانب جہاں مومنین کھڑے ہوں گے تب بھی ظاہر ہے کیونکہ اس مقام پر کھڑا ہونا انتہائی عزت بھی ہوگی اور آئندہ جنتی ہونے کی علامت بھی۔ اس سے بڑھ کر سر بلندی اور کیا ہوسکتی ہے جسے بادشاہ کے حضور کرسی ملے اس کا خاندان فخر کرتا ہے۔

**تفسیر صوفیانہ:** قرآن مجید کے الفاظ سارے انسانوں سے قریب ہیں حتی کہ انہیں بچے بلکہ کفار بھی پڑھ لیتے ہیں۔ اسے اللہ کے بندے حفظ بھی کر لیتے ہیں اس کے معانی کچھ پڑھے لکھوں سے قریب ہیں۔ اس کے مقاصد علماء کے ذہن سے قریب اس کی باریکیاں دل والوں سے قریب ہیں مگر اس کے رموز و اسرار بہت ہی دور ہیں جہاں عقل۔ ہوش و گوش کی رسائی نہیں۔ صرف کسی کی نظر عنایت سے وہاں پہنچ ہوتی ہے۔ الفاظ وغیرہ کے لحاظ سے قرآن کو ہذا کہا جاتا ہے اور اسرار کے اعتبار سے ذلک یا تلک یعنی دور کا اشارہ جیسے حضور انور ﷺ کرم کے لحاظ سے سب سے قریب ہیں شرف میں سب سے دور۔ شعر۔

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب سے قرب میں کوئی کہہ دو اس امید سے وہ کہاں نہیں وہ کہاں نہیں

فرمایا گیا وہ دور والی آیات جہاں تک تمہاری کسی چیز کی رسائی نہیں بغیر محمد رسول اللہ کے وہ قرآن مجید کی آیتیں ہیں۔ فرمایا گیا کہ وہ آیات قرآنیہ جس کا ازل میں تم سے اے محبوب وعدہ کیا گیا تھا اور جس کا تمہاری امت کو وارث بنایا گیا یہ وہ ہی قرآن ہے فرماتا ہے ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا یہ قرآن جیسے ساری آسمانی کتابوں کے حاکم ہے اور سب کو منسوخ فرمایا ہے ایسے ہی تمام انسانوں خصوصا مسلمانوں پر اس کی حکومت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے نزول کے لئے اس ذات کریم کو منتخب فرمایا جو ساری مخلوق میں مراد ہے یعنی بہادر ہمت و جرات و استقلال والا ورنہ اس کی برداشت پہاڑ بھی نہیں کر سکتا تھا تو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا۔ کفار کی نظر میں بہادری مردی صرف مال سے تھی رب تعالیٰ کے نزدیک ذاتی جوہر ہے۔ شعر۔

ہنر باید افضل و دین و کمال کہ گہ آید و گہ رود جاہ و مال

مردی کی علامات سچی زبان۔ پڑوسیوں سے مصیبتیں دفع کرنا بھائیوں سے سلوک کرنا اللہ تعالیٰ کی محبت و عشق باطن کا امتیاز ہے ظاہر کا نہیں یہ اوصاف پورے پورے حضور ﷺ میں جمع ہیں لہذا آپ ﷺ ہیں قرآن کے لئے۔ کفار یہ راز نہیں سمجھ سکے اور انکار کر بیٹھے صوفیاء کے نزدیک دنیا میں قدم صدق تقویٰ ہے مرتے وقت ایمان ہے قبر میں امتحان میں کامیابی۔ حشر میں حضور انور ﷺ کے قرب رب سے ہم کلامی۔ بعد حشر جنت مومنین انشاء اللہ ہر جگہ قدم صدق یعنی سچی جگہ میں ہیں (روح البیان)

| اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ |
|---|
| تحقیق پالنے والا تمہارا وہ اللہ ہے کہ پیدا کیے اس نے آسمان اور زمین چھ دن میں |
| بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں |
| سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ |
| پھر غلبہ فرمایا عرش پر تدبیر کرتا ہے کام کی |
| بنائے پھر عرش پر استویٰ فرمایا (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) کام کی تدبیر |
| مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ |
| نہیں ہے کوئی شفاعت کرنے والا مگر بعد اجازت کے اس کی یہ اللہ رب ہے تمہارا |
| فرماتا ہے کوئی سفارشی نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد یہ ہے اللہ تمہارا رب |

فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③

| پس پوجو | تم | اس | کو | پس | کیوں | نہیں | نصیحت | قبول | کرتے | ہو | تم |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| تو | اس | کی | بندگی | کرو | تو | کیا | تم | دھیان | نہیں | کرتے | |

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں پہلے قرآن مجید کا ذکر ہوا پھر قرآن لانے والے محبوب کے درجات بیان ہوئے اب قرآن نازل فرمانے والے حضور انور ﷺ کو نبوت عطا فرمانے والے رب تعالیٰ کی حمد کا ذکر ہے چونکہ حضور انور ﷺ اور قرآن مجید خداری کا وسیلہ ہیں اور عموماً انسان ان کے ذریعہ رب تعالیٰ کو پہچانتے ہیں اس لئے پہلے وسیلوں کا ذکر ہوا پھر اصل مقصود کا یعنی رسالت کے بعد توحید کا۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھیجنے کا ذکر ہوا اب وحی کے مرکز یعنی عرش اعظم کا ذکر ہے جہاں سے وحی آتی ہے اور جو احکام کا مرکز ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں اس ذات کریمہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوا جو عرش اعظم کی طرح سارے عالم کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اور جہاں سے مخلوق پر احکام الٰہیہ نافذ ہوتے ہیں۔ اب عرش آسمان و زمین کا تذکرہ ہے گویا روحانی عرش آسمان و زمین کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ جیسے اے لوگو رب تعالیٰ نے عرش فرش آسمان زمین بنائے ہیں تمہاری رائے نہ لی جیسے جو چاہا بنایا ایسے ہی نبی صحابی مومن کافر بنانے میں تمہاری رائے کا لحاظ نہ فرمایا جسے جو بنایا حق بنایا تم کو اس پر اعتراض کا کیا حق ہے۔

**تفسیر:** ان ربکم اللہ ۔ان آیات کے مضمون کے بہت لوگ منکر تھے اور ہیں۔ دہریہ اللہ کی ذات کی منکر مشرکین اس کی وحدانیت کے منکر بعض کفار اس کے خالق ہونے کے منکر بعض اسے بعض مخلوق کا خالق مانتے ہیں کل کا نہیں ان وجوہ سے اسے ان سے شروع فرمایا گیا۔ ربکم میں خطاب یا مومنوں سے ہے یا کافروں سے یا سارے انسانوں سے یا سارے جن و انس سے۔ تیسرا احتمال قوی ہے۔ رب کے معانی رب اور اب میں فرق ربوبیت کے ظہور کی صورتیں ہم سورۂ فاتحہ کی تفسیر رب العالمین میں کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ رب وہ ہے جو مخلوق کے ظاہر کو بھی پالے اور باطن کو بھی۔ پھر ہمیشہ پالے مستقل طور پر پالے روحانی پرورش کے لئے اس نے انبیاء اولیاء علماء پیدا فرمائے خصوصاً حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جسمانی پرورش کے لئے اس نے آسمان و زمین بنائے کبھی اللہ کی ذات سے اس کے صفات کی پہچان کرائی۔ اس لیے وہاں اللہ موصوف ہوا۔ رب صفت مگر یہاں صفت سے ذات کی پہچان کرائی اس لئے ربکم اسم ان ہوا اور اللہ اس کی خبر یوں ہی بعض نے اللہ تعالیٰ سے حضور کو جانا مگر ہم جیسوں نے حضور انور ﷺ سے رب تعالیٰ کو پہچانا۔ ھو الذی ارسل رسوله بالهدی (الخ) الذین خلق السموت والارض یہ عبارت لفظ اللہ کی صفت ہے۔ لطف یہ ہے کہ ربکم سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت ثابت کی اور ان صفات سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت ظاہر فرمائی۔ خلق اور کسب کا فرق ہم پارہ الٓمٓ میں عرض کر چکے ہیں چونکہ

ساتوں آسمان ایک دوسرے سے جدا ہیں ان کی حقیقتیں جدا ان کے فیضان جدا اس لئے سموت جمع ارشاد ہوتا ہے زمین بھی سات ہیں مگر سب کی حقیقت مٹی اور سب ایک دوسرے سے پیاز کے چھلکے کی طرح چمٹے ہوئے ہیں۔ اس لئے ارض ہمیشہ واحد ارشاد ہوتا ہے۔ چونکہ آسمان بڑے ہیں زمین چھوٹی پھر آسمان فیض دینے والے زمین فیض لینے والی ان وجوہ سے آسمان کا ذکر زمین سے پہلے ہوتا ہے مگر چونکہ ہم کو زمین کا علم زیادہ ہے یہاں کا تجربہ بھی آسمان کا علم کم ہمارے تجربہ سے باہر اس لئے سورۂ طٰہٰ میں زمین کا ذکر پہلے ہے آسمان کا بعد میں۔ خلق الارض والسموت العلی (روح المعانی) آسمان و زمین کی تحقیق پارہ الٓمٓ اور سورۂ اعراف میں ہو چکی ہے۔ فی ستة ایام یہ عبارت ظرف ہے خلق کا ایام جمع ہے یوم کبھی بمعنی وقت آتا ہے کل یوم فی شان رب تعالیٰ ہر وقت ایک نئی شان میں ہوتا ہے کبھی دن رات کا مجموعہ اشھر ثلثون یوما یہ مہینہ تیس دن کا ہوا کبھی بمعنی اخروی دن یعنی ایک ہزار یا پچاس ہزار سال کا رب فرماتا ہے ان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون اور فرماتا ہے فی یوم کان مقداره خمسین الف سنة سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہاں ایام سے آخرت کے دن مراد ہیں۔ مگر تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مطلق وقت مراد ہے کیونکہ آسمان و زمین کی پیدائش صرف کن فرمانے سے ہوئی اور کن فرمانا ایک آن کی بات ہے فرماتا ہے ان یقول له کن فیکون اور ہو سکتا ہے کہ یوم سے مراد دن رات کا مجموعہ ہو۔ یعنی آج کن فرما کر پہلا آسمان بنایا اور کل کن فرما کر دوسرا آسمان (الخ) اس سورت میں دن کی مقدار مراد ہے نہ کہ مروجہ آج اور کل کیونکہ اس وقت سورج بنا ہی نہ تھا پھر دن رات کیسا (تفسیر روح المعانی و بیان وغیرہ) یہاں روح البیان نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے ہفتہ کے دن زمین پھیلائی۔ اتوار کے دن پہاڑ پیر کے دن درخت منگل کے دن بری چیزیں بدھ کے دن نور اور نورانی چیزیں جمعرات کے دن جانور جمعہ کے دن بعد نماز عصر حضرت آدم علیہ السلام چونکہ آپ خلیفۃ اللہ اور مقصود خلق تھے اس لئے آپ آخر میں پیدا ہوئے رعایا پہلے جمع ہوتی ہے بادشاہ بعد میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

لطیفہ: بعض علماء نے فرمایا کہ ہفتہ کا دن مکر و فریب اور دھوکہ کا دن ہے کہ اسی دن قریش حضور انور ﷺ کے خلاف سازشیں کرنے اور الندوہ میں جمع ہوئے اس دن نئے کپڑے نہ سلواؤ۔ اتوار باغ لگانے تعمیر مکان کی ابتداء کرنے کا دن ہے کہ جنت اور وہاں کی نعمتیں اتوار کو پیدا ہوئیں۔ پیر سفر اور تجارت کی ابتداء کا دن ہے حضرت شعیب نے تجارتی سفر کیا اور بہت نفع کمایا منگل کا دن خون کا دن ہے اس دن فصد اور اپریشن نہ کراؤ کہ اسی دن میں حضرت جرجیس، زکریا، یحییٰ علیہم السلام شہید کئے گئے اسی دن حضرت حواء کو حیض شروع ہوا اسی دن ہابیل قتل ہوئے۔ حضرت آسیہ اور فرعون کے جادوگر شہید کئے گئے اسی دن ابلیس زمین پر آیا اسی دن دوزخ پیدا ہوئی۔ بدھ کا دن غرق فرعون۔ قوم عاد و ثمود کی ہلاکت ہوئی اس دن ناخن نہ کٹاؤ برص کا اندیشہ ہے جمعرات کا دن مبارک ہے اس دن میں حضرت ابراہیم السلام کا نکاح زلیخا سے حضرت موسیٰ کا نکاح صفورا سے حضرت سلیمان کا نکاح بلقیس سے حضور انور ﷺ کا نکاح بی بی خدیجہ اور عائشہ صدیقہ سے جمعہ کے دن ہوا اس دن نکاح کرنا بہت برکت کا باعث ہے۔ (تفسیر روح البیان) ثم استوی علی العرش یہاں ثم ترتیب بیان کے لئے ہے یعنی پھر یہ بھی

سن لو کہ رب نے عرش پر استواء فرمایا۔ استواء کے معنی ہیں برابری۔ غلبہ۔ قرار۔ یہاں بمعنی برابر نہیں ورنہ اس کے بعد مع یا ب ہوتی علی نہ ہوتا عرش کے معنی چھت بھی ہیں خاویة علی عروشها۔ اور بمعنی عمارت بھی ومما یعرشون اس لئے عمارت بنانے والے کو عاوش کہا جاتا ہی اور بمعنی تخت بھی ولها عرش عظیم۔ (تفسیر کبیر) یہاں بمعنی تخت ہے۔ یہ فرمان عالی بطور تمثیل ہے تخت نشینی فرمایا گیا۔ پھر رب تعالیٰ مستوی عرش یعنی تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی بھی وہ جو اس کی شان کے لائق ہے ہمارے گمان وہم سے وراء ہے غرضکہ برابری۔ غلبہ قراری۔ تخت نشینی کے ظاہری معنی سے رب تعالیٰ پاک ہے حق یہ ہے کہ عرش نویں آسمان کا نام نہیں جیسا کہ فلاسفہ کہتے ہیں بلکہ یہ علیحدہ جسم ہے جو سارے آسمانوں ساری زمینوں سارے عالم حسیام کو گھیرے ہوئے ہے۔ یدبر الامر ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تیسری صفت ہے چونکہ پیدائش آسمان وزمین اور عرش پر غلبہ ایک بار ہو چکا اس لئے وہاں ماضی ارشاد ہوا۔ یدبر بنا ہے تدبیر سے جس کا مادہ ہے دبر بمعنی انجام یا پیچھے تدبیر کے معنی ہیں انجام پر نظر کرنا امر سے مراد ہے عالم کے سارے واقعات یعنی رب تعالیٰ دنیا کے واقعات کے احکام صادر فرماتا ہے مگر یوں نہیں بلکہ انجام کا لحاظ فرماتے ہوئے اس کے ہر فیصلے میں ہزاراحکمتیں ہوتی ہیں اس معنی سے تدبیر امر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس کے دوسرے معنی عالم کے واقعات رونما کرنا اس معنی سے وہ فرشتوں بلکہ اولیاء اللہ کی صفت ہے رب فرماتا ہے والمدبرات امرا غرضکہ احکام کا صادر کرنا رب کا کام اور رب کے صادر کردہ احکام کو دنیا میں جاری کرنا ان فرشتوں کا کام ہے کسی کی موت کا حکم صادر فرمانا رب کا کام مگر اسے موت دنیا متعلقہ فرشتوں کا کام یہ بات دھیان میں رہے۔ ما من شفیع الا من بعد اذنه ۔ یہ فرمان عالی لفظ اللہ کی چوتھی صفت ہی اس میں ما نافیہ ہے اور من استغراقیہ شفیع بنا ہے۔ شفاعته سے شفاعت کے معنی اس کے اقسام اور کس قسم کی شفاعت کا کون مستحق ہے ہم آیت الکرسی کی تفسیر میں زیر آیت من ذالذی یشفع عنده الا باذنه ۔ کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ مشرکین کے اس عقیدے کے نزدیک ہیں کہ ہمارے بت رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے سفارشی ہیں اور وہ دھونس سے شفاعت کریں گے جو رب تعالیٰ کو مجبوراً ماننا پڑے گی۔ اذن سے مراد ہے رب تعالیٰ کی اجازت۔ اس اجازت کی دو نوعیتیں ہیں ایک تو شفیع کو شفاعت کرنے کی اجازت دوسرے مشفوع کے متعلق اجازت کہ اے محبوب آپ ﷺ فلاں کی شفاعت کرو چنانچہ بت کسی کی شفاعت نہیں کر سکتے کہ انہیں شفاعت کی اجازت نہیں وہ تو خود دوزخ میں جائیں گے۔ اور حضرت انبیاء اولیاء کفار کے عذاب سے چھٹکارا کی شفاعت نہیں کریں گے۔ کیونکہ ان حضرات کو اس کی اجازت نہیں بلکہ وہ خود ان کفار سے نفرت کریں گے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں ہی امت کی شفاعت کی اجازت مطلقہ مل چکی ہے۔ رب فرماتا ہے۔ واستغفر لذنبک وللمومنین اور فرماتا ہے وصل علیهم اور فرماتا ہے۔ لیغفرلک الله ماتقدم من ذنبک حضور ﷺ آج ہی ساری امت بلکہ تمام امتوں ان کے نبیوں کے شفیع ہیں اگرچہ شفاعت کی نوعیت میں فرق ہے قیامت میں حضور انور ﷺ کا سجدہ فرمانا رب کی حمد کرنا عرض ومعروض کرنے کی اجازت کے لئے ہوگا نہ کہ شفاعت کی اجازت کے لئے۔ ذلکم الله ربکم فاعبدوه۔ یہ فرمان عالی گذشتہ مضمون کا نتیجہ ہے۔ ذالکم سے اشارہ سارے صفات عالیہ کی طرف ہے ربکم میں خطاب مشرکین یا سارے انسانوں سے

ہے یعنی جو ان مذکورہ صفات سے موصوف ہے وہ حقیقی سچا معبود ہے تم سب کو پالنے والا چونکہ کسی کو اس کی صفات سے جاننا مثل محسوس کے ہوتا ہے اس لئے ذالکم اسم اشارہ ارشاد ہوا (روح البیان) خیال رہے کہ عبادت کسی مخلوق کی جائز نہیں معبود صرف رب تعالیٰ ہے اطاعت اللہ کی بھی ہے اس کے رسول کی بھی اور اپنے سے بڑوں کی بھی افلا تذکرون ۔اس فرمان عالی میں خطاب کفار سے ہے یعنی تم ان باتوں میں دھیان کیوں نہیں کرتے جس کی بارگاہ کے شفیع ایسے شاندار ہیں وہ رب تعالیٰ کیسا شان والا ہوگا۔

**خلاصہ تفسیر:** اے لوگو! یہ اینٹ پتھر کے بت تمہارے رب نہیں یہ تو خود تمہارے اپنے ہاتھوں کے بنائی ہوئی ہیں تمہارا رب وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ سے ساتوں آسمان اور زمین ایک ایک دن کے وقفہ سے چھ وقتوں میں پیدا فرمائے کہ کن فرمایا وہ پیدا ہوئی پھر یہ بھی سنو کہ رب تعالیٰ نے عرش اعظم کو اپنی تجلی گاہ خاص اور احکام سلطانیہ کے نافذ ہونے کا مرکز بنایا۔ جہاں سے احکام صادر ہوتے ہیں وہ ہی قدرت والا رب دنیا کے ہر چھوٹے بڑے کام کی تدبیر فرماتا ہے کہ جو حکم دیتا ہے چیز کے انجام کے لحاظ سے دیتا ہے اس کے ہر حکم میں صدہا مصلحتیں ہیں ان کی شان یہ ہے کہ اس کی مخلوق میں سے کوئی اس کی اجازت کے بغیر کسی سفارش و شفاعت نہیں کر سکتا وہ جس کو جس کی شفاعت کے لئے اجازت دے وہ ہی اس کی شفاعت کرے۔ تمہارے بتوں کو شفاعت سے دور کا تعلق بھی نہیں کہ یہ خود دوزخ کا ایندھن ہیں جس کی یہ شانیں ہوں وہ ہی تمہارا رب ہے وہ ہی اللہ ہے لہٰذا تم اس کی عبادت کرو۔ بے وقوفو! تم ان باتوں میں غور کیوں نہیں کرتے۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ ہر بندہ کا ہر وقت رب ہے بندہ خواہ مومن ہو یا کافر نبی ہو یا امتی ولی متقی ہو یا گنہگار ہاں ان بندوں کی پرورش میں فرق ہے۔ کافر کی صرف جسمانی پرورش فرماتا ہے مومن کی جسمانی بھی اور روحانی بھی یہ فائدہ ربکم سے حاصل ہوا کہ کم میں خطاب سارے بندوں سے ہے۔

**دوسرا فائدہ:** بندوں کو چاہئے کہ کسی کام میں جلد بازی نہ کریں ہمیشہ اطمینان سے کریں یہ فائدہ فی ستہ ایام سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ قادر ہے کہ ایک کن سے ان کی آن میں ایسے لاکھوں جہان بنا دیتا ہے مگر اس نے ایک یہ عالم چھ دن میں بنایا مولانا فرماتا ہے۔

| | |
|---|---|
| مکر شیطان ست تعجیل و شتاب | خوئے رحمان است صبر و احتساب |
| باثباتی گشت موجود از خدا | تابہ شش روز ایں زمین و چرخہا |
| ورنہ قادر بود کز کن فیکون | صد زمین و چرخ آور دے بروں |
| ایں تانی از پئے تعلیم تست | طلب آہستہ بہ باید بے شکست |

**تیسرا فائدہ:** سلطنت الٰہیہ کا دار الخلافہ جہاں سے تمام احکام جاری ہوتے ہیں عرش اعظم ہے یہ فائدہ استوی علی العرش سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

**چوتھا فائدہ:** بعض صفات افعال رب تعالیٰ کی طرف بھی منسوب ہوتے ہیں اور اس کے خاص بندوں کی طرف بھی۔ یہ فائدہ یدبر الامر سے حاصل ہوا کہ کام کی تدبیر رب تعالیٰ بھی کرتا ہے۔ اور فرشتے بھی یہاں رب تعالیٰ کے لئے یہ صیغہ ارشاد ہوا اور دوسری جگہ و المدبرات امرا میں یہی لفظ فرشتوں کے لئے بھی ارشاد ہوا۔

**پانچواں فائدہ:** حضرات انبیاء اولیاء کی شفاعت برحق ہے وہ حضرات باذن الٰہی شفاعت ضرور کریں گے۔ یہ فائدہ الامن بعد اذنہ سے حاصل ہوا۔ اس کی تحقیق آیت الکرسی کی تفسیر میں ہو چکی شفاعت کبریٰ کا سہرا حضور انور ﷺ کے سر ہے ظہور عدل کے وقت یعنی ابتداء قیامت میں صرف حضور شفاعت کریں گے۔ بعد میں ظہور فضل کے موقعہ پر اور بہت لوگ شفاعت کریں گے۔ دیکھو آیت الکرسی کی تفسیر۔

**چھٹا فائدہ:** اللہ کی شان اس کے خاص محبوب بندوں کی شان سے ظاہر ہوتی ہے یہ فائدہ افلا تذکرون سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

**پہلا اعتراض:** آسمان و زمین کی پیدائش چھ دن میں کیسے ہوئی جب کہ اس وقت سورج بنا ہی نہ تھا۔

**جواب:** یہاں یوم بمعنی وقت ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر سورج ہوتا تو وہ وقت چھ دن بنتے لہٰذا مطلب ظاہر ہے۔

**دوسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ چھ دن میں یہ چیزیں بنیں مگر دوسری آیت میں ہے کہ کن سے بنیں اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون۔

**جواب:** یہاں وقت پیدائش کا ذکر ہے وہاں طریقہ پیدائش کا چھ دن میں بنے مگر کوٹ پیٹ کر ڈھال کر نہ بنائے گئے صرف کن فرمانے سے بنے۔

**تیسرا اعتراض:** عرش اعظم اجسام میں اول مخلوق ہے مگر یہاں اس کے لئے ثم ارشاد ہوا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش اعظم کی پیدائش ان سب کے بعد ہے۔

**جواب:** عرش اعظم کی پیدائش پہلے ہے مگر اس پر استواء یعنی اسے تجلی گاہ ربانی مرکز احکام بنانا بعد میں ہے یہاں روح البیان نے فرمایا کہ قرآن مجید میں لفظ ثم پانچ معنی میں استعمال ہوا ہے یہاں ترتیب کے لئے ہے۔ جیسے ان الذین آمنوا ثم کفروا ثم آمنوا ثم کفروا بمعنی قبل جیسے ثم استوی علی العرش کہ یہاں ثم بمعنی قبل ہے کیونکہ و کان عرشہ علی الماء سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش اعظم اول پیدا ہوا اور رب فرماتا ہے ان مرجعھم لالی الجحیم وہاں بھی ثم کا بمعنی قبل ہے شاعر کہتا ہے۔

قل لمن ساز ثم ساد ابوہ ثم قد ساد قبل ذلک جدہ

اس شعر میں دونوں ثم بمعنی قبل ہے بمعنی واؤ جیسے ثم کان من الذین آمنوا یہاں ثم بمعنی واؤ ہے بمعنی ابتداء جیسے الم نھلک الذین ثم نتبعھم الآخرین وہاں ثم سے کلام کی ابتداء ہے۔ بمعنی تعجب ہے جیسے جعل الظلمات و النور ثم الذین کفروا بربھم یعدلون اور اگر یہاں ثم فرمانا عرش اعظم کی شان دکھانے کے لئے ہو یا ترتیب ذکری کے لئے تو کسی

تاویل کی ضرورت نہیں (تفسیر روح البیان)

**چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مدبر عالم صرف اللہ تعالیٰ ہے مگر تمہارے اعلیٰ حضرت نے حضور غوث اعظم کو مدبر عالم کہا اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ تدبیر اور مدبر کے دو معنی ہیں ایک معنی سے اللہ کی صفت ہے۔ یعنی احکام صادر فرمانا دوسرے معنی سے بندوں کو مدبر کہا گیا ہے جیسے فرشتوں کی ایک قسم کا نام ہے۔ مدبرات امرا رب فرماتا ہے والمدبرات امرا یعنی صادر شدہ احکام کو جاری فرمانا اس معنی سے اولیاء اللہ خصوصا سرتاج اولیاء خصوصا سرتاج اولیاء حضور غوث اعظم مدبر عالم ہیں۔ اس آیت کے متعلق اور بہت سے اعتراض و جواب پارہ الم اور سورۂ اعراف میں عرض کئے گئے۔

**تفسیر صوفیانہ:** عام انسان گویا فیض لینے والی زمین ہیں اور حضرات انبیاء کرام گویا فیض دینے والے آسمان ہیں۔ جس طرح آسمانوں کی کیفیات مختلف ہیں اسی طرح انبیاء کی شان مختلف ہیں کوئی نبی جلالی ہیں تو کوئی رب کی کسی صفت کے مظہر ہیں کوئی دوسری صفت کے مظہر۔ ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے چھ دن یعنی چھ صفات میں پیدا فرمایا۔ روح، قلب، عقل، نفس مطمئنہ وغیرہ پھر رب العلمین نے اس ذات کریم پر تجلی فرمائی جو عالم روحانیت میں گویا عرش اعظم ہیں۔ تمام انبیاء اولیاء کو اپنے گھیرے میں لئے ہیں۔ شعر۔

جس کے گھیرے میں ہیں انبیاء و ملک  اس جہاں گیر بعثت پہ لاکھوں سلام

وہ ذات کریم احکام تکوینیہ احکام شرعیہ کے صدور کی جگہ ہیں ہر زمانہ ہر وقت میں رب کے احکام وہاں سے ہی جاری ہوئے اور ہوتے ہیں۔ شعر۔

وہ زبان جس کو سب کن کی کنجی کہیں  اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

اللہ تعالیٰ اس عرش نبوت سے دنیا کے احوال کی تدبیر فرماتا ہے۔ پھر شفاعت میں سب سے پہلے اجازت حضور ﷺ کو ملے گی۔ پھر دوسرے شفیعوں کو۔ اے لوگو یہ زمین و آسمان عرش لامکان سلطان کا رب تمہارا رب ہے لہٰذا اس کی عبادت کرو۔ تم لوگ ان بندوں کو دیکھ کر رب تعالیٰ کی شان کا پتہ کیوں نہیں لگاتے۔ رب وہ قدرت والا ہی جس نے ایسے قدرت والے علم والے رحمت والے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا هو الذی ارسل رسوله بالهدى و دين الحق۔

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا

اسی کی جانب ہے لوٹنا تمہارا سب کا وعدہ اللہ کا سچا تحقیق وہ شروع فرماتا

اسی کی طرف تم سب کو پھرنا ہے اللہ کا سچا وعدہ بے شک وہ پہلی بار

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

ہے پیدائش کو پھر لوٹاتا ہے اس کو تاکہ بدلہ دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل

بناتا ہے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے گا کہ ان کو جو ایمان لائے اور اچھے کام

الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ

کیے انہوں نے اچھے ساتھ انصاف کے اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا واسطے ان کے ہے

کیے انصاف کا صلہ دے اور کافروں کے لئے پینے کو کھولتا پانی

حَمِیْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾

پینا کھولتے پانی سے اور عذاب ہے درد ناک اس وجہ سے کہ تھے وہ کفر کرتے

اور درد ناک عذاب بدلہ ان کے کفر کا

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں رب تعالیٰ کی الوہیت ابتداء کے لحاظ سے بیان فرمائی جارہی ہے کہ اس نے آسمان و زمین بنائے وغیرہ اب اس کی الوہیت انتہا کے لحاظ سے بیان فرمائی جارہی ہے کہ وہ تم سب کو مرنے کے بعد جلائے گا اور سزا جزا دے گا۔ چونکہ ابتداء پہلے ہے انتہا بعد میں اس لئے پہلے ابتدا کا ذکر ہوا بعد میں انتہاء کا۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں رب تعالیٰ کی قدرت عامہ کا ذکر ہوا کہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں تمام کائنات کا پیدا فرمانے والا ہے اب اس کی قدرت خاصہ کا ذکر ہے کہ وہ قیامت میں اٹھا کر صرف انسانوں کو ان کے اعمال نیک کا ثواب بد کا عذاب دینے والا ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیۃ کریمہ میں بندوں کو عبادت کا حکم دیا گیا اب عبادت کے فائدہ کا تذکرہ ہے کہ عبادت کا نتیجہ ثواب ہے۔

**چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں شفاعت کا ذکر ہوا کہ اللہ کے ماذون (اجازت یافتہ) بندے شفاعت کریں گے اور مقام شفاعت اور وقت شفاعت کا ذکر ہے کہ جب بندے اپنے رب کے پاس واپس پہنچیں گے تب یہ شفاعت ہوگی مقصد یہ ہی کہ شفاعت کرنے والوں سے تعلق قائم رکھو تا کہ یہ تعلق قیامت میں کام آوے۔

**پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں ان کفار کی تردید ہوئی جو رب کی ذات وصفات کے منکر ہیں اب ان کفار کی تردید ہے جو ذات وصفات کو تو مانتے ہیں مگر قیامت جنت دوزخ سزا و جزا کے انکاری ہیں۔

**تفسیر:** الیہ مرجعکم یہ فرمان عالی۔ نیا جملہ ہے جس میں الیہ خبر مقدم ہے اور مرجعکم مبتدا مرجع مصدر میمی ہے بمعنی جوع یا لوٹنا ظاہر یہ ہے کہ کم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے مومن ہوں یا کافر و منافق۔ اس خطاب میں فرشتے یا جنات داخل نہیں کیونکہ جزا یعنی ثواب کا بھی ذکر ہے جو صرف انسانوں کے لئے ہے۔ جمیعا کم ضمیر کا حال ہے الیہ کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی اے انسانو! تم سب کا مرنے کے بعد جی کر رب تعالیٰ ہی کی طرف واپس ہونا ہے۔ چونکہ عالم

ارواح میں تمام انسان رب تعالیٰ کے پاس تھے وہاں سے دنیا میں آئے اس لئے اب پھر وہاں جانے کو لوٹنا کہا گیا۔ اس کی ذات وصفات کے انکاری بھی ہیں یہاں بعض چیزوں کی ملکیت کے دعویدار بھی۔ وہاں ان میں سے کچھ نہ ہوگا۔ اس لئے وہاں کی حاضری کو رب کی طرف لوٹنا فرمایا گیا۔ حضرت ابراہیم نے کوفہ سے فلسطین کی طرف ہجرت کرنے کو رب کی طرف جانا کہا انی ذاهب الی ربی سیهدین خیال رہے کہ قیامت میں پہلے سب کا اجتماع ہوگا پھر چھانٹ کا ارشاد ہوگا۔ وامتازو الیوم ایها المجرمون یہاں اول وقت کے لحاظ سے ارشاد ہے۔ جمیعا بعض مفسرین نے فرمایا کہ مرجعکم سے مراد موت ہے جو سب کو آنی ہے جس کے ذریعہ دنیا چھوٹنی ہے۔ بارگاہ الٰہی میں حاضری دینی ہے اس صورت میں جمیعا بمعنی اجمعین نہیں بلکہ بمعنی سب ہے یعنی تم سب کو مر کر رب کی طرف لوٹنا ہے۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے کل من علیها فان یا وہ آیت کل شی ء هالک الا وجهه (روح المعانی) وعدالله حقا اس فرمان عالی کی آسان ترکیب یہ ہے کہ اصل میں تھا وعدالله وعدا حقا یعنی اللہ تعالیٰ نے اس لوٹنے کا تم سب سے پختہ وعدہ کیا ہے۔ جس کے خلاف ہونے کا کوئی احتمال نہیں اس صورت وعدہ سے مراد مطلقا وعدہ ہے وعید کا مقابل مراد نہیں کیونکہ قیامت کی خبر نیکوں کے لئے وعدہ ہے۔ کفار کے لئے وعید یہ لفظ دونوں کو شامل ہے بعض نے فرمایا کہ یہاں وعدہ مقابل ہے وعید کا چونکہ قیامت کے انعقاد کا مقصود مومنوں کو خبر دینا ہے اس لئے اسے وعدہ فرمایا۔ کفار کی سزا ان کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہے۔ انه یبدو الخلق ثم یعیده قوی یہ ہے کہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اور مرجعکم کی یا وعدالله (الخ) کی دلیل ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یبدو بمعنی بدعه ہے اور خلق سے مراد ساری مخلوق کو پیدا فرماتا ہے۔ یعنی اس نے ساری مخلوق کو ابتداءً بغیر نمونہ کے پیدا فرمادیا انہیں ایجاد کردیا تو یقین کرلو کہ وہ دوبارہ بھی انہیں لوٹائے گا۔ کیونکہ ایجاد سے دوبارہ بنانا آسان ہے اور ہوسکتا ہے کہ خلق سے مراد افراد مخلوق ہوں۔ یعنی رب تعالیٰ ہر فرد مخلوق کو ابتداءً پیدا فرماتا ہے لہٰذا وہ انہیں دوبارہ بھی بنائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مخلوق کو پیدا کیا احکام کا مکلف کرنے کے لئے پھر ان کی عمر ختم ہوجانے پر انہیں موت دے گا پھر بعد موت اٹھائے گا کیونکہ لیجزی الذین امنوا وعملوا الصالحات بالقسط۔ اس فرمان عالی کا تعلق ثم یعیدہ سے ہے جزاء سے مراد نیک اعمال کا ثواب ہے یعنی سزا کا مقابل بالقسط کا تعلق یا تو لیجزی سے ہے یا عملوا الصالحات سے یعنی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس لئے دوبارہ زندگی دے گا تاکہ اس زندگی میں نیک مومنوں کو انصاف کے ساتھ ثواب دے کہ نہ تو نیک کی نیکیوں میں کمی کرے نہ گناہوں میں زیادتی لہٰذا انصاف ظلم کا مقابل ہے نہ کہ فضل و کرم یا معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں نے انصاف کے ساتھ نیکیاں کیں انہیں جزا دے چونکہ اس دنیا میں نیکیوں کے ثواب کی گنجائش نہیں کہ دنیا فانی ہے ثواب ہمیشہ باقی نیز دنیا قلیل یعنی تھوڑی ہے۔ ثواب کثیر یعنی زیادہ نیز دنیا مخلوق ہے آرام و مصیبت سے ثواب ہے خالص۔ ان وجہوں سے عمل کے لئے دنیا بنائی ثواب کے لئے آخرت جزا کے لئے دوسرا جہان کیوں کہ یہ اس کا جواب ہے۔ والذین کفروا اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ یعنی کفار کو سزا کا بیان ہے الذین سے مراد انسان ہیں جیسا کہ گذشتہ کے مقابلہ سے معلوم ہورہا ہے کفر سے مراد ہر قسم کا کفر ہے کفر کی صدہا قسمیں ہیں۔ ہر کفر کی سزا دوزخ میں ہمیشگی ہے کفروا سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے علم

اس کے فیصلہ میں کافر ہو چکے یا مراد ہے کہ جو لوگ کفر پر مر گئے یا جو مرتے وقت ہو گئے لہذا آیت واضح ہے لھم شراب من حمیم وعذاب الیم یہ فرمان عالی والذین کفروا کی خبر ہے اس میں لھم مقدم خبر ہے اور شراب (الخ) موخر مبتدا جس سے حصر کا فائدہ ہوا کیونکہ کھولتا پانی دوزخیوں کا خون و پیپ پلایا جانا ذلت و رسوائی اور انتہائی دردناک عذاب صرف کفار کے لئے ہے گنہگار مومن ان شاء اللہ ان سے محفوظ ہوں گے خیال رہے کہ طرز بیان یہاں کچھ اور ہے وہاں تعالیٰ جزی اس کے مقابل یہاں لیعذب ارشاد نہیں ہوا کیونکہ قیامت قائم ہونے کا اصل مقصد نیکیوں کو ثواب دینا ہے رہا کفار کا عذاب وہ مقصد قیامت نہیں وہ ایک عارضی چیز ہے۔ (روح البیان) دوزخ کا پانی حار نہیں بلکہ حمیم ہے یعنی معمولی گرم نہیں بلکہ بہت ہی سخت کھولتا ہوا ہے جو پیتے وقت ہونٹ و زبان تالو جلا دے اور پیٹ میں پہنچ کر آنتیں جلا ڈالے مگر اس کے باوجود موت نہ آوے گی بما کانوا یکفرون یہ فرمان عالی یا تو عذاب الیم کی صفت ہے یا پوشیدہ مبتدا کی خبر اس میں یا مصدریہ۔ کانوا یکفرون فرما کر دو یا تین باتیں ارشاد ہوئیں ایک یہ کہ یہ عذاب اس کافر کو ہے جو کفر کرتا رہا حتی کہ کفر پر مر گیا (۲) اگر اس نے زندگی میں کفر تو کیا مگر مرتے وقت مومن ہو گیا اس کے لئے عذاب نہیں دوسرے یہ کہ کفار کے نا سمجھ بچے جو بچپن میں فوت ہو گئے ان کے لئے عذاب نہیں کیونکہ انہوں نے کفر کیا نہیں۔ جنت عطائی بھی ہو گی وہبی بھی کسبی بھی مگر دوزخ اور وہاں کا عذاب صرف کسبی ہے نہ عطائی نہ وہبی۔

**خلاصہ تفسیر:** اے لوگو زندگی غنیمت جانو اس میں جو بن پڑے عبادت کر لو کیونکہ دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا ہم سب کو آخر کار رب تعالیٰ کی طرف واپس لوٹنا ہے۔ رب کی طرف سے اس کا پختہ سچا وعدہ ہو چکا ہے۔ جب مرنا ہے تو تیاری ضرور کرے۔ شعر۔

جو یہاں آیا ہے اس کو ہوگا جانا ایک دن سب کو ہے منھا خلقنا کم کا صدمہ ایک دن

اگر تم کو بعد موت زندہ ہونے میں تردد ہو تو یوں سوچو کہ رب تعالیٰ نے مخلوق کو ابتداءً پیدا فرمایا۔ تم میں سے ہر ایک کا ابتداء فرماتا رہتا ہے جب وہ ابتداء فرماتا ہے تو دوبارہ بھی زندگی بخشے گا۔ وہ زندگی اس لئے ہو گی کہ اللہ تعالیٰ اس دن نیک کار مومنوں کو عدل و انصاف کے ساتھ ثواب دے جس میں کمی بالکل نہ ہو قیامت قائم فرمانے کا یہ ہی مقصد ہے۔ دنیا عمل کی جگہ آخرت جزا کا مقام کیونکہ دنیا میں جزا سما نہیں سکتی رہے وہ لوگ جو مرتے دم تک کفر کرتے رہے کفر پر مرے انہیں پینے کے لئے کھولتا پانی ملے گا۔ اس کے سوا بہت ہی دردناک دائمی عذاب ہو گا یہ بدلہ اس چیز کا ہو گا کہ وہ زندگی بھر کفر کرتے رہے اور کفر پر مرے جرم انتہائی سنگین ہے اس کی سزا بھی انتہائی سنگین۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** قیامت میں اولاً سارے برے بھلے بندوں کا اجتماع ہو گا حتی کہ شفیع کی تلاش سب مل کر کریں گے۔ چھانٹ یعنی مومن و کافر کی علیحدگی بعد میں ہو گی۔ اس لئے اسے حشر کہتے ہیں یہ فائدہ مرجعکم جمیعا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ مرجع سے مراد قیامت کی حاضری ہو اور جمیعا سے مراد سب کا اجتماع ہو۔

دوسرا فائدہ: موت سب کو آنی ہے اس سے کوئی بھی علیحدہ نہیں یہ فائدہ ھو جعکم جمعیا کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ مرجع سے مراد ہو موت جمعیا سے مراد ہو سب لوگ اس لئے موت سے بچنے کی دعا کرنا حرام ہے۔

تیسرا فائدہ: انسان کو چاہئے کہ شہادت سے غیب کا پتہ لگائے ظاہر چیزیں باطن کا پتہ ہیں۔ یہ فائدہ یبدالخلق ثم یعیدہ سے حاصل ہوا۔ دیکھو ہمارا پیدا ہونا شہادت ہے اور قیامت میں اٹھنا غیب آیت میں ابتداء کو انتہا خلق کو اعادہ کی دلیل بنایا گیا۔

چوتھا فائدہ: زندگی میں رب کی عبادت کرنا انصاف ہے غفلت ظلم ہے یہ فائدہ بالقسط کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اس کا تعلق عملوا الصالحات سے ہو۔

پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ بقدر جرم سزا دے گا کسی کو جرم سے زیادہ سزا نہ ہوگی نہ نیکیوں سے کم ثواب ہے یہ فائدہ بالقسط کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اس کا تعلق لیجزی سے ہو۔ دیکھو تفسیر جرم سے کم سزا دینا یا بالکل نہ دینا عفوو کرم ہے۔

چھٹا فائدہ: مومن کبھی نیکیوں سے غافل نہ رہے ایمان جڑ ہے اعمال شاخیں ثواب پھل ہے جیسے پھل کے لئے جڑ شاخیں سب ہی ضروری ہیں یوں ہی ثواب کے لئے ان دونوں کی ضرورت ہے یہ فائدہ آمنوا وعملوا الصالحات سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: مومن صرف ایک نیکی پر قناعت نہ کرے بلکہ ہر قسم کی بدنی، مالی، جانی نیکیاں کرتا رہے جس قدر ہو سکے یہ فائدہ عملوا الصالحات میں صالحات جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: کافر خواہ کتنی ہی نیکیاں کرے اور خواہ کتنا ہی گناہوں سے بچے مگر وہ دوزخ سے نجات نہیں پا سکتا۔ یہ فائدہ الذین کفروا لھم شراب (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے مذکورہ عذاب کو صرف کفر پر مرتب کیا یہ فرمایا کہ جو کافر ہوں گے اور گناہ کریں گے تو انہیں عذاب ہوگا۔

نواں فائدہ: دوزخ میں کھولتا پانی۔ رسوائی ذلت وخواری کی دردناک عذاب صرف کفار کے لئے ہے گنہگار مومن ان چیزوں سے محفوظ رہیں گے۔ یہ فائدہ لھم عذاب من حمیم میں لھم کو مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔

دسواں فائدہ: انعقاد قیامت کا مقصد مومنوں کو ثواب دینا ہے رہا کفار کو عذاب دینا یہ عارضی چیز ہے مقصود قیامت نہیں یہ فائدہ لیجزی الذین آمنوا اور والذین کفروا (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ لیجزی پر لام آیا اور کفر کے عذاب پر لام نہیں آیا۔

پہلا اعتراض: اللہ کے وعدے سارے سچے ہیں پھر وعد اللہ حقا کیوں فرمایا گیا کیا اس کے بعض وعدے جھوٹے بھی ہیں۔

جواب: تاکید کے لئے یہودی لوگ اسے تاکید نفسہ کہتے ہیں۔

دوسرا اعتراض: قیامت کی خبر مومنوں کے لئے وعدہ کے کافروں کے لئے وعید یہاں صرف وعداللہ کیوں فرمایا اوعداللہ کیوں نہیں فرمایا۔

جواب: اس لئے کہ قیامت کا مقصد مومنوں کو ثواب دینا ہے جیسا کہ ابھی تفسیر اور فوائد میں ذکر ہوا یہاں وعد مطلقا آئندہ کی خبر کے معنی میں ہے ثواب کی ہو یا عذاب کی۔

تیسرا اعتراض: اعمال کے لئے دنیا اور ثواب وعذاب کے لئے آخرت کیوں مقرر فرمائی۔ دونوں ایک ہی جگہ کیوں نہ ہوئے۔

جواب: کیونکہ عمل ہمارے کام ہیں ہم چھوٹے ہمارے کام تھوڑے ہیں ان کے لئے تھوڑی زندگانی چاہئے اور ثواب و عذاب رب کا کام ہے رب عظیم اس کی عطا وسزا بھی عظیم اس کے لئے زمانہ وہ چاہئے جس کو انتہا نہ ہو۔ اور بھی بہت وجہیں ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں۔ نیز آخرت اعمال کی جگہ نہیں کہ وہاں اعمال کے اسباب نہیں نماز وروزہ حج وزکوۃ چاند و سورج سے ہوتے ہیں وہاں یہ دونوں نہیں جہاد و کفار کے زور توڑنے کو ہوتا ہے وہاں کفار کا زور نہیں۔ نیکیوں سے روکنے والا شیطان اور نفس امارہ ہیں وہاں شیطان قید نفس امارہ ہلاک ہے لہٰذا اعمال اور جزاء اعمال ایک جگہ ایک وقت نہیں ہو سکتے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیک کار مومن جنتی ہیں۔ بتاؤ کہ بدعمل یا بے عمل مومن جنتی ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو یہاں نیک کار کی قید کیوں لگائی گئی۔

جواب: اس کا جواب اشارۃً ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں کسبی جنت کا ذکر ہے جو نیک اعمال کی وجہ سے مومنوں کو ملے گی۔ جنت وہبی عطائی کا ذکر دوسری آیات میں ہے گنہگار مومن کے لئے خطرہ ہے کہ وہ اول سے جنت میں نہ جا سکے اولاً سزا بھگتنے دوزخ میں جاوے پھر جنت میں پہنچایا جاوے۔ نیک کار مومن بفضلہٖ تعالیٰ اول سے ہی جنتی ہے یہاں یہ ہی مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ: مقبولین و مردودین سب کا رجوع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے مگر دونوں کے رجوع میں فرق ہے۔ مقبولین کا رجوع عنایت الٰہی کے جذب سے ہے اسے خطاب ہوتا ہے یا ایھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ انہیں ہر وقت یہ خطاب آتا رہتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے جسم دنیا میں حاضر مگر دل سے غائب رہتے ہیں ان کی نظر میں سونا اور مٹی یکساں ہوتی ہیں وہ ماسوی اللہ سے مستغنی ہیں۔ ان کی روح عشق و محبت کے دریا میں غرق ماسوی اللہ سے بیزار رہتی ہے مردودین کا رجوع الی اللہ مجبوری سے ہے وہ ہتھکڑی۔ بیڑی۔ طوق میں جکڑ کر دوزخ کی طرف لے جائے جاتے ہیں ان کی علامت یہ ہے کہ ان کے تعلقات دنیا سے بہت زیادہ۔ ان پر نفس کا غلبہ۔ حرص۔ ہوس۔ بخل دراز امیدیں۔ تکبر۔ غصہ۔ شہوت حسد و کینہ۔ عداوت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں یہ عیوب اس زنجیر کے حلقے ہیں اللہ کے وعدے وعید بالکل برحق ہیں۔ یہ مقبولین یار۔ اغیار۔ بلکہ خود اپنے نفس اور اپنے رب کے متعلق ہمیشہ انصاف سے کام لیتے ہیں۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے یہاں جو کچھ بوؤ گے وہاں وہ ہی کاٹو گے۔ بھلائی بونے والا سلامتی کاٹے گا بدی بونے والا ندامت۔

مولانا فرماتے ہیں۔

جملہ دانند ایں اگر تو نگروی ہرچہ می کارِیش روزے بدروی

بعض لوگ وہ ہیں جو پہلے شیطان کے زمرہ میں ہوتے ہیں۔ پھر رحمان کی بارگاہ قدس میں پہنچ جاتے ہیں۔

مرد اول بستۂ خواب و خوراست آخرالامراز ملائک برتراست

در پناہ پنبہ وکبریتہا شعلہ نور مشل برآید برسہا

آگ کا شعلہ تیل وبتی کی مدد سے بڑی آگ وروشنی بن جاتا ہے انسان کو اگر اچھا مربی مل جاوے تو یہ شعلہ سے بھڑکتا ہوا بن جاوے۔ (روح البیان)

هُوَ الَّذِيۡ جَعَلَ الشَّمۡسَ ضِيَآءً وَّالۡقَمَرَ نُوۡرًا وَّقَدَّرَهٗ

وہ اللہ وہ ہے کہ بنایا اس نے سورج کو روشن اور چاند کو نور اور اندازہ

وہی ہے جس نے سورج کو جگمگاتا بنایا اور چاند چمکتا اور اس کے

مَنَازِلَ لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِيۡنَ وَالۡحِسَابَ‌ؕ مَا خَلَقَ

کیا اس کے لئے منزلوں کو تاکہ جانو شمار برسوں کی اور حساب نہیں پیدا کیا

لئے منزلیں ٹھہرائیں کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جانو اللہ نے

اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالۡحَـقِّ‌ ۚ يُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۝۵

مگر ساتھ حق کے تفصیل وار بیان کرتا ہے نشانیاں واسطے اس قوم کے جو راہ جانتی

اسے نہ بنایا مگر حق نشانیاں مفصل بیان فرماتا ہے علم والوں کے لئے

اِنَّ فِى اخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِى

بے تحقیق بدلتے ہیں رات اور دن کے اور وہ جو پیدا کیا اللہ نے

بے شک رات اور دن کا بدلتا آنا اور جو کچھ اللہ نے

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَّقُوۡنَ ۝۶

آسمانوں اور زمین میں البتہ نشانیاں ہیں واسطے اس قوم کے جو پرہیزگار ہے

آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ان میں نشانیاں ہیں ڈرنے والوں کے لئے

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کو الوہیت اس کی قدرت آسمان وزمین کی پیدائش سے ثابت کی گئی۔ خلق

السموات و لارض اب آسمان وزمین کی چیزوں سے اس کی الوہیت وقدرت کا ثبوت دیا جارہا ہے سورج چاند اور برس کا گذرنا حساب لگایا جاتا۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں گذشتہ آئندہ زمانہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اس کی قدرت کا ذکر ہوا کہ اس نے پہلے سے آسمان وزمین بنائے اور تم آئندہ کر مر اس کی طرف لوٹو گے اب موجودہ زمانہ کے اعتبار سے اس کی الوہیت کا تذکرہ ہے کیونکہ چاند سورج کے فیضان موجود ہیں محسوس ہو رہے ہیں۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ تم سب کا رب ہے ذلکم ربکم اب اس کی ظاہری ربوبیت یعنی جسمانی پرورش کا ذکر ہے کہ اس نے تمہاری پرورش کے لئے چاند سورج بنائے تاکہ پتہ لگے کہ اس نے باطنی پرورش کے لئے انبیاء اولیاء بھیجے آسمانی کتابیں نازل فرمائیں کہ جسمانی پرورش سے روحانی پرورش زیادہ اہم ہے۔

**تفسیر ھو الذی:** ان جیسی آیات میں ھو سے مراد ذات باری تعالیٰ ہوتا ہے الذی سے مراد صفت باری تعالیٰ قدرت والا یا رحمت والا یا حکمت والا وغیرہ کیونکہ دنیا کی ہر چیز رب تعالیٰ کی ایک دو دو صفت کا مظہر ہے لیکن ھو الذین ارسل رسولہ میں الذی سے مراد تمام صفات الٰہیہ ہیں یعنی وہ شانوں قدرتوں حکمتوں رحمتوں والا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام صفات الٰہیہ بلکہ ذات الٰہی کے مظہر اتم ہیں۔ شعر۔

مصطفیٰ آئینہ روئے خداست منعکس درو ے ہمہ خوئے خداست

یہ فرق یاد ہے دیکھو ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی میں صلوٰۃ سے کچھ اور ہی مراد ہے اور ھو الذی یصلی علیکم وملائکتہ میں صلوٰۃ سے مراد کچھ اور ہی ہے لہٰذا اس آیت سے یہ لازم نہیں کہ ہم ہر مسلمان پر درود شریف پڑھا کریں۔ جعل الشمس ضیاء یہ فرمان الذی بمعنی خلق ہے تو الشمس اس کا مفعول ہے اور ضیاء الشمس کا حال اور اگر جعل کے معنی ہیں بنایا تو الشمس اس کا پہلا مفعول ہے اور ضیاء دوسرا مفعول۔ شمس ہار کا وہ بڑا پھول جو بیچ ہار میں ہوتا ہے اسے شمسہ بھی کہتے ہیں۔ چونکہ سورج تمام تاروں سے بڑا ہے نیز یہ تمام تاروں کے بیچ والے فلک میں یعنی چوتھے فلک پر ہے تین آسمان اس کے اوپر ہیں تین نیچے ان وجوہ سے اسے شمس کہا جاتا ہے (روح المعانی) ضیاء یا تو ضو بمعنی روشنی کی جمع ہے جیسے حوض اور صوم کی جمع حیاض اور صیام ہے یا ضوء کا مصدر ہے جیسے قوم کا مصدر قیام یہ اصل میں ضیاء تھا۔ چونکہ واؤ سے پہلے ض کو کسرہ تھا اس لئے واؤ کو۔ ی۔ سے بدل دیا۔ خیال رہے کہ ضیاء اور نور دونوں کے معنی ہیں چمک یا روشنی تمام چاند تاروں سے تیز بھی ہے اور اصل بھی کہ اس میں روشنی کسی دوسرے تارے سے نہیں آتی اس لئے اسے ضیاء فرمایا گیا۔ (کبیر وغیرہ) یہاں ضیاء بمعنی ضو ضیاء ہے یعنی روشنی والا چونکہ زمین و آسمان میں سورج کا فیض تمام تاروں سے زیادہ ہے کہ آسمان کے ہر تارے میں نور سورج کا ہے اور زمین میں تمام نباتات حیوانات کی زندگی بقاء اسی سے ہے جو دانہ یا پھل پیدا ہوتا ہے وہ سورج کے فیض سے جو ان میں لذتیں ہیں وہ سورج کے فیض سے۔ ہاں ان کے رنگ و بو چاند وغیرہ سے۔ ان وجوہ سے سورج کا ذکر پہلے فرمایا (روح البیان)

والقمر نورا۔ اس فرمان عالی میں القمر معطوف ہے الشمس پر اور نورا معطوف ہے۔ ضیاءً پر قمر کے معنی سفید اس لئے سفید فجر کو بفعل قمر کہتے ہیں نور سے مراد ہلکی روشنی ہے جو آسمان پر تاروں کو زمین پر چراغوں کو نہ بجھائے یا ٹھنڈی روشنی جسے دیکھنے والے کی آنکھ برداشت کرلے نور وہ عرض یا وہ جوہر ہے جو خود ظاہر ہوتا ہو۔ دوسروں کو ظاہر کرے لہذا اللہ تعالےٰ نور نہیں ہے کیونکہ وہ نہ عرض ہے نہ جوہر۔ دیکھو نوری شرح مسلم کتاب الایمان ص ۹۹ قرآن مجید میں کہیں اللہ تعالیٰ کو نور فرمایا گیا ہے وہاں معنی منور ہے یعنی نور بخشنے والا جیسے اللہ نور السموت والارض۔ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کو روشن کرنے والا ہے رب نے قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کہا ہے۔ وہاں قلبی نور روحانی نور مراد ہے۔ چاند کو نور فرمایا یہاں حسی نور مراد ہے۔

لطیفہ: عربی میں شمس مونث ہے اور قمر مذکر۔ کسی نے خوب کہا۔

ولا التانیث عار لاسم شمس ولا التذکیر فخر للهلال

رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اے عیسیٰ تم حلم و بردباری میں زمین کی طرف رہو۔ سخاوت میں جاری پانی کی طرح رحمت میں چاند سورج کی طرح جو نیک و بد پر چمکتے ہیں۔ شعر

نظر کردن بدر دیشان منافی بزرگی نیست سلیمان باچنیں حشمت نظر ہابود باموش

وقدرہ منازل یہ عبارت معطوف ہے جعل الشمس (الخ) پر اور رب تعالیٰ کی تیسری قدرت کا بیان یہ یا تو قدر لہ تھا یا قدرہ منازل رب تعالیٰ نے چاند سورج کو آسمان کا مسافر قرار دیا اور مسافر راہ میں منزلیں طے کرتا ہوا جاتا ہے یوں ہی یہ دونوں منزلیں طے کرتے ہوئے سفر کرتے ہیں ہ ضمیر یا تو صرف چاند کی طرف ہے۔ چونکہ چاند اپنی ذات حرکت میں بہت تیز ہے کہ اٹھائیس یا انتیس دن میں پورا دورہ طے کرلیتا ہے۔ اور سورج وہ ہی دور ایک سال میں طے کرتا ہے۔ نیز چاند سے عربی مہینے اور مہینوں سے عربی سال تیز چاند سے بہت سے اسلامی کام وابستہ ہیں روزے، زکوۃ، حج، عورتوں کی عدت وغیرہ اس لئے صرف چاند کی منزلوں کا ذکر فرمایا ہ سے مراد سورج و چاند دونوں ہیں کبھی واحد ضمیر دو کی طرف لوٹ جاتی ہے جیسے اللہ ورسولہ احق ان یرضوہ۔ (تفسیر روح المعانی۔ خازن وغیرہ) خیال رہے کہ سورج کے لئے رب نے بارہ برج مقرر فرمائے جنہیں وہ ایک سال میں طے کرتا ہے۔ موسم ربیع کے لئے حمل، ثور، جوزا۔ گرمی کے لئے سرطان، اسد، سنبلہ۔ خریف کے لئے میزان، عقرب، قوس۔ سردی کے لئے جدی، دلو، حوت۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

برجہاد انم کہ از مشرق برآورد ندسر جملہ در تسبیح و در تہلیل حی لایموت

چوں حمل چوں ثور چوں جوزا و سرطان اسد سنبلہ میزان و عقرب قوس و جدی دلو حوت

چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں ہر منزل دو اور تہائی برج کی ۲۔۳/۱ (یعنی ایک برج میں ۲۔۳/۱ منزلیں) ان کے نام مع ان کے کاموں کے اس جگہ تفسیر (روح البیان وغیرہ میں دیکھو۔ نماز کے اوقات روزے سحری و افطار سورج سے ہیں۔ اور باقی وقتی عبادات چاند سے۔ لتعلموا عدد السنین والحساب۔ یہ فرمان عالی قدر کے متعلق ہے تعلموا میں خطاب

سارے انسانوں سے ہے اگر قدرہ میں ہ کا مرجع صرف چاند ہو تو سنین سے مراد عربی مہینہ ہیں جو چاند سے ہوتے ہیں۔اور حساب سے مراد وقتوں کا حساب کہ اہل عرب اپنے کاروبار کا حساب چاند سے کرتے تھے۔اور اگرہ کا مرجع چاند سورج دونوں ہوں تو سنین سے دونوں قسم کے سال مراد ہوں گے۔سورج کے اور چاند کے۔یوں ہی حساب سے ہر قسم کا حساب پنجگانہ نمازوں کا حساب سورج سے کرو۔اور نماز عید وبقرعید کا حساب چاند سے۔ہمارا اسلام چاند وسورج والا دین ہے خیال رہے کہ قمری سال شمسی سال سے دس دن گیارہ گھنٹے ایک منٹ چھوٹا ہوتا ہے۔چنانچہ شمسی سال تین سو پینسٹھ دن پانچ گھنٹے اڑتالیس منٹ کا ہوتا ہے اور قمری سال تین سو چون دن آٹھ گھنٹے اڑتالیس منٹ کا ہوتا ہے(روح المعانی) ما خلق ذلک الا بالحق۔ یہ فرمان عالی ان یا جملہ ہے جو گذشتہ مضمون کا نتیجہ بیان کر رہا ہے ذلک سے اشارہ سورج چاندان کی منزلیں مقرر فرمانا سب ہی اللہ کی طرف سے ہے حق سے مراد حکمت والا۔اس کا مقابل باطل بمعنی عبث رب فرماتا ہے ربنا ما خلقت ھذا باطلا۔یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ ساری چیزیں ہزارہا حکمتوں پر مشتمل پیدا فرمائیں ان میں سے کوئی چیز بے فائدہ عبث پیدا نہیں کی۔یفصل الایات لقوم یعلمون. ما خلق اللہ میں مذکورہ چیزوں کی پیدائش کی حکمتیں بیان ہوئیں۔اس فرمان عالی میں ان چیزوں کے ذکر کا فائدہ ارشاد ہوا یہاں ظاہر یہ ہے کہ آیات سے مراد قرآن مجید کی وہ آیات ہیں جن میں ان مصنوعات کا ذکر ہے غالب یہ ہے کہ یعلمون سے مراد وہ علم ہے جس کا تعلق ان مذکورہ چیزوں سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس قسم کی آیتیں تفصیل وار بیان فرماتا ہے ان لوگوں کے فائدہ کے لئے جنہیں چاند سورج منزلیں، برج ان کی رفتاروں کا علم ہو یا اس علم کا شوق ہو۔کیونکہ ان آیتوں سے پورا پورا فائدہ یہ ہی حضرات اٹھاتے ہیں۔اب تک تو آسمانی مخلوق کا ذکر ہوا اب ان چیزوں کے زمینی اثرات کا ذکر ہے کہ ارشاد ہوا ان فی اختلاف اللیل و النھار یہ نیا فرمان عالی ہے یہاں دن رات کے اختلاف سے مراد ان کا آنا جانا ان کا روشنی وتاریکی میں مختلف ہونا ان کا مقدار میں گھٹنا بڑھنا کہ کبھی رات بڑی کبھی دن کا کیفیات میں بدلتا رہنا کہ کبھی ٹھنڈے کبھی گرم اور رات کبھی نورانی کبھی اندھیری یا زمین کے بعض حصہ میں رات ہونا اور دوسرے حصہ میں اس وقت دن ہونا بہر حال یہ فرمان عالی بہت ہی وسیع ہے وما خلق اللہ فی السموات و الارض اس فرمان عالی میں آسمانی مخلوق سے مراد چاند سورج تارے بادل ہوا وغیرہ مراد ہیں اور زمینی مخلوق سے مراد پہاڑ دریا درخت نہریں جانور۔انسان مختلف کانیں وغیرہ ہیں۔چونکہ رات افضل ہے دن سے اور آسمان افضل ہیں زمین سے اس لئے لیل کا ذکر نہار یعنی دن پہلے ہوا اور آسمان کا ذکر زمین سے پہلے لایات لقوم یتقون ان سب میں بلکہ ان میں سے ہر ایک میں ایک دو نہیں ہزار ہا نشان قدرت ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق حکیم الاطلاق ہونے کا پتہ لگتا ہے مگر ہر ایک کو نہیں بلکہ ان کو جن کے دلوں میں خوف خدا ہو کہ انہیں کو موت وقیامت سے ڈر ہے وہ ہی ان آیات میں غور کر کے رب تعالیٰ اور اس کی حکمتوں قدرتوں پر ایمان لاتے ہیں یہ چیزیں ان کے لئے معرفت الٰہی کی کتابیں ہیں۔شعر۔

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار    ہر ورقے دفترے است معرفت کردگار

**خلاصہ تفسیر:** وہ اللہ تعالیٰ ایسی قدرت وحکمت والا رب ہے جس نے اپنے بندوں کی جسمانی پرورش کے لئے وہ سورج

بنایا جو بذات خود بہت تیز جگمگاتا ہے جس کی جلالی روشنی کے سامنے نہ کوئی تارا چمکے نہ چراغ جلے اور چاند بنایا جو سورج سے حاصل کردہ جمالی نور رکھتا ہے پھر ان دونوں کو نہ تو ایک جگہ ٹھہرا دیا۔ نہ انہیں یوں ہی بے حساب چلا دیا بلکہ انہیں ایسا باقاعدہ دائمی مسافر بنایا جن کے سفر کی مختلف منزلیں اور ان کی رفتار کی مختلف تاثیریں رکھیں آسمان کے بارہ برج سورج کی بارہ منزلیں مقرر فرمائیں۔ جنہیں وہ ایک سال میں طے کرتا ہے اور ان منزلوں سے مختلف موسم زمین میں پیدا ہوتے ہیں اور اٹھائیس منزلیں چاند کے لئے مقرر کیں جنہیں وہ کبھی اٹھائیس دن میں کبھی انتیس دن سے طے کرتا ہے تاکہ اے لوگو تم اس رفتار کے ذریعہ قمری یا شمس وقمر میں دونوں سال کا پتہ لگاؤ۔ اپنے کاروبار مختلف عبادات کا حساب اس سے کرو اللہ تعالیٰ نے یہ جو کچھ بنایا ان کا نظام جیسا چلا دیا وہ سب برحق ہے ہم اس قسم کی آیات اس قوم کے لئے تفصیل وار بیان کرتے ہیں جو نجوم۔ ریاضی سائنس کا علم رکھتے ہیں یا ان علوم کا انہیں شوق ہے پھر زمین میں غور کرو کہ یہاں رات و دن کا مقدار کیفیات۔ حالات میں ادلتے بدلتے رہنا کہ کبھی چھوٹے بڑے کبھی ٹھنڈے کبھی گرم کبھی اندھیرے کبھی اوجیالے ان کے علاوہ اور آسمانی و زمینی مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کی نشانیاں ہیں مگر ان سے فائدہ وہی اٹھائیں گے جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے رہے عوام کالانعام اگر وہ اس میں غور نہ کریں تو ان کا اپنا قصور ہے۔

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس کی معرفت کا ذریعہ ہے ان میں غور کرو رب کی شان جانو اور پہچانو۔ یہ فائدہ ھو الذی جعل سے حاصل ہوا۔ آسمانی و زمینی چیزوں پر غور کرنا بھی عبادت ہے بشرطیکہ اس غور کو اللہ کی معرفت کا ذریعہ بنایا جائے۔ مگر ان چیزوں کا ذریعہ معرفت الٰہی ایمان نہیں ایمان تو وہ معرفت ہے جو نبی کے ذریعہ حاصل ہو۔

**دوسرا فائدہ:** سورج و چاند دونوں ہی نور ہیں مگر ان میں چند طرح فرق ہے (۱) سورج کی روشنی خود اپنی ہے چاند کی روشنی سورج کے ذریعہ جیسے سورج کے سامنے ہونے سے آئینہ چمک جائے (۲) سورج کی روشنی میں گرمی و جلال ہے چاند کی روشنی میں ٹھنڈک ہے اور جمال ہے (۳) سورج رات دفع کر کے دن بناتا ہے چاند رات کو دفع نہیں کرتا بلکہ اسے روشن کر دیتا ہے (۴) سورج آسمان کے تاروں زمین کے چراغوں کو بجھا دیتا ہے چاند یہ نہیں کرتا (۵) سورج سے شمسی مہینے اور سال بنتے ہیں چاند سے قمری مہینے اور سال (۶) سورج سے نمازوں کے اوقات روزے کے سحر و افطار ہوتے ہیں۔ چاند سے روزے، زکوٰۃ، حج وغیرہ کا اہتمام۔ یہ فرق یہاں سورج کو ضیاء اور چاند کو نور فرمانے سے حاصل ہوئے۔ دیکھو تفسیر۔

**تیسرا فائدہ:** سورج کی بارہ منزلیں ہیں جنہیں وہ ایک سال میں اپنی رفتار سے طے کرتا ہے اس سے دنیا میں موسم وغیرہ بنتے ہیں چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں جن کو وہ قریباً ایک ماہ میں طے کر لیتا ہے یہ فائدہ وقدرہ منازل سے حاصل ہوا۔ اس کے لئے علم ہیئت پڑھنا چاہئے۔

**چوتھا فائدہ:** اسلام میں شمسی مہینوں و سال کا اعتبار نہیں بلکہ قمری مہینوں اور سال کا اعتبار ہے یہ ہی افضل ہے یہ فائدہ عدد السنین کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ سنین سے مراد قمری سال ہوں اس بنا پر کہ قدرہ میں ہ سے مراد صرف

چاند ہو جیسا کہ تفسیر سے معلوم ہوا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ قمری مہینوں سے اپنے حساب کیا کریں۔ چاند کے مہینے اللہ تعالیٰ کے اپنے مہینے ہیں ان کی جنتری آسمان پر ہے کہ چاند کا گھٹنا بڑھنا تاریخ کا پتہ دیتا ہے۔ شمسی مہینوں میں یہ بات نہیں۔

**پانچواں فائدہ:** دنیاوی کاموں کا حساب شمسی مہینوں سے لگانا بالکل جائز ہے یہ فائدہ **عدد السنین والحساب** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ سنین سے مراد شمسی قمری دونوں سال ہوں اس لئے کہ **قدرہ** میں ہ کا مرجع شمس وقمر دونوں ہوں۔

**چھٹا فائدہ:** رب تعالیٰ نے کوئی چیز بے فائدہ عبث نہیں بنائی ہر چیز میں حکمتیں ہیں یہ فائدہ **الا بالحق** سے حاصل ہوا۔

**حکایت:** ایک شخص کہا تھا کہ پاخانہ کے کیڑے بالکل بیکار ہیں اسے ایک زخم ہوا۔ جس کے علاج سے سارے طبیب عاجز آگئے ایک دن گلی میں کسی نے آواز لگائی کہ لا علاج بیمار مجھ سے علاج کرائیں اس نے اسے فوراً بلا کر اپنا زخم دکھایا اس حکیم نے پاخانہ کے کیڑے کا اس کے زخم میں لیپ کیا جس سے اسے شفا ہوئی تو وہ بولا کہ یہ بیماری مجھے سمجھانے آئی تھی کہ کمترین مخلوق بہترین دوا ہے (روح البیان)

**ساتواں فائدہ:** علم ریاضی۔ ہیئت اور سائنس بہترین علوم ہیں جب کہ ان سے رب تعالیٰ کی قدرت وصفت کا پتہ لگایا جائے۔ یہ فائدہ **لقوم یعلمون** سے حاصل ہوا۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ ان چیزوں پر غور و فکر کا حکم دیا گیا **ویتفکرون فی خلق السموات والارض** (الخ)

**مسئلہ:** علم نجوم برحق ہے جب کہ اس سے سحری و افطار طلوع پر غروب نماز پنجگانہ کے اوقات معلوم کئے جاویں۔ جس علم نجوم سے حدیث میں منع کیا گیا وہ علم نجوم ہے جس سے غیبی خبریں معلوم کرنے کی کوشش کی جاوے کہ فلاں تاریخ کو بارش ہوگی فلاں منحوس ہے فلاں خوش نصیب۔ فلاں کا ستارہ عروج پر ہے فلاں کا پستی میں۔

**آٹھواں فائدہ:** حق یہ ہے کہ رات دن سے افضل ہے اور آسمان زمین سے بہتر یہ فائدہ ترتیب ذکری سے حاصل ہوا کہ رب نے رات کا ذکر دن سے پہلے فرمایا اور آسمان کا ذکر زمین سے پہلے اور کیوں نہ ہو کہ رات وصال کا وقت ہے دن فراق کا۔ شب قدر رات ہی ہے۔ معراج جیسا معجزہ رات ہی میں ہوا نماز عشق یعنی تہجد رات ہی میں ہے۔ ہفتہ میں صرف جمعہ کو قبولیت دعا کی ایک ساعت آتی ہے وہ بھی یقین سے معلوم نہیں کہ کس وقت ہوتی مگر رات کو روزانہ آخری تہائی حصہ پورا کا پورا قبولیت دعا کا ہے۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ضیاء اعلیٰ ہے نور سے کہ سورج کی روشنی کو ضیاء اور چاند کی روشنی کو نور فرمایا گیا تو رب تعالیٰ نے قرآن مجید اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کا نور کیوں فرمایا۔ انہیں ضیاء کیوں نہ کہا۔

**جواب:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں اللہ کی ضیاء تھے مگر دنیا میں نور بن کر آئے اگر یہاں ضیاء بن کر آتے تو کوئی کافر نہ رہتا۔ نہ یہاں کفر و ظلمت رہتی سب ہی مومن ہو جاتے یہ حکمت الٰہی کے خلاف ہے یہاں کفر و ایمان دونوں رہیں گے ظلمت و نور دونوں ہوں گے تا کہ جنت دوزخ دونوں پر ہوں عالم ارواح میں حضور ﷺ ضیاء تھے وہاں کوئی روح کافر نہ تھی

[illegible] ح کافر نہ تھی [illegible] سورج فرمایا۔

**دوسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ سورج و چاند کی منزلیں اس لئے بنائیں کہ تم سالوں برسوں کی گنتی اور اپنا حساب جانو۔ برسوں اور حساب کا تعلق منزلوں سے کوئی نہیں اس کے لئے چاند و سورج کا طلوع غروب کافی تھا۔

**جواب:** چاند سورج کے طلوع و غروب سے دن رات اور تاریخ بن سکتی ہے سال اور مہینے منزلوں سے بنتے ہیں۔ چنانچہ سورج جب بارہ منزلیں طے کرے تو ایک سال شمسی بنتا ہے اور جب ایک برج طے کرے تو ایک شمسی مہینہ ہوتا ہے چاند جب اٹھائیس منزلیں طے کرے تو ایک ماہ قمری ہوتا ہے جب یہ اٹھائیس منزلیں بار بار طے کرے تو ایک سال قمری بنتا ہے لہٰذا یہ فرمان الٰہی بالکل درست ہے اس لئے یہاں سنین یعنی برسیں فرمایا۔ مہینے اور دن نہ فرمایا۔

**تیسرا اعتراض:** یہاں حساب سے کون سا حساب مراد ہے۔

**جواب:** دنیوی اور دینی کاموں کا حساب مراد ہے۔ اکثر دینی حساب چاند سے ہوتے ہیں جیسے روزے حج زکوٰۃ عورتوں کی عدت وغیرہ اور دنیاوی حساب اکثر سورج سے ہوتے ہیں۔ جیسے ادائے قرض اور کھیت و باغ کے دانے پھلوں کے موسم وغیرہ لہٰذا یہ ایک لفظ دونوں حسابوں کو شامل ہے۔

**چوتھا اعتراض:** ان آیتوں میں ایک جگہ **لقوم یعلمون** ارشاد ہوا دوسری جگہ **لقوم یتقون** فرمایا گیا اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔

**جواب:** چاند سورج ان کی رفتار ان کی منزلیں ان کی تاثیریں صرف علما ہی سمجھ سکتے ہیں۔ علماء میں بھی وہ جو ریاضی جانتے ہوں اس لئے اس ذکر کے ساتھ **لقوم یعلمون** ارشاد ہوا مگر دن رات کا چھوٹا بڑا ہونا۔ گرم سرد راتوں کا منور اور تاریک ہونا ایسی ظاہر چیزیں ہیں جن کا جاننا ہر ایک کو آسان ہے اس لئے ان کے ذکر کے ساتھ علم کا ذکر نہیں کیا گیا۔ تقویٰ کا ذکر کیا کہ اس سے صحیح نتیجہ وہ ہی نکالتے ہیں جن کے دلوں میں رب تعالیٰ کا خوف ہو۔ کافر اور غافل لوگ اس سے صحیح نتیجہ نہیں نکالتے آج امریکہ والے چاند پر کئی بار اتر گئے وہاں کی مٹی پتھر کھود لائے مگر رہے کافر ہی حتی کہ ان اترنے والوں کا بیان ہے کہ چاند میں تیس میل گہری خندق ہے جس میں ٹوٹی چٹانیں جڑی ہوئی ہیں ان سب باتوں کو دیکھ کر کافر ہے اگر ان کے دل میں خوف خدا ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتے کہ معجزہ شق القمر کا نشان آج بھی موجود ہے۔

**پانچواں اعتراض:** قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کو نور فرمایا۔ **اللہ نور السموت والارض** اس کا نام بھی نور ہے اسے ضیاء کیوں نہیں کہتے اور ضیاء نور سے قوی ہے لہٰذا اسے ضیاء کیوں نہیں کہتے۔

**جواب:** ہم اس کی تحقیق نویں پارہ سورہ اعراف میں **ارنی انظر الیک** کی تفسیر میں کر چکے کہ تمام آئمہ مسلمین کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نور نہیں خالق نور ہے کیونکہ نور وہ جسم ہے جو بذات خود ظاہر ہو دوسرے کو ظاہر کرے رب تعالیٰ جسم ہونے سے پاک ہے **اللہ نور السموت** میں نور بمعنی منور ہے یعنی نورانی بنانے والا۔ اسماء الٰہیہ میں جو نور ہے وہاں بھی بمعنی منور ہے یا بمعنی جمیل حسن و جمال والا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں **اللہ جمیل یحب الجمال** وہ حدیث اس کی شرح ہے۔

**تفسیر صوفیانہ:** انسانی روح جگمگاتا سورج ہے اور نفس امارہ تاریک زمین ان دونوں کے درمیان میں قلب یعنی دل ہے۔

جو روح کی تجلی پڑنے پر چمک جاتا ہے نفس کی تاریکی پڑنے پر سیاہ ہو جاتا ہے یہ قلب گویا چاند ہے اس لئے اسے قلب کہتے ہیں یعنی الٹنے پلٹنے والی چیز۔ بعض صوفیاء نے فرمایا کہ جیسے زمین پر دو نور پڑتے ہیں سورج کا اور چاند کا ایسے ہی ہم پر کبھی حقیقت کے سورج کا نور پڑتا ہے اور کبھی شریعت کے چاند کی چاندنی تو ہم دو نور والے ہیں ہم نور میں نور سے نور کی طرف جا رہے ہیں (روح البیان) ہر انسانی دل کی الگ منزل ہے ہر دل اپنی منزل میں سے کوئی اپنی منزل سے آگے نہ بڑھ سکے نہ پیچھے رہے۔ مومنین عاشقین محبوبین عارفین واصلین کی منزلیں جداگانہ ہیں یہ سب کچھ حق تعالیٰ نے برحق بنائے ان چیزوں میں علم والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں اس دل کی دنیا میں رات و دن آتے جاتے رہتے ہیں کہ کبھی وصال کی شب آتی ہے کبھی فراق کا دن یا کبھی راحت کی رات آتی ہے کبھی مشقت کا دن غرضکہ قلب ایک حال پر نہیں رہتا۔ نیز اللہ کے مقبول بندے جو آسمانوں کی طرح فیض رساں ہیں اور وہ بندے جو زمین کی طرح فیض لینے والے ہیں ان میں بھی رب کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ماسوائے اللہ سے بچنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيٰوةِ

تحقیق وہ لوگ جو نہیں امید کرتے ملنے کی ہم سے اور راضی ہو گئے وہ زندگی دنیا

بیشک وہ جو ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پسند

الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا

سے اور مطمئن ہو گئے وہ اس سے اور بیشک وہ جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں

کر بیٹھے اور اس پر مطمئن ہو گئے اور جو ہماری آیتوں سے غفلت

غٰفِلُونَ ۝۷ أُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝۸

یہ لوگ ہیں کہ ٹھکانہ ان کا آگ ہے اس وجہ سے جو وہ کماتے ہیں

کرتے ہیں ان لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے بدلہ ان کی کمائی کا

**تعلق**: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں قیامت کے دلائل قائم کئے گئے۔ یبدالخلق ثم یعیدہ اب ان لوگوں کا ذکر ہے جو ان دلائل میں غور نہیں کرتے اور قیامت سزا جزا کا انکار کئے جاتے ہیں گویا ہدایت کے ذکر کے بعد اس سے فائدہ نہ اٹھانے والوں کا تذکرہ ہے۔

**دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں آسمانی چیزوں چاند سورج ان کی منزلوں کا ذکر ہوا کہ ان کے ذریعہ ان کے خالق کی قدرت و حکمت معلوم کرو۔ اب ارشاد ہے کہ بعض بیوقوفوں نے ان میں پھنس کر خالق کا پتہ نہ لگایا۔ قیامت اور سزا و جزا کا انکار کر دیا بلکہ ان چیزوں کو ہی خالق و مالک مان لیا۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رات، دن آسمان و زمین کے ذریعہ رب کی ربوبیت ثابت فرمائی گئی کہ اس نے بندوں کی پرورش کے لئے یہ چیزیں پیدا فرمائیں۔ اب ارشاد ہے کہ دنیا تو اس کی پرورش عام ہے کافر و مومن سب کو پالتا ہے مگر دوسری دائمی زندگی میں ایسا نہ ہوگا۔ وہاں کفار کی پرورش نہ ہوگی انہیں سزا ملے گی۔ گویا پرورش کفار کے بعد کفار کی سرزنش کا تذکرہ ہے۔

**تفسیر:** ان الذین لایرجون لقاء نا ۔ چونکہ اس آیت کے مضمون کا بہت کفار نے انکار کیا تھا اور کرتے ہیں اس لئے ان سے ان سے شروع فرمایا ظاہر یہ ہے کہ الذین سے مراد کافر انسان ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اس میں کافر جن بھی داخل ہوں لایرجون بنا ہے رجاء سے۔ رجاء کے تین معنی ہیں امید رکھنا۔ الایمان الخوف و الرجاء (۲) ڈرنا۔ ایک شاعر کہتا ہے شعر۔

اذا لسعه النحل لم یرج للسعتا وحالفها فی بیت ثوب عوامل

اس شعر میں لم یرج میں رجاء بمعنی خوف ہے۔ اعتقاد (۳) رکھنا ماننا رب فرماتا ہے مالکم لا ترجون لله وقارا یہاں رجاء یا تو بمعنی خوف ہے یا بمعنی اعتقاد یا بمعنی امید یں۔ (تفسیر بیضاوی۔ خازن۔ معانی۔ وغیرہ)

اللہ سے ملنے سے مراد یا تو اس کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے حساب و کتاب کے لئے یا اس کے عذاب میں داخلہ بہرحال دیدار الٰہی کے لئے حاضری مراد نہیں ملاقات الٰہی کا اعتقاد نہ رکھنا یا اس لئے ہے کہ وہ رب تعالیٰ کا قائل ہی نہیں دھریہ ہے یا اس لئے کہ وہ چند معبود مانتا ہے مشرک ہے یا اس لئے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکاری ہے یہودی یا عیسائی ہے کہ اگرچہ وہ قیامت ماننے کا دعویٰ کرتا ہے مگر درحقیقت مانتا نہیں۔ اگر مانتا ہوتا تو ضرور حضورؐ پر ایمان لاتا بہرحال یہ فرمان عالی ہر قسم کے کافر کو شامل ہے۔ ورضوا بالحیوۃ الدنیا اس فرمان عالی میں اس کے دوسرے عیب کا ذکر ہے حیوۃ دنیا کے معنی اس کی تین قسمیں بارہا ذکر کی جاچکی ہیں دنیا میں زندگی و دنیاوی زندگی اور دنیا کے لئے زندگی دنیا میں زندگی مومنین صالحین کی ہے دنیاوی زندگی غافلین کی اور دنیا کے لئے زندگی کافرین کی۔ یہاں یہ تیسرے معنی مراد ہیں۔ اس زندگی سے راضی ہونے کے معنی ہیں۔ اخروی زندگی کے مقابلہ میں اسے پسند کر بیٹھے۔ یہ غفلت کی چیز ہے مومن اس زندگی کے لئے پسند کرتا ہے کہ یہ آخرت کی کھیتی ہے یہاں بوئیں گے وہاں کاٹیں گے وہ پسندیدگی اصلی ایمان ہے و اطمئنوا بها یہ کفار کا تیسرا عیب ہے اطمینان سے مراد ہی سکون و چین بھائی ب یا سببیہ ہے یا بمعنی فی۔ ها سے مراد یا تو دنیاوی زندگی ہے یا خود دنیا یعنی وہ دنیا یا دنیا کی زندگی کو ہی دار القرار یعنی ٹھہرنے کی جگہ سمجھ بیٹھے۔ حالانکہ یہ دار الفرار یعنی بھاگنے چھوڑ جانے کی جگہ ہے ان کے دل میں کبھی آخرت کا خوف اپنے گناہوں پر بے چینی نہیں ہوتی اس کے برعکس مومن دنیا میں اگرچہ بڑے آرام میں ہو مگر اسے یہاں چین نہیں ہوتا۔ اگر چین ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے الا بذکر الله تطمئن القلوب کفار کا یہ اطمینان دینی ہی مومن کا وہ اطمینان عین ایمان ہے رب تعالیٰ یہ ہی چین اور وہ اطمینان نصیب کرے۔ والذین هم عن ایاتنا غافلون ۔ یہ کفار کا چوتھا عیب ہے آیات الٰہیہ سے مراد یا تو گذشتہ آیات میں ذکر کی ہوئی رب کی نشانیاں ہیں یعنی آسمان و

زمین کی مخلوق۔ان میں ردوبدل ہوتا رہنا یا قرآنی آیات مراد ہیں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذات مقدسہ کہ حضور انور ﷺ سرتا پا اللہ کی نشانی ہیں۔شعر۔

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

یا حضور انور ﷺ کے معجزات جو رب کی قدرت ورحمت کی نشانیاں ہیں۔غفلت سے مراد بے خبری نہیں بلکہ انکاری کی غفلت ہے۔اولئک ماواھم النار یہ فرمان عالی گذشتہ جرموں کی سزا ہے اولئک سے اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جن میں گذشتہ چار عیوب ہوں ماوی بنا ہے اوی سے بمعنی پناہ ماوی بمعنی جاء پناہ آ دی الی رکن شدید ۔نار سے مراد دوزخ ہے خواہ اس کا گرم طبقہ ہو یا ٹھنڈا کیونکہ اس کے ٹھنڈے طبقے کی سردی بھی آگ کی وجہ سے ہے۔آگ سے قرب گرمی کا باعث ہے اور آگ سے دوری ٹھنڈک کا سبب ہے جیسے دنیا میں گرم وسرد موسم سورج کی وجہ سے ہوتے ہیں لہذا آیت پر کوئی اعتراض نہیں۔بما کانوا یکسبون اس فرمان عالی میں ان کفار کے دوزخی ہونے کی وجہ کا ذکر ہے یا تو موصولہ ہے یا مصدر یہ کسب سے مراد مطلقاً عمل ہے خواہ دل کا عمل ہو یعنی عقیدہ یا ظاہری اعضاء کے اعمال کیونکہ اس سے پہلے کفار کے دلی اعمال کا ذکر بھی ہوا۔دنیا سے راضی ہونا۔اس پر مطمئن ہونا آیات سے غافل ہونا لہذا کسب کے یہ معنی مناسب ہیں۔یعنی ان بدعقیدگیوں بدعملیوں کی وجہ سے ان کا ٹھکانہ آگ یعنی دوزخ ہے۔خیال رہے کہ گنہگار مومن اگر سزا پائے بھی کچھ روز کے لئے دوزخ ان کا ٹھکانہ نہ ہوگا۔بلکہ ایک عارضی منازل ہے۔

**خلاصہ تفسیر:** ان آیات میں رب تعالی نے کفار کے چار عیب بیان فرمائے اور ایک سزا۔چنانچہ ارشاد فرمایا کہ وہ انسان یا وہ جن وانس قیامت میں اٹھتے رب کی بارگاہ میں پیش ہونے اسے حساب دیئے کا یقین نہیں رکھتے اور دنیاوی زندگی یہاں کے عیش وآرام کو پسند کر بیٹھے کہ جو کھا پی لیا عیش آرام کر لئے وہ ہی ہمارا اپنا ہے اس کے سوا نہ کوئی زندگی ہے نہ عیش آرام۔اور (۳) دنیاوی زندگی پر اطمینان کر بیٹھے کہ عملی طور پر سمجھ گئے کہ دنیا سے ہم کو کبھی جانا ہی نہیں ہمارے لئے یہ ہی دار القرار یعنی ٹھہرنے کی جگہ ہے ان وجوہ سے وہ ہماری آیتوں نشانیوں سے بے پرواہ ہوگئے۔قرآنی آیات سنیں دھیان نہ کیا۔حضور انور ﷺ کے معجزات دیکھے توجہ نہ کی۔بلکہ حضور انور ﷺ کو دیکھا جو آیات الہیہ کے مجموعہ ہیں۔جن کی مراد آیت الہی ہے۔مگر شاعر وساحر ہی کہتے رہے آپ ﷺ کی شان سے بے خبر رہے ان کی ان چاروں حرکتوں کی سزا یہ ہے کہ ان کی سزا دوزخ ہے وہ ہی ان کا دائمی ٹھکانہ ہے کہ نہ وہاں سے نکلیں نہ مریں کہ چھوٹ جائیں یہ سزا ان کی کمائی کی وجہ سے ہے۔

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** نیکیوں کی اصل قیامت پر ایمان ہے اور بدعقیدگیوں بدعملیوں کی اصل قیامت پر بارگاہ الہی میں پیشی کا انکار ہے۔یہ فائدہ اس ترتیب ذکری سے حاصل ہوا کہ رب تعالی نے کفار کے عیوب کے سلسلہ میں اس عیب کا ذکر فرمایا لا یرجون لقاء نا بعد میں ان کے دوسرے عیوب کا۔ایک جگہ رب فرماتا ہے واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی۔جس طالب علم کو امتحان کا خوف نہ ہو وہ محنت نہیں کرتا۔

**دوسرا فائدہ:** جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے قیامت حساب و کتاب کا اقرار کرے وہ اقرار معتبر نہیں یہ فائدہ لایرجون لقاءنا سے حاصل ہوا کہ اس فرمان عالی میں عیسائی یہودی بھی داخل ہیں۔ حالانکہ قیامت وغیرہ کے ماننے کا اقرار کرتے ہیں۔ جس اقرار پر نجات ہے وہ حضور انور ﷺ کی معرفت اقرار ہے۔

**تیسرا فائدہ:** قیامت میں لقاء اللہ (اللہ سے ملنا) سارے انسانوں کو ہوگا مگر اس لقاء کی نوعیتیں مختلف ہوں گی کفار کی ملاقات قہر و غضب سے ہوگی۔ گنہگار مومن کی ملاقات مغفرت و کرم سے نیک کاروں کی ملاقات رحمت و فضل سے محبوبوں کی ملاقات محبت والفت سے مگر یہ لقاء کا ذکر ہے دیدار خدا صرف جنتی مسلمانوں کو ہوگا۔ کفار کو نہیں۔ کلا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون یہ فائدہ لقاءنا سے حاصل ہوا۔

**چوتھا فائدہ:** دنیا اور دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کرنا کفار کا طریقہ ہے یہ فائدہ ورضوا بالحیوۃ الدنیا سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس دنیا کو اس کی زندگی کو آخرت کے لئے پسند کرنا مومنوں کی صفت ہے وہ چاہتا ہے کہ یہاں جس قدر اعمال کرنے کا موقعہ مل جاوے غنیمت ہے لہٰذا یہ آیت اس حدیث کے خلاف نہیں کہ دراز عمر اور نیک اعمال کی توفیق اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

**پانچواں فائدہ:** دنیا سے مطمئن ہو جانا طریقہ کفار ہے کہ ہم کو جو دنیا مل گئی وہ ہماری ہوگئی اب نہ یہ ہمارے پاس سے جائے نہ ہم اس کے پاس سے جائیں مگر دنیا میں مطمئن ہونا اللہ رسول کے ذکر عبادات کی لذت وغیرہ سے دل میں اطمینان و چین ہونا مومن کی صفت ہے لہٰذا یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں کہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ذکر الٰہی سے اطمینان بھی دنیا ہی میں ہوتا ہے مگر وہ اطمینان اور ہی طرح کا ہے یہ فائدہ واطمأنوا بہا کی رب سے حاصل ہوا کہ واطمأنوا بہا نہ فرمایا۔

**چھٹا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ سے بے پرواہ اور غافل رہنا طریقہ کفار ہے۔ مومن کی شان ہے کہ حضور ﷺ کے صفات عالیہ سے خبردار رہنے کی کوشش کرتا ہے یہ ہی مومن کی صفت ہے یہ فائدہ عن آیاتنا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ آیاتنا سے مراد حضور انور ﷺ کی ذات بابرکات ہو۔ محفل میلاد اور نعت خوان علماء کے واعظ کی مجالس میں جانا اسی لئے ہوتا ہے کہ ہمارے دل حضور انور ﷺ کے فضائل سے غافل نہ ہو جائیں اس لئے رب تعالیٰ نے جگہ جگہ حضور انور ﷺ کے فضائل قرآن مجید میں حضور ﷺ کا ذکر اذان میں آپ ﷺ پر سلام نماز میں داخل فرمایا ہے یہ سب غافلوں کو جگانے کے لئے ہے۔

**ساتواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھانا اس کی قدرت کے مناظر دیکھنا صرف سیر و تماشہ کے لئے اور ان میں غور نہ کرنا انہیں معرفت الٰہی کا ذریعہ نہ بنانا طریقہ کفار ہے یہ فائدہ عن آیاتنا غافلون کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب آیاتنا سے مراد عالم کی چیزیں ہوں بھلا خیال تو کرو کہ کھانا پانی ایک راستہ یعنی منہ سے پیٹ میں جاتا ہے۔ مگر اس کے نکلنے کے راستہ مختلف فضلہ پاخانہ کی راہ سے پانی پیشاب کی راہ سے کچھ پسینہ بن کر رونگٹوں کی جڑوں سے کچھ تھوک و رینٹ بن کر ناک و

منہ کی راہ سے نکلتا ہے۔ جو باقی رہتا ہے وہ کچھ جگہ میں کچھ دوسرے مقامات میں پہنچتا ہے اس میں غور کرو اور اس کی قدرت پر فدا ہو جائیں سر سجدہ میں رکھ کر اس کی حمد کے گیت گاؤ اب پڑھو عن آیاتنا غافلون۔ اور پڑھو وفی انفسکم افلاتبصرون۔

**آٹھواں فائدہ:** دوزخ کسی مسلمان کا ٹھکانہ نہیں پاک وصاف ہونے کے لئے ایک عارضی منزل ہے ٹھکانہ صرف کافروں کا ہے بجلی کوئلہ کا ٹھکانہ ہے سونے کی منزل ہے۔

**نواں فائدہ:** کسی کو دوزخ بغیر بدعمل یا بداعتقادی کے نہ ملے گی یہ فائدہ بما کانوا یکسبون سے حاصل ہوا دیکھو جو ابھی تفسیر کی گئی لہٰذا کفار کے نا سمجھ بچے جو اس حالت میں مر گئے دوزخی نہیں۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جن کفار میں یہ چار عیب ہوں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ قیامت اور حساب کتاب پر یقین نہ ہونا دنیاوی زندگی پسند کرنا۔ دنیا پر مطمئن ہونا آیات الٰہیہ سے غافل ہونا۔ اگر کسی کافر میں ان میں سے دو ایک عیب ہوں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے یا نہیں۔

**جواب:** یہ چاروں عیب ایک دوسرے سے وابستہ ہیں انکار قیامت اصل ہے اور باقی تین عیوب اس کی شاخیں اس لئے انہیں جمع فرمایا گیا۔ ورنہ ان میں سے ہر عیب مستقل کفر ہے اور دوزخ میں جانے کا ذریعہ۔

**دوسرا اعتراض:** یہودی عیسائی وغیرہم اہل کتاب قیامت کے حساب و کتاب پر ایمان رکھتے ہیں کیا وہ جنتی ہیں۔ وہ دنیاوی زندگی پسند بھی نہیں کرتے دنیا سے مطمئن بھی نہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے۔

**جواب:** وہ لوگ قیامت وغیرہ کو مانتے ہیں اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ ایمان رکھنے کے معنی ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ ضروری ہے اس کی تحقیق بارہا ہو چکی ان کے متعلق چھٹے پارے کے اول یہ ارشاد ہے اولئک ھم الکافرون حقا

**تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیاوی زندگی کو پسند کرنا کفر ہے۔ دوزخی ہونے کا ذریعہ مگر قریباً سارے مسلمان دنیا جمع کرتے ہیں اسے پسند کرتے ہیں کسی کو مرنے کی بددعا دو تو لڑنے کو سیدھے ہو جاتے ہیں کیا وہ سب کافر ہیں۔

**جواب:** دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کرنا کفار کی علامت ہے۔ دنیا کو آخرت کے لئے پسند کرنا مومن کی پہچان ہے۔ یہاں پہلی پسندیدگی مراد ہے۔

**چوتھا اعتراض:** دنیا پر مطمئن ہونے کا کیا مطلب بہت سے مسلمانوں کو دنیا میں بڑا اطمینان قلبی میسر ہے۔ دلی اطمینان اللہ کی رحمت ہے دل کی پریشانی اس کا عذاب پھر واطمئنوا بہا کا کیا مطلب۔

**جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اس سے مراد دنیا کو دارالقرار سمجھ بیٹھنا اس سے ایسا دل لگانا کہ یہاں سے جانا ہی نہیں الحمدللہ کسی مسلمان کو یہ حال نہیں۔ دنیا میں مشغولیت اور چیز ہے اس پر مطمئن ہو جانا دوسری چیز۔

**پانچواں اعتراض:** کیا مذکورہ کفار آگ ہی میں جائیں گے دوزخ کے ٹھنڈے طبقہ زمہریر میں نہ جائیں گے ماواھم

النار کیوں فرمایا ماواھم جہنم کیوں نہ فرمایا۔

**جواب:** کفار حضرات نار کا ہی عذاب پائیں گے خواہ گرم عذاب ہو یا ٹھنڈا۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا۔ دیکھ لو دنیا میں گرمی بھی سورج سے ہوتی ہے ٹھنڈک بھی یہ بہر حال آیت واضح ہے۔

**تفسیر صوفیانہ:** لقاء الٰہی کی رحمت بھی ہے اس کا غضب بھی مومن کی ملاقات رحمت ہے کافر کی ملاقات غضب کی ہے پیشی سب کی ہوتی ہے ہر شخص ہر وقت اس لقاء سے قریب تر ہو رہا ہے۔ شعر۔

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی گردوں نے تری ایک گھڑی اور گھٹا دی

مومن لقاء الٰہی کا یقین رکھتا ہے مگر نوعیت لقاء میں تردد کرتا ہے۔ یعنی رحمت لقاء کا امیدوار رہتا ہے لقاء غضب سے خائف کافر لقاء مانتا ہی نہیں اور اگر مانتا ہے تو رحمت کا یقین کرتے ہوئے وہ کہتا ہے **لئن رجعت الی ربی ان لی عندہ الحسنی**۔ یہ ان کی غفلت کی اصل وجہ ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ آخرت کے مقابل دنیا کو پسند کرتا ہے اور یہاں مطمئن رہتا ہے مومن کامل کو دنیا کی زندگی میں آخرت کا انتظار ہوتا ہے اسے ہر وقت خوف و امید رہتے ہیں جس کی وجہ سے اسے وہ اطمینان نہیں ہوتا جو رب سے غافل کر دے وہ بے چین رہتا ہے وہ یہ کہتا ہے۔ شعر۔

میں پاپی، شرمندہ، جھوٹا بھریا نال گناہاں ایک آس تمہارے دروی نہ کوئی اور پناہاں

میں اندھا اور تلکن رستہ کیونکر رہے سنبھالا دھکے دیون والے بہتے تو ہاتھ پکڑنے والا

یہاں ہر قدم پر ٹھوکر پھسلن ہے رب تعالیٰ خیریت سے پار لگائے یہ بے چینی رب کو بڑی پیاری ہے فرماتا ہے **امن یجیب المضطر اذا دعا** جو یہاں مطمئن اور چین سے ہے وہ وہاں بے چینی میں ہوگا اور جو یہاں بے چینی میں ہے انشاء اللہ وہاں چین سے ہوگا۔

| |
|---|
| **اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ** |
| تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کیے انہوں نے نیک ہدایت دے گا ان کو رب بوجہ |
| بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کا رب ان کے ایمان |
| **بِاِیْمَانِهِمْ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ** |
| ایمان کے ان کے جاری ہیں نیچے ان کے نہریں باغوں میں نعمت ان کے |
| کے سبب انہیں راہ دے گا ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی |
| **النَّعِیْمِ ۹ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا** |
| دعا ان کی جنت میں یہ ہے کہ پاکی ہے تجھے اے اللہ اور ملاقات ان کی ان |
| نعمت کے باغوں میں ان کی دعا اس میں یہ ہوگی کہ اللہ تجھے پاکی ہے اور ان کے |

سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ع

باتوں میں سلام ہے اور آخری دعا ان کی یہ کہ ساری تعریفیں اللہ کی ہیں پالنے والا تمام جہانوں کا

ملتے وقت خوشی کا پہلا بول اسلام ہے اور ان کی دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ سب خوبیوں کا سراپا اللہ جو رب ہے سارے جہان کا

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے عقائد و اعمال کا اجمالی ذکر ہوا۔ تاکہ لوگ ان سے بچیں اب ان کے مقابل مومنوں کے عقائد و اعمال کا ذکر ہے۔ تاکہ لوگ انہیں اختیار کریں۔ گویا پرہیز والی مضر چیزوں کا ذکر پہلے ہوا۔ استعمال والی اعلیٰ روحانی غذاؤں کا اجمالی ذکر اب ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں بدکار کفار پر قہر قہار کا ذکر ہوا اب مومنین الابرار نیک کار پر رحمت غفار کا تذکرہ ہے گویا جلال کے بعد جمال کا تذکرہ ہے اب ایمان کے دنیاوی فوائد کا ذکر ہے کہ وہ دنیا میں رہنمائی کرتا ہے گویا منحوس کی نحوست کے بعد مبارک برکتوں کا ذکر ہے۔

ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات ۔ ان کی تحقیق بارہا کی جا چکی ہے کہ ان جیسے مضامین پر ان ،قد ،لقد وغیرہ آتا ہے ظاہر یہ ہے کہ الصلحین سے مراد صرف انسان ہیں فرشتے اور جنات اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ جنت اور وہاں کی نعمتیں صرف مومن انسانوں کے لئے ہیں۔ مومن جنات کے متعلق۔ سورۂ احقاف میں فیصلہ کر دیا گیا۔ ویجر کم من عذاب الیم کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ ایمان اور توحید کا فرق پہلے بارہا ہو چکا ہے کہ نبی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات جنت دوزخ وغیرہ کو ماننا ایمان ہے۔ آمنوا میں سارے اعتقادیات کا اجمالی ذکر ہے اور عملوا الصالحات میں سارے بدنی مالی نیکیوں کا اجمالی تذکرہ ہے یہ عبارت ان کا اسم ہے یعنی جو لوگ ایمان لائے اور بقدر طاقت انہوں نے ہر قسم کی بدنی مالی نیک اعمال کئے۔ یہاں چند باتیں خیال رہیں۔ ایمان وہ معتبر ہے جو انسان کے ساتھ جائے یعنی اس پر خاتمہ نصیب ہو جاوے۔ ایمان دو طرح کا ہے بلاواسطہ اور بالواسطہ چنانچہ مومنوں کے چھوٹے بچے جو لڑکپن میں فوت ہو جاویں وہ اپنے ماں باپ کے واسطے سے مومن ہیں یہ نیکیوں کا حال ہے کہ نیک کاروں کے بچے بالواسطہ نیک کار ہیں یونہی اگر کوئی متقی اپنی نیکی کا ثواب کسی کو بخش دے، تو وہ بالواسطہ نیک کار ہے ہم جیسے گنہگار کو اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی نیکیوں کے صدقہ بخش دے یہ سب صورتیں بالواسطہ نیک کاری کی ہیں صرف ایک دو نیکیوں پر کفایت نہ ہو جس قدر ہو سکے نیکیاں کرے صرف ایک بار نیکی پر قناعت نہ کرے بلکہ کرتا رہے یہ سب باتیں آمنوا اور عملوا الصالحات میں معتبر ہیں۔ یھدیھم ربھم بایمانھم ۔ یہ فرمان عالی ان کی خبر ہے اس کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں۔ مرد مومن جب پل صراط سے گزر جاوے گا تو رب تعالیٰ اسے ایک روشنی بخشے گا جو اسے جنت تک پہنچاوے گی۔ رب فرماتا ہے جعل لھم نورا یمشون بھم اور فرماتا ہے۔ ومن لم یجعل اللہ نورا فما لہ من نور ۔ (۲) جب مومن اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس کے نیک اعمال اچھی شکل میں اس کے سامنے حاضر

ہوں گے اور کہیں گے ہم تیری نیکیاں ہیں تیری رہبری کرنے آئی ہیں۔ یہ نیک کام محشر۔ پلصراط اور جنت بلکہ جنت میں اس کے مکان تک اس کے ساتھ رہیں گے۔ اس کی رہبری کریں گے۔ اس کے برعکس کافر کے برے اعمال بری شکل میں اس کے آگے آگے ہوکر دوزخ میں اس کے ٹھکانے تک اسے پہنچائیں گے ان دو تفسیروں میں ہدایت سے مراد اخروی ہدایت ہے متقی مومن کو رب تعالیٰ دنیا میں چیزوں کی حقیقت جاننے کی ہدایت دیتا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہ اپنے جانے پر عمل کرے گا تو اللہ اسے بے جان چیزوں کا علم دے گا۔ (تفسیر بیضاوی، خازن، بیان وغیرہ) یعنی جو علم شریعت حاصل کر کے اس پر عامل ہوگا تو رب تعالیٰ اسے لہ فی طور پر علم مکاشفہ علم طریقت وحقیقت ومعرفت عطا کرے گا۔ (روح البیان) (۵) ہدایت سے مراد ہدایت پر قائم رہنا۔ اس میں زیادتی عطا ہونا۔ رب فرماتا ہے والذین اھتدوا زادھم ھدی ان تینوں صورتوں میں ہدایت سے مراد دنیا میں خاص ہدایت ہے۔ (تفسیر کبیر) خیال رہے کہ یہاں ہدایت سے مراد کامل کامل ہدایات اور ایمانھم سے مراد وہی ایمان ہے جو نیک اعمال کے ساتھ ہوا ہے۔ گنہگار یا بے عمل مومن۔ انہیں بھی رب تعالیٰ ایک قسم کی ہدایت دنیا وآخرت میں عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم اولائک لھم الامن وھم مھتدون۔ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو بدعقیدگی سے مخلوط نہ کیا ان کے لئے امن بھی ہے اور انہیں ہدایت بھی (روح المعانی) اگر یہاں بھی ایمان سے مراد صرف ایمان لیا جاوے تو وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے یا یوں کہو کہ متقی مومن کو اول سے ہی ہدایت جنت ملے گی اور گنہگار مومن کو آکر کار جنت کی ہدایت ملے گی۔ یہاں اول ہدایت مراد ہے غرضیکہ ان تفسیروں سے اس آیت کا مطلب واضح ہوگیا۔ تجری من تحتھم الانھار یہ فرمان عالی یا تو یھدیھم میں ھم ضمیر کا حال ہے۔ یا نیا جملہ۔ انہار سے مراد ہے پانی شہد دودھ اور شراب طہور کی نہریں یعنی ان کے محلوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یا ان کے سامنے نہریں رواں ہوں گی۔ رب فرماتا ہے جعل ربکم تحتک سریا۔ حضرت مریم اس پانی کے چشمہ کے اوپر بلکہ ان کے قبضہ میں یہ چشمہ تھا۔ غرضکہ من تحتھم کے ظاہر معنی مراد نہیں۔ فی جنات نعیم یہ فرمان عالی یا تو تجری کے متعلق ہے یا علیحدہ جملہ ہے۔ پوشیدہ ھم کی خبر یھدیھم کی ضمیر کا دوسرا حال یعنی یخلدون پوشیدہ کے متعلق ہے یہ آخری احتمال زیادہ قوی ہے۔ یعنی وہ لوگ نعمتوں کے باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ دعواھم فیھا سبحانک اللھم۔ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں اہل جنت کی ایک اور نعمت کا ذکر ہے دعویٰ کے معنی ہیں دعا مانگنا یا اپنے خدام کو بلانا ان سے کوئی چیز منگانا یا مطلقاً کلام کرنا آپس میں (تفسیر کبیر خازن۔ روح المعانی وغیرہ) یعنی جب رب سے کچھ عرض معروض کریں گے تو پہلے سبحانک اللھم کہیں گے یا جب اپنے کسی خادم کو پکاریں گے۔ تو سبحانک اللھم کہیں گے جیسے آج اہل عرب کسی کو پکارتے بلاتے ہیں تو کہتے ہیں یا اللہ یا جب اپنے خدام سے کچھ کھانے پینے کی چیز مانگیں گے تو کہیں گے سبحانک اللھم خادم وہ چیز لے کر حاضر ہوں گے جو ان کے دل کی خواہش ہے یا آپس میں جب ایک دوسرے سے کلام کریں گے تو ابتداء کریں گے سبحانک اللھم سے بعض نے فرمایا کہ دعویٰ بمعنی عبادت ہے یعنی جنت میں کوئی عبادت نہ ہوگی سواء حمد وتسبیح کے۔ جو وہ لذت کے طور پر کیا کریں گے۔

نوٹ: ایک جنتی کے سامنے ایک میل لمبا ایک چوڑا دسترخوان بچھایا جاوے گا جس پر ایک لاکھ ستر ہزار پیالے انھیں مختلف لذتوں کے کھانے ہوں گے حکم ہوگا۔ خوب کھاؤ نہ تم کو بدہضمی ہوگی نہ بیماری، پاخانہ پیشاب نہ ہوگا۔ کھانا ڈکار سے پانی خوشبو دار پسینہ سے ہضم ہوگا۔ (تفسیر کبیر، خازن، تفسیر صاوی) بلکہ یہاں صاوی نے فرمایا کہ جنتی لوگوں کے جسم میں دُبر یعنی پاخانہ کا مقام نہ ہوگا۔ کیونکہ وہاں اس کی ضرورت نہ ہوگی (صاوی) ہم نے بعض بزرگوں سے سنا کہ جنت میں صحبت ہوگی مگر منی کا اخراج نہ ہوگا۔ ہوا خارج ہوگی۔ جس میں لذت منی سے زیادہ ہوگی (واللہ اعلم) منی بھی پیشاب کی طرح گندگی ہے اور جنت میں گندگی نہیں۔ **وتحیتھم فیھا سلام** اس فرمان عالی میں اہل جنت کی ایک اور نعمت کا ذکر ہے۔ اول ملاقات کے وقت جو کلام کیا جاوے اسے عربی میں تحیت کہتے ہیں یعنی **حیاک اللہ** کہنا اس فرمان عالی کی چند تفسیریں ہیں۔ (۱) جنتی لوگ جب آپس میں ملیں گے تو ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ کوئی کسی سے بری بات دشمنی طعنہ غصہ کا کلام نہ کرے گا۔ کیونکہ **ونزعنا مافی صدورھم من غل** یا جب فرشتے ان سے ملاقات کریں گے تو سلام کریں گے۔ فرماتا ہے **وقال لھم خزنتھا سلام علیکم طبتم** ۔ یا رب تعالیٰ ان سے فرمائے گا **سلام علیکم** تم سلامت رہو گے فرماتا ہے۔ **سلام قولا من رب رحیم** مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں نعمتیں یہ تینوں سلام مروج ہوں گے رب نصیب کرے۔ **واخر دعواھم ان الحمدللہ رب العلمین** یہ بھی جنت والوں کی ایک اور نعمت کا ذکر ہے یہاں بھی دعویٰ کے وہ ہی معانی ہیں جو **داعواھم فیھا** میں تھے۔ یعنی رب تعالیٰ سے کلام کی ابتدا کریں گے۔ **سبحانک اللھم** سے اور انتہا الحمدللہ سے یا آپس میں کلام کی ابتدا **سبحانک اللھم** سے کیا کریں گے اختتام الحمدللہ سے یا خدام کو بلائیں گے **سبحانک اللھم** سے انہیں واپس بھیجیں گے **الحمدللہ** سے یا خدام سے کھانا منگائیں گے **سبحانک اللھم** سے اور کھانے کے بعد فراغت پر کہیں گے **الحمدللہ** جس سے خادم دسترخوان اٹھائیں گے یا ان کی عبادت **سبحانک اللھم** سے شروع ہوگی **الحمدللہ** پر ختم ہوگی اس پر بڑی لذت پائیں گے۔ شعر۔

ذوق نامش عاشق مشتاق را ۔۔۔ از بہشت جاودانی خوشتر است
گرچہ در فردوس نعمتہا بے است ۔۔۔ وصل او از ہرچہ دانی خوشتر است

**خلاصہ تفسیر:** اے مسلمانو! تم کفر اور گناہوں کا وبال تو سن چکے ایمان و تقویٰ کے فائدے بھی جو خوش نصیب لوگ مومن ہوئے مومن رہے اور بقدر طاقت ہر قسم کی نیکیاں کرتے رہے انہیں ان کے اس ایمان کی برکت سے رب تعالیٰ دنیا میں خدا بنی حقیقت رسی کی قبر میں سوالات کے جواب کی قیامت میں جنت تک پہنچنے اور جنت میں اپنے گھر پہنچنے کی ہدایت دے گا۔ ان لوگوں کو محلات کے نیچے دودھ، شہد، شراب، طہور، پانی کی نہریں رواں ہوں گی۔ وہ جنت نعیم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جنت میں ان کا حال یہ ہوگا کہ جب وہ رب تعالیٰ سے کچھ عرض و معروض کرنا چاہیں گے اور جب آپس میں ملاقات کے وقت بات چیت شروع کریں گے اور جب اپنے خدام کو بلائیں گے ان سے کوئی چیز منگائیں گے تو بلند آواز سے کہیں گے سبحان اللہ اور جب رب تعالیٰ سے عرض و معروض کر چکیں گے یا جب آپس کی بات چیت ختم کریں گے اور جب نعمتیں کھا چکیں گے

تو آخر میں کہیں گے الحمد للہ رب العالمین غرضکہ ان کے ہر کام کی ابتداء بھی اللہ کے ذکر سے ہوگی اور انتہا بھی اس کے ذکر پر جس کی ابتداء انتہا اللہ کے ذکر سے ہو تو سارے کام ہی مبارک ہوں گے۔

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** اللہ کی رحمت سے حاصل کرنے کے لئے ایمان اور نیک اعمال دونوں ضروری ہیں یہ فائدہ آمنوا و عملوا الصالحات سے حاصل ہوا۔

**دوسرا فائدہ:** اللہ کی بڑی نعمت ہدایت ہے یہ فائدہ یھدیھم (الخ) سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ایمان وہدایت کا پہلا فائدہ بیان فرمایا۔ یھدیھم ربھم مال و دولت صحت وغیرہ کفار کو بھی مل جاتی ہے مگر ہدایت صرف اسے ملتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہو۔ اس لئے ہم ہر نماز کی رکعت میں پڑھتے ہیں اھدنا الصراط المستقیم۔

**تیسرا فائدہ:** ہدایت ربانی بہت قسم کی ہے کسی ہدایت سے ایمان ملتا ہے کسی سے تقویٰ و پرہیزگاری اور کسی ہدایت سے ایمان پر خاتمہ۔ قبر میں کامیابی اور کسی ہدایت سے جنت تک رسائی یعنی قیامت سے فارغ ہو کر بغیر کسی سے پوچھے جنت تک اور جنت میں پہنچ کر اپنے گھر تک پہنچا یہ فائدہ یھدیھم ربھم بایمانھم کی ب سے حاصل ہوا۔ اس میں سب سببیہ ہے۔

**چوتھا فائدہ:** جنت میں دودھ، شہد وغیرہ کی نہریں ہوں گی۔ بحر یعنی دریا نہ ہوگا نہر اور بحر کے بہت سے فرق اور وہاں بحر نہ ہونے کی وجہ ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے۔

**پانچواں فائدہ:** جنت کی نہریں جنت والوں کی خواہش کے مطابق ہوں گی۔ وہ جس وقت جس قدر جتنا چاہیں گے اسی وقت بہیں گی۔ یہ فائدہ من تحتھم۔ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ تحتھم کے معنی ہوں ان کے ماتحت۔

**چھٹا فائدہ:** جنت میں تمام قسم کی نعمتیں بہت کثرت سے ہوں گی۔ یہ فائدہ جنت نعیم سے حاصل ہوا کہ ان جنتوں میں ہمیشہ بے شمار نعمتیں ہوں گی۔ اس لئے ہر جنت کو جنت نعیم کہہ سکتے ہیں۔

**ساتواں فائدہ:** اپنے ہر کلام کو ابتداء اللہ تعالیٰ کے نام سے کرنا جنتیوں کا کام ہے اس لئے نمازی اپنی نماز سبحانک اللھم سے شروع کرتا ہے۔ گویا وہ جنت میں ہوتا ہے یہ فائدہ دعواھم فیھا سبحانک اللھم سے حاصل ہوا۔ ملاقات کی ابتداء السلام علیکم سے کرنا اہل جنت کا طریقہ ہے حتی کہ اگر بڑا آدمی چھوٹوں سے ملے تو انہیں السلام علیکم کہے۔ یہ فائدہ تحیتھم فیھا سلام سے حاصل ہوا کہ جنتی آپس میں ایک دوسرے سے ملتے وقت یوں ہی فرشتے اہل جنت سے ملتے وقت بلکہ خود رب تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا السلام علیکم۔ آداب عرض یا گڈ مارننگ یوں ہی وداع کے وقت صرف خدا حافظ کہنا مسلمانوں کا طریقہ نہیں مسلمان ملیں تو سلام کے ساتھ رخصت ہوں تو سلام پر۔

**آٹھواں فائدہ:** ہر کام کی انتہا اللہ تعالیٰ کی حمد پر کرنا طریقہ جنتیوں کا ہے یہ فائدہ واخر دعواھم (الخ) سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھا کر پانی پی کر۔ نئے کپڑے پہن کر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے تھے جس کام کے اول و آخر میں اللہ کا ذکر ہو۔ امید ہے کہ سارا کام مبارک ہوگا۔

**پہلا اعتراض:** جنت صرف نیک کار مومنوں کو ملے گی گنہگار مومن ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ دیکھو یہاں جنت میں جانے کی صفتیں بیان ہوئیں۔ ایمان اور نیک اعمال الذین آمنوا وعملوا الصالحات (معتزلہ) اسلام میں ایک فرقہ معتزلہ گزرا ہے وہ فاسق مسلمان کو دائمی دوزخی مانتے تھے یہ اعتراض اسی فرقہ کا ہے۔

**جواب:** یہ محض غلط ہے۔ مومن کتنا ہی گنہگار ہو مگر آخر کار جنت میں جائے گا رب فرماتا ہے ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء اللہ کفر نہ بخشے گا اس کے سواء جس کو چاہے گا بخش دے گا۔ اور فرماتا ہے لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ اگر گناہ کفر کی طرح ناقابل معافی جرم ہے تو معافی کی آیتیں کیسے درست ہوں گی۔ بلکہ خود اس آیت میں بھی اشارۃً یہ بات ظاہر کر دی گئی ہے کہ فرمایا یھدیھم بایمانھم اللہ انہیں ان کے ایمان کی وجہ سے جنت وغیرہ کی ہدایت دے گا۔ دیکھو یہاں اعمال کا ذکر نہیں۔ خیال رہے کہ ایمان مطلقاً بخشش کا ذریعہ ہے اور نیک اعمال اول سے بخشش اور جنت ملنے کا ذریعہ ہے اس صورت میں ساری آیات اور احادیث درست ہوں گی ان میں تعارض نہ ہوگا۔

**دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں نہریں بہنے کا ذکر پہلے ہے اور جنات نعیم میں داخلے کا ذکر بعد میں مگر واقعہ میں ترتیب یہ ہے کہ جنت میں داخلہ پہلے ہوگا۔ وہاں بہتی نہریں ملنا بعد میں یہاں ترتیب بدلی ہوئی کیوں ہے؟

**جواب:** یہاں ان دو نعمتوں کا ذکر مستقلاً ہے چونکہ نہریں وغیرہ مستقل نعمتیں ہیں اور جنت کا داخلہ مستقل نعمت بلکہ جنت کی خواہش انہیں نہروں وغیرہ کی وجہ سے ہے اس لئے یہاں اس ترتیب سے ان کا بیان ہوا۔

**تیسرا اعتراض:** اس ایت کریمہ میں پہلے ایمان و اعمال دونوں کا ذکر ہوا پھر صرف ایمان کا کہ پہلے فرمایا گیا ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات آخر میں ارشاد ہوا یھدیھم ربھم بایمان اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے؟

**جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یا تو بایمانھم میں ایمان سے مراد وہی مذکورہ ایمان جو نیک اعمال کے ساتھ ہو۔ تب ہدایت سے مراد اول ہی سے ہدایت ہے یا ایمان سے مراد مطلقاً ایمان خواہ نیک اعمال کے ساتھ ہو یا گناہوں کے ساتھ تو مطلب یہ ہے کہ ہدایت جنت صرف ایمان کی بنا پر ملے گی۔ کیونکہ جنت کی عطا ایمان سے ہے اور پہلے سے ہی عطا یا وہاں کے درجات نیک اعمال سے ہے اور وہاں دیدار الٰہی صرف رب کے کرم سے اس میں اپنے عمل کو دخل نہیں۔

**چوتھا اعتراض:** تمہاری ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ جنتی لوگ تسبیح و تحمید کیا کریں گے مگر یہ چیزیں عبادات ہیں اور جنت میں عبادات نہیں پھر یہ کیونکر درست ہوئی؟

**جواب:** وہاں یہ تسبیح و تحمید تلاوت قرآن مجید حضور انور ﷺ کی نعت شریف بطور لذت ہوگی نہ کہ بطور تکلیف شرعی بلکہ ان کی لذتیں کھانے پینے کی لذتوں سے زیادہ ہوں گی۔

**تفسیر صوفیانہ:** جو لوگ ان چیزوں پر ایمان لائے جن سے غافل لوگ بے خبر ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے نیک یعنی

خاص رضاء الٰہی کے لئے جن میں ریا وغیرہ کا شائبہ نہ ہوا انہیں اللہ تعالیٰ ایک نور قلبی عطا فرمائے گا جس کے ذریعہ انہیں علم مکاشفہ علم حقیقت کی طرف ہدایت کرے گا علم ظاہری کتابوں سے حاصل ہوتا ہے یہ علم اس نور سے جس میں وہ مومن کا فرا چھے برے میں قدرتی طور پر فرق کریں گے۔ گویا رب انہیں علم وریست کے بعد علم وراثت عطا کرے گا۔ علم وراثت علم درایۃ کا معز ہے ایسے لوگ دنیا میں ہی شریعت وطریقت حقیقت ومعرفت کے خزانے ہیں کہ ان کی زبان ان کی نظر سے یہ نہریں جاری ہوتی ہیں ان کے جسم یہاں دنیا میں ہیں مگر ان کے دل ارواح جنتوں میں۔ انہیں نماز۔ تلاوت ذکر اللہ میں جنت کی نعمتوں کی سی لذتیں آتی ہیں۔ ان کی زبانیں وہ کام کرتی ہیں جن کے لئے وہ بنائی گئیں یعنی ذکر الٰہی دعائیں۔ نعمت وحمد وغیرہ وہ اس نعمت کو غیبت بہتان وغیرہ میں خرچ نہیں کرتے۔ وہ دنیا میں نیک اعمال سے جنتیوں میں ہیں آخرت میں ان کے انعامات کی جنتیوں میں ہوں گے ان کی زندگی کا ہر کام اللہ کی تسبیح وتحمید سے گھرا ہوا ہے آخرت میں بھی ان کا یہ ہی حال ہوگا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے پہلا کام کیا الحمد للہ بندہ اللہ کی نعمتوں میں غرق ہے تو چاہئے کہ اس کی زندگی کی ہر گھڑی رب کی حمد میں غرق ہو۔ حمد الٰہی غیر متناہی نعمت ہے۔ عوام کی صرف زبان حمد کرتی ہے مگر خاص بندوں کا گوشت پوست بلکہ ہر رونگٹا حمد کرتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

حمد شان چوں حمد گلشن از بہار صد نشانے دار وصد گیر و دوار

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے حامدین میں سے کرے۔ (روح البیان)

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ

اور اگر جلدی بھیجتا اللہ لوگوں کے لئے شر مثل جلدی کرنے ان کے خیر کو تو البتہ

اور اگر اللہ لوگوں پر برائی ایسی جلد بھیجتا جیسی وہ بھلائی کی جلدی کرتے ہیں

لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ

پوری کر دی جاتی طرف ان کے معیاد ان کی پس چھوڑتے ہیں ہم ان لوگوں کو جو نہیں

تو ان کا وعدہ پورا ہو چکا ہوتا تو ہم چھوڑتے انہیں جو ہم سے ملنے کی امید نہیں

لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۱﴾

امید رکھتے ملنے کی ہم سے کہ سرکشی میں اپنی بھٹکتے پھرتے ہیں

رکھتے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات کے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** گذشتہ پچھلی آیات میں کفار مکہ کے چند اعتراضات کا ذکر ہوا جن کا تعلق حضور انور ﷺ کی نبوت سے تھا مثلاً

یہ کہ وحی الٰہی ان پر کیوں آئی کسی بڑے مالدار سردار پر آنی چاہئے تھی اکان للناس عجبا (الخ) یا یہ کہ ہمارے بت ہماری سفارش کے لئے کافی ہیں پھر آپ ﷺ کی تشریف آوری کی کیا ضرورت تھی مامن شفیع الا من بعد اذنہ ۔ وغیرہ اب اس کے اس اعتراض کا جواب دیا جارہا ہے کہ اگر آپ ﷺ سچے نبی ہیں تو ہم آپ ﷺ کے منکر ہیں ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔ غرضکہ حضور انور ﷺ کی نبوت کے متعلق کچھ اعتراضات کے جوابات پہلے دیئے گئے کچھ کے اب دیئے جارہے ہیں (تفسیر کبیر)

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار کے چند عیوب بیان ہوئے ہیں جن میں ایک یہ تھا کہ وہ ہماری آیتوں سے غافل ہیں اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ وہ اپنے منہ اپنی موت اپنے پر عذاب مانگتے ہیں گزشتہ امتوں پر جو عذاب آئے ان سے عبرت نہیں پکڑتے گویا پچھلی آیتوں میں ان کے متعلق ایک دعویٰ تھا۔ اس آیت میں اس دعویٰ کا ثبوت ہے۔

**تیسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نیک مومنوں کو ان کے ایمان کی وجہ سے دنیا میں اچھے اچھے کام اچھے خیالات کی ہدایت دیتا ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ اس کے برعکس کفار کو جب سوجھتی ہے تو وہ اندھی مومن رب تعالیٰ سے امن عافیت ایمان مانگتے ہیں مگر کفار دنیا میں ہی اپنے لئے عذاب رب کا قہر اس کا غضب مانگتے ہیں۔ دونوں جماعتوں کے خیالات میں اتنا فرق ہے۔

**شان نزول:** ایک بار نضر ابن حارث نے اپنی قوم کو اپنی پختگی دکھانے کے لئے یوں دعا مانگی کہ خدایا اگر واقعی اسلام سچا دین ہے اور ہم نے اسے قبول نہیں کیا تو ہم پر غیبی پتھر برسا۔ اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر۔ خازن) قرآن مجید میں ان کا یہ قول دوسری جگہ ارساد ہے اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم ۔ اور یوں ارشاد ہے ویقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صدقین (روح المعانی)

**تفسیر:** ولو یعجل اللہ للناس الشر ۔ چونکہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے۔ لو اور ان اذکا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے یعجل بنا ہے تعجیل سے جس کی اصلیت عجلت ہے بمعنی جلدی اصطلاح میں وقت سے پہلے کوئی کام کرنا تعجیل ہے اور وقت سے پہلے کسی کام کی خواہش استعجال (تفسیر روح البیان) اگرچہ یہ آیت کریمہ نضر ابن حارث وغیرہ کفار کے متعلق نازل ہوئی مگر الناس سے عام انسان مراد ہیں۔ کیونکہ لفظ ناس عام اور لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے۔ شر سے مراد عذاب بلاء۔ مصیبت وغیرہ ہیں۔ چنانچہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ سے روایت کی کہ اس میں وہ شخص بھی داخل ہے جو جوش غضب میں اپنی جان اولاد کو بددعائیں دیتا ہے۔ (روح المعانی) یعنی اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر عذاب مصیبت بلاء جلد بھیج دیا کرتا۔ استعجالھم بالخیر اس عبارت کی بہت ترکیبیں کی گئی ہیں اس کی آسان اور قوی ترکیب یہ ہے کہ اصل عبادت یوں تھی استعجالا کاستعجالھم بالخیر اور کاستعجالھم میں استعجال کی نسبت ہم کی جانب مصدر کی نسبت مفعول کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کو برائی ایسے جلدی دیتا جیسے انہیں خیر جلدی دیتا ہے کہ ہر خیر انہیں

وقت پہنچاتا ہے دیر نہیں لگاتا (تفسیر جلالین اور تفسیر صاوی) دیکھو رب کریم ہم کو وقت پر ہوا پانی، غذا دوا بلکہ زندگی و موت دیتا ہے لہٰذا اس عبارت میں صفت کو موصوف کی جگہ رکھا گیا۔ دوسری ترکیبوں میں بہت دشواری ہے۔ **لقضی الیھم اجلھم** یہ فرمان عالی **لو** کی جزا ہے۔ اس میں لام تاکید کا ہے۔ قضاء کے معنی ہیں پورا فرما دینا۔ چونکہ اس میں پہنچانے کے معنی شامل ہیں اس لئے اس کے بعد **الی** آیا ھم کا مرجع وہ ہی کفار مکہ میں یا تا قیامت کفار یا جوش میں آ کر اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے بددعا کرنے والا انسان اجل سے مراد ہے عذاب جس کا وقت مقرر ہے یعنی تو ان کے عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور یہ لوگ زندہ نہ رہتے۔ **فنذر الذین لا یرجون لقاء نا**۔ یہ فرمان عالی ایک پوشیدہ عبادت پر معطوف ہے لہٰذا اس کی **ف** عاطفہ ہے **لا نعجلھم مالا نقبل دعاء ھم**۔ ہم نذر کی تحقیق بارہا کر چکے ہیں کہ نہ اس کا کوئی مصدر ہے نہ ماضی۔ اسم فاعل وغیرہ صرف مضارع اور امر آتا ہے **الذین** سے مراد کفار ہیں۔ منکرین قیامت جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے **لا یرجون لقاء نا** کی تفسیر ابھی کچھ پہلے ہو چکی **فی طغیانھم یعمھون** یہ فرمان عالی **لا یرجون** کی ضمیر سے حال ہے اس جملہ میں **فی طغیانھم** مقدم ہے **یعمھون** پر جس سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ طغیان کے معنی ہیں حد سے نکل جانا خوشی حد سے نکلے وہ آفت ڈھا دیتی ہے پانی حد سے بڑھ کر سیلاب بن کر شہر کے شہر ڈبو دیتا ہے۔ آگ حد سے بڑھے تو گھر بلکہ محلے جلا دیتی ہے انسان حد سے بڑھے تو شیطان سے بدتر ہو جاتا ہے **یعمھون** بنا ہے **عمم** سے عمی کے معنی ہیں آنکھ کا اندھا ہونا **عمہ** کے معنی ہیں دل کا اندھا ہونا۔ آنکھ کا اندھا درست راہ نہیں چلتا دل کا اندھا درست رائے نہیں پاتا یہ دونوں اندھے حیران و پریشان ہی ہوتے رہتے ہیں کفار کھانے پینے چلنے پھرنے بلکہ جینے مرنے میں۔ حیران اور بھٹکے ہوئے رہتے ہیں۔ انہیں نہ کھانا آتا ہے نہ پھرنا نہ مرنا آتا ہے نہ جینا۔ آئے کیسے کہ یہ سب کچھ تو حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھنے چاہئے تھے۔ وہ اس دروازے سے دور ہیں۔ مومن کی شان یہ ہوتی ہے۔ شعر۔

| | |
|---|---|
| ترا غم رہے سلامت میرے دل کو کیا کمی ہے | یہ ہی میری زندگی ہے یہ ہی میری بندگی ہے |
| مری آرزو محمد مری جستجو مدینہ | اسی آرزو میں مرنا اسی جستجو میں جینا |

**خلاصہ تفسیر:** اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بعض بے وقوف لوگ اپنی موت اپنے منہ سے مانگتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر عذاب آفات مصائب اسی طرح جلدی بھیج دیتا جیسے ان پر خیر بہت جلد یعنی ان کا دنیاوی ضروریات سے بہت جلد بھیج دیتا ہے جس کا دن رات مشاہدہ ہوتا رہتا ہے تو اب تک ان کا وعدہ عذاب پورا ہو چکا ہوتا اور فنا ہو چکے ہوتے ہم ایسا نہیں کرتے ان کی بددعائیں قبول نہیں کرتے بلکہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ یوں ہی اپنی سرکشیوں میں حیران و پریشان بھٹکتے پھریں۔

**روایت:** مسلم بخاری نے بروایت حضرت ابو ہریرہ روایت کی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی میں تجھ سے تیرا عہد لیتا ہوں کہ میں بشر ہوں دوسرے بشروں کی طرح مجھے غصہ آ جاتا ہے اگر میں کسی مسلمان کو بددعا دے دوں یا اس پر لعنت کر دوں یا اسے مار دوں تو اسے قیامت کے دن اس کے لئے رحمت اور گناہوں کا کفارہ بنا دے (خازن) مسلمان خیال رکھیں کہ کبھی

جوش میں اپنے یا اپنی اولاد و مال کے لئے بددعا نہ کیا کریں۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** اپنے یا اپنے بال بچوں کے لئے بددعائیں کرنا طریقہ کفار ہے۔ مومن ہمیشہ رب سے خیر ہی مانگے۔

**مسئلہ:** دنیاوی تکالیف میں دعاء موت کرنا ممنوع ہے۔ وہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ خدایا اب اگر میرے لئے موت بہتر ہو تو مجھے موت دے دے۔

**مسئلہ:** خوف خدا یا عشق رسول یا دینی خطرے میں دعاء موت کرنا جائز ہے جیسے حضرت عمر نے اپنی وفات کی دعا یوں کی مجھے شہادت کی موت دے اپنے محبوب کے شہر میں۔ یا جیسے امام بخاری نے دینی فتنے آفات میں پھنس کر اپنی موت کی دعا کی اور دعا سے دو دن بعد آپ کی وفات ہوگئی۔

**دوسرا فائدہ:** رب تعالیٰ کا ہماری بعض دعائیں قبول نہ فرمانا اس کی خاص مہربانی ہے اور دعا ہمارے لئے نقصان دہ ہوتی ہے یہ فائدہ **لو یجعل الله** کے لو سے حاصل ہوا۔ ناسمجھ بیمار طبیب سے میٹھی دوائیں مانگتا ہے مگر وہ اسے کڑوی دوائیں دیتا ہے ... کی مہربانی ہے۔

ہر ایک کے ثواب و عذاب کے لئے ایک وقت مقرر ہے اس ہی وقت اسکو وہ ملے گا۔ اس سے پہلے ...

... نذر الذین اور فی طغیانهم یعمهون سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس مومنین صالحین کی درازعمریں اللہ ...

... اس سے وہ نیکیاں بڑھا لیتے ہیں۔ حضرت نوح اور خضر علیہما السلام کی درازعمرین رحمت ہیں ابلیس کی درازعمر ... ویل ہے۔

... دنیاوی نعمتیں جو بندے کو دی جاتی ہیں۔ دولت، صحت، عزت، حکمت، اولاد وغیرہ یہ دراصل خیر ہیں جن ... نیکیاں کما سکتا ہے مگر بعض انسان انہیں اپنی جہالت سے شر بنا لیتے ہیں یہ فائدہ **استعجالهم بالخیر** سے ... نے کفار کی دنیوی نعمتوں کو خیر فرمایا۔

... اس آیت میں رب تعالیٰ کی تعجیل کو کفار کے جلدی مانگنے سے تشبیہ دی گئی کہ ارشاد ہوا **استعجالهم** ... کیونکر درست ہوئی۔ جلدی دینا رب کا کام ہے اور جلدی مانگنا بندے کا کام ان دونوں میں مشابہت کیسی۔

... اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں صاوی شریف کے حوالے سے گزر چکا۔ کہ آیت کریمہ کی اصل عبارت یوں تھی ... **استعجالهم بالخیر** استعجال مفعول مطلق تھا۔ استعجال مفعول مطلق تھا۔ **یعجل الله** کا اسے بھی دور کر دیا گیا ... استعجال بمعنی تعجیل ہے اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے اور **هم** مفعول بہ ہے اب مطلب بالکل ظاہر ہوگیا کہ اگر رب ... اس طرح جلد دے دیتا جس طرح انہیں خیر جلد دیتا ہے یہ ترکیب نہایت ہی آسان اور قوی ہے۔

... اعتراض: کفار کو رب نے خیر دی ہی نہیں انہیں جو کچھ دیا وہ شر ہی ہے پھر **استعجالهم بالخیر** کیونکر درست ہوا۔

... اس کا جواب ابھی فائدوں سے معلوم ہو چکا کہ رب نے انہیں بہت خیر عطا فرمائی۔ صحت، اولاد، مال وغیرہ انہوں ...

ہے یہ طبیب
تیسرا فائد
دانائی ہے یہ
کی رحمت ہے
عذاب ہے
پانچواں ف
ہے بندہ
حاصل ہوا
پہلا اعتر
بالخیر
جواب
استعجال
اور شر
تعالیٰ کفار
دوسرا ا
جواب

نے غلط استعمال سے شر بنا لیا اگر کوئی اپنی آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں سے گناہ کرے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ رب نے اسے یہ اعضاء نیکیاں کرنے کو دیئے تھے۔

**تیسرا اعتراض:** جب رب جانتا ہے کہ کفار جتنا جئیں گے اتنا ہی کفر و گناہ کریں گے پھر انہیں دنیا میں چھوڑتا کیوں ہے کہ فرماتا ہے فنذر الذین لا یرجون (الخ) انہیں تو فوراً ختم کر دینا چاہئے۔

**جواب:** اس اعتراض کا جواب ہم پہلے پارہ میں شیطان کی پیدائش۔ اسے لمبی عمر دینے کی حکمتوں کے بیان میں دے چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ کفار رب تعالیٰ کی صفت اضلال کا مظہر ہیں نیز کفار کی وجہ سے بہت سی اسلامی عبادات قائم ہیں۔ ہجرت، جہاد، شہادت وغیرہ لہٰذا انہیں باقی رکھنے میں رب کی بہت حکمتیں ہیں۔ جنت بھی بھرنی ہے اور دوزخ بھی نیز رات کے بغیر دن کی۔ بیماری کے بغیر صحت کی قدر نہیں ہوتی تو کفر کے بغیر ایمان۔ طغیانی کے بغیر عرفان کی قدر کیسے ہو۔

**تفسیر صوفیانہ:** دنیا میں رب تعالیٰ نے مقبولین کو بھی عمر روزی وغیرہ عطا فرمائی ہیں اور مردودین کو بھی مگر ان دونوں گروہوں میں فرق یہ رکھا ہے کہ مقبولین کو دنیا میں بھی رکھا ہے اور اپنی حفاظت و امن میں اور اپنی نظر کرم اپنی نگہداشت میں بھی۔ جس کی وجہ سے وہ بفضلہ تعالیٰ بہک نہیں سکتے کہ رب کی نگہداشت میں ہیں مگر مردودین کو دنیا میں رکھا ہے اپنی نگہداشت میں رکھا بلکہ ان کے حوالہ کر دیا فرمایا فنذرھم ہم انہیں چھوڑے رہیں گے۔ جس کی وجہ سے وہ بھٹکتے پھرتے ہیں جیسے لے جلے گام والا گھوڑا۔ مقبولین کے متعلق فرماتا ہے ولا تعد عینک عنھم اے محبوب ان غلاموں سے اپنی نظر نہ ہٹاؤ۔ انہیں اپنی نظر میں رکھو اور فرماتا ہے واخفض جناحک للمومنین اپنے غلاموں کو اپنے رحمت کے پروں میں رکھو۔ شعر۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں شاہیں کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور

مقبول لوگ نیک اعمال جلدی کرتے ہیں۔ مردود لوگ اعمال سے غافل رہتے ہیں اور موت یا عذاب یا قیامت کی آمد میں جلدی کرتے ہیں مومنوں کی جلدی محبوب ہے رب فرماتا ہے فاستبقوا الخیرات اور کفار کی یہ جلدی مردود۔ اس آیت میں اسی کا ذکر ہے صوفیاء فرماتے ہیں کافر کی زندگی شیطانی ہے جسے قرآن نے معیشۃ ضنکا فرمایا۔ یعنی تنگ روزی غافل کی زندگی نفسانی ہے جسے قرآن نے حیوۃ دنیا کہا مگر متقی مومن کی زندگی ایمانی یا رحمانی ہے جسے قرآن نے حیاۃ طیبہ فرمایا پھر جیسی زندگی ویسی موت۔ کافر کی موت رب کی پکڑ ہے جسے رب نے بطش فرمایا ان بطش ربک لشدید۔ غافل کی موت وفات ہے اللہ یتوفی الانفس حین موتھا۔ مگر مومن کی موت رب کی طرف لوٹ جانا ہے۔ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ کافر کی زندگی حیرانی میں موت پشیمانی میں ہوتی ہے جو اس کے طغیان کا نتیجہ ہے۔ مومن کی زندگی اطمینان میں اور موت رحمت رحمان میں ہوتی ہے۔ جو اس کے ایمان و عرفان کا انجام ہے اس لئے یہاں فی طغیانھم یعمھون ارشاد ہوا۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا

اور جب چھو جاتی ہے انسان کو تکلیف تو پکارتا ہے ہم کو اپنی کروٹ پر یا بیٹھ کر یا کھڑے

اور جب آدمی کو تکلیف پہنچتی ہے ہمیں پکارتا ہے لیٹے اور بیٹھے

اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ

ہو کر پھر جب کھول دیتے ہیں ہم اس سے تکلیف اس کی گزرتا ہے گویا نہیں

اور کھڑے پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں چل دیتا ہے

يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۗ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ

پکارتا تھا ہم کو طرف کسی تکلیف کے جو چھوئی اسے اس طرح آراستہ کیے گئے حد سے

گویا کبھی کسی تکلیف کے پہنچنے پر ہمیں پکارا ہی نہ تھا یونہی بھلے کر دکھائے ہیں حد سے

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

بڑھنے والوں کے لئے وہ کام جو وہ کرتے تھے

بڑھنے والوں کو ان کے کام

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پہلا تعلق پچھلی آیات کریمہ میں کافر کی زبانی جرأت کا ذکر ہوا کہ وہ زبان سے عذاب کی دعا کر لیتا ہے اب اس کی عملی کمزوری کا تذکرہ ہے کہ اگر اس پر ذرا سی مصیبت آ جائے تو کھڑے بیٹھے دعائیں عاجزی زاری کرتا پھرتا ہے گویا انسان کی جھوٹی شیخی کے بعد اس کی سچی حالت کا اظہار ہو رہا ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اگر ہم انسان پر عذاب بھیجیں تو وہ آنا فانا ہو جائے **لقضی الیھم اجلھم** اب اس دعویٰ کے ثبوت میں انسان کی روزہ مرہ کی حالت بیان ہو رہی ہے کہ چھوٹی سی بیماری ناداری وغیرہ میں تڑپ جاتا ہے۔ سب شیخی بھول جاتا ہے دعائیں کرتا اور کراتا ہے۔

**تیسرا تعلق:** آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ کافر اپنی سرکشی میں حیران پھر رہے ہیں انہیں کچھ سوجھتا نہیں اب اس آیت کریمہ میں ان کی حیرانی کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ ذرا تکلیف پہنچے تو ہم کو یاد کرے جب تکلیف جاتی رہے تو ہم کو بھول جائے۔ اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ یہ ہے اس کے بھٹکنے کا کھلا ثبوت۔

**تفسیر:** **واذا مس الانسان الضر** چونکہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور اذا یہاں عموم ظرف یا عموم

شرط کے لئے ہے یعنی جب کبھی یا اگر کبھی۔ مس کے معنی ہیں چھو جانا۔ اس سے مراد ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے چھوٹی سی مصیبت معمولی طور پر اسے پہنچے بڑی تکلیف کے باقاعدہ پہنچے اسے گھیر لینے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ الانسان سے مراد یا کافر انسان ہے یا عام انسان ہے یا خاص انسان یعنی ہشام ابن مغیرہ مخزومی ہے۔ (تفسیر تنویر المقباس) پہلا احتمال قوی ہے یعنی سارے کافر مراد ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ الضر سے ہر تکلیف وہ چیز مراد ہے جیسے بیماری، ناداری، قحط سالی وغیرہ یعنی شخصی تکلیف یا قومی مصیبت سب ہی اس میں داخل ہے دعانا لجنبہ او قاعدا او قائما یہ عبارت اذا مس (الخ) کی جزا ہے دعاء بمعنی پکارنا، بلانا، دعا مانگنا۔ یہاں یا تو بمعنی پکارنا ہے یا بمعنی ادا کرنا لجنبہ متعلق ہے مستلقیا پوشیدہ کے اور دعا کے فاعل سے حال ہے۔ اس لئے قاعدا اور قائما اس پر معطوف ہوئے۔ (روح المعانی) اس فرمان عالی کے تین مطلب ہو سکتے ہیں۔ بعض بیماریوں میں انسان بستر پر لیٹ جاتا ہے نہ اٹھ سکتا ہے نہ کھڑا ہو سکتا ہے اور بعض میں بیٹھ سکتا ہے مگر کھڑا نہیں ہو سکتا اور بعض میں کھڑا ہو جاتا ہے مگر چل پھر نہیں سکتا ان تینوں بیماریوں کا یہاں ذکر ہے۔ (۲) اس سے مراد ہر حال ہے۔ کیونکہ انسان کے تین ہی حالات ہوتے ہیں۔ لیٹنا، بیٹھنا، کھڑا ہونا۔ اس سے مراد ہے بہت دعائیں مانگنا کہ اس کا کوئی حال دعا سے خالی نہ ہو۔ (روح المعانی وتفسیر کبیر) خیال رہے کہ لجنبہٖ میں لام بمعنی علی ہے جیسے یخرون للاذقان میں ہے (معانی) یعنی تو ہم سے ہر حال میں یا ہر طرح یا ہر وقت اس بلا کے دفعیہ کی دعائیں مانگتا ہے اپنی اکڑ اور سرکشی بھول جاتا ہے فلما کشفنا عنہ ضرہ اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے۔ فلما کی ف سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مصیبت دور کرنا اسکی دعاؤں کی بنا پر ہوتا ہے (معانی) کشف کے معنی ہیں کھولنا یہاں مراد ہے دفع کرنا اس لئے کہ اس کے بعد عن آیا۔ ضر سے مراد وہ ضرور تکلیف ہے جس کا ذکر ابھی ہوا ضرہ فرما کر بتایا کہ وہ تکلیف اس کے لائق ہے اس کی اپنی چیز اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مصیبتیں انسان اپنی حرکتوں سے منگاتا ہے، رب تعالیٰ اپنے فضل سے دفع فرماتا ہے۔ مر کان لم یدعنا الی ضر مسہ یہ فرمان عالی فلما کشفنا کی جزا ہے۔ مر بنا ہے مرور سے جس کے لغوی معنی ہیں گذرنا یہاں اس سے مراد یا لوٹ جاتا ہے یا پہلے راستہ پر چل پڑنا کان دراصل کانہ تھا الی ضر میں الی یا بمعنی لام ہے یا اپنے ہی معنی میں۔ اگر دعا کے معنی ہیں دعا کرنا تو الی بمعنی لام ہے اور اگر اس کے معنی ہیں پکارنا تو الی اپنے معنی میں ہے یعنی جب ہم اس کی مصیبت دور کر دیتے ہیں تو پھر وہ اپنی پرانے کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ یا پھر اس غفلت سرکشی کی راہ پر چل پڑتا ہے (مدارک خازن وغیرہ) اور اپنے گرے وقت کو ایسا بھول جاتے ہیں جیسے گویا اس نے ہم سے کبھی دعا کی ہی نہ تھی۔ کذلک زین للمسرفین ما کانوا یعملون اس فرمان عالی سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے کما زین لھم اعمالھم القبیحۃ کذلک زین یہاں زینت دینے کے معنی ہیں بری چیز کو اچھا کر دکھانا۔ اس کا فاعل یا تو رب تعالیٰ ہے کہ تمام کا خالق وہ ہی ہے یا اس کا فاعل شیطان ہے کہ اس آراستگی کا سبب ہے یا کاسب وہ ہی ہے۔ مسرفین کے معنی ہیں اپنے معاملہ میں زیادتی کرنے والے۔ رب فرماتا ہے واسرافنا فی امرنا کل سے مراد ان کی معلومہ بدعملیاں ہیں یعنی جیسے ان لوگوں کی نظر میں ان کے کفر بت پرستی غفلت بدعملی بھلی کر دی گئی ہے اسی طرح ہمیشہ سے حد سے بڑھنے والوں کی نظر میں

ان کی بری حرکتیں بھلی کر دی گئی ہیں یہ بڑی پرانی بیماری ہے۔ اے محبوب آپ ﷺ ان کی حرکتوں سے غمگین نہ ہوں یہ تو ہوتا ہی چلا آیا ہے۔

**خلاصہ تفسیر:** کفار صرف زبان کے بہادر ہیں کہ اپنے لئے عذاب کی دعائیں کرتے ہیں۔ ان کی دلی کمزوری کا یہ حال ہے کہ اگر کبھی انہیں کوئی دنیا کی تکلیف بیماری۔ ناداری۔ قحط سالی وغیرہ چوبھی جائے تو کھڑے بیٹھے لیٹے ہم سے دعائیں مانگتے ہیں کہ خدایا اسے دفع کر دے۔ انہیں کسی طرح چین نہیں آتا۔ اپنی زندگی سے بیزار ہوتے ہیں پھر جب ہم ان کی دعا قبول کر کے وہ مصیبت دور کر دیتے ہیں تو پھر اپنی پرانی ڈگر یعنی کفر و طغیانی پر چل پڑتے ہیں جیسے پہلے تھا ویسے ہی ہو جاتا ہے گویا اس کو ہم سے کوئی واسطہ تھا ہی نہیں کبھی اس نے ہم سے کسی مصیبت کے لئے دعا کی ہی نہ تھی۔ یہ بیماری آج کی نہیں ہے یہ کفار کی بڑی پرانی بیماری ہے کہ مصیبت میں خدا کو یاد کرنا آرام میں اس کی نافرمانی کرنا پھر حرکتوں کو اچھا جاننا۔ ابلیس نے ان کی نظر میں ان کے کفر بت پرستی بری حرکتوں کو اچھا کر کے دکھا دیا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری یہ حرکتیں بہت اچھی ہیں ہماری ناموری اسی میں ہے۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** دنیا میں عیش و آرام اکثر و بیشتر رہتے ہیں مصیبتیں کبھی کبھی یہ فائدہ **مس الانسان الضر** سے حاصل ہوا۔

**دوسرا فائدہ:** عموماً آرام بہت زیادہ ہوتا ہے مصیبت صرف چھو جاتی ہے جس سے انسان کی مت کٹ جاتی ہے یہ فائدہ بھی **مسر الانسان** (الخ) سے حاصل ہوا۔

**تیسرا فائدہ:** کافر خواہ کتنے ہی اخلاص سے رب کو یاد کرے مگر اس یاد پر اسے نہ ثواب ہے نہ اس سے رب راضی ہو۔ یہ فائدہ **دعانا لجنبہ** (الخ) سے حاصل ہوا کہ کافر کی اس دعا و فریاد کو بطور شکایت بیان فرمایا گیا۔ اس کے برعکس اگر مومن رب کو مصیبت میں یاد کرے تو اسے اجر و ثواب ضرور ملے گا انشاء اللہ۔

**چوتھا فائدہ:** تکالیف میں رب تعالیٰ کو یاد کرنا آرام میں اسے بھول جانا طریقہ کفار ہے مومن کو چاہئے کہ ہمیشہ رب کو یاد کرے آرام میں شکر کے ساتھ تکلیف میں صبر کے ساتھ آرام میں الحمد للہ کہے مصیبت و غم میں ان للہ پڑھے۔ غرضکہ یاد اسی کی کرے یہ فائدہ **فلما کشفنا** (الخ) سے حاصل ہوا۔

**پانچواں فائدہ:** دنیا میں تکالیف عموماً انسان کی حرکتوں کی وجہ سے آتی ہیں ان کا دفعیہ رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ فائدہ **اذا مس الانسان الضر** (الخ) سے اور **فلما کشفنا** (الخ) سے حاصل ہوا کہ مصیبت دفع کرنے کی نسبت رب کی طرف کی گئی۔

**چھٹا فائدہ:** دنیا میں کفار کی بعض دعائیں قبول ہو جاتی ہیں یہ فائدہ **فلما کشفنا** کی ف سے حاصل ہوا کہ دفع مصیبت کو کافر کی دعا پر مرتب کیا۔ ابلیس نے درازی عمر کی دعا کی جو کچھ ترمیم سے قبول کی گئی **فانک من المنظرین**۔

**ساتواں فائدہ:** اپنے آرام کے زمانہ میں مصیبت کو اور عروج کے زمانہ میں زوال کو بھول جانا طریقہ کفار ہے۔ یہ فائدہ

کان لم یدعنا (الخ) سے حاصل ہوا خیال رکھو کہ جسے دینا آتا ہے اسے چھیننا بھی آتا ہے اس لئے ہمیشہ اس کے دروازے پر حاضر ہو۔

**آٹھواں فائدہ:** گنہگار مومن کیسا ہی گناہ کرے مگر حد میں رہ کر کرتا ہے۔ کافر کیسا ہی معمولی گناہ کرے مگر حد سے نکل کر کرتا ہے یہ فائدہ للمسرفین سے حاصل ہوا کہ رب نے کفار کو مسرفین فرمایا یعنی حد سے نکلے جانے والے۔ ایمان پر قائم رہنا اپنی حد میں رہنا ہے۔ ایمان سے نکل جانا بندگی کی حد سے نکل جانا ہے۔

**نواں فائدہ:** برائی کو اچھائی اور برے کاموں کو اچھا سمجھنا کفار کا طریقہ ہے یہ فائدہ زین للمسرفین (الخ) سے حاصل ہوا۔ مومن بفضلہ تعالیٰ حق کو حق سمجھتا ہے اور باطل کو باطل۔

**پہلا اعتراض:** کھڑے بیٹھے لیٹے رب کو یاد کرنا اس سے دعائیں مانگنا بڑی اچھی عادت ہے۔ رب فرماتا ہے فاذکرو اللہ قیاما و قعودا و علی جنوبکم پھر یہاں اسے کفار کی برائیوں میں کیوں شمار کیا گیا۔

**جواب:** واقعی مومن کے لئے یہ صفت خوبی ہے کافر کے لئے یہ بھی عیب ہے عمداً بغیر غسل بغیر وضو نماز پڑھنا کفر ہے اگرچہ اس میں اللہ کا ذکر ہے ایمان دل کا وضو روح کا غسل ہے جس کے بغیر اللہ کا ذکر بے ادبی ہے یا یوں کہو کہ صرف مصیبت میں اللہ کا ذکر خود غرضی ہے۔ اسے بے غرضی سے یاد کرو۔

**دوسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ کافر کی بعض دعائیں قبول ہو جاتی ہیں۔ مگر رب فرماتا ہے وما دعاء الکافرین الا فی ضلال۔ کفار کی دعائیں برباد ہیں۔

**جواب:** کفار کی دعائیں آخرت میں برباد ہوں گی کوئی قبول نہ ہوگی ان سے فرمایا جاوے گا۔ اخسئوا فیہا و لا تکلمون دنیا میں کبھی قبول ہو جاتی ہیں یہ قبولیت ان کے لئے استدراج یعنی ڈھیل دینا ہے۔ اس آیت میں دنیاوی دعاؤں کا ذکر ہے تمہاری پیش کردہ آیت میں آخرت کی دعاؤں کا ذکر ہے۔

**تیسرا اعتراض:** مصیبت میں رب کو یاد کرنا عیش میں بھول جانا یہ عیب بعض غافل مسلمانوں میں بھی ہے پھر یہ خصوصیت سے کفار کے لئے کیوں ہوا۔

**جواب:** ایسے غافل مومن اپنی اس حرکت پر نادم ہوتے ہیں۔ اس پر فخر نہیں کرتے۔ اس لئے کفار کی طرح مجرم نہیں اس وجہ سے آگے ارشاد ہوا زین للمسرفین (الخ) کہ کفار اس فخر کی وجہ سے مسرف ہیں۔

**چوتھا اعتراض:** اس آیت میں کفار کو مسرفین فرمایا گیا مگر دوسری جگہ مسلمانوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی ربنا فاغفر لنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا معلوم ہوا کہ گنہگار مومن بھی مسرفین ہیں۔ آیتوں میں تعارض ہے۔

**جواب:** اسراف کے معنی ہیں حد سے بڑھنا اس لئے فضول خرچی کو اسراف اور فضول خرچ کو مسرف کہا جاتا ہے کلوا واشربوا ولا تسرفوا انسان کے لئے بہت طرح کی حد میں عقائد کی حد۔ اعمال کی حد۔ خرچ کی حد حتی کہ وقت اور جگہ کی حدود۔ مومن سینکڑوں حدوں میں گھرا ہوا ہے ان میں گھرا ہوا ہونا ہی تو آزادی ہے۔ شعر۔

دیکھا انہیں محشر میں تو رحمت نے پکارا ۔ آزاد ہے جو آپ کے دامن سے بندھا ہے

کافر عقائد کی حد سے نکلا ہوا ہوتا ہے مومن اگرچہ اعمال کی حد سے نکل جاوے مگر عقائد کی حد میں رہتا ہے۔ یہاں عقائد کی حدود سے نکل جانے والے مراد ہیں۔

**تفسیر صوفیانہ:** مومن کامل وہ ہے جو رب کو رب کے لئے یاد کرے نہ کہ اپنے لئے۔ مزہ جب ہے کہ وہ ہی معبود ہو وہ ہی مقصود ہو وہ ہی دل و جان و ایمان میں موجود بلکہ اس کو اسی کے لئے مانگو۔ شعر۔

تجھ سے تجھی کو مانگ کر مانگ لی دو جہاں کی خیر ۔ مجھ سا کوئی گدا نہیں تجھ سا کوئی سخی نہیں!

اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ اپنے محبوب سے ان بندوں کی شکایت فرمارہا ہے جو رب کو بعض وقت معبود مانیں مگر مقصود نہ مانیں اس سے دعائیں کریں تو بھی اپنی غرض کے لئے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غرض نکل جانے پر رب سے غافل ہو جاتے ہیں ان کا مقصود صرف اپنی ذات ہے یہ لوگ حد عبادت سے نکلے ہوئے ہیں۔ یہ حق و باطل میں فرق نہیں کرتے بزرگان دین دعا کرتے ہیں۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ خدایا ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی اتباع کی توفیق دے اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچنا نصیب کر۔ مزہ اس میں ہے کہ بندہ ہر حال میں رب کے دروازے پر رہے رب تعالیٰ اس قال کو حال بنادے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَ

اور البتہ تحقیق ہلاک کردیں ہم نے قومیں پہلے تم سے اور

اور بے شک ہم نے تم سے پہلی سنگتیں ہلاک فرمادیں جب وہ حد سے بڑھے اور

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ

لائے ان کے پاس پیغمبر ان کے واضح دلیلیں اور نہیں تھے کہ وہ ایمان لاتے

ان کے رسول ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے اور وہ ایسے تھے ہی نہیں کہ ایمان

كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ

اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ہم جرم والی قوم کو پھر بنایا ہم نے تم کو

لاتے ہم یوں ہی بدلہ دیتے ہیں مجرموں کو پھر ہم نے ان کے بعد

خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

نائب زمین میں بعد ان کے تاکہ دیکھیں تم کیسے کام کرتے ہو

تمہیں زمین میں جانشین کیا کہ دیکھیں تم کیسے کام کرتے ہو

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے دو عیب بیان ہوئے ایک ان کا اپنے لئے عذاب کی بد دعا کرنا دوسرے معمولی مصیبت آ جانے پر بے تاب ہو کر دفعیہ کی دعائیں کرنا۔ اب ارشاد ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آیا ہوا عذاب دعاؤں سے ٹلتا نہیں بلکہ ہلاکت کر دیتا ہے۔ گویا عذاب آنے اور جانے اور دعاؤں کا ذکر پہلے ہوا اور اس کے نہ جانے کا ذکر اب ہے مقصد یہ ہے کہ عذاب روکنے کا ذریعہ صرف ایک ہے اللہ رسول کی اطاعت۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ کفار کو ان کے برے عقیدے برے اعمال بڑے پسند ہیں۔ اب ارشاد ہے کہ اس پسندیدگی کا انجام ہلاکت ہے گویا ان کے مرض لاعلاج کا ذکر فرمانے کے بعد اس کے انجام کا تذکرہ ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت سے اشارۃً معلوم ہوا تھا کہ کبھی کفار کی دعائیں قبول ہو جاتی ہیں ان سے آئی بلائیں ٹل جاتی ہیں اب ارشاد ہے کہ یہ دعایۃً انہیں ہمیشہ نہیں ملتی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ دعائیں کرتے رہیں اور ہلاک ہوتے رہیں اگر یہ تماشا دیکھنا ہے تو پچھلی امتوں کے حالات دیکھو اور سنو۔

**تفسیر:** ولقد اهلكنا القرون من قبلكم۔ بہت کفار عرب گذشتہ قوموں کی ہلاکت کے واقعات قائل نہ تھے یا ہلاکت و عذاب کو مانتے تھے مگر کفر و عناد کی وجہ سے نہ مانتے تھے اس لئے اس مضمون کو لام اور قد کی تاکیدوں سے فرمایا گیا۔ لہٰذا لقد فرمانا۔ غیر ضروری نہیں اهلكنا بنا ہے اہلاک سے بمعنی سب کو بیک وقت فنا کر دینا۔ خواہ پانی سے خواہ غیبی چیخ سے خواہ پتھر برسا کر خواہ آگ برسا کر خواہ زلزلہ سے۔ چونکہ مختلف قومیں ان مختلف عذابوں سے ہلاک کی گئیں اس لئے اهلكنا مطلق ارشاد ہوا اگرچہ ان لوگوں کو ہلاک کرنے والے فرشتے تھے مگر چونکہ یہ بحکم الٰہی انہوں نے ہلاک کیا نیز وہ اللہ کے پیارے بندے ہیں ان وجوہ سے رب تعالیٰ نے اس ہلاکت کو اپنا فعل قرار دیا القرون جمع ہے قرن کی بمعنی ملنا اسی سے قرون اور قرین رب فرماتا ہے فساء قرينا امت اور قوم کو قرین کہتے ہیں کہ وہ آپس میں مل جل کر رہتی ہے کبھی زمانہ کو قرن کہتے ہیں کہ وہ موجودہ لوگوں کا جامع ہوتا ہے اس میں گفتگو ہے کہ کتنے زمانے کو قرن کہا جاتا ہے۔ چالیس سال، اسی سال، سو سال یا مطلق وقت حضور ﷺ فرماتے ہیں خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم۔ اس حدیث میں قرن میں دونوں احتمال ہیں یعنی زمانہ ہو یا بمعنی جماعتو گروہ سینگ کو بھی قرن کہتے ہیں کہ وہ جانور سے ملا ہوا رہتا ہے (روح المعانی مع الزیادہ) شعر۔

اذهب القرن الذين انت فيهم  وخلقت فى قرن فانت غريب

یہاں بمعنی امتیں یا قومیں ہیں من قبلكم کا تعلق یا تو اهلكنا سے ہے یا پوشیدہ الکائنین سے اور صفت ہے قرون کی اس میں خطاب کفار مکہ سے خصوصاً ان سے جو عذاب کی دعائیں مانگا کرتے تھے لما ظلموا یہ فرمان عالی اهلكنا کا ظرف ہے۔ ظلم سے مراد یا کفر و شرک ہے یا بد دیانتی اور لوگوں کے حقوق مارنا یا مطلقاً گناہ یا یہ سب کچھ کیونکہ بعض قومیں صرف کفر کی بنا پر ہلاک ہوئیں بعض قومیں کفر کے ساتھ بدکاری کی وجہ سے جیسے قوم لوط بعض کفر کے ساتھ بد دیانتی سے جیسے قوم شعیب علیہ

السلام یہ ایک لفظ ان سب کو شامل ہے۔ وجاءتھم رسلھم بالبینات یہ عبارت ظلموا کے فاعل سے حال ہے اس سے پہلے قد پوشیدہ ہے رسلھم سے مراد ان کے وہ مختلف شان والے پیغمبر ہیں جو ان کی تبلیغ کرنے کے لئے بھیجے گئے جن کی اطاعت ان لوگوں پر واجب تھی۔ بینات یعنی روشن دلیلوں سے مراد ہیں ان نبیوں کے معجزے جو ان کی نبوت کی دلیلیں تھیں۔ اس فرمان عالی میں دو باتیں بتائی گئیں ایک یہ کہ کسی قوم پر نبی کی تشریف آوری کے بغیر عذاب نہیں بھیجا جاتا۔ شعر۔

ہیچ قومے راخدا رسوا نہ کرد　تا　صاحبئے　نامد　بدرد

دوسرے یہ کہ کوئی نبی بغیر معجزہ نہیں آئے پھر ہر نبی اسی قسم کا معجزہ لائے جس کا اس زمانہ میں زور تھا۔ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا اور ید بیضا کا معجزہ لائے۔ کیونکہ اس زمانہ میں جادو کا بہت زور تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام مردہ زندہ کرنے پیدائشی اندھے کوڑھیوں کو شفا دینے کا معجزہ لائے۔ کیونکہ اس زمانہ میں زبان دانی فصاحت و بلاغت کا بہت زور تھا۔ اس لئے معجزات کو بینات کہا جو ان کی نبوت کی کھلے نشان تھے۔ وما کانوا لیومنوا قوی یہ ہے کہ یہ فرمان عالی معطوف ہے ظلموا پر مطلب یہ ہے کہ ان قوموں کی ہلاکت کو تین وجہیں تھیں ان کا ظالم یعنی کافر ہونا۔ ان کے پاس نبیوں کا تشریف لانا اور ان کا انہیں جھٹلانا۔ ان کا ایمان کے قریب بھی نہ ہونا۔ یعنی ان کا ایمان لانا ممکن نہ تھا۔ کیونکہ ان کی استعداد ہی خراب تھی۔ نیز رب تعالیٰ نے انہیں دھتکار دیا تھا۔ ان کے متعلق علم الٰہی میں آ چکا تھا کہ وہ کافر مریں گے ان وجوہ سے انہیں مہلت دینے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ اس لئے ہلاک کئے گئے کذلک نجزی القوم المجرمین اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے کما اھلکنا یعنی جیسے ہم نے ان قوموں کو جب ہلاک کیا جب کہ ان کو ڈھیل دینے کا کوئی فائدہ نہ رہا۔ اس طرح ہم مجرم قوم کو اس وقت ہلاک کرتے ہیں۔ جب اس کی بقا میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ اور اگر فائدہ ہو یا اس طرح کہ آئندہ اس کے ایمان لانے کی امید ہو یا اس کی اولاد کے ایمان لانے کی توقع ہو کہ اس کی پشت سے اولاد ہو وہ ایمان لائے تب اسے ہلاک نہیں کرتے خیال رہے کہ یہاں جزا بمعنی عذاب یا سزا ہے اور سزا سے مراد معمولی عارضی سزا ہے جو بطور نمونہ انہیں دی جاوے اصل سزا تو بعد موت ہوگی۔ مجرمین سے مراد کافر ہی ہیں یعنی کفر کا جرم کرنے والے قوم فرما کر یہ بتایا کہ عام عذاب الٰہی ایک دو شخصوں کے جرم سے نہیں آتا بلکہ جب پوری قوم مجرم بن جائے تب عذاب آتا ہے ثم جعلناکم خلائف فی الارض من بعدھم۔ اس فرمان عالی میں خطاب مطلقاً زمین ہے نہ کہ ہلاک شدہ قوموں کی زمین۔ کیونکہ مکہ معظمہ حجاز میں کبھی عذاب نہ آیا جتنے عذاب آئے وہ دوسری زمینوں اور جس خطہ میں عذاب آئے وہاں کبھی آبادی نہ ہوئی۔ اصحاب فیل پر جو ابابیل کا عذاب آیا وہ لوگ مکہ معظمہ کے رہنے والے نہ تھے نیز آئے جن کے جھٹلانے سے ان پر عذاب آتا۔ یعنی اے اہل عرب وہ قومیں ہلاک کر دی گئیں پھر تم کو ان کے بعد زمین میں بسایا گیا۔ کیوں لننظر کیف تعملون یہ فرمان عالی متعلق ہے۔ جعلناکم خلائف کے نظر سے مراد علم مشاہدہ ورنہ رب تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز اور ہمارا۔ ہر حال تفصیل جانتا ہے۔ ہاں مشاہدہ کے بعد فرماتا ہے لننظر میں لام [illegible] بتا کہ ہم صرف اعمال یا ان کی مقدار کو نہیں دیکھتے کیفیت کو ملاحظہ فرماتے ہیں اس پر جزا۔ سزا دیتے ہیں اس وجہ سے ایک کام کبھی اچھا ہوتا ہے اور وہ ہی کام کبھی

موجود ہو۔
بلکہ اعمال

برا۔ عمل کی کیفیت بدلنے سے عمل بدل جاتا ہے بلکہ عامل کا حال بدلنے سے عمل کا حکم بدل جاتا (روح البیان و بیضاوی وغیرہ) شیطان سے سجدے جو اس کے لعنتی ہونے سے پہلے عبادات تھے پھٹکارے جانے پر وہ ہی عمل گمراہی بن گئے۔ رب تعالیٰ عمل اور عامل دونوں کی کیفیت اچھی کرے۔

**خلاصہ تفسیر:** اے اپنے منہ سے عذاب مانگنے والے غافل کافرو تم غور تو کرو کہ تم سے پہلے ہم نے بہت سی قومیں ہلاک کر دیں جن کے صرف قصے رہ گئے انہوں نے کفر و معصیت کئے ان کے پاس ان کے رسول روشن معجزات لائے انہوں نے ان سب کا انکار ہی کیا وہ ایمان لانے والے بنے ہی نہیں کہ نہ ایمان لائے نہ آئندہ ان کے ایمان لانے کی امید رہی نہ یہ احتمال رہا کہ ان کی اولاد آگے چل کر ایمان لاوے گی۔ غور کرلو ہم مجرم قوموں کو دنیا میں اس طرح سزائیں دیا کرتے ہیں ان قوموں کے بعد تم زمین میں رہ بسے ہو خیال رکھو کہ تمہارے اعمال اور تمہاری کیفیت ہم ملاحظہ فرما رہے ہیں اگر تمہارے حالات بھی ان ہی قوموں کی طرح ہوئے تو تم بھی سزا کے مستحق ہو گے اگر تم بندے بن کر رہے اور تم نے ہمارے محبوب کی اطاعت کی تو تم ہمارے ہو جو ہم تمہارے اب دیکھنا ہے کہ تم کس نوعیت کی کیفیت کے عمل کرتے ہو ان قوموں سے عبرت پکڑتے ہو یا نہیں۔

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** مسلمانوں کو چاہئے کہ پچھلی ہلاک شدہ قوموں کے حالات پڑھے سنے اور ان سے عبرت پکڑے ان کے سے اعمال نہ کرے یہ فائدہ ولقد اھلکنا (الخ) سے حاصل ہوا۔ شعر۔

پند گیر از مصائب و گراں ۔۔۔ تانہ گیرند دیگراں زتو پند

**دوسرا فائدہ:** خدا تعالیٰ کسی کو بغیر جرم نہیں پکڑتا۔ بندہ خود عذاب منگاتا ہے تو عذاب آتا ہے۔ یہ فائدہ لما ظلموا سے حاصل ہوا۔ ہاں وہ کریم بغیر ہمارے عمل کے ہم پر کرم کر دیتا ہے۔ رحمت کے لئے عمل شرط نہیں۔ شعر۔

رحمت حق بہانمی طلبد ۔۔۔ رحمت حق بہانہ۔ می طلبد

اللہ کی رحمت قیمت نہیں مانگتی وہ صرف بہانہ چاہتی ہے۔ بلکہ بہانہ بھی وہ ہی عطا فرماتا ہے۔

**تیسرا فائدہ:** کسی قوم پر بغیر رسول بھیجے ہوئے عذاب نہیں آیا اگرچہ اس قوم نے کتنے ہی جرم کئے ہوں یہ فائدہ جو انتھم رسلھم (الخ) سے حاصل ہوا۔ عذاب لانے والی چیز نبی کی نافرمانی ہے۔ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔

**چوتھا فائدہ:** رب تعالیٰ نے ہر نبی کو معجزے ضرور عطا فرمائے کوئی نبی بغیر معجزہ کے تشریف نہ لائے۔ یہ فائدہ بالبینات سے حاصل ہوا۔ نبوت دعوٰی ہے معجزہ اس کی دلیل۔

**پانچواں فائدہ:** جب کسی قوم کے ایمان کی امید نہ رہے اور نہ اس کی نسل سے کسی مومن کے پیدا ہونے کی امید ہو تب اس پر عذاب الٰہی آتا ہے مذکورہ دو صورتوں میں سے کوئی چیز ہو تو عذاب نہیں آتا کہ تو آگے چل کر وہ ایمان لانے والا ہو۔ یا

اس سے مومن اولاد پیدا ہونے والی ہوتو عذاب نہیں آتا۔ یہ فائدے وما کانوا لیومنوا سے حاصل ہوا کہ وما آمنوا ارشاد نہ ہوا۔ دیکھو تفسیر جب ابوجہل کی پشت سے حضرت عکرمہ نکال لئے تب وہ بدر میں ہلاک کیا گیا۔

**چھٹا فائدہ:** ہر اگلی قوم بلکہ اگلا آدمی پچھلوں کا خلیفہ ہی اسے چاہئے کہ غور کرے کہ جس بستی یا گھر میں ہم رہتے ہیں۔ اس میں ہم سے پہلے کتنے لوگ بسے اور چلے گئے جب یہ جگہ ان کے ساتھ نہ گئی تو ہمارے ساتھ بھی نہ جائے گی یہ بے وفا ساتھی ہے یہ فائدہ ثم جعلنا کم خلائف سے حاصل ہوا۔

**ساتواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے مگر اس کا دیکھنا مشاہدہ فرمانا اس کے ظہور کے بعد ہوتا ہے اس علم کو ہم کلام والے علم انفعالی کہتے ہیں یہ فائدہ لننظر کیف تعملون سے حاصل ہوا۔

**آٹھواں فائدہ:** رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال کی صرف تعداد نہیں دیکھی جاتی۔ بلکہ اعمال کی کیفیت بھی دیکھی جاتی ہے کہ بندہ نے نماز پڑھی تو کیسی۔ حج و جہاد کئے تو کیسے یہ فائدہ کیف تعملون سے حاصل ہوا کہ لفظ کیف حالت اور کیفیت کے لئے آتا ہے۔ حضرات صحابہ کا سوا دو سیر جو خیرات کرنا ہمارے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے۔ کیونکہ ان کی اعمال کیفیت۔ اور طریقہ ادا بہت اعلیٰ ہے جو ہم کو میسر نہیں۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں گذشتہ قوموں پر عذاب آنے کی دو وجہیں بیان ہوئیں۔ جرم یعنی ان کے گناہ دوسری ان کے پاس نہ رسولوں کی تشریف آوری آیا یہ دونوں چیزیں عذاب کا باعث ہیں یا ان میں سے ایک۔

**جواب:** عذاب آنے کا سبب ان کے گناہ ہیں مگر شرط نبی کی تبلیغ یعنی گناہوں سے عذاب آتے ہیں بشرطیکہ نبی احکام پہنچائیں پھر قوم بدکاریاں کرے۔ نبی کی تشریف آوری عذاب کا سبب نہیں وہ تو اللہ کی رحمت کا سبب ہے پھر اس رحمت کی شرط ان پر ایمان لانا ان کی اطاعت کرنا ہے جیسے نماز کا سبب وقت ہے اس کی شرط وضو۔

**دوسرا اعتراض:** یہاں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی وما کانوا لیومنوا صرف لم یومنوا یا ما آمنوا فرمادینا کافی تھا۔

**جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو وہ ایمان لائے تھے۔ نہ لانے والے تھے۔ یعنی ان کے ایمان کی امید بھی نہ تھی۔ نہ ان کے پشت سے مومن پیدا ہونے تھے اگر لم یومنوا فرمایا جاتا تو یہ بات حاصل نہ ہوتی فی الحال ایمان۔ آئندہ امید بھی نہ تھی۔ نہ ان کے پشت سے مومن پیدا ہونا یہ سب چیزیں عذاب سے بچالیتی ہیں۔

**تیسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ عذاب کی شرط نبی کی تشریف آوری ان کی تبلیغ ہے مگر یہاں ارشاد ہوا کذلک نجزی القوم المجرمین جس سے معلوم ہوا کہ صرف مجرم ہونا ہی عذاب کے لئے کافی ہے تمہارا قول اس فرمان کے خلاف ہے۔

**جواب:** مجرم قوم وہ ہی ہے جو نبی کی نافرمانی کرے اس پر عذاب آتا ہے۔ جس تک نبی کی تبلیغ نہ پہنچی ہو۔ خواہ کتنے ہی گناہ کفر شرک کرے اسے آخرت میں عذاب ہو تو ہو مگر دنیا میں نہیں ہوتا دنیاوی عذاب کے لئے نبی کی نافرمانی ضروری ہے۔

**چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہلاک شدہ قوموں کی زمینوں میں پھر آبادی ہوئی ہے۔ دیکھو فرمایا گیا ثم

جعلنا کم خلائف فی الارض ۔مگر حدیث شریف میں ہے کہ ہلاک شدہ بستیاں نہ کبھی آباد ہوئیں نہ وہاں رہنا بسنا جائز ہوا وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔

جواب: اس آیت میں الارض سے مراد ہلاک شدہ بستیاں نہیں بلکہ مطلقاً زمین مراد ہے یعنی زمین میں پہلے ہلاک شدہ قومیں رہیں پھر اسے اہل عرب ان کے بعد تم لوگ بے الارض مقابل ہے آسمان کا عرب خصوصاً زمین حجاز میں کبھی عذاب الٰہی نہ آیا۔

**پانچواں اعتراض:** زمین مکہ سے بالکل متصل وادی محسر میں اصحاب فیل یعنی ابرھہ اور اس کے لشکر پر عذاب آیا تو چاہیے تھا کہ مکہ میں کسی کو بسنا جائز نہ ہوتا۔

جواب: ابرھہ وغیرہ مکہ کے رہنے والے نہ تھے بلکہ یمن سے مکہ پر حملہ کرنے آئے تھے۔ رب نے انہیں مکہ معظمہ سے باہر ہی ہلاک فرمادیا وہاں نہ مکہ معظمہ کی بستی پر عذاب آیا نہ مکہ والوں پر بلکہ غیر ملکی لوگوں کو مکہ معظمہ کے قریب ہلاک کیا گیا۔ تاکہ وہ مکہ والوں پر حملہ نہ کرسکیں یعنی مکہ معظمہ کو ان کے شر سے محفوظ رکھا گیا لہٰذا آیت وحدیث میں تعارض نہیں۔

**تفسیر صوفیانہ:** ایمان تین طرح کا ہے۔ ایمان فطری، ایمان شرعی، ایمان شہودی۔ ایمان فطری وہ ہے جو ہر شخص کو عالم ارواح میں ملا کہ سب نے قالو بلیٰ سے ایمان قبول کیا۔ اس ایمان پر ہر بچہ پیدا ہوتا ہے ایمان شہودی وہ ہے جو مرتے دم اور مرتے وقت فرشتوں اور آخرت کے حالات دیکھ کر بندہ ان چیزوں کو مانے گا۔ یہ دونوں ایمان نجات کا ذریعہ نہیں۔ ایمان شرعی وہ جو دنیا میں رہ کر نبی کے ذریعہ میسر ہو یہ ہی ایمان نجات کا مدار ہے یہ ایمان چند طرح کا ہے فی الحال ایمان مل جائے۔ آئندہ ایمان ملنے والا ہو۔ یہ دونوں ایمان عذاب دنیا سے بچالیتے ہیں۔ وما کانوا لیومنوا۔ میں اسی جانب اشارہ ہے کہ وہ ہلاک شدہ قومیں اس لئے ہلاک کی گئیں کہ نہ فی الحال مومن تھیں نہ آئندہ مومن بننے والی تھیں۔ تو عذاب سے کیسے بچتیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ امت محمدیہ مظہر خلاف آدم علیہ السلام ہے وہ فی الارض خلیفہ ہوئے اب یہ امت ساری زمین میں خلیفۃ اللہ ہے اس لئے جتنے خلفاء اس امت میں ہوئے اتنے کسی امت میں نہ ہوئے۔ خلافت ظاہری بادشاہوں حاکموں کو عطا ہوئی۔ خلافت باطنی حضرات اولیاء وعلماء دین کو بخشی گئی اس لئے ارشاد ہوا ثم جعلنا کم خلائف فی الارض بلکہ اپنے نفس کی زمین پر حکومت وخلافت ہر شخص کو عطا ہوئی۔ جیسے بادشاہ پر لازم ہے کہ رعایا میں عدل وانصاف کرے یوں ہی ہر شخص پر ضروری ہے کہ اپنے ظاہری اعضاء پر کنٹرول اور محاسبہ کرے۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ

اور جب تلاوت کی جاتی ہیں اوپر ان کے آیتیں ہماری ظاہر تو کہتے ہیں وہ لوگ جو نہیں امید کرتے

اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہنے لگتے ہیں جنہیں ہم سے

لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا یَكُوْنُ

ملنے کی ہم سے کہ لائیے آپ قرآن علاوہ اس کے یا بدل دیجئے اس کو فرماؤ تم نہیں ہوتا

ملنے کی امید نہیں کہ اس کے سوا اور قرآن لے آئیے یا اس کو بدل دیجئے تم فرماؤ مجھے

لِیْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى

ہے میرے لیے یہ کہ بدل دوں اسے طرف سے ذات اپنی کے پیروی کرتا ہوں مگر اس

نہیں پہنچتا کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں میں تو اسی کا تابع ہوں جو میری طرف

اِلَیَّ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾

کی جو وحی کی جاتی ہے میری طرف تحقیق میں خوف کرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی عذاب سے بڑے دن کے

وحی ہوتی ہے میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر ہے

**تعلق**: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں پچھلی کافر قوموں کا کفر۔ یہ بیان ہوا کہ انہوں نے اپنے نبیوں اپنی کتابوں کی اطاعت نہیں کی اب کفار مکہ کا ان سے بڑھ کر کفر بیان ہو رہا ہے کہ یہ حضور انور ﷺ کی اطاعت تو کیا کرتے خود حضور انور ﷺ کو اپنے مطالبات منوانے پر مجبور کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن ہی بدل دو اپنی تعلیم میں تبدیلی کر دو غرضکہ یہ کفار پچھلے کفار سے بدتر ہیں۔

**دوسرا تعلق**: گذشتہ پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ دنیاوی مصیبتیں غافلوں کو بدل دیتی ہیں کہ وہ ان میں پھنس کر رب کی طرف رجوع کرتے ہیں دعانا لجنبہ قاعدا او قائما گویا ان کی مصیبتوں کے حال کا ذکر ہے کہ مصیبت میں وہ خود بدل جاتے ہیں اور راحتوں میں بدل دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

**تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا وما کانوا لیومنوا وہ لوگ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں اس لئے ہلاک کئے گئے۔

اب ارشاد ہے کہ ایسے ہی آپ ﷺ کے زمانہ کے بہت کفار ایمان لانے والے نہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ لوگ خود اسلام۔ قرآن آپ ﷺ کے فرمان بدلوانے کی فکر میں ہیں ان کے مومن ہونے کی کیا امید ہے مگر چونکہ آپ ﷺ دنیا میں آچکے ہیں اس لئے ان پر ظاہری عذاب نہیں آتا۔

**شان نزول**: ایک بار مکہ معظمہ میں پانچ کافر حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عبداللہ ابن امیہ مخزومی۔ ولید بن مغیرہ۔ مکرز ابن حفص۔ عمرو ابن عبداللہ ابن ابی قیس عامری۔ عاص ابن عامر ابن ہشام۔ اور بولے حضور ﷺ اگر آپ

ﷺ ہماری ایک بات مان لیں تو ہم آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ ﷺ کی ساری مانیں گے۔ فرمایا وہ کیا بات ہی بولے یہ موجودہ قرآن یا تو بالکل ختم کردیں یا اس کی جگہ کوئی دوسرا قرآن لائیں جس میں ہمارے بتوں کی برائی نہ ہو تعریف ہو۔ ہم کو ان کی عبادت کی صاف اجازت ہو وغیرہ اور یا اس قرآن میں ہماری مرضی کے مطابق کچھ ترمیم کردیں کہ بتوں کی برائی کفار پر عتاب کی آیتیں اس میں سے نکال دیں تب ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر روح المعانی۔ تفسیر کبیر۔ تفسیر خازن وغیرہ)

تفسیر: واذا تتلی علیھم ایاتنا بینت۔ چونکہ یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اذا شرط تلاوت فرمانے والے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ علیھم کی ضمیر کفار مکہ کی طرف ہے آیات سے مراد قرآن مجید کی آیتیں ہیں جن کا تعلق عقائد اسلامیہ سے ہے کیونکہ ہجرت سے پہلے اسلامی احکام کی آیات نہیں آئی تھیں۔ بینت سے مراد واضح الدلایت آیتیں جو اسلام کی حقانیت شرک وکفر کے تردید۔ قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت واضح طور پر بتاتی ہیں کہ ہجرت سے پہلے اس قسم کی آیات آئی تھیں قال الذین لا یرجون لقاءنا یہ عبارت اذا کی جزا ہے۔ الذین (الخ) سے وہی پانچ کافر مراد ہیں جنہوں نے تبدیلی قرآن کا مطالبہ کیا تھا۔ جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد سارے کفار مکہ ہوں کہ یہ پانچ آدمی ان سب کے نمائندہ بن کر آئے تھے ان کا قول ان تمام کا قول تھا۔ لا یرجون (الخ) فرما کر یہ بتایا کہ ان بدنصیبوں کو یہ کہنے کی جرأت اس لئے ہوئی کہ انہیں قیامت قائم ہونے رب کی بارگاہ میں پیش ہونے وہاں کے حساب و کتاب کا نہ یقین تھا نہ امید نہ خوف لہذا یہاں رجاء سے مراد یا یقین ہے یا خوف یا امید بہر حال وہ قیامت کے منکر تھے۔ اس لئے انہیں یہ کہنے کی جرأت ہوئی ان وجوہ سے ان کے لئے ضمیر نہ لائی گئی بلکہ اتنی دراز عبارت الذین لا یرجون لقاءنا ارشاد ہوئی ائت بقرآن غیر ھذا او بدلہ۔ یہ عبارت قال کا مفعول ہے آیت میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس میں انہوں نے دو مطالبہ کئے ایک یہ کہ قرآن جو آپ ﷺ لوگوں کو سناتے ہیں اسے بالکل ختم کردیں کہ اس کی نہ عبارت رہے نہ ترتیب نہ عقائد۔ وغیرہ اس کی جگہ دوسرا قرآن رب کے پاس سے لایئے جس میں شرک و بت پرستی کی اجازت ہمارے بتوں کی تعریف ہمیں بدعملیوں کی کھلی اجازت ہو۔ دوسرے یہ کہ اگر آپ ﷺ کو یہ مطالبہ منظور نہ ہو تو قرآن مجید اس کی عبارت یہ ہی رہے مگر اس میں ترمیم کردی جائے کہ بتوں کی تذلیل کی آیتوں کی بجائے ان کی تعظیم کی بت پرستی کی تردید کی بجائے اس کی تائید کی آیتیں ہوں یعنی تبدیلی سے مراد تغیر ہے کہ یہودیوں عیسائیوں کے پادریوں کی طرح آپ ﷺ بھی قرآن میں تحریف کردیں۔

خیال رہے: کہ وہ لوگ یا تو مذاق دل لگی کے طور پر یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید کوئی اہم کتاب نہیں جیسا چاہا اسے بنالیا جس طرح چاہا اس میں ترمیم کردی۔ یا ان کا مقصد یہ تھا کہ ہم اولاً حضور انور ﷺ سے یہ کام کرالیں پھر شور مچادیں کہ دیکھو لو قرآن خدائی کتاب نہیں جیسا ہم نے چاہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بنوالیا یا مقصد یہ تھا کہ قرآن مجید نے ہم کو للکارا ہے اگر تم قرآن کو انسانی کتاب کہتے ہو تو ایک چھوٹی سی سورت اس جیسی بنالاؤ تو وہ بولے کہ اچھا ہم تو اس جیسی کوئی سورت نہیں

بنا سکتے یا رسول اللہ آپ ﷺ جب یہ سورتیں آیتیں بناتے رہتے ہیں تو ترمیم تبدیلی بھی کر دیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ ان مردوں کا مقصد یہ نہ تھا کہ آپ رب سے دعا کر کے اس کے بعض احکام بدلوا دیں۔ بعض آیات منسوخ کرا دیں یا آپ خود اپنے فرمان سے بحکم الٰہی بعض آیات بعض احکام منسوخ کر دیں کیونکہ ابھی تک قرآن مجید کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ہجرت ہوا ہے یہ بات خوب خیال میں رہے لہذا اس آیت سے نہ تو مرزائی دلیل پکڑ سکتے ہیں کہ قرآن کی کوئی آیت کوئی حکم منسوخ نہیں نہ دیوبندی وہابی کہ حضور انور ﷺ کو رب کی طرف سے کسی قسم کا اختیار نہیں۔ حضور انور ﷺ رب کی طرف سے مختار مطلق ہیں۔ آپ ﷺ کی مرضی پر احکام قرآنیہ منسوخ ہوئے ہیں جیسے تبدیلی قبلہ اور بہت سے احکام قرآنیہ حدیث شریف سے منسوخ ہوئے اس کی تفصیل ہم تیسرے پارہ میں ما ننسخ من اية او ننسها کی تفسیر میں کر چکے ہیں غرضکہ نسخ احکام نسخ آیات اور چیز ہے اور ان مردودوں کا مطالبہ کچھ اور قل مايكون لى ان ابدله من تلقاء نفسى۔ یہ فرمان عالی ان کے مطالبہ کی تردید ہے انہوں نے دو مطالبہ کئے تردید ایک کی گئی یعنی میں اپنی طرف سے قرآن مجید میں ترمیم نہیں کر سکتا جب یہ نہیں کر سکتا تو پورے قرآن کو کیسے بدل سکتا ہوں ادنیٰ کی نفی سے اعلیٰ کی نفی خود بخود ہو گئی۔ (تفسیر بیضاوی۔ روح البیان وغیرہ) قل میں خطاب حضور انور ﷺ سے ہے اور روئے سخن انہیں کفار سے یعنی اے محبوب آپ ﷺ ان کفار سے یہ فرما دو۔ یہ کلام مسلمانوں سے کرنے کا نہیں صحابہ کی خواہش پر احکام قرآنیہ منسوخ بھی ہو سکتے ہیں اور آیات قرآنیہ نازل بھی ہو سکتی ہیں۔ دیکھو حضرت عمر کی رائے پر مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے۔ عورتوں پر پردہ واجب ہونے کی آیات آئیں ان کے واقعہ پر رمضان کی راتوں میں بیوی سے صحبت جائز ہوئی حضرت عائشہ صدیقہ کے ہار گم ہو جانے پر تیمم کی آیات آئیں۔ حضرت عبداللہ ابن مکتوم کی عرض پر آیت میں ترمیم کی گئی فرمایا گیا غير اولى الضرر۔ حضرت خولہ بنت ثعلبہ زوجہ اوس ابن صامت کی عرض پر ظہار کی آیت آئی۔ یعنی طلاق کے الفاظ کو ظہار بنا دیا گیا۔ قد سمع الله قول التى تجادلك (الخ) وغیرہ فقیر کی وہ تفسیر خیال میں رہے مایکون لی۔ قل کا مقولہ ہے یکون کی خبر محذوف یا لائقا پوشیدہ ہے۔ یعنی یہ کام مجھ سے ممکن نہیں یا یہ کام میرے لائق نہیں مجھ سے اس کی امید نہ رکھو کہ تمہارے مطالبہ پر یہ کام ہو۔ ابدله من تلقاء نفسى یہ مایکون کا اسم ہے ہ کا مرجع قرآن مجید ہے۔ تلقاء کے معنی ہیں۔ جہت یا عند پاس۔ یا طرف۔ عربی زبان میں صرف دو مصدر ایسے ہی ہیں جن کے اول میں ت مکسورہ ہے تلقاء اور تبیان (روح المعانی) من تلقاء نفسى فرما کر اشارۃً بتایا کہ میں اپنی رائے اپنی طرف سے نہیں بدل سکتا ہاں بعض احکام رب تعالیٰ سے عرض کر کے بدلوا سکتا ہوں۔ جیسے قبلہ کی تبدیلی اور بعض احکام بذریعہ وحی خفی اور الہام بحکم پروردگار خود بھی بدل سکتا ہوں۔ جیسے غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کی حرمت کا حکم کہ قرآن مجید میں اس کا ثبوت ہے حضور انور ﷺ نے اسے حرام فرمایا ان اتبع الا يوحى الى یہ فرمان عالی مایکون لی ان ابدله کی وجہ بیان فرما رہا ہے یعنی اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نہ تو اپنی ذاتی رائے کی پیروی کرتا ہوں نہ کسی اور کی رائے کی بلکہ اس کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھ پر وحی ہوتی ہے۔

**خیال رہے:** کہ یہاں اتبع القران نہیں فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد فرمائی مايوحى الى۔ کیونکہ حضور انور ﷺ

کا کشف الہام۔ خواب وغیرہ بھی وحی الہی ہے۔ حضور انور ﷺ اس سب پر عمل فرماتے ہیں اور ہم سے عمل کراتے ہیں بلکہ اگر صحابہ کوئی خواب دیکھیں اور حضور انور ﷺ اس کی تصدیق فرما دیں وہ بھی ایک طرح کی وحی ہے جو حضور ﷺ پر ہوتی ہے جیسے اسلامی اذان انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم ۔ یہ فرمان عالی وجہ ہے ان اتبع (الخ) کی یعنی میں صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں۔ اس لئے میرے دل میں اللہ تعالیٰ اس کے عذاب اور قیامت کے دن کا خوف اس فرمان عالی میں تین اشارے ہیں ایک یہ کہ جب میں سید الانبیاء ہو کر رب سے خوف کرتا ہوں کہ اس کی نافرمانی سے عذاب کا خطرہ مجھ کو بھی ہے تو تم کو یہ تو فضائل نہیں دیئے گئے تم بھی رب سے ڈرو۔ اس کی نافرمانی پر عذاب کا خطرہ محسوس کرو۔ دوسرے یہ کہ جب قرآن مجید کی آیتیں تبدیل کرنے پر عذاب کا خطرہ ہے تو اس کا مطالبہ کرنے پر بھی عذاب کا خطرہ ہے۔ کیونکہ برائی کرنا کرانا برائی کا مطالبہ کرنا سب جرم ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر میں قرآن مجید تمہارے مطالبہ کے مطابق بدلوں تو سارے جہان پر عذاب آنے کا خطرہ ہے کہ میں دنیا کو عذاب سے بچانے آیا ہوں اگر بچانے والا خود مصیبت میں پڑ جاوے تو دوسرے ضرور پڑیں گے۔ اگر جہاز کا کپتان ہی ہلاک ہو جاوے تو جہاز کی غرقابی یقینی ہے۔ اس لئے عذاب یوم عظیم مطلق رکھا یہ نہ کہا کہ مجھ کو اپنے عذاب کا خوف ہے۔ بہر حال اس فرمان میں بہت اشارات ہیں۔

**خیال رہے:** کہ اس فرمان میں ناممکن کو ناممکن پر معلق کیا گیا نہ تو حضور انور ﷺ رب تعالیٰ کی نافرمانی کر سکتے ہیں نہ اس بنا پر عذاب آ سکتا ہے حضور ﷺ کی نگاہ کرم جس پر ہو جاوے وہ گناہ اور عذاب سے بچ جاتا ہے قیامت کو یا تو اس لئے عظیم کہا گیا کہ وہ بہت بڑا دن ہے پچاس ہزار سال کا یا اس لئے کہ اس میں بڑے عظیم الشان کام ہوں گے یا اس لئے کہ اس دن حضور انور ﷺ کی عظیم شان دکھائی جاوے گی۔

**خلاصہ تفسیر:** جب کفار مکہ پر اللہ کی وحدانیت حضور انور ﷺ کی نبوت۔ اسلام و قرآن کی حقانیت بتوں کی بت پرستوں پر عذاب الہی کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں جو کہ ان مذکورہ چیزوں کی روشن دلیلیں ہیں تو وہ لوگ جو نہ قیامت کو مانیں نہ وہاں کے حساب و کتاب سزا و جزا کو حق جانیں وہ نہایت جرأت و بے باکی سے بجائے ایمان لانے کے الٹا آپ ﷺ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر آپ ہم کو مسلمان کرنا چاہتے ہیں تو اس قرآن کو جس میں ہمارے بتوں کی برائی ہے بالکل ختم کر کے رب تعالیٰ کے پاس سے دوسرا قرآن لائیں جو ہمارے لئے قابل قبول ہو اس میں وہ چیزیں ہوں جنہیں ہم پسند کریں۔ بتوں کی حقانیت وغیرہ یا کم از کم اس موجودہ قرآن میں تبدیلی کر دیں۔ علماء یہود و نصاریٰ کی طرح ان کی یہ بکواس ہنسی دل لگی مذاق کے طور پر ہوتی ہے اے محبوب آپ ﷺ انہیں جواب دے دیں کہ دوسرا قرآن لانا تو بڑی بات ہے میرے لئے تو یہ بھی ناممکن ہے قرآنی آیات میں کچھ ترمیم اپنی رائے سے کروں یا اس میں اپنی طرف سے کاٹ چھانٹ کروں قرآن پھیلانے کے لئے آیا ہوں نہ کہ اسے بدلنے کے لئے۔ میں قرآن منوانے کے لئے تشریف لایا ہوں نہ کہ تمہاری ناجائز ماننے کے لئے۔ میں نہ اپنی رائے کی پیروی کرتا ہوں نہ کسی اور کی رائے کی۔ میں صرف وحی الہی کا پیروکار ہوں وحی خواہ قرآن مجید ہو یا میری خواب یا الہام و کشف وغیرہ اگر بفرض محال میں رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بھی قیامت کے عذاب سے خطرہ ہے اور

سارے جہان کو بھی یہ تبدیلی بڑا خطرناک کام ہے یونہی اس کا مطالبہ کرنا بھی خطرناک۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** جن کفار کے ایمان سے مایوسی ہو انہیں بھی قرآن کریم سنایا جاوے انہیں بھی دعوت ایمان دی جاوے اگرچہ وہ ایمان نہ لائیں ہم کو تو تبلیغ کا ثواب ملے گا۔ لا علاج بیمار کا علاج کرنے پر بھی طبیب کو فیس اور دواؤں کی قیمت مل جاتی ہے۔ یہ فائدہ واذا تتلی علیھم سے حاصل ہوا کہ علیھم سے مراد وہ کفار ہیں جو کفر پر مرنے والے ہیں جن کا دوزخی ہونا علم الٰہی میں آ چکا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

**دوسرا فائدہ:** کفار کو پہلے توحید رسالت حشر نشر حساب و کتاب کی آیات ان کے دلائل سنائے جاویں ایمان لانے کے بعد انہیں نماز روزے کی آیات سنائی جاویں یہ فائدہ ایاتنا بینات۔ سے حاصل ہوا کہ آیات سے مراد عقائد کی آیتیں ہیں۔ دیکھو تفسیر۔

**تیسرا فائدہ:** تمام گناہوں بلکہ کفر و شرک کی وجہ قیامت کا انکار رب تعالیٰ سے بے خوفی ہے ساری جرأتیں بے خوفیاں اسی سے پیدا ہوتی ہیں یہ فائدہ الذین یرجون لقاء نا سے حاصل ہوا رب تعالیٰ اپنا خوف دے۔

**چوتھا فائدہ:** اسلامی احکام میں تبدیلی چاہنا انہیں اپنے رائے کے مطابق کرنے کی کوشش کرنا بدترین کفار کا طریقہ۔ قرآن کے سانچہ میں تم ڈھلو قرآن کو اپنے سانچہ میں ڈھالو۔ یہ فائدہ ائت بقرآن غیر ھذا (الخ) سے حاصل ہوا۔ آج یہ بیماری بعض دنیوی پڑھے لکھے کلمہ گویوں میں پیدا ہوگئی ہے کہ ان کے بعض لوگ اسلامی احکام اپنی رائے کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔ جتنے فرقے اسلام میں نکل پڑے ہیں سب کی اصل بنیاد یہ ہی ہے۔ مرزائیت چکڑالویت رفض و خوارج کی اصل بنا یہ ہی بیماری ہے یہ بیماری بڑی پرانی ہے۔

**پانچواں فائدہ:** کسی کی ذاتی رائے سے قرآن مجید نہیں بدل سکتا۔ اگر ساری دنیا کے عاقل کر قرآن مجید کے کسی حکم کے خلاف رائے دیں تو ان کی رائے جھوٹی بلکہ کفر ہے۔ قرآن حکیم سچا پکا نہ بدلنے والا ہے یہ فائدہ ما یکون لی ان ابدلہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ یوں ہی حضور انور ﷺ کے فرمان عالی کسی کی رائے سے نہیں بدل سکتے۔ وہ قرآنی آیات کی طرح اٹل اور انمٹ ہیں۔

**مسئلہ:** حضور انور ﷺ کا کلام قرآن مجید کی آیات کی تلاوت منسوخ نہیں کر سکتا۔ آیت قرآنی منسوخ التلاوت کسی آیت سے ہی ہو سکتی ہے وہ جو ارشاد نبوی ہے کلامی لا ینسخ کلام اللہ۔ اس کا یہ ہی مطلب ہے۔

**مسئلہ:** نسخ کی چار صورتیں ہیں۔ نسخ قرآن قرآن سے۔ نسخ حدیث حدیث سے نسخ قرآن حدیث سے نسخ حدیث قرآن سے اس کی مفصل بحث تیسرے پارہ میں ماننسخ من آیت کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ مع دلائل قوی کے۔

**چھٹا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے مقابلہ میں اپنی رائے اور قرآن کو تبدیل نہیں فرما سکتے۔ یہ فائدہ من تلقاء نفسی سے حاصل ہوا۔ تبدیل اور نسخ میں بڑا فرق ہے خود فرماتے ہیں کلامی لا ینسخ کلام اللہ جو حدیث کسی

آیت کی ناسخ ہے تو وہ حدیث بھی کلام الٰہی وحی الٰہی ہے وہاں وحی سے وحی اور کلام الٰہی سے کلام الٰہی منسوخ ہوتا ہے۔

**ساتواں فائدہ:** حضور انور ﷺ کا اجتہاد، قیاس، الہام۔ خواب شرعی فرمان سب وحی الٰہی ہیں ان سب کی اطاعت ایسے ہی ضروری ہے جیسے قرآن کی اطاعت یہ فائدہ ان اتبع الا ما یوحی الی سے حاصل ہوا۔ نماز و زکوٰۃ کا حکم قرآنی حکم ہے نماز میں پانچ ان کی رکعات۔ زکوٰۃ کی مقدار تفصیلی مسائل حضور انور ﷺ کا الہامی حکم ہے دونوں پر ایمان لاؤ۔

**مسئلہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشوروں پر عمل کرنا واجب نہیں اگر عمل کیا جائے تو اس میں بھلائی ہوگی۔ حکم اور مشورہ کا فرق خیال میں رہے یوں ہی قرآن مجید کے احکام پر عمل ضروری ہے اس کے مشوروں پر عمل واجب نہیں جیسے اے مسلمانو! جب قرض کا لین دین کرو تو لکھ لیا کرو۔ یہ ہے قرآنی مشورہ اس پر عمل واجب نہیں۔ بغیر لکھے قرض دینا بھی جائز ہے یہ فرق خیال میں رہے۔

**آٹھواں فائدہ:** قرآن مجید کی عبارت اس کے اعراب بلکہ طریقہ تلاوت سب رب تعالیٰ کی طرف سے ہے ان میں تبدیلی درست نہیں۔ جو چیز جیسے حضور انور ﷺ سے منقول ہے ویسے ہی استعمال کرو۔ یہ فائدہ بھی ان اتبع الا یوحی الی سے حاصل ہوا۔ لہٰذا قرآن مجید کو اردو۔ ہندی انگریزی رسم الخط میں نہ لکھا جاوے۔ یوں ہی اسے گانے کے طریقہ پر نہ پڑھا جاوے کہ یہ وحی الٰہی کے خلاف ہے۔

**نواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو عذاب کا خوف نہ تھا نہ ہے نہ ہوگا۔ ان کی شان تو بہت اونچی ہے ان کے خدام حضرات اولیاء اللہ کو یہ خوف نہیں الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون یہ فائدہ انی اخاف ان عصیت ربی (الخ) سے حاصل ہوا کہ یہاں خوف عذاب کو نافرمانی رب پر معلق کیا گیا کہ اگر میں رب کی نافرمانی کروں تو مجھے عذاب کا خوف ہو نہ آپ ﷺ نافرمانی کرتے ہیں نہ خوف عذاب ہوتا ہے ہاں ان حضرات کو ہیبت الٰہی ساری مخلوق سے زیادہ ہے۔ جتنا ایمان قوی اتنا خوف بمعنی ہیبت زیادہ ہے۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں کفار مکہ کے دو مطالبے ذکر کئے گئے۔ کوئی دوسرا قرآن لائیے۔ یا اس کو بدل دیجئے ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ قرآن کا بدلنا دوسرا قرآن بنانا ہی تو ہے۔

**جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا از اول تا آخر سارا قرآن ہی دوسرا ہو یہ ہے پہلا مطالبہ یا قرآن یہ ہی رہے مگر جو آیات ہمارے منشا کے خلاف ہیں انہیں ہمارے مطلب کے موافق کر دی جاویں۔ یہ ہے تبدیلی قرآن یعنی تحریف۔

**لطیفہ:** انطاکیہ کا ایک شخص حضرت عمر کی خدمت میں آ کر بولا کہ قرآن کریم نے ہم لوگوں کو بدنام کر دیا کہ فرمایا فابوا ان یضیفوھما انطاکیہ والوں نے حضرت خضر و موسیٰ علیہما السلام کو مہمان بنانے سے انکار کر دیا۔ اس سے ہمارا بخل کنجوسی دنیا میں مشہور ہو گیا۔ براہ مہربانی آپ ابو کی ب کا نقطہ اوپر لگا دیں۔ جس سے اتو بن جاوے اور معنی یہ ہو جاویں کہ انطاکیہ والے ان دونوں کی مہمانی کا کھانا لائے یا انہیں مہمان بنانے کے لئے ان کے پاس آئے۔ اس شخص کو دربار فاروقی سے دھتکار دیا گیا یہ ہے تبدیلی قرآن۔

**دوسرا اعتراض:** اہل مکہ نے حضور انور ﷺ سے دو مطالبے کئے دوسرا قرآن لانا۔ یہ ہی قرآن بدلنا ہے مگر ان کے ایک مطالبہ کی تردید کی گئی کہ میں قرآن بدل نہیں سکتا۔ دوسرے مطالبہ کی تردید کیوں نہ فرمائی گئی۔

**جواب:** اس تردید سے پہلے مطالبہ کی تردید پر زور طریقہ سے خود بخود ہوگئی کہ جب میں قرآن کی بعض آیات میں ادنیٰ تبدیلی نہیں کر سکتا تو پورے قرآن کو کیسے بدل سکتا ہوں۔

**تیسرا اعتراض:** یہاں من تلقاء نفسی کیوں فرمایا کہ میں اپنی طرف سے نہیں بدل سکتا۔ مطلقاً نہیں بدل سکتا فرمانا کافی ہوتا۔

**جواب:** قرآن کریم کی آیات کی تبدیلی کی بہت صورتیں ہیں بعض تبدیلیاں بالکل ناممکن ہیں جیسے توحید۔ رب کی صفات عقائد اسلامیہ کی آیات گذشتہ آئندہ واقعات کی آیات میں تبدیلی یہ ناممکن ہے کہ اس میں کفر وشرک یا جھوٹ کی اشاعت ہے۔ محکم احکام کی تبدیلی یہ بھی ناممکن ہے۔ رہے دوسرے احکام کی آیات ان کی تبدیلی یا نسخ ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے مگر وہ تبدیلی محض حضور ﷺ کی ذاتی رائے سے نہیں ہوگی۔ بلکہ یا تو حضور انور ﷺ کی خواہش تبدیلی کی ہو تو رب تعالیٰ آپ ﷺ کی خواہش پر خود حکم بدل دے۔ جیسے تبدیلی قبلہ یا کسی صحابی کی عرض ومعروض پر رب خود بدل دے۔ جیسے اولاً ارشاد ہوا کہ تمہارے ہر کھلے چھپے ظاہری یا باطنی حتی کہ ارادے خیال کا بھی حساب ہوگا یحاسبکم به الله حضرات صحابہ نے عرض کیا کہ خیالات تو قبضہ سے باہر ہیں اگر ان کا حساب ہوا تو بڑی مشکل بنے گی۔ اس عرض پر رب نے اس قانون کو یوں بدلا لا یکلف الله نفسا الا وسعها رب تعالیٰ کسی کو طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا یعنی صرف خیال اور وسوسہ کا حساب نہ ہوگا۔ یوں ہی آیت کریمہ آئی کہ جہاد میں جانے والے اور جہاد سے رہ جانے والے برابر نہیں تو حضرت ابن مکتوم نے عرض کیا حضور ﷺ میں تو نابینا ہوں میں جہاد میں کیونکر جاؤں۔ ان کی اس عرض پر یوں تبدیلی ہوئی غیر اولی الضرر۔ بہرحال خود (ذاتی) رائے سے تبدیلی نہیں اگر ہے تو وحی خفی سے ہے۔

**چوتھا اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ کفار نے قرآن مجید میں ترمیم کا مطالبہ کیا تو معذرت فرمائی بلکہ سختی سے انکار کر دیا۔ اور اس مطالبہ کو کفر قرار دیا۔ مگر حضرات صحابہ کی عرض پر یا ان کے پیش آئے ہوئے واقعات پر قرآن مجید میں نسخ ترمیم وغیرہ کی گئی حتی کہ بعض آیات احادیث سے منسوخ ہوئیں اس فرق کی کیا وجہ ہے۔

**جواب:** کفار کے یہ مطالبات بد نیتی، مذاق، ہنسی دل لگی پر مبنی تھے۔ حضرات صحابہ کی عرض معروض اخلاص سے ہوا کرتی تھیں۔ نیز کفار اصول دینی بدل دینے کا مطالبہ کرتے تھے۔ حضرات صحابہ میں یہ بات نہ تھی اس وجہ سے یہ فرق ہوا۔ دیکھو کفار نے مطالبہ کیا کہ زمین مکہ میں پانی کے چشمے باغات لگا دینے کا معجزہ دکھایئے تو فرمادیا گیا ہل کنت الا بشرا رسولا۔ مگر ایک جنگل میں صحابہ پیاسے ہوئے تو ان کے لئے انگلیوں سے چشمے بہادیئے ایک پیالہ پانی سے سارا لشکر سیر کر دیا۔ یہ معجزہ ان کے مطالبہ سے زیادہ عجیب تھا کہ زمین سے پانی کے چشمے نکلا ہی کرتے ہیں مگر انگلیوں سے پانی کا چشمہ رواں ہونا بہت عجیب ہے۔

**پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف قرآن مجید کی اتباع کرتے ہیں۔ نہ حدیث کی نہ اجماع امت کی نہ قیاس کی ان اتبع الا ما یوحی الی تو ہم کو بھی چاہئے کہ قرآن مجید کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز کی اتباع نہ کریں (چکڑالوی اور بعض غیر مقلد)

**جواب:** قرآن مجید حدیث شریف حضور انور ﷺ کا اجتہاد و قیاس بلکہ حضور ﷺ کے خواب بلکہ صحابہ کے وہ خواب جن کی حضور ﷺ تصدیق و تائید فرما دیں سب حضور ﷺ کی وحی الٰہی ہیں ان سب کی اتباع وحی الٰہی کی اتباع ہے اس لئے یہاں القرآن نہ فرمایا بلکہ ما یوحی الی فرمایا۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔

**تفسیر صوفیانہ:** کفار کے دل مردہ تھے اور نفس زندہ اس لئے ان کے دلوں میں نہ ذوق تھا نہ شوق۔ کیونکہ ذوق اور شوق زندہ دلوں میں ہوتے ہیں اس لئے وہ لوگ قرآن مجید کی وہ آیتیں ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے جو ان کے نفس کے خلاف تھیں اس لئے وہ مطالبہ کر بیٹھے کہ یا رسول اللہ آپ ﷺ وہ آیات بدل کر ہمارے نفس کی خواہش کے مطابق کر دیں تو ہم ایمان لائیں جیسے چہرے کی بعض علامات اندرونی بیماری کا پتہ دیتی ہے ایسے ہی بعض مطالبات دلی بیماری کی نشاندہی کرتے ہیں حضور انور ﷺ سے جواب حکیمانہ دلوایا گیا جس میں حضور کا اپنا ذکر ہے کہ میں یہ نہیں کر سکتا اگر کروں تو سخت عذاب کا خطرہ ہے مگر اس جواب میں ان کا حال بتا دیا گیا کہ تم نے ایسے مطالبے کئے ان سے تم سخت عذاب کے مستحق ہو گئے۔ زندہ دل صحابہ کرام نے نیک نیتی سے اگر کبھی ایسا سوال کیا تو رب نے پورا کیا۔ شوق و ذوق کا سوال پورا کیا جاتا ہے بدنیتی کا سوال رد ہوتا ہے شوق وہ نعمت ہے جو مشکل تر کاموں کو بھی آسان کر دیتا ہے (از تفسیر روح البیان) حضور انور ﷺ کا نفس فنا ہو چکا تھا۔ قلب ہی قلب تھا۔ اس لئے فرمایا گیا کہ میں اپنے نفس سے کچھ تبدیلی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میرے پاس نفس ہے ہی نہیں لہٰذا میرا ہر کام جنانی (دلی) اور وحی ربانی سے ہوتا ہے۔

| قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَ لَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ﳲ |
|---|
| فرماؤ اگر چاہتا اللہ تو میں نہ تلاوت کرتا اسے تم پر اور نہ مطلع کرتا تم کو اس پر |
| تم فرماؤ اگر اللہ چاہتا تو میں اسے تم پر نہ پڑھتا نہ وہ تم کو اس سے خبردار کرتا |
| فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۱۶) |
| پس بیشک ٹھہرا میں تم میں عمر بھر پہلے سے اس سے کیا پس تم عقل نہیں رکھتے |
| تو میں اس سے پہلے تم میں اپنی ایک عمر گزار چکا ہوں تو کیا تمہیں عقل نہیں |
| فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ |
| پس کون ہے بڑا ظالم اس سے جو گھڑ لے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلائے آیتیں اس |
| تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتیں جھٹلائے |

بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

| کی | تحقیق | نہیں | کامیاب | ہوتے | جرم | والے |
|---|---|---|---|---|---|---|
| بے | شک | مجرموں | کا | بھلا | نہ | ہوگا |

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار کے اس مطالبہ کی تردید فرمائی گئی کہ آپ ﷺ دوسرا قرآن لائیں یا اس قرآن میں ترمیم رو و بدل فرمادیں اب ارشاد ہے کہ میرا یہ قرآن مجید بھی تم کو سنانا اپنے رائے سے نہیں صرف رب تعالیٰ کے حکم سے ہے اگر وہ نہ چاہتا تو میں یہ قرآن مجید نہ سناتا گویا ان کے مطالبہ کی ایک تردید کے بعد دوسری اعلیٰ درجہ کی تردید فرمائی جارہی ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت ارشاد ہوا کہ میں صرف وحی الٰہی کی پیروی کرتا ہوں اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ میرا تم کو یہ قرآن سنانا اس کی طرف دعوت دینا یہ بھی وحی الٰہی سے ہے اگر اس کی وحی نہ ہوتی تو قرآن صرف میرے پاس رہتا۔ تم کو نہ سنایا جاتا گویا دعوے کے بعد اس کی دلیل کا ذکر ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ میں قرآن مجید اپنی طرف سے نہیں بدل سکتا۔ من تلقاء نفسی اب ارشاد ہورہا ہے کہ اپنے نفس کی طرف سے نہیں بدل سکتا۔ کیونکہ نفس کی طرف سے وہ بدلے جس کا نفس باقی ہو میں اور میرا نفس فنا فی اللہ کے درجہ میں ہے کہ نہ میں ہوں نہ میرا نفس ہے۔ سب کچھ رضاء الٰہی میں راضی اسی کی فانی کا جو کام ہے وہ باقی کا ہے میرا موجودہ قرآن تمہیں سنانا رب کی طرف سے ہے۔

**تفسیر:** قل لو شاء اللہ ماتلوتہ علیکم ۔ اس فرمان عالی میں تلوتہ کی ضمیر قرآن مجید کی طرف ہے اور علیکم میں خطاب یا عام کفار سے ہے یا مذکورہ مطالبہ کرنے والے کفار سے اس میں انہیں کو قرآن سنانے بتانے کی نفی ہے نہ کہ اپنے تلاوت کرنے یا اپنی قرآن دانی کی۔ یعنی اے محبوب آپ ﷺ ان مطالبہ والے کفار سے فرمادو کہ اگر رب چاہتا کہ میں اسرار قرآن کی طرح الفاظ قرآن بھی تم سے چھپاؤں صرف میں اکیلے میں یا مسلمانوں کے سامنے تلاوت کروں تو میں قرآن کسی کافر کو نہ سناتا یا تو صرف میں ہی پڑھتا یا صرف مسلمان کو ہی سناتا۔ چونکہ رب کا ارادہ ہے کہ الفاظ قرآن سورج کی شعاعوں کی طرح سارے مومنین کافرین تک پہنچائے جائیں اس لئے میں تم کو سناتا ہوں اور اس کی تلاوت علانیہ کرتا ہوں۔ اس فرمان کا منشاء نہیں کہ اگر رب چاہتا تو مجھے نبی نہ بناتا مجھے قرآن نہ سناتا نہ سکھاتا میں تو پہلے خود ہی بے علم تھا۔ مجھے جبریل نے قرآن سکھایا۔ یہ مطلب ما تلوتہ علیکم ۔ کے بالکل خلاف ہے۔ الفاظ قرآن کو رب نے سورج کی شعاعیں بنایا ہے اور حضور انور ﷺ کو سچا چمکتا دمکتا سورج۔ سورج سے شعاعیں نکل کر زمین کے چپے چپے پر پھیلتی ہیں اس زبان پاک سے قرآنی آیات نکل کر ہر دل و دماغ کان میں پہنچے ماننا نہ ماننا اس کا اپنا کام ہے غرضکہ الفاظ قرآن سمندر کے موتیوں کی طرح چھپانے کے لئے نہیں ہیں۔ پہنچانے اور پھیلانے کے لئے ہیں ولا ادراکم بہ یہ عبارت معطوف ہے ما تلوتہ علیکم پر

ہماری قرآت ادریٰ ماضی واحد غائب ہے اور اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے کم میں خطاب انہیں کفار سے ہے بہ میں ب یا زائدہ ہے یا سببیہ ہ سے مراد قرآن مجید ہے ادریٰ ادراء سے ہے اور درایۃ سے بمعنی بتایا۔ سکھانا۔ یعنی اور نہ اللہ تعالیٰ کو قرآن کریم کا مطلب سکھاتا یا نہ اللہ تعالیٰ میری تلاوت کے ذریعہ تم کو قرآنی مطلب بتاتا۔ خیال رہے کہ یہاں بتانے سکھانے سے مراد حضور انور ﷺ کے واسطہ سے بتانا سکھانا ہے نہ کہ بلاواسطہ حضور ﷺ کے بغیر واسطہ کسی کو قرآن مجید کی کوئی نعمت نہیں ملتی نہ فرمان اور نہ فیضان ایک قرآۃ میں ادریٰ مضارع واحد متکلم ہے دری سے بنا۔ بمعنی دشمن بنالینا۔ یعنی اور نہ میں قرآن کریم کے ذریعہ تم کو اپنا دشمن بنالیتا۔ کیونکہ نزول قرآن سے پہلے تم میرے بڑے معتقد تھے مجھے صادق الوعد امین کے خطاب دیتے تھے۔ نزول قرآن کی وجہ سے تم میرے دشمن بنے۔ اگر رب کا ارادہ نہ ہوتا تو میں تم کو دشمن نہ بناتا۔ (روح المعانی۔ کبیر وغیرہ) فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ۔ اس فرمان عالی میں ف علت بیان کرنے کے لئے ہے اور یہ عبارت پچھلے مضمون کی دلیل ہے لبثت بنا ہے لبثت سے بمعنی قیام کرنا۔ ٹھہرنا کہیں باہر سے آنا نہ کبھی باہر جاکر غائب رہنا۔ فیکم میں خطاب کفار مکہ خصوصا ان مطالبہ والوں سے ہے عمراً بمعنی دراز مدت ہے یا عمر شریف کا بڑا حصہ ایک قرآۃ میں عمراً [illegible] ہے اس مدت سے مراد وہ چالیس سال کا زمانہ جو حضور انور ﷺ نے ظہور نبوت سے پہلے مکہ معظمہ میں گزارا جب کہ آپ ﷺ نے انہیں نہ قرآن سنایا نہ انہیں اسلام کی تبلیغ قولی فرمائی۔

خیال رہے: کہ عمر شریف تریسٹھ سال ہوئی۔ نبوت سے پہلے چالیس سال اور ظہور نبوت کے بعد تیرہ سال یعنی ترپن سال مکہ معظمہ میں قیام فرمایا اور دس سال بعد ہجرت یعنی اے مکہ والو میں نے ظہور نبوت سے عمر شریف کا بڑا حصہ چالیس سال تم میں اس طرح گزارا کہ اس دوران میں مکہ معظمہ سے باہر کہیں قیام پذیر نہ رہا تاکہ تم کہتے کہ آپ ﷺ باہر جاکر علم سیکھ آئے خود مکہ معظمہ میں نہ کسی سے پڑھا نہ کسی سے کچھ سیکھا۔ نہ علماء کی صحبت اختیار کی۔ کیونکہ مکہ میں کوئی تھا ہی نہیں۔ اس مدت میں میں نے نہ کوئی آیت تم کو سنائی نہ تمہیں اسلام قبول کرنے اپنا امتی ہونے کا حکم دیا۔ اگر میں اپنی طرف سے تم کو قرآن سناتا تو اس دراز زمانہ میں سناتا۔ افلا تعقلون تم لوگ میرے ان حالات میں غور کیوں نہیں کرتے۔ تم بے عقل کیوں ہوگئے۔ غور کیوں نہیں کرتے۔ شعر۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست  کتب خانہ چند ملت بہ شست

کہ حضرت عبداللہ کے یتیم جنہیں کسی عالم کی صحبت نہ ملی چالیس سال تک خاموش رہیں پھر اچانک ایسا فصیح و بلیغ غیب کی خبریں دینے والا قرآن سنانے لگیں۔ جس کے مقابلہ سے روئے زمین کے فصحاء یکدم عاجز ہوگئے۔ شعر۔

تیرے آگے یوں ہی دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے  کہے کوئی منہ میں زبان نہیں نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

میرے ان صفات میں غور کرو اور قرآن مجید کو کلام الٰہی مان لو۔

فمن اظلم ممن افترى على الله كذبا۔ اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا کہ غور کرو میں نے ان چالیس سال میں کوئی برا کام نہیں کیا۔ حتی کہ بتوں کے نام کا ذبیحہ بھی نہ کھایا۔ ایسا پاک باز جو عمر بھر کبھی جھوٹ نہ بولے۔ کھیل

تماشہ نہ دیکھے جو سراپا صدق وعدل ہو وہ اچانک سب سے بڑا گناہ کرنے لگے کہ اللہ پر جھوٹ باندھے اور آیات گڑھ کر انہیں رب تعالیٰ کا کلام کہے کیا اب ایسا پاکباز اتنا بڑا گناہ کرسکتا ہے سوچو اور غور کرو۔ او کذب بایاتہ۔ یہ عبارت معطوف ہے افتری علی اللہ پر اور اس میں کفار مکہ پر عتاب ہے کہ جیسے خدا پر جھوٹ باندھنا پرلے درجہ کا گناہ ہے ایسے ہی خدا تعالیٰ کی سچی آیتوں کو جھٹلانا پرلے درجے کا جرم ہے انہ لا یفلح المجرمون اس میں ایک غیبی خبر ہے جس سے حضور انور ﷺ کی سچائی کفار کے جھوٹے ہونے کی خبر ہے یعنی ایسے جھوٹے مجرم کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ اگلا زمانہ بتادے گا رب تعالیٰ دکھا دے گا کہ تم کامیاب رہو گے اور ایسا ہی ہوا جس کا ظہور آج خصوصاً سرزمین حجاز ہو رہا ہے۔

**خلاصہ تفسیر:** اے غلط مطالبہ کرنے والو تم مجھ سے کہتے ہو کہ دوسرا قرآن لاؤ یا اس قرآن میں ترمیم کردو۔ میری شان یہ ہے کہ میں تم کو یہ قرآن بھی رب تعالیٰ کے حکم سے سناتا ہتاتا یہ میرا رب میرے ذریعہ تم کو اس کے مضامین بتاتا اس کے ظاہرہ باطل کی تبلیغ میں اسی رب کے ارادے رب کے حکم سے کر رہا ہوں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ نبوت سے پہلے میں نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ یعنی چالیس سال تم میں رہ کر اس طرح گزارے ہیں کہ کبھی نہ تو مکہ معظمہ سے باہر رہا نہ خود کو مکہ معظمہ میں کسی عالم کی صحبت اختیار کی نہ میں نے تم کو قرآن سنایا نہ اسلام کی طرف بلایا۔ اگر مجھے جھوٹا قرآن گڑھنے کی عادت ہوتی تو اس دراز مدت میں کیوں نہ گڑھا کرتا اور تمہیں کیوں نہ سنایا کرتا۔ میرے حالات میں غور کیوں نہیں کرتے کچھ سمجھتے کیوں نہیں۔ جو ذات چالیس سال تک ایک آیت نہ سنائے پھر اچانک ایسا فصیح وبلیغ قرآن لائے اور اس سے پہلے کبھی اس نے جھوٹ نہ بولا ہو وہ رب پر کیسے بہتان باندھ سکتا ہے یہ تو میں نے اپنے متعلق گذشتہ زمانہ کے متعلق کہا۔ آئندہ کے لئے خیال رکھو کہ رب تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والا بھی کامیاب نہیں ہوا کرتا اور رب کی آیات کو جھٹلانے والا بھی یہ لوگ ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ مجرم ہیں اور مجرم ناکام۔ اگلا وقت بتادے گا کہ میں ناکام رہتا ہوں یا تم انشاء اللہ میرا سورج چڑھتا رہے تم ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھتے رہو گے۔

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول ہر فعل رب تعالیٰ کی طرف سے ہے حتی کہ قرآن پڑھنا پڑھانا لوگوں کو سنانا انہیں اسلام کی طرف دعوت دینا سب رب کی طرف سے ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اعمال واقوال اور اٹھنا بیٹھنا سب کچھ تبلیغ ہے یہ فائدہ لو شاء اللہ ماتلوته (الخ) سے حاصل ہوا۔

**دوسرا فائدہ:** منشاء الٰہی یہ ہے کہ ہر کافر مومن متقی وفاجر کو قرآن مجید سناؤ۔ رب کے احکام پہنچاؤ۔ حتی کہ اگر کسی کے کفر پر مرنے کا ارادہ الٰہی ہو چکا ہو اس کا ایمان ناممکن ہو۔ اسے بھی تبلیغ کرو یہ فائدہ علیکم فرمانے سے حاصل ہوا کہ علیکم میں خطاب ان مطالبہ کرنے والے کفار سے ہے جو کافر مرنے والے تھے۔

**تیسرا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہور نبوت سے پہلے احکام قرآنی سے خبردار بلکہ خود ان پر عامل تھے۔ ظہور نبوت اور نزول قرآن سے تبلیغ شروع فرمائی نہ کہ اپنا عمل اس لئے حضور ﷺ نے کبھی کوئی وہ کام نہیں کیا جو آگے چل کر اسلام میں حرام

ہونے والا تھا۔ اور عرب میں اس کا عام رواج تھا۔ جیسے جوا شراب گانا بجانا وغیرہ۔ حتی کہ مردار اور حرام جانور کھانا۔ بتوں کی تعظیم وغیرہ اور حضور ﷺ پہلے سے ہی رب کے عابد، نمازی، معتکف تھے۔ حتی کہ پہلے وحی آنے پر حضور ﷺ چھ ماہ پہلے سے اعتکاف اور چلے کشی میں تھے۔ یہ فائدہ فقد لبثت فیکم عمراً من قبله سے حاصل ہوا۔

**چوتھا فائدہ:** حضور انور ﷺ کے اوصاف جمیلہ میں غور کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ بلکہ عبادات کی جان۔ شعر۔

تیرے رستہ میں مرنا شہادت اس کو کہتے ہیں — تیرے کوچہ میں ہونا دفن اس کو کہتے ہیں
ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا — تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں
تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا — حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں

یہ فائدہ افلا تعقلون سے حاصل ہوا۔

**پانچواں فائدہ:** بعض نبیوں کی نبوت کتاب اللہ سے ثابت ہوئی۔ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام اس لئے نبی مانے گئے کہ وہ توریت و انجیل او معجزات والے تھے خود فرمایا انی عبد الله اتانی الکتاب و جعلنی نبیا۔ مگر قرآن کریم کی حقانیت اس کا کتاب الٰہی ہونا عام لوگوں کو حضور انور ﷺ کے ذریعہ معلوم ہوا۔ ہم جیسے بے علم لوگ یوں کہتے ہیں کہ قرآن اس لئے کتاب اللہ ہے کہ وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ کتاب اللہ ہے یہ فائدہ بھی فقد لبثت فیکم سے اشارۃً حاصل ہوا۔ بہت کم وہ صحابہ ہیں جنہوں نے قرآن سے حضور کو پہچانا۔ جیسے حضرت عمر یا عمرو ابن عاص عام صحابہ اور عام مسلمان وہ ہیں جو انہیں دیکھ کر ان کا نام سن کر ایمان لائے پھر قرآن سے واقف ہوئے۔

جس نے دیکھا مر ہی گیا تیرہ چہرہ انور ہے اعجاز
صلی اللہ علیہم وسلم مالک عجم و عرب و حجاز

اسی لئے حضور انور ﷺ نے پہلی تبلیغ میں کفار کو پہلے اپنی پہچان کرائی کہ پوچھا کیف انا فیکم اور قرآن نے لوگوں کو رب کا واسطہ دے کر فرمایا کہ حضور ﷺ کے اوصاف میں غور کرو۔ قوموا لله مثنی و فرادی ثم تتفکروا ما به من جنة خدا کے واسطے ایک ایک دو دو غور کرو۔ سوچو کہ ان محبوب میں جنون نہیں۔

**چھٹا فائدہ:** کفار کسی عبادت کے مکلف نہیں ان پر نماز روزہ وغیرہ فرض نہیں مگر حضور انور ﷺ کی ذات گرامی اوصاف حمیدہ عادات کریمہ میں غور کرنے کا انہیں بھی تاکیدی حکم ہے کہ یہ ذریعہ ایمان ہی یہ فائدہ بھی افلا تعقلون سے حاصل ہوا۔ بلکہ انسان کو عقل ہوش و حواس اس لئے ملے ہیں کہ ان سے حضور ﷺ کو پہچانے اور حضور کے ذریعہ رب کو قرآن کو مانے۔

**ساتواں فائدہ:** تجربہ ہے کہ جھوٹا مدعی نبوت کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ اس کا انجام خراب ہی ہوتا ہے یہ فائدہ لایفلح المجرمون سے حاصل ہوا۔ چنانچہ عرب میں مسیلمہ کذاب کا اور ہمارے ملک میں مرزا قادیانی کا عبرتناک انجام سب کو معلوم ہے کہ ہر بات ہر خبر میں جھوٹے ہوئے۔ پھر لعنت و پھٹکار کی موت مر کر جہنم میں پہنچے۔

**آٹھواں فائدہ:** نبی کے دشمن آخر کار ذلیل و خوار ہوتے ہیں ان کے غلام آخر کار سرخ رو ہوتے ہیں یہ فائدہ او کذاب

بایاته سے حاصل ہوا کہ ان کے متعلق ارشاد ہوا انه لایفلح المجرمون مجرم لوگ کامیاب نہیں ہوتے۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں تلاوت قرآن اور درایت قرآن دو چیزوں کا ذکر ہے مگر تلاوت کو نسبت فرمایا گیا حضور انور ﷺ کی طرف ماتلوته علیکم اور درایۃ کو یعنی علم قرآن کو نسبت فرمایا گیا رب تعالیٰ کی طرف ولا ادراکم اس فرق میں بیان کی کیا وجہ ہے۔ دونوں کو ایک ہی طریقہ سے بیان کیوں نہ کیا گیا۔ یہ دونوں صیغہ متکلم کے ہوتے یا دونوں واحد غائب کے۔

**جواب:** رب تعالیٰ اپنے راز خود ہی جانتا ہے یا اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر فرق یہ معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت قرآن ہمیشہ حضور انور کی زبان فیض ترجمان سے ہوتی تھی مگر تعلیم قرآن کبھی زبان شریف سے کبھی رموز واشارات سے کبھی عمل مبارک سے اور کبھی نگاہ کرم سے۔ اس لئے تلاوت کو صراحۃً حضور انور ﷺ کی طرف نسبت کیا گیا اور درایت قرآن یعنی علم قرآن کو رب تعالیٰ کی طرف اگرچہ وہ بھی حضور انور ﷺ کے واسطے سے ہی ہے مگر دونوں واسطوں میں فرق ہے۔

**دوسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہے۔ فقد لبثت فیکم عمراً (الخ) کیا حضور انور ﷺ نے چالیس سال تک بالکل تبلیغ نہیں کی بعض تو حضور انور ﷺ کے بچپن شریف میں ہی آپ پر ایمان لائے جیسے بحیرہ راہب کیا وہ بغیر تبلیغ ایمان لائے اور ورقہ ابن نوفل اعلان نبوت سے پہلے ایمان لائے۔

**جواب:** حضور انور ﷺ کا ہر حال ہر وصف مبلغ ہے۔ ولادت شریف سے ہی آپ ﷺ کی عملی وصفی تبلیغ شروع ہو گئی تھی۔ مگر قولی تبلیغ اور باقاعدہ دعوت اسلام اس آیت کے نزول سے شروع ہوئی۔ وانذر عشیرتک الاقربین یاایها المدثر قم فانذر سے اس حکم کے بعد جو لوگ ایمان لائے وہ شرعی مسلمان۔ اور حضور انور ﷺ کے امتی ہوئے اس سے پہلے کے مومنین کا یہ درجہ نہ تھا اس لئے بحیرہ راہب اور ورقہ بن نوفل صحابی نہیں کہ انہوں نے شرعی ایمان سے حضور انور ﷺ کو بحیثیت نبی نہیں دیکھا اس وجہ سے اول مومنین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت خدیجہ، حضرت علی ہیں۔ بحیرہ یا ورقہ اول مومنین نہیں۔

**تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیات جھٹلائے مگر دوسری آیت سے معلوم ہے کہ بڑا ظالم مشرک ہے ان الشرک لظلم عظیم آیتوں میں تعارض ہے۔

**جواب:** شرک بھی اللہ پر جھوٹ باندھنا اور آیات الٰہیہ کو جھٹلانا ہے وہ خاص ہے یہ عام۔

**تفسیر صوفیانہ:** حضور انور ﷺ کی روحانی تبلیغ عالم ارواح میں ازل سے قائم ہے کہ تمام انبیاء، اولیاء اس عالم میں حضور ﷺ سے سیکھ کر سب کچھ بنے امام بوصیری فرماتے ہیں۔ شعر۔

فانک شمس فضل هم کواکبها　　یظهرون انوارها للناس فی الظلم

حضور ﷺ کمال کے سورج ہیں سارے نبی تارے حضور ﷺ کا فیض لوگوں تک پہنچاتے ہیں عالم اجسام میں حضور ﷺ کی باطنی تبلیغ ولادت پاک سے شروع ہوئی۔ قولی تبلیغ وحی سے شروع ہوئی اور تاقیامت جاری رہے گی۔ علماء، اولیاء

صالحین حضور ﷺ کے آستانہ عالیہ کے چاکر بلکہ آپ ﷺ کے نائب ہو کر حضور ﷺ کی طرف سے تبلیغ کرتے رہیں گے حتیٰ کہ موذن جو پانچ وقت نماز کی طرف مسلمانوں کو بلاتا ہے وہ بلاوا بھی حضور انور ﷺ کا حکم ہے موذن ان کا نائب ہو کر دعوت نماز دیتا ہے۔ جیسے دن اور رات دونوں وقت روشنی سورج ہی کی ہوتی ہے اور ظہر و عصر بھی سورج سے بنتی ہے اور مغرب عشاء فجر بھی سورج ہی کا فیض ہے۔ یوں ہی حضور ﷺ کی ظاہری موجودگی میں بھی حضور ﷺ کے فیض جاری تھے اور تشریف آوری سے پہلے اور پردہ فرمانے کے بعد ابدالآباد تک حضور ﷺ ہی کا فیض رہے گا صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب پر جھوٹ گڑھنے والے نفس کی قید سے ھوی کے حجاب بعد یعنی دوری کے عذاب۔ نفس کے دوزخ سے کبھی رہائی نہیں پا سکتے تین خصلتوں میں نجات ہے۔ وہ اسلام جو ظلم سے خالص ہو۔ حلال غذا، اعمال میں سچائی، اور تین جھوٹ بدترین ہیں۔ جھوٹا خواب بیان کرنا، اپنے نسب میں جھوٹ بولنا یعنی اپنے ماں باپ کو نجھوٹے قرار دینا اور اللہ رسول پر جھوٹ بولنا کہ غلط مسائل ان کی طرف نسبت کرنا۔ قرآن مجید کے احکام سورج کی شعاعوں کی طرح سب میں عام ہیں قرآن کے اسرار سمندر کے موتیوں کی طرح خاص خاص سینوں میں ہیں۔ احکام کے متعلق یہاں ارشاد ہوالو شاء الله ماتلوته (الخ)

| وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ |
|---|
| اور عبادت کرتے وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی جو نہ نقصان دیں ان کو اور نہ نفع دیں |
| اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہیں جو ان کا بھلا نہ کرے اور کہتے ہیں |
| وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ |
| ان کو اور کہتے ہیں کہ یہ چیزیں شفاعت کرنے والی ہیں ہماری نزدیک اللہ کے فرماؤ تم کیا |
| کہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں تم فرماؤ کہ اللہ کو |
| اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ |
| خبر دیتے ہو تم لوگ اللہ کو اس چیز کی جو نہیں جانتا وہ آسمانوں میں اور زمین میں پاک ہے وہ |
| وہ بتاتے ہو جو نہ اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں اسے |
| وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٨﴾ |
| اور بلند تر ہے اس سے جو شرک کرتے ہیں وہ |
| پاکی اور برتری ہے ان کے شرک سے |

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار عرب کی ان بے ادبیوں بے دینوں کا ذکر ہوا جو قرآن کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کرتے ہیں۔ یعنی یہ قرآن ختم ہو جائے دوسرا قرآن آئے یا آپ ﷺ اس قرآن میں ترمیم کریں اب ان کی اس بے ادبی کا ذکر ہے جو وہ ذات باری تعالیٰ کے متعلق کرتے تھے یعنی اس کی عبادت چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرنا انہیں شفیع جاننا تاکہ حضور انور ﷺ کے دل کو تسکین ہو کہ جب یہ بارگاہ الٰہی کے ایسے گستاخ ہیں تو ان سے ہماری گستاخی کیا بعید ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ مجرم کبھی کامیاب نہیں ہوتے ہمیشہ ناکام ہی رہتے ہیں اب اس کا آنکھوں دیکھا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ دیکھو کفار عرب حضور انور ﷺ اور قرآن کریم کے منکر ہیں یہ دونوں آیات الٰہیہ ہیں۔ اس جرم کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ تک نہ پہنچ سکے اس کے متعلق ٹھوکریں ہی کھاتے ہیں کہ نبی کو چھوڑا تو بتوں سے رشتہ جوڑا۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار عرب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں غور نہیں کرتے **فقد لبثت فیکم عمراً**۔ اب ارشاد ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی قدرتوں رحمتوں میں بھی غور نہیں کرتے اس لئے ٹھوکریں کھاتے ہیں رب کی ذات و صفات میں غور یہ ہے کہ حضور ﷺ کی صفات میں غور کیا جاوے۔

**چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے اب اس بڑے ظالم کی نشاندہی کی جا رہی ہے کہ وہ مشرکین ہیں جو کہتے ہیں کہ رب نے بتوں کو ہمارا شفیع بنایا ہے۔

**شان نزول:** ابن ابی حاتم نے حضرت عکرمہ سے روایت کی کہ ایک بار نضر ابن حارث نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا تھا کہ قیامت میں میری شفاعت لات و عزیٰ کریں گے۔ اس کی تردید میں یہ آیت کریمہ اتری۔ (روح المعانی)

**خیال رہے:** کہ لات طائف والوں کا خصوصی بت تھا اور منات عزیٰ ہبل اساف نائلہ مکہ والوں کے خصوصی بت تھے۔ (روح المعانی) سارے مشرکین کہتے تھے کہ بت ہمارے شفیع ہیں اور ان کی شفاعت دھونس کی مانتے تھے۔

**تفسیر:** **ویعبدون من دون اللہ** ۔ یہ فرمان عالی یا تو معطوف ہے۔ **واذا تتلیٰ** (الخ) پر اور واؤ عاطفہ ہے یا یہ دنیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے۔ عبادت کے معنی اس کے اقسام جانی عبادت قربانی مالی عبادت صدقہ و خیرات بدنی عبادت سجدے وغیرہ اور **من دون اللہ** کے بہت سے معانی پہلے بارہا بیان ہو چکے کہ دون کے معنی۔ الگ، دور، کٹا ہوا، مقابل، سواء، علاوہ ہیں جب یہ لفظ عبادت کے ساتھ آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں سواء کہ عبادت اللہ کے سواء کسی کی ہو شرک ہے اور اگر یہ لفظ مدد وغیرہ کے بعد ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں مقابل تاکہ آیت میں تعارض نہ ہو۔ یہاں دون اللہ چونکہ عبادت کے ساتھ ہے لہٰذا یہ اس کے معنی سواء ہیں اور سواء سے مراد مشرکین کے آسمانی یا زمینی بت ہیں آسمانی بتوں میں چاند تارے سورج اور زمینی بتوں میں درخت پانی اور پتھر لکڑی کے تراشے ہوئے بت یا وہ لوگ ہیں جن کے نام کے یہ بت تھے۔ اس میں انبیاء کرام داخل نہیں کیونکہ مشرکین عرب کسی نبی کو نہیں پوجتے تھے نبی کے پجاری عیسائی یا یہود ہیں وہ مکہ معظمہ میں تھے نہیں وہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کو اپنا مورث اعلیٰ تو کہتے تھے ان کی اولاد ہونے پر فخر کرتے تھے مگر انہیں اللہ کے سواء معبود نہیں مانتے تھے اس لئے ارشاد ہے۔ **ما لا یضرھم و لا ینفعھم** ۔ یہ عبارت **یعبدون** کا مفعول ہے ما غیر عاقل چیز کی لئے آتا

ہے چاند سورج تارے اینٹ پتھر درخت وغیرہ۔ ضرر سے مراد عبادت نہ کرنے کا نقصان ہے یعنی سزا اور نفع سے مراد عبادت کرنے کا نفع ہے یعنی ثواب ورنہ چاند سورج وغیرہ یوں ہی لکڑی پتھروں سے بہت نفع لیتے ہیں اور کبھی نقصان بھی۔ بعض روایات میں ہے کہ مکہ معظمہ میں حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کے نام کے بہت بھی تھے۔ جن کے ہاتھوں میں فال کھولنے کے تیر تھے اور ظاہر ہے کہ وہ پتھر اور خود حضرات انبیاء کرام معبودیت کا نفع نقصان نہیں دے سکتے۔ لہٰذا یہ فرمان عالی بالکل بے غبار ہے یہاں تک تو ان مشرکین کی بدعملی کا ذکر ہوا۔ ویقولون ھولاء شفعاء نا عنداللہ۔ یہ عبارت معطوف ہے یعبدون پر اور واؤ عاطفہ ہے یا یہ عبارت یعبدون کے فاعل کا حال ہے اور واؤ حالیہ قول سے مراد یا تو ان کا زبانی قول ہے یا دلی قول یعنی عقیدہ۔ ھولاء سے اشارہ انہیں جھوٹے معبودوں کی طرف ہے۔ شفعاء جمع ہے شفیع کی یعنی سفارشی شفاعت کے معانی اس کے اقسام ہم تیسرے پارے میں آیۃ الکرسی کی تفسیر من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ۔ میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں شفاعت سے مراد دنیاوی کاموں میں شفاعت کرنا ہے۔ کیونکہ عام مشرکین عرب قیامت کے قائل نہ تھے۔ اور ہوسکتا ہے کہ آج ان کا یہ کہنا مسلمانوں پر طعن کے طریقے سے ہو کہ اگر بالفرض قیامت قائم ہو بھی تو ہمارے بت ہماری سفارش کر کے ہمیں خدا کے عذاب سے بچالیں گے ان کی پوجا ہماری نجات کا باعث بن جاوے گی اور ہوسکتا ہے کہ بعض مشرکین قیامت کے قائل ہوں وہ یہ کہتے ہیں۔

**خیال رہے:** کہ عموماً مشرکین صرف بتوں کو پوجتے ہیں رب تعالیٰ کو مطلقاً نہیں پوجتے وہ کہتے تھے اور کہتے ہیں کہ رب کریم اعلیٰ سے اعلیٰ ہے ہم ان سے ادنیٰ ہم اس کی عبادت کے لائق نہیں ہم تو صرف ان معبودوں کی عبادت کریں گے جو بڑے خدا کے بندے بھی ہیں اور اس کے شریک بھی (تفسیر خازن) یہ بھی خیال رہے کہ مشرکین اپنے بتوں کے متعلق دھونس اور دباؤ کی شفاعت مانتے تھے۔ کہ چونکہ ہمارے معبود ہی رب تعالیٰ کا کام چلا رہے ہیں رب ان کے بغیر دنیا کو نہیں سنبھال سکتا اس لئے رب کو دب کر ان کی شفاعت ماننی پڑتی ہے کہ اگر یہ اس سے ناراض ہو کر ہڑتال کر دیں تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ وہ شفاعت بالجبر شفاعت بالوجاہت جو شفاعت بالاذن ہے اس کے قائل نہ تھے مشرکین کے عقیدہ شفاعت اور مسلمانوں کے عقیدے شفاعت میں تین طرح کا فرق ہے مومنین محبوبان خدا کی شفاعت مانتے ہیں۔ کفار مردودین کی۔

شفاعت بالاذن بالجبر شفاعت

تو نہیں دوسرے عالم میں ہو سکتے ہیں۔ سبحانہ و تعالیٰ عما یشرکون۔ اس فرمان عالی میں مذکورہ بت پرستوں کی پرزور تردید ہے۔ ان کے شرک سے مراد ان کا بتوں کی پرستش کرنا ہے اور انہیں اپنا دھونس کا سفارش ماننا۔ یہ دونوں باتیں شرک ہیں۔ عما میں ما یا تو مصدر یہ ہے یا موصولہ یعنی رب تعالیٰ ان کی اس جھوٹی عبادت سے جو شرک ہے پاک و برتر ہے یا رب تعالیٰ ان بتوں سے پاک اور بلند بالا ہے جنہیں وہ خدا تعالیٰ کا شریک مانتے ہیں۔ (روح المعانی)

**خلاصہ تفسیر:** اے محبوب یہ ایسے مطالبے کرنے والے کفار ایسے بے وقوف ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان بے عقل بے جان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت کچھ فائدہ نہیں دیتی بلکہ مضر ہے اور ان کی عبادت نہ کرنا نقصان دہ نہیں بلکہ مفید ہے۔ ایسی بے فائدہ اور بے ضرر چیزوں کو پوجنا جن سے یہ خود بہتر ہیں۔ کتنی بڑی حماقت ہے۔ پھر طرہ یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ بت بارگاہ الٰہی میں ہماری سفارشی اور شفیع ہیں کہ جب ہم پر کوئی مصیبت آ جاوے تو یہ رب سے ہماری سفارش کر کے وہ مصیبت ٹال دیتے ہیں اور ہمارے اٹکے ہوئے کام بنوا دیتے ہیں رب کو ان کی بات ماننا پڑتی ہے ان بے وقوفوں سے فرماؤ کہ کیا تم وہ بات بتاتے ہو جو اسے معلوم نہیں۔ رب کے علم میں تمہاری سفارشی نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں اور جو چیز اس کے علم نہیں وہ واقعہ میں ہی نہیں ہوتی اگر واقعہ میں ہوتی تو رب اسے ضرور جانتا کہ وہ علام الغیوب ہے۔ تمہارے یہ عقیدے محض شرک ہیں رب تعالیٰ شرک سے پاک ہے وہ بے عیب ہے۔

**بت پرستی کی ابتداء:** بت پرستی کی ابتداء قوم نوح علیہ السلام سے ہوئی کہ ان میں پانچ نیک آدمی تھے۔ ود۔ سواع۔ یغوث یعوق۔ نسر۔ لوگوں کو ان سے بڑی محبت تھی کہ وہ فوت ہو گیا۔ جس پر قوم بہت غمگین ہوئی۔ حتیٰ کہ بہت لوگ اس کی قبر پر جا بیٹھے۔ یہ واقعہ شہر بابل میں ہوا۔ جو کوفہ کے پاس تھا۔ ان لوگوں کے پاس ابلیس شکل انسانی میں آیا اور بولا کہ میں تمہارے لئے ود کی تصویر بنائے دیتا ہوں کہ تم اسے دیکھ کر ود کو یاد کر لیا کرو۔ لوگ بولے ہاں ضرور اس نے یہ ہی کیا اور لوگ اس تصویر کے آس پاس جمع ہو گئے پھر باری باری سواع۔ یغوث وغیرہ چار آدمی بھی فوت ہوئے ابلیس ان کی تصویریں بنا بنا کر ان لوگوں کو دیتا رہا۔ ان تصویروں کے وہ نام رکھے گئے جو ان پانچوں صالحین کے تھے۔ اس زمانہ میں تو اتنا ہی ہوا۔ جب یہ لوگ ختم ہوئے ان کی اولاد کا زمانہ آیا تو ابلیس ان سے بولا کہ تمہارے باپ دادے ان تصویروں کو پوجتے تھے یہ لوگ تصاویر کے پجاری بن گئے انہیں نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی مگر ان لوگوں نے آپ کی بات نہ مانی۔ حتیٰ کہ طوفان نوحی آیا اور یہ تصاویر پانی میں بہہ کر جدہ پہنچ گئیں۔ عرب میں بت پرستی لانے پھیلانے والا عمرو ابن لحی تھا۔ یہ شام کے علاقہ میں گیا۔ وہاں بت پرست دیکھے ان سے ایک بت عقیق کا لایا جسے ھبل کہتے تھے۔ وہ کعبہ معظمہ میں رکھا۔ اس کی پرستش شروع کر دی اس عمرو نے بحیرہ۔ سائبہ۔ حام وصیلہ جانور بتوں کے نام پر چھوڑنے کا رواج عرب میں ڈالا (تفسیر روح البیان)

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** غیر خدا کسی کی عبادت شرک ہے۔ عبادت کے لائق وہ ذات واحد ہے یہ فائدہ ویعبدون من دون اللہ میں من دون فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس حکم میں نبی ولی اور غیر نبی میں کوئی فرق نہیں۔ عبادت۔ تعظیم اور اطاعت کا فرق

خیال رہے۔

**دوسرا فائدہ:** اللہ کے سوا بڑی سے بڑی مخلوق کی عبادت نفع نقصان نہیں دے سکتی کہ اپنی عبادت پر ثواب اور عبادت نہ کرنے پر عذاب یہ فائدہ مالا یضرھم (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

**تیسرا فائدہ:** عام مشرکین اپنے معبودوں کو عالم کا خالق۔ رازق۔ موت وزندگی کا مالک نہیں مانتے تھے بلکہ انہیں کرداری کا ذریعہ اور اپنا سفارشی حمایتی مانتے تھے۔ دوسری جگہ ان کا قول قرآن کریم نے یہ نقل فرمایا۔ **مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی** یہ فائدہ ھولاء شفعاء نا سے حاصل ہوا۔ ہاں ان میں بعض دہریئے تھے جو رب کی ذات کے انکاری تھے۔ **وما یھلکنا الا الدھر** ۔ بعض لوگ دو خالق مانتے تھے۔ خالق خیر کو یزداں کہتے تھے خالق شر کو ہرمن مگر عام مشرکین ایک ہی خدا کو مانتے تھے بتوں کو خدا رساں۔

**چوتھا فائدہ:** مقبول بندوں کی شفاعت بالاذن مومنوں کے لئے برحق ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ فرماتا ہے **من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ** اس شفاعت کی اور بہت آیتیں ہیں۔ دیکھو ہماری کتاب فہرست القرآن۔ یہ فائدہ **ھولاء شفعاء نا** میں **ھولاء** سے حاصل ہوا کہ **ھولاء** سے اسارہ بتوں کی طرف ہے۔

**پانچواں فائدہ:** کسی شفیع کی پرستش کرنا یا کسی کی شفاعت جبر اور دھونس والی ماننا شرک ہے۔ یہ فائدہ **شفعاء نا** (الخ) سے حاصل ہوا کہ شفاعت سے ان کی دھونس والی شفاعت تھی۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب علم القرآن اور تفسیر میں اور آیۃ الکرسی کی تفسیر میں دیکھو۔ رب کی بارگاہ میں جو بھی شفاعت کرے گا۔ محبت یا وجاہت کی شفاعت جو کہ شفاعت بالاذن کی قسمیں ہیں کرے گا بلکہ شفاعت بالاذن پر قیامت کے حساب وکتاب کا افتتاح ہوگا۔ شعر۔

گرتے ہوؤں کو مژدہ سجدے میں گرے مولیٰ روروکے شفاعت کی تمہید اوٹھائی ہے

**چھٹا فائدہ:** غیرواقعی خبر رب کو معلوم نہیں کہ یہ علم نہیں جہالت ہے۔ رب تعالیٰ ایسے علم سے پاک ہے۔ یہ فائدہ **لا یعلم فی السموات ولا فی الارض** ۔ سے حاصل ہوا۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں بتوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ وہ نہ نفع دیں نہ نقصان حالانکہ بت سے نفع نقصان ہوتا ہے لکڑی پتھر زخمی کردیتے ہیں ان سے بہت کام چلتے ہیں یوں ہی چاند سورج وغیرہ سے بڑے نفع ہیں پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔

**جواب:** ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں نفع نقصان سے مراد عبادات کا نفع نقصان ہے کہ اپنے عابدوں کو ثواب دیں۔ عبادت نہ کرنے والوں کو عذاب دیں۔ یہ صرف رب تعالیٰ معبود حقیقی کی شان ہے۔

**دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مشرکین رب تعالیٰ کی واحدنیت کے قائل تھے۔ اپنے معبودوں کو خدا نہیں مانتے تھے۔ بلکہ خداری کا ذریعہ مانتے تھے پھر وہ مشرک کیوں تھے وسیلہ تو مسلمان بھی مانتے ہیں۔ یہ نبیوں ولیوں کو خدا رسی کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔

**جواب:** وہ بتوں کو وسیلہ مانتے تھے اور بت مردود تھے مسلمان حضرات انبیاء اولیاء کو وسیلہ مانتے ہیں جو محبوبین ہیں لہذا وہ مشرک ہوئے یہ مومن جیسے مسلمان کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔ آب زمزم کی تعظیم و احترام کرتے ہیں۔ مکہ معظمہ کا احترام کرتے ہیں مومن ہیں اور کفار پتھر کے بت کی طرف سجدے کرتے ہیں۔ گنگا کی تعظیم کرتے ہیں متھرا دوار کا احترام کرتے ہیں وہ کافر ہیں۔ وسیلہ وسیلہ میں فرق ہے۔ نیز مومن نبیوں ولیوں کو صرف وسیلہ مانتے ہیں انہیں معبود نہیں جانتے نہ ان کی عبادت کرتے ہیں کفار ان بتوں کو وسیلہ مان کر انہیں معبود جانتے انہیں پوجتے ہیں۔ دیکھو ارشاد ہے یعبدون من دون اللہ یہ فرق خیال میں رہے رب فرماتا ہے۔ وابتغوا الیہ الوسیلہ بارگاہ الٰہی کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ اور فرماتا ہے ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک۔ جو اپنی جان پر ظلم کر کے اے محبوب تمہارے پاس آ جائے تو رب کو تواب و رحیم پائے گا۔

**تیسرا اعتراض:** اس آیت سے پتہ لگا کہ کسی کو رب کی بارگاہ میں شفیع ماننا شرک ہے۔ دیکھو یہاں کفار کا یہ قول نقل فرمایا۔ ھؤلاء شفعاؤنا پھر فرمایا وتعالی عما یشرکون کسی کو شفیع ماننا شرک ہے۔ مسلمان بھی نبیوں ولیوں کو اپنا شفیع سفارشی مانتے ہیں لہذا مشرک ہیں (اسماعیل دہلوی وہابی)

**جواب:** مسلمان ان محبوبوں کو شفیع مانتے ہیں جو واقعی شفیع ہیں کفار ان بتوں کو شفیع مانتے ہیں جو دوزخ کا ایندھن ہیں وقودھا الناس والحجارۃ یہ وہی فرق ہے جو ابھی کعبہ اور بت زم زم اور گنگا جل۔ مکہ معظمہ اور متھرا کے متعلق عرض کیا گیا۔ نیز مومن شفاعت والوں کی عبادت نہیں کرتے۔ کفار اپنے شفیعوں کی عبادت کرتے ہیں نیز کفار اپنے بتوں کی دھونس والی شفاعت مانتے ہیں کہ رب تعالیٰ مجبوراً ان کی سفارش مانتا ہے۔ مسلمان محبت اور وجاہت والی شفاعت کے قائل ہیں ان فرقوں کی وجہ سے ان دونوں جماعتوں میں فرق ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول اور علم القرآن میں دیکھو۔

**چوتھا اعتراض:** یہاں یہ کیوں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں شفیع نہیں جانتا کیا اس کے علم میں کمی ہے۔

**جواب:** رب کے علم میں نہ کمی ہے نہ غلطی غیر واقعی چیز کو واقعی جاننا علم نہیں بلکہ جہالت ہے بت یا چاند سورج کفار کے سفارشی نہیں اگر رب تعالیٰ انہیں سفارشی جان لے تو اس کے علم میں غلطی ہو۔ نعوذ باللہ بہر حال یہاں علم کی کمی کی بنا پر ہے۔

**پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا لا یعلم فی السموات ولا فی الارض کہ رب تعالیٰ ان کی سفارش آسمان و زمین میں نہیں جانتا تو کیا وہ آسمان زمین نہیں جانتا تو کیا آسمان و زمین کی قید کفار کے عقیدے کے لحاظ سے ہے کیونکہ مشرکین زمینی اینٹ پتھر لکڑی کو اور آسمانی چاند سورج تاروں کو ہی اپنا شفیع جانتے تھے۔ عالم ارواح یا عالم امر یا عالم انوار کی کسی چیز کو شفیع نہیں مانتے تھے۔

**چھٹا اعتراض:** یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ جیسے کفار اپنے بتوں کی شفاعت کی آس لگائے ہوئے تھے۔ ایسے ہی آج بہت لوگ بزرگوں کی قبروں کی تعظیم میں مشغول ہیں۔ وہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ان کی قبور کی تعظیم سے یہ لوگ ہمارے شفیع ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ قبروں کی تعظیم اور قبر والوں کو شفیع جاننا طریقہ کفار ہے۔

**جواب:** تفسیر کبیر کا یہ قول ان بے دین لوگوں کے متعلق ہے جو اپنے آپ کو نماز روزے اور احکام شرعیہ سے بے نیاز

جائیں۔ صرف قبروں کی سجاوٹ وہاں سجدے کرنے کو اپنی نجات کا ذریعہ جانیں جیسا کہ آج کل عام ہے بے دین بھنگی چرسی فقیروں کو دیکھا جاتا ہے واقعی یہ صریحی کفر ہے۔ اگر تعظیم قبر مومن شرک ہے تو کیا حضور انور ﷺ کے روضہ مبارک کی تعظیم شرک کہو گے۔ رب فرماتا ہے و من یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب اور یہ قبور شعائر اللہ ہیں جب صفا مروہ پہاڑ حضرت ہاجرہ کے قدم پڑ جانے سے شعائر اللہ بن گئے تو جہاں حضور سو رہے ہیں وہ جگہ شعائر اللہ کیوں نہ ہوگی کیوں نہ ہوگی۔ تفسیر کبیر کی عبادت یہ ہے و نظیرہ فی ھذا الزمان اشتغال کثیر من الخلق بتعظیم قبور الاکابر علی اعتقاد (الخ) اس عبارت میں لفظ اشتغال قابل غور ہے۔

**تفسیر صوفیانہ:** بہت سے اعمال اور عقیدے مومنین اور کافرین کے یکساں معلوم ہوتے ہیں درحقیقت ان میں بہت فرق ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ عقیدہ کفار کے لئے کفر اور مومنوں کے لئے ایمان بن جاتا ہے ان میں سے عقیدے شفاعت بھی ہیں۔ کفار بتوں کی شفاعت مانتے ہیں مومن نبیوں ولیوں قرآن ماہ رمضان چھوٹے بچوں وغیرہم کی۔ کفار کافروں کے لئے شفاعت مانتے ہیں مومن مسلمانوں کے لئے کافر جبر اور دھونس کی شفاعت جس کے ماننے پر رب تعالیٰ مجبور ہو مومن محبت و کرم و عجائب کی شفاعت مانتے ہیں وہ بھی بالاذن کہ رب نے جس کو اجازت دی ہے اور جس قوم کی شفاعت کی اجازت دی وہ اس قوم کے لئے شفاعت کرے گا۔ کفار اپنے خیالی شفیعوں کو معبود مان کر ان کی پرستش کرتے ہیں مومن کسی کی پرستش ہرگز نہیں کرتے کفار اپنے خیالی شفیعوں کو خدا تعالیٰ کی خدائی میں حصہ دار سمجھتے ہیں کہ عالم کا پیدا کرنے والا رب ہے اسے سنبھالنے والے بت کیونکہ رب تعالیٰ میں سنبھالنے کی طاقت نہ رہی وہ تھک کر بیکار ہو چکا۔ مومن اس ناپاک عقیدے سے کوسوں دور کافر اپنے خیالی شفیعوں کو رب تعالیٰ کے برابر سمجھتے ہیں ان وجوہ سے شفاعت کا ماننا کفر و شرک بھی ہے۔ اور بربادی ایمان بھی۔ کفار کی سی شفاعت ماننا کفر ہے۔ اسلامی شفاعت ماننا رکن ایمان ہے یہی حال نسبتوں کا ہے۔ گندوں کی نسبت سے منسوب گندا ہو جاتا ہے۔ ستھروں کی نسبت سے منسوب ستھرا۔ مندر مسجد آب زمزم۔ گنگا جل عید بقر عید اور ہولی دیوالی۔ کعبہ معظمہ اور بت۔ مکہ مدینہ اور متھرا دوار کا ہر جگہ پر نسبت کا فر جلوہ گر ہے۔ یوں ہی بعض سینے کینے والے ہیں اور بعض سینے مدینے ہیں رب تعالیٰ نسبت اچھی کرے۔ شعر۔

گر دل میں ہے سودا ان کا دل عرش معلّٰی ہو جائے — گر سر میں کھچے نقشہ ان کا سر گنبد خضرا ہو جائے

گلشن میں ہم نے دیکھا ہے پھولوں میں خار بھی رہتے ہیں — اے شاہ عرب مجھ بد کا بھی طیبہ میں گذارا ہو جائے

جسمانی نسل نسب سے ہے روحانی نسل نسبت سے۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا

اور نہیں تھے لوگ مگر گروہ ایک پس اختلاف کر بیٹھے

اور لوگ ایک امت ہی تھے پھر مختلف ہوئے اور اگر تیرے رب کی

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ

اور اگر نہ ہوتا فرمان گزر چکا طرف سے رب کے تمہارے البتہ فیصلہ کر دیا جاتا

طرف سے ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو یہیں ان کے اختلاف

فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٩﴾ وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ

درمیان ان کے اس میں کہ تھے وہ اس میں اختلاف کرتے اور کہتے ہیں کیوں نہیں اتاری

کا ان پر فیصلہ ہو گیا ہوتا کہتے ہیں ان پر ان کے رب کی طرف سے

عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوا

گئی ان پر کوئی نشانی طرف سے ان کے رب کے پس فرماؤ تم اس کے سوا نہیں کہ غیب اللہ کا ہی

کوئی نشانی کیوں نہیں اتری تم فرماؤ غیب تو اللہ کے لئے ہے اب

إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾ ع

ہے پس انتظار کرو تحقیق میں بھی انتظار کرنے والوں سے ہوں

راستہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھ رہا ہوں

**تعلق**: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق**: پچھلی آیات کریمہ میں بت پرستی کی خرابی اور بت پرستوں کی برائی کا ذکر ہوا کہ یہ عمل خلاف عقل ہے کہ اشرف المخلوقات انسان ارذل مخلوق لکڑی پتھر کو سجدہ کرے اور بنانے والا بت تراش اپنے بنائے ہوئے بت کی عبادت کرے۔ اب ارشاد ہے کہ یہ حماقت انسانوں میں ہمیشہ کی نہیں ہے ہمیشہ سے تو وہ مومن عابد الٰہی تھا یہ چیز بعد کی پیداوار ہے گویا بت پرستی کی ایک خرابی کے بعد اس کی دوسری خرابی کا ذکر ہے۔

**دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں اہل عرب کی بت پرستی کی برائی مذکور ہوئی اب ارشاد ہے کہ اے عربیو! یہ تمہارے والد ابراہیم کا دین نہیں ان کا اور ان کی وجہ سے تم سب کا دین اسلام ہے یہ بت پرستی تو عمرو ابن لحی نے تم میں پھیلائی تا کہ اہل عرب اپنے باپ دادوں کے دین کی طرف مائل نہ ہوں۔ یہ تعلق اس صورت میں ہے کہ یہاں الناس سے مراد اہل عرب ہوں۔

**تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں شرک و بت پرستی کی برائی بیان ہوئی اب ارشاد ہے کہ یہ وہ دین ہے جو تم نے زمین پر آ کر بروں کی صحبت سے حاصل کیا۔ تمہارا عرشی دین جو تم سب عالم بالا سے لائے تھے وہ توحید ہے۔ کیونکہ ہر بچہ فطرت پر پیدا

ہوتا ہے زمین پر آ کر یہودی مجوسی وغیرہ بنتا ہے۔ یعنی تمہارے یہ عقیدے عقل کے بھی خلاف ہیں اور فطرت کے مخالف۔
**تفسیر:** **وما کان الناس الا امة واحدة فاختلفوا** اس فرمان عالی کی چھ تفسیریں ہیں (۱) عالم ارواح میں سارے انسان ایک جماعت یعنی مومن تھے کہ سب نے الست بربکم کے جواب میں بلی کہا تھا۔ یہ سارے لوگ دنیا میں اسی دین پر آئے پھر یہاں آ کر اختلاف کر بیٹھے کہ بعض مومن رہے بعض کافر ہو گئے۔ اس تفسیر کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر ان کے ماں باپ انہیں یہودی مجوسی وغیرہ بنا دیتے ہیں (۲) آدم علیہ السلام کے زمانہ میں سارے لوگ قتل ہابیل تک ایک جماعت یعنی مومنین تھے جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تب ان لوگوں میں اختلاف ہو گیا کہ بعض مومن رہے بعض کافر ہو گئے (۳) آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ادریس علیہ السلام کے زمانہ تک سارے انسان ایک جماعت یعنی مومن رہے پھر زمانہ ادریس میں علیہ السلام میں آپس میں جھگڑ بیٹھے کہ بعض مومن رہے بعض کافر بن گئے جن میں تبلیغ کے لئے نوح علیہ السلام بھیجے گئے (۴) طوفان نوحی کے بعد سارے لوگ ایک گروہ یعنی مومن تھے کیونکہ کافر سارے ڈبو دیئے گئے تھے آپ کی اس بددعا سے کہ **رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا** پھر بعد میں جھگڑ پڑے کہ کچھ مومن رہے کچھ کافر ہو گئے ان چاروں تفسیروں میں انسان سے مراد سارے انسان ہیں (۵) عرب کے لوگ حضرت ابراہیم کے زمانہ سے ایک گروہ یعنی مومن تھے پھر عمرو ابن لحی نے کفر بت پرستی۔ بتوں کے نام پر جانور چھوڑنا ایجاد کیا۔ تب ان میں اختلاف پیدا ہوا کہ کچھ لوگ دین ابراہیمی پر رہے اور کچھ لوگ عمرو ابن لحی کے بہکانے میں آ گئے۔ اس صورت میں الناس سے مراد عرب کے لوگ ہیں ان تفسیروں کی تائید حضرت ابن مسعود کی قراءت ہے **وما کان الناس امة واحدة علی هدی**۔ ان سب صورتوں میں **امة واحدة** سے مراد جماعت مومنین ہے اور ف بمعنی فوراً نہیں بلکہ بمعنی پھر ہے یعنی صرف بعدیت بیان کرنے کے لئے ہے۔ حضرت ابن عباس۔ سدی۔ مجاہد۔ جبائی۔ ابو مسلم مفسرین نے یہ ہی تفسر کی (روح المعانی و تفسیر کبیر وغیرہ) (۶) حسن اور کلبی کہتے ہیں کہ یہاں امت واحد سے مراد کفر پر متفق لوگ ہیں یعنی لوگ ایک جماعت یعنی سب کافر تھے پھر بعد میں بعض لوگ ایمان لائے اور ان میں اختلاف ہوا کہ بعض کافر رہے اور بعض مومن ہو گئے ان کی دلیل وہ آیت ہے **کان الناس امة واحدة فبعث الله النبین مبشرین و منذرین** خلاصہ یہ کہ آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد یا ابراہیم علیہ السلام کے ابتدائی دور میں سارے لوگ کافر تھے مگر یہ تفسیر ضعیف ہے کیونکہ ایسا زمانہ کبھی نہیں آیا۔ جب کہ روئے زمین پر کوئی مسلمان نہ رہا۔ کوئی نہ کوئی مومن ضرور رہا۔ یہ تو قریب قیامت ہوگا کہ ایک بھی مومن نہ رہے گا حتی کہ عیسیٰ و امام مہدی کی بھی وفات ہو جائے گی لہٰذا وہ پانچ تفسیریں قوی ہیں (روح المعانی و کبیر۔ خازن) اس کی تفسیر صوفیانہ انشاء اللہ بعد میں کی جاوے گی۔ **ولو لا کلمة سبقت من ربک** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس میں کلمہ سے مراد حق تعالیٰ کا فیصلہ اور وہ طے شدہ پروگرام ہے جو اول ہی طے ہو چکا ہے کہ دنیا عمل کی جگہ اور آخرت سزا یا ثواب کی جگہ۔ یا رب تعالیٰ کا وہ فیصلہ ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے اس لئے مجرم کو بہت ڈھیل دی جاتی ہے تا کہ اسے توبہ کا موقعہ کافی ملے یا رب تعالیٰ کا وہ فیصلہ ہے کہ **ما کان الله لیعذبهم و انت فیهم** یعنی اے محبوب تمہارے ہوتے ہوئے ہم ان کفار کو عذاب

نہ دیں گے۔ اس لئے یہاں ربک فرمایا کہ معلوم ہو کہ یہ فیصلہ اسی بنا پر ہے کہ وہ تمہارا رب ہے اور تم جہانوں کے لئے رحمت والے نبی۔ رحمت کے ہوتے عذاب نہیں آتا۔ رب کے معنی اور رب تعالیٰ کی ربوبیت کی اقسام سورہ فاتحہ رب العالمین کی تفسیر میں عرض کئے گئے اور ربک ربکم رب العالمین اور رب الناس کا فرق آٹھویں پارہ ص ۱۲۲ میں عرض کئے جا چکے ہیں۔ وہاں مطالعہ فرماؤ۔ لقضی بینھم فیما کانوا فیہ یختلفون یہ فرمان عالی لولا کی جزا ہے۔ فیصلہ سے مراد تو قیامت والا فیصلہ ہے یعنی کفار کو دوزخ میں جھونک دینا۔ مومنوں کو جنت میں پہنچا دینا اور یا دنیا میں پچھلی قوتوں کی طرح عذاب بھیجنا انہیں تباہ کر دینا ویقولون ولا انزل علیہ ایۃ من ربہ۔ اس فرمان عالی میں کفار مکہ کا دوسرا جو بیان ہوا۔ یہ عبارت یا تو یعبدون من دون اللہ پر معطوف ہے یقولون ھولاء شفعاء (الخ) پر معطوف ہے۔ ماضی کو مضارع اس لئے فرمایا تا کہ معلوم ہو کہ وہ لوگ بار بار یہ کہتے تھے صرف ایک بار کہہ کر خاموش نہیں ہو رہے تھے (تفسیر روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ یہ جملہ نیا ہو اور واؤ ابتدائیہ۔ آیت سے مراد ان کے منہ مانگے معجزات دکھائے قریباً چھ ہزار معجزے تو روایات میں آ گئے پھر قرآن مجید کی ہر آیت حضور انور ﷺ کا معجزہ ہے۔ روح المعانی نے فرمایا کہ خود حضور انور ﷺ اللہ تعالیٰ کی آیت کبریٰ ہیں۔ ان کے ایسے مطالبے محض دل لگی اور مذاق کے طور پر تھے۔ خوئے بد را بہانہ بسیار فقل انما الغیب للہ یہ فرمان عالی ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے اس میں ان کے مطالبہ کا حکیمانہ جواب ہے۔ غیب کے معنی اس کے اقسام و احکام ہم پہلے پارہ میں یومنون بالغیب کی تفسیر میں عرض کر چکے وہاں ہی غائب اور غیب۔ غیب مطلق مقید کا فرق عرض کیا گیا۔ اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ تم کہتے ہو کہ فلاں فلاں معجزے دکھاؤ تو ہم ایمان قبول کر لیں گے اللہ تعالیٰ کو خبر ہے کہ تم کفر پر مرنے والے ہو ایمان نہیں لا سکتے۔ تمہارا یہ حال یہ انجام علوم غیبیہ سے ہے جسے رب تعالیٰ خوب جانتا ہے یا یہ مقصد ہے کہ تمہارا یہ مطالبہ محض سرکشی کی بنا پر ہے۔ سرکش کو عذاب ملتا ہے تم کو بھی عذاب ہی ملے گا۔ کب ملے گا یہ علوم غیبیہ سے ہے جو رب تعالیٰ ہی جانتا ہے (روح المعانی) لہٰذا فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔ تم بھی اپنی انجام کا انتظار کرو۔ ہم بھی اس کا انتظار کرتے ہیں یا تم ہمارے متعلق انتظار کرو کہ ہمارا انجام کیسا ہوتا ہے اور ہم تمہارے متعلق کرتے ہیں کہ تمہارا انجام کیسا ہوتا ہے۔ اسی آیت کے مضمون کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔ وما یشعر کم انھا اذا جاءت لا یومنون۔

**خلاصہ تفسیر**: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی عالمانہ تفسیریں چھ ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا جامع خلاصہ عرض کرتے ہیں ایک زمانہ وہ گذرا ہے جب سارے انسان ایک گروہ ایک امت یعنی مومنین صالحین تھے نہ ان میں کوئی فرق تھا نہ منافق نہ بدراہ نہ بے راہ پھر شیطان اور شیطانی لوگوں کے بہکانے سے بہت سے لوگ کافر یا منافق یا بے راہ ہو گئے اور ان میں بہت اختلاف پیدا ہو گئے۔ صدہا دین اور صدہا فرقے بن گئے۔ اگر آپ کے رب کا یہ فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا کہ دنیا سزا و جزا کی جگہ نہیں یہاں عمل ہے بدلہ اور حساب نہیں۔ قیامت میں حساب اور بدلہ ہوگا عمل نہ ہوگا۔ اگر یہ قانون نہ ہوتا تو ان مذکورہ فرقوں کا فیصلہ یہاں ہو چکا ہوتا کہ مومنین کو جنت کفار کو دوزخ یہاں ہی دی جاتی۔ کفار مکہ ہیں تو خود بے دین۔ ان کے مقدر میں ایمان نہیں مگر جرح قدح آپ ﷺ سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ

ہے کہ آپ ﷺ گذشتہ نبیوں کے سے معجزے۔ عصاء۔ ید بیضاء۔ مردے زندہ کرنا۔ غیبی اونٹنی نہ لائے یا آپ ﷺ ہمارے منہ مانگے معجزے نہیں دکھاتے اس لئے ہم ایمان نہیں لاتے اگر آپ ﷺ وہ معجزہ دکھادیں تو ہم ایمان قبول کرلیں آپ اس بکواس کا جامع اور مختصر جواب دے دیں کہ تمہاری مطلوبہ نشانیاں دکھانے پر بھی تم ایمان نہیں لاؤ گے یہ تمہارے بنائے ہوئے حیلے ہیں یہ خبر علوم غیبیہ سے ہے کہ تم کافر ہی مروگے جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ لوگوں کے انجام پر مجھے اس نے مطلع کیا ہے یہ باتیں نہ حساب سے معلوم ہوں نہ اندازے سے لہٰذا اب تم مطالبے حیلے بہانے نہ کرو۔ بلکہ اپنے انجام کا انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں۔ تمہارا انجام تم خود بھی دیکھ لو گے اور ہم بھی دیکھ لیں گے۔

**فائدے۔** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے

**پہلا فائدہ:** انسان کا اصلی دین جسے وہ عالم ارواح سے اپنے ساتھ لایا ہے وہ اسلام ہے۔ کفر۔ شرک نفاق عارضی دین ہیں جو اسے دنیا میں آکر شیطانی انسان کے ذریعہ ملے یہ فائدہ الا امۃ واحدۃ سے حاصل ہوا۔ پھر مرتے وقت ہی ... کفار ایمان قبول کرلیتے ہیں مگر وہ معتبر نہیں

سارے کفار ایمان قبول کرلیتے ہیں مگر وہ معتبر نہیں۔ گویا کفر دنیا میں آکر لیتے ہیں اور دنیا ہی میں ... ایمان پر ہی آتا ہے ایمان پر رہتا ہے ایمان پر ہی دنیا سے جاتا ہے۔

**دوسرا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام مومنوں کو ایمان پر رکھنے اور کافروں کو کھویا ہوا ایمان دینے کے ... عالم ارواح میں ہی ایمان مل چکا تھا یہ حضرات اس کی حفاظت کے لئے تشریف لاتے ہیں یہ فائدہ بھی ... ہوا۔ جب کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ عالم ارواح میں سب لوگ ایک امت تھے حضور انور ﷺ ایمان کے محافظ بھی۔

**تیسرا فائدہ:** آپس کے اختلاف بہت قسم کے ہیں اجتہاد کا اختلاف یہ رحمت ہے رائے کا اختلاف ... میں کفر و ایمان کا اختلاف یہ کافر کے لئے عذاب ہے مومن کے لئے عین ایمان۔ یہ فائدہ فاختلفوا ... واحدۃ سے ایمان پر متفق جماعت مراد ہے تو یہ اختلاف کفر ہے۔ اور اگر کفر پر متفق امت مراد ہے تو ... ایمان۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف امتی رحمۃ میری امت کا اختلاف رحمت ہے اس فر... مجتہد اماموں کی اجتہادی اختلاف مراد ہے۔ ہابیل قابیل کے اختلاف میں قابیل کا اختلاف کفر تھا کہ ... اور برادران یوسف علیہ السلام سے اختلاف کفر نہیں ہوا۔ اگرچہ ان کے اعمال گناہ تھے جو بعد میں تو... لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم۔

**چوتھا فائدہ:** کفر و شرک کی اصلی سزائیں ہی ایمان و تقویٰ کی اصل جزا قیامت کے بعد ملے گی۔ دنیا ... فائدہ ولولا کلمۃ (الخ) سے حاصل ہوا۔ دنیا میں کفار پر عذاب آجانا یا مومن متقی کو دنیا میں رحمت ... اصل سزا و جزا نہیں۔

**پانچواں فائدہ:** ضد کی کفار اپنا وقت عزیز مطالبوں اور جرح قدح میں خرچ کرڈالتے ہیں انہیں نبی ...

... تے ہیں۔ مومن
... ے آتے ہیں سب کو
... واحدۃ سے حاصل
... بھی ہیں اور ایمان
... معاف ہے۔ دین
... اصل ہوا اگر امت
... سے اختلاف یمین
... اخلاف امتی سے
... ن میں اختلاف تھا
... سے معاف ہوئے
... ں کی جگہ نہیں۔ یہ
... پہنچ جاتا یہ ان کی
... کمالات نظر نہیں

آتے یہ فائدہ ولو لا انزل علیہ سے حاصل ہوا کہ حضور انور ﷺ نے کفار مکہ کو بہت معجزے دکھائے۔ لیکن وہ ناختم ہونے والے مطالبوں میں ہی مشغول رہے مگر خوش نصیب لوگ حضور ﷺ کا ایک معجزہ دیکھ کر بلکہ بعض صرف چہرہ انور دیکھ کر بعض صرف کلمات سن کر بلکہ بعض صرف نام شریف سن کر فدا ہو گئے۔

**چھٹا فائدہ:** کفار پر عذاب آنے کا انتظار مومنین۔ اولیاء انبیاء بلکہ ان کی بستیوں کے درو دیوار بلکہ فرشتے تک کرتے ہیں کہ یہ لوگ کب فنا کئے جاویں۔ یہ فائدہ انی معکم من المنتظرین فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس میں منتظرین جمع ہے اور من بعضیت کا۔

**پہلا اعتراض:** قوی یہ ہے کہ یہاں امة و احدة سے کفر پر متفق جماعت مراد ہے۔ کیونکہ دوسری جگہ ارشاد ہے کان الناس امة واحدة فبعث الله النبين مبشرين و منذرين اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اولاً سب کافر ہی تھے۔ رب نے ان کا یہ اتفاق توڑنے کے لئے حضرات انبیاء بھیجے چونکہ وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے پھر اس کے خلاف تفسیریں کیوں کی گئیں۔

**جواب:** رب تعالیٰ فرماتا ہے فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید و جئنا بک علی هولاء شهیدا۔ اس آیت نے صاف صاف بتایا کہ ہر امت میں مومنین صالحین رہے ہیں جو قیامت میں اس امت کے خلاف گواہی دیں گے۔ اس لئے آیت کریمہ کے معنی یہ ہی قوی ہیں کہ الا امة واحدة میں مومنوں کی جماعت مراد ہے۔ تمہاری پیش کردہ آیت کا مطلب بھی مفسرین نے یہ ہی بیان فرمایا ہے کہ لوگ اولاً سارے مومن تھے پھر ان میں اختلاف دین ہوا تو رب نے نبی بھیجے اختلاف ڈالنے کے لئے نہیں بلکہ اختلاف مٹانے کے لئے۔ وہاں فاختلفوا پوشیدہ ہے تا کہ آیات میں تعارض نہ ہو۔

**دوسرا اعتراض:** اگر کفر و ایمان کی سزا و جزا قیامت کے بعد ہی ملتا ہے تو دنیا میں کفار پر عذاب کیوں آئے اور وہ تباہ کیوں کئے گئے۔

**جواب:** تا کہ دوسروں کو عبرت ہو اور یہ عذاب نبیوں کی حقانیت کا ثبوت اور لوگوں کو دعوت اسلام کا ذریعہ ہوں۔ یہ عذاب اخروی عذاب کے علاوہ عارضی ہیں جیسے ملزم کی حوالات کی تکالیف اس کی سزا کے علاوہ ہے۔ سزا حاکم کے فیصلہ کے بعد ملتی ہے۔

**تیسرا اعتراض:** حضور انور ﷺ سے کفار مکہ کا مطالبہ یہ تھا کہ ہم کو ہمارے منہ مانگے معجزات دکھائے جاویں مگر انہیں جواب یہ دیا گیا کہ غیب تو اللہ ہی کے علم میں ہے۔ یہ جواب ان کے سوال کے مطابق نہیں جواب اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ کفار کہتے تھے کہ فلاں فلاں معجزے دکھاؤ۔ تو ہم ایمان قبول کرلیں گے۔ فرمایا گیا کہ علم الٰہی میں آچکا کہ تم ہرگز ایمان نہیں لاؤ گے اور تم کہتے ہو کہ ہم ایمان لے آویں گے تمہارا قول غلط ہے کہ رب تعالیٰ عالم غیب ہے اسے تمہارا حال خوب معلوم ہے۔

**تفسیر صوفیانہ:** مسلمانوں سے پہلی ساری امتیں اپنے دین کے علماء کی محبت ان کی اطاعت پر متفق تھیں۔ رب تعالیٰ فرماتا

ہے اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ۔ ان لوگوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو رب کے سوا معبود بنالیا مگر مسلمانوں میں بعض لوگ بلکہ بعض فرقے ایسے پیدا ہوئے جو علماء کے دشمن فقہاء کے مخالف ہیں۔ دیکھا جاتا ہے کہ بعض علماء ظاہری باطنی علوم کے جامع اپنے فن میں بے مثال اعمال صالحہ میں پیش پیش مگر لوگ ان کی دن رات برائیاں کرتے ہیں ان میں رب تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا۔ یہ عوام ان صالحین علماء کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ بھنگی چرسی فقیروں کی طرح کرامتیں کیوں نہیں دکھاتے۔ ہم تو شعبدہ باز کراماتی فقیروں کے ماننے والے ہیں۔ یہ غیب تو رب تعالیٰ ہی کو ہے کہ وہ کرامتیں ہیں یا شعبدے بازیاں عجیب باتیں عجیب کام کر دکھانا کمال نہیں یہ تو جوگی کفار اور دجال کے ہاتھوں پر بھی نمودار ہوتی ہیں اور ہوں گی کمال تو حضور اکرم ﷺ کی سچی غلامی میں ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عوم کے دلوں میں یہ نفرت رب تعالیٰ کی طرف سے ایک حجاب ہے قیمتی موتی سنبھال کر پردہ حجاب میں رکھے جاتے ہیں یہ صالحین علماء خزانہ الٰہیہ کے سچے موتی ہیں جو نفرت وعداوت کے حجاب میں چھپے ہوئے ہیں۔ شعر۔

معشوق عیاں می گذرد برتو ولیکن اغیار ہمی بیند ازاں بستہ نقاب ست

اس نفرت کے پردے میں دین کے موتی چھپے ہوئے ہیں (روح البیان) کتاب خیر الخیر شریف میں حضرت مولانا محبوب عالم صاحب فرماتے ہیں کہ صوفیاء میں ایک فرقہ ملامتیہ ہے۔ جو اپنے کو مخلوق سے ملامت کرانے کے لئے بعض ناروا کام کر لیتا ہے یہ غلطی ہے جسے اپنے پر ملامت کرانی ہو وہ مولوی بن جاوے۔ مولویوں کا سا لباس پہن لے لوگ خود بخود اس پر ملامت کریں گے خواہ کیسا ہی نیک ہو اس لباس اس صورت میں دو فائدے ہیں ایک یہ کہ یہ صورت یہ لباس خالق کو پیارا ہے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل ہے اور مخلوق کو ناپسند۔

لطیفہ: روح البیان نے فرمایا کہ ایک یہودی نے حضرت علی۔ سے کہا کہ تم اپنے نبی کریم کو دفن کرتے ہی آپس میں لڑ پڑے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم اپنے نبی کے مخالف نہ ہوئے بلکہ ان کے بارے میں مخالف ہوئے تمہارے پاؤں ابھی بحر قلزم کے پانی سے خشک نہ ہوئے تھے کہ نبی سے ہی لڑ پڑے کہ اے موسیٰ ان بت پرستوں کی طرح ہمارے لئے بھی معبود بنادو۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ

اور جب چکھاتے ہیں لوگوں کو رحمت پیچھے اس تکلیف کے جو پہنچے انہیں اچانک واسطے

اور جب کہ ہم آدمیوں کو رحمت کا مزہ دیتے ہیں کسی تکلیف کے بعد جو انہیں پہنچی

اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِیْٓ اٰیَاتِنَا قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا

ان کے فریب ہے ہماری آیتوں میں فرما دو اللہ بہت جلد ہے تدبیر اس کی

تھی جب ہی وہ ہماری آیتوں کے ساتھ داؤ چلتے ہیں تم فرما دو اللہ کی خفیہ تدبیر

# اِنَّ رُسُلَنَا یَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾

| | | | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| بیشک | رسول | ہمارے | لکھتے | ہیں | وہ | جو | فریب | کرتے | ہو | تم | |

سب سے جلد ہو جاتی ہے بیشک ہمارے فرشتے تمہارے مکر لکھ رہے ہیں

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ یہ لوگ اپنے مطالبات پورے ہونے پر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ یہ ایک غیبی خبر تھی اب اس کا ثبوت ان کے دن رات کے حالات سے دیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ معمولی مصیبت میں پھنس کر بہت سے وعدے کر لیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئیں گے نیک اعمال کریں گے پھر تکلیف دفع ہوتے ہی الٹے وہ کام کرتے ہیں ایسے جھوٹے وعدے کرنے والوں کا اعتبار کیا۔ گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کا ثبوت ہے یا اس دعوے کی دلیل۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ تم عذاب الٰہی کا انتظار کرو اب ارشاد ہے کہ ان پر عذاب سے پہلے مصیبتیں راحتیں آتی جاتی رہیں گی مگر ان کی آنکھ نہ کھلے گی۔ جس کی آنکھ چھوٹی مصیبتوں پر نہ کھلے وہ بڑے عذاب کا منتظر ہے اس کی آنکھ جب کھلتی ہے جب کہ کھلنا کام نہیں آتا۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ ان کفار نے ایک ہی بات یاد کی ہے یہ کیوں نہیں ہوا **لولا انزل علیہ** (الخ) یعنی ہر بات میں جرح قدح ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں ملا کرتی اب اس کا ثبوت ہے کہ یہ لوگ نہ تو راحت سے ہدایت یافتہ ہیں نہ تکلیف سے۔ راحت میں کفار تکلیف میں بے صبرے ہوتے ہیں مومن کی زبان پر ہوتا ہے کیا فرمایا کافر کی زبان پر ہوتا ہے کیوں فرمایا یہ کیوں اور کیا فرق یاد رہے نزول۔ جب کفار مکہ نے مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا جس سے مومنوں کو بہت تکلیف پہنچی مسلمانوں کے بہت سے بچے بچیاں بھوکے مر گئے۔ اشعار۔

| | |
|---|---|
| وہ حمزہ کا شکار آہواں کے واسطے جانا | کبھی کچھ بھی نہ ملنا اور خالی ہاتھ آ جانا! |
| وہ روٹھی بچیوں کا روٹھ کر فوراً ہی من جانا | خدا کا نام سن کر صبر کی تصویر بن جانا |
| تڑپنا بھوک سے کچھ روز اور پھر جان دے دینا | وہ ماؤں کا فلک کو دیکھ کر چپکے سے رو دینا |
| گذارے تین سال اس رنگ میں اللہ والوں نے | دکھا دی شان استقلال اپنی ان والوں نے |

تب دریائے قہر الٰہی جوش میں آیا اور سات سال بارش نہ ہوئی جس سے کفار بہت سے مر گئے جو بچے وہ بہت ہی خراب حال میں درختوں کی چھال مردار جانوروں کی کھال تک کھا گئے تب انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کی دعا کرائی اور ایمان واطاعت کا وعدہ کیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی رب نے رحم فرمایا اور خوب بارش ہوئی۔ گرانی گئی ارزانی آئی تو پھر سارے اپنے وعدوں سے پھر گئے بولے کہ بارش فلاں تارے کی فلاں برج میں جانے کی وجہ سے ہوئی اور

پھر قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم میں عیب نکالنے لگے۔ ان کا یہ عیب بیان فرمانے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (خازن، روح المعانی و کبیر مع قدرے فرق)

تفسیر : واذا اذقنا الناس رحمة چونکہ یہ فرمان نیا جملہ ہے لہٰذا اس کا واو ابتدایہ ہے اذ شرط اذقنا بنا ہے اذاقہ سے جس کا مادہ ہے ذوق چکھنا اذاقۃ چکھانا مراد ہے۔ یہ تھوڑی سی عطا فرمانا دنیا کی ہر رحمت عارضی اور تھوڑی ہے قل متاع الدنیا قلیل ظاہری غذائیں زبان سے چکھی جاتی ہیں رحمتیں نعمتیں عقل سے (تفسیر کبیر) الانسان سے مراد یا تو کفار مکہ ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی یا سارے کفار ہر جگہ کے اور ہر زمانہ کے۔ جو اسلام اور قرآن مٹانے کے در پے ہیں۔ چونکہ دنیا کی تمام نعمتیں رب کی عطا ہیں نہ کہ ہمارا کمال اس لئے رب تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا اذقنا اور چونکہ ہر نعمت محض عطاء ربانی ہے ہمارے کسی عمل کا بدلہ نہیں اس لئے اسے رحمت فرمایا۔ یعنی بغیر استحقاق ملنے والی نعمت رحمت سے مراد تندرستی۔ رزق کو ارزانی فراوانی۔ ملک میں امن چین وغیرہ سب ہی ہیں کہ اگرچہ آیت کریمہ بارش کے متعلق آئی مگر لفظ رحمت مطلق ہے ہر نعمت کو شامل۔ من بعد ضراء مستهم یہ فرمان عالی متعلق ہے اذقنا کے ضرار سے مراد ساری ہی تکالیف ہیں۔ بیماری گرانی۔ ملک کی بدامنی وغیرہ اگرچہ آیت کا نزول قحط سالی کے متعلق ہے۔ مست فرما کر بتایا کہ یہاں کی تکالیف نہایت معمولی ہوتی ہیں جو فقط چھو جاتی ہیں وہ بھی عارضی طور پر۔ بڑی تکالیف تو دوسرے جہان میں ہوں گی۔ چونکہ تکالیف کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا بے ادبی ہے اگرچہ وہ بھی رب کی طرف سے ہیں اس لئے یہاں مستهم ارشاد ہوا۔ اذقنا کی طرح انہیں رب کی طرف نسبت نہ کیا گیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ادب والا کلام رب نے یوں نقل فرمایا و اذا مرضت فهو یشفین جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔ دیکھو بیماری کو اپنی طرف اور شفاء کو رب کی طرف نسبت کیا یہ ہے اب اذا لهم مكر فی اٰیاتنا یہ عبارت جزا ہے واذا اذقنا الخ کی اس میں اذا جزائیہ ہے لهم کو مکر پر مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ یعنی صرف کفار کا یہ طریقہ ہے مومن بفضلہ تعالیٰ اس عیب سے محفوظ ہیں۔ مکر کی تحقیق مکر اور خداع میں فرق پہلے سپارہ میں عرض کیا جا چکا ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس کے معنی ہیں خفیہ تدبیر اگر کسی پر ظلم کرنے کے لئے ہو تو برا ہے جیسے کہتے ہیں فریب دھوکہ اور اگر کسی کو دھوکہ کی سزا دینے یا مجرم کو ڈھیل دینے کے لئے ہو تو اچھی ہے جسے کہتے ہیں۔ فریب دھوکہ دہی کی سزا۔ پہلے معنی سے یہ کفار کا عیب ہے دوسرے معنی سے رب تعالیٰ کی صفت۔ اس میں گفتگو ہے کہ یہاں مکر سے کیا مراد ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے، بہت تدبیروں سے جھوٹا کہنا اور کہلوانا۔ مذاق اڑانا اور لوگوں کو اس پر آمادہ کرنا۔ طعن کرنا۔ مٹانے کی کوشش کرنا تو آیات سے مراد قرآنی آیتیں ہیں مقاتل ابن حبان کہتے ہیں کہ مکر سے مراد اللہ کی روزی بارش وغیرہ کو بتوں یا چاند تاروں کی طرف نسبت کرنا کہ یہ ان کی طرف سے ہم کو ملیں اور آیات سے مراد تکوینی نشان قدرت ہیں یعنی بارش وغیرہ (خازن، کبیر۔ روح المعانی) یعنی جب ہم انہیں مصیبتوں کے بعد راحتیں دیتے ہیں تو مصیبت کے زمانہ میں آیات قرآنیہ کا جھٹلانا وغیرہ سب بھول جاتے ہیں آرام پاتے ہیں پھر اسی منحوس مشغلہ میں مشغول ہو جاتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیات کا مذاق اڑاتے ہیں یا ان نعمتوں پر رب کا شکر ادا نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ فلاں تارے کے فلاں برج میں جانے

سے یہ بارش ہوئی یا ارزانی آئی وغیرہ۔ وغیرہ قل الله اسرع مکرا اس فرمان عالی میں ان کی سزا کا ذکر ہے اسرع سرعت کا اسم تفضیل ہے اس کا متعلق منکم پوشیدہ ہے اس فرمان عالی میں مکر سے مراد ان کفار کی حرکتوں کی سزا ہے۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرمادو کہ تمہاری خفیہ تدبیروں سے پہلے رب کی طرف سے سزا تم کو مل جاوے گی۔ اسلام کا تم کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اگر اذا لھم مکر سے یہ مراد تھی کہ وہ بارش وغیرہ کو بتوں یا چاند تاروں کی طرف نسبت کرتے ہیں تو یہاں مکر سے مراد ہوگا انہیں ان بدعقیدگیوں کے باوجود ایسی ڈھیل دے گا کہ وہ دھوکا کھا جائیں گے کہ شاید ہم حق پر ہیں۔ پھر پیالہ بھر جانے پر انہیں پکڑے گا۔ یہ تو آئندہ کی سزا ہے۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ ان رسلنا یکتبون ما یمکرون چونکہ کفار نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں ان کی تحریر وغیرہ کے منکر تھے اس لئے اس فرمان عالی کو ان سے شروع فرمایا گیا۔ رسل جمع رسول کی ہے یہاں اس سے مراد اعمال لکھنے والے فرشتے ہیں چونکہ وہ رب کی طرف سے انسانوں کی جانب بھیجے ہوئے ہوتے ہیں لہٰذا انہیں رسل فرمایا گیا۔ عام علماء فرماتے ہیں کہ وہ دو فرشتے ہیں ایک دائیں جانب جو نیکیاں لکھتا ہے اس پر دوسرا بائیں جانب والا فرشتہ گواہ ہوتا ہے۔ دوسرا بائیں جانب جو انسانوں کے گناہ لکھتا ہے اور دوسرا فرشتہ اس پر گواہ ہوتا ہے مگر روح البیان شریف نے اس جگہ فرمایا کہ وہ فرشتے تین ہیں دو تو لکھنے والے ان کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں صبح سے شام تک دو اور پھر شام سے صبح تک دوسرے دو مگر تیسرا وہ جو ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتا ہے اس کی تبدیلی نہیں۔ عبداللہ ابن مبارک کا یہی قول ہے۔ (روح البیان) یعنی اے کافرو تم جو کچھ حرکتیں کرتے ہو وہ ہمارے مقرر کردہ فرشتے سب لکھ رہے ہیں۔ ان پر تمہاری کوئی اندرونی بیرونی حالت مخفی نہیں تو رب تعالیٰ پر تمہارے کوئی حال کیسے چھپ سکتے ہیں۔

**خلاصہ تفسیر:** کفار جب تک مصیبت و آفات میں گرفتار رہتے ہیں تب تک تو قرآن مجید صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو بھولے رہتے ہیں ان کے خلاف کروائیاں نہیں کرتے مگر جوں ہی انہیں ہم تھوڑی سی رحمت دے دیتے ہیں مصیبت ٹال دیتے ہیں تب ہی وہ آیات قرآنیہ معجزات نبویہ کو باطل کرنے کی کوشش اور مذاق اوڑاتے ہیں۔ پہلے کی طرح مشغول ہو جاتے ہیں گذشتہ آفات و بلیات کو بھول جاتے ہیں۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمادو کہ نادانو تمہاری تدبیروں سے رب تعالیٰ کی تمہارے خلاف خفیہ تدبیر بہت جلد تم تک پہنچ جاوے گی کہ اچانک رب تعالیٰ اپنے محبوب کی ایسی مدد کرے گا کہ تم حیران رہ جاؤ گے۔ تمہاری سالہا سال کی تدبیریں چند دنوں میں ختم ہو کر رہ جائیں گی۔ بلکہ الٹی تم پر آفت ڈھائے گی مکار پر اس کا مکر پڑتا ہے۔ ولا یحیق المکر السیئ الا باھلہ یہ تو آئندہ پتہ لگے گا۔ اس وقت بھی تمہاری ہر حالت پر قول و فعل لکھا جارہا ہے۔ ہماری طرف سے تم پر جو کاتبین اعمال فرشتے مقرر ہیں سب کچھ لکھ رہے ہیں۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** دنیا کی نعمتیں اور مصیبتیں آخرت کی نعمت اور مصیبت کے مقابلہ میں بہت معمولی اور حقیر ہیں۔ نعمتیں ہیں تو آخرت کی مصیبتیں ہیں۔ تو آخرت کی یہ فائدہ اذقنا (الخ) اور مستھم سے حاصل ہوا کہ رحمت کے لئے چکھانا اور آفت کے لئے چھو جانا ارشاد ہوا۔

**دوسرا فائدہ:** دنیا کی ہر بھلائی برائی رب کی طرف سے ہے مگر بارگاہ الٰہی کا ادب یہ ہے کہ بھلائی کو رب کی طرف نسبت کرو۔ برائی نہ کرو۔ یہ فائدہ بھی اذقنا اور مستهم سے حاصل ہوا کہ رحمت کو رب کی طرف نسبت کیا گیا اذقنا الناس اور برائی کو اس کی طرف نسبت نہ کیا گیا۔ مستهم۔

**تیسرا فائدہ:** غافل اور کافر نہ تو دنیا کی نعمتیں برداشت کر سکتا ہے نہ یہاں کی آفتیں نعمتوں میں متکبر بن جاتا ہے۔ آفتوں میں مایوس۔ مومنوں کو رب تعالیٰ استقامت بخشتا ہے وہ نعمتوں میں شاکر ہوتا ہے مصیبتوں میں صابر۔

**چوتھا فائدہ:** عموماً انسان مصیبتوں میں ٹھیک رہتا ہے راحت میں راستہ سے ہٹ جاتا ہے۔ یہ فائدہ اذا لهم مکر (الخ) سے حاصل ہوا کہ کفار مکہ قحط کے زمانہ میں حضور انور ﷺ اور قرآن مجید کی مخالفتیں بھول گئے ارزانی فراوانی پاتے ہی مخالفت کرنے لگے۔ فرعون عیش کے زمانہ میں خدا بنا رہا۔ ڈوبنے لگا تو بولا۔ امنت انه لا اله الا الذی امنت به بنو اسرائیل اب میں اس رب پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ مصیبت بڑے بڑے سرکشوں کو بندہ بنا دیتی ہے۔

**لطیفہ:** ایک شخص جنگل میں جا رہا تھا۔ سامنے سے ایک حسین عورت آئی یہ اسے گھور کر دیکھنے لگا۔ اتفاقاً ایک کتا سامنے آ گیا یہ سمجھا کہ شاید مجھ پر حملہ کرے گا۔ اس ڈر سے عورت کو دیکھنا بھول گیا۔ اسے خبر ہی نہ رہی کہ وہ حسینہ کہاں ہے جب کتے کا خطرہ جاتا رہا تو اس کے دل کی کھڑکی کھل گئی کہ ایک کتے کے خطرہ سے میں جرم کرنا بھول گیا اگر دوزخ کا خطرہ مجھے رہے تو گناہ ہرگز نہ کروں۔

**پانچواں فائدہ:** انسان کی برسوں کی تدبیریں ایک کرشمہ قدرت کے سامنے فیل ہو جاتی ہیں۔ تقدیر کے آگے تدبیر ہیچ ہے یہ فائدہ قل الله اسرع مکرا سے حاصل ہوا۔ کفار مکہ کی برسوں کی مجموعی کوشش غزوہ بدر کی چند ساعتوں پر ختم ہو گئیں کہ نہ کوششیں رہیں نہ کوشش والے۔

**چھٹا فائدہ:** اعمال لکھنے والے فرشتے کفار کے ساتھ بھی رہتے ہیں ان کے برے اعمال لکھتے ہیں کیونکہ وہ بھی نیک کام کرنے برے کام نہ کرنے کے مکلف ہیں۔ یہ فائدہ یکتبون ما تمکرون سے حاصل ہوا۔ کیونکہ انہیں برے اعمال کی سزا ملتی ہے ان کے برے عقائد برے اعمال سب کی سزا ہے۔

**ساتواں فائدہ:** کفار کے نامہ اعمال میں ان کے صرف گناہ لکھے جاتے ہیں کہ ان پر انہیں سزا دینا ہے ان کی نیکیاں نہیں لکھی جاتیں کہ انہیں ان کا ثواب نہیں دیا جاتا۔ یہ فائدہ یکتبون ما تمکرون سے حاصل ہوا کہ ان کے مکر کی تحریر تو ہے ان کے صدقہ و خیرات وغیرہ کی تحریر بالکل نہیں۔

**آٹھواں فائدہ:** کسی کام میں مدد دینے والا حقیقت اس کا کرنے والا ہی ہے یہ فائدہ یکتبون جمع فرمانے سے حاصل ہوا کہ کفار کے گناہ لکھنے والا ایک فرشتہ ہے مگر رب تعالیٰ نے ان تینوں فرشتوں کو کاتب قرار دیا کیونکہ وہ دو لکھنے میں اس کی مدد کرتے ہیں۔

**نواں فائدہ:** بندوں کے اعمال فرشتوں کی تحریر ایک ساتھ ہوتی ہے حتیٰ کہ جو لفظ بندہ کے منہ سے نکلتا ہے اس کی تحریر ہی کی

جاتی ہے رب فرماتا ہے۔ مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید ۔ یہ نہیں ہوتا کہ یکدم سارے اعمال لکھ لئے گئے ہوں۔ وہ تحریر تو ازل میں لوح محفوظ میں ہو چکی یہ فائدہ بھی یکتبون اور یمکرون کے مضارع فرمانے سے حاصل ہوا۔

**دسواں فائدہ:** جو کسی کام کے لئے کہیں بھیجا جاوے وہ بھی رسول ہیں یہ فائدہ رسلنا سے حاصل ہوا کہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو رسل فرمایا۔ یہاں رسل بمعنی مبلغ نہیں۔ بمعنی فرمان رسائی ہے نہ بمعنی فیض رسان بلکہ اس کے معنی کارسرکار پر متعین۔

**پہلا اعتراض:** یہاں رحمت کے لئے اذقنا اور مصیبت کے لئے مستھم ارشاد ہوا فرق بیان کی کیا وجہ ہے ذوق اور مس میں کیا فرق ہے۔

**جواب:** دنیا کی ہر اچھی بری چیز بمقابلہ آخرت بہت ہی تھوڑی ہے مگر راحت بالکل آنی فانی ہے تکلیف اس کے مقابلہ میں باقی کس قدر باقی۔ شعر۔

دکھ سدا سکھ گا ہے گا ہے دکھاتے سکھ وارے ۔۔۔ دکھ منظور محمد میتوں راضی رہن پیارے

آرام کی گھڑیاں آندھی کی طرح گذر جاتی ہیں تکلیف کی گھڑیاں کاٹے نہیں کٹتیں۔

**دوسرا اعتراض:** مکر اچھی چیز ہے یا بری چیز اگر بری چیز ہے تو رب کی طرف منسوب کیوں ہوئی۔ قل اللہ اسرع مکرا اور اگر اچھی چیز ہے تو کفار کی طرف منسوب کیوں ہوئی۔ لھم مکر فی ایاتنا۔

**جواب:** مکر کے دو معنی ہیں (۱) فریب دینا۔ اس معنی سے برائی اور کفار کی طرف منسوب (۲) فریب کی سزا دینا۔ اس معنی سے اچھا ہے رب کی طرف منسوب کرنا۔

**تیسرا اعتراض:** جب بچے اور دیوانے کے اعمال نہیں لکھے جاتے کہ وہ ان کے مکلف نہیں تو کفار کے اعمال کیوں لکھے جاتے ہیں۔ وہ بھی اعمال کے مکلف نہیں اور یہ فرمان کیونکر درست ہوا ان رسلنا یکتبون (الخ)

**جواب:** کفار اعمال کے مکلف ہیں مگر آخرت کی سزا جزا کے لحاظ سے بلکہ ملکی انتظامی اعمال کے شرعا دنیا میں بھی مکلف ہیں چنانچہ ان کے چور کا ہاتھ کٹے گا۔ ان کے قاتل سے قصاص لیا جاوے گا۔ لہذا ان کے اعمال کی تحریر اخروی سزا کے لئے ہے۔

**چوتھا اعتراض:** جب کفار کی نیکیوں کی جزا و ثواب نہیں تو ان کے لئے نیکیاں لکھنے والا فرشتہ کیوں رکھا گیا۔ صرف ایک فرشتہ یعنی گناہ لکھنے والا کافی تھا۔

**جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا۔ کفار کے گناہ لکھے جاتے ہیں جسے بائیں طرف والا فرشتہ لکھتا ہے اور دائیں جانب والا فرشتہ اس پر گواہ ہوتا ہے۔ ایک کاتب دوسرا گواہ وہ مقبول ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فرشتے خدام کی حیثیت سے رہتے تھے وہاں اب بھی ستر ہزار دن میں ستر ہزار رات میں سلام کے لئے حاضر رہتے ہیں۔

**تفسیر صوفیانہ:** راہ طریقت کے مسافر بہت ______ ہیں تھوڑے واصلین۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی پہلے فاسق تھا۔ فسق و فجور کی بلا میں گرفتار پھر اسے رحمت پہنچی توبہ کی توفیق عبادات میں لذت۔ بعض مقامات تک رسائی ہوئی۔ کچھ کشف و

ظہور ہوا۔ یہ ہے بلا کے بعد رحمت۔ مگر وہ اسے برداشت نہ کر سکے کہ ان میں مشیخت کی شیخی فخر و تکبر لوگوں پر اپنے کمال کے اظہار طلب ریاست۔ نااہلوں پر راز کھول دینا قبولیت خلق کی کوشش وغیرہ کی بیماری لگ گئی یہ ہے اذا لھم مکر فی ایاتنا ایسے لوگوں سے فرما دو کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر تیز تر ہے کہ ایسوں پر حجاب آ جاتے ہیں جیسے تھے ویسے ہی بلکہ اس سے بدتر ہو جاتے ہیں ان لوگوں کا حال ہمارے اعمال لکھنے والے فرشتوں پر نہیں چھپا رہتا۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ پانی پر چلنے ہوا پر اڑنے لگے انہیں طی الارض عطا ہوئی مگر وہ اسے سنبھال لے اللہ کے خفیہ تدبیر سے بچنے کا ذریعہ اس کی اطاعت ہے مکر و حیلہ سازی سے انسان رب کو دھوکا نہیں دے سکتا اس عذاب سے اطاعت کے قدم کے ذریعہ اس کی رحمت کی طرف دوڑو ورنہ وہ مثال ہوگی کہ پٹتا ہوا جانور دم ہلا کر سمجھے کہ یہ عمل مصیبت سے بچا لے گا (روح البیان) اے انسان تیری تاک میں دو شکاری ہیں۔ تو درمیان میں ایک شکار ہے۔ نفس اور شیطان تیرے پیچھے پڑے ہیں۔ تو ان سے رب کی پناہ لے۔

**حکایت:** ایک فاختہ درخت کی شاخ پر بیٹھی تھی اس نے نیچے دیکھا تو شکاری اس کی طرف تیر کمان میں لگا رہا تھا اوپر دیکھا تو اس کی فکر میں باز تھا۔ بولی اے رب اب میں کدھر جاؤں۔ نیچے تیر ہے اوپر باز شکار ایک ہے شکاری دو۔ اب تو ہی مجھے بچا بس اس کی زاری جناب باری تعالیٰ میں قبول ہوئی۔ شکاری کو سانپ نے کاٹا۔ جس سے اس کا تیر غلط چھوٹا۔ وہ باز کو لگا دونوں شکاری ہلاک ہوئے۔ یہ سبحان اللہ وبحمدہ کہتی ہوئی اپنے گھر روانہ ہوگئی مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي

وہ رب وہ ہے جو چلاتا ہے تم کو خشکی میں اور دریا میں حتی کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو

وہی ہے کہ تمہیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے یہاں تک کہ جب تم

الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاۗءَتْهَا

اور بہتی وہ انہیں لے کر ہوا سے اچھی اور خوش ہوتے ہیں وہ اس سے

کشتی میں ہو اور وہ اچھی ہوا سے انہیں لے کر چلیں اور اس پر خوش ہوئے ان پر

رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَھُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ

تو آتی ہے ان پر ہوا سخت اور آتی ہے ان پر موج ہر جگہ سے اور

آندھی کا جھونکا آیا اور ہر طرف سے لہروں نے انہیں آ لیا اور

ظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ

گمان کر لیتے ہیں وہ کہ بیشک وہ گھیر لیے گئے تو دعا کرتے ہیں وہ اللہ سے خالص کرتے

سمجھ گئے کہ ہم گھر گئے اس وقت اللہ کو پکارتے ہیں نرے اس کے بندے

لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۲۲﴾

ہوئے اس کیلئے دین کو البتہ اس وقت اگر نجات دے گا تو ہم کو تو ضرور ہو جائیں گے ہم شکر گزاروں میں سے

ہو کر کہ اگر تو اس میں سے ہمیں بچا لے گا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں کفار کی انقلابی طبیعت کا کلی حال بیان ہوا کہ ان کی طبیعتیں حالات و کیفیات کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہیں۔ مصیبت میں ان کی طبیعت اور قسم کی ہوتی ہے راحت میں اور طرح کی اب اس کے ثبوت میں ان کے ایک خاص انقلاب کا ذکر ہے کہ سمندر کے سفر میں موافق ہوا چلے تو ان کا اور حال ہوتا ہے مخالف ہوا چلے تو دوسرا حال۔ گویا یہ آیت کریمہ پچھلے کلی قانون کا ثبوت ہے یا اس کی مثال۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی قدرتوں اور توحید کے دلائل کا ذکر ہے جو انسان پر وارد ہوتی رہتی ہیں۔ جہاں انسان کی تمام طاقتیں تدبیریں ختم ہو جاتی ہیں یعنی سمندر میں پھنسنا وہاں سے نکلنا وغیرہ (روح المعانی)

**تیسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اے لوگو تمہاری تدبیروں سے اللہ کی تدبیر بہت تیز ہے وہ ایک آن میں تمہاری ساری تدبیریں کوششیں ختم فرما دیتا ہے اب اس کا ثبوت خود ان کی واردات سے دیا جا رہا ہے کہ سمندر کی لہریں آن کی آن میں تمہاری ساری تدبیریں جو تم سمندر کے لئے کرتے ہو ختم فرما دیتا ہے پھر تم کو دعا کے سوا اور کچھ نہیں سوجھتا۔

**لطیفہ:** حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک دہریہ منکر خدا نے آ کر عرض کیا کہ خالق کے ثبوت پر کوئی قوی دلیل دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تو کام کیا کرتا ہے۔ اس نے کہا تجارتی کاروبار۔ فرمایا کیا تو نے کبھی سمندر کا سفر بھی کیا ہے بولا ہاں فرمایا تو کبھی سمندر میں پھنسا بھی ہے بولا ہاں ایک بار کاروباری سلسلہ میں سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ کشتی پھٹ گئی اور میں ایک تختہ پر بیٹھا رہ گیا۔ آندھی چل رہی تھی۔ آپ نے پوچھا کہ اس وقت تیرے دل میں کچھ عاجزی اور دعا کا جذبہ پیدا ہوا۔ وہ بولا ہاں آپ نے فرمایا خدا وہ ہی ہے جس کی بارگاہ میں اس وقت تو گڑ گڑایا تھا اور تیرا وہ حال رب تعالیٰ کی دلیل ہے (کبیر)

**تفسیر:** **هو الذی یسیر کم فی البر و البحر** ۔ ہم نے بار ہا عرض کیا کہ **هو الذی** یا تو اظہار قدرت کے موقعہ پر ارشاد ہوتا ہے یا اظہار کرم کے موقعہ پر یا نشانی قدرت دلیل قدرت پر۔ یہاں ساری صورتیں ہو سکتی ہیں۔ **هو** سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے **الذی** سے مراد صفت باری تعالیٰ یعنی وہ ذات کریم وہ رحم و کرم والا ہے۔ ہماری قرأت میں **یسیر کم** ہے **تسیر** کا مضارع باب تفعیل ایک قرأت میں **ینشر کم** نشر سے بمعنی پھیلانا جیسے فرمان عالی ہے۔ **فانتشروا فی الارض** ۔ **یسیر** بنا ہے **تیسر** سے بمعنی چلانا سیر کرانا۔ **مسیر** ہے لازم بمعنی چلنا **تیسیر** متعدی ہے بمعنی چلانا۔ **کم** میں خطاب یا تو کفار سے ہے یا سارے انسانوں سے۔

**خیال رہے:** کبھی بندے کی طرف ہوتی ہے کبھی رب کی طرف یہاں سیر کرانے چلنے کی نسبت رب کی طرف ہے اور قل سیروا فی الارض ۔ میں سیر کی نسبت بندے کی طرف ۔ رب فرماتا ہے کما اخرجک ربک من بیتک بالحق ۔ وہاں نکالنے کی نسبت رب کی طرف ہے ۔ دوسری جگہ فرماتا ہے ۔ اذا اخرجه الذین کفروا وہاں نسبت نکالنے کی کفار کی طرف ہے یوں ہی فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا ۔ دوسری جگہ ہے وانه هو اضحک وابکی ۔ اور فرماتا ہے وما رمیت اذ رمیت چونکہ خشکی میں چلنا پھرنا ہر شخص کو ہر وقت میسر ہوتا ہے اور سمندر میں سفر کبھی کسی کو نصیب ہوتا ہے اس لئے خشکی کا ذکر پہلے ہوا ۔ سمندر کا ذکر بعد میں ۔ چلانے سے مراد ہے چلنے پھرنے کے اسباب جمع فرما دینا ۔ انہیں اس کا موقعہ دینا پاؤں ۔ گھوڑے گاڑی ریل موٹریں وغیرہ پیدا فرمانا خشکی کے سفر کا موقعہ دینا ہے ۔ کشتی جہاز وغیرہ پیدا فرمانا سمندر میں چلانا ہے ۔ (تفسیر کبیر ، روح المعانی وغیرہ) حتی اذا کنتم فی الفلک ۔ یہ عبارت دریا میں سیر کرانے کی انتہا ہے فلک بروزن قفل واحد ہے اور فلک بروزن اسد جمع اس لئے اس آیت میں فلک کے لئے ایک ضمیر واحد لائی گئی جاءتها ریح اور دوسری ضمیر جمع وجرین بھم فلک چھوٹی کشتی کو بھی کہتے ہیں ۔ بڑے جہاز کو بھی ۔ یہاں مراد وہ بادبانی کشتیاں ہیں جو ہوا کی مدد سے چلتی تھیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے وجرین بھم بریح طیبة اس عبارت میں حاضر سے غائب کی طرف التفات ہے کہ پہلے فرمایا گیا تھا ۔ اذا کنتم خطاب سے اور اب ارشاد ہے جرین بھم غائب عربی میں التفات فصاحت و بلاغت کا رکن ہے مگر غائب سے حاضر کی طرف التفات زیادتی قرب حضور ﷺ کے لئے ہوتا ہے جیسے الرحمن الرحیم ملک یوم الدین کے بعد ایاک نعبد اور حاضر سے غائب کی طرف التفات ناراضی ظاہر فرمانے کے لئے ہوتا ہے ۔ جیسا کہ یہاں ہے چونکہ فلک جمع بھی ہے اس لئے جرین صیغہ جمع ارشاد ہوا نیز فلک بمعنی سفینہ ہے اور سفینہ مونث ہے اس لئے جرین بھم جمع مونث ارشاد ہوا اور چونکہ بمعنی مرکب یعنی سواری بھی ہے لہٰذا اسے مذکر بھی لاتے ہیں ۔

**خیال رہے:** کہ عرب ، عجم ، رہب طفل ، جنب وغیرہ وہ اسم ہے جو واحد بھی ہیں اور جمع بھی ہیں (روح المعانی) ایسے ہی فلک ہے بھم میں ب بمعنی مع ہے اور ھم سے مراد کشتی کے سوار لوگ ہیں ۔ بریح کی ب سبب یا مدد کی ہے اکثر قرآن مجید میں ریح غضب کی ہوا کو کہا جاتا ہے اور ریاح رحمت کی ہواں کو مگر یہاں چونکہ ساتھ ہی طیبة بھی ہے اس لئے ریح بمعنی رحمت کی ہوا ہے ۔ طیب ہوا سے مراد وہ ہوا ہے جو نرم بھی ہو اور کشتی کے موافق بھی جس سے کشتی بہت جلد منزل مقصود پر پہنچے ۔ وفرحوا بھا ۔ یہ عبارت معطوف ہے جرین پر فرحت سے مراد شکر کی خوشی نہیں بلکہ فخر و تکبر کی خوشی ہے ۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے یہاں کا مرجع ریح ہے یا فلک یعنی کشتی جاءتها ریح عاصف یہ عبارت جزا ہے اذا کنتم کی ھا کا مرجع فلک ہے چونکہ واحد بھی ہے اس لئے یہاں ضمیر واحد ارشاد ہوئی یا جمع مونث کے لئے ضمیر واحد بھی آ جاتی ہے ۔ (کبیر)

**خیال رہے:** کہ ریح مونث ہے مگر عاصف صرف ریح کی صفت ہے ۔ دوسری کسی چیز پر نہیں بولی جاتی ۔ اس لئے ریح کی صفت عاصف بھی آ جاتی ہے اور عاصفہ بھی یہاں عاصف آیا اور ولسلیمان الریح عاصفة تجری بامره میں عاصفہ مونث ارشاد ہوا ۔ جیسے عورت کے لئے خالص اور خالصہ دونوں لفظ ہیں (تفسیر کبیر و معانی وغیرہ) عاصف بنا ہے عصف یا عصوف سے

بمعنی جلدی کہا جاتا ہے ناقة عاصفة تیز رفتار اونٹنی۔ وجاء هم الموج من كل مكان ۔ یہ عبارت معطوف ہے جاء هم الموج پر اور اس میں ان سوار کفار کا تیسرا حال ارشاد ہو یہاں ظن بمعنی یقین ہے یا تو اپنے معنی میں ہے یعنی انہیں مصیبتوں میں گھیر دیا گیا یا بمعنی مونث ہے یعنی ان پر مسلط کر دی گئی۔ ہر حال انہیں اپنی زندگی کی امید نہ رہی جب یہ حال ہوا تو دعو والله مخلصين له الدين ۔ اس حالت میں وہ بتوں کو بھول جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نرے بندے بن جاتے ہیں۔ اب عجز و انکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں یا اس سے دائمی نجات کرتے ہیں الہذا دین بمعنی ملت و مذہب ہے یا بمعنی توجہ اور دل جھکاؤ بہر حال ان کا یہ مجبوری والا اخلاص گویا اضطراری ایمان ہے جس پر شرعی احکام مرتب نہیں ہوتی لہذا اس کے بعد کفر کو ارتداد نہیں کہا جا سکتا۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ کفار عرب آرام میں تو اللہ تعالیٰ سے بھی دعائیں کرتے تھے اور بتوں سے بھی مگر ایسی خطرناک آفت میں صرف رب تعالیٰ سے دعا کرتے تھے۔ بتوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ یہ بتانے کے لئے مخلصين له الدين ارشاد ہوا۔ (تفسیر کبیر) لئن انجيتنا من هذه لنكونن من الشاكرين ۔ یہ فرمان عالی دعوو الله کا مقولہ ہے اس میں شکر سے مراد شرک چھوڑ کر مسلمان بن جانا اور ساری عمر اس نعمت و نجات کے شکریہ میں اللہ کی اطاعت و عبادت کرنا۔ یعنی اگر تو نے اس دفعہ ہماری جان بچالی تو ہم عمر بھر مسلمان متقی بن کر رہیں گے۔ تیرا یہ احسان کبھی نہ بھولیں گے۔

**خلاصہ تفسیر:** اے لوگو وہ اللہ جس کی طرف تم کو رسول اللہ بلاتے ہیں وہ رحمتوں والا اللہ ہے۔ جو تم کو خشکی و سمندر میں چلاتا۔ پھراتا ہے کہ اس۔ نے تمہارے لئے خشکی کی سواریاں بھی پیدا فرمائیں اور تمہارے قدم بھی مختلف سواریوں کے جانور گاڑیاں وغیرہ اور سمندری سفر کے لئے بھی سواریاں پیدا کیں۔ کشتی، جہاز وغیرہ حتی کہ جب تم کشتی کے ذریعہ سمندر کا سفر کرتے ہو اور تم کو لے کر کشتی سمندر میں جاری ہوتی ہے۔ اور ہمارے کرم سے ہوا نرم بھی ہوتی ہے اور کشتی کے موافق بھی۔ جس سے سواریاں بہت خوش و خرم بھی ہوتی ہیں سمندر کے سیر سے لطف اندوز بھی کہ اچانک آندھی شروع ہو جاتی ہے جس سے چوطرفہ سے موجیں اٹھتی ہیں کشتی کو گھیر لیتی ہیں سواریوں کو اپنی موت سامنے نظر آنے لگتی ہے تو یہ لوگ اپنے بتوں کو بھول کر اللہ تعالیٰ کے نرے بندے بن کر اپنے چھٹکارے کی دعائیں مانگتے ہیں کہ مولیٰ اس دفعہ تو ہم کو نجات دے دے تو ہم تجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تیرے خالص بندے اور بڑے مطیع و فرمانبردار رہیں گے۔

**حکایت:** فتح مکہ کے دن حضور انور ﷺ نے چند شخصوں کے متعلق حکم دیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جاویں ان میں حضرت عکرمہ ابن ابوجہل ڈر کی وجہ سے مکہ معظمہ سے جدہ بھاگے۔ وہاں سے حبشہ کے لئے بحری کشتی میں سوار ہو گئے۔ راستہ میں کشتی کو تیز آندھی نے گھیر لیا۔ جب کشتی کی سواریوں کو اپنی زندگی سے مایوسی ہوئی تو ملاح وغیرہ ہم نے سواریوں سے کہا خلوص دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو یہاں تمہارے بت اور دوسرے معبود کچھ کام نہ آئیں گے۔ عکرمہ بولے کہ اگر سمندر میں بت کام نہیں آ سکتے تو خشکی میں بھی کام نہیں آ سکتے۔ خدایا میں عہد کرتا ہوں کہ تو نے اس بلا سے نجات دے دی تو میں حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ہاتھ پر ایمان لاؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں انہیں معافی

دینے والا کریم پاؤں گا۔ اللہ نے انہیں نجات دے دی پھر ان کے اسلام لانے کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ (تفسیر روح البیان) اللہ کی شان ہے کہ باپ ابوجہل کفار کا سردار اور بیٹا حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کا سردار ہے کہ مومن، متقی، صحابی سب کچھ ہے یہ اس کی بے نیازی ہے۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** ہمارا زمین پر چلنا پھرنا۔ سواریوں پر دوڑ لگانا۔ سمندر میں تیرنا سب رب کی طرف سے ہے اگر اس کا کرم شامل حال نہ ہو تو ہم جنبش نہیں کر سکتے۔ یہ فائدہ یسیر کم (الخ) سے حاصل ہوا انسان ہر قدم پر شکر کرے۔

**دوسرا فائدہ:** انسان کے اعمال و اقوال بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں یعنی انسان اپنے اعمال کا کاسب ہے رب تعالیٰ ان کا خالق یہ فائدہ بھی یسیر کم (الخ) سے حاصل کہ یہاں چلانے کی نسبت رب تعالےٰ کی طرف کی گئی یہ نسبت خلق کی ہے دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ واللہ خلقکم وما تعملون۔ اللہ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا فرمایا وہ آیت کریمہ اس آیت کی تفسیر ہے یہ ہی اہل سنت کا مذہب ہے۔

**تیسرا فائدہ:** اللہ کی نعمتوں پر فخر اور اترانے کی خوشی کرنا کفار کا طریقہ ہے اور شکریہ کی خوشی منانا مومن کا طریقہ یہ فائدہ وفرحوا بها سے حاصل ہوا کہ اس خوشی کو رب تعالیٰ نے بطور عتاب بیان فرمایا۔ ایک جگہ ارشاد ہے لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین خوشی نہ کرو اللہ خوشی کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ وہاں یہ ہی شیخی کی خوشی سے ممانعت ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے بفضل اللہ وبرحمۃ فبذلک فلیفرحوا۔ اللہ کے فضل اس کی رحمت پر خوب خوشی کرو۔ وہاں شکریہ کی خوشی مراد ہے۔

**چوتھا فائدہ:** مصیبت میں خدا کو یاد کرنا آرام میں اسے بھول جانا کفار کا طریقہ ہے مومن کو چاہئے کہ ہر حالت میں عیش و طیش میں رب کو یاد کرے۔ یہ فائدہ دعوا اللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے اس وقت خدا کی یاد پر عتاب فرمایا۔ کیونکہ وہ وقتی یاد تھی اس کی یاد دائمی چاہئے۔

**پانچواں فائدہ:** اللہ کو پکارنا اس سے دعا کرنا عبادت ہے مگر جب کہ ایمان کے ساتھ ہو۔ کافر کے یہ کام بھی اس کے کفر میں شمار ہوتے ہیں۔ دیکھو یہاں عوا اللہ اور یوں ہی مخلصین لہ الدین کو ان کے کفریات میں گنایا۔ ایمان اضطراری شرعاً معتبر نہیں اختیاری ایمان کا اعتبار ہے۔ دیکھو کفار مضطر اور مجبور ہو کر ایمان اختیار کرتے تھے مجبوری ختم ہو جانے پر ان کا ایمان بھی ختم ہو جاتا تھا۔ اس لئے فرعون کا ڈوبتے وقت آمنت کہنا کافر کا نزع کی حالت میں ایمان قبول کرنا معتبر نہیں یہ فائدہ مخلصین لہ الدین سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کے اخلاص اور دین کا ذکر فرمایا مگر انہیں مومن نہیں مانا۔

**چھٹا فائدہ:** کافر کی نذر منت شرعاً معتبر نہیں نہ اس پر شرعی احکام کفارہ وغیرہ واجب ہیں۔ یہ فائدہ لنکونن من الشاکرین سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کی اس منت کا ذکر تو فرمایا مگر بعد میں منت پوری نہ کرنے پر ان پر کفارہ لازم نہ فرمایا۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں دو سواریوں کا ذکر فرمایا خشکی اور تری یعنی سمندر کی مگر بعد میں صرف سمندری سواری

کا حال بیان کیا۔ دیکھو پہلے فرمایا فی البر والبحر اور پھر ارشاد ہوا۔ حتی اذا کنتم فی الفلک اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔

**جواب:** اگرچہ مجبوریاں انسان کو خشکی اور دریا دونوں جگہ پیش آتی ہیں مگر سمندر میں زیادہ اور خطرناک دوران سفر آندھی آنا کشتی کا چکر کھانا ہر طرف سے موجوں کا گھیر لینا۔ موت کا سخت خوف یہ چیزیں صرف دریائی سفر میں ہی ہوتی ہیں۔ اس حالت میں لوگ ایمان اور شکر کے وعدے، بہت کرتے ہیں اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر ہوا۔

**دوسرا اعتراض:** اس آیت میں لفظ فلک ایک ہے مگر اس کے لئے ضمیریں دو ارشاد ہوئیں جرین جمع موئث اور جاء تھا ریح عاصف واحد موئث اس کی وجہ کیا ہے۔

**جواب:** اس کی دو وجہیں ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں ایک یہ کہ واحد موئث کی ضمیر جمع کی طرف بھی لوٹ جاتی ہے بمعنی جماعت دوسرے یہ کہ فلک واحد بھی ہے جمع بھی واحد کے لحاظ سے بہا فرمایا گیا جمع کے معنی سے جرین جمع ارشاد ہوا۔ (کبیر معانی)

**تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا بریح طیبۃ یعنی ریح کی صفت طیبہ موئث اور پھر ارشاد ہوا ریح عاصف یعنی ریح کی صفت عاصف مذکر اس فرق کی وجہ کیا ہے یا وہاں بھی طیب فرمایا جاتا یہاں بھی عاصفۃ ہوتا۔

**جواب:** نحوی قائدہ یہ ہے کہ صفات مشترکہ جو مذکر و موئث دونوں کی صفت ہوں وہ مذکر کے لئے مذکر اور موئث کے لئے موئث آتی ہیں جیسے قائم اور قائمۃ کیونکہ موئث کی علامت کی وجہ سے ان میں فرق ہوتا ہے۔ مگر خصوصی صفات جو صرف موئث کی ہوں مذکر کی بھی نہ ہوں۔ وہ موئث کے لئے بغیرت کے آتی ہیں کہ وہاں فرق کی ضرورت نہیں جیسے حامل اور خالص کہ حمل اور حیض صرف عورتوں کو ہوتا ہے لہذا عورت کو حامل اور خالص کہہ سکتے ہیں طیب مذکر کی بھی صفت ہے اور موئث کی بھی۔ اس لئے طیبۃ فرمایا۔ اور عاصف صرف موئث کی صفت ہوتی ہے اس لئے ریح موئث کے لئے عاصف بغیرت تانیث کے ارشاد ہوا یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے۔

**چوتھا اعتراض:** یہاں کفار کی برائی کے سلسلہ میں ان کا اچھی ہوا سے خوش ہونا بیان ہوا۔ وفرحوبھا حالانکہ اللہ کی نعمت پر خوش ہونا تو عبادت ہے۔ جس کا قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے۔

**جواب:** خوشی دو طرح کی ہوتی ہے (۱) شکر کی اور (۲) فخر کی اور (۳) غفلت شکر کی خوشی عبادت ہے اور فخر کی خوشی حرام بلکہ کبھی کفر ہے یہاں دوسری خوشی مراد ہے دیکھا جاتا ہے کہ جب جہاز سمندر میں آرام سے تیر رہا ہوتو وہاں گانا، باجہ، شراب، زنا میں مصروف ہوتے ہیں خدا کو بھول جاتے ہیں کیا یہ خوشی عبادت ہے جب جہاز ڈوبنے لگتا ہے تو چیختے چلاتے ہیں۔

**پانچواں فائدہ:** آج کل کے دنیاوی پیروں کو ماننے والے مسلمان اس زمانہ کے کفار سے بدتر ہیں کہ کفار سمندری آفات میں پھنس کر اللہ تعالیٰ سے فریادیں کرتے اسے پکارتے تھے دیکھو فرمایا گیا دعوا اللہ مگر یہ مسلمان ایسے نازک وقت میں بھی یا غوث یا پیر یا رسول اللہ المدد یا علی مدد ہی پکارتے ہیں۔ (تفسیر روح المعانی)

**نوٹ ضروری:** اس جگہ یہ بات روح المعانی نے کی ہے فقیر کا خیال ہے کہ یہ عبادت الحاقی ہے کسی دیو بندی نے ملائی ہے مجھ سے بعض حاجیوں نے فرمایا کہ سید محمود آلوسی یعنی صاحب روح المعانی کا بیٹا بدمذہب ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے والد کی کتب میں جگہ جگہ زیادتی کی ہے ممکن ہے کہ یہ بھی اسی کی مہربانی ہو۔

**جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ قیامت میں بڑی افراتفری اور سخت مصیبت ہوگی اس وقت ساری مخلوق حضرات انبیاء کرام کو شفاعت کے لئے پکارتی ہوگی۔ ان کے پاس جاوے گی۔ آخر کار حضور ﷺ کے دروازے پر پہنچ کر آپ ﷺ سے فریادی ہوگی۔ جب قیامت کی مصیبت میں نبی کو مدد کے لئے پکارنا درست ہوا تو سمندر کی آفت اس سے کہیں کم ہے نوح علیہ السلام کی کشتی حضور انور ﷺ کے توسل حضور کو پکارنے سے پار لگی مولانا جامی فرماتے ہیں۔ شعر

اگر نام محمد را نہ آوردے شفیع آدم  نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

جواب تحقیقی یہ ہے کہ مصیبتوں میں بتوں کو پکارنا شرک ہے مقبول بندوں کو پکارنا بالکل حق ہے۔ انہیں پکارنا ان کے توسل سے دعا کرنا درحقیقت رب تعالیٰ ہی کو پکارنا اس سے دعا کرنا ہے۔ دیکھو اگر ڈوبتے وقت کافر بت کی طرف سجدہ کرے تو مشرک ہے لیکن اگر مومن کعبہ کی طرف سجدہ کرے نفل پڑھے سجدہ میں پڑ کر دعا مانگے تو مومن ہے کہ کعبہ کی طرف سجدہ رب کو سجدہ ہے نبی سے فریاد کرنا رب تعالیٰ سے فریاد ہے اگر روح المعانی کی یہ عبارت درست ہی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کو بھول کر اسے چھوڑ کر صرف نبی ولی سے فریاد کرنا برا بلکہ کفر ہے جب عقیدہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کچھ نہیں کرتا جو کرتے ہیں پیر فقیر کرتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ **ولا یکاد یمرله ببال انه لو دعا الله تعالیٰ وحده ینجو من هاتیک الاهوال** ____ یعنی اس کے دل میں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اسے پکارنا نجات کا ذریعہ ہے یہ عقیدہ صریحی شرک ہے خود میں نے بعض جاہل فقیروں کو کہتے سنا ہے کہ خدا نے مجھ پر مصیبت بھیجی تھی میرے پیر نے ٹال دی اور میرا پیر بڑا رب ہے ان شیاطین کا ایک شعر مشہور ہے۔ شعر

ومات الشافعی ولیس یدری  علی ربه ام رب الله

یعنی شافعی مرگیا مگر اسے یہ پتہ نہ لگا کہ علی رب ہیں یا اللہ رب ہے۔ نہ معلوم یہ شافعی کون شیطان تھا جس کی یہ بکواس ہے مسلمان ایسی آفات میں یا تو بزرگوں کے توسل سے رب سے دعا کرتے ہیں یا ان بزرگوں سے اللہ کا واسطہ دے کر مدد طلب کرتے ہیں جیسے بھکاری فقیر غنی امیر کے دروازہ پر اللہ کے واسطے سے بھیک مانگتا ہے۔

**چھٹا فائدہ:** اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اخلاص سے عرض معروض کرنا تو بہترین عبادت ہے پھر اس کا کفار کی برائیوں کے سلسلہ میں کیوں بیان ہوا کہ دعوا الله مخلصین له الدین۔

**جواب:** یہاں یہ دعا مانگنے پر عتاب نہیں بلکہ وعدہ خلافی بے وفائی آرام میں رب کو بھول جانا تکلیف میں اسے یاد کرنا پھر آرام پاکر بھول جانا اس پر عتاب ہے۔

تفسیر صوفیانہ: کشتی اللہ کی بڑی نعمت ہے جس کے ذریعہ سمندر پار کیا جاتا ہے۔ اس کے ذریعہ تجارات، حج، عمرہ، جہاد وغیرہ ادا کر کے رب تک پہنچا جاتا ہے مگر یہ فوائد تب ہیں جب ہوا موافقت کرے۔ اس سائنس کے زمانہ میں جب مشینی جہاز تیار ہو چکے ہیں اگر ہوا مخالف ہو جاوے تو جہاز کو تنکے کی طرح برباد کر دیتی ہے۔ انسان کا دل بھی گویا فائدہ مند کشتی ہے۔ جو دنیا میں تیر رہی ہے۔ اگر اس مدینہ طیبہ کی نرم و خوشگوار ہوا پہنچتی رہے تو انشاء اللہ خیریت سے بیڑا پار ہوگا۔ اور اگر بروں کی صحبت سے برائیوں کی ہوا کے تھپیڑے اسے لگنے لگیں تو آفت ہی آفت ہے کبھی اس دل کی کشتی پر دنیوی تفکرات یہاں کی پریشانیوں کی مخالف ہوائیں لگتی ہیں تو انسان پریشان ہو کر بارگاہ الٰہی میں عرض کرتا ہے۔ شعر۔

گر مرا ایں بار ستاری کند توبہ کردم من زہر نا کردنی!

خدایا مجھے اس دفعہ بچالے اب میں تیرے دروازے پر حاضر ہوں گا۔ اگر انسان ان وعدے پر قائم رہے تو کامیاب ہے اس سے پھر جائے تو ناکام جیسے سمندر کے سفر میں جب تک کنارہ نہ لگ جائے تب تک ہر وقت خطرہ ہے۔ ایسے ہی سفر دنیا میں جب تک خاتمہ بالخیر نصیب نہ ہو جائے ہر وقت خطرہ ہے۔ خدا کرے خیریت سے کشتی پار لگے۔ اس آیت کی تفسیر صوفیانہ اور بہت زیادہ ہو سکتی ہے مثلاً یہ کہ طریقت سمندر ہے شریعت اس سمندر کو طے کرانے والی کشتی اس سفر میں کبھی ایسی آفات آجاتی ہے کہ انسان گھبرا جاتا ہے اور متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے اگر یہ قائم رہے تو کامیاب ورنہ ناکام۔

فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ

پھر جب نجات دیتا ہے ان کو تو اچانک وہ بغاوت کرتے ہیں زمین میں ناحق

پھر جب اللہ انہیں بچالیتا ہے جب ہی وہ زمین میں ناحق زیادتی کرنے لگتے

الْحَقِّ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ

اے لوگو اس کے سوا نہیں کہ تمہاری بغاوت جانوں پر ہے تمہاری سامان

ہیں اے لوگو تمہاری زیادتی تمہاری ہی جان کا وبال ہے

مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا٘ ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُكُمْ

زندگانی دنیا کا پھر ہماری طرف ہی ہے لوٹنا تمہارا

دنیا کے جیتے جی برت لو پھر تمہیں ہماری طرف پھرنا ہے

فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

پس خبر دیں گے ہم تم کو جو تم کرتے تھے

اس وقت ہم تمہیں جتا دیں گے جو تمہارے کوتک تھے

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں کفار کی دعاء نجات کا ذکر تھا۔ اب اس دعا کی قبولیت کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ ہم ان کو سمندر کی لہروں سے نجات دے دیتے ہیں۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں بندوں کی بے وفائی کا ذکر ہوا اب رب تعالیٰ کی وفا کا ذکر ہے کہ بندوں کی ان حرکتوں کے باوجود دعائیں قبول کرتا ہے مصیبتوں سے نجات دیتا ہے۔ شعر

اے کریم از ما جفا از تو وفا  اے رحیم از ما خطا از تو عطا
کار ما بد کاری و شرمندگی  کار تو ستاری و بخشندگی

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مصیبتوں تکالیف کا انجام بیان ہوا کہ بندہ مصیبت میں پھنس کر رب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اب عیش و آرام کے انجام کا تذکرہ ہے کہ اس میں عموماً انسان غافل ہو کر ناشکری کرتا ہے۔

**تفسیر:** فلما انجاهم۔ اس فرمان عالی میں ف عاطفہ ہے اور یہ عبارت پچھلی عبارت پر معطوف ارشاد فرما کر دو باتیں بتائی گئیں ایک یہ کہ انہیں سمندر سے نجات دینا۔ ان کی دعا کی بناء پر ہوتا ہے دنیا میں رب تعالیٰ گنہگاروں بلکہ کافرین کی بھی دعا قبول فرمالیتا ہے ان کی دعاؤں سے بھی آفات ٹال دیتا ہے۔ شعر

دوستا فرا کجا کنی محروم  تو کہ با دشمناں نظر داری

دوسرے یہ کہ ان کی یہ آہ و فغاں یہ دعا فوراً قبول ہوتی ہے۔ اگر قبولیت میں دیر لگے تو ان کا کام تمام ہو جائے۔ غرضکہ اس ف میں ترتیب بھی ہے اور فوراً کے معنی بھی انجام کا فاعل رب تعالیٰ ہے اور ھم سے مراد وہ ہی سمندر کے طوفان میں پھنسے ہوئے لوگ پھر جب رب تعالیٰ انہیں کفار کو محض اپنے رحم و کرم کے ذریعے سمندر سے نجات دیتا ہے کہ ہوا ٹھہر جاتی ہے اور وہ بخیریت کنارہ پر اتر جاتے ہیں اذا ھم یبغون فی الارض اس عبارت میں اذا بمعنی اچانک ہے اور جزائیہ اور یہ جملہ لما کی جزا ہے۔ اذا فرما کر یہ بتایا کہ وہ ایسے خبیث ہیں کہ سمندر سے پار لگنے کے بعد فوراً بغیر تاخیر فساد پھیلاتے ہیں اس مصیبت کو اور کئے ہوئے وعدوں کو یکدم بھول جاتے ہیں یبغون مضارع فرما کر بتایا کہ وہ ایک دو بار نہیں بلکہ ہمیشہ یہ ہی کرتے ہیں۔ الارض سے مراد ساری زمین ہے کیونکہ کفار اگرچہ کسی خاص جگہ میں ہوں مگر ان کا فساد اور فساد کا نتیجہ ساری زمین میں پھیلتا ہے۔ اس لئے فی الارض ارشاد ہوا۔ یبغون بنا ہے بغی سے لغت میں بغی اور طغی دونوں کے معنی ہیں حد سے بڑھنا اس لئے سیلاب کو طغیانی کہا جاتا ہے بغی ہی سے ہے بغاوت یعنی سلطان اسلام کی حد سے ظلم کی طرف حق سے باطل کی طرف۔ اطاعت سے نافرمانی کی طرف نکلنا بری بغی ہے اور انصاف سے رحم کی طرف۔ فرض سے نوافل کی طرف نکلنا اچھی بغی ہے۔ (خازن) اصمعی کہتے ہیں کہ بغی کے معنی ہیں فساد و خرابی میں زیادتی چنانچہ فاجرہ عورت کو باغیہ کہتے ہیں جمع۔ بغایا۔ (رنڈیاں) کہا جاتا ہے بغلی الجرح۔ زخم بگڑ گیا۔ (کبیر) اصطلاح میں بغی کے چند معنی ہیں تلاش کرنا۔ اسی سے ابتغاء ہے وابتغوا فضل اللہ چاہنا لایبغون فی الارض فسادا مضارع کی پچھلی شب کو فرشتہ پکارتا ہے یاباغی الشر اقصرا ے

شرارت چاہنے والے باز آجا۔ یہاں بغی کے معنی ہیں زیادتی کرنا بغیر الحق یہ متعلق ہے یبغون کے چونکہ زمین میں زیادتی حق بھی ہوتی ہے ناحق بھی اس لئے بغیر الحق ارشاد ہوا۔ مجاہد غازیوں کا کفار کی زمین میں داخلہ وہاں کفار کا قتل و غارت ان کے مکانات باغات میں آگ لگانا۔ وغیرہ حق بغی ہے جیسا کہ حضور انور ﷺ نے بنی قریظہ یہود کے ساتھ کیا۔ اس سے مقصود ہے کفر کا زور توڑنا۔ اسلام کو غالب کرنا۔ اور کفار کا شرک و کفر قتل و غارت ناحق بغی ہے یا یہ مطلب ہے کہ کفار اس بغاوت میں خود بھی اپنے کو ناحق سمجھتے ہیں اس کی درست وجہ نہیں بیان کر سکتے۔ یا ایھا الناس۔ یہاں الناس سے مراد کفار ہیں اور یا ندا اظہار غضب کے لئے ہے۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے یعنی اے کافرو کو۔ ندا (پکارنا) کبھی اظہار کرم کے لیے ہوتا ہے جیسے یا عیسیٰ یا اظہار محبوبیت اور اظہار عظمت کے لئے جیسے یا ایھا النبی کبھی غافلوں کو جگانے کے لئے جیسے یا ایھا الذین امنوا اور کبھی اظہار غضب کے لئے جیسے یا ایھا الکافرون یا جیسے یہاں یا ایھا الناس انما بغیکم علی انفسکم اس فرمان عالی میں غیبی خبر ہے کہ تمہارے فسادات سے اسلام مٹ نہ سکے گا بلکہ اس حرکت کا وبال تم پر ہی پڑے گا۔ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت تمہارے طعن تشنیع سے کم نہ ہوگی سورج کو پھونکیں مارنے سے سورج نہیں بجھتا بلکہ پھونکیں مارنے والا ہی تھکتا ہے اس غیبی خبر کا ظہور آج تک ہو رہا ہے۔ متاع الحیوۃ الدنیا ہماری آیت قرأت میں متاع کو نصب ہے یہ ایک پوشیدہ فعل تمتعوا کا مفعول مطلق ہے متاع برتنے کا سامان جسے آدمی استعمال کر کے چھوڑ جائے۔ سامان رہ جائے۔ اور برتنے والا چلا جائے۔ حیوۃ دنیا زندگی ہے جو دنیا کے لئے ہو۔ جیسے کفار کی زندگی جس کا مقصد صرف دنیا کمانا اس کی حفاظت کرنا اور چھوڑ جانا ہے۔ انبیاء کرام اولیاء اللہ ان کے صدقہ میں مومنوں کی زندگی دنیا میں زندگی ہے۔ دنیا کی زندگی نہیں یعنی تم کچھ دن دنیا کی زندگی میں یہاں کی نعمتوں سے نفع کما لو۔ یہ عارضی نفع ہے یہ سریع الزوال دائم الوبال ہے۔ ایک قرأۃ میں متاع الحیوۃ الدنیا عین کے پیش سے ہے ہذا پوشیدہ کی خبر (روح المعانی) ثم الینا مرجعکم یہ عبارت انما بغیکم (الخ) پر معطوف ہے۔ چونکہ انسان اپنی زندگی کا زمانہ گذار کر مرتا ہے اور بارگاہ الٰہی میں پہنچتا ہے اس لئے ثم ارشاد ہوا۔ الینا کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ رجوع سب کا رب کی طرف ہے مگر مومن کا رجوع عزت کے ساتھ۔ جیسے دوست دوست کے پاس ملاقات کے لئے جاتا ہے کافر کا رجوع ذلت و خواری کے ساتھ ناچار اور مجبوراً جیسے چور کی حاضری حاکم کی عدالت میں یہاں یہ آخری لوٹنا ہی مراد ہے۔ فننبئکم بما کنتم تعلمون چونکہ انسان کو اپنے اعمال کا پتہ مرتے ہی بلکہ مرتے وقت ہی لگ جاتا ہے۔ اس لئے یہاں ف ارشاد ہوئی۔ یعنی فوراً خبر دینے سے مراد بد اعمال کو دکھا دینا یا ان کی سزا دینا ورنہ قولی خبر تو دنیا میں بھی دے دی گئی ہے بذریعہ انبیاء اولیاء، بذریعہ قرآن مجید احادیث کریمہ ما کنتم تعملون میں ہر قسم کے جسمانی جنانی روحانی سارے اعمال داخل ہیں۔ خلاصہ تفسیر۔ تم یہ تو سن چکے کہ کفار سمندر کی آفات میں پھنس کر کیسی دعائیں مانگتے ہیں اور ہم سے کیا کیا وعدے کرتے ہیں اب اگلا حال سنو۔ جب ہم ان کی عاجزی زاری والی فریاد سن کر ان پر رحم فرماتے ہیں۔ انہیں بخیریت کنارہ پر اتار دیتے ہیں تو پھر وہ لوگ پہلے کی طرح زمین میں ناحق فساد پھیلاتے پھرتے ہیں۔ وہی گناہ وہی کفر و شرک وہی اسلام کے خلاف سازشیں وہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے

غرضکہ اپنی اس بے بسی کو بھول جاتے ہیں۔ اور پرانی روش پر چل پڑتے ہیں۔ اے بدعہد کافر انسانو تمہاری تمام زیادتیاں سرکشیاں خود تم پر پڑیں گی۔ اسلام، قرآن، صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گی۔ کچھ روز دنیوی زندگی میں یہاں کے سامان سے نفع اٹھالو۔ اسے برت لو۔ پھر آخر کار تم کو ہمارے ہی لوٹ کر آنا ہے۔ تب ہم کو تمہاری ساری حرکتوں بدکاریوں کی عملی خبر دیں گے کہ ان سب کی سزا دیں گے۔ روایت ابوالشیخ۔ ابونعیم۔ خطیب۔ دیلمی نے بروایت حضرت انس حدیث بیان کی کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین جرم خود مجرم پر ہی پڑتے ہیں فریب، بدعہدی، یعنی وعدہ کر کے پھر جانا اور بغی یعنی ظلم ان ہی کے متعلق حضور ﷺ نے تین آیات پڑھیں۔ یا ایها الناس انما بغیکم علی انفسکم اور دوسری ولا یحیق المکر السیء الا باهله۔ اور تیسری آیت ومن نکث فانما نکث علی نفسه (روح المعانی، کبیر۔ خازن وغیرہ)

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** انسان کو چاہئے کہ مصیبت کا وقت ہمیشہ یاد رکھے اسے بھول جانا کفار کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ فلما انجاهم (الخ) سے حاصل ہوا۔

**دوسرا فائدہ:** مصیبت کے وقت رب تعالیٰ سے جو وعدے کئے ہوں وہ مصیبت دور ہو جانے پر ضرور پورے کرے اور اگر کوئی وعدہ نہ کیا ہو تب اس مصیبت کے دفیعہ کا شکریہ ہمیشہ کرتا رہے اس کے خلاف کرنا طریقہ کفار ہے۔ یہ فائدہ اذا هم یبغون (الخ) سے حاصل ہوا۔

**تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ دنیا میں بعض دعائیں کفار کی بھی قبول فرمالیتا ہے۔ یہ فائدہ انجاهم کی ف سے حاصل ہوا کہ یہاں نجات کو ان کفار کی دعا پر مرتب فرمایا گیا۔

**چوتھا فائدہ:** کفار کی بعض دعائیں بہت ہی جلد قبول ہو جاتی ہیں۔ یہ فائدہ بھی فلما انجاهم کی ف سے حاصل ہوا کہ اس کے معنی ہیں فوراً اگر وہ لوگ کچھ عرصہ سمندر کی لہروں میں یوں ہی گھرے رہتے تو مر جاتے۔

**پانچواں فائدہ:** شرعاً مجبوری کا ایمان معتبر نہیں نہ اس پر ایمان کے احکام جاری ہوں یہ فائدہ بھی اذا هم یبغون سے حاصل ہوا۔ دیکھو وہ کفار سمندر میں گھر کر ایمان قبول کر لیتے تھے مگر مومن نہیں مانے جاتے تھے ورنہ پھر دوبارہ کفر کرنے پر مرتد ہوتے۔ اور قتل کئے جاتے۔ ایمان اختیاری چاہئے۔

**چھٹا فائدہ:** کفر اور گناہوں سے ساری زمین میں فساد پھیلتا ہے۔ ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس۔ انسانوں کی بدکاریوں کی وجہ سے خشکی و تری میں فساد پھیلتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

بے ادب تنہا نہ خود را خوار کرد     بلکہ ایں آتش ہمہ آفاق زد

**ساتواں فائدہ:** دوسروں کو پھانسنے والا ان شاء اللہ خود پھنستا ہے۔ یہ فائدہ انما بغیکم علی انفسکم سے حاصل ہوا۔

**آٹھواں فائدہ:** کافر کو دنیا کا مال و اسباب بعد مرے کام نہیں آتا۔ مومن کی دنیا اسے مرتے وقت قبر حشر اور بعد حشر بھی

کام آتی ہے۔ مومن دنیا میں صدقہ جاریہ کر کے جاتا ہے بلکہ وہ دنیا کو صرف دین کے لئے کماتا کھاتا ہے جس پر ثواب پاتا ہے۔ کافر کی نظر نفس پر ہے مومن کی نظر اللہ کی رضا پر۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں — شاہیں کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور

**پہلا اعتراض:** تم نے کہا کہ کفار کی بعض دعا قبول ہوتی ہیں مگر قرآن کریم فرمارہا ہے وما دعاء الكافرين الا فی ضلال کفار کی دعائیں برباد ہیں تمہارا قول اس آیت کے خلاف ہے۔

**جواب:** اس آیت میں آخرت کا ذکر ہے یعنی وہاں کفار کی دعائیں بیکار ہوں گیں سنی نہ جائیں گی یا دعا کے معنی ہیں عبادت یعنی کفار جو رب تعالیٰ کی یا بتوں کی عبادات کرتے ہیں سب بیکار ہیں بغیر ایمان کچھ قبول نہیں۔ شیطان کی دعا درازی عمر اور اس کا قبول ہونا قرآن مجید میں کئی جگہ مذکور ہے۔

**دوسرا اعتراض:** بغی یعنی بغاوت تو ہمیشہ ناحق ہی ہوتی ہے پھر بغیر الحق کیوں فرمایا گیا۔

**جواب:** مفسرین نے اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خود ان کے اپنے خیال میں بھی ناحق تھی۔ جس کا کوئی عذر وہ پیش نہیں کر سکتے تھے۔ جیسے يقتلون النبيين بغير الحق حالانکہ نبی کو شہید کرنا تو ناحق ہی ہوگا۔ دوسرے یہ کہ بغی حق بھی ہوتی ہی ناحق بھی۔ یعنی حد سے بڑھنا کبھی بہت ہی اچھا ہوتا ہے یہاں روح المعانی نے فرمایا کہ اگر بغی کے بعد فی ہو تو وہ کبھی حق ہوتی ہے کبھی ناحق اور اگر اس کے بعد علی ہو تو وہ بمعنی ظلم ہوتی ہے۔ ہمیشہ ناحق نی والی بغیکے بعد اگر بغیر حق ہوگا تو دوسری قسم سے بچنے کے لئے اور اگر علی والی بغی کے بعد بغیر حق ہوگا کہ تو تاکید کے لئے۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں علی المسلمین پوشیدہ ہے (روح المعانی)

**تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ تمہاری زیادتی تم پر رہے گی۔ دوسری جگہ ارشاد ہے ولا يحيق المكر السيء الا باهله۔ برا فریب فریبی پر ہی نازل ہوتا ہے۔ مگر دیکھا جارہا ہے کہ بڑے بڑے مکار فریبی کامیاب رہتے ہیں اور مظلوم پس جاتے ہیں۔ جن کی زندہ جاوید مثال واقعہ کربلا ہے کہ مکار فریبی یزید اور اس کی شیطانی جماعت فتح یاب ہوئی۔ دین کے سردار حضرت حسین شہید ہوئے۔

**جواب:** تکلیف پانا کچھ اور چیز ہے فتح پانا کچھ اور چیز ہے۔ کامیابی کچھ اور چیز ہے یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ مظلومین کو کبھی تکلیف پہنچے گی ہی نہیں رب فرماتا ہے کہ ہم تمہارے مختلف امتحان لیں گے۔ جان کا مال کا اولاد کا امتحان تم کو دینا ہوگا۔ مگر ان العاقبة للمتقين انجام صرف پرہیزگاروں کے لئے ہوتا ہے مکار فریبی ان شاء اللہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا امام حسین شہید ہوئے مگر یزیدی مقصد کے ٹکڑے اڑا دیئے اپنا مقصد پورا کر دیا کہ اسلام کی حفاظت فرمادی۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے — اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

بعض غزوات میں صحابہ شہید ہو گئے مگر اپنا کام کر گئے مہندی کی طرح پس کر رنگ دے گئے یہ فرق یاد رہے

**تفسیر صوفیانہ:** مومن و کافر کی بلاؤں آفتوں میں بھی فرق ہے۔ مومن ایک بلا میں پھنس کر صدہا بلاؤں سے نجات پا جاتا

ہے۔ وہ دنیا کی بلا میں پھنستا ہے اور توبہ کر کے گناہوں کی بلا سے نجات پا جاتا ہے۔ جب بلا دور ہوتی ہے تو اسے صاف کر کے دھو کر نہلا کر دور ہوتی ہے۔ اس کے برعکس کافر پر بلائیں۔ جسمانی بلا کے ذریعے روحانی قلبی بلا میں اور زیادہ گرفتار ہو جاتا ہے کہ اس وقت جھوٹی توبہ رب سے جھوٹے وعدے کرتا ہے یہ بھی جرم پھر رہائی پا کر زیادہ سرکش ہو جاتا ہے اس کی زیادتی اس پر ہی پڑتی ہے مومن کی زندگی حیوۃ دنیا نہیں بلکہ دنیا میں جیتا ہے آخرت کی زندگی لینے مگر کافر کی زندگی کفر کے لئے۔ کافر کی زندگی حیوۃ دنیا ہے کہ کافر کی زندگی خود ہی کے لئے ہے مومن کی زندگی خدا کے لئے۔ خدا سے امید ہے خود ہی سے خطرہ ہے حد سے نکلنا مومن کیلئے اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے کافر کیلئے انتہائی بدعملی۔ حضرت ابوبکر نے خیرات میں حد سے بڑھ کر سب کچھ صدقہ کر دیا غار ثور میں حفاظت جان کی حد سے نکل کر حضور ﷺ کی نیند پر جان فدا کر ڈالی۔ حضرت علی نے اداء نماز کی حد سے نکل کر حضور ﷺ کی نیند پر نماز عصر قربان کر ڈالی۔ سوچو یہ حد سے نکلنا ان حضرات کے لئے کیسا باعث برکت ہوا۔ اس لئے یہاں بغی کے ساتھ بغیر الحق ارشاد ہوا سب کا رجوع بعد قیامت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے مگر مومن دنیا میں ہی رب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ گناہ کر کے توبہ کے ساتھ نیکی کر کے دعا مقبول کے ساتھ غافل ہو جائے تو بیداری کے ساتھ عیش میں شکر کے ساتھ۔ مصیبت میں صبر کے ساتھ بہر حال لوٹنا اسی کی طرف ہے۔ زندگی میں بندہ اسے یاد کرتا ہے مرے بعد خدا اسے یاد کرتا ہے۔ خوشی خوشی مر کر خوشی خوشی وہاں حاضر ہوتا ہے اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ یار خنداں رود بجانب یار۔ شعر۔

نشان مرد مومن باتو گویم  قضا آید تبسم برلب اوست

اس کے برعکس کافر کو مجبوراً ناچار رب کی طرف لوٹنا پڑتا ہے۔ رب تعالیٰ مومن کو اس کی نیکیوں کی کافر کو اس کی بدکاریوں کی خبر دے گا۔

| |
|---|
| اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ |
| اس کے سوا زندگی دنیا کی مثل اس پانی کے ہے کہ اتارا ہم نے اسے آسمان کی طرف |
| دنیا کی زندگی کی کہاوت تو ایسی ہی ہے جیسے وہ پانی کہ ہم نے آسمان سے اتارا |
| فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَ |
| پس گتھ گئی اس کی وجہ سے سبزی زمین کی جس سے کھاتے ہیں لوگ اور |
| تو اس کے سبب زمین سے اگنے والی چیزیں سب گھنی ہو کر نکلیں جو کچھ آدمی اور |
| الْاَنْعَامُ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ |
| جانور حتیٰ کہ جب لے زمین نے تروتازگی اپنی اور |
| چوپائے کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگھار لے لیا اور خوب |

ازَّیَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَآ اَتٰهَآ

سنور گئی اور گمان کیا اس کے مالک نے کہ تحقیق وہ قادر ہیں اس پر آیا اس پر

آراستہ ہوگئی اور اس کے مالک سمجھے کہ یہ ہمارے بس میں آگئی ہمارا حکم

اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ

حکم ہمارا رات یا دن میں پس کردیا ہم نے اسے کٹی کھیتی گویا کہ نہ تھی وہ

اس پر آیا رات میں یا دن میں تو ہم نے اسے کردیا کاٹی ہوئی گویا کل تھی

بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

کچھ کل اسی طرح ہی تفصیل وار بیان کرتے ہم آیتیں واسطے اس قوم کے جو فکر کرتے ہیں

ہی نہیں ہم یوں ہی آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں غور کرنے والوں کے لئے

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ کفار مصیبت میں پھنس کر رب سے دعائیں اور بہت وعدے کرتے ہیں اب ارشاد ہے کہ ان کی یہ دعائیں وغیرہ آخرت کے لحاظ سے بالکل رد ہیں۔ جن کا کوئی ثواب نہیں ان کی یہ دعائیں اس کھیتی کی مثل ہیں جو ہری بھری ہو کر اچانک غیبی آفت سے مرجھا کر خشک ہو جاوے۔ مومن کی دعا کا بدلہ آخرت میں بھی ملے گا کہ یہ دعا ایک عبادت ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اے کافرو تمہاری ساری تدبیریں دنیوی زندگی کا سامان ہیں اب ارشاد ہے کہ دنیوی متاع کے لئے بقا نہیں۔ انا فانا فنا ہو جاتی ہے گویا ایک مقدمہ کا ذکر پہلے ہوا دوسرے کا ذکر اب ہے۔

**تیسرا تعلق:** بہت دور سے گفتگو منکرین قیامت سے ہو رہی ہے اب اس قیامت کا ثبوت ایک بہترین مثال سے دیا جا رہا ہے کہ کھیتی ہری بھری ہو کر برباد ہو جاتی ہے پھر بارش آنے پر ہری بھری ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی دنیوی زندگی آفات آنے پر ختم ہو جاتی ہے پھر حکم الٰہی سے دوبارہ زندگی تم کو بخشی جاوے گی۔ کھیت تمہارے لئے روشن دلیل ہیں۔ (تفسیر کبیر)

**تفسیر:** انما مثل الحیوۃ الدنیا یہ نیا جملہ ہے انما حصر کے لئے ہے یعنی دنیا کی مثال صرف ایسی ہی ہے جو ہم بیان فرما رہے ہیں۔ مثل کے معنی اور مثل اور مثل کا فرق ہم پہلے پارہ میں مثلھم کمثل الذی استوقد نارا ۔ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ جو کہاوت خاص و عام کی زبان پر ہو وہ مثل ہے یہ لفظ م اور ث کے فتحہ کے ساتھ ہے زندگی تین قسم کی ہے زندگی شیطانی جو گناہوں رب تعالیٰ اور اس کے مقبول بندوں کی مخالفت میں گذرے۔ زندگی نفسانی جو غفلت میں ختم ہو۔ زندگی

ایمانی جو اللہ رسول کی اطاعت میں بسر ہو۔ پہلی حیوۃ دنیا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے مومنین صالحین اولیاء اللہ انبیاء کرام کی زندگی حیوۃ دنیا نہیں۔ نہ اس کی یہ مثال ہے ان کی زندگی اخروی زندگی ہے کہ آخرت کے لئے ہے اس زندگی کو موت بھی فنا نہیں کر سکتی۔ بل احیاء ولکن لا تشعرون۔ یہ بات خیال میں رہے یہاں دنیاوی زندگی سے مراد خود کفار کی زندگی بھی ہے اور اس کا وہ سامان بھی جس سے وہ زندگی گذارتے عیش کرتے ہیں اور اس میں پھنس کر رب تعالیٰ سے غافل ہیں کما انزلناہ من السماء یہ عبارت ثابت یا مشبہ کے مسابہ ہو کر مثل (الخ) کی خبر ہے ماء سے مراد بروقت اور مفید بارش ہے جس سے کھیت اور باغ بھرے ہو جاتے ہیں۔ چونکہ بارش رب کی ایسی نعمت ہے جس میں انسان کی کسی تدبیر کو کچھ دخل نہیں۔ اس لئے انزلنا ارشاد ہوا۔ السماء سے مراد یا تو بلند چیز ہے یعنی بادل یا آسمان ہی مراد ہے تو من السماء کے معنی ہیں آسمان کی طرف سے جہاں کسی کا ڈول۔ ٹیوب ویل اور کوئی پانی کھینچنے والی مشین کام نہیں دیتی۔ کنویں کا پانی بھی اللہ تعالیٰ کا مگر اس میں انسان کی کوشش کو دخل ہے اور وہ انسان کے اختیار میں بھی کہ جب چاہے جتنا چاہے کھیت کو دے دیں یہ ہی حال نہر دریا کا ہے ان وجوہ سے اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی صرف مطرنا فرمایا گیا۔ فاختلط بہ نبات الارض اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ ب سببیہ ہے اور اختلاط سے مراد ہے گھنی ہو جانا۔ خوب گتھ جانا یعنی اس بارش کی وجہ سے زمین کا سبزہ خوب گھنا ہوا گیا کہ زمین نظر نہیں آتی۔ تا حد نظر سبزہ ہی سبزہ ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ بہ میں ب صلی کی ہے یعنی اس پانی سے زمین کی سبزی مخلوط ہوئی کہ پانی نے اس میں اثر کیا۔ نبات بنا ہے نبت سے بمعنی اگنے والی چیز اس سے ہر قسم کی سبزی مراد ہے مما یاکل الناس و الانعام یہ عبارت نبات الارض کا حال ہے من یا تو بیانیہ ہے اور یہ عبارت نبات کا بیان یا من بعضیہ کا ہے۔ اس فرمان عالی میں کھیت کے دانے باغ کے پھل گھاس بھوسہ وغیرہ سب ہی شامل ہیں۔ جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک ہیں۔ حتی اذا اخذت الارض زخرفھا و ازینت یہ عبارت متعلق ہے فاختلط الخ کے اور اس کی انتہا بیان کر رہا ہے ارض سے مراد وہ ہی زمین ہے جو ہر وقت بارش کی وجہ سے لالہ زار ہوگئی۔ اخذ سے مراد پورا پورا لے لینا۔ زخرف کا ترجمہ ہوتا ہے زیور یعنی حسن وخوبی کا سامان۔ اس فرمان عالی میں زمین کو نئی نویلی دلہن سے تشبیہ دی گئی اور اس کی تر وتازگی و سبزی کو زیور سے کہ جیسے دلہن زیور سے آراستہ ہوتی ہے ایسے ہی زمین سبزے سے زینت اصل میں تزینت تھا یعنی وہ زمین اس حد تک گھنا سبزہ اگاتی رہی کہ اس نے خوب زیور پہن لیا۔ اور انتہائی آراستہ ہوگئی وظن اھلھا انھم قدرون علیھا یہ عبارت معطوف ہے اخذت (الخ) پر اہل سے مراد اس کی پیداوار کے مستحق ہیں۔ خواہ مالک ہوں یا مزارع بہر حال پیداوار کے مستحق ہوں۔ قادرون علیھا سے مراد ہے کہ یہ پیداوار ان کے قبضہ میں آ گئی اب اس کی کٹائی شروع کرنی چاہئے یہ سب کچھ ہو جانے پر اتھا امرنا لیلا و نھارا یہ عبارت اذا اخذف کی جزا ہے۔ امرنا سے مراد آفت نا گہانی ہے جو کھیت یا باغ کو بالکل تباہ کر ڈالے جیسے پالا ولانڈی، چوہا، لو، یا آندھی وغیرہ (روح المعانی) رات یا دن میں آنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے عذاب سے کوئی چیز کوئی تدبیر بچا نہیں سکتی خواہ مخلوق کی غفلت کے وقت آوے جیسے رات میں جب وہ سو رہے ہوں یا بیداری کے وقت آوے۔ جب وہ جاگ رہے ہوں ان کی دیکھتے دیکھتے ساری کھیتی اجڑ کر رہ جاتی ہے وہ لوگ جزاو

نقصان اور افسوس ملنے کے کچھ نہیں کر سکتے جیسا کہ بارہا دیکھا جاتا ہے۔ فجعلنا ها حصیدا یہ عبارت معطوف ہے۔ اتا امرنا (الخ) پر ھا کا مرجع یا تو وہ زمین ہے یا اس کا سبزہ یعنی نبات حصیدا بمعنی محصود ہے۔ یعنی کاٹی ہوئی یا اکھڑی ہوئی یا اجاڑی ہوئی فرماتا ہے فجا حصدتم فذروہ فی سبیلہ کان لم تغن بالامس۔ یہ عبارت جعلنا ھا کی ضمیر سے حال ہے۔ لم تغن باب یسمعہ ہے۔ بنا ہی غنی سے بمعنی رہنا ٹھہرنا۔ کہا جاتا ہے عنی بالمکان اس لئے گھر کو مغنی کہتے ہیں۔ یعنی رہنے اور ٹھہرنے کی جگہ۔ (روح المعانی و بیان۔ خازن) امس سے مراد کل کا دن نہیں بلکہ اس سے پہلی ساعت ہے یعنی گویا ابھی کچھ پہلے تھی ہی نہیں۔ کذلک نفصل الایات لقوم یفکرون اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے کما بینا ذلک یعنی جیسے ہم نے یہ بات بہت واضح مثال سے سمجھادی کہ دنیا کے لئے بقا نہیں یہ خاص اس وقت دھوکہ دیتی ہے جب اس کی بہت ضرورت ہو۔ ایسے ہی تمام آیات قرآنیہ تفصیل وار بیان فرماتے مگر کس کے لئے فکر والی و سمجھدار قوم کے لئے کہ وہ ہی ان سے فائدہ اٹھاتی ہے۔

**خلاصہ تفسیر:** دنیوی زندگی اس کی ٹیپ ٹاپ یہاں کے عیش و آرام اور اس کے اسباب کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ہم ہر وقت آسمان سے بقدر ضرورت بارش برسائیں جس کی وجہ سے زمین اچھی طرح سرسبز و شاداب ہو جاوے کہ انسانوں کے کھانے کی دانے پھل فروٹ اور جانوروں کے کھانے کے چارے گھاس وغیرہ گھنی ہو کر اگے حتی کہ یہ سبزہ زار زمین اس سے خوب آراستہ پیراستہ ہو جائے۔ دیکھنے میں بڑی ہی بھلی معلوم ہو۔ اور مالک زمین یا کاشتکار سمجھے کہ بس اب یہ پیداوار میرے قبضہ میں آ گئی صرف کاٹنے کی دیر ہے اس کی امید میں اس پیدوار سے وابستہ ہو جاویں کہ اچانک رات میں جب کاشتکار غافل ہو یا دن میں جب یہ سب کچھ دیکھ رہا ہو ہمارے حکم سے کوئی آفت اس پر آ جاوے۔ پالا، اولا، بے وقت بارش بجلی یا کوئی زمینی آفت کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ آفت ناگہانی اسے اجڑی ہوئی بنا دے گویا کہ ابھی اس سے پہلے وہ کچھ تھی ہی نہیں۔ یہ ہی حال دنیا کا ہے کہ اولاً خوب آتی ہے پھر اچانک جب کہ اس کی ضرورت بہت ہو اور دنیا والے کی امیدیں اس سے وابستہ ہوں تب فنا ہو جاتی ہے دنیا دار دیکھتا کف افسوس ملتا رہ جاتا ہے۔ ہم تو قرآن مجید کی آیات یوں ہی تفصیل وار بیان کرتے ہیں۔ مگر ان سے نفع ہی اٹھاتے ہیں جن میں سوچ و فکر کا مادہ ہے۔ اس آیت کی تشبیہ مرکب ہے یعنی واقع کی تشبیہ پورے واقع سے ہے کہ دنیا بے ثباتی ایسی ہے جیسے کھیت کی بے ثباتی کہ یہ آن میں فنا ہو جاتی ہے۔ کافر بڑی محنت مشقت سے دنیا جمع کرتا ہے جمع ہو جانے پر سمجھتا ہے کہ یہ میری ہو چکی میں ہر طرح اس میں تصرف کروں گا کہ اچانک یا تو خود مر جاتا ہے یا دنیا اس سے رخصت ہو جاتی ہے۔

**خیال رہے:** کہ دنیوی زندگی کو بارش کے پانی سے تشبیہ دی نہ کہ کنویں تالاب، نہر، دریا کے پانی سے چند وجہ سے (۱) کنویں وغیرہ کا پانی قبضہ میں ہوتا ہے کہ جب چاہیں جتنا چاہیں کھیت کو پانی دیں مگر بارش کا پانی قبضہ نہیں ایسے ہی دنیا کے حالات ہمارے قبضہ سے باہر ہیں (۲) بارش کبھی ضرورت سے زیادہ آتی ہے کبھی کم کبھی بالکل نہیں یہ ہی حال دنیا کا ہے (۳) بارش آنے کو وقت معلوم نہیں کہ کب اور کتنی آوے گی یہ ہی دنیا کا حال (۴) اگر بارش زیادہ ہو جائے تو مصیبت ہے اگر نہ ہو تو

مصیبت۔ ایسے ہی دنیا ہے کہ زیادہ ہو تو آفت نہ ہو تو مصیبت۔

بلائے زیں جہاں آشوب ترنیست کہ بار خاطر است اوہست وازنیست

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** دنیا میں ہر شخص ہر وقت ہر حال میں رب کی رحمت کا محتاج ہے کوئی کبھی اس کریم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ حیوۃ دنیا کو زمین اور بارش سے تشبیہ دینے سے حاصل ہوا زمین پانی سے کبھی بے نیاز نہیں۔ انسان اور رسول سے کبھی بے نیاز نہیں۔

برتو اور باشد تو برما تا ابد یہ سلسلہ ہو

**دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں اگر بجائی بارش کے زمین پانی اگل دیا کرتی تو کھیت باغ کبھی سرسبز نہ رہتے کیونکہ تب ان کا غسل نہ ہوتا۔ صرف جڑوں کو تری پہنچ جایا کرتی قربان اس کریم و علیم کے جس نے اوپر سے پانی برسا کر تمام پودوں اور درختوں کو غسل دیا۔ یہ فائدہ انزلناہ سے حاصل ہوا۔ انزال اوپر سے اتارنے کو کہتے ہیں۔

**تیسرا فائدہ:** دنیا ہمارے پاس آجانے پر بھی ہماری اپنی نہیں۔ رب چاہتا ہے تو ہم اسے استعمال کر سکتے ہیں جو دنیا کو اپنا سمجھے وہ بے وقوف ہے یہ فائدہ ظن اھلھا (الخ) سے حاصل ہوا۔

**چوتھا فائدہ:** دنیا کی ہلاکت سے ہمیشہ غفلت کی حالت میں ہی نہیں ہوتی کبھی بیداری میں ہمارے سامنے برباد ہوتی ہے ہم دیکھتے اور روتے اور ہاتھ ملتے رہتے ہیں یہ فائدہ لیلاو نھارا سے حاصل ہوا۔

**پانچواں فائدہ:** کبھی دنیا کی بربادی انسان کی ہدایت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ عقلمند اس سے عبرت حاصل کر لیتا ہے یہ فائدہ لقوم یتفکرون سے اشارۃً حاصل ہوا۔ اگر انسان دنیا کھو کر آنکھیں کھول لے غفلت سے بیدار ہو جائے تو سودا سستا ہے۔ ان بربادیوں میں بھی اللہ کی رحمتیں ہیں کبھی انسان کچھ کھو کر سب کچھ پالیتا ہے۔

**پہلا اعتراض:** یہاں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی کماء انزلنا من السماء صرف اتنا فرمانا کافی تھا کالمطر۔

**جواب:** اس دراز عبارت کے فوائد ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے۔ اس کے متعلق ایک فائدہ اور سمجھ لو جو تفسیر صاوی نے بیان فرمایا۔ بارش کا پانی آسمان سے آتا ہے جس میں تمہارے کسب کو دخل نہیں یونہی تمہاری روزی آسمان میں تمہارے کسب پر موقوف نہیں وفی السماء رزقکم و ما توعدون تمہاری روزی دوسرا نہ بند کر سکے گا نہ دوسرے کو دے سکے لہٰذا تم اس کی تلاش میں رب کو نہ بھول جاؤ۔ باقی وہ فوائد ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے۔

**دوسرا اعتراض:** بارش آسمان سے نہیں آتی ہے اور بادل زمینی اثر سے بنتا ہے پھر انزلناہ من السماء کیونکر ارشاد ہوا۔

**جواب:** اس اعتراض کے بہت جواب ہم نے پارہ اول میں دے دیئے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ سماء سے مراد یا تو بادل ہیں کیونکہ سماء کا لفظی ترجمہ ہے بلندیاں۔ اور اگر سماء بمعنی آسمان ہے تو معنی یہ ہیں کہ آسمان کی طرف سے یا آسمان کے سبب سے بارش برسائی۔ اور اس میں حکمتیں وہ ہی ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض ہوئیں۔

**تیسرا اعتراض:** یہاں لقوم یتفکرون کیوں ارشاد ہوا۔ قرآن مجید تو سارے انسانوں کے لئے ہے۔

**جواب:** یہاں لقوم میں لام نفع ہے یعنی اس سے نفع صرف فکر و غور کرنے والے لوگ ہی پاتے ہیں بارش ہر جگہ برتی ہے مگر اس سے فائدہ صرف اچھی زمین ہی حاصل کرتی ہے۔

**تفسیر صوفیانہ:** دنیا میں جیتے سب ہیں مگر کوئی اپنے لئے جیتا ہے کوئی اپنے خاندان کے لئے کوئی قوم کے لئے کوئی ملک کے لئے کوئی شیطان کے لئے کوئی رحمان کے لئے۔ یہ آخری زندگی لازوال ہے جو موت سے بھی نہیں مٹتی باقی تمام زندگیاں فانی ہیں جن میں سے پہلی قسم کی زندگی یعنی اپنے لئے اور چوتھی زندگی یعنی شیطان بہت جلد فنا ہوتی ہے۔ یہاں اس فانی زندگیوں کو ایک نفیس مثال سے سمجھایا گیا ہے۔ اس کی بے وفائی دن رات ظاہر ہوتی ہے۔ شعر۔

گنج اماں نیست دریں خاکداں مغز و فانیست دریں استخواں
کہنہ سرائے است بعد جاہ گرد کہنہ واندر گرد تو نوبہ نو

صوفیا فرماتے ہیں کہ دنیا وہ ہے جو رب سے غافل کرے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دنیا ماں کی طرح ہے اگر بچہ ماں کی محبت ماں کی گود ہی میں رہے استاد کے پاس نہ جائے تو جاہل خوار رہے گا۔ اگر کچھ بننا ہے تو ماں کو چھوڑ و استاد کے سایہ میں آؤ۔ مراد پاؤ گے۔ بلکہ اگر ایمان و اعمال دنیا میں رہیں یعنی دنیا کے لئے ہوں تو فانی ہیں اور اگر مال دولت اللہ کے لئے ہو اس کی راہ میں خرچ ہو تو باقی ہے۔ آسمان و زمین اور ان کی چیزیں عالم کون و فساد ہیں عرش عالم نور عالم بقاء ہے اپنی عادات عبادات کو نورانی بناؤ۔ تاکہ حیات جاودانی پاؤ۔ اللہ والوں کے دل کی دنیا کبھی نہیں اجڑتی۔ اس دنیا کے انقلاب دل کی دنیا پر اثر نہیں کرتے اگر اجڑنے سے بچنا چاہتے ہو تو دل میں اللہ رسول کی یاد کو بساؤ۔ اور تم ان کے دامن میں بسو۔

مال چوں آبست و تابد اشد رواں فیضہا یابند ازو اہل جہاں
چند روزے چوں کند یکجا درنگ گندہ و بے حاصل است و تیرہ رنگ

جاری پانی گندوں کو پاک خشک زمین کو سیراب کر دیتا ہے ایک جگہ کھڑا ہوا پانی خود گندہ ہو جاتا ہے۔ اس کا رنگ و بو مزہ بگڑ جاتا ہے اپنے مال دولت اولاد علم وغیرہ کو صدقہ جاریہ بناؤ۔ تاکہ تم خود ہمیشہ اس سے نفع اٹھاؤ۔ (روح البیان مع زیادہ)

| |
|---|
| وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ |
| اور خدا تعالیٰ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف اور رہبری کرتا ہے جس کو چاہے |
| اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف پکارتا ہے اور جسے چاہے |
| اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۲۵﴾ |
| سیدھے راستہ کی طرف |
| سیدھی راہ چلاتا ہے |

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں دار الفنا یعنی دنیا کا ذکر تھا اب اس کے مقابل دار البقاء یعنی آخرت کا تذکرہ ہے تاکہ لوگ دنیا سے نفرت کریں اور آخرت میں رغبت۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں اس دنیا کا ذکر تھا جس کا ظاہر اچھا باطن خراب ہے۔ اب اس جنت کا تذکرہ ہے جس کا ظاہر بھی اچھا اور باطن بھی اچھا کیونکہ یار بے وفا ہے اور جنت یار وفادار۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں لوگوں کو دنیا سے ڈرایا گیا کہ اس پر اعتماد نہ کرو۔ اکثر نازک وقت میں دھوکا دیتی ہے۔ اب ارشاد ہے کہ اگر تم دنیا کو دنیا نہ رکھو بلکہ اسے دین بنالو کہ اس میں جنت کا تخم کاشف کرو۔ تو نہ یہ دنیا رہے نہ اسے فنا ہو۔ نہ یہ دھوکا دے۔ گویا دار الفناء کے ذکر کے بعد اسے دار البقاء بنانے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: واللہ یدعوا۔ یہ نیا جملہ ہے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اسم ذات ہے یہ ہی اسم اعظم ہے۔ اس کے معنی اور اس کے فضائل ہم بسم اللہ کی تفسیر یعنی سورۃ فاتحہ میں کر چکے ہیں۔ یدعو بنا ہے دعویٰ سے بمعنی بلانا پکارنا۔ اس کا مفعول الناس پوشیدہ ہے۔ چونکہ رب تعالیٰ کی یہ دعوت ہمیشہ ہوتی رہتی ہے اور ہوتی رہے گی۔ اس لئے یدعو مضارع ارشاد ہوا۔ چونکہ جنت صرف انسان مومنین کے لئے ہے فرشتے یا جنات کے لئے نہیں اس لئے اس کا مفعول انسان ہی ہیں۔ یہ بولنا بالواسطہ انبیاء کرام ہے اور ان حضرات کے وفات کے بعد بواسطہ علماء دین و اولیاء کاملین ہی یعنی حضرات انبیاء رب تعالیٰ کے نائب ہیں اور علماء دین اولیاء کاملین انبیاء کے نائب ان حضرات کے اقوال، اعمال، احوال سب ہی اللہ کی دعوت ہیں تاکہ ان کی باتیں سن کر ان کے حالات دیکھ کر لوگ راہ راست پر آئیں۔ الی دار السلام یہ عبارت متعلق ہے یدعوا کے دار السلام سے مراد جنت ہے اور جنت کی طرف بلانے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے عقائد و اعمال کی طرف بلایا جاوے جو جنت حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ جنت کو چند وجہ سے دار السلام کہتے ہیں۔ (۱) سلام اللہ تعالیٰ کے نام ہے۔ کیونکہ وہ سارے عیوب کمزوری محتاجی وغیرہ سے سلامت یعنی پاک ہے تو دار السلام کے معنی ہوئے اللہ کا گھر یا اس لئے ہے کہ جنت کا بنانے والا براہ راست رب تعالیٰ ہے۔ اسے کسی مستری یا کاریگر نے نہیں بنایا نیز اس پر کسی کا دعویٰ نہیں (۲) سلام بمعنی سلامتی ہے دار السلام سلامتی کی جگہ چونکہ جنت میں بھوک، پیاس، بیماری، ناداری لڑائی جھگڑے ساری آفات بلکہ موت سے بھی سلامتی ہے اس لئے اسے دار السلام کہتے ہیں۔ (۳) سلام کے معنی ہے وہ ہی تحیت و ملاقات کا سلام۔ جنت کو دار السلام اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں رب تعالیٰ جنتیوں کو سلام ارشاد فرمائے گا سلام قولا من رب الرحیم نیز وہاں فرشتے جنتیوں کو سلام کیا کریں گے۔ والملئکۃ یدخلون علیھم من کل باب سلام علیکم بما صبرتم نیز ارشاد ہے وقال لھم خزنتھا سلام علیکم طبتم۔ یا خود جنتی آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا کریں گے۔ فرماتا ہے تحیتھم فیھا سلام۔ نیز آج بھی جنتی لوگ دنیا کے مومنین کو سلام کرتے ہیں فسلام لک من اصحاب الیمین۔ ان وجوہ سے جنت کو دار السلام کہتے ہیں (تفسیر کبیر و بیان) یوں سمجھ لو کہ رب تعالیٰ عظیم تو اس کی جنت کیسی عظیم جس کی طرف وہ بلا رہا ہے۔ وہ جنت کیسی عظیم ہوگی۔ (خازن)

دعوت الٰہی کا عموم تو معلوم ہوا اور اس کی ہدایت اس کا ذکر یہ ہے ویھدی من یشاء الی صراط مستقیم ہدایت کے معنی اس کے احکام ہم سورۂ فاتحہ کی تفسیر اھدنا الصراط المستقیم میں عرض کر چکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ ہدایت بمعنی راہ دکھانا۔ یہ اللہ کی عام نعمت ہے۔ سب کو راہ دکھایا گیا۔ مگر بمعنی مقصود پر پہنچانا یعنی نبیوں کی تبلیغ کو قبول کرنے کی توفیق ملنا یہ سب کو میسر نہیں جسے رب چاہے اسے ملتی ہے یہاں مشیت رضا کے معنی میں نہیں بلکہ بمعنی ارادہ ہے من سے مراد سارے جن وانس ہیں کہ ان دونوں فریقوں کو ہدایت کی ضرورت ہے اور سب کو ہدایت نہیں ملتی صراط مستقیم کی تفسیر اس کے اقسام تفصیل وار سورۂ فاتحہ میں عرض کی جا چکی ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ وہ ہے جس کی منزل مقصود ذات پروردگار ہے فرماتا ہے۔ ان ربی علی صراط مستقیم اور جس کے نشان راہ حضور محمد مصطفیٰ ہیں فرماتا ہے انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم۔ ہم لوگ سیدھے راہ پر ہیں مسافر کی حیثیت سے حضور انور سیدھے راہ پر ہیں ہادی اور نشان راہ کی حیثیت سے اور رب تعالیٰ سیدھے راستہ پر۔ مقصود ہونے کی شان سے کہ وہ سیدھے راستہ پر ملتا ہے سیدھے راستہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ مومنین صالحین کا راستہ ہیں رب فرماتا ہے صراط الذین انعمت علیھم بہر حال تمام دینوں میں اسلام صراط مستقیم ہے اور تمام مذہبوں میں اہل سنت والجماعت اور تمام مشربوں میں سلوک جس میں نہ عقل محض ہو نہ جذب یا جنون۔

**خلاصہ تفسیر:** اے لوگو تم دنیا کی نیرنگی بے وفائی سن چکے کہ اس کے اول بکاء ہے۔ درمیان عنا اور آخر فنا کو انسان روتا ہوا پیدا ہوتا ہے مشقتیں جھیلتا ہوا رہتا ہے اور فنا ہو کر یہاں سے جاتا ہے۔ رب تعالیٰ تم کو اپنے نبیوں ولیوں علماء دین کے واسطے سے سلامتی کے گھر یعنی جنت کی طرف بلا رہا ہے۔ جنت وہ جگہ ہے جس کا اول عطا ہے درمیان میں رضا آخر میں بقاء رب تعالیٰ اس عالی گھر کی طرف بلاتو سب کو رہا ہے۔ دعوت اس کی عام ہی مگر ہدایت اس کو دیتا ہے جسے چاہے غرضکہ بلاوا سب کو ہے مگر یہ بلاوا کوئی قبول کرتا ہے علماء فرماتے ہیں بلاوا قبول کرنے کی تین نشانیاں ہیں۔ دنیا سے بے رغبتی۔ آخرت کی طلب اللہ رسول کی طرف دل کی توجہ رب تعالیٰ نصیب کرے۔ (روح البیان)

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں کہ مخلوق کو حضور کا بلانا رب تعالیٰ کا بلانا ہے۔ پھر حضور انور کے خدام علماء کرام اولیاء عظام حضور کے نائبین ہیں کہ ان کی پکار حضور کی پکار ہے یہ فائدہ واللہ یدعوا الی دارالسلام سے حاصل ہوا کہ جنت کی طرف بلاتے حضور مگر رب نے فرمایا کہ اللہ بلاتا ہے فرماتا ہے استجیبوا للہ و رسولہ اذا دعاکم وہ آیت اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے۔

**دوسرا فائدہ:** جنت میں نہ فنا ہے نہ بیماری نہ اور کوئی تکلیف یہ فائدہ دارالسلام کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ اس کے معنی ہوں سلامتی کا گھر۔

**تیسرا فائدہ:** رب تعالیٰ کی دعوت عام ہے مگر اس کی ہدایت خاص جنت کی طرف بلایا سب کو جا رہا ہے مگر ہدایت کسی کسی

کونصیب ہوتی ہے۔ یہ فائدہ یھدی من یشاء (الخ) سے حاصل ہوا۔

**چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے سب کی ہدایت کا ارادہ نہیں کیا بلکہ بعض گمراہی کا ارادہ فرمایا۔ اگر چہ اسے پسند یہ ہے کہ سب ایمان لائیں ہدایت پر آئیں ارادہ اور محبت میں فرق ہے یہ فائدہ ؔیھدی من یشاء سے حاصل ہوا۔

**مسئلہ:** یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کی ہدایت کو دل سے پسند فرماتے ہیں مگر سب کی ہدایت کا ارادہ نہیں فرماتے رب فرماتا ہے۔ انک لا تھدی من احجبت وہاں بھی من شئت نہیں فرمایا بلکہ من اجبت فرمایا۔

**پانچواں فائدہ:** رب تعالیٰ کی طرف سے دعوت اسلام برابر ہو رہی ہے کبھی بند نہیں۔ یہ فائدہ یدعو امضارع سے حاصل ہوا۔

**چھٹا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام قول۔ فعل حالات پھر حضور ﷺ کے نائبین علماء و اولیاء ان کے قول و فعل رب کی طرف سے دعوت اسلام ہے یہ فائدہ یدعو کے مطلق ہونے سے حاصل ہوا۔ بہت لوگ حضور انور ﷺ کا بچپن شریف دیکھ کر ایمان لائے جیسے بحیرہ راہب وغیرہ اگر چہ ان کا وہ ایمان شرعی ایمان نہ ہوا اور وہ صحابی نہ بنے صحابیت کے لئے شرعی اسلام درکار ہے جو حضور ﷺ کی اول تبلیغ سے شروع ہوا۔ اسی لئے ورقہ ابن نوفل نہ اول مومن ہوئے نہ صحابی کیونکہ حضور انور ﷺ نے تبلیغ اسلام شروع نہ کی تھی یہ بات یاد رہے۔

**ساتواں فائدہ:** اگر چہ جنت کے طبقے بہت ہیں اور ہر طبقہ کا نام علیحدہ جیسے جنت نعیم، جنت خلد، جنت ماوی، جنت عدن، جنت فردوس وغیرہ مگر جنت یا دارالسلام یا خلد تمام طبقوں یعنی ساری جنت کو کہا جا سکتا ہے۔ (صاوی) یہ فائدہ دارالسلام فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ مومنین میں سے لوگ مختلف طبقوں میں جائیں گے مگر سب جائیں گے دارالسلام میں ہی۔

**پہلا اعتراض:** جنت تو جنت والوں کی ملکیت ہوگی پھر اسے دارالسلام یعنی اللہ تعالیٰ کا گھر کیوں فرمایا۔

**جواب:** یا اس لئے کہ جنت تو جنت والوں کی ملکیت ہوگی اور جنت والے رب تعالیٰ کی ملکیت اپنے مملوک کی مملوک اپنی مملوک ہے غلام کا مال مولیٰ کا مال ہے یا اس لئے کہ جنت خود رب تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے بنائی نہ کسی مستری سے بنوائی نہ کسی فرشتے سے اس لئے کہ اہل جنت کو وہ صرف رب کے فضل سے ملے گی۔ وہاں ملکیت کے سارے اسباب و میراث خرید وغیرہ کو اس میں دخل نہ ہوگا۔ یا اس لئے کہ اس سے جنت کی عظمت معلوم ہو۔ فقیر اور بادشاہ کے گھروں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ تو بتاؤ اس عظیم کا گھر کیسا عظیم ہوگا۔

**دوسرا اعتراض:** عربی قاعدہ ہے کہ اگر ہدایت کے بعد الی آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں راہ دکھانا۔ یہاں الی موجود ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اللہ جسے چاہے اسے راہ دکھائے۔ حالانکہ رب تعالیٰ نے راہ سب کو دکھائی ہے پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔

**جواب:** یہ قاعدہ کلیہ نہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے اور کبھی اس کے خلاف بھی یہ قاعدہ بھی کلیہ نہیں کہ اگر ہدایت کا فاعل رب

تعالٰی ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں مقصود تک پہنچانا۔ اگر فاعل نبی یا قرآن ہو تو معنی ہوتے ہیں راہ دکھانا۔

**تفسیر صوفیانہ:** اللہ تعالٰی کا اپنے بندوں کو دارالسلام کی طرف بلانا کئی طرح کا ہے عموماً وہ بذریعہ انبیاء اولیاء پر علماء لاتا ہے یہ دعوت عامہ ہے اور خصوصاً کسی نظری طور پر بلاتا ہے کہ اس کی فطرت سلیم اسے راہ راست پر رکھتی ہے کسی کو الہامی طور پر کسی کشف سے کسی کو خواب کے ذریعہ۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق اور ان کی طرح اور بہت صحابہ اسلام لانے سے پہلے ہی نیکیوں کی طرف مائل تھے۔ برائیوں سے بیزار یہ دعوت خاصہ ہے دارالسلام دنیا میں بھی ہے۔ قبر میں بھی ہے حشر میں بھی اور اس کے بعد بھی۔ دنیا میں دارالسلام دارالامان حضور انور ﷺ کا دامان ہے جو عالم میں پھیلا ہوا ہے۔ وہاں ہر مصیبت بلا جسمانی۔ جنانی۔ روحانی آفتوں سے امان ہے جو اس دامن میں آ گیا دارالایمان دارالامان و دارالسلام میں آ گیا۔ شعر۔

دامان مصطفٰی ہے مجرم مچل رہے ہیں  دارالامان میں پہنچے اب اضطراب کیسا

مرے بعد مومن خصوصاً اولیاء اللہ کی قبور دارالسلام ہیں کہ جو مومن ان کے قریب دفن ہو جائے امان پائے۔ حشر میں عرش اعظم کا سایہ دارالسلام ہے۔ جہاں محشر کی آفات سے امان ہے پھر جنت دارالسلام ہے مگر یہ تینوں دارالسلام اسے ملیں گے جسے پہلا دارالسلام یعنی دامان رسول نصیب ہو جائے۔ ان کی یاد میں جیو یاد میں مرو انشاء اللہ سدا آباد رہو گے۔ شعر۔

اے قلبہائے محشر نہ جگا سکیں گے ہرگز  ترا نام لیتے لیتے جسے نیند آ گئی ہو

عام مومنوں کا صراط مستقیم وہ ہے جو جنت کے گلزار تک پہنچائے۔ خواص کے لئے صراط مستقیم وہ ہے جو یار کے دربار بلکہ یار کی دیدار تک پہنچائے۔ اس دارالقرار دنیا میں حضور انور ﷺ دارالقرار ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہماری ہستی دارالافات ہے اور فنا دارالسلام ہم جب نہ تھے تو ساری آفات سے محفوظ تھے۔ جب دنیا میں آئے ہزارہا آفات ساتھ لائے۔ دم دارالواحدانیۃ ہے۔ وجود دارالمشیت کے سارے جھگڑے اس کے ہیں۔ اگر سلامتی چاہتے ہو تو اپنا کو فنا کر دو دریا زندہ والے یعنی زندہ کو ڈبو دیتا ہے۔ فنا والے مردہ کو اپنے سر پر رکھ لیتا ہے۔ اسے تراتا ہے۔

آب دریا مردہ را برسر نہد  گر رود زندہ ز دریا کے رہد

تفسیر کبیر نے فرمایا کہ انسان روزانہ کل کے لئے کوشش کرتا ہے مگر کل دو قسم کے ہیں۔ دنیا کی کل اور آخرۃ کی کل۔ دنیا کی کل میں چار خرابیاں (۱) نہ معلوم ہم کو کل ملے یا نہ ملے (۲) اگر ہمیں کل ملے تو نہ معلوم فائدے کی ہے یا نقصان کی (۳) اگر فائدہ والی کل ملی تو اس میں نقصان شامل ہوگا کہ دنیا کا ہر نفع نقصان سے پر۔ آرام تکلیف سے مخلوط۔ (۴) اگر کل ہم کو خالص نفع ملے تو دائمی نہیں آخر فنا ہوگا۔ مگر آخرت کی کل میں خرابیاں نہیں لہذا آخرت دارالسلام ہے۔ انسان اس کے لئے کوشش کرے اب پڑھو اللہ یدعوا الی دار السلام۔ اللہ تعالٰی یہ دعوت قبول کرنے کی توفیق دے۔ ہمارے دلوں کو دارالسلام بنائے کہ انہیں حسد و کینہ اور نفسانی عیوب سے سلامت رکھے۔

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ۖ وَلَا يَرْهَقُ

ان لوگوں کے لئے جو اچھے کام کریں اچھی چیز ہے اور زیادتی بھی اور نہ چھائے گی ان کے

بھلائی والوں کے لئے بھلائی ہے اور اس سے بھی زائد اور ان کے منہ پر نہ

وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ

چہروں پر سیاہی اور نہ ذلت یہ لوگ جنت والے ہیں

چڑھے گی سیاہی اور نہ خواری وہی جنت والے ہیں اور وہ اس

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٦﴾

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

میں ہمیشہ رہیں گے

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو دارالسلام کی طرف بلا رہا ہے اب اس آیت کریمہ میں اس دارالسلام کی تفصیل ہے کہ وہ کیسی جگہ ہے وہاں کیا کیا ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں جنت کو دارالسلام کہا گیا ہے یعنی اللہ کا گھر۔ اب ارشاد ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی ہوگا کیونکہ مالک مہمان کو اپنے گھر بلا کر اس سے ملاقات ضرور کرتا ہے اور اسے دیدار ضرور دکھاتا ہے۔ وزیادۃ گویا پچھلی آیت میں دعوت الٰہی کا ذکر تھا۔ اب دیدار الٰہی کا تذکرہ ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد تھا کہ اللہ تعالیٰ سب کو دارالسلام کی دعوت دے رہا ہے اب ارشاد ہے کہ وہاں تمام لوگ نہیں جائیں گے جائیں گے نیکوکار گویا پچھلی آیت میں دعوت دینے کا تذکرہ تھا اب دعوت قبول کرنے والے خوش نصیب لوگوں کا ذکر ہے۔ کریم کے کرم کے بعد محتاج بندوں کا تذکرہ بہت ہی موزوں ہے۔

**تفسیر:** للذین احسنوا یہ جملہ بنا ہے جس میں للذین (الخ) خبر مقدم ہے۔ اور الحسنی (الخ) مبتدا موخر اس مقدم موخر ہونے سے حصر کا فائدہ ہوا للذین میں لام نفع کا ہے یا ملکیت کا یا استحقاق الذین سے مراد صرف انسان ہیں۔ دوسری مخلوق نہیں۔ کیونکہ جنت صرف مومن انسانوں کے لئے ہے احسنوا کا مفعول پوشیدہ ہے العقائد و العمل یعنی جن لوگوں نے اچھے رکھے اپنے عقیدے اور اعمال کہ شرعی احکام پر عمل کرتے رہے اور ممنوعات سے بچتے رہے۔ حدیث شریف میں احسان کے معنی یہ ارشاد فرمائے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت یہ سمجھ کر کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ نہ سمجھ سکو تو یہ سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ احسنوا کے متعلق دو باتیں خیال رکھنی چاہیں۔ ایک یہ کہ جہاں تک ہو سکے دوسرے یہ کہ صرف ایک بار نہ کرے بلکہ کرتا رہے۔ الذین هم فی صلوتهم دائمون یہ بھی یاد رہے کہ مومنوں کے چھوٹے بچے دیوانوں اور غیر مکلف لوگوں

کے لئے اپنی عزیزوں کے اعمال کام دیں گے۔ گویا وہ لوگ بالواسطہ عمل کرتے ہیں لہٰذا آیت واضح ہے اس کے حصر پر اعتراض نہیں۔ الحسنی و زیادۃ یہ عبارت للذین احسنوا کا مبتدا ہے۔ حسنی مونث ہے احسن کا بمعنی اچھی چیز قرآن مجید میں عموماً اس سے جنت مراد ہوتی ہے۔ رب فرماتا ہے وکلاوعد اللہ الحسنی کے پہلے المنزل پوشیدہ ہے زیادۃ سے مراد جنت کے سواہ کوئی اور زیادہ نعمت ہے۔ اس سے کیا مراد ہے اس میں پانچ قول ہیں (۱) جنت کا ایک خاص محل جو ایک موتی کا ہے جس کے چار دروازے ہیں یہ قول حضرت علی کا ہے (۲) زیادتی سے مراد ہے ایک نیکی کا دس سے لے کر سات سو گنا تک اجر و ثواب رب فرماتا ہے ولدینا مزید اور فرماتا ہے لیوفیھم اجورھم ویزید ھم من فضلہ اور فرماتا ہے من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا یہ قول حضرت عبداللہ ابن عباس اور خواجہ حسن بصری کا ہے۔ (۳) حسنی جنت ہے اور زیادتی دنیا کی نعمتیں ہیں جو مومن کو اس کے تقوٰی کی برکت سے عطا فرمائی جاتی ہے فرماتا ہے یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔ (۵) حسنی سے مراد جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں جو ایمان و اعمال کا بدلہ ہیں۔ مگر زیادۃ سے مراد دیدار الٰہی ہے جو کسی عمل کا بدلہ نہیں صرف رب کا فضل ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرہ یہ قول حضرت ابوبکر صدیق علی، ابن عباس، حذیفہ ابن مسعود۔ ابوموسیٰ اشعری اور عام مفسرین کا ہے (تفسیر خازن۔ کبیر۔ روح المعانی وغیرہ) یہی قول قوی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہی تفسیر فرمائی۔ چنانچہ مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، ابن جریر، طیالسی، احمد، ابن منذر ابن ابی حاتم ابن خزیمہ ابن حبان دار قطنی بیہقی وغیرہم نے حضرت صہیب سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ رب تعالیٰ کی طرف سے اہل جنت کو ندا دی جاوے گی کہ تم سے رب نے ایک وعدہ فرمایا اب اس کے پورا ہونے کا وقت آ گیا۔ یہ لوگ حیران ہوں گے کہ جنت میں ہر قسم کی نعمت ہے اب کیا چیز عطا ہوگی کہ اچانک حجاب اٹھے گا رب کا دیدار ہوگا۔ یہ نعمت ساری نعمتوں سے اعلیٰ ہوگی (روح المعانی) دیدار کے متعلق اور بہت احادیث مروی ہیں جو کتب احادیث اور تفسیر خازن میں یہاں مروی ہیں چونکہ دیدار الٰہی کسی عبادت کا بدلہ نہ ہوگا اس لئے اسے زیادہ فرمایا گیا۔ فرقہ معتزلہ دیدار الٰہی کا منکر ہے اس لئے وہ اس تفسیر کا بھی انکاری ہے مگر ان پانچوں تفسیروں میں کوئی تعارض نہیں ان شاء اللہ نیک کار مومنوں کو یہ پانچوں چیزیں رب تعالیٰ کے فضل سے عطا ہوں گی۔ اس لئے حضرت علی و ابن عباس نے اس تفسیر میں جنت کا خاص محل اور دیدار الٰہی دونوں باتیں فرمائیں۔ (روح المعانی) ولا یرھق وجوھھم قتر ولا ذلۃ اس فرمان عالی میں اہل جنت کی دوسری نعمت کا ذکر ہے۔ یرھق بنا ہے رھق سے بمعنی ڈھانپ لینا۔ چھا جانا۔ وجوہ جمع وجہ کی بمعنی چہرہ قتر بمعنی روسیاہی ذلت بمعنی خواری یعنی ان کے چہروں پر نہ تو گرد و غبار سیاہی کے آثار ہوں گے نہ ذلت و خواری کے۔ کیونکہ ان کی ساری نعمتیں خالص ہوں گی کسی تکلیف و مصیبت سے مخلوط نہ ہوں گی۔ ان کے چہرے چمکتے دمکتے تروتازہ و اجیالے ہوں گے۔ رب فرماتا ہے وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ بعض چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے اور فرماتا ہے یوم تبیض وجوہ وتسود اس دن بعض منہ اجیالے ہوں گے بعض کالے وہ آیتیں اس آیت کی تفسیر ہیں اولئک اصحب الجنۃ ھم فیھا خالدون یہ نیا جملہ ہے اس میں اولئک مبتدا ہے اور باقی عبارت جزا اولئک سے اشارہ الذین احسنوا کی طرف ہے اصحاب جمع ہے صاحب کی بمعنی والا۔ یہاں مراد ہے مالک یا مستحق جنت ساری بہشت کو کہتے ہیں جس کے مختلف درجات ہیں یہ سب لوگ ساری جنت کے مالک

ہیں۔ جیسا محسن ویسی اس کی جنت۔ خالدون فرما کر یہ بتایا کہ نہ جنت کے لئے فنا ہے نہ ان کے لئے نہ یہ کبھی وہاں سے نکالے جائیں۔

**خلاصہ تفسیر:** ان لوگوں کے لئے جنہوں نے عقیدے بھی اچھے اختیار کئے اعمال بھی ان کے لئے مطابق اعمال کے جنت بھی ہے۔ بعض کے لئے جنت نعیم بعض کے لئے فردوس وغیرہ اس کے علاوہ بڑی شاندار زیادتی بھی عطا ہوتی ہے دنیا میں طیب زندگی، نیکیوں کی جزا میں دس سے لے کر سات سو گنا یا اس سے زیادہ تک زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا خوشنودی سب سے بڑھ کر رب تعالیٰ کا دیدار جو ساری نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ اس کے علاوہ جنت میں ان کے منہ نہ کالے ہوں گے نہ خوف زدہ بلکہ چہرے چمکنے والے اوجیالے ہوں گے۔ جیسے اعمال ویسا ان کے چہروں کا رنگ۔ عام متقی مومنوں کے چہرے سفید ہوں گے اولیاء اللہ کے چہرے چمکیلے۔ محبوبین کے چہرے سورج سے زیادہ منور۔ وہاں چہروں کے رنگ سے ان کے مراتب کی پہچان ہوگی یہ لوگ جنت والے اس کے مالک اس کے مستحق ہیں۔ جیسے اعمال ویسی جنت۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ تمام جنتی لوگوں کو رب تعالیٰ کا دیدار ہوگا مگر کسی کو سال میں ایک بار کسی کو مہینہ میں کسی کو ہفتہ میں ایک بار اور کسی کو روزانہ کسی کو ہر دن میں پانچ بار اور کسی کو ہر وقت یعنی ایک آن کے لئے بھی رب ان سے محجوب نہ ہوگا۔ اگر ایک آن کے لئے جمال الٰہی ان سے چھپ جاوے تو وہ جنت سے نکل جانے کی آرزو کریں۔ (صاوی) اس کے برعکس دوزخی لوگوں کے منہ کالے آنکھیں نیلی۔ وہ رب کے دیدار سے محروم کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون ہر قسم کے عذاب میں گرفتار۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مومن محسن بنائے آمین۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** جنتی بننا ہے تو عقیدے بھی اچھے اختیار کرو۔ اور اعمال بھی اچھے۔ یہ فائدہ للذین احسنوا سے حاصل ہوا۔ ایمان دل کی بھلائی ہے اور تقویٰ جسم کی نیکی۔ دوسرا فائدہ عبادات میں حضور قلب کی کوشش کرنا چاہئے یہ فائدہ احسنوا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ احسان سے مراد حضور قلبی کہ اللہ کی عبادت یہ سمجھ کر کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو (الخ) دیکھو تفسیر۔

**تیسرا فائدہ:** جنت میں بفضلہٖ تعالیٰ سب مومنوں کو دیدار الٰہی ہوگا یہ دیدار کسی عمل کا بدلہ نہ ہوگا محض اس کے فضل و کرم سے ہوگا۔ یہ فائدہ وزیادۃ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ کہ زیادۃ سے مراد دیدار الٰہی ہو۔ رب سے حجاب میں رہنا کفار پر عذاب ہوگا۔ کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون عطاء دیدار پہنچانے جائیں گے یوں ہی دوزخی اور ان کے درکات ان کے چہروں کی سیاہی سے پہچانی جائے گی۔ کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ یہ فائدہ لا یرھق وجوھم قتر (الخ) سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے المجرمون بسیماھم اور فرماتا ہے فیومئذ لا یسئل عن ذنبہ انس ولا جان۔

**پانچواں فائدہ:** جنتی لوگ اپنی جنتوں کے مالک ہوں گے۔ وہاں عارضی مقیم نہ ہوں گے۔ یہ فائدہ اصحاب الجنۃ سے حاصل ہوا۔ صاحب خانہ گھر والا گھر کے مالک کو کہا جاتا ہے اور صاحب مال یعنی مال والا مال کے مالک کو۔

**چھٹا فائدہ:** جو شخص ثواب کے لئے جنت میں داخل ہوگا وہ وہاں سے کبھی نہ نکالا جاوے گا۔ نہ موت دے کر نہ بغیر موت دھکے دے کر۔ یہ فائدہ هم فيها خالدون سے حاصل ہوا۔

**ساتواں فائدہ:** جنت کے باغوں میں نہ کبھی خزاں ہو۔ نہ پھلوں کے لئے کوئی موسم وہاں کا موسم سدا بہار ہے۔ ہر پھل کو قرار یہ فائدہ بھی خالدون سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے۔ اکلها دائم۔

**آٹھواں فائدہ:** کوئی جنتی اپنا کوئی باغ نہ کسی کے ہاتھ فروخت کر سکے نہ ھبہ نہ عاریۃ یہ فائدہ بھی خالدون سے حاصل ہوا اگر وہاں انتقال ملکیت ہو جاوے تو خلود یعنی ہمیشگی نہ رہے۔

**پہلا اعتراض:** یہاں زیادتی سے مراد دیدار الٰہی نہیں ہو سکتا کیونکہ زیادتی مزید علیہ کی جنس سے ہوتی ہے۔ اور دیدار الٰہی جنت کی نعمتوں کی جنس سے نہیں لہٰذا زیادتی سے مراد جنت کے پھلوں کی زیادتی ہے۔ اگر میں کہوں کہ میں نے زید کو دس من گندم اور کچھ زیادہ دیا تو وہ زیادتی بھی گندم ہی کی ہوگی۔ نہ کہ جو مسور کی (معتزلہ)

**نوٹ:** معتزلہ فرقہ دیدار الٰہی کا منکر ہے۔ یہ اعتراض انہیں کا ہے۔

**جواب:** اس اعتراض کا جواب تفسیر کبیر۔ خازن روح المعانی وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ اگر مزید کی مقدار مقرر ہو تب تو وہ ہی قاعدہ ہے کہ زیادتی اسکی جنس سے ہوگی۔ لیکن اگر مزید علیہ کی حد بندی یعنی مقدار معین نہ ہو تو زیادتی اس کے علاوہ ہوگی۔ جیسے میں نے زید کو گندم اور کچھ زیادہ دیا تو وہاں زیادہ سے مراد گندم نہیں کوئی اور چیز ہوگی۔ روپیہ، پیسہ، جو یا مسر وغیرہ یہاں چونکہ الحسنى میں جنت کی مقدار نہ بتائی گئی لہٰذا زیادہ سے مراد جنت کے سوا کوئی دوسری چیز ا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ وہ دیدار الٰہی ہے۔ حضور انور ﷺ کے ارشاد کے مقابل سارے قاعدے غلط ہیں۔

**دوسرا اعتراض:** اللہ تعالیٰ کا دیدار ناممکن ہے رب فرماتا ہے لاتدركه الابصار سے آنکھیں نہیں پاسکتیں لہٰذا یہاں زیادۃ سے مراد دیدار الٰہی نہیں (معتزلہ)

**جواب:** وہاں اس آیت میں دیدار الٰہی کی نفی نہیں بلکہ ادراک الٰہی کی نفی ہے۔ یعنی اس کا احاطہ کر لینا کہ اتنا لمبا اتنا چوڑا اتنا موٹا جیسے سمندر یا آسمان کو دیکھا تو جاتا ہے مگر اس کا احاطہ نہیں ہوتا اس لئے وہاں لاتنظر نہیں فرمایا لا تدرك فرمایا۔ یا وہاں الابصار سے مراد دنیاوی آنکھیں ہیں واقعی کوئی شخص دنیا میں ان آنکھوں سے رب کو نہیں دیکھ سکتا۔ اخروی دیدار کے لئے وہ آیت ہے الى ربها ناظرة دنیا کی آنکھ تو سورج کو بھی نہیں دیکھ سکتی۔ اس کے مقابل خیرہ ہو جاتی ہے۔ تیز بلب پر نہیں ٹھہرتی۔

**تیسرا اعتراض:** اللہ تعالیٰ کی دیدار ناممکن ہے کیونکہ دیکھی وہ جاتی ہے جو رنگت ہو وہ بھی کسی خاص سمت یعنی سامنے سے رب تعالیٰ رنگت اور سمت دونوں سے پاک ہے پھر دیدار کیسا۔

**جواب:** دیدار کے لئے یہ تمام قیدیں ان آنکھوں کے لئے وہ اس جہان میں ہیں آخرت میں ان قیدیوں کے بغیر دیدار ہوگا۔ کیسے ہوگا انشاء اللہ دیکھ کر بتائیں گے۔ بہر حال اس کا دیدار برحق ہے۔ کیفیت دیدار نامعلوم ہے اسی طرح اس پر ایمان

لاؤ۔ دیدار الٰہی کی کچھ بحث کچھ پہلے رب ارنی کی تفسیر میں ہو چکی اور ان شاء اللہ آئندہ ان آیتوں کی تفسیر میں کی جاوے گی لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار اورالی ربھا ناظرۃ انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون۔

**چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ محسنین یعنی نیک عقائد اور نیک اعمال والوں ہی کو جنت اور زیادتی ملے گی۔ للذین احسنوا نے حصر کا فائدہ دیا۔ تو چاہئے کہ وہ مومنین جنہیں نیک کام کرنے کا موقعہ نہ ملے یا ملے مگر گنوا دیں لیکن ان کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے ان کے لئے نہ جنت ہو نہ زیادتی مذکورہ (معتزلہ خوارج)

**جواب:** ہم نے بارہا عرض کیا کہ ان جیسی آیات میں جنت کسبی کا ذکر ہوتا ہے۔ رہی جنت وہبی اور جنت عطائی ان کا ذکر دوسری آیت و حدیث میں واقعی جنت کسبی تو مومن ہی کو ملے گی۔ مومن کے بچوں کے لئے وہ آیت الحقنابھم ذریتھم اور ہم جیسے گناہ گاروں خطا کاروں کے لئے وہ آیت ہے لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا امام بوصیری نے دو شعروں میں مسئلہ حل کر دیا۔ شعر۔

وان آت ذنبا فما عھدی بمنتقض من النبی ولا حبلی بمنصرم

میں نے اگرچہ گناہ کئے ہیں مگر ان گناہوں کی وجہ سے حضور انور ﷺ سے میرا عہد و پیمان اور رشتہ غلامی نہیں ٹوٹا ہے۔ اس رشتہ کی برکت یہ ہے کہ۔

لعل رحمۃ ربی حین یقسمھا تاتی علی حسب العصیان فی القسم

مجھے امید ہے کہ جب اللہ کی رحمت تقسیم ہوئی تو گنہگاروں کو بقدر گناہ ملے گی۔ جس کے گناہ زیادہ اس پر رحمت زیادہ۔ نیک کاروں کو ان نیکیوں سے جنت ملے گی اور ان شاء اللہ ہم گنہگاروں کو اس کی رحمت نبی کی برکت سے۔

یا رب اجعل رجائی غیر منعکس لدیک واجعل حسابی غیر منخرم

اے میرے رب میری امید کو الٹا نہ کرنا اور میری التجا کو ضائع نہ فرمانا۔

خدمتہ مجدلحی التنفل بہ ذنوب عمری مغی فی الشعر والخدم

میں نے اس کے حبیب کی مدح و ثنا کی ہے اور اسے اپنے عمر بھر کے گناہوں کا کفارہ بنایا ہے میری عمریوں ہی لغویات میں گذر گئی۔

**تفسیر صوفیانہ:** نیک کار لوگ مختلف مقصدوں سے نیکیاں کرتے ہیں بعض تو اپنے گناہ مٹانے کے لئے بعض جنت پانے کے لئے اور بعض صرف یار کو منانے کے لئے پہلی دو جماعتیں عارفین کی ہیں۔ تیسری جماعت عاشقین کی ہے یہاں الذین احسنو سے یہ تیسری جماعت مراد ہے جو سب کچھ کرتے ہیں مگر اپنے لئے کچھ نہیں کرتے جو کرتے ہیں رب اور محبوب رب کے لئے کرتے ہیں ان دل جلوں کے دل میں انا نہیں ہوتی وہ تو عشق کی آگ سے فنا ہو چکی ہے۔ ان کے لئے حسنی یعنی رضاء یار بھی ہے اور زیادت یعنی بقاء یار بھی وہ حضرات اپنے محبوب کے قریب میں مزا او جیالے والے نہ ان پر غم کے آثار ہیں نہ خوف کے کہ انہوں نے نفس کے لئے کچھ نہ کیا نہ ان پر حجاب کا غبار نہ دوئی کی گرد دھول یہ حضرات قرب روحانی کی

جنت والے جس میں وہ ہمیشہ ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ دنیا، برزخ، قبر، حشر جگہ اس جنت میں ہی ہیں۔ نفس کے لئے اطاعت کرنے والے ادھر جاتے ہیں رب کے لئے طاعت والے ادھر ایسے کھینچے جاتے ہیں جیسے لوہا مقناطیس کی طرف اس لئے انہیں مجذوب کہا جاتا ہے کشش ربانی کھینچ رہی ہے۔

| وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ |
|---|
| اور وہ لوگ جنہوں نے کمائے گناہ بدلہ برائی کا اس کی مثل ہے |
| اور جنہوں نے برائیاں کمائیں تو برائی کا بدلہ اسی جیسا |
| وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ |
| اور چھا جائے گی ان پر خواری نہ ہوگا واسطے ان کے اللہ کی طرف سے کوئی بچانے والا |
| اور ان پر ذلت چڑھے گی انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا گویا ان کے چہروں |
| كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ |
| گویا ڈھانپ دیئے گئے ان کے چہروں ٹکڑی سے اندھیری رات کے یہ لوگ |
| پر اندھیری رات کے ٹکڑے چڑھا دیئے ہیں |
| اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ |
| آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے |
| وہی دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے |

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** گذشتہ پچھلی آیت میں دنیا کی بے ثباتی کی بے نظیر مثال دی گئی تھی اب اس مثال کو کفار کے اعمال وعقائد پر منطبق فرمایا جارہا ہے کہ جیسے سردی گرمی کے ایک جھونکے سے ہرے بھرے کھیت خشک ہو جاتے ہیں ایسے ہی موت کی ایک ہچکی سے کفار کا سب سے کیا دھرا برباد ہو جاتا ہے۔ پھر نہ ان کے جھوٹے معبود انہیں کام آتے ہیں نہ ان کے باطل عقیدے اور اعمال۔

**دوسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے اس فضل کا ذکر ہوا جو مسلمانوں پر ہوگا۔ اب اس کے اس عدل کا ذکر ہے جو کفار سے کیا جاوے گا۔ گویا جمال کے بعد جلال کا تذکرہ ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں مومنوں کے منہ اوجیالے ہونے کا ذکر تھا اب کفار کے منہ کالے ہونے کا ذکر ہو رہا

ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔

**تفسیر:** **والذین کسبوا السیات** ظاہر یہ ہے کہ فرمان عالی نیا جملہ لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور **الذین** سے مراد سارے کافر جن وانس ہیں۔ کیونکہ کافر جن کافر انسانوں کی طرح وہ سزائیں جھگتیں گے جو یہاں مذکور ہیں۔ **کسبو** فرما کر یہ بتایا کہ کفار کے چھوٹے فوت شدہ بچے ایسے ہی وہ جو دیوانہ ہی رہے اور اس دیوانگی میں ہی فوت ہو گئے ان کی یہ سزا نہیں کیونکہ انہوں نے کفر کا کسب یعنی کمائی نہیں کی۔ نیز یہ بھی بتایا گیا کہ کافر اپنے ہی کفر و شرک کی سزا بھگتے گا جس کا اس نے کسب کیا دوسرے کو اپنے کفر و گناہ کا عذاب نہیں بخش سکتا۔ مومن اپنے نیک اعمال کا ایصال ثواب کرتے ہیں سیات سے مراد شرک کفر اور منافقت ہیں۔ چونکہ ان تینوں کی بہت قسمیں ہیں اس لئے اسے جمع فرمایا گیا۔ بہرحال اس سے گنہگار مسلمان مراد نہیں کیونکہ یہاں ان کے منہ کالے ہونے کا ذکر ہے اور قیامت میں منہ کالا ہونا صرف کفار کے لئے ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ **فاما الذین اسودت وجوھھم اکفرتم بعد ایمانکم** نیز ارشاد ہے **وجوہ یومئذ علیھا غبرۃ ترھقھا قترہ اولئک ھم الکفرۃ الفجرہ** وہ آیات اس آیت کریمہ کی تفسیر ہیں اور ہو سکتا ہے کہ سیات سے مراد کفار کے کفر اور ان کے گناہ سب ہی ہوں۔ بہرحال اس آیت کو گنہگار مومنوں سے کوئی تعلق نہیں از تفسیر کبیر۔ معانی۔ روح البیان)

**خیال رہے:** **کسبوا السیات** سے مراد ہے کہ وہ مرتے دم تک کفر کرتے رہے جو شخص عمر بھر کافر رہے مگر مرنے سے کچھ پہلے مومن ہو جائے اور ایمان پر مرے وہ اس میں داخل نہیں **جزاء سیئۃ بمثلھا** ۔ اس عبارت کی نحوی ترکیبیں سات کی گئی ہیں مگر آسان ترکیب یہ ہے کہ جزاء سے پہلے **لھم** پوشیدہ ہے اور جزاء مصدر مجہول ہے اور **بمثلھا** متعلق ہے جزاء کے۔ (خازن۔ کبیر۔ روح البیان وغیرہ) پھر یہ جملہ **الذین کسبوا** (الخ) کی خبر ہے یعنی رب نے کفار ان کا انجام یہ ہے کہ انہیں ان کے ہر جرم کی صرف ایک ہی سزا ملے گی نہ سزا میں اضافہ ہو نہ سزا کے علاوہ کچھ اور غضب ہو بخلاف مومنین کے کہ ان کی ایک نیکی کا ثواب دس سے سات سو گنا تک پھر اللہ کا فضل اس کے سوا ہے وہ فضل تھا یہ عدل ہے۔

**خیال رہے:** کہ جزاء ہر بدلے کو کہا جاتا ہے۔ ثواب ہو یا سزا۔ یہاں بمعنی سزا ہے۔ سیہ سے مراد کفر شرک ہے اور منافقت ہے اور ہو سکتا ہے کہ کفار کے دوسرے گناہ بھی اس میں داخل ہوں۔ کیونکہ کفار کو ان کے گناہوں کی سزا ملے گی۔ مثل سے مراد قانونی مثل ہے یعنی کفر کی سزا دائمی دوزخ جیسے بغاوت کی سزا موت یا دائمی جیل اگرچہ بغاوت دو دن ہی کی ہو۔ **وترھقھم ذلۃ** یہ عبارت معطوف ہے۔ جزاء سیۃ پر تو ھق کے معنی بھی پچھلی آیت میں عرض کئے گئے یہ ذلت خواری کا ان پر ظاہر ہونا تو قیامت میں ہی ہوگا یا دوزخ کی آگ دیکھ کر **ترھقھم** فرما کا یہ بتایا کہ ذلت و خواری صرف ان کے چہروں پر ہی نہ ہوگی بلکہ سارے جسم پر جیسے دنیا میں بعض بھکاریوں کو دیکھا جاتا ہے کہ ان کے چہروں پر خواری کے آثار آواز میں لجاحت کمینگی کی ذلت نگاہوں میں ندامت ہر وقت ہاتھ جوڑے ہوئے چلنا خواری کا بیٹھنا اس سے بدتر حال کفار کا دوزخ میں ہوگا۔ لہٰذا **ترھقھم** فرمانا بالکل درست ہے۔ **مالھم من اللہ من عاصم** یہ فرمان عالی کفار کا دوسرا حال ہے اس فرمان عالی کو دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ یعنی **من اللہ** سے مراد ہے **من عذاب اللہ**

(روح البیان) دوسرے یہ کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی بچانے والا مقرر نہ ہوگا من اللہ میں من تو ابتدائیہ ہے اور من عاصم میں من نکرہ کا عاصم بنا ہے عصم سے بمعنی بچانا ہے۔ رب فرماتا ہے واللہ یعصمک من الناس اسی سے ہے معصوم چونکہ قیامت میں رب تعالیٰ کی طرف سے عذاب سے بچانے والے مومنوں کے لئے بہت ہوں گے۔ حضرات انبیاء کرام، اولیاء عظام، علماء دین، ماہ رمضان، خانہ کعبہ، قرآن مجید وغیرہ اور کافروں کے لئے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ اس لئے من عاصم فرمانا درست ہوا یعنی انہیں بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ مومنوں کے لئے بہت ہوں گے۔ کانما اغشیت وجوھھم قطعا من اللیل مظلما۔ اس جملہ کی نحوی ترکیب کچھ مشکل ہے اور ترکیب سے ہی معنی بنتے ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہے کہ اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے تسود وجوھھم اور اکنما میں اس پوشیدہ و سیاہی کو تشبیہ دی گئی ہے۔ اغشیت کے دو مفعول ہیں۔ پہلا مفعول وجوھھم ہے جو نائب فاعل ہے دوسرا قطعا من اللیل قطعا۔ کی صفت ہے۔ مظلما لیل کا حال اس ترکیب پر کوئی اعتراض نہیں پڑ سکتا یعنی ان کے منہ ایسے سخت کالے ہوں گے کہ گویا اندھیری رات کی تہیں ان پر چڑھا دی گئیں۔ اس کی ایک تہ ہی بہت سیاہ ہوتی ہے بہت تہوں کی سیاہی تو خدا کی پناہ۔ دنیا کے سارے کالے منہ والوں کی سیاہیاں جمع کرلو تو یہ مجموعہ ایک کافر کی روسیاہی کے ہزاروں حصہ کو نہ پہنچے گی۔ وہاں چہروں پر دل کے رنگ نمودار ہوں گے۔ دنیا میں گورے کافروں کے دل کالے تھے لہٰذا وہاں ان کے منہ کالے ہوں گے اور یہاں کالے مسلمانوں کے دل اوجیالے تھے نور ایمان سے لہٰذا وہاں ان کے منہ اجیالے ہوں گے۔ اولئک اصحاب النار ھم فیھا خلدون اس فرمان عالی میں کفار کی دو حالتوں کا ذکر ہے اصحاب جمع صاحب کی ہے یہاں صاحب بمعنی ساتھی نہیں بمعنی والا ہے یعنی وہ کفار آگ والے ہیں کہ آگ ان کے لئے پیدا کی گئی اور وہ آگ کے لئے۔ جیسے دنیا میں کوئلہ آگ کے لئے بنا ہے اور آگ کوئلہ کے لئے لہٰذا کفار آگ میں ہمیشہ رہیں گے نہ آگ بجھے نہ ہلکی ہو اور نہ وہ لوگ اس سے ایک ساعت کے لئے نکلیں نہ مریں۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو متقی نیک کار مومنوں کا حال سن چکے کہ ان کو ثواب اور رب ذوالجلال کا فضل کیسا ہوگا اب اس کے برعکس بدکار نابکار کفار کا حال راز سنو۔ جن لوگوں نے دنیا میں کفر شرک۔ نفاق کمائے۔ ان کو ایک جرم کی ایک سزا ملے گی نہ سزا میں زیادتی ہو نہ انہیں بغیر جرم کوئی عذاب دیا جائے۔ رب کے عدل و انصاف کا یہ ہی تقاضا ہے۔ ان پر سر سے پاؤں تک ذلت و خواری چھائی ہوگی۔ ان کے لئے رب تعالیٰ کی طرف سے کوئی بچانے والا مقرر نہ ہوگا۔ جو انہیں شفاعت کر کے یا سپر بن کر عذاب سے بچائے۔ ان کے منہ ایسے کالے ہوں گے جیسے ان پر کالی رات کے ٹکڑوں کی تہیں جمی ہوں۔ سیاہیوں کے غلاف پڑے ہوں۔ یہ لوگ آگ والے ہیں کہ وہ آگ ان کے لئے بنی اور وہ آگ کے لئے یہ آگ میں ہمیشہ رہیں گے نہ آگ فنا ہو نہ یہ لوگ اور نہ وہاں سے نکل سکیں۔

خیال رہے: کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ بدکار کفار کی سزاؤں کا ذکر ہے۔ یا نیک کار مومنوں کے ثوابوں کا۔ رہے گنہگار مومن ان کی اخروی سزا کا سارے قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔ بعض کی دنیوی سزاؤں کا ذکر ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹ دو۔ زانی

کو کوڑے مارو وغیرہ۔ مگر کہیں یہ نہیں ملتا کہ بے نمازی بے روزہ۔ چور کو آخرت میں کیا سزا ملے گی۔ نہ کسی حدیث میں ہے نہ کسی بزرگ کے قول میں۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا کہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ گنہگار مومن کی سزا کم از کم ایک آن کے لئے دوزخ میں رہنا ہے اور زیادہ سے زیادہ سات ہزار سال۔ آخر کار اسے جنت میں پہنچنا ہے (از روح البیان) اس ذکر نہ فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ کفار کا دوزخی ہونا اور متقی مومن کا اول سے ہی جنتی ہونا یقینی ہے مگر گنہگار مومن کا دوزخ میں جانا وہاں سزا پانا ہمارے لئے یقینی نہیں۔ ممکن ہے کہ رب تعالیٰ اسے بخش دے فرماتا ہے لا تقنطوا من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعا یعنی سزا و جزا کا ذکر ہے۔ مشکوک کا ذکر نہیں۔ بعض واعظین کہتے ہیں کہ ایک نماز قضا کرنے کی سزا پانچ سو سال دوزخ میں رہنا ہے یہ ان کا اپنا اندازہ ہے اس کی روایت کوئی نہیں۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** دوزخ صرف کسبی طور پر بندوں کو ملے گی۔ عطائی یا وہبی طور پر نہیں۔ یعنی کوئی کسی کی طفیل دوزخی نہیں۔ بخلاف جنت کے وہ کسبی بھی ہے عطائی بھی وہبی بھی۔ یہ فائدہ کسبوا السيات سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

**دوسرا فائدہ:** کوئی شخص کسی کو اپنے گناہ یا کفر کا عذاب نہیں بخش سکتا کہ خدایا میرے اس گناہ کا عذاب فلاں کو دے صرف اپنے گناہ یا کفر کی سزا ملے گی۔ نیکیوں کا ثواب بخشا جا سکتا ہے یہ فائدہ بھی کسبوا السيات سے حاصل ہوا۔

**تیسرا فائدہ:** کفر بہت قسم کے ہیں ایمان صرف ایک یہ فائدہ سیات جمع فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں سیات سے مراد کفر، شرک یا منافقت ہے۔

**چوتھا فائدہ:** گناہوں کی سزا میں رب کی طرف سے اضافہ نہیں ہوگا۔ ایک گناہ کی ایک سزا مگر نیکیوں کی جزاء میں بہت اضافے بھی ہوں گے اور بطور عطیہ فضل بھی یہ فائدہ جزاء سيئة بمثلها سے حاصل ہوا۔ نیک اعمال کے متعلق فرماتا ہے من جاء بالحسنة فله عشر امثالها۔ یہ کریم کی کرم نوازی ہے۔

**پانچواں فائدہ:** مومن اگرچہ کیسا ہی گناہ گار ہو مگر قیامت میں اس کا منہ کالا نہ ہوگا۔ چہرے کی سیاہی کفار کے لئے ہے یہ فائدہ ترهقهم ذلة سے حاصل ہوا۔

**چھٹا فائدہ:** قیامت میں مددگار نہ ہونا کفار پر عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کے لئے بہت سے مددگار مقرر فرماوے گا۔ حتی کہ چھوٹے بچے بھی ماں باپ کی شفاعت کریں گے یہ فائدہ ما لكم من الله من عاصم سے حاصل ہوا۔ اس کے لئے ہماری کتاب فہرست القرآن ملاحظہ کرو۔

**ساتواں فائدہ:** قیامت میں مومن و کافر چہروں سے ہی پہچانے جائیں گے کہ مومنوں کے منہ اجیالے کافروں کے منہ کالے ہوں گے یہ فائدہ كانما اغشيت وجوههم (الخ) سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے۔ يعرف المجرمون بسيماهم۔

**مسئلہ:** بعض گنہگار مومنوں کے چہروں پر غبار ہوگا۔ سیاہی کے علاوہ اور علامات ہوں گے۔ جن سے ان کے جرموں کا پتہ

لگے گا۔ مثلاً پیشہ ور بھکاری کے منہ پر گوشت نہ ہوگا۔ اپنی بیوں پر انصاف نہ کرنے والوں کی ایک کروٹ نہ ہوگی۔ بخیل کا مال گنجے سانپ کی شکل میں اس کے کندھے پر ہوگا۔ جیسا کہ احادیث شریف میں وارد ہے۔

**آٹھواں فائدہ:** گنہگار مومن اگرچہ سزا کے لئے کچھ دن دوزخ میں رہے گا۔ مگر وہ دوزخ والا نہ ہوگا۔ دوزخ والے صرف کفار ہوں گے۔ مہمان گھر والا نہیں ہوتا یہ فائدہ **اولئک اصحاب النار** سے حاصل ہوا۔

**نواں فائدہ:** دوزخ میں ہمیشگی صرف کفار کے لئے ہے مومن گنہگار وہاں ہمیشہ نہ رہے گا۔ یہ فائدہ **ھم فیھا خلدون** سے حاصل ہوا۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں ذلت کے متعلق فرمایا گیا **ترھقھم** اور سیاہی کے لئے ارشاد ہوا **اغشیت وجوھھم** یعنی وہاں چہرے کا ذکر نہیں یہاں چہرے کا ذکر ہے اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔

**جواب:** سخت سیاہی کفار کے صرف چہروں پر ہوگی کہ چہرہ ہی حسن اور بدصورتی کی جگہ ہے مگر ذلت وخواری سارے بدن پر ہوگی۔ مثلاً ان کے بدن میں کوڑھ برص کے داغ وغیرہ بھی ہوں گے ان کے علاوہ اور علامات بھی۔

**دوسرا اعتراض:** کافر ایک جرم کرتا ہے یعنی کفر اسے سیات جمع کیوں فرمایا گیا تم نے کہا کہ سیات سے مراد کفر ہے۔

**جواب:** ہر کافر کفر علیحدہ ہے نیز کفر کی قسمیں بہت ہیں کوئی کافر شرک کرتا ہے کوئی کسی قسم کا کفر کرتا ہے کوئی دوسری قسم کا کوئی منافقت یا مرتب ان وجوہ سے **سیات** جمع ارشاد ہوا۔ بہت کفار بہت قسم کے کفر کرتے ہیں بخلاف ایمان کے کہ وہ حضرت آدم سے لے کر تا روز قیامت سارے مومنین ایک ہی قسم کا ایمان اختیار کرتے ہیں یعنی توحید و رسالت لہٰذا ایمان ہر جگہ واحد ارشاد ہوتا ہے نبی کے بدلنے سے ایمان نہیں بدلتا۔

**تیسرا اعتراض:** اس آیت میں اغشیت فعل مجہول ہے پھر قطعا کو فتحہ کیوں ہوا۔

**جواب:** ہم نے تفسیر میں عرض کر دیا **مظلما** **قطعا** کا حال نہیں الیل کا حال ہے جن لوگوں نے قطعا کا حال بنایا ہے وہ بہت گہری توجیہیں کرتے ہیں ہماری عرض کی ہوئی ترکیب آسان بھی ہے اور قوی بھی۔

**تفسیر صوفیانہ:** کفر شرک منافقت اگرچہ ایک ایک جرم ہے مگر ان میں سے ہر ایک صدہا گناہوں کی جڑ ہے اس لئے ان میں سے ہر ایک کو سیات فرمایا۔ یعنی سیات کا مرکز حتی کہ کافر کی نیکی بھی گناہ ہے کہ وہ ایمان کے بغیر کر۔ جیسے بے غسل والے کا قرآن یا نماز پڑھنا یا مسجد میں آنا یا طواف کرنا کہ یہ سب کام عبادات ہیں مگر بے غسلے کے لئے سخت گناہ اعمال میں جس قدر اخلاص زیادہ اسی قدر درجہ زیادہ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

| | |
|---|---|
| ایں ریاضتہائے درویشاں چراست | کاں بلا برتن بقاء جانہا است |
| مردن تن در ریاضت زندگی است | رنج ایں تن روح را پائندگی است |
| پس ریاضت را بجاں شو مشتری | چوں سپردی تن بخدمت جاں بری |

چونکہ دل کی سیاہی تمام سیاہیوں سے بدتر ہے کہ اس سے انسان ہر طرح کے اندھیرے میں رہتا ہے اس لئے کفار کے

چہروں پر سخت تر سیاہی ہوگی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومنین کا جنت میں داخلہ ایمان سے ہوگا۔
وہاں کے درجات اعمال صالحہ سے اور وہاں کی ہمیشگی اس کی نیت اور ارادہ سے کہ اس کا ارادہ یہ تھا کہ ہمیشہ نیک عمال کروں گا اگر وہ ابدالآباد تک جیتا تو رب کی عبادت ہی کرتا اس کے برعکس کافر کا دوزخ میں داخلہ کفر کی وجہ سے ہوگا۔ وہاں کے درکات اس کے بداعمال کی وجہ سے اور وہاں کی ہمیشگی اس کی نیت کی بنا پر۔ اس کا ارادہ کہ ہمیشہ بت پرستی و کفر کروں عمل کی نیت بھی ایک عمل ہے۔

| وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ |
|---|
| اور جس دن جمع کریں گے ہم ان کو سب کو پھر کہیں گے ہم ان لوگوں سے جنہوں |
| اور جس دن ہم ان سب کو اٹھائیں گے پھر مشرکوں کو سمجھائیں گے |
| أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا |
| نے شرک کیا ٹھہرو اپنی جگہ تم اور شریک تمہارے پھر جدائی کردیں |
| اپنی جگہ رہو تم اور تمہارے شریک تو ہم انہیں |
| بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿۲۸﴾ |
| گے ہم درمیان ان کے اور کہیں گے شریک ان کے نہ تھے تم ہم کو پوجتے |
| مسلمانوں سے جدا کردیں گے اور ان کے شریک ان سے کہیں گے تم ہمیں کب پوجتے تھے |
| فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا |
| بس کافی ہے اللہ گواہ اور درمیان ہمارے اور درمیان تمہارے بیشک ہم تھے |
| تو اللہ گواہ کافی ہے ہم میں اور تم میں کہ ہمیں تمہارے |
| عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿۲۹﴾ |
| تمہاری عبادت سے بے خبر |
| پوجنے کی خبر بھی نہ تھی |

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔
**پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں مشرکین کی ایک طرح کی رسوائی ذات خواری کا ذکر ہوا یعنی ان کے منہ کالے ہونا اب

ان کی دوسری قسم کی ذلت وخواری کا تذکرہ ہے یعنی سارے محشر والوں کے سامنے ان کے معبودوں کا ان پر لعن طعن کرنا۔ ان سے بیزار ہو جانا یا جسمانی رسوائی کے بعد دلی اور روحانی رسوائی کا تذکرہ ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں کفار کی بے بسی کا ذکر ہوا کہ ان کا مددگار عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ وما لهم من الله من عاصم اب اس بے کسی کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے دنیا میں جن بتوں کو اپنا مددگار حمایتی سمجھا تھا۔ وہ قیامت میں انہیں صاف جواب دیں گے ان سے بیزار ہو جائیں گے گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔

**تفسیر:** ویوم نحشرهم جمیعا یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور اس میں ایک فعل پوشیدہ ہے اذکر یا ذکرهم خوفهم۔ انذرهم یعنی کفار کو وہ دن یاد دلایئے یا اس کا ذکر کیجئے یا اس دن سے ڈرایئے۔ یوم سے مراد ہے قیامت کا دن اس لئے بمعنی وقت ہے رات کا مقابل دن مراد نہیں۔ نحشر بنا ہے حشر سے بمعنی جمع کرنا قوی یہ ہے کہ ھم سے مراد سارے انسان ہیں مومنین اور کفار اور مشرکین کے بت اس میں حضرات انبیاء کرام داخل نہیں یہ قیامت کے اول وقت ہوگا۔ جب سارے انسان اپنی قبور سے نکل کر میدان محشر میں جمع ہوں گے جمیعا ھم کا حال ہے اس میں یا تو یہ بتایا گیا کہ سارے ہی انسان جمع ہوں گے۔ کوئی باقی نہ بچے گا۔ یا ایک ہی جگہ ایک میدان میں جمع ہوں گے اس کے بعد تلاش شفیع میں یہ سارے ہی مختلف جگہ پھریں گے۔ اگر اس مجمع میں حضرات انبیاء بھی ہوتے تو یہ مجمع انہیں ڈھونڈنے کے لئے کیوں مارا مارا پھرتا۔ ثم نقول للذین اشرکوا۔ یہ فرمان عالی معطوف ہے نحشرهم پر چونکہ یہ واقعہ لوگوں کے جمع ہونے کے بہت عرصہ کے بعد ہوگا اس لئے ثم ارشاد ہوا ظاہر یہ ہے کہ براہ راست رب تعالیٰ ہی مشرکین سے یہ کلام فرمائے گا یہ فرمان غضب اور قہر کا ہوگا۔ لہٰذا یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں ولا یکلمهم (الخ) کو وہاں رحم و کرم کے کلام کی نفی ہے اور ہو سکتا ہے کہ فرشتوں کے ذریعہ یہ کلام ہو۔ شرک سے مراد سارے کفر ہیں خدا کی ہستی کا انکار۔ چند معبود ماننا۔ نبی کے کسی فرمان کا انکار سب ہی اس میں شامل ہیں۔ چونکہ اگلا مضمون مشرکین کے متعلق ہے اس لئے یہاں اشرکوا ارشاد ہوا۔ یہ بات خیال میں رہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف مشرکین الگ کر دیئے جاویں اور یہودی عیسائی دہریئے وغیرہ سب کافر مسلمانوں کے ساتھ رہیں مکانکم انتم وشرکاؤکم حق یہ ہے کہ مکانکم اسم فعل نہیں جس کے معنی مکان اسم ظرف ہے بمعنی جگہ اس سے پہلے الزموا پوشیدہ ہے شرکاء سے مراد مشرکین کے بت ہیں۔ جن میں چاند تارے سورج لکڑی۔ پتھر وغیرہ کے سارے بت داخل ہیں جن کی مشرکین پرستش کرتے تھے اس میں حضرت عیسیٰ اور عزیز اور وہ نیک بندے داخل نہیں جن کی یہود و نصاریٰ وغیرہ کفار پوجا کرتے تھے۔ حضرات انبیاء کرام تو اس مجمع میں تھے ہی نہیں ہاں صلیب اور ان بزرگوں کے فوٹو مجسمے جن کو یہ پوجتے تھے وہ اس میں داخل ہیں یعنی اے کافرو تم اور تمہارے جھوٹے معبود بت یہاں ہی ٹھہرو اپنا فیصلہ سنو۔ اپنا انجام معلوم کرلو۔ فزیلنا بینهم یہ عبارت یا تو مکانهم (الخ) کی تفصیل ہے یا یہ القول للذین اشرکوا پر معطوف ہے۔ چونکہ یہ علیحدگی اس فرمان کے فوراً بعد ہو جاوے گی۔ اس لئے ف ارشاد ہوئی۔ قوی یہ ہے کہ زیلنا بنا ہے زوال سے بمعنی مٹنا یا ہٹنا یا علیحدہ ہونا باب تفعیل میں آ کر اس کے معنی ہوئے علیحدگی کر دی ہم نے۔ اگر بینهم سے مراد مومنین و کفار

ہیں تو مکانی علیحدگی مراد ہے۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے وامتازو الیوم ایھا المجرمون کہ وہاں سے مومنین اور جگہ میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ اور کفار وہاں ہی قید رہیں گے۔ اور اگر بینھم سے مراد مشرکین اور ان کے بت ہی تو دلی علیحدگی مراد ہے۔ یعنی ہم عابدین اور معبودین دونوں کے دلوں کو الگ الگ کر دیں گے کہ ایک دوسرے سے متنفر ہو جائیں گے۔ ایک قرات میں زایلنا بینھم ہے ابو البقا نے کہا کہ یہ اصل زیولنا تھا باب فیعل کا ماضی اور واؤ جمع ہوئے تو واؤ کوی میں مدغم کر دیا گیا (تفسیر روح المعانی وکبیر وغیرہ)

**خیال رہے:** کہ یہ واقعات قیامت میں ہوں گے مگر چونکہ یقیناً ہوں گے لہٰذا انہیں ماضی سے ارشاد فرمایا جیسے ونفخ فی الصور ۔وقال شر کاؤھم ماکنتم ایانا تعبدون ۔یہ فرمان عالی ایک پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے کہ مشرکین اپنے بتوں کے یا سرداروں کے متعلق کہیں گے کہ خدایا ہم کو انہوں نے گمراہ کیا ہم ان کی عبادت کر کے گمراہ ہوئے ہم کو سزا نہ دے ہماری سزا ان کو دے تب ان کے معبود یہ کہیں گے رب تعالیٰ انہیں قوت گویائی بخشے گا۔ مطلب یہ ہے کہ خدایا انہوں نے ہم کو نہ پوجا بلکہ شیطان اور اپنے نفس امارہ کو پوجا جس کے کہنے پر انہوں نے شرک کیا۔ لہٰذا سزا ہے یہ کیسے بچ سکتے ہیں۔

**خیال رہے:** کہ کفار کے بہت چاند سورج بھی دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ مگر عذاب پانے کے لئے نہیں بلکہ کفار کو عذاب دینے کے لئے رب فرماتا ہے۔ انکم وماتعبدون من دون اللہ حصب جھنم بعض نے کہا کہ یہ قول فرشتوں اور حضرت عیسیٰ وعزیر علیہم السلام کا ہے۔ کیونکہ ان حضرات کی عبادت کفار کرتے تھے قول اول قوی ہی قرآن مجید کی زبان میں ان بزرگوں کو شرکاء نہیں کہا جاتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اء انت قلت للناس اتخذونی و امی (الخ) فکفی باللہ شھیدا بیننا و بینکم۔ یہ ان ہی شرکاء کا کلام ہے۔

پہلے کلام کی دلیل یعنی ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ تم نے ہماری عبادت نہ کی بلکہ اس کی جس نے تم کو یہ راہ بتائی اور تم سے شرک کرایا۔ اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ آج ہم تم دونوں بارگاہ الٰہی میں حاضر ہیں خود رب تعالیٰ جو احکم الحاکمین ہے ہمارا تمہارا گواہ ہے کہ ان کنا عن عبادتکم لغافلین۔ اس عبارت میں ان اصل میں انا تھا یعنی ہم کو تمہاری اس عبادت کی خبر نہ تھی۔ اس فرمان عالی سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں شرکاء سے مراد صرف بت ہیں فرشتے انبیاء کرام اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ حضرات کو تو ان کی اس عبادت کی خبر تھی رب فرشتوں کے متعلق فرماتا ہے یعلمون ما تفعلون اور حضرات انبیاء کرام کے متعلق فرماتا ہے۔ یوم نبعث من کل امۃ شھیدا وجئنا بک علی ھولاء شھیدا یعنی کراماً کاتبین فرشتے تمہارے اعمال کو جانتے ہیں۔ اور حضرات انبیاء کرام اپنی امتوں کے گواہ ہوں گے گواہی علم وخبر کے بغیر ناممکن ہے۔

**خلاصہ تفسیر:** اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفار و مشرکین کو اس ہولناک اور کس مپرسی افراتفری کے دن سے ڈراؤ۔ جب پہلے تو ہم سارے مومنین وکفار ان کے جھوٹے معبودوں کو یکجا جمع فرمائیں گے۔ پھر اس بھرے مجمع میں کچھ عرصہ کے بعد مشرکین سے فرمائیں گے کہ تم مومنوں سے چھٹ جاؤ کہ تم اور تمہارے بت تو یہاں ہی رہو مسلمان قرب الٰہی میں بھیجے جاتے ہیں تم اپنا فیصلہ سنو۔ چنانچہ ہم مومنوں اور کافروں میں علیحدگی اور فیصلہ کر دیں گے اب کفار اور ان کے بتوں میں جھگڑا ہوگا۔

کفار بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے کہ مولیٰ ہم کفر و شرک کرنے میں بے قصور ہیں۔ ہمیں تو ان مردودوں نے بہکایا۔ ہم کو معافی دے انہیں سخت سزا دے تو ان کے جھوٹے معبود جواب میں کہیں گے کہ تم ہم کو نہ پوجتے تھے بلکہ درحقیقت شیطان اور اپنے نفس کو پوجتے تھے۔ ہم نے تم کو اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا تھا۔ شیطان اور تمہارے نفسوں نے دیا تھا۔ ہمارے تمہارے درمیان رب تعالیٰ گواہ ہے۔ اس کی گواہی پر فیصلہ ہے وہ جانتا ہے کہ ہم کو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی ہم بے جان لکڑی پتھر تھے اور جن کے نام پر ہمیں گڑھا گیا تھا جیسے لات منات عزیٰ یا جیسے رام چندر کرشن وغیرہ ہم وہ تمہاری عبادات سے پہلے ہی مر چکے تھے تم صدیوں بعد ان کے پجاری بنے انہیں تمہاری عبادت کیا خبر۔

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** قیامت میں پہلے سارے مومنین کافرین اکٹھے کھڑے ہوں گے۔ اس لئے اسے یوم الحشر کہتے ہیں۔ یعنی جمع ہونے کا دن پھر مومنوں کافروں میں چھانٹ ہوگی۔ اس لئے یوم الفصل کہتے ہیں یعنی جدائی کا دن یہ فائدہ نحشرھم جمیعا سے حاصل ہوا۔

**دوسرا فائدہ:** دنیا میں لوگوں کا ایک جگہ جمع ہونا جسمانی قرابت وغیرہ سے ہوتا ہے مگر قیامت میں اجتماع ایمان و کفر سے ہوگا کہ چھانٹ ہونے پر کافر باپ مومن بیٹے سے کافرہ ماں مومنہ بیٹی سے الگ کر دی جاوے گی۔ اجنبی کفار کے ساتھ رکھی جاوے گی۔ یہ فائدہ فزیلنا بینھم (الخ) کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اس سے مراد کفار و مومنین کی چھانٹ ہو۔ رب فرمائے گا وامتازوا الیوم ایھا المجرمون۔

**تیسرا فائدہ:** مومنوں کو چاہئے کہ دنیا میں بھی کفار سے صورت و سیرت میں الگ چھٹے ہوئے رہیں اپنی شکل و صورت مومنوں کی سی رکھیں اپنی اعمال کردار حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے سے بنائیں۔ جب وہاں چھانٹ ہوتی ہے تو یہاں ہی چھانٹ کیوں نہ کرلیں۔

**چوتھا فائدہ:** قیامت میں چھانٹ اس طرح ہوگی کہ اجتماع کی جگہ سے مسلمان منتقل کر کے دوسری جگہ پہنچائے جائیں گے۔ کفار وہاں ہی رہیں گے اس میں مومنوں کی عزت افزائی ہوگی یہ فائدہ مکانکم انتم و شرکائو کم سے حاصل ہوا۔

**پانچواں فائدہ:** قیامت میں رب تعالیٰ لکڑی پتھر کے بتوں کو بھی گویائی دے گا۔ جس سے وہ کفار کی مخالفت اور اپنی بے زاری کا اظہار کریں گے۔ یہ فائدہ وقال شرکائو کم (الخ) سے حاصل ہوا۔

**چھٹا فائدہ:** یہاں شرکاء میں حضرات انبیاء اور فرشتے داخل نہیں۔ اگرچہ بعض ان کی پرستش کرتے ہوں صرف بت یا کفار کے سردار ہیں جو انہیں اس عبادت کا حکم کرتے تھے ہاں صلیب اور جناب عیسیٰ و مریم کے فوٹو اور مجسمے اس میں داخل ہیں۔ یہ فائدہ ان کنا عن عبادتکم لغافلین۔ سے حاصل ہوا۔

**ساتواں فائدہ:** حضرات انبیاء اور اولیاء اپنے متبع مومنین سے نہ دنیا میں بیزار ہیں نہ آخرت میں بیزار ہوں گے۔ بلکہ وہاں ہر طرح باذن الٰہی ان کی مدد ان کی شفاعت کریں گے۔ کیونکہ بیزاری مشرکین سے ان کے بت کریں گے جو یہاں

بطور عذاب ارشاد ہوئی۔ اگر حضرات بھی بیزار ہوں تو فرق کیا رہے۔ یہاں یہ بیزاری بطور عذاب ارشاد ہوئی رب فرماتا ہے۔انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا۔ یہ بحث تیسرے پارہ میں آیت الکرسی کی تفسیر میں شفاعت کی بحث میں کر چکے ہیں۔

**آٹھواں فائدہ:** مومنوں کی عبادات سے نہ رب تعالیٰ بے خبر ہے نہ حضرات انبیاء و اولیاء یہ فائدہ عن عبادتکم لغافلین سے حاصل ہوا کہ ان کے بت بے خبر ہیں۔

**پہلا اعتراض:** یہاں شرکاءکم میں حضرت مسیح و عزیز اور فرشتے سب داخل ہیں کہ ان کی بھی عبادت کی جاتی ہے قیامت میں اولاً مومن و کافر فرشتے سب یکجا ہوں گے پھر چھانٹ ہوگی۔ رب فرماتا ہے۔ ویوم نحشرھم جمیعا ثم نقول للملئکۃ اھولاء ایاکم کانوا یعبدون۔ وہاں فرشتوں کا نام ارشاد ہوا کہ ان سب کو کفار کے ساتھ جمع کیا جاوے گا فرشتوں سے سوال ہوگا۔

**جواب:** ایک قول یہ ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ فرشتے اور انبیاء کرام کفار کے ساتھ جمع نہیں کئے جائیں گے۔ اس کی چند دلیلیں ہیں (۱) سارے محشر والے شفیع کی تلاش میں مختلف انبیاء کرام کو ڈھونڈتے پھریں گے۔ یکے بعد دیگرے ان کے آستانوں پر پہنچتے اور جواب پاتے رہیں گے پھر آخر میں حضور انور ﷺ تک پہنچیں گے اگر وہ حضرات انہیں کے ساتھ اس مجمع میں ہوتے تو انہیں ڈھونڈنے کے کیا معنی۔ اس تلاش میں ایک ہزار سال صرف ہوں گے (۲) یہاں شرکاء کا قول ارشاد ہوا کہ تمہاری عبادت سے بے خبر تھے۔ حالانکہ انبیاء اور فرشتے ان کے ہر عمل سے خبردار تھے اس لئے یہ حضرات ان کے کفر کی گواہی دیں گے (۳) یہ آیت بلکہ یہ سورت مکیہ ہے کفار مکہ سے اس میں خطاب ہے۔ مشرکین مکہ نے ان تینوں کی عبادت کرتے تھے نہ فرشتوں کی۔ وہ تو انہیں مانتے ہی نہ تھے۔ لہٰذا اقوی یہ ہی ہے کہ شرکاء سے مراد مشرکوں کے بت اور وہ لوگ ہیں جن کے نام کے بت تھے تمہاری پیش کردہ آیت میں یہ ہرگز نہیں کہ فرشتوں اور نبیوں کو کفار کے ساتھ جمع کیا جاوے گا جب وہ اپنی بے گناہی اور معبودوں کے گمراہ کرنے کا دعویٰ کریں گے فرشتوں کو بلا کر ان سے وہ سوال ہوگا۔

**دوسرا اعتراض:** ان آیتوں میں شرکاء کے دو کلام نقل ہوئے۔ ایک یہ کہ تم ہماری عبادت نہ کرتے تھے ما کنتم ایانا تعبدون دوسرے یہ کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے۔ ان کنا عن عبادتکم لغافلین ان دونوں میں تعارض ہے اگر وہ ان عبادت سے بے خبر تھے تو یہ کیسے جانتے تھے کہ تم ہماری عبادت نہ کرتے تھے۔

**جواب:** ما کنتم ایانا تعبدون کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ تمہاری عبادت ہمارے علم میں نہیں۔ تم کرتے ہوگے اس صورت میں ان کنا عن عبادتکم لغافلین اس کی تفسیر ہے دوسرے یہ کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ ان لکڑی پتھروں کی عبادت کرتے تھے جو ہمارے نام پر بنائے گئے تھے وہ جانیں اور تم جانو۔ یا ہم نے تم سے نہ کہا تھا کہ ہمیں پوجو۔ تم سے نفس یا شیطان نے یہ کہا تھا تو تم ان کے پجاری ہوئے۔ نہ کہ ہمارے۔ اس صورت میں غافلین کے معنی بے پرواہ یا ناراضی ہیں۔ (دیکھو تفسیر روح المعانی)

**تیسرا اعتراض:** اللہ تعالیٰ تو احکم الحاکمین ہے نہ کہ گواہ پھر یہ کیوں ارشاد ہوا کہ فکفی باللہ شہیدا گواہ اور ہوتا ہے حاکم دوسرا۔

**جواب:** حاکم کی گواہی شاہی گواہی ہوتی ہے۔ جو تمام گواہیوں سے اعلیٰ اس کی تحقیق ہم تیسرے پارہ میں وانا معکم من الشاھدین کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ دنیا میں رب تعالیٰ دیکھ رہا تھا کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے۔

**چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں ایک جگہ ثم ہے کہ ثم نقول للذین اشرکوا۔ اور دوسری جگہ ف ہے۔ فزیلنا بینھم اس فرق بیان کی وجہ کیا ہے۔

**جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا لوگوں کی جمع فرمانے اور چھانٹ فرمانے پر بڑا فاصلہ ہوگا۔ چھانٹ بہت عرصہ کے بعد ہوگی لیکن چھانٹ کے حکم اور چھانٹ واقع ہو جانے میں پل بھر کا فاصلہ نہ ہوگا۔ حکم ہوا کہ چھانٹ ہوگئی اسلئے پہلے کے لئے ثم ارشاد ہوا جس سے تاخیر معلوم ہوئی اور دوسری جگہ ف ارشاد ہوئی بمعنی فوراً۔

**تفسیر صوفیانہ:** قیامت میں انسان کی روحیں اور چیزوں کی حقیقتیں ظاہر کر کے جمع کر دی جائیں گی۔ چنانچہ دنیا دار لوگ وہاں دنیا کی حقیقت دیکھیں گے جو نہایت حقیر صورت میں ہوگی۔ پھر ارشاد ہوگا کہ یہ ہے وہ دنیا جس کی طلب میں تم نے اپنی عمریں خرچ کر ڈالیں۔ اب تم اور تمہاری معبود دنیا ایک جگہ رہو کہ تم اعلیٰ تھے اور دنیا اسفل۔ تم اونچے ہو کر نیچے کی پوجا جاری ہوئے اب تم اس نیچی کے ساتھ رہو۔ پھر ہم مشرکین اور ان کے معبودوں میں فرق کر دیں گے کہ انہیں لعنت و پھٹکار دوری۔ جدائی کے رنج و غم میں مبتلا کریں گے اس وقت ان کے مال منال شکایت کریں گے کہ خدایا یہ نفس و شیطان کے پجاری تھے ہم کو نفس و شیطان کے لئے استعمال کیا۔ اگر یہ بھی تیرے لئے استعمال کرتے تو ہم عین دین بن جاتے ان کا معبود دین نہیں بلکہ ان کی ہوا و حرص ہے افرایت من اتخذ اللہ ھواہ۔ یہ لوگ عبادت الٰہی کی لذت اور اطاعت رسول کے ذوق سے بے خبر رہے اور ہم ان سے متنفر رہے۔ قیامت وہ دن ہے جس میں مسلمانوں کے بہت سے خیالات فاسد نکلیں گے چہ جائیکہ کفار کی عبادات۔

**حکایت:** کسی نے حضرت جنید بغدادی کی وفات کے بعد انہیں خواب میں دیکھا پوچھا کیسی گذری۔ فرمایا اشارات غائب ہو گئے۔ عبادات فنا ہو گئیں۔ رسوم کام نہ آئیں۔ علوم نے ساتھ چھوڑ دیا آخری رات کی گریہ زاری تہجد کے رکوع سجود کام آگئے۔ شعر۔

ہر گنج سعادت کہ خدا داد بحافظ — ازیمن دعاء شب و ورد سحری بود

چوں بباطن بنگری دعوئے کجا است — اوز دعوی پیش آں سلطاں فنا است

صوفیاء کے نزدیک رب سے غفلت دنیا میں مشغولیت بت پرستی ہے۔ (روح البیان)

هُنَالِكَ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى

اس جگہ پڑتال کرے گی ہر ذات ان اعمال جو آگے بھیجے اور لوٹائے جائیں گے

یہاں ہر جان جانچ لے گی جو آگے بھیجا اور اللہ کی طرف پھیرے

اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ ع ۹

وہ اپنے سچے والی کی طرف اور غائب ہو جائیں گے ان سے وہ جو گھڑتے تھے

جائیں گے جو ان کا سچا مولیٰ ہے اور ان کی ساری بناوٹیں اس سے گم ہو جائیں گی

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں بتوں اور بت پرستوں کے اس جھگڑے کا ذکر ہوا جو قیامت میں ہوگا اور اب جھگڑے کے نتیجہ کا تذکرہ ہے۔ یعنی بت پرستوں کا اپنی غلطی مان لینا گویا دنیا میں جو بیان تھا وہ عیاں ہو جائے گا۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں مومنوں اور کافروں میں چھانٹ کا ذکر ہوا اب ان دونوں جماعتوں کے اعمال کی چھانٹ کا تذکرہ ہے کہ مومن اپنے اعمال عقائد کی حقانیت کو کفار اپنے عقائد کے بطلان کو دیکھ لیں گے۔ گویا عاملین کو چھانٹ کے بعد اعمال کی چھانٹ کا ذکر ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ جھوٹے معبود اپنی عابدوں کی عبادات کا انکار کر دیں گے ما کنتم ایانا تعبدون جس سے معلوم ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی عبادتوں کا حضرات انبیاء کرام اپنی امتوں کی اطاعتوں کا انکار نہ فرمائیں گے ان کی قدر دانی فرمائیں گے اب ارشاد ہے کہ اس انکار و اقرار سے باطل اور سچے عمل کی چھانٹ ہو جاوے گی۔ دنیا میں مومن کافر ایک جگہ ہیں اعمال بظاہر ایک طرح کے ہیں۔

**تفسیر:** ھنالک تبلوا کل نفس یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے ھنالک کی معنی ہیں اس جگہ کبھی اس کے معنی ہوتے ہیں اس وقت یہاں دونوں معنی درست ہیں چونکہ یہ ظرف تبلوا سے آگے ہے اس لئے حصر کے معنی ہوئے یعنی اس ہی جگہ یا اس ہی وقت رب فرماتا ہے۔ ھنالک دعا ذکریا ربہ اس ہی جگہ جہاں بی بی مریم تھیں حضرت زکریا نے رب سے دعا کی۔ ہماری قرأت میں تبلوا ت اور ب سے ہے یہ بنا ہے بلو سے بمعنی جانچنا رب فرماتا ہے ونبلوکم بالشر والخیر فتنة اور فرماتا ہے ولنبلونکم بشیء من الخوف (الخ) یعنی ہر نفس جانچ گئی ایک قرأت میں ہے نبلوں اور ن و ب سے اور کل نفس کے فتح سے یعنی ہر نفس کو ہم جانچیں گے ایک قرأت میں تتلو ہے دوت سے یا تلاوت سے یعنی ہر نفس پڑھ لے گا اپنے اعمال۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ اقرا کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا اپنی کتاب خود پڑھ لے یا تتلو سے بمعنی پیچھے ہونا۔ یعنی ہر نفس اپنی اعمال کے پیچھے چلے گی۔ مومن کو اس کی نیکیاں جنت کی طرف رہبری کریں گی کافر کو اس

کی بدیاں دوزخ میں پہنچائیں گی غرضکہ اس ایک لفظ کی چار تفسیریں ہیں اگر ھنالک کے معنی ہیں اس جگہ تو کل نفس سے مراد سارے انسان مومن ہوں یا کافر کیونکہ اس جگہ میں رہ کر اپنے کیئے دھرے کی خبر ہونا کفار کے لئے خاص ہوگا۔ مسلمان تو وہاں سے ہٹا لئے جائیں گے۔ ہاں اس وقت دونوں کو اپنے اعمال کی خبر ہوگی۔ نفس کے بہت معنی بارہا عرض کر چکے ہیں کہ خون، جان، نفس امارہ، نفس مطمئنہ اور ذات سب ہی کو نفس کہا جاتا ہے یہاں بمعنی ذات ہے ما اسلفت یہ عبارت تبلو کا مفعول ہے ما سے مراد اعمال ہیں۔ کیونکہ ہر شخص کو اپنی عقائد کی جانچ تو قبر میں ہی ہو جاوے گی کہ وہاں صرف ایمان و کفر کا امتحان ہے۔ اعمال کا نہیں۔ ہاں قیامت میں اعمال کی جانچ ہے۔ اسلف بنا ہے سلف سے بمعنی آگے اسلاف کے معنی ہیں آگے بھیجنا اس لئے متقدمین کو سلف صالحین کہتے ہیں اس کا مقابل ہے خلف اس سے مراد وہ اعمال ہیں جو دنیا میں کئے تھے جو تندرستی میں یا بیماری میں مرتے وقت یعنی کفر یا اسلام غرضیکہ اس کی بھی سزا و جزا ہے لہٰذا یہ فرمان بہت جامع ہے۔ وردوا الی اللہ یہ فرمان عالی معطوف ہے تبلو اکل نفس پر۔ ردو کا نائب فاعل وہ مشرکین و کفار ہیں جن کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے چونکہ دنیا میں سارے بندے رب کے بھیجے ہوئے رب کے پاس سے آئے تھے اس لئے اب وہاں جانے کو رد یا رجوع یعنی لوٹان کہا جاتا ہے چونکہ مومن وہاں بخوشی حاضر ہوں گے۔ جیسے دوست دوست کے پاس جاتا ہے اس لئے اکثر رجوع فرمایا جاتا ہے یعنی بخوشی لوٹنا اور کفار جبراً دھکے دے کر وہاں لوٹائے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کے لئے اکثر ارشاد ہوتا ہے۔ یعنی جبراً لوٹایا جانا۔ اس دونوں کے متعلق ارشاد ہے یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا و نسوق المجرمین الی جھنم وردوا مومنوں کے لئے حشر اور وفد ارشاد ہوا۔ کفار کے لئے سوق اور ورود دوسری جگہ ارشاد ہے وسیق الذین کفروا الی جھنم زمرا اور ارشاد ہے وسیق الذین ربھم الی الجنۃ زمرا۔ دونوں سوق میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دولہا کو دلہن کے ہاں بھی لے جاتے ہیں اور مجرم کو پھانسی گھر بھی مگر دونوں لے جانے میں فرق ہے۔ مولھم الحق یہ فرمان عالی لفظ اللہ کی صفت یا بدل ہے یہاں مولیٰ بمعنی مالک ہے یا بمعنی مربی حق مقابل ہے۔ باطل کا۔ کفار نے دنیا میں بہت جھوٹے مولیٰ مان رکھے تھے۔ ان کا جھوٹا ہونا آج ظاہر ہو گیا کہ سب ان کے مخالف ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سچا مولا ہے مولیٰ کے معنی اس کے اقسام اور کسی معنی سے یہ لفظ کس پر بولا جاتا ہے ہم نے سورۂ بقر کے آخر میں انت مولانا کی تفسیر میں عرض کر دیئے ہیں۔ کہ مولیٰ یا ولی سے بنا ہے بمعنی دوستی۔ قرب یا ولایت سے رب تعالیٰ کو مولیٰ کہتے ہیں اور معنی سے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفۃ المسلمین اور فرشتوں کو عام مومنین کو مولیٰ کہا جاتا ہے۔ دوسرے عام معنی سے یہ لفظ بہ یک وقت سب پر بولا جاتا ہے فاللہ مولاہ وجبریل وصالح المومنین بعد ذلک ظھیرا۔ وضل عنھم ما کانوا یفترون۔ اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے۔ یہاں ضل کے معنی ہیں ضائع ہو گئے۔ جاتے رہے مراد ہے کام نہ آئے وہ پہلے سے ہی ضائع و غائب تھے آج ان کا ضائع ہونا انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ما سے مراد بت پرستوں کے بت ان کی عبادات اور ان کے سارے اعمال ہیں خصوصاً نیکیاں جنہیں وہ نیکی سمجھتے تھے اور واقعہ میں وہ گناہ تھے نیز ان کے وہ اعمال جو واقعی نیکیاں تھے جیسے صدقہ و خیرات۔ ماں باپ کی خدمت وغیرہ کہ ان میں کوئی چیز ان سے کام نہ آئی۔

**خیال رہے:** کہ کفار کی نیکیاں تو اس طرح ضائع ہوں گی کہ ان سے انہیں جنت حاصل نہ ہو گی۔ ان کے گناہ اس طرح ضائع ہوں گے کہ بجائے نفع دینے کے انہیں نقصان پہنچائیں گے لہٰذا آیت کریمہ پر کوئی اعتراض نہیں انشاء اللہ مومنوں کی نیکیاں کام آئیں گی اور گناہ معاف ہوں گے۔ ضبطی اور معافی کا فرق یاد رہے۔

**خلاصہ تفسیر:** ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کریمہ کی تین قراتیں ہیں اور چار تفسیریں۔ ہم ان سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو ہماری قراۃ کے موافق ہے اور قوی ہے جب یہ چھانٹ اور معبودین باطلہ کا ناراض ہونے کا ظہور ہو گا تو اس جگہ یا اس وقت ہر جان ہر ذات اپنی دنیا میں بھیجے ہوئے اعمال کی جانچ کرے گی کہ ہم نے کیا سمجھا تھا اور یہاں کیا ہوا۔ اور اب وہ اپنے سچے مالک رب کی طرف جبراً لوٹائے جائیں گے کہ فرشتے انہیں دھکے دیتے ہوئے بارگاہ عالی میں پیش کریں گے اور ان کے جھوٹے معبود ان کے کفر بت پرستی بلکہ ان کے وہ نیک اعمال جو وہ دنیا میں کرتے تھے سب برباد ہو جائیں گے۔ جس کا وہ خود اقرار کریں گے۔ مصرع۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** دنیا میں جو چیز نہاں ہیں وہ قیامت میں عیاں یعنی ظاہر ہو جاویں گی۔ وہاں حضرات انبیاء کرام کی حقانیت آنکھوں دیکھ لی جاوے گی۔ یہ فائدہ ھنالک اور تبلوا سے حاصل ہوا بہتر کہ انسان یہاں ہی آنکھیں کھول لے۔

**دوسرا فائدہ:** قیامت میں فیصلہ الٰہی سے پہلے ہی بدکاروں کی بدکاریاں اور نیک کاروں کی نیک کاریاں ظاہر ہو جاویں گی۔ یہ فائدہ کل نفس کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ اس سے مراد ذات ہی مومن یا کافر۔

**تیسرا فائدہ:** دنیا کے نیک و بد اعمال کا حساب قیامت میں ہو گا۔ قبر میں نہیں۔ قبر میں تو صرف ایمان کا حساب ہے یہ فائدہ ھااسلفت سے حاصل ہوا۔

**چوتھا فائدہ:** قیامت میں ہر شخص اپنے اعمال کا خود ہی حساب کرلے گا۔ رب تعالیٰ کا حساب لینا قانونی کاروائی کے لئے ہو گا۔ یہ فائدہ تبلوا کل نفس کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ وہ تے اور بے سے ہو۔

**پانچواں فائدہ:** قیامت میں کوئی شخص بے پڑھا حساب سے ناواقف نہیں ہو گا۔ یہ فائدہ تبلوا کل نفس کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ یہ تلاوت سے بنا ہو رب فرماتا ہے **اقراء کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا**۔ بلکہ بعد موت سب کی زبان عربی ہو جاتی ہے کیونکہ قیامت کا حساب اور قیامت کا سارا کام عربی زبان میں ہو گا۔

**چھٹا فائدہ:** بعد قیامت ہر شخص کو اس کے اعمال رہبری کریں گے۔ کفار کے اعمال انہیں دوزخ کے اور مومنوں کے نیک اعمال انہیں جنت کے گھر پہنچائیں گے یہ فائدہ تبلو کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب یہ لفظ تلو بمعنی تبع سے بنا ہو۔

**ساتواں فائدہ:** مومن رب کی بارگاہ میں خوش خوش جاتا ہے مگر کافر دھکے دے کر جبراً وہاں حاضر کیا جاتا ہے۔ یہ فائدہ **ردوا الی اللہ** سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر رد اور رجوع کا فرق بلکہ مومن خوشی خوشی ہنستا ہوا مرتا ہے۔ کافر روتا ہوا۔ شعر۔

نشان مرد مومن باتو گویم قضا آید تبسم برلب اوست

اللہ تعالیٰ ایمان پر موت نصیب فرمائے۔

**آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ ہر مومن و کافر کا مولیٰ یعنی مالک اور رب ہے سچا مولیٰ وہ ہے یہ فائدہ **مولهم الحق** ۔ سے حاصل ہوا۔

**نواں فائدہ:** قیامت میں اکیلا رہ جانا اسی حالت میں بارگاہ الٰہی میں پیش ہونا کفار پر رب کا عذاب ہوگا۔ مومن انشاء اللہ اپنے نیک اعمال اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ میں مومنین کی ہمراہی شفاعت کرنے والوں مددگاروں کے جھرمٹ میں وہاں حاضر ہوں گے۔ یہ فائدہ **وضل عنهم ما کانوا یفترون** ۔ سے حاصل ہوا۔ اگر مومن بھی ایسے ہی بے کسی بے بسی کی حالت میں پیش ہوتے تو یہاں اس بے کسی کو کفار کا عذاب قرار نہ دیا جاتا رب فرماتا ہے **یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا**۔

**دسواں فائدہ:** کفار نے جنہیں اپنا والی وارث سمجھا وہ غلط اور جھوٹے ہیں۔ مومنوں کے والی وارث شفیع سفارشی بالکل برحق ہیں ان کی مدد برحق ہے یہ فائدہ **یفترون** سے حاصل ہوا۔ مومنوں کے لئے رب فرماتا ہے۔ **انما ولیکم اللہ ورسوله والذین امنوا**۔

**پہلا اعتراض:** جب قیامت میں ہر نفس اپنے نیک و بد اعمال کی خود ہی جانچ کرے گا تو رب تعالیٰ کے حساب لینے کا کیا فائدہ ہوگا۔

**جواب:** وہ حساب اجراء قانون کے لئے ہوگا۔ بعض لوگوں سے حساب نہ لینا اور بغیر حساب انہیں جنت میں بھیج دینا رب کا کرم ہوگا۔ مگر کسی کو بغیر حساب دوزخ میں نہیں بھیجا جاوے گا کہ اس میں عدل کا ظہور ہے عدل اور فضل میں فرق یاد رہے۔

**دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کا بھی مولا ہے کہ فرمایا **کیا مولهم الحق**۔ مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **وان الکافرین لامولیٰ لهم**۔ کافروں کا مولا کوئی نہیں آیتوں میں تعارض ہے۔

**جواب:** وہاں مولیٰ بمعنی مددگار ہے اور یہاں مولیٰ بمعنی رب اور مالک ہے اللہ تعالیٰ کافروں کا مالک رازق ہے مگر ان کا مددگار نہیں لہٰذا آیتیں دونوں صحیح ہیں۔ (روح البیان و معانی۔ کبیر وغیرہ)

**تیسرا اعتراض:** یہاں مولا کے ساتھ حق کیوں ارشاد ہوا کیا باطل مولیٰ بھی ہے۔

**جواب:** جی ہاں جن بتوں اور سرداروں کو کفار نے دنیا میں اپنا رب یا مالک مان رکھا تھا وہ باطل مولیٰ تھے سچا مالک رب تعالیٰ ہے۔

**چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ کفار کے بت قیامت میں غائب ہو جائیں گے۔ **وضل عنهم ما کانوا یفترون** مگر دوسری جگہ ہے کہ ان کے بت ان کے ساتھ رہیں گے حتیٰ کہ دوزخ میں ان کے ساتھ جائیں گے۔ آیتوں میں تعارض ہے۔

**جواب:** بتوں کی مدد شفاعت وہاں ان سے غائب ہو جائے گی۔ ہاں ان کی مخالفت کرنے انہیں اور زیادہ سزا دینے ان پر

لعن طعن کرنے کے لئے قیامت اور دوزخ میں ان کے ساتھ ہوں گے۔ حتی کہ چاند سورج بھی ان کے ساتھ جائیں گے تا کہ آگ کی گرمی کے ساتھ انہیں سورج کی گرمی بھی پہنچے غرضکہ ہمراہی مدد کی اور ہے اور غضب وقہر کی کچھ اور (از صاوی)

**تفسیر صوفیانہ:** مومن دنیا کی ہر چیز کا ظاہر و باطن دونوں دیکھتا ہے دنیا کا ظاہر حسین اور باطن قبیح ہے۔ اس لئے اس کی کسی چیز سے دل نہیں لگاتا۔ مگر کافر صرف حسین صورت دیکھتا ہے اور اس میں پھنس کر رب کو بھول جاتا ہے مومن کے لئے دنیا کی ہر چیز خدارسی کا ذریعہ ہوتی ہے اور کافر کے لئے رب تعالیٰ سے حجاب دنیا کی ہر چیز برف کا کھلونا ہی ظاہر میں سب کچھ باطن میں کچھ نہیں آتا فانا شعر۔

| | |
|---|---|
| وما الخلق فی التمزال الا کثلجته | بھا صورۃ لکن تبدت من الماء |
| خلوا الکشف لم یشھد سری الماء وحده | تبدی بوصف الثلج من غیر اخفاء |
| ومن حجبه صورۃ الثلج جاھل | تغطی علیه الامر من لمع اصواء |

جاہل نے برف کے کھلونے کو حسین محبوب سمجھا اس سے کھیلنے لگا۔ مگر سورج نکلتے ہی جب وہ پگھلے گا تب حقیقت کھل جائے گی کہ یہ فانی تھا۔ دنیا گویا سردی کی راتیں ہیں یہاں کی چیزیں حتی کہ نفس کے لئے عبادات گویا برف کے کھلونے ہیں قیامت کا دن گویا سورج چمکنے کا وقت ہے ان اعمال کا برباد ہو جانا گویا ان کا پانی بن کر بہ جانا ہے وضل عنھم ما کانوا یفترون۔ مومن نے انہیں دنیا میں ہی فانی پالی جانا۔ قیامت میں ان کا یقین عین الیقین ہو جاوے گا (از تفسیر صاوی) روز قیامت گویا پردے اٹھنے کا دن۔

| |
|---|
| قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ |
| فرمایئے کون رزق دیتا ہے تم کو آسمان اور زمین سے یا کون مالک ہوتا ہے |
| تم فرماؤ تمہیں کون روزی دیتا ہے آسمان اور زمین سے یا کون مالک ہے کان |
| السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ |
| کانوں اور آنکھوں اور کون نکالتا ہے زندہ مردے سے |
| اور آنکھوں کا اور نکالتا ہے زندہ کو مردے سے |
| وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ |
| اور نکالتا ہے مردہ زندہ سے اور کون انتظام کرتا ہے کام کی |
| اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور کون تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے |

فَسَيَقُولُونَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۱﴾

پس عنقریب کہیں گے کہ اللہ پس فرماؤ تم کہ پس کیوں نہیں خوف کرتے ہو

تو اب کہیں گے کہ اللہ تم فرماؤ تو کیوں نہ ڈرتے

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ قیامت میں مشرکین وکفار بھی اپنی بے کسی دیکھ کر رب تعالیٰ کی وحدانیت و حقانیت کو مان لیں گے اب ارشاد ہے کہ دنیا میں بھی اسلامی دلائل کی قوت دیکھ کر بھی مشرکین اللہ تعالیٰ کی وحدانیت قدرت کے قائل ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں گویا آئندہ کے اقرار کے بعد موجودہ اقرار تذکرہ ہو رہا ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ مشرکین اپنی رسوائیوں کے بعد اس وقت ایمان لائیں گے جب ایمان معتبر نہ ہوگا۔ اب ارشاد ہے کہ یہ لوگ دنیا میں اس طرح ایمان لاتے ہیں جو معتبر نہیں یعنی توحید کو مان لیتے ہیں مگر بغیر نبوت کے گویا بے وقت ایمان کے بعد بے قاعدہ ایمان کا تذکرہ ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اشارۃً ذکر ہوا تھا کہ ان کے جھوٹے معبودان کی محض گڑھی ہوئی باتیں ہیں اب ارشاد ہے کہ خود وہ بھی مجبوراً یہ بات مان لیتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ آسمان وزمین کی روزیاں خود ان کی اپنی جسمانی طاقتیں رب تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ جب ایسے ہی خود مانتے ہیں پھر معبودان باطلہ خالق و مالک کہاں رہے گویا پہلے دعویٰ کا ذکر تھا اب دلائل کا۔

**تفسیر:** قل من یرزقکم من السماء و الارض ظاہر یہ ہے کہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور یرزقکم میں روئے سخن ان کفار سے ہے اللہ تعالیٰ کو خالق رازق مالک مانتے ہوئے بتوں کو اپنا شفیع اور بت پرستی کو خدا رسی کا ذریعہ سمجھتے تھے مانعبدھم الالیقربونا الی اللہ زلفا اور کہتے تھے۔ ھؤلاء شفعاؤنا عام مشرکین عرب خصوصاً مشرکین مکہ ایسے ہی کافر تھے یہاں دھریوں وغیرہم سے کلام نہیں آیت واضح ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ عیسائی یہودی بھی اس خطاب میں داخل ہوں کہ وہ بھی حضرت عیسیٰ وعزیر کو خالق رازق نہیں مانتے صرف رب کو مانتے ہیں ان بزرگوں کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ یرزق بنا ہے رزق سے بمعنی روزی۔ رزق کے معنی ہیں حصہ۔ رب فرماتا ہے تجعلون رزقکم انکم تکذبون یہاں اس سے مراد روزی کا حصہ ہے آسمان کی روزی بارش دھوپ ہوا۔ سوافق موسم ہے۔ جس میں انسان کے کسب کو بالکل دخل نہیں اور زمینی رزق والے پھل چارہ وغیرہ ہے۔ جس میں انسانی کسب کو بھی دخل ہے چونکہ روزی کی پیداوار میں آسمانی زمینی اسباب دونوں کو دخل ہے اور آسمان اور وہاں کی چیزیں موثر ہیں اور زمین اور یہاں کی چیز متاثر یعنی اثر لینے والی اس وجہ سے آسمان و زمین دونوں کا ذکر فرمایا اور آسمان کا ذکر پہلے کیا زمین کا بعد میں یہ تھیں خارجی نعمتیں۔ پھر داخلی نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ امن یملک السمع و الابصار اس فرمان عالی میں امن اصل میں ام اور من ہے ام بمعنی بلکہ من بمعنی کون ملک سے مراد یا مالک ہونا

ہے۔ یا محافظ ہونا یا خالق ہونا (روح البیان) سمع سے جنس سمع مراد ہے۔ جس میں ایک اور زیادہ سب داخل ہیں اس لئے اسے سمع واحد بولا اسماع نہ فرمایا۔ اور الابصار جمع ہے بصر کی۔ سمع سے مراد سننے کی طاقت بصر سے مراد ہے دیکھنے کی قوت یعنی بینائی ممکن ہے کہ اس سے مراد کان اور آنکھیں ہوں مگر یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ کان کو عبری میں اذن کہتے ہیں اور آنکھ کو عین۔ چونکہ سننے اور دیکھنے کی طاقتیں تمام طاقتوں سے افضل و اشرف ہیں کہ دوسری طاقتیں چلنا۔ چھونا وغیرہ ان کی مدد سے ہی ممکن ہے نیز ہر آیات الہیہ انہیں کے ذریعہ سنی اور دیکھی جاتی ہیں۔ انہیں سے ہی نبی کا فرمان سنا جاتا ہے۔ جمال رسول دیکھا جاتا ہے آج کعبہ اور روضہ اطہر کی زیارت انہیں سے ہوتی ہے اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا۔ چونکہ کان ہر طرف کی آواز سن لیتا ہے۔ آنکھ صرف سامنے کو دیکھتی ہے۔ بعض نبی ایک وقت عارضی طور پر نابینا ہوئے۔ وابیضت عیناہ مگر بہرے کبھی نہیں ہوئے۔ ان وجوہ سے سمع کو پہلے اور ابصار کو بعد میں بیان فرمایا گیا۔

[illegible] رہے: سننے اور دیکھنے کی طاقت میں رب تعالیٰ کی عجیب قدرتوں کا نظارہ ہے آنکھ میں نامعلوم کتنے پردے ہیں اور

ے اور ابصار کو بعد میں بیان فرمایا گیا۔
ے کی طاقت میں رب تعالیٰ کی عجیب قدرتوں کا نظارہ ہے آنکھ میں نامعلوم کتنے پردے ہیں اور
نی نازک ہیں کہ کان ایک قطرہ پانی اور آنکھ ایک تنکا برداشت نہیں کرسکتا اچھی خاصی آنکھیں
یہ نعمتیں دینے والا ہے وہ ہی ان کی حفاظت فرمانے والا ہے اس لئے ان کے متعلق یملک فرمانا
ن اس کی ملک اس کے قبضہ اس کی حفاظت میں ہیں۔ ومن یخرج الحی من المیت
ں اس فرمان عالی میں رب تعالیٰ کی تیسری صفت کا ذکر ہے۔ یہ عبارت من علیک (الخ) پر
کی بہت تفسیریں ہیں۔ حی سے مراد جاندار سے میت مراد بیجان رب تعالیٰ زندہ یعنی سبزے
اتا ہے اور بے جان نطفہ سے جاندار حیوان اور جاندار حیوان سے بے جان نطفہ کو۔ یا جاندار
اور بے جان انڈے سے جاندار چڑیوں کو عالم سے جاہل اور جاہل سے عالم کو یا کافر سے مومن
عاقل کو اور غافل سے بیدار کو یا خوش نصیب سے بدنصیب کو اور بدنصیب سے خوش نصیب کو۔
تیز زبان کو پیدا فرماتا ہے۔ بتاؤ یہ قدرت وقوت کس میں ہے ومن یدبر الامر یہ عبارت
سمع (الخ) اس پر میں رب تعالیٰ کی چوتھی قدرت کا ذکر ہے تدبیر سے مراد ملکی نظام جس سے
ی احکام ہیں یعنی بتاؤ کہ دنیا کا انتظام کون فرما رہا ہے۔ کس کے انتظام سے یہ جہان قائم ہے۔
لی۔ موت و زندگی قوموں کی ترقی و تنزل چاند و سورج کا طلوع غروب یہ سارا انتظام کون کر رہا
یہ چار سوال کریں گے تو فسیقولون اللہ تو یہ مشرکین عرب یا مشرکین اور یہود و نصاریٰ بہ یک
لہ تعالیٰ کرتا ہے۔ ان کاموں میں اس کا کوئی شریک نہیں یہ فرما کر اشارۃً بتایا کہ وہ لوگ بلا تاخیر
قنا اللہ سے پہلے ای بعد میں فعل پوشیدہ ہے۔
ے انتظامات فرشتوں کے سپرد کردیئے گئے ہیں چنانچہ ان کی ایک جماعت ماں کے پیٹ میں
ماعت جان نکالنے پر ایک جماعت اللہ کی رحمتیں بارش وغیرہ لانے پر ایک جماعت عذاب

لیتا ہے۔ آنکھ صرف سامنے
ہوئے۔ ان وجوہ سے سمع کو
خیال رہے: سننے اور د
پردہ کیا کیا کام کرتا ہے پھر
ذرا میں بیکار ہو جاتی ہیں وہ
بہت ہی مناسب ہے ہم ہر
ویخرج المیت من ا
معطوف ہے۔ اس فرمان
سے مردہ یعنی خشک بیج پیدا
چیزوں سے بے جان انڈ
اور مومن سے کافر کو۔ بیدار
تیز زبان سے گونگا اور گنگے
معطوف ہے من علیک
دنیا قائم رہے امر سے مراد
رزق کی تقسیم۔ موسموں کی
ہے جب آپ ﷺ ان
زبان کہیں گے کہ یہ سارا کا
فوراً یہ جواب دیں گے۔ یہ
خیال رہے: عالم کے
بچے بنانے پر مقرر ہے ایک

لانے پر قرآن مجید نے ان فرشتوں کو مدبرات امر فرمایا ہے۔ فرماتا ہے۔ والمدبرات امرا گر فرشتے خدام بارگاہ میں اسی کے حکم سے اس کی دی ہوئی طاقت سے یہ تدبیر عالم کرتے ہیں۔ شب برات میں ہر قسم کے احکام متعلقہ فرشتوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں فرماتا ہے فیھا یفرق کل امر حکیم لہٰذا حقیقی مدبر رب تعالیٰ ہے اور اس کے اذن اس کے ارادے سے فرشتے بلکہ عالم اجسام میں بادشاہ اور حکام۔ پولیس وغیرہ دنیا کا انتظام کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ آیت واضح ہے دوسری آیات کے خلاف نہیں۔ فقل افلا تتقون۔ اس میں اللہ کی طرف سے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب الجواب کی تعلیم ہے تتقون بنا ہے تقویٰ سے بمعنی بچنا یا ڈرانا یعنی اے کافرو جب تم رب کی ان تمام صفات کے قائل ہو تو اس سے ڈرتے کیوں نہیں یا تم کفر و شرک و بت پرستی سے بچتے کیوں نہیں۔ مجبور بے جان بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہو۔ انہیں خدا کا شریک کیوں مانتے ہو۔ سبحان اللہ کیا پیاری تبلیغ ہے۔

**خلاصہ تفسیر:** اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ کی چار ایسی عطاؤں کا ذکر ہے۔ جن کے متعلق مشرکین و کفار عرب یہود و نصاریٰ بھی اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ صرف رب تعالیٰ کی کرم نوازیاں ہیں۔ ارزاق۔ ہوش و حواس۔ موت و حیات دنیا کا انتظام۔ چنانچہ محبوب کریم سے فرمایا گیا۔ کہ آپ ﷺ ان لوگوں سے یہ تو پوچھو کہ آسمان اور زمین سے روزی تمہیں کون دیتا ہے۔ بارش ہوا۔ دھوپ یوں ہی زمین میں اگانے کی طاقت اس کا سبزہ اگانا۔ اس میں پھل پھول لگانا کس قدرت سے تم کو ملتے ہیں اپنے حواس سے غور کرو کہ تمام ظاہری حواس کی اصل اور نہایت ہی نازک اور بہت ہی کارآمد۔ یعنی سننے اور دیکھنے کی طاقت کا مالک کون ہے۔ کہ جب چاہے تم کو سننے والا دیکھنے والا بنادے جب چاہے یہ قوتیں تم سے چھین لے۔ کون ہے جو نطفہ انڈے سے جانداروں کو پیدا فرماتا ہے اور جاندار سے یہ چیزیں پیدا کرتا ہے۔ کافر سے مومن اور مومنوں سے کافر۔ یونہی عاقل سے غافل اور غافل سے عاقل۔ یوں ہی خوش نصیب سے بدنصیب اور بدنصیب سے خوش نصیب کو پیدا فرماتا ہے۔ اور کون ہے عالم کو سنبھالے ہوئے اس کا انتظام فرما رہا ہے۔ یہ سوال سن کر وہ لوگ بے توقف کہیں گے کہ یہ سارے کام اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بتوں کو یا عیسائی حضرت عیسیٰ کو یہودی حضرت عزیر کو رازق، خالق، مدبر امر نہیں مانتے۔ اس جواب پر آپ ان سے فرماؤ کہ جب تم یہ سب باتیں مانتے ہو تو کفر و شرک سے بچتے کیوں نہیں تمہارے اعمال تمہارے اقوال کے خلاف کیوں ہیں۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ ہر سوال کرنے والے کی بے علمی سے نہیں ہوتا۔ کبھی اقرار کرانے یا سرزنش کرنے کے لئے بھی سوال ہوتا ہے یہ فائدہ من یرزقکم (الخ) سے حاصل ہوا۔ یہ سوالات حضور علیہ السلام سے کرائے گئے۔ کفار کو قائل کرنے یا ان کی سرزنش کرنے کے لئے۔

**دوسرا فائدہ:** رزق و روزی کا کارخانہ آسمان میں ہے مگر اس کا خزانہ زمین میں یہ فائدہ من السماء والارض سے حاصل ہوا کہ رزق کو آسمان و زمین کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔ دوسری جگہ ہے وفی السماء رزقکم وما توعدون۔

**تیسرا فائدہ:** ہماری بے بسی رب تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہے۔ یہ فائدہ ام من علیک السمع والابصار سے حاصل

ہوا۔

**چوتھا فائدہ:** حواس ظاہری میں کان اور آنکھ بڑے ہی حیرت انگیز حواس ہیں آنکھ کی بناوٹ اس کے کمال کو دیکھو ان پر رب نے پوٹوں کے پردے لگا دیئے جو ہر بیرونی آفات سے انہیں بچاتے ہیں ان میں پانی کا تالاب رکھا ہے کہ جہاں کوئی تنکا پڑے پانی آئے اور اسے بہا کر لے جائے۔ ایک آنکھ میں تنکا پڑ جانے پر اور قسم کا پانی بہتا ہے آنکھ دکھنے پر اور قسم کا پانی۔ آنکھ میں زخم ہو جائے تو اور طرح کا پانی رونے پر اور طرح کا پھر درد دکھ سے روؤ تو اور طرح کا۔ عشق رسول میں روؤ تو اور طرح کا۔ خوف خدا میں روؤ تو اور طرح کا پانی بہتا ہے۔ عشق و خوف کے آنسو ٹھنڈے ہوتے ہیں دل پر اثر ڈالتے ہیں رب ہی جانے کہ یہ مختلف قسم کے پانی کہاں سے آتے ہیں لہٰذا ام علک السمع والابصار بالکل برحق ہے۔

**پانچواں فائدہ:** ایک ماں کے پیٹ سے نر و مادہ، کافر مومن، نیک و بد، عاقل و دیوانہ، کالے گورے ذہین و غبی کالے گورے بچے پیدا ہونا رب کی قدرت کی بڑی دلیل ہے سانچہ ایک ہے مگر اس سے ڈھلنے والے برتن مختلف۔

**چھٹا فائدہ:** عالم کا سارا انتظام دن رات کا آنا جانا موسموں کا بدلنا عمریں ختم ہونا۔ موت و زندگی کا سلسلہ رب تعالیٰ کی قدرت سے قائم ہے حقیقی مدبر وہی ہے اس کے حکم سے بعض فرشتے بلکہ تکوینی اولیاء اللہ مجازاً مدبر عالم ہیں۔ ان اولیاء میں غوث قطب، ابدال اوتاد وغیرہم ہیں ان کے یہ نام ان کے کام کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ فائدہ ومدبر الامر سے حاصل ہوا۔

**ساتواں فائدہ:** کفار بہت قسم کے ہیں بعض خالق کے منکر جو زمانہ کو خالق مانتے ہیں۔ وما اہلکنا الا الدھر بعض چند خالق ماننے والے کہ خیر کا خالق اور ہے اور شر کا، خالق دوسرا بعض کافر توحیدئے ہیں جو عالم کا خالق رازق مدبر امر صرف رب تعالیٰ کو مانتے ہیں بعض کافر موحد بھی ہیں جو صرف اللہ کو معبود مانتے ہیں مگر انکار اور گستاخی نبوت سے کافر ہیں۔ یہ فائدہ فسیقولون اللہ سے حاصل ہوا۔

**آٹھواں فائدہ:** نبی پر ایمان لائے بغیر عقیدہ توحید سے انسان مومن نہیں بنتا توحید ذریعہ نجات نہیں ایمان کا مدار نجات ہے۔ یہ فائدہ افلا تتقون سے حاصل ہوا کہ ان کفار کہ باوجود عقیدہ توحید کے قرآن کریم نے مومن نہ مانا انہیں کافر قرار دیا۔

**نواں فائدہ:** رب تعالیٰ بندوں سے بواسطہ پیغمبر کلام فرماتا ہے اس کا قانون یہ ہے اور پیغمبر سے اکثر بواسطہ فرشتہ اور کبھی بلاواسطہ براہ راست یہ فائدہ یہاں دونوں جگہ قل فرمانے سے حاصل ہوا۔ قل من یرزقکم اور فقل افلا تتقون۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندوں کو روزی آسمان سے بھی ملتی ہے اور زمین سے بھی کہ ارشاد ہوا من یرزقکم من السماء والارض حالانکہ ہم کو دانے پھل وغیرہ زمین ہی سے ملتے ہیں۔ آسمان سے نہیں برستے۔

**جواب:** اس فرمان عالی کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ بعض رزق آسمان سے ملتے ہیں۔ دھوپ ہوا، بارش وغیرہ اور بعض رزق زمین سے دانے پھل وغیرہ رزق زمین سے دانے پھل وغیرہ رزق صرف غذا کو نہیں کہتے بلکہ یہ عام ہے دوسرے یہ کہ کھیتوں باغوں میں دانے پھل آسمانی اور زمینی اسباب سے مل کر پیدا ہوتے ہیں۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں آسمان و زمین کے اسباب سے غذا میں دیتا ہے۔

**دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں یہ کیوں فرمایا گیا کہ سمع بصر کون مالک ہے یہ کہنا چاہئے تھا کہ ان کا خالق کون ہے۔
**جواب:** تاکہ معلوم ہو کہ ان چیزوں کے پیدا فرمانے کے بعد رب تعالیٰ ان کا مالک ہے تم کو صرف کام لینے کی اجازت ہے۔ ملک خلق، حفاظت، ملکیت سب کو شامل ہے وہ جب چاہے یہ نعمتیں تم سے چھین لے۔ جیسا کہ دن رات دیکھا جاتا ہے۔
**تیسرا اعتراض:** میت اسے کہتے ہیں جو جاندار ہو چکنے کے بعد بے جان ہو۔ یعنی مردہ مردے سے کوئی زندہ نہیں ہوتا پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا کہ یخرج الحی من المیت
**جواب:** قرآن مجید میں میت بہت معنی میں استعمال ہوا۔ ایک وہ ہیں جو تم نے کہے۔ رب فرماتا ہے انک میت و انھم میتون ۔دوسرے خشک معنی اس سے سوکھی زمین کو میت فرمایا گیا۔ تیسرے بے جان چیز جیسے دانہ۔ انڈا۔ نطفہ اس معنی میں یہاں میت ارشاد ہوا بلکہ کافر۔ غافل کو بھی میت کہا گیا۔ اس کے مقابل مومن ذاکر کو زندہ۔
**چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار بھی صرف اللہ تعالیٰ کو ہی مدبر عالم مانتے تھے۔ کسی بت یا اور بندے کو نہیں مانتے تھے۔ مگر تم لوگ بعض ولیوں کو مدبر عالم مانتے ہو۔ چنانچہ تمہارے اعلیٰ حضرت خود غوث پاک کی شان میں فرماتے ہیں۔

ذی تصرف ہے تو ماذون بھی مختار بھی ہے — کار عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر

تم مشرکین مکہ سے بڑھ کر مشرک ہو۔ (دیوبندی)
**جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت کو مدبرات امر فرمایا ہے فالمدبرات امرا نیز تم دنیوی بادشاہوں، حکام کو دنیا کا منتظم مانتے ہو یا نہیں مانتے ہو اور ضرور مانتے ہو۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرات اولیاء کے ذریعہ سے عالم کا نظام قائم ہے حتی کہ بیان تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ قطب عالم کے ذریعہ زمین و آسمان قائم ہیں اگر وہ نہ ہو آسمان گر پڑے اسے اعماد السماء کہا جاتا ہے۔ یہ سب عقیدے شرک ہیں یا نہیں۔
**جواب:** تحقیقی یہ ہے کہ رب تعالیٰ مدبر عالم ہے اپنی قدرت سے یہ حضرات مدبر عالم ہیں اپنی خدمت سے یعنی رب کے خدام ہیں اس نے انہیں تدبیر عالم پر مقرر فرمایا ہے میاں محمد صاحب سیف الملوک میں فرماتے ہیں۔ شعر۔

مرداں دے ہتھ کارج سارے آپ خداوند سئے — دنیا باغ دی وچ مالی ہے بوٹے لاوے پٹے

یعنی باغ عالم کا رب تعالیٰ مالک ہے اولیاء اللہ اس باغ کے مالی انہیں رب نے اختیار دیا ہے کہ پودے لگائیں اور اکھیڑیں کسی پودے کا قلم کسی سے لگائیں۔ مالک اور مالی کا فرق دھیان میں رہے اور فرماتے ہیں۔ شعر۔

ہر مشکل دی کنجی یارو ہتھ مرداں دے آئی — مرد نگاہ کرن جس ویلے مشکل رہے نہ کائی

غرضکہ والی اللہ ہے مالی ولی اللہ ہے والی مالک ہی مالی مالک کا خادم باغ کا مختار

**پانچواں اعتراض:** اگر یہ بات ہے تو وہ مشرک کیوں ہوئے جیسے تم نبیوں ولیوں کو عارضی طور پر مدبر عالم حاجت روا مشکل کشا سمجھتے ہو ایسے ہی وہ بتوں کو دور سے سننے والا حاجت روا عالم غیب۔ حاضر و ناظر مانتے تھے۔ اس لئے وہ مشرک تھے۔تم نبیوں ولیوں کو ایسا ہی سمجھتے ہو۔تم بھی مشرک ہو (دیوبندی) اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔

**جواب:** الزامی جواب تو یہ ہے کہ تم کعبہ معظمہ کی طرف سجدہ کرتے ہو مشرکین پتھر کے بت کی طرف تم آب زمزم کا احترام کرتے ہو۔ مشرکین گنگا کے پانی کی۔تم عید بقر کا ادب واحترام کرتے ہو۔ مشرکین ہولی دیوالی اور عیسائی پچیس دسمبر کا دونوں کے عمل یکساں ہیں پھر تم مومن کیوں ہو اور وہ مشرک کیوں۔ جواب تحقیقی ہے کہ عیسائی یہودی حضرت عیسیٰ عزیر کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے اولاد باپ کی طرح باپ کے برابر ہوتی ہے تو انہوں نے ان بندوں کو اللہ کی برابر مان لیا نیز مشرکین اللہ تعالیٰ کو اپنے بتوں کی برابر سمجھتے تھے۔ان کا عقیدہ تھا کہ رب تعالیٰ دنیا کو بنا کر تھک گیا کہ اس کا انتظام چلانے کے لائق نہ رہا ہمارے بت یہ کام کر رہے ہیں وہ رب تعالیٰ کے بندے ہیں مگر اس کی حکومت میں دخیل کار ہیں۔اس برابری کے عقیدے سے وہ مشرک ہوئے۔رب فرماتا ہے ثم الذین کفروا بربھم یعدلون ۔مشرکین اپنے بتوں کو رب کی برابری میں کرتے ہیں اس وجہ سے مشرک ہوئے۔رہا دور سے سننا دیکھنا مدد کرنا اب تو دن رات ہو رہا ہے ابھی آکر جولائی ۱۹۷۱ء میں امریکہ نے ایک راکٹ اپالو (۱۵) کے ذریعہ تین خلاباز چاند میں بھیجے زمین سے چاند کا فاصلہ دو لاکھ چھیاسٹھ ہزار میل ہے مگر امریکہ میں بیٹھے ہوئے کنٹرولر اپنے کانوں سے ان تینوں کے دلوں کی دھڑکن سن رہا تھا اور گن رہا تھا کہ ایک منٹ میں کتنی بار حرکت کرتا ہے۔ یہاں سے انہیں سوئے ہوؤں کو جگایا کہ تمہاری آکسیجن کی نلکی میں سوراخ ہو گیا ہے اسے فوراً بند کرو۔ یہ ہے دور سے سننا اور مدد کرنا۔ اگر شرک اتنا سستا ہو جائے تو آج سب ہی مشرک ہوں گے بندوں کو بندہ مان کر یہ صفات بہ عطاء الٰہی پائے جائیں تو شرک نہیں اگر بندے کو خدا سے برا مان لیا جائے تب شرک ہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب علم القرآن اور اسلام کی چار اصطلاح میں کی گئی ہے وہاں مطالعہ کرو۔

**چھٹا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے مگر دوسری جگہ ہے وفی السماء رزقکم وما توعدون تمہاری روزی آسمان میں ہے۔دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

**جواب:** اس اعتراض کے بہت جواب دیئے گئے آسان اور قوی جواب وہ ہے جو ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ روزی کی ٹکسال جہاں روزی بنتی ہے وہ آسمان ہے مگر روزی کا خزانہ جہاں سے روزی ہم کو ملتی ہے وہ زمین ہے شاہی سکہ ڈھلتا ہے ٹکسال میں بٹتا ہے خزانہ سے لہٰذا دونوں آیت درست ہیں چونکہ ابھی مضمون ختم نہیں ہوا اس کی تفسیر صوفیانہ اگلی آیت کے ساتھ کی جائے گی۔

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا

پس یہ ہے اللہ پالنے والا تمہارا سچا پس کیا ہے پیچھے سچ کے سوا گمراہی کے

تو یہ اللہ ہے تمہارا سچا رب پھر حق کے بعد کیا ہے مگر

الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ

پس کہاں پھرے جاتے ہو تم اس ہی طرح ثابت ہو گیا

گمراہی پھر کہاں پھرے جاتے ہو یوں ہی ثابت ہو چکی ہے تیرے

رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

فرمان آپ کے رب کا ان لوگوں پر جو فاسق ہوئے تحقیق وہ نہیں ایمان لائیں گے

رب کی بات فاسقوں پر تو وہ ایمان نہیں لائیں گے

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی وہ صفات بیان ہوئیں جنہیں مشرکین اور یہودی عیسائی بلکہ سارے کفار عرب چار و ناچار مانتے تھے۔ اب اس ماننے کا نتیجہ ارشاد ہو رہا ہے کہ جس میں یہ صفات ہوں وہ حقیقی رب ہے۔

**دوسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ جب تم رب تعالیٰ کی یہ صفات مانتے ہو تو پھر بت پرستی سے کیوں نہیں بچتے افلا تتقون۔ اس سوال کا جواب انہوں نے تو نہ دیا رب تعالیٰ نے خود دیا کہ کذلک حقت (الخ) یعنی ان کے بت پرستی سے نہ بچنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کفر کا ارادہ الٰہی ہو چکا ہے ان کا نام کفار کی فہرست میں آ چکا ہے۔ گویا پچھلی آیت میں سوال تھا اس آیت میں اس سوال کا جواب ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی معبودیت اس کی صفات عالیہ سے ثابت کی گئی۔ اب ارشاد ہے کہ جو ان صفات سے موصوف ہے وہ تو حق معبود ہے جو بت ایسے نہیں ان کی معبودیت باطل ہے گویا رب تعالیٰ کی معبودیت کے بعد اس کی حقانیت کا ذکر ہے۔

**تفسیر:** فذلکم اللہ ربکم الحق یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے۔ لہٰذا اس کی ف جزائیہ ہے یعنی جب کہ تم نے رب تعالیٰ مذکورہ صفات کا اقرار کر لیا تو یہ بھی اقرار کر لو اس پر بھی ایمان لاؤ ذلکم دور کے اشارہ کے لئے آتا ہے رب تعالیٰ حسی اشارہ سے پاک ہے کہ وہ حواس میں نہیں آتا اس لئے ارشاد ذہنی ہے۔ شعر۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا     پہچان گیا میں تیری پہچان یہ ہی ہے

چونکہ اللہ ایسی شان والا ہے کہ اس کی شان ہماری عقل سے وراء ہے لہٰذا اشارہ بعید یعنی ذالکم ارشاد ہوا۔ اشارہ قریب یعنی ذا یا ہٰذا ارشاد نہ ہوا۔ چونکہ پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی ذات ایک (واحد) ہے اس کے صفات بہت ان صفات کی وجہ سے کبھی اس کے لئے ضمیر جمع ارشاد ہوتی ہے قوی یہ ہے کہ ذالکم مبتدا ہے اللہ اس کی خبر اس فرمان عالی کی اور بہت تفسیریں ہیں۔

خیال رہے: کہ ربکم میں خطاب انہیں مشرکین و کفار سے ہے جن سے پہلے سوالات ہوئے تھے لہٰذا ربوبیت سے مراد جسمانی ربوبیت ہے جو جسمانی نعمتوں سے ہوتی ہے روحانی ربوبیت مراد نہیں ربوبیت جو روحانی نعمتوں ایمان تقویٰ وغیرہ سے ہوتی ہے کیونکہ کفار نے اس کی وہ ربوبیت قبول کی ہی نہیں۔ ربوبیت قہری۔ ربوبیت مہری۔ ربوبیت محبوبی میں فرق ہم بارہا عرض کر چکے ہیں رب تعالیٰ ورب العلمین بھی ہے رب الناس بھی رب مومنین بھی ہے۔ رب کافرین بھی۔ پھر وہ رب اولیاء بھی ہے رب انبیاء بھی اور رب محمد مصطفیٰ بھی اس لئے کہیں اسے ربکم اور کہیں ربک کہا جاتا ہے اس کی تفسیر سورہ فاتحہ میں رب العالمین کی تفسیر میں دیکھو۔ الحق یا مقابل ہے باطل کا بمعنی سچا یعنی تمہارے تجویز کئے ہوئے رب باطل اور جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سچا رب ہے یا مقابل ہے زائل کا بمعنی ناقابل زوال یعنی اللہ تعالیٰ تمہارا ایسا رب ہے جس کی ربوبیت کو کبھی زوال نہیں تمہاری پیدائش سے پہلے اور دنیا کی زندگی میں بھی مرے بعد ہر جگہ ہر طرح ہر وقت مختلف طریقوں سے تمہاری پرورش فرماتا ہے دوسروں کی پرورش وقتی اور قابل زوال ہیں۔ تم ایسے دائمی رب کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو۔

**فما ذا بعد الحق الا الضلال** لفظ ماذا یا تو ایک ہی لفظ ہے بمعنی کیا اور یا ما سوال کے لئے ہے اور ذا بمعنی الذین اسم موصول اور بمعنی غیر سوئی ہے (روح البیان وغیرہ) ضلال کے معنی اس کے اقسام ہم سورۂ فاتحہ میں والا الضالین کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں بمعنی کفر و شرک ہے ماسوی اللہ کی عبادت اگرچہ ظاہری اعضاء سے ہوتی ہے اور کفر و شرک دل کا کام ہے مگر چونکہ وہ عبادت اس بدعقیدگی پر مبنی ہے اور اس کی علامت ہے اس لئے خود عبادت کو ضلال فرمایا گیا۔ یعنی صرف رب تعالیٰ حق ہے تو اس کا غیر اور اس غیر کی عبادت گمراہی ہی ہوگی کہ ہدایت اور گمراہی کے درمیان اور کوئی چیز نہیں۔

خیال رہے: کہ یہاں حق بمعنی ہدایت ہے۔ لہٰذا یہ حق پہلے حق کے علاوہ ہے اس لئے یہاں حق کا نام لیا گیا۔ پہلے حق کی طرف ضمیر نہیں لوٹائی گئی۔ (روح المعانی) **فانی تصرفون** اس فرمان عالی میں ف زائدہ ہے اور جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے یعنی جب یہ بات ہے تو تم حق سے کیسے پھرے جاتے ہو۔ لفظ انی کے معنی فاتوا حرثکم شئتم کی تفسیر میں عرض کئے کیف بمعنی کیف ہوتا ہے اور بمعنی من این بھی یہاں بمعنی کیف ہے صرف کے معنی ہیں پھرنا یہاں مراد ہے ایمان عرفان۔ اسلام سے کفر و شرک کی طرف پھرنا حقیقۃً پھیرنے والا رب تعالیٰ ہے ظاہری پھیرنے والا نفس امارہ ہے یا شیطان (کبیر روح المعانی) یعنی اس قدر ظاہر ہوتے ہوئے تم رب کی عبادت سے کس طرح پھرے جاتے ہو۔ **کذلک حقت کلمت ربک** اس عبادت سے پہلے ایک عبادت پوشیدہ ہے یعنی جیسے رب تعالیٰ کی ذات حق ہے اس کا نام حق اس کی عبادت حق اس کے احکام برحق اس کے نبی حق ایسے ہی اس کا یہ فرمان بھی حق اور ناقابل زوال ہے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لانے

والے۔کلمہ رب سے مراد یا تو وہ فرمان ہے لاملئن جهنم منکم اجمعین یا یہ فرمان عالی فمنکم شقی وسعید یا روز ازل نور کا چھینٹا روحوں پر ڈالا گیا بعض پر نہ پڑا اور وہ سیاہ ہیں تو ارشاد ہوا کہ تم نے دوزخ کے لئے پیدا کیا۔ یہ دوزخیوں کے سے کام کریں گے یا کلمہ سے مراد ہے ارادہ الٰہی یعنی ان کے کفر پر مرنے کا ارادہ فرمالیا علی الذین فسقوا اس کا تعلق حقت سے ہے۔ الذین سے مراد یہ ہی کفار ہیں جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا۔ فسقوا بنا ہے فسق سے بمعنی اطاعت سے نکل جانا۔ فسق کی بہت قسمیں ہیں۔ یہاں فطق فجور ہی مراد ہے۔ یعنی کفر و شرک۔ فسقوا سے مراد ہے کہ وہ علم الٰہی میں فاسق ہو چکے انهم لا یومنون۔ یہ فرمان عالی ایک حکمت کا بیان ہے ایمان سے مراد وہ دنیا میں ایمان لانا ہے جس پر نجات کا مدار ہے ورنہ الست کے دن تو سب بلیٰ کہہ کر مومن ہو چکے پھر مرتے وقت جان نکالنے والے فرشتوں کو دیکھ کر بھی سب ایمان قبول کر لیں گے۔ مگر دونوں ایمان مفید نہیں نہ ان کا کوئی مکلف ہے۔

**خلاصہ تفسیر:** اے لوگو جس ذات کریمہ کے تم نے مذکورہ اوصاف سنے اور تم نے ان کا اقرار کیا کہ وہ ہی آسمان وزمین سے سب کو روزی دیتا ہے وہ ہی کان آنکھ کا مالک ہے وہ ہی مردے سے زندہ اور زندہ سے مردہ پیدا فرماتا ہے وہ ہی دنیا جہاں کی تدبیر فرماتا ہے ان صفات کا مالک ہی تو تمہارا سچا رب ہے۔ جس کی ربوبیت تم پر کرم فرما رہی ہے اور ہے اور رہے گی اسے کبھی زوال نہیں۔ جب حق وہ ہے تو سمجھ لو کہ اسے چھوڑ کر جسے اختیار کیا جاوے وہ محض گمراہی ہے تم کیسے پھرے جاتے ہو۔ رب کی طرف کیوں نہیں آتے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جیسے رب تعالیٰ کی ذات اس کے صفات اس کے احکام برحق ہیں۔ ایسے ہی اس کا یہ فرمان بھی حق ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے ان کے متعلق فیصلہ ہو چکا کہ یہ اپنی خوشی اپنے ارادے اپنے اختیار سے کافر جئیں گے۔ کافر مریں گے۔ اگر یہ لوگ آپ کی بات نہ سنیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سننے کے لئے پیدا نہیں ہوئے۔

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** دنیا کے حالات یہاں کے واقعات معرفت توحید کے ذریعے ہیں عالم کو دیکھو رب کو پہچانو یہ فائدہ فذالکم کی ف سے حاصل ہوا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم معرفت ایمان کا ذریعہ ہیں کبھی توحیدی معرفت ایمانی معرفت کا ذریعہ بن جاتی ہے اس قسم کی آیات ایمان کی طرف رہبری کرتی ہیں اس لئے کبھی رب تعالیٰ اپنی پہچان کراتا ہے دنیا کی چیزوں سے کبھی پہچان کراتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے۔ ھو الذی ارسل رسوله بالھدی (الخ)

**دوسرا فائدہ:** رب تعالیٰ دنیا میں بندوں کے گناہوں بلکہ کفر و شرک کی وجہ سے ان کی روزی نہیں بند کرتا یہ فائدہ ربکم فرمانے سے حاصل ہوا کہ انہیں کفار و مشرکین سے ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم تمہارے رب ہیں تم کو پال رہے ہیں۔ شعر۔

ولیکن خداوند بالا و پست ۔۔۔ بہ عصیاں در رزق برکس نہ بست

رب تعالیٰ ہم کو غیرت ایمانی عطا فرماوے کہ ہم اس کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ رنج وغم۔ عیش و خوشی میں اس کے دروازے سے نہ ہٹیں۔

**تیسرا فائدہ:** کفر و ایمان کے درمیان کوئی اور درجہ نہیں انسان یا مومن ہوگا یا کافر یہ فائدہ فماذا بعد الحق الا الضلال سے حاصل ہوا یہ ہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ معتزلہ ان دونوں کے درمیان فسق کا درجہ مانتے ہیں۔ ان کے ہاں فاسق نہ مومن ہے نہ کافر۔ قرآن کریم نے گنہگار فاسقوں کو مومن فرمایا ہے وان طائفتان من المومنین اقتتلوا آپس میں لڑنے بھڑنے جنگ و جدال کرنے والوں کو مومن فرمایا ہے۔

**چوتھا فائدہ:** کبھی رب تعالیٰ بندوں سے سوال فرماتا ہے تعجب دلانے کے لئے سوال ہمیشہ بے علمی کے لئے نہیں ہوتا یہ فائدہ فانی تصرفون سے حاصل ہوا۔

**پانچواں فائدہ:** ازلی بدبخت ہرگز ایمان نہیں لاسکتا وہ تو حضور انور ﷺ کو دیکھ کر آپ ﷺ کے معجزات کا مشاہدہ کر کے بھی کافر ہی رہے یہ فائدہ انھم لایومنون سے حاصل ہوا کسی صابن سے کوئلہ سفید نہیں ہوسکتا۔ کسی پانی سے گوبر پاک نہیں ہوسکتا۔

پرتو نیکاں نہ گیرد ہر کہ بنیادش بدست — تربیت نا اہل راچوں گردگاں برگنبد است
خر عیسیٰ اگر بہ مکہ رود — چوں برآید ہنوز خر باشد

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں لفظ حق دو جگہ ارشاد ہوا ربکم الحق اور فماذا بعد الحق الا الضلال حق اللہ تعالیٰ کا نام ہی رب کے حق کون ہوسکتا ہے نہ اس سے پہلے کوئی چیز ہے نہ اس کے بعد کچھ کیونکہ وہ ہی اول ہے وہ ہی آخر پھر بعد الحق فرمانا کیونکر درست ہوا۔

**جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ پہلے حق سے مراد باری تعالیٰ ہے دوسرے حق سے مراد درست عقیدے نیک اعمال ہیں اور یہاں بعد بمعنی سوا ہے یعنی حق کے ماسواء جو ہے وہ گمراہی ہے۔

**دوسرا اعتراض:** یہاں حق کا مقابل ضلال فرمایا گیا حالانکہ اس کا مقابل باطل ہوتا ہے یہ مقابلہ کیونکر درست ہوا۔

**جواب:** یہاں ضلال بمعنی باطل ہی ہے غیر حق عقیدے اور غیر حق اعمال باطل ہیں۔ اگر برے عمل بدعقیدگی کے ساتھ ہوں تو گمراہی بلکہ کفر ہیں وہ ہی یہاں مراد ہیں بعض اعمال بدعقیدگی بلکہ کفر کی علامت ہیں وہ عمل ہی گمراہی بلکہ کفر ہیں جیسے غیر خدا کی عبادت یا زنار باندھنا۔ قرآن مجید کی بے حرمتی کرنا۔

**تیسرا اعتراض:** جن لوگوں کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا ان کا ایمان ناممکن ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کسی کو ناممکن چیز کا مکلف نہیں کرتا۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا تو چاہئے کہ وہ نہ ایمان کے مکلف ہوں نہ کفر کی وجہ سے عذاب ہو۔ کیونکہ ان کے بارے میں ارشاد ہوگیا لایومنون۔

**جواب:** معترض نے دو باتوں میں سے ایک بات پکڑی۔ دوسری کی طرف توجہ نہ کی۔ علم الٰہی میں دو باتیں ان کے متعلق آئیں۔ ایک یہ کہ یہ لوگ اپنے اختیار اپنی خوشی سے کفر کریں گے۔ دوسرے یہ کہ اسی خوشی اسی اختیار اسی کفر پر قائم رہیں گے۔ انہیں چیزوں پر مریں گے۔ لہٰذا ان کا کفر کو بخوشی اختیار کرنا لازم ہوگیا۔ بخوشی اسلام لانا غیر ممکن ہوگیا۔ ان کا کفر واجب

نہیں ہوا بلکہ اختیار کفر لازم ہوا اسی اختیار پر پکڑ ہے خلاصہ یہ کہ وہ کفر میں مختار ہیں اختیار میں مجبور ہیں۔

بے کارم و باکارم چوں مد بحساب اندر　　خاموش و گویانم چوں خط بہ کتاب اندر

مجبورم و مختارم پابندم و آزادم　　لاریب نہ موجودم چوں مد بحساب اندر

**تفسیر صوفیانہ:** اے محبوب ہر عقل رکھنے والے سے پوچھو کہ آسمان نبوت سے ایمان عرفان کی روزی زمین نفس سے تقویٰ و پرہیز گاری کی روزی کون دیتا ہے کہ نفس کی کھیتی دل کے باغ پر فیضان نبوت کی بارش ہوتی ہے۔ جس سے ازل سے بوئے ہوئے تخم ظاہر ہو جاتے ہیں تمہارے دل میں گوش ہوش اور بصیرت نورانی کس نے بخشی اور ان کا کون مالک ہے۔ مومن کو کافر سے کافر کو مومن سے یوں ہی ذاکر شاغل کو غافل سے اور غافل کو شاغل سے کون پیدا فرماتا ہے۔ اس دنیا میں کبھی ابلیسی طاقتوں کا راج ہوتا ہے کبھی نبوی اور ولایت کے فیضان کا راج ہر ہوش والا یہ کہے گا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ تو ان سے فرمادو کہ تم ادھر ادھر کیوں بھٹکتے ہو۔ میرے دامن کرم میں آؤ۔ کہ سب کی پناہ یہاں ہی ہے۔ میرے ذریعہ کو پہچانو کہ وہ رب ہے۔ جس نے مجھے تمام عالم بقا کا ذریعہ بنایا۔ شعر۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا　　ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بنایا

یہ عقیدہ حق ہے اس کے سوا جو ہے وہ محض گمراہی ہے جو جانور جو پائی کی حفاظتی باڑھ سے نکلے۔ وہ شکاری جانوروں کا لقمہ بن جاتا ہے مجھ سے پھرو گے شیطان کے جال میں پھنسو گے۔ یہ سب کچھ حق ہے مگر اس کے باوجود بہت سے لوگ آپ کی طرف نہ آئیں گے۔ کیونکہ وہ خلقۃً ناری ہیں ناریوں کو نور سے نفرت فطری طور پر ہوتی ہے ان کے متعلق رب تعالیٰ کا فیصلہ ہو چکا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ دو ضدوں کا اجتماع ناممکن ہے۔ نار و نور کا اکٹھا ہونا محال ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ناریاں مرناریاں را طالب اند　　نوریاں مرنوریاں را جذب اند

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

فرمایئے کیا تمہارے شریکوں میں سے وہ ہے جو شروع کرتا ہے پیدائش کو پھر لوٹائے

تم فرماؤ تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ اول بنائے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے

قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾

اس کو فرماؤ اللہ شروع کرتا ہے پیدائش تو پھر لوٹائے گا اسے پس کہاں اوندھائے جاتے ہو

تم فرماؤ اللہ اول بناتا ہے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے گا

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ

فرمایئے کیا تمہارے شریکوں میں سے وہ ہے جو ہدایت دے طرف حق کے

تو کہاں اوندھے جاتے ہو تم فرماؤ تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ حق کی راہ دکھائے

قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ

فرماؤ کہ اللہ ہدایت دیتا ہے طرف حق کے تو کیا وہ جو ہدایت دے طرف حق کے زیادہ

تم فرماؤ کہ اللہ حق کی راہ دکھاتا ہے تو کیا جو حق کی راہ دکھائے اس کے

اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ

حق دار ہے اس کا کہ اتباع کی جائے یا وہ جو نہیں جنبش پاتا مگر یہ کہ اسے جنبش دی

حکم پر چلنا چاہیے یا اس کے جو خود ہی راہ نہ پائے جب تک راہ نہ دکھایا

فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾

جائے پس کیا ہے تمہارے لیے کیسے فیصلے کرتے ہو

جائے تو تمہیں کیا ہوا کیسا حکم لگاتے ہو

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں سچے معبود اور کفار کے جھوٹے معبودوں میں چند طرح فرق کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ رازق ہے بت رازق نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے حواس کا مالک ہے۔ بت نہیں۔ اللہ تعالیٰ زندہ کو مردے سے مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے بت نہیں اللہ مدابر امر ہے۔ بت نہیں اب اس فرق کو دوسری دو نوعیتوں سے بیان فرمایا جارہا ہے (۱) رب تعالیٰ خالق ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی بت نہیں (۲) رب تعالیٰ ہادی ہے بت نہیں گویا چار فرق بیان فرمانے کے بعد پانچواں چھٹا فرق بیان ہو رہا ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں بیرونی دلائل سے رب تعالیٰ کی معبودیت ثابت کی گئی روزی تدبیر امر وغیرہ اب ان آیات میں ہمارے اندرونی دلائل سے اس کی معبودیت کا ثبوت دیا جارہا ہے یعنی ہماری جسمانی پیدائش سے جسے خلق کہتے ہیں اور روحانی رہنمائی سے جسے ہدایت فرمایا جاتا ہے۔ گویا بیرونی کے بعد اندرونی کا ذکر ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی ان نعمتوں کا ذکر ہوا جو براہ راست بندوں کو عطا ہوتی ہیں رزق تدبیر عالم وغیرہ اب اس نعمت ہدایت کا ذکر ہے جو نبی کے ذریعہ بندوں کو ملتی ہے کہ کوئی شخص بغیر رسول ہدایت نہیں پا سکتا رب فرماتا ہے انک لتهدی الی صراط مستقیم اور فرماتا ہے ان هذا القران یهدی للتی هی اقوم۔ گویا توحید کے بعد نبوت کا ذکر ہے۔ جس سے توحید ایمان مکمل ہے۔

**تفسیر:** قل هل من شرکائکم میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن مشرکین مکہ سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے بھی ہو کہ مکی آیات ان تک پہنچتی تھیں۔ نیز انہوں نے حضرت مسیح اور عزیر علیہما السلام کو رب کا بیٹا مانا

تھا۔ بیٹا باپ کا شریک ہوتا ہے مگر پہلا احتمال قوی ہے کہ کلی آیات میں خطاب مشرکین سے ہوتا ہے هل انکاری سوال کے لئے ہے جس کے جواب میں انہیں یہ ہی کہتے بن پڑ سکتی تھی کہ واقعی ہمارے بت خالق یا ہادی نہیں۔ شرکاء سے مراد مشرکوں کے بت اور ان کے وہ سردار ہیں جنہیں انہوں نے رب تعالیٰ کا شریک مان رکھا تھا حتی کہ انہیں حرام و حلال کا مالک مطلق مانتے تھے۔ اور ہوسکتا ہے کہ ان شرکاء میں فرشتے داخل ہوں کہ مشرکین عرب انہیں رب تعالیٰ کی بیٹیاں مان کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ مگر پہلا احتمال قوی ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں انہیں شرکاء میں داخل ماننا ان کی سخت بے ادبی ہے کہ یہ لفظ غضب کا ہے اس میں مغضوب علیہ بندے ہی داخل ہوتے ہیں نہ کہ رحمت والے۔ اس میں حضرت عیسیٰ و عزیر علیہما السلام کو داخل ماننا بالکل ہی غلط ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ من یبدء الخلق ثم یعیده ۔ یہ فرمان عالی من شرکائکم کا مبتداء موخر ہے بداء خلق سے مراد مخلوق کو اس دنیا میں پیدا فرماتا ہے اور دوبارہ بنانے سے مراد قیامت میں ان کو دوبارہ زندہ کرنا ہے۔ بعض مشرکین قیامت کے قائل تھے۔ ان سے یہ فرمانا تو بالکل ظاہر ہے مگر اکثر اس کے منکر تھے ان سے یہ فرمانا واقعہ کے لحاظ سے ہے۔ نہ کہ ان کے عقیدے کے لحاظ سے۔ چونکہ قیامت اور وہاں کے واقعات قوی دلائل سے اس طرح ثابت ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ کون ہے جو کسی کو دے کر اس کا حساب نہ لے رب بھی اپنی دی ہوئی نعمتوں کا حساب ضرور لے گا اس لئے منکرین قیامت سے یہ سوال بے جا نہیں قادیانیوں نے یہاں بدء خلق سے بندہ کو پیدا فرمانا مراد لیا۔ جیسے حضرت آدم کی پیدائش پھر پیدا فرماتا رہنا یعید سے مراد لیا (تفسیر بیان القرآن مرزائی) مگر یہ بعید ہے ورنہ پھر بدا ماضی ہوتا یبدا مضارع نہ ہوتا کہ اس معنی سے پہلی پیدائش ایک بار ہو چکی بار بار نہیں ہوتی۔ قل اللہ یبدی الخلق ثم یعیده ۔ چونکہ مذکورہ سوال ایسا تھا جس کے بہت سے کفار انکاری تھے یعنی قیامت میں دوبارہ پیدا کئے جانے کے قائل نہ تھے اس لئے یہ فرمایا گیا کہ وہ کہیں گے بلکہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب خود آپ ہی ان سے یہ فرمادیں اس وجہ سے جواب میں بھی یہ عبارت دہرائی گئی کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ قدرت والا ہے کہ پہلی بار دنیا میں مخلوق کو پیدا فرماتا رہتا ہے پھر وہ ہی قیامت میں انہیں دوبارہ زندہ کرے گا اس کے سوا کسی میں یہ طاقت نہیں۔

**خیال رہے:** کہ دنیا میں جو انسان پیدا ہوتے ہیں ان کی پیدائش میں اس فرشتے کو بھی دخل ہے جو ماں کے رحم میں بچہ بناتا ہے اسے بحکم پروردگار نر مادہ کرتا ہے اس کی تقدیر لکھتا ہے مشرکوں کے بتوں کا تو اتنا دخل بھی نہیں پھر قیامت میں تمام کا بننا اٹھنا جمع ہونا حضرت اسرافیل علیہ السلام کے صور پھونکنے کو دخل ہوگا کہ یہ سب ان کے صور پھونکنے سے ہوگا۔ رب فرماتا ہے۔ ونفخ فی الصور فاذا هم من الاجداث الی ربهم ینسلون اس لئے سوال میں جو لفظ شرکاء ارشاد ہوا اس میں فرشتے داخل نہیں ہونے چاہئیں۔ نیز خیال رہے کہ قیامت میں دوسرے جسم کی ساخت پہلے جسم کی اصلی اجزاء پر ہوگی۔ دونوں میں بہت فرق ہوگا۔ اس لئے یہاں یعیدہ فرمایا گیا۔ آج ہم ایک بوڑھے آدمی کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ وہ ہی بچہ ہے جو فلاں سنہ میں فلاں کے گھر پیدا ہوا تھا اگرچہ بچپن کی شکل قد قامت اور بڑھاپے کی شکل قد قامت میں بڑا فرق ہے یہ آیت خیال میں رہے لہٰذا آیت واضح ہے فانی تؤفکون یہ عبارت ایک پوشیدہ جملہ کی جزاء ہے۔ یعنی جب یہ بات اتنی ظاہر ہے

کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا تو تم کیسے ۔کہے جا رہے ہو لہذا ف جزائیہ ہے اور انی بمعنی کیف ہے توفکون بنا ہے انک سے جس کے معنی ہیں قلب عن الشیء کسی چیز سے پھر جانا ایک شاعر کہتا ہے۔

ان تک عن احسن الصیغة ما فوکا ففی اخرین قد افکو

اس شعر میں مافوک اور افکوا سے افک بمعنی لوٹنے سے بنا بعض حضرات نے فرمایا کہ قلب ہر لوٹنے پھرنے کو کہتے ہیں مگر افک کسی رائے سے پھرنے یعنی رائے بدلنے کو کہا جاتا ہے۔ (روح المعانی) اس لئے تہمت لگانے کو افک کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو اس شخص کے متعلق رائے بدل جاتی ہے قل ھل من شرکائکم من یھدی الی الحق اس فرمان عالی میں انہیں کفار و مشرکین سے دوسرا سوال ہے یہاں بھی شرکاء سے مراد ان کے بت اور سرداران کفر ہیں۔ ہدایت کے معنی اس کی اقسام سورہ فاتحہ میں اھدنا الصراط المستقیم کی تفسیر میں عرض کئے گئے۔ یہاں ہدایت سے مراد اسباب ہدایت پیدا فرمانا یعنی حضرات انبیاء کو بھیجنا ان پر کتاب یا صحیفہ نازل فرمانا پھر لوگوں کو ان کا فرمان سننے سمجھنے کے لئے حواس بخشنا خوش نصیب لوگوں کو ان کی بات قبول کرنے کی توفیق دینا یہ ساری کرم نوازیاں صرف رب تعالیٰ ہی کرتا ہے۔

**خیال رہے:** کہ فرشتوں کو بھی ہدایت میں دخل ہے کہ وہ حضرات انبیاء پر وحی لاتے ہیں جو ذریعہ ہدایت ہے اور حضرات انبیاء کرام کو تو ہدایت میں بڑا ہی دخل ہے۔ بلکہ ان کتابوں کو بھی اس میں دخل ہے اس لئے حضرت انبیاء کرام کو ہادی کہا جاتا ہے لہذا یہاں بھی شرکاء سے مراد بت ہی ہیں اس میں فرشتے اور انبیاء کرام داخل نہیں۔ رب فرماتا ہے وادعو شھداء کم من دون اللہ ان کنتم صدقین ۔قرآن مجید کے مقابلہ کے لئے اپنے معبودوں کو بلالو۔ وہاں بھی شہداء بھی معبودین میں حضرات انبیاء کو داخل نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ حضرت عیسیٰ و عزیر کو قرآن کے مقابلہ کے لئے بلاؤ۔ قل اللہ یھدی للحق یہ اس سوال کا جواب ہے۔ چونکہ کفار حضور علیہ السلام، قرآن، وحی کے منکر تھے اس معنی سے وہ رب کی ہدایت کے منکر تھے اس لئے یہاں بھی قل ارشاد ہوا کہ اے محبوب آپ علیہ السلام خود ہی انہیں یہ جواب دو۔

**خیال رہے:** کہ ہدایت کے بعد الی بھی آتا ہے اور لام بھی چونکہ حق ہدایت کی انتہا ہے لہذا اس کے بعد الی آتا ہے اور چونکہ حق ہدایت کا اصل مقصود ہے اس لئے اس کے بعد لام آتا ہے اس آیت میں دونوں طرح استعمال ہوا۔ الی الحق بھی اور للحق بھی (تفسیر روح المعانی) افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع ۔یہ فرمان عالی اس دوسری دلیل کا تتمہ ہے۔ اس میں سوال اقرار کرانے کے لئے ہے یعنی تم خود سوچو فیصلہ کرو کہ جو ذات کریم حق کی ہدایت دے وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جاوے یا دوسرا کوئی اور۔ یہاں اتباع بمعنی اطاعت ہے نہ کہ بمعنی نقش قدم پر چلنا کہ رب تعالیٰ قدم اور نقش قدم سے پاک ہے نیز اس کے افعال کریمہ کی اتباع ناممکن ہے اتباع بمعنی نقش قدم پر چلنا صرف حضور علیہ السلام ہی کی ہو سکتی ہے۔ فرماتا ہے فاتبعونی یحببکم اللہ رب تعالیٰ یا قرآن کی اتباع کے یہ معنی ہیں کہ اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جاوے امن لا یھدی الا ان یھدی اس عبارت کا تعلق افمن یھدی سے ہے اس میں ام حرف عطف ہی اور یہ فرمان عالی پہلے پر معطوف ہے یہاں بھی من سے مراد ان کے بت اور سرداران کفر ہیں اس میں فرشتے اور انبیاء کرام داخل نہیں۔ لا یھدی

اصل میں یھتدی تھا۔ اھتداء کا مضارع ہدایت پانا۔

خیال رہے: کہ ہدایت کے لغوی معنی ہیں نقل و حرکت کیا جانا جیسے ھدایت المراۃ الی زوجھا بیوی خاوند کے پاس منتقل کر دی گئی جو جانور حرم شریف میں ذبح کرنے کو لے جایا جائے اسے ہدی کہتے ہیں۔ کسی کی خدمت میں پیش کش کو ہدیہ کہا جاتا ہے قرآن کریم فرماتا ہے انتم بھدیتکم تفرحون اور کہا جاتا ہے فلان یھادی بین الرجلین۔ فلاں شخص دو آدمیوں کے درمیان لایا جاتا ہے جب کہ بیمار دو کے کندھوں پر چلتا ہو۔ رہبری کو اس لئے ہدایت کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ ایک شخص کو برائی سے بھلائی کی طرف منتقل کیا جاتا ہے۔ تو معنی یہ ہوئے کہ وہ بت جو نقل و حرکت نہ کرسکیں بلکہ انہیں دوسری جگہ آدمی کے ذریعہ منتقل کیا جاتا ہو۔ وہ اتباع کے قابل کیسے ہو سکتے ہیں (از تفسیر کبیر و صاوی ولسان العرب) اس صورت میں آیت کے معنی بالکل واضح ہیں چونکہ کفار ان بتوں کو عقل و سمجھ والا سمجھتے تھے وہ کہتے تھے کہ یہ اپنے پوجاریوں کو جانتے پہچانتے ان کے کام آتے ہیں اس لئے ان کے لئے یہاں من ارشاد ہوا جو عقل والوں کے لئے آتا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ شرکاء میں حضرت مسیح وعزیر اور فرشتے داخل نہیں کہ وہ حضرات ہادی بھی ہیں اور نقل و حرکت بھی کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ فمالکم کیف تحکمون یہ سوال گذشتہ مضمون کا خلاصہ نتیجہ ہے حکم سے مراد فیصلہ ہے اور تعجب دلانے کے لئے یعنی اے بے وقوفو! تم کیسے اوندھے فیصلے کرتے ہو کہ ان دلائل قویہ کے ہوتے ہوئے پھر شرک و کفر اختیار کرتے ہو۔

خلاصہ تفسیر: ان آیات کریمہ میں رب تعالیٰ نے خلق اور ہدایت دو چیزوں کے متعلق کفار سے سوال کا حکم دیا۔ کیونکہ خلق وہدایت میں گہرا تعلق ہے اس لئے قرآن مجید میں جگہ جگہ ان دونوں کو ملایا گیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم نے فرمایا الذی خلقنی فھو یھدین موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ربنا الذی اعطی کل شیء خلقه ثم ھدی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا۔ سبح اسم ربک الاعلی الذی خلق فسوی والذی قدر فھدی وغیرہ۔ کیونکہ خلق کا جسم سے تعلق ہے اور ہدایت کا روح اور دل سے بلکہ جسم کی پیدائش کا مقصود روح کی ہدایت ہے جسمانی حواس ہدایت قلب کا ذریعہ ہیں۔ (تفسیر کبیر) چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار و مشرکین سے پوچھو تو کہ رب تعالیٰ کے سوا تمہارے معبود باطلہ میں کوئی ایسا ہے جس نے دنیا میں ابتداء مخلوق کو پیدا فرمایا اور آئندہ قیامت میں پیدا فرمائے گا۔ وہ تو اس کا جواب دیں گے نہیں۔ آپ ﷺ ہی جواب دیں کہ وہ خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے تو ان سے کہو کہ تم کیوں پھرے جاتے ہو۔ اور ان سے یہ بھی پوچھو کہ تمہارے معبودوں میں کوئی ایسا ہے جو لوگوں کو حق کی راہ دکھائے کہ ان کی ہدایت کے لئے نبی بھیجے کتاب آسمانی اتارے بندوں کے کانوں تک نبی و کتاب کے فرمان پہنچائے پھر انہیں قبولیت کی توفیق دے وہ اس کا جواب دیں گے نہیں۔ کیونکہ وہ نبوت اور کتاب آسمانی کے قائل ہیں۔ تو آپ ﷺ ہی انہیں یہ جواب دو کہ وہ ہادی حقیقی اللہ ہے اور ایک اللہ۔ تو اے بے وقوف سوچو کہ ایسا خالق۔ مالک ہادی اس لائق ہے کہ اس کی اطاعت اس کے نبی کی اتباع کی جائے یا وہ بت جو دوسرے کے بغیر ہلائے بغیر جنبش دیئے اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکیں تم کو ہو کیا گیا تم اپنے متعلق کیسے فیصلہ کرتے ہو کچھ سوچو اور سوچ سمجھ سے صحیح رائے قائم کرو۔ اللہ تعالیٰ نے عقل ہوش گوش اسی لئے دیئے ہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔
**پہلا فائدہ:** قیامت میں مخلوق کی دوبارہ پیدائش نئی نہیں ہوگی بلکہ اس اول پیدائش کا اعادہ ہوگا۔ اگرچہ شکل وصورت میں فرق ہوگا کہ ہر جنتی ساٹھ گز کا ہوگا۔ حسین وجمیل کافر کے منہ کی ایک داڑھ پہاڑ کے برابر ہوگی بدصورت بدشکل ہوگی اس اصل اجزاء پر لہذا وہ ہی شخص ہوگا۔ یہ فائدہ ثم یعیدہ (الخ) سے حاصل ہوا۔
**دوسرا فائدہ:** مشرکین بھی اپنی بتوں سرداروں کو دنیا کا خالق مانتے تھے۔ یہ خالق صرف رب تعالیٰ کو جانتے مانتے تھے۔ یہ فائدہ قل اللہ یبدالخلق (الخ) سے حاصل ہوا۔ پھر وہ مشرک کیوں تھے۔ جس کی وجہ پچھلی آیت میں عرض کی گئی۔
**تیسرا فائدہ:** اگر کوئی ضدی آدمی نہایت ہی ظاہری بات کا انکار کرے یا اقرار نہ کرے تو اسے خود ہی بتا دینا درست ہے تاکہ اگر وہ نہ مانے تو دوسرے سننے والے تو مان لیں۔ یہ فائدہ ثم یعیدہ فانی توفکون سے حاصل ہوا۔
**چوتھا فائدہ:** حق کی ہدایت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے یہ فائدہ خلق کے بعد ہدایت کا ذکر فرمانے سے حاصل ہوا۔ جیسے عالم جسمانی کا نظام سورج سے وابستہ ہے ایسے ہی عالم روحانی کا نظام ہادی مطلق حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہے۔ اس لئے حضور کو قرآن مجید میں رحمۃ للعالمین فرمایا۔

شد وجودش رحمۃ للعالمین مسجد اوشد ہمہ روئے زمین
سیدالکونین ختم المرسلین آخر آمد بود فخر الاولین!

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا ایمان بلکہ رحمان تک پہنچنا ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے اللہ یمن علیکم ان ھداکم الایمان۔
**پانچواں فائدہ:** حضرات انبیاء علماء دین اور اولیاء کاملین رب تعالیٰ کی صفت ہدایت کے مظہر اتم ہیں کہ رب تعالیٰ اس لئے سچا معبود ہے کہ اس نے یہ ہادی قائم فرمائے۔ یہ فائدہ اللہ یھدی للحق سے حاصل ہوا ارشاد فرماتا ہے لہ دعوۃ الحق بتوں کے متعلق فرماتا ہے۔ لیس لہ دعوۃ الحق۔
**چھٹا فائدہ:** کبھی اتباع بمعنی اطاعت آتا ہے یہ فائدہ احق ان یتبع (الخ) سے حاصل ہوا۔ ورنہ لغوی اتباع یعنی کسی کے پیچھے یا اس کے نقش قدم پر چلنا رب تعالیٰ کی نہیں ہوسکتی۔۔
**پہلا اعتراض:** کفار مکہ جن سے ان آیات میں خطاب ہے وہ دوسری پیدائش یعنی قیامت میں اٹھنے کے قائل نہ تھے پھر ان سے ثم یعیدہ فرمانا کیونکر درست ہوا۔
**جواب:** بہت سے کفار مکہ قیامت کے قائل تھے وہاں کی جزاء سزا کے بھی معتقد تھے کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد تھے اور ان کے دین پر ہونے کے دعویدار اس لئے وہ بہت سے نیک کام بھی کرتے تھے صدقہ وخیرات۔ کعبہ معظمہ کی خدمت حجاج کی نگرانی تاکہ قیامت میں ان کی جزا ملے۔ ہاں بہت سے اس کے منکر بھی تھے لہذا ان سے یہ فرمانا بالکل درست ہوا۔

**دوسرا اعتراض:** گذشتہ آیات میں تو ارشاد ہوا تھا فسیقولون اللہ اور ارشاد ہوا قل اللہ یبدا الخلق وغیرہ اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔

**جواب:** اس لئے کہ ان آیات میں رب تعالیٰ کی وہ صفات بھی بیان ہوئی تھیں جن کے سارے کفار قائل تھے رب تعالیٰ کا خالق۔ رازق۔ مدبر امر ہونا۔ مگر یہاں ان صفات کا بھی ذکر ہے جن کے بہت سے کفار عرب منکر تھے قیامت میں بندوں کو اٹھانا ہدایت کے لئے انبیاء کو بھیجنا اولیاء مقرر فرمانا وغیرہ اس لئے یہاں قل ارشاد ہوا۔

**تیسرا اعتراض:** عام مفسرین نے یہاں شرکاء میں حضرت مسیح اور عزیر علیہم السلام کو داخل مانا ہے کیونکہ عیسائی یہودی ان کی عبادت کرتے ہیں مگر تم نے کہا کہ صرف بت مراد ہیں تمہارا یہ قول عام مفسرین کے خلاف ہے۔

**جواب:** ہم نے شرکاء کی تفسیر قرآنی محاورہ کو دیکھ کر کی ہے قرآن مجید میں شرکاء کم شھداء کم. الذین تعبدون من دون اللہ یہ الفاظ بتوں کے لئے آتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ سرداران کفر کے لئے۔ ان عام الفاظ میں حضرات انبیاء داخل نہیں ہوا کرتے ان میں روئے سخن بتوں کی طرف ہوتا ہے بلکہ کبھی الناس سے صرف کفار مراد ہوتے ہیں نہ کہ مومن و صالحین وقودھا الناس و الحجارۃ اردو فارسی کے محاوروں میں بھی عام خلق میں حضرات انبیاء داخل نہیں ہوتے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

نگہ دارد آں شوخ در کیسہ در
کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بر

جو کوئی یہاں عام خلق میں نبیوں ولیوں کو داخل مانے وہ بے دین ہے۔

**چوتھا اعتراض:** عام مفسرین نے امن لا یھدی الا ان یھدی میں حضرت مسیح و عزیر اور فرشتوں کو داخل مانا ہے وہ کہتے ہیں کہ ان میں کوئی ہدایت یافتہ نہیں جب تک کہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہدایت دیا جائے مگر تم نے کہا کہ اس سے صرف بت مراد ہیں بت بے جان بے شعور لکڑی پتھر ہیں وہ لفظ من میں داخل نہیں ہو سکتے نیز وہ ہدایت نہیں پا سکتے پھر ان کے متعلق الا ان یھدی کیونکر درست ہے۔

**جواب:** ہم نے یہ تفسیر بحوالہ تفسیر کبیر اور صاوی اور روح المعانی کی ہے اور بہت قوی ہے چونکہ کفار بتوں کو عاقل، فاعل مختار مانتے تھے تو ان کے خیال کے لحاظ سے انہیں من فرمایا نہ کہ واقعہ کے لحاظ سے اور ہدایت کے معنی نقل و حرکت ہے۔ دیکھو تفسیر جو ابھی کی گئی یعنی کمزور بت جو خود دوسرے کے حرکت دیئے بغیر حرکت نہ کر سکیں تمہیں رب تعالیٰ تک یا جنت تک کیسے پہنچا سکتے تھے۔ خداری کے لئے اس ذات کی اطاعت چاہئے جس کا تعلق خلق سے بھی ہو۔ خالق سے بھی اطاعت حقیقی صرف رب کی ہے نہ کہ اس کے مقابل بتوں کی۔

**تفسیر صوفیانہ:** انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ عمارت کی بنیاد مضبوط زمین پر رکھے اگر زمین کمزور ہے تو بنیاد کمزور اور بناء کمزور ہے تو ساری عمارت کمزور اعمال ایک قسم کی عمارت ہیں جن کی بنیاد عقائد پر ہے اگر عقائد کا تعلق توحید و رسالت سے ہے تو

بنیاد قوی اور اعمال قوی لیکن اگر عقائد بت پرستی و دشمنان خدا سے تعلق پر قائم کیے گئے تو عقائد ضعیف پھر ان ضعیف عقائد پر قائم کی گئی اعمال و عبادت کی عمارت کمزور اسی اصول سے یہاں ارشاد ہوا کہ بے وقوفو تم خود سوچو کہ تمہارے بتوں کو نہ تو مخلوق کی پیدائش میں کچھ دخل ہے نہ اس کی ہدایت میں بلکہ وہ بنتے ہیں تمہارے بنانے سے نقل و حرکت کرتے ہیں تمہارے ہلانے ہٹانے سے تم اتباع کرو۔ قوی قادر کی نہ کہ ایسے کمزور مخلوق کو صوفیاء فرماتے ہیں یوں ہی عقل کمزور ہے عشق قوی ایمان کی بناء عقل پر نہ رکھو۔ شعر۔

عشق پر بنیاد رکھ ایمان کی عقل کو تنقید سے فرصت نہیں

کمزور کے ساتھ نہ رہو۔ وہ خود بھی پٹے گا تمہیں پٹوائے گا۔ وقت پر عین دھوکا دے کر اکیلا چھوڑ جائے گا۔ قوی کے ساتھ رہو جو تمہیں آفات سے بچائے گا دنیا کے ساتھ نہ رہو اس کے پیچھے نہ چلو یہ تم کو وقت پر دھوکا دے گی۔ یہ خود بھی فانی ہے جو اس سے وابستہ ہو جائے اسے بھی فنا کر دیتی ہے دنیا کے لئے عبادات کرنا سب کچھ برباد کر دیتا ہے۔

انما الدنیا وما فیھا کنسج العنکبوت انما الدنیا فناء لیس للدنیا بقا

دنیا مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہے جس کا پھیلاوا بہت مگر ایک انگلی لگ جائے تو بیکار ہو جائے دنیا نفس امارہ کا خود ساختہ بت ہے اس کی اتباع اہل طریقت کے نزدیک بت پرستی ہے۔ جس کا انجام خراب۔

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي

اور نہیں پیروی کرتے بہت سے ان میں سے مگر اٹکل کی تحقیق اٹکل نہیں کام دیتی

اور ان میں اکثر تو نہیں چلتے مگر گمان پر بے شک گمان حق کا کچھ

مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

حق کے مقابلہ کچھ تحقیق اللہ جاننے والا ہے اس کا جو وہ کرتے تھے

کام نہیں دیتا بے شک اللہ ان کے کاموں کو جانتا ہے

وَمَا كَانَ هَٰذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ

اور نہیں ہے یہ قرآن کہ گھڑ لیا جاوے طرف سے اللہ کے ماسوئی کے

اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ کوئی اپنی طرف سے بنائے لیے اللہ کے اتارے

وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ

اور لیکن تصدیق ہے اس کی جو سامنے ہے اس کے اور تفصیل ہے اس

ہاں وہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور لوح میں جو کچھ لکھا ہے سب

الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾

کتاب کی نہیں ہے شک اس میں طرف سے ہے جہانوں کے رب کے

کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں پروردگار عالم کی طرف سے ہے

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کی بے عقلی کا ذکر ہوا اب ان کی وہم پرستی کا تذکرہ ہے یعنی وہ عقل سے کام نہیں لیتے کہ ایک خدا کی عبادت کریں بلکہ وہم گمان میں پھنسے ہوئے ہیں کہ بتوں کو پوجتے ہیں۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ کفار رب کو نہیں مانتے کہ اس کی طرف سے بھیجے ہوئے ہادیوں کی اطاعت نہیں کرتے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ لوگ رب کے مقابل سب کی مانتے ہیں۔ یعنی اپنے باپ دادوں کی۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں دور سے حمد الٰہی کا بیان چلا آ رہا ہے اب رب کی کتاب یعنی قرآن مجید کے فضائل کا تذکرہ ہے وما کان ھذا القران (الخ) کہ قرآن مجید کی تعریف درحقیقت رب تعالیٰ کی حمد ہے کہ وہ اس کا بھیجا ہوا ہے۔

**نزول:** کفار عرب قرآن مجید کے متعلق کہتے تھے کہ یہ اللہ کی کتاب نہیں بلکہ حضور انور ﷺ نے بنائی ہے اور اسے رب کی طرف نسبت کر دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اتاری کتاب ہے ان کی تردید میں آیت وما کان ھذا القران (الخ نازل ہوئی۔ (تفسیر صاوی و کبیر وغیرہ)

**تفسیر:** وما یتبع اکثرھم الا ظنا یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے ما نافیہ ہے ماضی پر لا نافیہ آ جاتا ہے فلا صدق ولا صلی یوں ہی مضارع پر ما نافیہ آتا ہے وما ینطق عن الھوی یہ سمجھنا کہ لا صرف مضارع کی نفی کے لئے ہے اور ما صرف ماضی کی نفی کے لئے غلط ہے روح المعانی نے فرمایا کہ جب مضارع کی نفی ما سے ہو تو نفی کا دوام مراد ہوتا ہے۔ اتباع کے معنی کسی کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا اس معنی سے اتباع آدمی کی بھی ہو سکتی ہے اور دوسری چیز کی بھی۔ دیکھو یہاں اتباع کی نسبت ظن کی طرف ہے یہاں اکثر سے مراد سارے ہی کفار ہیں جیسے رب کا فرمان فقلیلا ما یومنون وہاں قلیل سے مراد کفار ہیں ایک شاعر کہتا ہے۔

قلیل التشکی فی المصیبات حافظ　　　　من الیوم اعقاب الاحادیث

اس شعر میں قلیل بمعنی جمیع ہے (روح المعانی و خازن وغیرہ) ما اکثر بمعنی بہت ہی ہے ان سے مراد سرداران کفر ہیں۔ سرداران کفر تو اپنے گمان سے شرک کرتے تھے۔ اور ان کے ماتحت ان سرداروں کی دیکھا دیکھی یا اکثر لوگ تو محض گمان سے شرک کرتے ہیں اور بعض لوگ اسلام کی حقانیت حضور انور ﷺ کی نبوت کے دل سے قائل صرف حسد اور عناد سے کفر کرتے ہیں (صاوی وغیرہ) ظن یعنی گمان سے مراد یا تو جاہل باپ دادوں کی پیروی ہے یا یہ خیال کہ ایک خدا اتنے بڑے جہان کو

اکیلا نہیں سنبھال سکتا۔ لہٰذا کچھ شرکاء بھی چاہئیں روح المعانی نے اس فرمان عالی کے ایک معنی یہ بھی کئے کہ بہت سے کفار رب تعالیٰ کی وحدانیت اس کی ذات وصفات کو مانتے ہیں مگر نور نبوت سے نہیں بلکہ محض اپنی رائے سے لہٰذا وہ بھی کافر ہیں کہ ظن و گمان سے اسے مانتے ہیں۔ اس کی توحید تو نبی کے فرمان سے ماننی چاہئے۔ (تفسیر کبیر و روح المعانی) اس صورت میں اکثر بمعنی بہت ہے اور یہ فرمان نہایت ہی موزوں ہے یعنی بہت مشرکین اور کفار بت پرستی میں اپنے گمان کی راہ چلتے ہیں یا بہت کفار عقیدہ توحید میں صرف گمان سے کام لیتے ہیں ان الظن لا تغنی من الھق شیئا اس فرمان عالی میں ان کی تردید ہے الظن میں الف عہدی ہے۔ اس سے مراد وہ کفار کے الکل پچو قیاسات ہیں عربی میں ظن کئی معنی میں آتا ہے (۱) یقین الا علی الخاشعین یظنون انھم ملاقوا ربھم (۲) تہمت بدگمانی جیسے یظنون باللہ الظنونا یا جیسے یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاھلیة ان بعض الظن ثم (۳) نیک گمان جیسے ظن المومنون فی انفسھم خیرا الکل (۵)، (۶) وقیاس یعنی یقین کا مقابل یہاں ظن اس آخری معنی میں ہے۔ یوں ہی حق کے بہت معنی ہیں۔ سچ یعنی باطل کا مقابل ناقابل زوال یعنی غیر فانی یقین یعنی شک اور ظن کا مقابل یہاں حق ہے اس جملہ کی آسانی ترکیب یہ ہے کہ شیئا مفعول ہے۔ لا یعنی کا اور من الحق حال ہے شیئا کا۔ اغنا سے مراد ہے ضرورت دفع کرنا یا کام آنا۔ یعنی ان کفار کے مذکورہ گمان حق کی کوئی چیز نہیں بناتے کسی چیز میں کام نہیں آتے وہ وحی الٰہی اور نبوت سے بے نیاز نہیں کر سکتے۔ بڑے سے بڑا عاقل عقائد میں نبی کی پیروی کا حاجت مند ہے۔ اغنا کے لفظی معنی ہیں بے نیاز کر دینا۔ اس کے علاوہ اور ترکیبیں پیچیدہ ہیں اور غیر ظاہر بھی۔ ان اللہ علیکم بما یفعلون اس فرمان میں ان پر عتاب ہے اللہ کا دیکھنا جاننا غضب کے لئے بھی ہوتا ہے اور کرم نوازی کے لئے بھی اگر یہ فرمان عالی مومنوں کے نیک اعمال کے ساتھ ہو تو اظہار کرم کے لئے ہے اور اگر کفار کی بدعملیوں کے ساتھ ہو تو غضب کے لئے ہے یہاں دوسری صورت ہے یعنی اللہ کی بدعقیدگیوں و بدعملیوں کو جانتا ہے انہیں اس پر سخت سزا دے گا۔

وما کان ھذا القران ان یفتری من دون اللہ ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے واؤ ابتدائیہ گذشتہ جملہ میں کفار کے جھوٹے دلائل کا ذکر ہوا کہ وہ محض ظنیات اور باپ دادوں کی اندھی تقلید میں ہیں اب اس کے مقابل اسلام کی مضبوط دلیل یعنی قرآن پاک کی شان کا تذکرہ ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں کان ناقصہ ہے ھذا موصوف القرآن صفت سے مل کر اسم اور ان یفتری (الخ) اس کی خبر بمعنی مفتری بعض نے فرمایا کہ ما کان کے معنی ہیں ما اصح یا ما امکن اور ان یفتری اصل لان یفتری ہے (روح المعانی) یعنی ممکن ہی نہیں کہ یہ شاندار قرآن غیر خدا کی طرف سے گڑھا ہوا ہو۔ ہم قرآن کے معانی تفسیر کے دیباچہ میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ لفظ یا قرء سے ہے یا قرن سے یا قراءة سے یعنی پڑھی ہوئی یا ملی ہوئی یا ملانے والی کتاب۔ اب یہ لفظ اس موجودہ کتاب کا نام شریف ہے افتری بنا ہے فری سے بمعنی چمڑا چھیلنا۔ اب اس جھوٹ کو افترا کہتے ہیں جو دوسرے کی طرف نسبت کر دیا جائے۔ دون کے معنی ہم بارہا بیان کر چکے کہ اس کے معنی دور، مقابل، کنا ہوا اجنبی اور سواء ہیں یہاں آخری معنی میں ہے اعلیٰ حضرت قدس کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ من دون کے بعد انزال پوشیدہ ہے اور دون بمعنی بغیر ہے۔ یعنی اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ اللہ کے سواء کی طرف سے گڑھ لیا جاوے یا اسے گھڑ کر رب کی

طرف بغیر اس کے اتارے نسبت کر دیا جائے۔ اس دعوئ کی تین دلیلیں ارشاد ہوئیں۔ پہلی دلیل یہ کہ ولکن تصدیق الذی بین یدیه یہ فرمان عالی یا تو گذشتہ کان کی خبران یفتری پر معطوف ہے تو واؤ عاطفہ ہے یا نیا جملہ ہے اور لکن کے بعد کان پوشیدہ ہے اس کی یہ خبر ہے اس صورت میں واؤ ابتدائیہ ہے۔ بعض نے فرمایا کہ لکن کے بعد لاجل پوشیدہ ہے یعنی قرآن آیا تصدیق کے لئے (روح المعانی) تصدیق بمعنی مصدق ہے تصدیق کے تین معنی ہیں سچا کرنا، سچا کہنا، سچا کہلوانا۔ الذی بین یدیه سے مراد پچھلی آسمانی کتابیں اور صحیفے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد گذشتہ نبی۔ ان کے معجزات ان کی کتابیں سب ہی ہوں کہ قرآن مجید نے سب کو سچا کہا۔ سچا کیا۔ سچا کہلوایا۔ ان سب نے قران کی آمد کی خبر دی قرآن آ گیا وہ سب سچے ہو گئے اور سب کو سچا کہا۔ کیونکہ یہ آخری کتاب ہے جو آخری نبی پر آئی اس لئے سب کی تصدیق ہی کی۔ کسی نبی کسی کتاب کی بشارت نہ دی۔ اس صورت میں الذی تصدیق کا مفعول ہے یا بین یدیه سے مراد وہ غیبی آئندہ خبریں ہیں جن کی خبر قرآن مجید نے دی پھر وہ خبریں اس طرح ظاہر ہوئیں۔ ان واقعات نے قرآن مجید کی تصدیق کر دی اس صورت میں الذی تصدیق کا فاعل ہے۔ (روح المعانی) مگر پہلی تفسیر قوی ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ وتفصیل الکتاب یہ عبارت معطوف ہے تصدیق پر۔ تفصیل بنا ہے فصل سے بمعنی جدائی تفصیل جدا جدا کرنا ہر چیز الگ کر کے بیان فرمانا۔ یہ مقابل ہے اجمال کا یعنی بہت چیزوں کو ایک ساتھ بیان کر دینا۔ الکتاب کے متعلق تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ بمعنی مکتوب ہے یعنی مفروض۔ رب فرماتا ہے کتاب اللہ علیکم یا فرماتا ہے کتب علیکم الصیام یا فرماتا ہے کانت علی المومنین کتابا موقوتا یعنی قرآن مجید فرائض اور احکام شرعیہ کا تفصیلی بیان ہے (مدارک روح البیان، خازن، بیضاوی وغیرہ) دوسرے یہ کہ الکتاب سے مراد گذشتہ آسمانی کتب ہوں توریت و انجیل وغیرہ اس میں الف لام استغراقی ہو۔ یعنی ان کتابوں کے اجمالی احکام کی تفصیل ہے۔ تیسرے یہ کہ الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ جس کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین اور فرماتا ہے وعندہ ام الکتاب (روح البیان وصاوی) یعنی جو علوم غیبیہ علم ما کان و ما یکون۔ لوح محفوظ میں ہے قرآن مجید اس کا تفصیلی بیان ہے جسے اللہ تعالیٰ قران مجید کا علم دے اسے لوح محفوظ دیکھنے کی ضرورت نہیں (صاوی) تیسری دلیل یہ ہے کہ لاریب فیه من رب العلمین لا ریب فی کی نفیس تفسیر سورہ بقر ذلک الکتاب لا ریب فیه کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ قرآن کے کتاب اللہ ہونے میں شک کی گنجائش نہیں۔ اگر کسی کو اس میں شک ہووے تو وہ شک اس کے ذہن یا اس کے دل میں ہے جیسے اندھا اگر سورج کے منور ہونے میں شک کرے تو یہ شک اس کی آنکھ کی بیماری کی وجہ سے ہے سورج میں شک نہیں یوں ہی جو شخص قرآن مجید کی اعلیٰ فصاحت و بلاغت اس کی اعلے تعلیم اس کی غیبی خبروں کی سچائی میں ذرا بھی غور کرے تو بے تامل پکار دے کہ ھذا الکلام لیس للبشر ھذا کلام خالق القوی والقدر انا اعطینک الکوثر چونکہ اللہ تعالیٰ رب ہے اس لئے اس نے جسمانی پرورش کے لئے بارش نازل فرمائی ایسے ہی اس نے روحانی پرورش کے لئے قرآن کا پانی نبوت کے بادل محمد رسول اللہ کے ذریعہ نازل فرمایا اس لئے من اللہ نہ کہا من رب العالمین ارشاد فرمایا۔ رب وہ ہے جو قلب و قالب ظاہر و باطن دونوں کو پالے۔

**خلاصہ تفسیر:** بت پرستوں کے پاس عقائد شرکیہ بت پرستی وغیرہ اور اپنے کفریہ اعمال کی کوئی دلیل نہیں ان کے عقائد و اعمال کی ساری عمارت محض انکل پچو قیاس آرائیوں اور وہم و گمان پر قائم ہے کہ چونکہ یہ کام جمہوری ہیں ہمیشہ سے سارے عرب والے کرتے آئے ہیں لہٰذا اچھا ہے ان سے منع کرنا۔ ایک شخصی کام ہے۔ جمہوریت کے خلاف ہے۔ لہٰذا درست نہیں وغیرہ اور ظاہر ہے کہ ایسے ظن و گمان سے کوئی حق بات حاصل نہیں ہوتی وہم و گمان سے خبردار ہے۔ وہم سے حق نہیں ملتا یہ تو صرف انبیاء کرام کے ذریعے ملتا ہے اللہ تعالیٰ ان کی حرکتوں وہموں سے بے خبر نہیں وہ ان کے ہر عقیدے وہم گمان و عمل سے خبردار ہے ہر عمل کی سزا دے گا۔ ان میں سے اکثر کا تو یہ حال ہے کہ محض وہم و گمان پر چلتے ہیں۔ ان میں بعض وہ ہیں جنہیں حضور انور ﷺ کی حقانیت قرآن مجید کی صداقت پر یقین ہے مگر حضور ﷺ کے حسد سے یا اپنی سرداری قائم رکھنے کی نیت سے اسلام قبول نہیں کرتے۔ اے محبوب یہ لوگ قرآن کے متعلق کہتے ہیں کہ حضور انور ﷺ قرآن مجید خود بناتے اور رب کی طرف منسوب کرتے ہیں یہ مردود جھوٹے ہیں خود قرآن کی شان بتا رہی ہے کہ یہ گھڑنے کے لائق نہیں۔ یہ کلام ربانی اس کی تین دلیلیں ہیں ایک یہ کہ اس میں گذشتہ کتابوں کے مسائل عقائد خبروں کی تصدیق ہے۔ حالانکہ ان محبوب نے نہ تو وہ کتابیں پڑھیں نہ ان کتابوں کے جاننے والوں کی صحبت حاصل کی پھر ان کتابوں کے تاریخی واقعات کی تصدیق فرمائی اور ان میں سے ایک بات غلط نہ ہوئی۔ اور نہ دشمن یہودی عیسائی شور مچا دیتے کہ فلاں بات غلط ہوئی۔ دوسرے یہ کہ لوح محفوظ کے علوم غیبیہ کی اس قرآن کی تفصیل ہے ہر ذرہ ہر قطرہ کی اس میں خبر ہے جو ہو بہو صحیح ہوتی رہتی ہے۔ اس کے کتاب الٰہی ہونے میں کوئی تردد ہو سکتا ہی نہیں۔ جو عقل سے ذرا کام لے وہ اس کا کتاب اللہ ہونا یقین سے جان لے گا۔ دیکھو رومیوں پر فارسی لوگ غالب آئے قرآن نے خبر دی کہ عنقریب ان میں جنگ ہوگی اور اب کی بار رومی غالب ہوں گے۔ ایسا ہی ہوا۔ خبر دی کہ قرآن ہم نے اتارا ہم ہی اس کے حافظ و ناصر ہیں دیکھ لو آج تک ایک نقطہ نہ بدلا۔ قرآن نے خبر دی کہ ہم نے محبوب کا پرچہ بلند کر دیا دیکھ لو آج تک حضور ﷺ کا کیسا چرچہ ہے قرآن نے خبر دی کہ وہ صحابہ جو ابھی کمزور سمجھے جا رہا ہیں رب انہیں زمین کی خلافت دے گا۔ ایسا ہی ہوا۔ اس جیسی ہزار ہا غیبی خبریں ہیں جن کا مشاہدہ دن رات ہو رہا ہے۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** اللہ کے رسول کے مقابلہ میں ساری دنیا اور سارے عقلا جھوٹے اور جاہل ہیں۔ یہ فائدہ ومایتبع اکثرھم الا ظنا سے حاصل ہوا۔

**دوسرا فائدہ:** تمام جہان کی رائے ظنی ہے نبی کا فرمان یقینی ہے ان کے فرمان کے مقابل۔ قابل قبول نہیں۔ یہ فائدہ بھی الا ظنا سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے سارے عرب والوں کے قول اور اتفاق کو ظن فرمایا یعنی انکل پچو قیاس۔

**تیسرا فائدہ:** عقائد جن پر کفر و اسلام کا دارومدار ہی اس میں محض اپنے قیاس کافی نہیں اس کے لئے وحی یا وحی کی تائید ضروری ہے۔ یہ فائدہ ان الظن لا یغنی من الحق شیئا ۔ سے حاصل ہوا کہ الظن میں الف لام عہدی ہے۔ جس سے مراد کفار کے گمان اور حق سے مراد اسلامی عقیدہ جو خداری کا ذریعہ ہے۔

**چوتھا فائدہ:** قرآن کریم نے نازل ہو کر پچھلے سارے نبی ساری آسمانی کتابوں کو سچا کر دیا کہ انہوں نے قرآن اور صاحب قرآن کی بشارت دی تھی۔ یہ فائدہ تصدیق الذی کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ الذی بین یدیہ سے مراد گذشتہ نبی اور ان کی کتابیں ہوں۔

**پانچواں فائدہ:** قرآن مجید کتاب آخری ہے اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہ قرآن کے بعد کوئی آسمانی کتاب آئے نہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی۔ یہ فائدہ بھی تصدیق الذی بین یدیہ سے حاصل ہوا۔ تصدیق گذشتہ کی ہوتی ہے بشارت آئندہ کی۔ قرآن مجید نے سب کی تصدیق کی کسی کی بشارت نہیں دی۔

**چھٹا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو کل علم غیب عطا فرمایا۔ ایسا کوئی قطرہ یا ذرہ نہیں جو حضور انور ﷺ کے علم میں نہ ہو۔ یہ فائدہ تفصیل الکتاب کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہو۔ کیونکہ ساری لوح محفوظ کی تفصیل قرآن مجید میں ہے۔ اور سارا قرآن مجید حضور انور ﷺ کے علم میں۔ الرحمن علم القران اور ظاہر ہے کہ سارے علوم لوح محفوظ میں ہیں ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین اس لئے لوح محفوظ کو کتاب بھی کہتے ہیں اور مبین بھی۔ ظاہر کرنے والا۔

**ساتواں فائدہ:** ساری آسمانی کتابیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ یعنی ان کی تعلیمات یہ فائدہ تفصیل الکتاب کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ کتاب سے مراد گذشتہ آسمانی کتابیں ہوں پھر لطف یہ ہے کہ قرآن مجید ان کتب میں بھی تھا۔ رب فرماتا ہے انہ لفی زبر الاولین۔

**آٹھواں فائدہ:** قرآن مجید کی عبارت اس کی ترتیب بلکہ اس کے اعراب سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یہ فائدہ من رب العلمین سے حاصل ہوا۔ کیونکہ سارا قرآن رب کی طرف سے ہے اور قرآن میں ترتیب و اعراب داخل ہیں جو اسے ترتیب عثمانی کہے وہ اس آیت کا منکر ہے۔

**پہلا اعتراض:** تم لوگ حدیث رسول کو دین اسلام کا رکن مانتے ہو۔ حالانکہ حدیث ظنی ہے اور قرآن مجید فرمارہا ہے کہ ظن حق کا فائدہ نہیں دیتا لہٰذا تمہارا حدیث کو ماننا غلط ہے۔ (چکڑالوی)

**جواب:** ساری حدیثیں ظنی نہیں۔ حدیث متواتر خواہ لفظاً متواتر ہو یا معنیً قطعی یقینی ہے قرآن مجید کا قرآن ہونا حدیث سے ثابت ہے کسی نے قرآن اترتے نہیں دیکھا۔ نماز کی رکعتیں زکوٰۃ کی مقدار سب ہی حدیث سے ثابت ہے وہ احادیث قطعی ہیں باقی حدیث واحد وغیرہ اگرچہ ظنی ہیں مگر شرعی مسائل ان سے ثابت ہیں۔ یہاں اس آیت میں الظن سے مراد کفار کے وہمیات ظنیات ہیں جو وہ قرآن و حدیث کے مقابل کرتے تھے۔ دیکھو تفسیر جو ابھی کی گئی۔

**دوسرا اعتراض:** تم لوگ اجماع امت کو یقینی کہتے ہو۔ حتیٰ کہ حضرت ابوبکر و عمر کی خلافت کے منکر کو کافر کہتے ہو۔ کیونکہ ان کی خلافتیں اجماع صحابہ سے ثابت ہیں اجماع امت نہ قرآن ہے نہ حدیث اس کو وحی نہیں کہہ سکتے پھر وہ قطعی کیسے (روافض)

جواب: اجماع امت کو وحی الٰہی سے تائید حاصل ہے۔ رب نے فرمایا و من یتبع غیر سبیل المومنین نوله ماتولی نوصله جهنم حضور انور ﷺ نے فرمایا لا تجمع امتی علی الضلالة قرآن وحدیث کی تائید کی وجہ اجماع قطعی ہوا۔ یہاں ظن سے مراد کفار کے ظن و گمان ہیں یہ خیال رکھو۔

**تیسرا اعتراض:** نماز کی اذان صحابہ کی خواب سے ثابت ہے اور خواب تو محض ظن و وہم ہے تو اذان کا اتنا بڑا درجہ کیسے ہوا کہ اس کا منکر گمراہ ہے۔

**جواب:** اس لئے کہ اس خواب کی تائید حضور انورؐ کے فرمان سے ہوگئی۔ لہٰذا یہ ظن نہ رہی وحی الٰہی نے تائید فرمادی۔

**چوتھا اعتراض:** مجتہدین کا قیاس ظنی ہے اور ظن سے حق حاصل نہیں ہوتا۔ (غیر مقلد)

**جواب:** اسے بھی قرآن وحدیث کی تائید حاصل ہے۔ رب فرماتا ہے فاعتبروا یا اولی الالباب۔ حضرت معاذ بن جبل نے گورنر بنتے وقت حضور انورؐ سے عرض کیا تھا ثم اجتهد براء اگر مجھے کوئی مسئلہ کتاب وسنت میں نہ ملا تو اپنے قیاس سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر حضور انور ﷺ خوش ہوئے اور حضور ﷺ نے خدا کا شکر کیا کہ اس نے رسول اللہ کے قاصد کو توفیق خیر دی۔ یاد رکھو کہ یہاں جس ظن و گمان کی برائی ہے وہ کفار کا ظن ہے وحی کے مقابل۔ یہ بھی خیال رکھو کہ ظن کے بہت معنی ہیں۔ دیکھو تفسیر۔ قیاس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔

**پانچواں اعتراض:** یہاں تفصیل الکتاب میں الکتاب سے مراد لوح محفوظ نہیں بلکہ یا تو شرعی احکام ہیں۔ کتاب معنی مکتوب یا گذشتہ آسمانی کتب لہٰذا نہ قرآن میں علم غیب ہے نہ حضور ﷺ کو (دیوبندی)

**جواب:** قوی یہ ہے کہ یہاں الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اس تفسیر کی تائید اس آیت سے ہے نزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شئ، لہٰذا یہ تفسیر اس تائید کی وجہ سے قوی ہے۔ تفسیر صاوی روح البیان وغیرہ۔ تفاسیر نے یہ تفسیر کی۔ جیسا کہ ابھی تفسیر سے معلوم ہوا۔

**تفسیر صوفیانہ:** کمزور بنیاد اور کمزور پشتہ والی دیوار کمزور ہوتی ہے بے لنگر کی کشتی کو ڈوبنے کا خطرہ ہے۔ جن عقائد و اعمال کی بنیاد محض اپنا گمان و ظن ہو اور پشتہ جاہل باپ دادوں کی اندھی تقلید و بے لنگر والی کشتی کی طرح ہیں جو کفار کو غرق کریں گے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

کشتی بے لنگر آمد مرد شر ۔۔۔ کہ ز باد کژ نیابد اوحذر

لنگر عقل است عاقل را اماں ۔۔۔ لنگرے دریوزہ کن از عاقلاں

بے لنگر والی کشتی باد مخالف سے نہیں بچ سکتی اے اللہ کے بندے کسی عاقل سے لنگر کی بھیک مانگ تا کہ دنیا میں تو ڈوب جائے اس آیت میں انہیں بے لنگر کی کشتی والوں سے کہا گیا ہے کہ ظن و گمان کشتی کو ڈوبنے سے نہیں بچاتا ایسی بے لنگر والی کشتی کنارہ پر نہیں پہنچتی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر چیز کی ساخت اپنے بنانے والے کا پتہ دیتی ہے۔ قرآن کتاب الٰہی کی شان بتا رہی ہے کہ یہ کسی بندے کا کلام نہیں۔ بے وقوف ہیں وہ جو قرآن مجید کو حضور انورؐ کا بنایا ہوا کہتے ہیں۔ نیز جس ذات کریم

نے ساری عمر کسی انسان پر جھوٹ نہ بولا وہ رب کریم پر جھوٹ کیسے بول سکتی ہے قرآن کی شان والے محبوب کی آن بان دونوں بتا رہی ہیں کہ قرآن کلام الٰہی ہے اس سے ارشاد ہوا لا ریب فیہ من رب العلمین جیسے رب تعالیٰ اپنی توحید کا گواہ۔ ایسے ہی اس کا کلام اپنے کلام اللہ ہونے کا گواہ صوفیاء کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الٰہی میں اور قرآن مجید آپ ﷺ کے صفات آپ ﷺ کی شان کی تفصیل ہے کہ قرآن قال ہے حضور کے کمال کا۔ شعر۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط کا حباب

دن رات شام پر سویرا دوپہر صبح صادق۔ اوجیالا ایک ہی سورج کی کیفیت کا نام ہے۔ قرآن مجید کے آیات جلالی، جمالی، احکام ارکان وغیرہ اسی سورج نبوت کی کیفیات کاملہ ہیں۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ

کیا کہتے ہیں وہ کہ گھڑ لیا ہے اس کو فرما دو کہ تو لاؤ ایک سورت اس کی مثل

کیا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے بنالیا ہے تم فرماؤ تو اس جیسی ایک سورت

وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

اور بلا لو انہیں کہ طاقت رکھتے ہو تم سواء اللہ کے اگر ہو تم

لے آؤ اور اللہ کو چھوڑ کر جو مل سکیں سب کو بلاؤ اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ

سچے بلکہ جھٹلایا انہوں نے اسے کہ نہ گھیرا جس کے علم کو

سچے ہو بلکہ اسے جھٹلایا جس کے علم پر قابو نہ پایا

وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ

اور ابھی تک نہیں آیا ان تک انجام اس کا اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے

اور ابھی انہوں نے اس کا انجام نہیں دیکھا ایسے ہی ان اگلوں

قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾

پہلے تھے پس دیکھو کیسا ہوا انجام ظالموں کا

نے جھٹلایا تھا تو دیکھو ظالموں کا کیسا انجام ہوا

**تعلق**: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں اجمالاً ارشاد ہوا کہ کفار صرف اپنے ظن وگمان یا اباپ دادوں کی اندھی تقلید پر اپنے دین و مذہب کی بنیاد قائم کرتے ہیں اب اس اجمال کی تفصیل ارشاد ہورہی ہے کہ دیکھو یہ لوگ قرآن کریم کو حضور انور ﷺ کا بنایا ہوا کہتے ہیں مگر اس کا ثبوت ان کے پاس کچھ نہیں۔ بجز اپنے وہم وگمان کہ ایسا ہوا ہوگا۔ گویا یہ آیت کریمہ اس اجمال کی تفصیل ہے۔

**دوسرا تعلق**: آیت کریمہ میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ قرآن مجید انسانی کلام نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ اس کی مثل تمام جہان کے انسانوں سے نہیں بن سکتا اور جس کا مثل انسان سے نہ بن سکا وہ چیز خدائی ہوتی ہے۔ لہٰذا قرآن خدائی کتاب ہے گویا پچھلی آیت میں دعویٰ تھا اس آیت میں اس کی دلیل ہے۔

**تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں قرآن مجید کو دلائل سے کلام الٰہی ثابت کیا گیا۔ اب اس کے انکار پر ڈرایا دھمکایا جارہا ہے کہ پچھلے زمانہ میں جن لوگوں نے آسمانی کتابوں کو جھٹلایا وہ ہلاک کی گئیں اگر تم بھی یہ جرم کرو گے تو تمہارا انجام بھی یہی ہوگا۔ کیونکہ بعض لوگ دلائل سے مانتے ہیں اور بعض ڈر سے۔

**تفسیر**: ام یقولون افتراہ۔ یہاں ام بمعنی بل ہے۔ یا بمعنی واؤ ابتدائیہ خازن (یقولون) کا فاعل وہ کفار عرب ہیں جن کا ذکر پہلے سے ہورہا ہے قول سے مراد منہ سے بولنا ہے خواہ دل سے ہو یا دل کے خلاف۔ کیونکہ بعض کفار تو دل سے یہ سمجھتے تھے کہ قرآن مجید خدائی کتاب نہیں مگر اکثر اسے خدائی کتاب مانتے تھے لیکن منہ سے یہی کہتے تھے کہ حضور انور ﷺ نے خود بنائی ہے۔ اس لئے اسے یقولون فرمایا گیا تاکہ دونوں قسم کے لوگوں کو شامل ہوجائے۔ یعلمون یا یتقعون نہیں فرمایا ............ وہ لوگ کبھی تو کہتے تھے کہ کوئی شخص حضور ﷺ کو قرآن سکھا جاتا ہے کبھی کہتے تھے کہ جادو ہے۔ کبھی کہتے تھے کہ شعر ہے۔ کبھی کہتے کہ حضور انور ﷺ نے خود بنالیا ہے۔ اپنی طرف سے اس لئے قرآن کریم کی مختلف آیات میں ان کی مختلف بکواس کا ذکر ہے یہاں آخری بات نقل فرمائی گئی۔ افترا کے معنی ابھی کچھ پہلے بیان ہوچکے کہ کوئی بات گڑھ کر کسی طرف نسبت کردی جاوے کہ فلاں نے کہی ہے افتراء اس ہی لئے وہ جھوٹ ہوتے ہیں۔ کلام اور نسبت میں قل فاتوا بسورۃ مثلہ یہ ان کی مذکورہ بکواس کا جواب ہے۔ قرآن مجید کا اکثر قاعدہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ یا قرآن مجید پر جو اعتراض ہو اس کا جواب حضور انورؐ سے دلوایا جاتا ہے جو حضور انورؐ پر اعتراض ہو اس کا جواب رب تعالیٰ دیتا ہے۔ شعر۔

دشمن نے ترے جو کچھ بھی کہا اللہ نے اس کا جواب دیا
پر تو نے پلٹ کر کچھ نہ کہا تری شرم و حیا کا کیا کہنا

اس لئے یہاں قل ارشاد ہوا سورۃ آیت، منزل، رکوع وغیرہ کا فرق ہم سورہ فاتحہ کے اول میں بیان کرچکے۔ قرآن مجید کا وہ حصہ جس میں مضمون پورا ہو اور اس کا کچھ نام بھی ہو سورۃ کہلاتی ہے یہ دو قسم کی ہے مکیہ اور مدنیہ سب سے بڑی سورۃ

بقر ہے اور سب سے چھوٹی آیت ایک لفظ بلکہ ایک حرف کی بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے آلم ایک لفظ کی آیت ہے اور ص۔ ق۔ ایک ایک حرف کی آیت ہے اس لئے یہاں چھوٹی آیت کے مقابلہ کا ذکر نہیں ہوا اور نہ وہ کوئی حرف ج۔ و۔ وغیرہ بول دیتے کہ یہ بھی ایک آیت ہے ایسے ہی ج بھی ایک آیت ہے۔ مثلہ سورۃ کی صفت ہے اس میں ہ کا مرجع قرآن مجید ہے۔ سورۃ بقر میں بسورۃ من مثلہ میں ہ ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھی۔ وہاں مطلب یہ تھا کہ ان محبوب جیسی ذات سے ایک سورہ بنوا کر لاؤ۔

لکھے نہ پڑھے جناب والا شاگرد رشید حق تعالیٰ

وہاں حضور انور کی بے مثلی بیان ہوئی تھی اس لئے وہاں من مثلہ ارشاد ہوا من کے ساتھ یہاں قرآن مجید کی بے مثلی ارشاد ہوئی لہذا من نہ لایا گیا۔ (از تفسیر کبیر و خازن وغیرہ) مثل سے مراد صرف حرفوں کی ترتیب میں مثل ہونا نہیں بلکہ فصاحت، بلاغت غیبی خبروں میں مثلیت ہے۔ ورنہ سارے عربی کلام انہیں اٹھائیس حرف سے بنتے ہیں مگر حضرات انبیاء نبوت۔ علم غیب۔ قرب الٰہی وغیرہ لاکھوں صفات میں بے مثل ہوتے ہیں۔ وادعوا من استطعتم من دون اللہ۔ یہ دوسرا حکم ہے انہیں کفار کو جس میں پہلے حکم کی اہمیت دکھائی گئی ہے۔ لہذا یہ واؤ عاطفہ ہے ادعوا بنا ہے دعاء سے بمعنی پکارنا بلانا اپنی مدد کے لئے مطلقاً پکارنا مراد نہیں۔ یہاں دون بمعنی مقابل ہے بمعنی سوا۔ لہذا من دون اللہ میں ان کے بت۔ سرداران کفر۔ یہود و نصاریٰ کے بڑے بڑے جہان بھر کے عالم داخل حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام۔ مومنین۔ صالحین علماء اسلام ہرگز داخل نہیں استطعتم فرما کر یہ بتایا کہ صرف مکہ معظمہ یا طائف کے علماء کفر کی پابندی نہیں۔ دنیا بھر کے سارے کافروں علم والوں کو بلا لو۔ جہاں تک علماء تم بلا سکتے ہو۔ سبحان اللہ یہ ہے۔ اعلیٰ درجہ کی للکار اور وہ بھی وہاں جہاں فصحاء بلغاء کی بہتات تھی۔ جن کی زبان دانی فصاحت و بلاغت پر ناز تھا جو اپنے کو عرب یعنی بولنے والا کہتے تھے دوسروں کو عجم (گونگا) ان کنتم صدقین اس شرط کی جزا پوشیدہ ہے (روح المعانی) یعنی اگر تم اس خیال میں سچے ہو کہ قرآن مجید حضور انور ﷺ کی بنائی ہوئی ہے تو آجاؤ مقابلہ میں بنا لاؤ۔ ایک چھوٹی سی سورت پھر اکیلے نہیں بلکہ اپنے سارے مددگاروں کو بلا لو۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ وادعوا شھداء کم من دون اللہ ان کنتم صدقین۔ بل کذبوا بما لم یحیطو بعلمہ اس عبارت سے ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی ان کفار نے کچھ سوچ سمجھ کر قرآن کریم کا انکار نہیں کیا۔ یا کسی عام کتاب کا انکار نہیں کیا بلکہ ایسی عظیم الشان کتاب کا انکار کیا۔ جس کے علوم۔ جس کی فصاحت و بلاغت کو کما حقہ یہ جان بھی نہ سکے۔ ما سے مراد قرآن مجید ہے۔ احاطہ علمی سے مراد ہے اس کے علوم کو کما حقہ جاننا اس کی تہ تک پہنچ جانا یعنی ان لوگوں نے صرف لوگوں سے سن کر انکار کر دیا۔ اس کے علوم سے واقف ہو کر انکار نہیں کیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے ایسی کتاب کا انکار کیا۔ جس کے علوم کو انسانی عقل نہیں گھیر سکتی۔ ولما یاتھم تاویلہ یہ فرمان عالی معطوف ہے لم یحیطوا (الخ) پر اور ما کا صلہ ہے لما کے معنی ہیں اب تک نہیں۔ یہ لفظ وہاں بولا جاتا ہے جہاں ابھی کوئی چیز ہوئی تو ہو مگر ہونے کی امید ہو۔ تاویل بمعنی نتیجہ انجام یہاں مراد ہے وہ چیزیں جن کے ہونے کی قرآن مجید نے خبر دی۔ یعنی انہوں نے ایسی کتاب قرآن مجید کا انکار کیا جس کی غیبی خبریں انہیں ان

تک نہیں آئی۔ یعنی ظاہر نہیں ہوئیں۔ انہوں نے تھوڑا صبر تو کیا ہوتا۔ اس کی خبروں کا ظہور تو ہونے دیا ہوتا انہیں اس کی حقانیت روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی۔ **کذلک کذاب الذین من قبلھم** اس فرمان عالی میں انہیں ڈرانا مقصود ہے۔ اور **الذین من قبلھم** سے مراد گذشتہ ہلاک شدہ قومیں ہیں جیسے قوم نوح قوم صالح و ہود علیہم السلام اور قوم موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام۔ جھٹلانے سے مراد ہے اپنے نبیوں ان کے معجزات ان کے صحیفوں کتابوں کا انکار یعنی یہ انکار نئی چیز نہیں ہمیشہ سے کفار نبیوں کا انکار کرتے ہی رہے ہیں آپ ﷺ اس سے ملول نہ ہوں۔ **فانظر کیف کان عاقبۃ الظلمین** اگر اس میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو نظر سے مراد ہے آنکھوں سے دیکھنا۔ کیونکہ حضور انور ﷺ کی نگاہ سے کوئی گذشتہ آئندہ چیز پوشیدہ نہیں اور اگر خطاب ہر مسلمان سے ہے تو نظر سے مراد ہے غور کرنا۔ ظالمین سے مراد ہیں کفار کیونکہ کافر اپنی پر ظلم کرتا ہے **ان الشرک لظلم عظیم** عاقبۃ سے مراد ہے وہ عذاب جو ان قوموں پر آئے یعنی آپ ﷺ دیکھو تو یا اے مسلمان غور تو کر کہ ان جھٹلانے والوں کا نتیجہ کیا ہے۔ وہ ہلاک ہوئے ایسے ہی ان کا بھی انجام ہونا چاہیئے۔

**خلاصہ تفسیر:** کفار عرب کہتے ہیں کہ قرآن مجید کتاب ربانی نہیں بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنائی ہے اور رب کی طرف نسبت فرمادی کہ یہ قرآن رب کی کتاب ہے۔ اے محبوب آپ ﷺ انہیں جواب دو کہ انسانی مصنوع کی پہچان یہ ہے کہ اس کی مثل انسان بنا سکے۔ اس قاعدہ سے تم اکیلے نہیں بلکہ تمام جہان کے کفار زبان دانوں کو اپنی مدد کے لئے بلالو اور سب مل کر قران مجید کی مثل فصیح و بلیغ علوم غیبیہ پر شامل ایک چھوٹی سی سورۃ بنالاؤ۔ اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے انکار کی وجہ یہ نہیں بلکہ وجہیں دو ہیں ایک یہ کہ انہوں نے ایسے قرآن کا انکار کیا ہے جس کے علوم کا یہ احاطہ نہ کر سکے نہ کوئی انسان احاطہ کر سکتا ہے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے قرآن مجید کو کماحقہ سمجھ لیا۔ دوسری یہ کہ ابھی تک قرآن مجید کی غیبی خبریں ان پر ظاہر نہ ہوئیں۔ یہ تھوڑا صبر تو کرتے۔ پھر دیکھتے کہ اس کی خبریں کس درجہ صحیح ہوتی ہیں ان سے پہلے بھی کفار نے اپنے نبیوں ان کے معجزات ان کی کتابوں صحیفوں کا انکار کیا۔ دیکھو ان ظالموں کا انجام کیا ہوا سب ہلاک کئے گئے یہ ہی نتیجہ ان کا ہونا ہے۔ خیال رہے کہ قرآن مجید نے کفار مکہ سے چھ موقعوں پر چھ مطالبے کئے (۱) پورے قرآن بنانے کا مطالبہ کہ فرمایا۔

**قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتو بمثل ھذا القران لایاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا** (۲) دس سورتیں بنانے کا مطالبہ کہ فرمایا **فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریات** (۳) ایک چھوٹی یا بڑی سورۃ بنانے کا مطالبہ کہ فرمایا **فاتوا بسورۃ مثلہ** (۴) قرآن جیسی ایک بات بنانے کا مطالبہ کہ فرمایا **فلیاتوا بحدیث مثلہ** (۵) حضور ﷺ جیسی ہستی کی مثل سے ایک چھوٹی سورت بنوانے کا مطالبہ **فاتوا بسورۃ من مثلہ** (۶) اس ایک سورۃ بنانے کے لئے سب سے امداد لینے کی اجازت کہ ایک سورۃ کے بنانے میں اپنے علماء بتوں سرداروں کی مدد لے لو **وادعوا شھداء کم من دون اللہ** (الخ) (تفسیر کبیر) ان مطالبوں کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے پورے قرآن بنانے کا مطالبہ ہوا پھر فرمایا اچھا دس سورتیں بنالاؤ پھر فرمایا اچھا ایک بڑی سورہ ہی بنالاؤ پھر فرمایا اچھا سب مل کر ایک چھوٹی سی سورۃ بنالاؤ۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** جھوٹے کو اپنی بات کا اعتبار نہیں ہوتا وہ ایک بات پر نہیں ٹھہرتا کبھی کچھ کہتا ہے کبھی کچھ اسے یاد ہی نہیں رہتا کہ میں نے کہا کیا تھا۔ یہ فائدہ افتـــرا سے حاصل ہوا کہ وہ لوگ حضور انور ﷺ کو کبھی دیوانہ کہتے تھے کبھی جادو کیا ہوا کبھی جادوگر کبھی افترا کرنے والا۔ حالانکہ دیوانہ اور سحور بے عقل ہوتے ہیں۔ اور مفتری بڑے عاقل۔

**دوسرا فائدہ:** انسانی مصنوع کی پہچان یہ ہے کہ انسان اس کی مثل بنا سکے جس کی مثل انسان سے نہ بن سکے وہ خدائی چیز ہے۔ یہ فائدہ فاتوا بسورۃ مثلہ سے حاصل ہوا۔ ہم اس کی تحقیق پہلے پارہ میں من مثلہ والی اس آیت کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ دیکھو انجن ہوائی جہاز کو ہم انسانی صنعت مانتے ہیں اور چیونٹی کو خدائی صنعت اس قاعدے سے کہ ہوائی جہاز اپنے بڑا ہونے کے باوجود انسان سے بن سکتا ہے مگر چیونٹی حالانکہ بہت چھوٹی ہے مگر کسی انسان سے نہیں بن سکتی۔

**تیسرا فائدہ:** قرآن مجید بے مثل کتاب ہے لہٰذا حضور انور ﷺ بھی بے مثال نبی ہیں بلکہ حضورؐ کی ازواج مطہرات بے مثال بیبیاں یا نساء النبی لستن کاحد من النساء بلکہ حضور ﷺ کی امت بے مثل امت ہے کنتم خیر امۃ یہ فائدہ فاتو بسورۃ مثلہ۔ سے حاصل ہوا۔ سورہ بقرہ میں بسورۃ من مثلہ۔ ارشاد ہوا یہاں قرآن مجید کی بے مثالی ارشاد ہوئی اور وہاں حضور انور ﷺ کی بے مثالی

**چوتھا فائدہ:** امر ہمیشہ واجب کرنے کے لئے نہیں ہوتا کبھی عاجز کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے۔ یہ فائدہ بھی فاتوا بسورۃ (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو قرآن مجید کی مثل ناممکن ہے مگر اس کے بنانے کا مطالبہ امر کے صیغہ سے ہوا تاکہ کفار کو اپنا عجز معلوم ہو۔

**پانچواں فائدہ:** کوئی کتاب صرف عربی ہونے اٹھائیس حرفوں سے بننے رسم الخط یکساں ہونے کی وجہ سے قرآن کی مثل نہیں ہوسکتی بلکہ فصاحت بلاغت غیبی خبریں عالی مضامین میں مشابہت چاہئے جو ناممکن ہے۔ ایسے ہی کوئی شخص انسانیت۔ ظاہری اعضاء اور کھانے پینے کی وجہ سے حضور انور کا مثل نہیں ہوسکتا حضور ﷺ کی مثلیت کے لئے خاتم النبیین۔ سید المرسلین شفیع المذنبین وغیرہ ہونا ضروری ہے اور وہ ناممکن ہے حضور انورؐ کا اور قرآن کریم کا مثل ایسا ہی ناممکن ہے۔ جیسے رب تعالیٰ کا مثل۔ ہم نے عرض کیا۔ شعر۔

کوئی مثل ان کا ہو کس طرح وہ ہیں سب کے مبداء منتہی
نہیں دوسرے کی یہاں جگہ کہ یہ وصف دو کو ملا نہیں

سب سے اول سب سے آخر سب کا سردار سب کا بخشوانے والا ایک ہی ہوسکتا ہے۔ اس وصف میں شرکت کی گنجائش نہیں۔ یوں ہی سب سے آخری کتاب سب کی ناسخ کتاب صرف ایک ہی ہوسکتی ہے زیادہ نہیں۔

**چھٹا فائدہ:** غیر اللہ کی مدد لینا اسے مدد کے لئے پکارنا نہ شرکت ہے نہ حرام بلکہ بالکل جائز ہے۔ یہ فائدہ وادعوا من استطعتم الخ سے حاصل ہوا کہ رب نے کفار کو اجازت دی کہ وہ اپنے مدد کے لئے اپنے سرداروں زبان والوں کو بلالیں اور

قرآن کی مثل بنوائیں۔ اگر یہ شرکت ہوتا تو رب تعالیٰ اس کی اجازت نہ دیتا۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق اول میں ملاحظہ کرو و قالو کا امر عجز کے لئے ہے وادعوا کا ہر عجز کے لئے بھی نہیں کیونکہ کفار اپنے پادریوں کو بلانے سے عاجز نہ تھے یہ صرف اجازت کے لئے ہے اور شرکت کی اجازت بھی بری ہے۔

**ساتواں فائدہ:** قرآن مجید میں عموماً لفظ من دون اللہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے مقابلوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس کے محبوبوں کے لئے نہیں۔ یہ فائدہ من دون اللہ سے حاصل ہوا کہ یہاں سے نبی ولی صحابہ کرام مراد نہیں بلکہ کفار کے سردار مراد ہیں ولی اللہ اور ولی من دون اللہ کا یہی فرق ہے۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب اسلام کی چار اصولی اصطلاحوں میں مطالعہ کرو۔

**آٹھواں فائدہ:** کوئی شخص قرآن مجید کے علوم کا احاطہ نہیں کر سکتا یعنی اس کے سارے علوم پر پورا پورا مطلع نہیں ہو سکتا خواہ کتنی ہی کوشش کرے قرآن ایک سمندر ناپیدا کنار ہے یہ فائدہ بما لم یحیطوا بہ علما سے حاصل ہوا یوں ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کماحقہ کوئی نہیں جان سکتا۔ امام بوصیری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔ من نقطة العلم او من شكلة الحكم غرفا من البحر او رشفا من الديم من رسول الله ملتمس وواقفون به عند حدهم۔

یعنی سارے نبیوں رسولوں نے حضور ﷺ کے سمندر سے ایک چلو یا حضور ﷺ کی بارش سے ایک چھینٹا حاصل کیا حضور ﷺ کی خدمت میں سب نبی اپنی حدوں پر کھڑے ہیں۔ آپ ﷺ کے علم ایک لفظ یا آپ ﷺ کی حکمتوں سے ایک حکمت حاصل کر رہے ہیں۔

**نواں فائدہ:** قرآنی خبریں ساری برحق ہیں اگرچہ ان میں سے بعض کا ظہور دیر سے ہو۔ دیر ہونے پر انکار نہ کرنا چاہئے۔ یہ فائدہ ولما یاتهم تاويله سے حاصل ہوا۔

**پہلا اعتراض:** قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہوا لاتدعوا من دون اللہ۔ خدا کے سوا کسی کو نہ پکارو اور یہاں فرماتا ہے وادعوا من استطعتم من دون اللہ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

**جواب:** وہاں تمہاری پیش کردہ آیت میں لاتدعوا کے معنی ہیں نہ پوجو یعنی خدا کے سوا کسی کو نہ پوجو۔ یعنی دعا کے اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں اور علم القرآن میں مطالعہ کرو۔

**دوسرا اعتراض:** قرآن مجید کے مقابلہ کی کوشش کرنا اس کے لئے دوسروں سے مدد لینا تو کفر ہے پھر رب تعالیٰ نے اس کا حکم اور اس کی اجازت کیوں دی۔

**جواب:** ان کا عجز ظاہر کرنے کے لئے اور عجز کا ظہور ان کے ایمان کا ذریعہ بنے گا جیسے موسیٰ علیہ السلام نے مقابلہ کے وقت جادوگروں کو ابتداءً جادو کرنے کی اجازت بلکہ حکم دیا القوا ما انتم ملقون حالانکہ جادو حرام یا کفر ہے۔ جس کی اجازت نہیں دی جا سکتی وہاں بھی عجز ظاہر کرنا مقصود تھا۔

**تیسرا اعتراض:** قرآن مجید میں لفظ دون بمعنی سوا آتا ہے۔ ما تعبدون من دون اللہ یہاں بھی اس کے معنی ہونے

چاہئیں کہ اللہ کے سواء سب کو مدد کے لئے بلالو۔ خواہ وہ اللہ کے سواء۔ یہاں تمام ہی انسانوں کو چیلنج دیا گیا ہے کیونکہ دون سب کو شامل ہے خواہ وہ اللہ کے اپنے ہوں یا غیر یا دشمن سب کو مدد کے لئے بلالو۔ خواہ وہ اللہ کے اپنے ہوں یا غیر یا دشمن۔

**جواب:** لفظ دون کی اصل وضع مقابل یا دور کے لئے ہے۔ کبھی بمعنی سواء آ جاتا ہے جب کہ دشمن یا مقابل میں سوار ہو۔ خدا کے سواء جس کی عبادت کی جاوے گی وہ اللہ کا مقابل ہی ہوگا۔

**چوتھا اعتراض:** جیسے کفار کو قرآن کے مقابلے کے لئے للکارا گیا ہے۔ کیا توریت وانجیل کے مقابلہ کے لئے للکارا گیا تھا۔ کیا ان کی مثل بنانا بھی انسانی طاقت سے باہر تھا۔ اگر نہ تھا تو وہ کلام الہی کیسے ہوئیں اور اگر تھا تو لوگوں نے اس میں خلط ملط کیسے کر دیا۔ لوگوں کی ملاوٹی آیتیں اصلی آیات سے مشابہ کیسے ہو گئیں۔

**جواب:** حق یہ ہے کہ ان کتابوں کی عبارت معجزہ نہ تھی۔ اس لئے کسی کو ان کتابوں کے مقابلہ کی دعوت نہ دی گئی تھی۔ اگر چہ مقابلہ اس کا بھی ناممکن تھا۔ نیز اس زمانہ میں لوگ فصاحت و بلاغت کے ایسے ماہر نہ تھے جیسے حضور کے زمانہ کے کفار لہذا انہیں دعوت مقابلہ دینا درست نہ تھا ان زمانوں میں جس چیز کا زور تھا اس قسم کے معجزے نبیوں کو دیئے گئے اور لوگوں کو ان کے مقابلہ کی دعوت دی گئی جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طلب کا زور تھا۔ یوں کہو کہ ان کتابوں کا مثل بھی ناممکن تھا کیونکہ وہ کلام الہی تھیں۔ مگر جو آیات لوگوں نے ملائیں وہ دوسروں پر ان کی بے علمی کی وجہ سے مشتبہ ہو گئیں واقعہ میں ان کتابوں کے مشابہ نہ تھیں۔ جیسے آج کوئی عربی دان دیہاتیوں کے سامنے اپنی عربی عبارت آیات قرآنیہ سے ملا کر پڑھے اور کہہ دے کہ یہ سب قرآن ہے اور وہ پاکستانی دیہاتی فرق نہ کر سکیں۔ بے مثل ہونا اور بات ہے اور بے مثل معلوم کرنا کچھ اور۔ یہ جواب خیال میں رہے۔

**تفسیر صوفیانہ:** جیسے قرآن مجید فصاحت بلاغت علوم غیبیہ میں بے مثال ہے کہ اس کی مثل ناممکن ہے۔ ایسے ہی قرآن مجید اپنے اندرونی اوصاف میں بے مثال ہے وہ مبارک ہے عزت والا ہے۔ شفاء ابدان اور شفاء ارواح ہے بغیر سمجھے تڑپا دینے والا ہے۔ ہمیشہ نیا رہنے والا ہے کہ کبھی پرانا نہیں پڑتا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا ہے کہ اے حضور نبی رب سے لیا ہے مخلوق کو دیا ہے۔ اس نے قرآن کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے فرماتا ہے۔ فانما یسرناہ بلسانک لتبشر به المتقین مبارک ایسا کہ جس مہینہ میں قرآن آیا وہ مہینہ رمضان مبارک جس رات آیا وہ رات مبارک یعنی شب قدر۔ جو فرشتہ قرآن لایا وہ مبارک یعنی جبریل جس نبی پر آیا وہ نبی مبارک جس زمین پر آیا وہ زمین مبارک جس عالم کے سینہ میں رہے وہ سینہ مبارک جس زبان پر رہے وہ زبان مبارک جس کی موت قرآن پر ہو وہ موت مبارک یہ ہی حال اس کی عزت کا ہے جو قوم اسے اپنا لے وہ عزت پائے جو اسے چھوڑے ذلیل ہو جائے۔ شعر۔

وہ معزز تھے زمانہ میں مسلمان ہو کر اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

یہ ہی حال اس کی تمام مذکورہ صفات کا۔ اس بنا پر ارشاد ہوا کہ لاؤ ایسا کلام جس میں یہ صفات ہوں جیسے قرآن مجید ان صفات کی بنا پر بے مثال ہے۔ ایسے ہی صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لاکھوں صفات کی بنا پر بے مثال ہیں کہ

آپ ﷺ کا مثل ناممکن ہے۔

لائیں تو یہ دوسرا اور کوئی دوسرا جس کو یہ رتبہ ملا تم پر کروڑوں درود

جیسے ہمارے قرابت دار بہت ہو سکتے ہیں مگر ماں باپ صرف ایک ایسے ہی انبیاء اولیاء بہت ہوئے مگر خاتم الانبیاء صرف ایک کہ ماں باپ سے ہمارا جسم بنا حضور انورؐ سے سارا عالم بنا۔ ان کفار نے قرآن مجید کا اس لئے انکار کیا کہ وہ اس کے علوم تک نہ پہنچ سکے صرف الفاظ ہی دیکھتے رہے یوں ہی حضور انورؐ کو اپنا مثل کہنے والے صرف کھانا پینا سونا جاگنا دیکھ کر یہ کہہ بیٹھے۔ حضورؐ کے یہ ظاہری صفات ان کی بصیرت کے لئے آڑ بن گئے۔ یہ آڑ ہٹ جائے تو لطف آ جائے گا۔ شعر۔

کفر و اسلام کے جھگڑے ترے چھپنے سے بڑھے

تو اگر پردہ اٹھا دے تو تو ہی ہو جائے

اللہ کرے کوئی پردہ اٹھانے والا مل جائے۔ اقبال کہتے ہیں۔ شعر۔

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردہ میم کو اٹھا کر وہ بزم امکاں میں لاکھ بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

| |
|---|
| وَمِنْهُم مَّن يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُم مَّن لَّا يُؤْمِنُ بِهِ |
| اور ان میں سے وہ ہیں جو ایمان لائیں گے اس پر اور ان میں سے وہ ہیں جو ایمان نہ |
| اور ان میں کوئی اس پر ایمان لاتا ہے اور ان میں کوئی اس پر ایمان نہیں لاتا ہے |
| وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٤٠﴾ وَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل ع |
| لائیں گے اس پر اور آپ کا رب خوب جانتا ہے فسادیوں کو اور اگر جھٹلائیں وہ آپ کو |
| اور تمہارا رب مفسدوں کو خوب جانتا ہے اور اگر وہ تمہیں جھٹلائیں تو فرما دو |
| لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنتُم بَرِيئُونَ مِمَّا |
| تو فرما دو کہ میرے لیے میرا عمل ہے تم بری اس سے جو کرتا ہوں میں |
| کہ میرے لیے میری کرنی اور تمہارے لیے تمہاری کرنی تمہیں میرے کام سے |
| أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٤١﴾ |
| اور میں بری ہوں اس سے جو کرتے ہو تم |
| علاقہ نہیں اور مجھے تمہارے کام سے تعلق نہیں |

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار مکہ کا موجودہ حال بیان ہوا کہ وہ قرآن کو بغیر سوچے اور بغیر اس کی خبروں کا انجام دیکھے جھٹلاتے ہیں اب انہیں کفار کا آخری حال و انجام بیان ہو رہا ہے کہ ان میں سے بعض لوگ ایمان لائیں گے گویا ان کے موجودہ کفر کے بعد ان کے آئندہ ایمان یا بقاء کفر کا ذکر ہے۔ یہ تعلق اس صورت میں ہے جب کہ یہاں یومن سے مراد ہو آئندہ ایمان لانا۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ارساد ہوا تھا کہ کفار مکہ نے قرآن مجید کو جھٹلا دیا۔ اب ارشاد ہے کہ ان میں سے بعض نے دل سے مانا صرف زبان سے جھٹلایا اور بعض نے دل سے بھی جھٹلایا یہ تعلق جب ہے جب کہ یومن سے مراد ہو موجودہ ایمان یعنی پہچان۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ گذشتہ ظالم قوموں کے انجام میں غور کرو کہ وہ کیسے ہلاک ہوئیں۔ جس سے شبہ ہوتا تھا کہ یہ بھی ہلاک ہو جائیں گے۔ اب ارشاد ہے کہ ایسا نہ ہوگا ان پر فنا کر دینے والا عذاب نہ ہوگا۔ کیونکہ ان میں سے بعض لوگ ایمان لائیں گے۔ اگر ہلاک کر دیئے جاویں تو ایمان کیسے لائیں۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر: ومنهم من يومن به ومنهم من لا يومن به اس فرمان عالی کی چند تفسیریں ہیں ایک یہ کہ دونوں صیغے یومن اور لا یومن بمعنی حال ہیں اور ایمان سے مراد ہی لغوی ایمان یعنی جاننا پہچاننا اور منهم میں هم سے مراد یا مشرکین مکہ ہیں یا سارے کفار عرب جن میں یہود و نصاریٰ بھی داخل ہیں به سے مراد قرآن مجید ہے جس کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن کا ذکر قرآن مجید کے ذکر کے ضمن میں ہوا۔ (دیکھو تفسیر مدارک، تنویر المقباس، بیضاوی کبیر وغیرہ) (۱) یعنی ان مشرکین مکہ یا کفار عرب میں سے بعض تو وہ ہیں جو دل سے قرآن کریم اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت مانتے ہیں مگر ضد اور حسد کی وجہ سے ان کے انکاری ہیں يعرفونه كما يعرفون ابناء هم اور بعض وہ عام کفار ہیں جو محض اپنے سرداروں کے کہنے میں آ کر قرآن کریم اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دل سے ہی نہیں مانتے۔ کبھی ان کے صفات عالیہ میں غور نہیں کرتے (۲) یا ان مشرکین و کفار میں سے بعض تو وہ ہیں جو آگے چل کر قرآن یا صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے اور اسلام کی بڑی بڑی خدمتیں کریں گے جیسے حضرت خالد بن ولید اور عکرمہ ابن ابو جہل۔ ابو سفیان۔ ہندہ وغیرہم اور بعض وہ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے کفر پر مریں گے یا مارے جائیں گے۔ جیسے ابولہب اور ابو جہل اور امیہ بن خلف وغیرہم اس صورت میں یہ غیبی خبر ہے جو ہو بہو پوری ہو کر رہی۔ دنیا نے دیکھ لیا وربک اعلم بالمفسدين یہ دوسرا نیا فرمان ہے یہاں المفسدين سے مراد کفر پر مرنے والے کفار ہیں کہ اصل فسادی وہ ہیں جنہوں نے اپنی فطرت بگاڑی۔ علم سے مراد غضب و قہر کے لئے جاننا تا کہ انہیں عذاب دیا جاوے لہٰذا آیت بالکل واضح ہے۔ یعنی اے محبوب ہم ان فسادی کفار کو خوب جانتے ہیں انہیں سخت سزائیں دیں گے۔ حقانیت قرآن کے تمام دلائل بیان فرمانے کے بعد ارشاد ہوا کہ وان كذبوك اس فرمان عالی میں تکذیب سے مراد جھٹلانے پر قائم رہنا۔ ایمان اختیار نہ کرنا۔ اس کا فاعل وہ ہی کفار عرب یا مشرکین مکہ ہیں جن سے اب تک خطاب ہو رہا ہے چونکہ ان میں بعض تو آگے چل کر ایمان قبول کرنے والے تھے بعض نہیں

اس لئے یہاں ان فرمایا گیا۔ یعنی جو لوگ ایمان قبول کرلیں وہ تو آپ ﷺ کے اپنے ہو گئے۔ اس طرح کہ آپ ﷺ کو نیکوں سے انہیں بھی نفع ہو گا۔ ان کی نیکیوں سے آپ ﷺ کا ثواب بھی بڑھے گا۔ کیونکہ وہ نیکیاں آپ کی تعلیم سے ہیں ان کے گناہ آپ ﷺ کی شفاعت سے بخشے جائیں گے۔ رہے وہ لوگ جو آپ ﷺ کو جھٹلاتے ہی رہے ایمان لائے ہی نہیں ان سے دو باتیں فرمادیں۔ ایک یہ کہ **فقل لی عملی ولکم عملکم**۔ یہاں لام کے بعد جزاء، اور لکم کے بعد عتاب پوشیدہ ہے۔ لی اجور لکم میں لام لزوم کے لئے ہے نہ کہ نفع کے لئے کہ کفار کو ان کے اعمال کا نفع نہیں ملتا۔ سزا ملتی ہے نیکیاں برباد ہوتی ہیں عمل سے مراد مطلق عمل ہیں۔ خواہ دل کے ہوں یا اعضاء ظاہری کے۔ یا مال اعمال یعنی تو آپ ﷺ ان سے فرما دو کہ میرے اعمال کا ثواب میرے لئے ہے تمہیں ان سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ کیونکہ تم میرے نہ بنے کافر قرابت داروں کو نہ مال کی میراث ملے نہ اعمال کی نہ احوال کی نہ کمال کی اور تمہارے گناہوں کی سزا صرف تم کو ملے گی اس کے متعلق مجھ سے باز پرس نہ ہو گی۔ کیونکہ میں مکمل تبلیغ کر چکا۔ دوسری بات یہ کہ **انتم بریئون مما اعمل وانا بری مما تعملون** بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ فرمان عالی پہلے کلام کی تفسیر یا تاکید ہے۔ بعض نے فرمایا کہ پہلے فرمان سے نیک اعمال مراد تھے۔ حضور انور ﷺ کے واقعی نیک اعمال اور کفار کی وہ نیکیاں جنہیں وہ نیکی سمجھتے اور کرتے تھے اور اس فرمان میں برے اعمال یعنی گناہ مراد ہیں وہ مردود دین حضور انور ﷺ کی توحید عبادات اور تبلیغ کو گناہ کہتے تھے اور اپنے بدکرداریوں کو گناہ سمجھتے تھے تو مطلب کہ تم میرے گناہوں سے بری ہو تم سے ان کا حساب نہ ہو گا اور میں تمہارے گناہوں سے بری (از روح البیان و کبیر وغیرہ)

**خلاصہ تفسیر:** ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ان آیتوں کی بہت تفسیریں ہیں۔ ہم ایسا خلاصہ عرض کرتے ہیں جس میں ان سب کا تذکرہ آجائے گا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین مکہ یا کفار عرب جو اس وقت بہت جوش میں ہیں یہ سارے کافر رہیں گے نہیں بلکہ بعض ایمان قبول کرلیں گے اور اسلام کی بڑی خدمات انجام دیں گے اور بعض کفر پر مریں گے یا مارے جائیں گے یا ان کفار میں بعض وہ ہیں جو صرف زبان کے کافر ہیں دل سے آپ ﷺ کو سچا قرآن کو برحق جانتے ہیں۔ حسد اور عناد کی وجہ سے انکار کئے جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو غور و خوض کرتے ہیں۔ صرف اپنے سرداروں سے سن کر دل سے آپ ﷺ کے انکاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے فسادیوں کو خوب جانتا ہے انہیں سخت سزا دے گا۔ ان دونوں فریق میں سے جو ضدی دل سے انکاری ہیں یا جو کفر پر اڑے ہوئے ہیں ان سے فرمادو کہ تم مجھ سے کٹ گئے لہٰذا میرے لئے میرے عمل کی جزا ہے تمہیں مجھ سے اور میرے عمل سے فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اور تم کو تمہارے اعمال کی سزا ملے گی۔ نہ میری شفاعت سے وہ بخشے جاویں نہ مجھ سے ان کے متعلق باز پرس ہو۔ کیونکہ میں نے تم کو پوری تبلیغ کردی تم میرے اعمال سے بری ہو میں تمہارے اعمال سے بری اور بیزار ہوں۔

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** قرآن مجید کی غیبی خبریں بالکل حق ہیں۔ جیسا فرمادیا ویسا ہو کر رہا یہ فائدہ **من یومن** اور **من لا یومن** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ ایمان سے مراد ہو شرعی ایمان اور **یومن** کے معنی ہوں ایمان قبول کرلیں گے۔ واقعی بہت

کفار و مشرکین بعد میں ایمان لائے اور بعض اس سے محروم رہے۔

**دوسرا فائدہ:** اکثر کفار حضور انور ﷺ کی صداقت قرآن مجید کی حقانیت کے دل سے قائل تھے کچھ لوگ قائل نہ تھے۔ یہ فائدہ منهم من یومن به کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ ایمان سے مراد ہو لغوی ایمان یعنی دل سے قائل ہونا مراد ہو۔ اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے یعرفونه کما یعرفون ابناء هم۔

**تیسرا فائدہ:** اگر حضور ﷺ کی الفت اور جذبہ اطاعت دل سے نہ ہو تو دل سے سچا مان لینا شرعی ایمان کے لئے کافی نہیں نہ اس سے نجات ہو۔ یہ فائدہ بھی یومن به کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا دیکھو قرآن مجید ان کی دلی پہچان کی خبر دے رہا ہے اور پھر انہیں کافر بھی کہہ رہا ہے آج بہت سے غیر مسلم سکھ ہندو بلکہ عیسائی حضور انور ﷺ کی نعتیں بہت شاندار لکھتے ہیں مگر رہتے ہیں ہندو۔ کیونکہ تسلیم اور اطاعت و اقرار سے علیحدہ ہیں۔

**چوتھا فائدہ:** بفضلہ تعالیٰ مومنوں کو حضور انور ﷺ کے اعمال طیبہ طاہرہ سے فائدہ پہنچتا ہے اور قیامت تک جو قیامت کے بعد تک پہنچے گا۔ کفار اس سے محروم ہیں یہ فائدہ فقل لی عملی سے حاصل ہوا۔ کہ لی عملی کو متعلق کیا گیا ان کذبوک پر حضور ﷺ کی نیکیاں ہم گنہگاروں کا ان شاء اللہ بیڑا پار کریں گی۔ حضور انور ﷺ نے اپنی امت کی طرف سے قربانی بارہا کی ہمارے لئے رات کو جاگ کر رو رو کر شفاعت فرمائی اور قیامت میں فرمائیں گے۔

**پانچواں فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بری اور بے تعلق نہیں ان شاء اللہ ان کی نیکیاں قبول کراتے اور ان کے گناہ بخشواتے ہیں۔ بلکہ اس کے ذمہ دار ہیں رب فرماتا ہے علیه ما عنتم تمہارے تکلیفی اعمال ان کے ذمہ کرم پر ہے (روح البیان علیه ما عنتم کی تفسیر) رب فرماتا ہے کہ کفار کے مال و اعمال کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھو۔ اور فرماتا ہے مومنوں سے پل بھر کے لئے نگاہ نہ پھیرو انہیں اپنی نگاہ میں اپنے دامن کرم میں رکھو۔ ولا تعد عینک عنهم اور فرماتا ہے۔ واخفض جناحک للمومنین اگر ایک آن کے لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے آنکھ پھیر لیں تو ہمارا ٹھکانہ کہیں نہ لگے۔ رب تعالیٰ ہم کو ان کی نظر کرم میں رکھے۔

مانگ لے ان سے درد جگر مانگ لے ‏ ‏ ‏ ‏ مانگ لے مانگ لے چشم تر مانگ لے
پیارے آقا کی نگری میں گھر مانگ ‏ ‏ ‏ ‏ مانگ لے ان کی میٹھی نظر مانگ لے

**پہلا اعتراض:** من یومن به کی ایک تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض کفار مومن تھے۔ مگر دوسری آیت میں ارشاد ہے هم الکافرون حقا سارے ہی پکے کافر ہیں۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

**جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا۔ کہ یہاں ایمان سے لغوی ایمان مراد ہے اور وہاں کفر سے شرعی کفر مراد ہے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بہ یک وقت لغوی مومن اور شرعی کافر ہو **دوسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ صرف فسادیوں کو خوب جانتا ہے اعلم المفسدین تو کیا وہ مومنوں متقیوں کو نہیں جانتا۔

**جواب:** جاننا غضب کے لئے بھی ہوتا ہے اور رحمت و کرم کے لئے بھی رب تعالیٰ ان فسادیوں کو غضب و قہر کے لئے جاننا

ہے۔ مومنوں کو رحم و کرم کے لئے نیز اس آیت میں حصر کا کوئی لفظ نہیں جس کے معنی ہوں کہ وہ صرف فسادیوں کو ہی جانتا ہے۔

**تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کا عمل دوسرے سے کام نہیں آتا۔ اپنی کرنی اپنی بھرنی۔ دیکھو ارشاد ہوا کہ **لی عملی ولکم عملکم** میرے لئے میرے کام ہیں اور تمہارے لئے تمہارے کام۔ جب نبی کے عمل امت کے کام نہیں آتے تو امت کے ایک دوسرے کے عمل کسی کے کیسے کام آسکتے ہیں۔ لہٰذا ثواب بخشنا کسی کی طرف سے حج بدل کرنا سب ناجائز ہے۔

**جواب:** اس اعتراض کا تفصیلی جواب ہم تیسرے پارے میں **ماکسبت وعلیھا ما اکتسبت** کی تفسیر میں دے چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ خطاب کفار سے ہے اس لئے ارشاد ہے۔ **وان کذبوک فقل لی عملی** واقعی نبی کے اعمال کفار کے کام نہ آئیں گے۔ کنعان نبی زادہ تھا مگر کافر تھا تو کشتی نوح اس کے کام نہ آئی مومنوں کے کام آئی۔ مومنوں کے کام آئی کشتی بھی تو حضرت نوح علیہ السلام کا عمل ہی تھی۔

**چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی امتی سے بے تعلق ہیں۔ اور امتی نبی سے بے تعلق پھر تم کیوں نبی پر بھروسہ کئے بیٹھے ہو (وہابی)

**جواب:** افسوس ہے کہ معترض یہ لفظ نہیں دیکھتا **وان کذبوک** جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ جو نبی جھٹلائے اس سے نبی بے تعلق ہیں نہ کہ مومنوں سے۔

**تفسیر صوفیانہ:** انسان اللہ تعالیٰ کی صفت ہدایت اور صفت اضلال کا مظہر ہے۔ لہٰذا اعلیٰ سے اعلیٰ چیز سے سارے انسان ہدایت و فائدہ نہیں پاتے کچھ فائدے پاتے ہیں کچھ نقصان۔ سورج سے ساری آنکھیں روشنی نہیں پائیں گی۔ نہ بارش سے ساری زمین سبزہ حاصل کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان ہدایت کے سورج ہیں قرآن مجید اسلام اور اسلام کے سارے احکام فرمان حضور کی شعاعیں یا حضور انور رحمت کا بادل ہیں قرآن مجید وغیرہ آپ ﷺ کی بارش آپ ﷺ سے اور آپ ﷺ کی شعاعوں اور بارش سے سب نے فائدہ نہ اٹھایا۔ رب نے یہاں فرمادیا کہ سب اس سے ہدایت نہیں پائیں گے۔ بعض ایمان لائیں گے بعض نہ لائیں گے۔ رب تعالیٰ فسادیوں کو جانتا ہے۔ جس کسی کے دل میں فساد کفر شرک کا تخم بویا ہوا ہے۔ قرآنی بارش سے وہ ہی تخم اگے گا۔ شعر۔

کوئی جان بس کے مہک رہی کسی دل میں اس سے کھٹک رہی
نہیں ان کے جلوے میں یک رہی کہیں پھول ہے کہیں خار ہے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ بڑا بدنصیب وہ ہے کہ حضور انور کے اعمال میں جس کا حصہ نہ ہو انشاء اللہ حضور ﷺ کی نیکیاں سارے مومنوں کا بیڑا پار کریں گی۔ ان کے لئے فرمایا گیا۔ **لی عملی ولکم عملکم**۔ شعر۔

ہاتھ اٹھا کر ایک ٹکڑا اے کریم ہیں سخی کے مال میں حقدار ہم

سخی کے مال میں فقیروں کا حق ہوتا ہے۔ جواد رئوف و رحیم کے اطفال ہیں۔ ہم سیاہ کاروں کا ان شاء اللہ حصہ ہے اور ضرور ہے اس سے بھی بڑھ کر بدنصیب وہ ہے جس سے نبی بیزار یا بے تعلق ہو جائے گا۔ اگر بجلی کا تار کٹ جائے تو ساری فٹنگ بے کار ہے۔ اگر حضور انور سے غلامی کا رشتہ ٹوٹ جاوے تو شیطان کی طرح ساری عبادت محض بے کار ہیں ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون اسی کے متعلق ارشاد ہوا وانا بری مما تعملون حضور انور ﷺ کو ہمارے نیک اعمال سے تعلق ہے قبول کرانے کا اور ہمارے گناہوں سے تعلق ہے بخشوانی کا نہ نیک کاران سے بے نیاز ہے نہ ہم جیسے سیہ کار بدکار۔ ہم تو ہیں ہی ان کے منگتے۔ ہمارا کام ہی مانگنا کھانا ہے۔ وہاں تو حال یہ ہے کہ۔ شعر۔

منگتے تو ہیں منگتے کوئی شاہوں میں دکھا دو جس کو مری سرکار سے ٹکڑا نہ ملا ہو

گنہگارو ان کے قدموں سے لپٹے رہو۔ ممکن ہے کہ ہماری گنہگاری ہی ان کی رحمت کا ذریعہ بنے۔ اقبال کہتے ہیں۔ شعر۔

دھری ہوئی کام آہی جاتی ہے جنس عصیاں عجیب شے ہے
کوئی اسے ڈھونڈتا پھرے گا زر شفاعت دکھا دکھا کر

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ

اور بعض ان کے وہ ہیں جو کان لگاتے ہیں طرف آپ کے کیا پس آپ سنائیں گے

اور ان میں کوئی وہ ہیں جو تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو کیا تم بہروں کو سنا دو

وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ

بہروں کو اگرچہ ہوں وہ نہ عقل رکھتے اور بعض ان کے وہ ہیں جو دیکھتے ہیں طرف

گے اگرچہ انہیں عقل نہ ہو اور ان میں کوئی تمہاری طرف

اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

آپ کے کیا پاس آپ ہدایت منوالیں گے اندھوں کو اگرچہ ہوں وہ نہ دیکھتے

تکتا ہے کیا تم اندھوں کو راہ دکھا دو گے اگرچہ وہ نہ سوجھیں

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا۔ کہ قرآن مجید پر بعض لوگ ایمان لائیں گے بعض نہ لائیں گے۔ اب فرمایا جا رہا تھا کہ ایمان نہ لانے والے کون لوگ ہیں وہ وہ ہیں جو آپ ﷺ کو اے محبوب بصیرت سے نہیں صرف بصارت سے دیکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کی باتیں صرف سر کے کان سے سنتے ہیں دل کے کان سے نہیں سنتے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ میں تم سے بری ہوں۔ اب اس کی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ اے محبوب انہوں نے تم کو اپنے دل میں نہیں رکھا۔ گویا پہلے عتاب تھا اب اس کی وجہ کا بیان ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ان بدنصیبوں کا ذکر ہوا جو حضور انور ﷺ کو جھٹلاتے ہیں اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ وہ بے بصیرت بھی ہیں اور بے عقل بھی۔ آپ ﷺ کو تو جانور پتھر۔ ککر۔ لکڑیاں بلکہ چاند سورج تارے جانتے مانتے اطاعت کرتے ہیں یہ ان سے بھی بدترین ہیں۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں انسانوں کی دو قسمیں کی گئیں مومن اور کافر اب کافروں کی دو قسمیں کی جا رہی ہیں ایک انتہا درجہ کے بغض و عداوت والے دوسرے ان سے ہلکے گویا اس آیت میں قسم کی قسم بیان ہو رہی ہے۔ بغض عداوت والے کی علامت یہ ہے کہ حضور ﷺ کی سن کر بھی نہ سنے اور حضور ﷺ کو دیکھ کر بھی نہ دیکھیں (تفسیر کبیر)

تفسیر: ومنهم من یستمعون الیک یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے منهم میں من بعضیت کا ہے ھم کا مرجع یا مفسدین ہیں یا من لایومن به یہ منهم کی خبر مقدم ہے اور من یستمعون مبتدا مؤخر من لفظاً واحد ہے مگر معنیٰ جمع۔ اس لئے یستمعون جمع ارشاد ہوا۔ استماع کے معنی ہیں کان لگا کر سننا سمع کے معنی ہیں سننا یستمعون کا مفعول پوشیدہ ہے یا القرآن یا تلاوتک یا وعظک یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار میں سے جو ایمان لانے والے نہیں یا ان مفسدین میں سے بعض وہ بھی ہیں جو آپ کا وعظ آپ ﷺ کی تلاوت آپ ﷺ کا قرآن بظاہر بہت ہی کان لگا کر سنتے ہیں۔ دیکھنے والا سمجھے کہ بڑے غور سے بڑی محبت سے سن رہے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے دل کے کان بہرے ہیں اس لئے ان کے دلوں میں آپ ﷺ کی آواز پہنچتی ہی نہیں۔ افانت تسمع الصم۔ اس فرمان عالی میں سوال انکاری ہے تسمع بنا ہے اسماع سے بمعنی سنانا مراد ہی قبولیت کا سنانا الصم سے مراد ہے دل کے بہرے جن کے دل میں آپ ﷺ کی حسد یا دنیا کی محبت کی وجہ سے ایسا بوجھ ہو گیا جس سے آپ ﷺ کی بات ان کے دل میں نہیں اترتی کیا آپ ﷺ ایسے بہروں کو سنا سکتے ہیں۔ خصوصاً ولو کانوا لا یعقلون وہ بے عقل بھی ہوں۔ کیونکہ عقل والا بہرا کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھالیتا ہے بتانے والے کے اشارہ وغیرہ سے سمجھ جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ دیوانہ بھی ہو اور بہرا بھی پھر اسے کسی کی ہدایت کیا کام دے۔ ومنهم من ینظر الیک یہ فرمان عالی معطوف ہے ومنهم یستمعون الیک پر لہٰذا واؤ عاطفہ ہے۔ منهم کا مرجع وہ ہی مفسدین یا کفار ہیں۔ من سے مراد اگرچہ پوری جماعت ہے مگر یہ لفظاً مفرد ہے اس لحاظ سے ینظر مفرد ارشاد ہوا۔ بہر حال یستمعون کو جمع لایا گیا۔ من کے معنی کے لحاظ سے اور ینظر کو واحد لایا گیا من کے لفظ کے اعتبار سے۔ نظر سے مراد ہے آنکھوں سے بغور دیکھنا یعنی بعض فسادی کفار وہ ہیں جو آپ کو آپ کے معجزات کو سر کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں مگر ان کے دل کی آنکھیں اندھی ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں آپ کی الفت آپ کے معجزات کی عظمت نہیں آتی۔ اس صورت میں غور فرماؤ کہ افانت تهدی العمی اس فرمان عالی میں بھی سوال انکاری ہے۔ ہدایت سے مراد رہنمائی نہیں۔ کیونکہ حضور انور ﷺ رہنمائی تو سب کیا کرتے ہیں بلکہ اس رہنمائی کو قبول کرانا مراد ہے۔ اُعمی میں اندھے سے مراد دل کے اندھے ہیں۔ یعنی

بصیرت سے محروم یعنی اے محبوب کیا آپ ﷺ دل کے اندھوں کو ہدایت دے سکتے ہیں یعنی ان سے قبول کروا سکتے ہیں منوا سکتے ہیں کہ وہ آپ کی بات مان لیں جس کے دل میں نہ آپ ﷺ سے الفت ہو نہ آپ ﷺ کے معجزات کی عظمت۔ عمی سے مرادل سے اندھے ہیں۔ ولو کانوا لا یبصرون اس فرمان عالی میں یبصرون بنا ہے بصیرت سے بصیرت دل کی روشنی کو کہتے ہیں جیسے بصارت آنکھ کی روشنی کو کہا جاتا ہے یعنی اگرچہ وہ دل کی بصیرت سے محروم ہوں۔

**خلاصہ تفسیر:** وہ بدنصیب جن کے مقدر میں ہے کہ ایمان نہ لائیں مرتے دم تک کافر رہیں وہ آپ ﷺ کا کلام بڑے غور سے سنتے ہیں آپ کی طرف کان لگاتے ہیں مگر دل کے بہرے ہیں تو کیا اے محبوب آپ ﷺ بہروں کو اپنا فرمان سنا سکتے ہیں۔ جو بہرے ہونے کے ساتھ بے عقل دیوانہ بھی ہوں جس کی وجہ سے ان تک آواز پہنچنے کی کوئی راہ نہ ہو۔ انہیں میں سے بعض وہ بدنصیب ہیں۔ جو نہایت غور سے آپ ﷺ کو تکتے ہیں مگر دل کے اندھے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں آپ ﷺ کی عظمت والفت قائم نہیں ہوتی تو کیا اے حبیب ایسے طریقے کی بھٹکی بھولی ہوئی جماعت کو آپ ﷺ ہدایت کر سکتے ہیں جو اندھے ہونے کے باوجود بصیرت سے بھی محروم ہوں۔ اس کا آپ ﷺ کی خدمت میں آنا آپ ﷺ کی مجلس شریف میں بیٹھنا آپ ﷺ کی باتیں دھیان سے سننا ان کے لئے محض بیکار ہے۔ کسریٰ شاہ فارس کا وزیر جس کا نام یونان تھا کہا کرتا تھا کہ پانچ چیزیں ضائع اور برباد ہیں۔ کھاری زمین میں بارش۔ دھوپ میں چراغ۔ اندھے کے سامنے حسن۔ بیمار کے سامنے اچھا کھانا اور ناقدرے کے پاس عالم وفاضل آدمی۔ (تفسیر روح البیان)

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** قرآن مجید میں بہت جگہ اندھے بہروں سے مراد دل کے اندھے بہرے ہوتے ہیں ہم اس کی تحقیق پارہ الم صم بکم عمی کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ دیکھو ان آیات میں سننے والوں کو بہرا فرمایا اور دیکھنے والوں کو اندھا یستمعون الیک کے ساتھ تسمع الصم اور ینظر الیک کے ساتھ تھدی العمی ارشاد فرماتا ہے انک لا تسمع الموتی ولا تسمع من فی القبور۔ اس آیت سے سماع موتی کا انکار کرنا حماقت ہے۔

**دوسرا فائدہ:** حضور انورؐ کو دل کی آنکھوں سے دیکھنا دل کے کانوں سے آپ ﷺ کی بات سننا مفید ہے۔ اس سے مومن صحابی بنتا ہے۔ صرف دماغ کی آنکھوں سے دیکھنا سر کے کانوں سے سننا مفید نہیں۔ جو حضور ﷺ کو صرف محمد ابن عبداللہ ہونے کے لحاظ سے دیکھے وہ محروم ازلی ہے اور جو محمد رسول اللہ ہونے کی حیثیت سے دیکھے وہ اجنبی ہے صحابی ہے۔

**تیسرا فائدہ:** عقل وہ ہی مفید ہے جو اللہ کی طرف رہبری کرے جو عقل دنیا کے سارے کام بنائے۔ مگر ایمان نہ بنائے وہ جنون ہے۔ شعر۔

وہ ہے آنکھ کا جو منہ تکے وہ ہیں لب جو محو ہوں نعت میں
وہ ہے سر جو ان کے لئے جھکے وہ ہے دل جو ان پہ نثار ہو

یہ فائدہ لا یعقلون اور لا یبصرون سے حاصل ہوا۔ کہ کفار مکہ بڑے عقل وفراست والے تھے۔ مگر رب تعالیٰ نے

انہیں بے عقل اور بے فراست فرمایا کہ وہ عقل سے دینی کام نہ لیتے تھے۔

**چوتھا فائدہ:** سننے اور دیکھنے کی طاقت دونوں ہی رب کا عطیہ ہیں۔ مگر قوت سامعہ افضل ہے قوت باصرہ سے یہ فائدہ ذکری ترتیب سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے سمع کا ذکر پہلے فرمایا اور بصر کا بعد میں۔

**مسئلہ:** اکثر مفسرین کے نزدیک سننے کی طاقت دیکھنے کی طاقت سے افضل ہے چند وجہ سے قرآن مجید میں سننے کا ذکر بصر سے پہلے ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ہے (۲) بعض نبی کبھی عارضی نابینا ہو گئے تھے جیسے یعقوب علیہ السلام اور بوجہ بڑھاپا بعض کی نظر کم ہو گئی تھی جیسے اسحاق علیہ السلام مگر کوئی نبی کچھ بہرے نہ ہوئے کہ اس مرض سے پہلے تبلیغ نہیں ہو سکتی (۳) کان ہر طرف کی آواز سن لیتے ہیں اگرچہ آواز پس پردہ سے ہو۔ مگر آنکھیں صرف سامنے کو دیکھتی ہیں وہ بھی بے حجاب چیز کو (۴) علم دنیا اور لینا کان ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ بہرا آدمی نہ کسی کو سکھا سکے نہ کسی سے سیکھ سکے۔ نابینا آدمی سیکھ بھی سکتا ہے سکھا بھی سکتا ہے۔ (۵) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سمع کا عقل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب او القی السمع وهو شهید وہاں قلب سے مراد عقل ہے اور فرمایا و کنا تسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر یعنی اگر ہمارے پاس عقل یا سننے کی قوت ہوتی تو ہم دوزخیوں میں سے نہ ہوتے۔ (۶) انسان قوت گویائی کی وجہ سے جانوروں سے افضل ہے۔ اس لئے اسے حیوان ناطق کہتے ہیں اور گویائی کا فائدہ سننے کی قوت سے حاصل ہوتا ہے۔ آنکھ صرف شکل اور رنگ دیکھتی ہے یہ کام جانور بھی کر لیتے ہیں۔ (۷) حضور ﷺ کا کلام تا قیامت سنا جائے گا اور لوگ اس سے ہدایت پائیں گے مگر آپ ﷺ کا دیدار ایک خاص وقت میں ہوا یعنی سمع کا فیضان دائمی ہے اور آنکھ کا فیضان وقتی۔

**مسئلہ:** بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ بصر افضل ہے سمع سے چند وجہ سے (۱) بیان سے عیان افضل ہے اور ظاہر کہ بیان سنایا جاتا ہے۔ عیان دیکھا جاتا ہے۔ (۲) بصر کا تعلق نور سے ہے اور سمع کا تعلق ہوا سے۔ ظاہر ہے کہ نور ہوا سے افضل ہے۔ یعنی نور دکھاتا ہے اور ہوا سناتی ہے (۳) اللہ تعالیٰ نے بمقابلہ کان کے آنکھ میں اپنی قدرت کے کرشمے زیادہ رکھے ہیں۔ چنانچہ آنکھ میں سات پردے ہیں اور تین رطوبتیں ہیں کان میں یہ عجائب قدرت نہیں۔ (۴) آنکھ ساتوں آسمانوں تک کی چیزیں دیکھ لیتی ہے مگر کان تھوڑے فاصلہ سے نہیں سن سکتے (۵) بہت رسولوں نے رب تعالیٰ کا کلام سنا مگر اسے دیکھا کسی نے نہیں دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو بے تکلف اپنا کلام سنا دیا مگر دیدار کے متعلق فرمایا لن ترانی معلوم ہوا کہ آنکھ کا کام کان کے کام سے اعلیٰ ہے (۶) آنکھ چہرے کا سب سے بڑا حسن ہے کان میں یہ خوبی نہیں اس لئے آنکھوں کو حدیث شریف میں کریمتین فرمایا دونہایت ہی پیاری چیزیں۔ من اذهبت تحریمتین (تفسیر کبیر)

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں بہرے کے ساتھ بے عقل کا ذکر کیوں فرمایا۔

**جواب:** اس لئے کہ اگر بہرا عاقل ہو تو اپنی عقل کے ذریعہ لوگوں کے اشارات سے فائدہ اٹھا لیتا ہے۔ لیکن اگر بے عقل بھی ہو تو کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اکثر ہلاک ہو جاتا ہے۔ تا سمجھ بہرے اکثر گاڑیوں کے تلے دب کر مرتے دیکھے گئے۔

**دوسرا اعتراض:** اندھے کے ساتھ لا یبصرون کیوں ارشاد ہوا۔ اندھا تو ہوتا ہی وہ ہے جو نہ دیکھتا ہو۔

**جواب:** لایبصرون بصر سے نہیں بلکہ بصیرت سے ہے یعنی دل کے اندھے۔ جیسے اردو میں کہتے ہیں ہیے کی پھوٹ جانا۔ سمجھ دار اندھا سنا کر کلام چلا لیتا ہے مگر جو اندھا بھی ہو اور پاگل بھی کیا کام چلائے گا۔

**تیسرا اعتراض:** ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بہروں کو ہدایت دے سکتے ہیں نہ اندھوں کو حالانکہ بہت بہرے اندھے صحابی بنے اور آج بھی مومن بلکہ اولیاء کاملین ہیں۔

**جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں بہرے اندھے سے مراد دل کے بہرے اندھے ہیں۔ یعنی شقی ازلی۔ جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا ظاہر ہے کہ ایسوں کو ہدایت نہیں مل سکتی اس لئے نہیں کہ حضور انورؐ کی تبلیغ میں کچھ کمی ہے بلکہ اس لئے کہ ان کی تقدیر ہی ایسی ہے۔

**چوتھا اعتراض:** یہاں بہرے کے لئے لایعقلون اور اندھے کے لئے لایبصرون کیوں فرمایا۔ عقل اور بصر میں کیا فرق ہے۔

**جواب:** بعض مفسرین نے فرمایا کہ کوئی فرق نہیں نام دو ہیں چیز ایک ہے۔ عقل اور بصیرت بعض نے فرمایا کہ عقل کا تعلق دماغ سے ہے بصیرت کا تعلق دل سے ہے بصارت اور بصیرت اور عقل میں گہرا تعلق ہے۔ کسی کی صورت دیکھتے ہی اس کا دوست یا دشمن ہونا اپنا عزیز یا اجنبی ہونا فوراً دل سے معلوم ہو جاتا ہے۔ انسان بصر ہی کے ذریعہ ماں، بہن بیوی بیٹی میں فرق کرتا ہے۔ اس لئے بصارت کے ساتھ بصیرت کا ذکر ہی موزوں ہے۔

**تفسیر صوفیانہ:** نبی کا فرمان سننا خصوصاً براہ راست یوں ہی نبی کا چہرہ دیکھنا اللہ تعالیٰ کی بڑی ہی نعمت ہے۔ جس کے مقابل کوئی نعمت نہیں کہ اس سے انسان مومن اور صحابی بنتا ہے۔ لیکن یہ تب ہے جب کہ دلی محبت اور جذبہ شوق کے ساتھ ہو۔ اگر یہ دونوں کام دلی نفرت پیغمبر سے عداوت کے ساتھ ہوں تو رب تعالیٰ کا بڑا عذاب ہے۔ ابوجہل اور حضرت ابوبکر صدیق میں فرق ظاہر ہے خیال رہے کہ ہر شخص کو دیکھنے کی نظر الگ ہے۔ ماں کو اور نظر سے دیکھتے ہیں بیٹی بیوی کو دوسری نظر سے یوں ہی نبی کو دیکھنے کی دوسری نظر ہے ان کفار کے پاس وہ نظر نہ تھی۔ اس لئے انہیں بہرا بے عقل اور اندھا بے بصیرت کہا گیا ظاہر بہ ظاہر ایک ہے مگر نتیجے مختلف مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

بال بازاں را سوئے سلطان برد بال زاغان را بہ گورستان برد

یعنی باز کے پر اسے بادشاہ کے پاس پہنچاتے ہیں اور کوے کے پر اسے قبرستان پہنچاتے ہیں۔ پر بظاہر یکساں ہیں مگر تاثیر میں مختلف۔ صدیقی نگاہ والے کو جنت میں پہنچائے گی۔ ابوجہلی نظر اسے دوزخ میں داخل کرے گی۔

**حکایت:** مثنوی شریف میں ہے کہ پچھلے زمانہ میں ایک عاشق جانباز اپنے محبوب کے فراق میں جلتا تھا بمشکل تمام محبوب نے وعدہ کیا کہ میں کل نصف رات کے بعد تجھ سے ملوں گا اور بقیہ رات عیش سے میں اور تو گذاریں گے۔ عاشق جانباز اس رات آدھی رات تک تو جاگتا رہا مگر پھر سو گیا۔ فرماتے ہیں ۔

بعد نصف لیل آمد یار او صادق الوعد است آن دلدارو

عاشق خود افتادہ خفتہ دیدا اند کے از آستیں اور را درید
گرد گانے چند اندر جیب کرد کہ تو طفلی گیر۔ این و باز نرد

یعنی محبوب آیا عاشق کو سوتا پایا۔ اس کی جیب میں کچھ اخروٹ ڈال گیا۔ کہہ گیا کہ عاشقی بہادروں کا کام ہے۔ تو ابھی اخروٹوں سے کھیل۔ فرماتے ہیں۔

خواب راگذار حب اے بدر یک شبے ہر کوئے بے خواباں گذر
بگر انہارا کہ مجنوں گشتہ اند ہمچو پروانہ بوصلت کشتہ اند

یعنی اے اللہ کے بندے نیند چھوڑ اور کسی بے خواب یعنی جاگنے والوں کے محلے میں جا جو اس کی راہ میں مجنوں ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے پاس رب ملے گا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ

تحقیق اللہ نہیں ستم کرتا لوگوں پر کچھ بھی اور لوگ جانوں پر اپنی ظلم کرتے
بیشک اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا ہاں لوگ ہی اپنی جانوں پر ظلم

يَظْلِمُونَ ﴿۴۴﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا

ہیں اور جس دن جمع فرمائے گا ان کو گویا کہ نہ ٹھہرے مگر ایک
کرتے ہیں اور جس دن انہیں اٹھائے گا گویا دنیا میں نہ رہے تھے مگر

سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۚ قَدْ خَسِرَ

گھڑی دن کی ایک دوسرے کو پہچانیں گے آپس میں بے شک نقصان میں
اس دن کی ایک گھڑی آپس میں پہچان کریں گے کہ پورے گھاٹے میں

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۴۵﴾

وہ لوگ کہ جھٹلایا انہوں نے اللہ کے ملنے کو اور نہ تھے وہ ہدایت یافتہ
رہے وہ جنہوں نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا اور ہدایت پر نہ تھے

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ دنیا میں بعض کو ایمان کی توفیق ملے گی۔ بعض کو نہیں ومنھم من لایومن بہ اب ارشاد ہے کہ یہ توفیق نہ ملنا رب کا ان پر ظلم نہیں بلکہ ان کے اپنے کسب کو اس میں بڑا دخل ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ کفار اندھے بہرے اور بے عقل ہیں۔ یہ آپ ﷺ سے ہدایت حاصل نہیں کر سکتے۔ اب ارشاد ہے کہ ان کے ان عیوب کا ہونا رب تعالیٰ کا ان پر ظلم نہیں ان کے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کی دنیاوی خرابیوں کا ذکر ہوا اب ان کی اخروی مصیبتوں کا تذکرہ ہے کیونکہ ان کے دنیاوی حالات اخروی مصائب کا ذریعہ ہیں۔

**تفسیر:** ان اللہ لا یظلم الناس شیا اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی سلبی صفت کا ذکر ہے یعنی اس کا ظلم سے پاک ہونا اس کے لئے ظلم ناممکن ہونا۔ ظلم کی حقیقت یہ ہے کہ دوسرے کی چیز میں اس کی بغیر اجازت تصرف اور عمل درآمد کرنا۔ ظلم کا ظاہر ہے کسی سے کام کرا کر مزدوری نہ دینا بغیر قصور سزا دینا۔ جو کسی سے وعدہ کیا تھا وہ پورا نہ کرنا پہلے معنی سے تو رب تعالیٰ کے لئے کوئی چیز ظلم نہیں کہ ہر چیز اس کی اپنی ملکیت ہے جسے چاہے نہ رکھے۔ ہم درخت کا کوئی حصہ جلاتے ہیں کوئی حصہ فرنیچر بناتے ہیں ایک ہی مٹی کا کوئی برتن آگ پر تپنے کے لئے بناتے ہیں جیسے ہانڈی کوئی برتن پانی کے لئے جیسے گھڑا یہ ظلم نہیں کہ مٹی ہماری ہے جیسے چاہے بنائیں ظاہر یہ ہے کہ ظلم کے یہ معنی یہاں مراد نہیں ورنہ یوں ہوتا کہ ہم اپنی مخلوق سے جو معاملہ کریں وہ ظلم نہیں بلکہ دوسرے معنی مراد ہیں یعنی ہم کسی کا وعدہ کیا ہوا حق نہیں مارتے نہ کم کرتے ہیں۔ روح المعانی نے فرمایا کہ یہاں ظلم یا تو بمعنی نقص ہے یا اس میں نقص کے معنی شامل ہیں۔ اس لئے اس کے دو مفعول آئے ایک الناس دوسرا شیا۔ نقص کبھی لازم ہوتا ہے کبھی ایک مفعول کا متعدی کبھی دو کا۔ کبھی تین کا۔ (روح المعانی) یہاں الناس کا ذکر حصر کے لئے نہیں اللہ تعالیٰ کسی بندے پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ انسان ہو یا جن یا فرشتہ۔ جمادات ہوں نباتات یا حیوانات ظاہر یہ ہے کہ الناس سے مراد کفار ہیں کہ پہلے سے انہیں کا ذکر ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے سارے انسان مراد ہوں مومن و کافر کہ رب تعالیٰ مومن سے کیا ہوا وعدہ کم نہ کرے گا۔ کفار کو بغیر جرم عذاب نہ دے گا۔ ولکن الناس انفسھم یظلمون اس فرمان عالی میں ایک شبہ دور فرمایا جا رہا ہے اس لئے اسے لکنّ سے شروع فرمایا گیا۔ الناس سے مراد یا تو کفار ہیں کہ انہیں کا ذکر ہو رہا ہے یا گنہگار مسلمان بھی۔ یہاں بھی الناس کا ذکر حصر کے لئے نہیں اس حکم میں جنات بھی شامل ہیں۔ انفس جمع ہے نفس کی بمعنی ذات یا جان۔ اسے یظلمون پر مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی لوگ صرف اپنی جانوں پر اپنی ذاتوں پر ظلم کرتے ہیں کیونکہ کفر اور بدعملی کا وبال تو انہیں پر ہے۔ خرابی معاملات۔ کسی کا حق مار لینا اس کا وبال بھی ان پر ہی پڑے گا۔ مظلوم پر ظلم عارضی ہے ظالم پر اس کی سزا دائمی۔ شعر۔

پنداشت ستمگر کہ جفا بر ما کرد　　　　بر گردن او بماند۔ بر ما بگذشت

ویوم نحشرھم یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے۔ اور لفظ یوم یا اذکر پوشیدہ کا ظرف ہے یا انذر پوشیدہ کا یعنی آپ ﷺ انہیں وہ دن یاد دلائیں یا اس دن سے ڈرائیں۔ ہماری قراۃ میں یحشرھم ی سے ہے اور ایک قراۃ میں نحشر نون سے ہے ھم کا مرجع کفار ہیں جن کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے۔ چونکہ وہ دنیا میں قیامت کے انکاری تھے اس لئے ان کا خصوصیت سے ذکر فرمایا۔

خیال رہے: کہ قیامت میں پہلے سارے کفار ایک جگہ جمع کئے جائیں گے پھر ان میں چھانٹ ہوگی۔ ہر قسم کے کافر الگ۔ یہاں اول وقت کا ذکر ہے اس لئے قیامت کو یوم حشر یا محشر کہتے ہیں دوسرے وقت کے لحاظ سے اسے یوم الفصل کہا جاتا ہے کان لم یلبثوا الا ساعة من النھار یہ فرمان کائن پوشیدہ کے متعلق ہے اور یحشرھم کی ضمیر ھم سے حال۔ لبث کے معنی ہیں رہنا ٹھہرنا۔ اور لبس سین سے اس کے معنی ہیں چھپنا۔ اس لئے کپڑے کو لباس کہتے ہیں کہ وہ جسم کو چھپاتا ہے ظاہر یہ ہے کہ یہاں ٹھہرنے سے مراد دنیا میں ٹھہرنا ہے اور ہو سکتا ہے کہ قبر میں ٹھہرنا مراد ہو ساعۃ بمعنی گھڑی یعنی چھوٹا سا حصہ پہر یا دو پہر چونکہ دن کی گھڑیاں مخفی جن کا اندازہ نہیں ہوتا۔ اس لئے یہاں دن کی قید لگائی گئی۔ من النھار یتعارفون بینھم یہ فرمان عالی یحشرھم کی ضمیر سے دوسرا حال ہے تعارف معرفت سے بنا بمعنی پہچاننا یعنی کفار آپس میں ایک دوسرے کافر کو ایسے پہچانیں گے جیسے دنیا میں پہچانتے تھے۔ یہ جان پہچان قیامت کے اول وقت ہوگی۔ پھر حساب کتاب شروع ہونے پر کوئی کافر کسی کو نہ پہچان سکے گا۔ سخت وحشت اور گھبراہٹ کی وجہ سے ہے۔ دوزخ میں پہنچ کر پہچان ہو جاوے گی۔ اور ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے۔ لہٰذا قرآن مجید کی مختلف آیات میں کوئی تعارض نہیں ہر آیت میں الگ الگ وقتوں کا ذکر ہے۔ قد خسر الذین کذبوا بلقاء اللہ ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے خسارہ کے معنی بارہا عرض کئے جا چکے ہیں یعنی وہ نقصان جس سے اصل پونجی ختم ہو جائے۔ جھٹلانے والوں میں وہ کفار بھی داخل ہیں جو قیامت کا انکار کرتے ہیں اور وہ کفار بھی جو قیامت کے قائل تو ہیں مگر اس کی تیاری نہیں کرتے۔ جیسے عیسائی یہودی جو قیامت کو مانتے ہوئے حضور ﷺ کو جانتے ہوئے مسلمان نہیں ہوتے اب قیامت کا ماننا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے آپ ﷺ کی اطاعت کرنے پر موقوف ہے لہٰذا آیت واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ وما کانوا مھتدین یہ فرمان عالی یا تو قد خسر الخ پر معطوف ہے یا کذبوا ولقاء اللہ پر اور الذین کا صلہ یعنی وہ ہدایت یافتہ نہیں تھے یا نہیں ہیں۔ ہدایت سے مراد ہے نجات یا نجات کے راہ کی ہدایت جس سے کامیابی ہو۔ کیونکہ انہوں نے ایمان کو کفر کے عوض اور تصدیق کو تکذیب کے عوض محبت کو عداوت کے عوض بیچ ڈالا اور وقت گذار دیا۔

خلاصہ تفسیر: تم نے مومن و کافر سعید و شقی کا فرق سن لیا اس کے متعلق یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا۔ اس لئے اس نے حضرت انبیاء کرام پھر ان کے نائبین علماء دنیا میں مقرر فرمائے۔ حق و باطل ظاہر فرما دیا لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں کہ اپنے اختیار سے اچھا راہ چھوڑ کر برا راستہ قبول کرتے ہیں انہیں وہ دن بھی یاد دلاؤ۔ اس دن سے ڈراؤ جس دن ہم سارے کفار کو ایک جگہ جمع فرمائیں گے اور وہ دنیا کی بڑی زندگی کو یوں محسوس کریں گے کہ دن کی ایک گھڑی وہاں رہے پھر چلے آئے۔ کیونکہ وہ کما کر نہ گئے بلکہ گما کر گئے اور اب آخرت کی سختی دیکھی آرام کی مدت اگرچہ دراز ہو مصیبت میں تھوڑی معلوم ہوتی ہے پھر لطف یہ ہے کہ وہ اس وقت ایک دوسرے کو خوب جانتے پہچانتے ہوں گے۔ سب سے بڑے نقصان والے وہ ہیں جو یا تو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونے کے منکر ین ہیں یا مان کر اس کی تیاری نہیں کرتے پھر وقت نکل جانے پر کف افسوس ملیں گے۔ شعر

چہ خوش گفت باد کودک آموز گار　　　کہ کارے نکردیم وشد روزگار

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** اللہ بغیر جرم وقصور کسی کو سزا نہیں دے گا کہ یہ صورۃ ظلم ہے یہ فائدہ ان اللہ لا یظلم الناس شیئا سے حاصل ہوا۔

**دوسرا فائدہ:** زمانہ فترت کے موحدین دوزخی نہیں کیونکہ ان تک شرعی احکام پہنچے نہیں۔ جن پر وہ عمل کرتے اور بے خبر کو سزا دینا سورۃ ظلم ہے یہ فائدہ بھی اس آیت لا یظلم الناس الخ سے حاصل ہوا۔ لہٰذا حضور انورؐ کے والدین کریمین دوزخی نہیں بلکہ جنتی ہیں۔ اس کی تحقیق ہم پہلے پارہ ولا تسئل عن اصحاب الجحیم کی تفسیر کر چکے۔

**تیسرا فائدہ:** یہ ناممکن ہے کہ جس کی نیکیاں رب تعالیٰ قبول فرمائے پھر اسے جزا وثواب نہ دے کہ یہ بھی ظلم ہے اور وعدہ الٰہی کے خلاف۔

**چوتھا فائدہ:** رب تعالیٰ کے وعدوں کے خلاف ہونا غیر ممکن ہے وہ سچا اور اس کے وعدے سچے۔ یہ فائدہ بھی لا یظلم (الخ) سے حاصل ہوا۔ لہٰذا حضرات خلفاء راشدین اور تمام وہ صحابہ جن سے جنت کا وعدہ ہو چکا ان کا دوزخ میں جانا ناممکن بالذات ہے۔ اس کی تحقیق ہم پہلے پارہ میں ان اللہ علی کل شیء قدیر۔ کی تفسیر میں کر چکے۔

**پانچواں فائدہ:** کفر وشرک بڑا ظلم ہے کافر اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔ یہ فائدہ انفسھم یظلمون سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے والکافرون ھم الظالمون اور فرماتا ہے ان الشرک لظلم عظیم یہ فائدہ اسی سے حاصل ہوا رب فرماتا ہے۔

**چھٹا فائدہ:** قیامت میں اولاً سارے کفار ایک ساتھ ہوں گے۔ ان کی چھانٹ اور علیحدگی بعد میں ہوگی یہ فائدہ یوم یحشرھم سے حاصل ہوا مومنین ان شاء اللہ ساتھ اٹھیں گے اور ساتھ رہیں گے۔

**ساتواں فائدہ:** کفار قیامت کے دن اپنے دنیا کے قیام کے اندازے میں غلطی کریں گے۔ سمجھیں گے کہ وہاں ہم صرف گھڑی بھر رہے مگر اس اندازے میں غلطی نہ کریں گے۔ کیونکہ مومنوں نے زندگی اسی مقصد میں گذار دی۔ جس لئے وہ دنیا بھیجے گئے تھے۔ انہیں یاد ہوگا کہ ہم نے کتنے حج کئے کتنی قربانیاں کیں کتنی عیدیں اور نمازیں ادا کیں۔ یہ فائدہ کان لم یلبثوا (الخ) سے حاصل ہوا کہ اس کا فاعل کفار ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں بھی اس غلطی اندازے کا ذکر ہے وہاں کفار کا تذکرہ ہے مومنوں کے متعلق کسی غلطی کا ذکر نہیں۔

**آٹھواں فائدہ:** قیامت میں کفار ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ یہ فائدہ یتعارفون بینھم سے حاصل ہوا حساب اور عذاب دیکھ کر ایک دوسرے سے بیزار ہو جائیں گے۔ یہاں اول وقت کا ذکر ہے۔ لاانساب بینھم یومئذ ولا یتسالون اور فرماتا ہے ولا یسال حمیم حمیما (روح البیان وروح المعانی وکبیر)

**پہلا اعتراض:** جب ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی مخلوق ومملوک ہے تو وہ جس سے جو کرے وہ ظلم نہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اگر رب تعالیٰ سب کو آگ میں ڈال دے تو وہ ظلم نہیں تو لا یظلم الناس کا کیا مطلب ہے۔

جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ ظلم کے دو معنی ہیں۔ کسی دوسرے کی چیز میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا۔ اس معنی سے رب تعالیٰ کا کوئی تصرف ظلم نہیں کہ سب کچھ اس کا ہے۔ دوسرے کسی کو بغیر جرم سزا دینا۔ کام کرا کے اجرت نہ دینا۔ وعدہ کر کے پورا نہ کرنا۔ اس معنی سے لایظلم الناس ارشاد ہوا۔ لہٰذا یہ آیت اور وہ حدیث دونوں ہی درست ہیں۔

دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا تو کیا وہ جنات یا فرشتوں پر ظلم کرتا ہے۔ اگر نہیں تو لوگوں کا ذکر خصوصیت سے کیوں فرمایا۔

جواب: کسی پر ظلم نہیں کرتا ظلم عیب ہے رب عیوب سے پاک ہے چونکہ ساری مخلوق میں انسان مقصود ہے باقی چیزیں اس کے لئے بنی ہیں خلق لکم ما فی الارض جمیعا اس لئے لوگوں کا ذکر فرمایا یہاں حصر کا لفظ کوئی نہیں یعنی آیت کے معنی یہ ہوں کہ صرف لوگوں پر ظلم نہیں کرتا۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ قیامت میں کفار کو جمع فرمائے گا اور وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے مگر دوسری آیات میں ہے کہ کفار ایک دوسرے سے الگ ہوں گے اور ان کے سارے رشتے اور جان پہچان ختم ہو جائے گی آیات میں تعارض ہے۔

جواب: قیامت پچاس ہزار سال کا دن۔ اس کے موقعہ اور حالات مختلف ہیں۔ بعض اوقات جمع بھی ہوں گے اور ایک دوسرے کو پہچانیں گے بھی اور بعض اوقات الگ کر دیئے جائیں گے جان پہچان بھی ختم ہو جاوے گی۔ مختلف اوقات کا ذکر ہے۔

چوتھا اعتراض: اس کی کیا وجہ ہے کہ کفار دنیا میں رہنے کی مدد کا اندازہ بہت غلط لگائیں گے کہ وہاں گھڑی بھر ٹھہرے اور مسلمان یہ غلطی نہیں کریں گے اس فرق کی کیا وجہ ہوگی۔

جواب: چند وجہ ہوں گی (۱) کفار نے دنیا میں آرام کیا تھا مومنین نے کام۔ آرام کی گھڑیاں ہوا کی طرح گذر جاتی ہیں نہ کہ کام کی۔ (۲) کفار کے لئے قیامت کا دن تکلیف کا ہوگا۔ دنیا ان کے عیش کی جگہ تھی۔ تکلیف کے وقت عیش کا گذشتہ زمانہ بہت کم محسوس ہوتا ہے مومنین کے لئے قیامت کا دن آرام کا ہوگا۔ دنیا کے لئے تکلیف کی جگہ تھی الدنیا سجن المومنین وجنت الکافر۔ اور آرام کے زمانہ میں گذشتہ تکلیف کے زمانہ کے اندازہ میں غلطی نہیں ہوتی۔ (۳) مومنین دنیا میں مزدوری کرتے ہیں۔ قیامت میں اجرت پائیں گے۔ تو انہیں اس کا ایک عمل مع تاریخ وسنہ یاد ہوگا کہ انہیں ہر ایک عمل کے لئے ہر ایک عمل کا بدلہ لینا ہے اس لئے غلطی کیسے کریں۔ کفار نے نہ دنیا میں مزدوری کی نہ قیامت میں اجرت لیں۔ لہٰذا وہ غلطی کریں گے۔ (۴) کفار اس دن اپنے ہوش وحواس کھو چکے ہوں گے۔ مومن کے ہوش وحواس نہ کھو چکے ہوں گے بلکہ مومن کے ہوش وحواس درست ہوں گے۔ کفار اسی مدہوشی کی حالت میں پاگلوں کی سی بھکیں ماریں گے کہ ہم صرف گھڑی دو گھڑی دنیا میں رہے۔ مومن کی جو بات ہوگی وہ جانچی تلی ہوئی ہوگی۔

پانچواں اعتراض: یہاں یہ کیوں ارشاد ہوا کہ دن کی ایک گھڑی گھڑیاں تو رات میں بھی ہوتی ہیں۔

**جواب:** رات کے گھڑیوں کا اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ سوتے میں گذرتی ہیں دن کی گھڑیوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بیداری میں ہوتی ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہوگا کہ ہم خوب سوچ سمجھ کر یہ اندازہ لگا رہے ہیں کہ دنیا کی عمروں کی ایک دو گھڑی تھی۔

**تفسیر صوفیانہ:** حشر تین طرح کا ہے۔ حشر عام۔ حشر خاص۔ حشر اخص۔ قیامت میں دنیاوی جسموں کا قبروں سے نکلنا حشر عام ہے۔ اور اخروی روحوں کا دنیاوی جسموں سے نکلنا سیر وسلوک کے لئے یہ حشر خاص ہے۔ یہ حشر مومنوں کو دنیا میں ہوتا رہتا ہے موتوا قبل ان تموتوا کا یہی مقصد ہے اور انانیت کی قبور سے ھویت ربانیت کی طرف نکلنا یہ حشر اخص ہے یہاں حشر عام کا ذکر ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا یوم نحشرھم جس دن ہم کافروں کا حشر کریں گے۔ (روح البیان) جب کفار اس عالم کی وسعت کو دیکھیں گے پھر گذشتہ دنیا کی تنگی وقت اور تنگی جگہ کا خیال کریں گے تو بے تامل پکار اٹھیں گے کہ ہم دنیا میں اس جگہ کے مقابل ایک دو گھڑی ہی ٹھہرے۔ کیونکہ وہ فانی تھی۔ یہ باقی اور فانی باقی کے مقابل ایک لحظہ بھی نہیں۔ مومنین دنیا میں رہتے ہوئے بھی یہ خود بھی فانی تھے نہ فانی جگہ تھے۔ وہ باقی اللہ تھے۔ شعر۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

کفار کی آپس میں جان پہچان کو قیامت کا اجتماع ختم نہ کرے گا بلکہ حساب وعذاب ختم کرے گا۔ مومنوں کی آپس کی جان پہچان کو کوئی چیز نہ مٹائے گی۔ لایحزنھم الفزع الاکبر کفار کا حشر کفار کے ساتھ ہوگا۔ اور مومنین صادقین کا حشر ان شاء اللہ ابرار واخیار کے ساتھ اس لئے ارشاد ہوا کہ کفار خسارہ میں ہیں کہ انہیں بجائے ابرار کے اشرار کا ساتھ ملا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کفار کے لئے عدل کے دروازے کھولے گا۔ اور مومنین کے لئے فضل کے۔ کون ہے جو اس کے عدل کی تاب لا سکے۔ وہ ظلم کسی پر نہ کرے گا۔ کفار اپنے پر ظلم کر کے اس کے عدل کے مستحق ہوئے۔ رب تعالیٰ فضل کرے عدل نہ کرے ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ مولیٰ تو مجھے جو بھی سزا دے میں اس سے زیادہ کے لائق ہوں۔ اور تو مجھ پر جو بھی کرم کرے تو اس سے زیادہ کا مالک ہے۔

وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا

اور اگر دکھائیں ہم آپ کو بعض وہ عذاب کہ وعدہ کرتے ہیں ہم ان سے یا وفات دیں ہم

اور اگر ہم تمہیں دکھادیں کچھ اس میں سے جو انہیں وعدہ دے رہے ہیں یا تمہیں پہلے ہی

مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿٤٦﴾ وَلِكُلِّ

آپ کو پس ہماری طرف ہے لوٹنا ان کا پھر اللہ گواہ ہے اس پر جو کرتے ہیں وہ اور واسطے

اپنے پاس بلائیں بہرحال انہیں ہماری طرف پلٹ کر آنا ہے پھر اللہ گواہ ہے ان کاموں پر اور ہر

اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ

ہرامت کے رسول ہے پس جب آتا ہے پیغمبران کا فیصلہ کردیا جاتا تھا ان کے درمیان

امت میں ایک رسول ہوا جب ان کا رسول ان کے پاس آتا ان پر انصاف کا فیصلہ کردیا

بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾

ساتھ انصاف کے اور وہ نہیں ظلم کیے جاتے

جاتا اور ان پر ظلم نہ ہوتا

**تعلق**: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیاتم سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق**: گذشتہ آیات میں کفار کے اخروی عذاب کا ذکر ہوا اب ارشاد ہے کہ ان پر دنیا میں بھی عذاب آئیں گے جنہیں آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے گویا ان کے دائمی بڑے عذاب کے بعد ان کے عارضی چھوٹے عذابوں کا تذکرہ ہے۔

**دوسرا تعلق**: گذشتہ پچھلی آیات میں اس کا معاملہ کا ذکر ہوا جو کفار حضور انور کے ساتھ کرتے تھے منھم من ینظر الیک (الخ) اب ارشاد ہے گذشتہ نبیوں کے ساتھ بھی ان کی قوموں نے یہ ہی کچھ کیا تھا۔ یہ کفار کی پرانی رسم ہے محبوب آپ علیہ السلام غمگین نہ ہوں۔

**تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ کفار قیامت میں ہی دنیاوی عمر کو ایک گھڑی محسوس کریں گے۔ اب اس کی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ انہوں نے زندگیاں لغویات میں گذاریں اس لئے وہ عمر انہیں حقیر محسوس ہوگی۔ گویا ایک واقعہ کے بعد اس کی وجہ کا ذکر ہے۔

**تفسیر**: واما نرینک بعض الذی نعدھم چونکہ یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے۔ اما اصل میں ان ما تھا ان شرطیہ ما تاکید کے لئے زائدہ اس لئے نرین میں نون تاکید بھی لایا گیا۔

**خیال رہے**: کہ یہاں شرطیہ شک کے لئے نہیں بلکہ شوق دلانے یا انتظار کرانے کے لئے ہے کہ رب تعالیٰ شک سے پاک ہے دکھانے سے حضور ﷺ کی ظاہری حیات شریف میں ظاہری آنکھوں سے دکھانا مراد ہے۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم برزخ میں اس جہان کے واقعات قوموں کے عذاب کو ملاحظہ فرما رہے ہیں ہم اس کی تحقیق دوسرے پارہ میں ویکون الرسول علیکم شھیدا کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ کاف میں خطاب حضور انور سے ہے الذی سے مراد کفار پر دنیاوی عذابات ہیں جیسے تھوڑے مسلمانوں کے ہاتھوں ان کی بہت کا شکست فاش پانا مسلمانوں کا رعایا باج گزار بن کر رہنا۔ عرب سے نکالا جانا پھر دیس بدیس مارا مارا پھرنا وغیرہ کیونکہ نبیی عام عذاب تو حضور علیہ السلام کی آمد سے بدن ہو چکے۔

بعض اس لئے فرمایا کہ ان دنیاوی عذابوں میں سے بعض عذاب تو حضور انور ﷺ کی حیات شریف میں آئے۔ جیسے مشرکین کا بدر۔ حنین وغیرہ میں شکست فاش پانا بنی قریظہ کا قتل بنی نضیر کا مدینہ منورہ سے نکالا جانا وغیرہ اور بہت غزوہ قادسیہ۔ یرموک وغیرہ میں لاکھوں کا ہزاروں مسلمانوں سے شکست کھانا وغیرہ۔ نعدھم میں وعدہ بمعنی وعید ہے یہ پورا جملہ شرطیہ ہے۔ جس کی جزا پوشیدہ ہے۔ نحن قادرون یا فیھا وغیرہ (روح البیان معانی وغیرہ) او نتو فینک فالینا مرجعھم یہ عبارت معطوف ہے پہلے جملہ پر۔ اس میں شرط ہے۔ نتوفینک اس کے بعد ایک عبارت پوشیدہ ہے اور فالینا مرجعھم اس پوشیدہ عبارت کی وجہ سے ہے ف تعلیلیہ ہے یعنی اگر ہم آپ ﷺ کی وفات دے دیں اور وہاں کفار کے اخروی عذاب آپ ﷺ کو دکھائیں تو بھی ہم قادر ہیں کیونکہ آخر کار ان سب کو ہماری طرف ہی لوٹنا ہے اور اپنی سزا بھگتنا ہے (روح البیان معانی۔ خازن۔ صاوی مدارک وغیرہ اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے فاما نذھبن بک فانا منھم منتقمون او نرینک الذی وعدنا ھم فانا علیم مقتدرون (روح البیان) یہ ترکیب آسان بھی ہے اور ظاہری بھی بہر حال اس جملہ میں دکھانے کی نفی نہیں۔ اس کی دوسری نوعیت کا ذکر ہے۔ چنانچہ زمانہ صحابہ میں جو جہاد ہوئے مسلمان فاتح اور کفار مغلوب ہوئے وہ سب حضور انور ﷺ کی نظر میں تھے مگر اس نظر کی نوعیت کچھ اور تھی یہ تو نبی کے دکھانے کا ذکر ہوا پھر یہ بھی خیال رہے کہ ثم اللہ شھید علی مایفعلون اس فرمان عالی میں ثم یا تو ترتیب ذکری کے لئے ہے یعنی پھر یہ بھی یاد رکھو بمعنی واؤ ہے اہل عرب کہتے ہیں زید قائم ثم ھو کریم۔ وہاں ثم بمعنی واؤ ہے (روح البیان) شہادت سے اس کا انجام یعنی فیصلہ مراد ہے کہ گواہی فیصلہ کے لئے ہے تو ہوتی ہے۔ یفعلون سے کفار کے سارے دلی اور جسمانی برے عقیدے و اعمال مراد ہیں۔ یعنی پھر جانو کہ ہم ان کو ان کی بدعقیدگیوں بدعملیوں کی سزا دیں گے یا مطلب ہے کہ ہم اس کا دنیوی عذاب تو آپ ﷺ کو دکھا دیں گے اور اخروی عذاب بعد قیامت دیں گے بہر حال آیت واضح ہے اس فرمان عالی کی تین تفسیریں ہیں (۱) قیامت میں ہر گروہ کا رسول ہو گا۔ جس کے نام سے گروہ اور امت کو پکارا جائے گا فرماتا ہے یوم ندعو کل اناس بامامھم (۲) قیامت میں ہر امت کا ایک رسول ہو گا۔ جس کے ساتھ وہ امت ہماری بارگاہ میں پیش ہو گی۔ اس کے نبی اپنے مومنین کے حق میں اور کفار کے خلاف گواہی دیں گے۔ رب فرماتا ہے۔ وجی بالنبین و الشھداء وقضی بینھم۔ (تفسیر روح المعانی) (۳) اس سے پہلے دنیا میں ہر امت کے لئے ایک رسول ہوئے۔ اس صورت میں امت سے مراد ہلاک شدہ امتیں ہیں۔ کیونکہ فترت والوں کے پاس کوئی رسول نہیں پہنچے (از روح البیان و روح المعانی) فرماتا ہے۔ لتنذر قوما ما انذر اباء ھم فھم غافلون یا فرماتا ہے۔ وما آتینا من کتب یدرسونھا وما ارسلنا الیھم قبلک من نذیر۔ مگر نفی نبی کے پہنچنے کی ہے نہ کہ تشریف آوری کی۔ نبی کی تشریف آوری ہر قوم کے لئے ہوئی۔ فاذا جاء رسولھم قضی بینھم بالقسط اس فرمان عالی کی بھی وہ ہی تین تفسیریں ہیں جو ابھی بیان ہوئیں یعنی قیامت میں جب اس کے رسول ہماری بارگاہ میں حاضر ہوں گے وہ اپنی امت کے مومنین کے حق میں اور کفار کے خلاف گواہی دیں گے تو مومنین و کفار کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیا جاوے گا۔ کہ کفار کو دوزخ میں مومنین کو جنت میں بھیجا جائے گا یا (۲) جب امتوں کے پاس رسول

آئے تھے اور ان میں سے اکثر لوگ ان کی مخالفت کرتے تھے (تھوڑے سے موافقت) اور نبی بددعا فرماتے تھے تو ان کے درمیان سچا فیصلہ کردیا جاتا تھا کہ کفار کو عذاب مومنین کو نجات ہوتی تھی۔ تفسیر روح المعانی نے پہلی تفسیر کو قوی فرمایا۔ کہ اس میں محذوفات کم ہیں مجاہد نے یہ ہی کہا۔ دیکھو تفسیر ابن جریر وغیرہ۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ دوسری بتا رہا ہے وھم لا یظلمون اس کی بھی وہ ہی تفسیریں ہیں کہ کفار پر ظلم نہیں کیا جاتا تھا۔ ظلم کے معنی اس کی قسمیں اب پچھلی آیت میں مذکور ہوئیں یعنی ان کو نہ تو بے قصور سزا دی جاوے گی نہ قصور سے زیادہ۔

**خلاصہ تفسیر:** اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے جن عذابوں کی خبر ہم نے آپ ﷺ کے ذریعہ لوگوں کو دی ہے اگر ہم ان میں سے بعض عذاب آپ ﷺ کو دکھادیں کہ آپ ﷺ کی زندگی شریف میں عذاب ان پر آجائیں تو ہم یہ بھی کرسکتے ہیں۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے بدر و حنین خیبر، فتح مکہ، طائف وغیرہ میں حضور انورؐ کو کفار پر عذاب دکھادیئے یا ہم آپ کو وفات دے دیں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد کفار پر بعض عذاب آویں اور آپ ﷺ عالم برزخ سے ان کا مشاہدہ کریں تو ہم اس پر بھی قادر ہیں۔ چنانچہ زمانہ صحابہ میں بلکہ بعد میں قیامت تک رب تعالیٰ مسلمانوں کے ہاتھ کفار کو عذاب دیتا رہے گا۔ ان سب کو آخر ہماری ہی طرف لوٹنا ہے۔ پھر یہ بھی خیال رہے کہ ان کے ہر عمل پر اللہ نگران بھی ہے حاکم بھی ہر امت کے لئے رسول ہوتے رہے۔ جن پر ان رسول کی اطاعت واجب تھی مگر ہوتا یہ رہا کہ جب بھی امتوں کے پاس رسول آتے تو وہ لوگ ان کی مخالفت کرتے۔ (سواء بعض کے) پھر وہ رسول ان کے لئے بددعا فرماتے تو ہم ان میں حق کا فیصلہ فرماتے کہ کفار کو ہلاک کرتے مومنوں کو نجات دیتے۔ ان پر ظلم نہیں کیا جاتا تھا کہ کسی کو بے قصور یا قصور سے زیادہ سزا دے دی جاتی۔ یا قیامت میں ہر امت کے لئے رسول ہوں گے جن کے نام سے وہ بلائیں جائیں گے۔ پھر جب وہ رسول ان کے موافق یا مخالفت گواہی دیتے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوں گے تو ان کے درمیام انصاف سے فیصلہ کردیا جاوے گا کہ نافرمانوں کو دوزخ فرمانبرداروں کو جنت میں بھیج دیا جائے گا۔

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات شریف میں اور پردہ فرمانے کے بعد مومنوں اور کافروں کے حالات مشاہدہ فرماتے رہے اور فرماتے ہیں۔ اور فرماتے رہیں گے۔ دیکھو یہاں نرینک یعنی دکھانے کے مقابلہ میں نہ دکھانا فرمایا گیا۔ بلکہ وفات شریف کا ذکر فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وفات شریف سے دیکھنے میں فرق نہ آیا۔ ہاں دیکھنے کی نوعیت بدل گئی حتی کہ سب کے سلام سنتے جواب دیتے ہیں ابھی ۱۹۶۵ء میں پاکستان اور ہندوستان کی جنگ ہوئی تو مدینہ والوں نے خواب میں حضور انورؐ کو تیزی سے حجرہ مبارک سے نکلتے اور گھوڑے پر کہیں جاتے دیکھا۔ پوچھا حضور ﷺ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں فرمایا پاکستان جہاد کے لئے۔ پاکستان غازیوں نے بیداری میں حضور انورؐ کو اسلامی مورچوں میں تشریف فرما دیکھا جو اس زمانہ میں اخبارات میں چھپتے رہے۔ اس پر مفصل گفتگو ہم دوسرے پارہ میں ویکون الرسول علیکم شھیدا کی تفسیر میں کرچکے ہیں۔ ابن قیم نے کتاب الروح میں ایک جگہ لکھا ہے کہ حضرات ابوبکر اور عمر فاروق نے بعد وفات

غزوات میں شرکت کی۔

**دوسرا فائدہ:** سب کا رجوع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے مگر کسی کا خوشی سے زندگی میں ہی اور کسی کا مجبوراً مرے بعد یہ فائدہ فالینا مرجعھم سے حاصل ہوا۔

**تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ ہمیشہ لوگوں کے حالات پر مطلع ہے ثم اللہ شھید علی ما یفعلون اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر شخص کے ہر حال سے خبردار ہیں۔ ویکون الرسول علیکم لشھیدا دونوں جگہ شہید ارشاد ہوا۔ اللہ تعالیٰ فیصلے کرنے کے لئے خبردار ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دینے فیصلہ کرانے کے لئے خبردار ہیں۔ فرماتے ہیں لا یخفی علی رکوعکم ولا سجودکم ولا خشوعکم مجھ پر تمہارے رکوع سجدے دل کا خشوع خضوع پوشیدہ نہیں (بخاری شریف)

**چوتھا فائدہ:** دنیا میں کوئی وقت نبوت سے خالی نہ رہا ہر وقت ہر جگہ کسی نہ کسی کی نبوت ضروری ہے۔ یہ فائدہ ولکل امۃ رسول کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا ہاں کبھی ایسا ہوا ہے کہ دنیا والوں کو نبی کی تعلیم نہ پہنچی جیسے فترت والے لوگ۔ چنانچہ حضور انورؐ کے ظہور سے پہلے اہل عرب کے نبی حضرت ابراہیم تھے۔ مگر ان کی تعلیم مسخ ہو گئی۔ بلکہ مٹ گئی تھی۔

**پانچواں فائدہ:** دنیا میں ہر قوم کے لئے نبی ضرور ہوئے مگر ہر قوم میں نبی نہیں ہوئے۔ نبی ہمیشہ عالی نسب اونچے اشرف خاندان میں ہوئے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔ یہ فائدہ لکل امۃ کے لام سے حاصل ہوا کہ فی کل امۃ نہ فرمایا۔ ہاں ادنیٰ اور معمولی قوموں پر ان نبی کی اطاعت واجب تھی کہ وہ ان کے بھی نبی تھے۔ جیسے ہمارے حضور ہاشمی مطلبی ہیں۔ مگر ساری قوموں کے رسول ہیں سب پر آپ ﷺ کی اطاعت فرض ہے۔

**چھٹا فائدہ:** قیامت میں ہر امت اپنے نبی کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں پیش ہو گی۔ یہ فائدہ ولکل امۃ رسول کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ جب اس کے معنی ہوں کہ ہر امت کے لئے رسول ہوں گے۔

**ساتواں فائدہ:** کسی قوم پر نبی کی تشریف آوری کے بغیر عذاب دنیا میں نہ آیا۔ یہ فائدہ فاذا جآء رسولھم کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ نبی کے آنے سے مراد ہو دنیا میں آنا اور قضی (الخ) سے مراد ہو دنیا میں فیصلہ۔

**آٹھواں فائدہ:** قیامت میں نبی ﷺ کی گواہی پر رب تعالیٰ کا فیصلہ ہو گا یہ فائدہ وجاء رسولھم کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ جاء سے مراد ہے قیامت میں رسول کی پیشی بارگاہ الٰہی میں اور قضی (الخ) سے مراد ہے رب تعالیٰ کا فیصلہ یعنی کفار کو دوزخ میں ڈالنا۔

**نواں فائدہ:** رب تعالیٰ کسی کو بے قصور سزا نہ دے گا۔ نہ قصور سے زیادہ نہ کسی مطیع فرمانبردار کو دوزخ میں بھیجے گا نہ کسی کو اس کے عمل سے کم جنت کا درجہ دے یہ فائدہ وھم لا یظلمون سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ کہ یہ بھی ظلم کے ایک معنی ہیں۔ لفظ سزا کا خیال رہے۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفات دنیا اور یہاں کے حالات سے بالکل بے خبر ہیں۔ یہاں کے کسی واقعہ کو نہیں دیکھتے۔ دیکھو یہاں حضور انورؐ کے ۲ حالات کا ذکر ہوا۔ ایک تربیک اور دوسرا تسوفیک

وفات کے بعد کو دکھانے کے مقابل لایا گیا۔ جس سے پتہ لگا کہ بعد موت نہیں دیکھتے (دیوبندی)

**جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں دکھانے کے مقابل نہ دکھانا نہیں فرمایا بلکہ وفات دنیا فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ بعد وفات دکھانا تو ہوگا مگر اس کی نوعیت دوسری ہوگی۔ یعنی کشف سے دکھانا ورنہ نمازوں میں حضور کو سلام نہ کیا جاتا کہ بے خبر کو سلام کیسا۔ نیز حضور انورؐ قیامت میں سب کے گواہ ہیں۔ بے خبر گواہ نہیں ہوتا۔ دیکھو وہاں ہم گواہی دیں گے نبی سے سن کر اور نبی گواہی دیں گے دیکھ کر لتکونوا شهدآء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا اس کی تحقیق دوسرے پارہ میں اسی آیت کی تفسیر میں ہو چکی۔

**دوسرا اعتراض:** حضرت عزیز علیہ السلام سو سال مردہ رہ کر جب زندہ ہوئے تو بولے لبثت يوم او بعض يوم اصحاب کہف تین سو برس سو کر جب اٹھے بولے لبثنا يوما او بعض يوم ہم ایک دن یا اس سے بھی کم یہاں ٹھہرے معلوم ہوا کہ نبی ولی بعد وفات ادھر سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں انہیں خبر نہیں ہوتی کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔

**جواب:** اس اعتراض کا جواب ہم نے تیسرے پارے میں اسی آیت کی تفسیر میں اور جاء الحق حصہ اول میں عرض کر دیا ہے کہ یہ واقعہ خصوصی تھا ایک معجزہ یا کرامت دکھانے کے لئے انہیں ادھر سے بے خبر کر دیا گیا تھا۔ بے خبر ہونا اور ہے بے خبر کر دیا جانا کچھ اور۔ ورنہ سارے نبیوں کی حضور ﷺ کی معراج کی خبر کیسے ہوئی اور وہ حضرات حضور ﷺ کا استقبال کرنے حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے کیسے آئے۔ دیکھو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ہمارا دل نہیں سوتا۔ مگر تعریس کی رات نماز فجر قضا ہو گئی۔ یہ واقعہ خصوصی تھا تا کہ لوگوں کو نماز قضا کرنے کا طریقہ معلوم ہو۔

**تیسرا اعتراض:** اگر ہر امت کے لئے رسول ہوئے تو بتاؤ کہ فترت والوں کے کون رسول تھے اور حضور ﷺ کے والدین کریمین کس نبی کے دین میں تھے۔

**جواب:** یہاں یا تو ہر امت سے ہلاک شدہ امتیں مراد ہیں کہ رب تعالیٰ نے کسی امت کو بغیر نبی بھیجے ہلاک نہیں کیا۔ یا ہر امت کا رسول ضرور ہوا۔ اگرچہ بعض کے پاس ان کے احکام نہ پہنچے۔ حضور انورؐ کے والدین کریمین طیبین طاہرین دین ابراہیمی پر تھے وہ ہی ان حضرات کے نبی تھے چنانچہ حضرت آمنہ نے وفات کے وقت حضور انورؐ کے آنسو پونچھتے ہوئے جو الوداعیہ اشعار پڑھے ان میں ایک شعر یہ تھا۔

دین ابیک دین ابراهیم ... فالله انهاک عن الاصنام

ہم نے یہ اشعار اور پورا واقعہ تفسیر یعنی پارہ اول ولا تسئل عن اصحاب الجحيم کی تفسیر میں بہت تفصیل سے عرض کیا ہے۔

**چوتھا اعتراض:** جب رب تعالیٰ کسی کو بغیر جرم دوزخ میں نہیں بھیجے گا تو کفار کے بت اور چاند سورج دوزخ میں کیوں جائیں گے انہوں نے کیا قصور کیا ہے رب فرماتا ہے وقودها الناس والحجارة

**جواب:** یہ چیزیں وہاں عذاب پانے نہ جائیں گی بلکہ اپنے پجاریوں کو سزا دینے کے لئے جیسے وہاں فرشتے ہوں گے سزا

دینے کے لئے۔

**تفسیر صوفیانہ:** جیسے کھیت والے کو کھیت تباہ کرنے والے دشمن کیڑے مکوڑوں کی ہلاکت سے خوشی ہوتی ہے۔ ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کے دشمن کفار کی ہلاکت سے خوشی ہوتی ہے کہ ان کی ہلاکت سے دین کی بقا امت کی حفاظت ہے۔ حضور انور ﷺ نے فرعون کی ہلاکت کے دن یعنی عاشورہ کو روزہ رکھنا پہلے تو فرض کر دیا تھا پھر فرضیت منسوخ ہوئی۔ سنت ابھی باقی ہے۔ کیونکہ فرعون کی ہلاکت کی خوشی میں ابوجہل کے ہلاکت کی خبر سن کر سجدہ شکر ادا کیا۔ رب تعالیٰ نے اس آیت میں اس کی ہی خوشخبری دی کہ ہم آپ ﷺ کو موذی کفار کی ہلاکت دکھائیں گے۔ بعض کی ہلاکت کو زندگی شریف میں ان آنکھوں سے بعض کی ہلاکت وفات شریف کے بعد کشف سے۔ ہر امت پر سول آتے جاتے رہے ہمارے حضور ﷺ سارے عالم کے لئے آئے ہمیشہ کے لئے آئے۔ ایسے آئے کہ آ کرنہ گئے۔ اب تا قیامت وارثین رسول علماء، اولیاء، وحی باطنی یعنی کشف والہام لاتے رہیں گے۔ ولی کی کرامت علماء کی امامت حضور ﷺ کے معجزے ہیں جو ان کی تصدیق کریں۔ وہ سعید ہیں جو ان کے انکاری وہ شقی ہیں۔ شعر۔

ہر کسے از ہمت والائے خویش سود دارد در خور آلائے خویش

(روح البیان)

| |
|---|
| وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۴۸﴾ |
| اور کہتے ہیں کہ کب ہوگا یہ وعدہ اگر ہو تم سچے |
| اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو |
| قُلۡ لَّاۤ اَمۡلِكُ لِنَفۡسِىۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا اِلَّا مَا شَآءَ |
| فرمادو کہ نہ مالک ہوتا ہوں میں واسطے ذات اپنی کے نقصان کا اور نہ فائدہ کا مگر وہ جو |
| تم فرماؤ میں اپنی جان کے برے بھلے کا (ذاتی) اختیار نہیں رکھتا مگر جو |
| اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ فَلَا |
| چاہے واسطے ہر امت کے ایک وقت مقرر ہے جب آتا ہے وقت ان کا پس نہیں |
| اللہ چاہے ہر گروہ کا ایک وعدہ ہے جب ان کا وعدہ آئے گا تو ایک گھڑی |
| يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا يَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴿۴۹﴾ |
| پیچھے ہٹ سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے بڑھ سکیں گے |
| نہ پیچھے ہٹیں نہ آگے بڑھیں |

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں قیامت اور اس دن کے عذابوں کا ذکر ہوا اب اس پر مشرکین عرب کے تعجب کرنے اس کا مذاق اڑانے کا تذکرہ ہے گویا یقینی قطعی خبر کے ذکر کے بعد اس کے انکار کرنے کا ذکر ہو رہا ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار پر دنیوی عذابوں کے آنے کا ذکر ہوا کہ بعض عذاب آپ ﷺ کی ظاہری زندگی شریف میں آ جائیں گے اور بعض آپ کی وفات کے بعد۔ اب ارشاد ہے کہ ان عذابوں کا انکار کفار کرتے ہیں بجائے ماننے کے مذاق اڑاتے ہیں۔

**تیسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ جب گذشتہ انبیا تشریف لائے تھے تو فیصلہ ربانی آ جاتا تھا کہ مومنوں کو نجات کفار کو ہلاکت دی جاتی رہی۔ اب ارشاد ہے کہ انہیں چیزوں کو لے کر کفار مکہ آپ کی نبوت کے انکاری ہیں کہ آپ ﷺ کے منکروں پر عذاب کیوں نہیں آتا۔

**شان نزول:** جب آیت کریمہ واما نرینک الخ نازل ہوئی تو کفار مذاق اور دل لگی کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے کہ وہ عذاب جس کے آپ ﷺ کو دکھانے کا وعدہ کیا گیا ہے ہم پر کب آئے گا۔ ہم تو بے چینی سے اس کے منتظر ہیں ان کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں جن میں ان کو نہایت ہی مسکت جواب دیا گیا (خزائن العرفان)

**تفسیر:** ویقولون متی هذا الوعد ظاہر یہ ہے کہ یقولون کا فاعل کفار مکہ ہیں اور ان کا یہ قول دل لگی اور مذاق کے طور پر ہے اور هذا الوعد سے مراد وہ دنیوی عذاب ہیں جن کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ کفر کا زور ٹوٹ جانا۔ اسلام کا غلبہ تھوڑے مسلمانوں کے ہاتھوں بہت کفار کا ہلاک ہونا وغیرہ یا قیامت مراد ہے بہر حال وعدے سے مراد وعید ہے اس میں کفار کا روئے سخن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے ہے۔ تفسیر خازن نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ یقولون کا فاعل ہر نبی کے زمانے کے کفار ہوں جن میں مکہ والے کافر بھی داخل ہوں اور روئے سخن سارے نبیوں سے ہو۔ اور هذا الوعد سے مراد یا وہ عذاب دنیوی ہوں جن کی خبریں ان حضرات انبیاء کرام نے اپنی قوموں کو دی تھیں یا عذاب قیامت یعنی کفار مکہ آپ ﷺ سے اور سارے مومنین سے کہتے ہیں یا ہمیشہ سے سارے کافر اپنے نبیوں سے کہتے رہے ہیں۔ لہٰذا اے محبوب آپ اس قسم کے سوالات سے مغموم نہ ہوں (تفسیر خازن) ان کنتم صدقین ان کی اس بکواس میں روئے سخن یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور کنتم اور صدقین کا لانا یا ادب واحترام کے لئے ہے یا مذاق کے لئے یا خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سارے مسلمان سے ہے کیونکہ مسلمان ان کفار کو عذاب اور قیامت کی خبریں دیا کرتے تھے اور آیات عذاب پڑھا کرتے تھے اور ممکن ہے کہ سارے نبیوں سے خطاب ہو۔ اگر یقولون کا فاعل سارے گذشتہ اور موجودہ کفار ہوں۔ (خازن) چونکہ ان تمام وعدوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم واسطہ عظمیٰ ہیں کہ حضور ﷺ سے سن کر مسلمان کفار کو خبر عذاب دیتے تھے اس لئے جواب حضور ﷺ سے دلوایا گیا کہ ارشاد ہوا۔ قل لا املک لنفسی ضرا و لا نفعا قل میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن انہیں مذاق اڑانے والے کفار سے جواب کا مقصد یہ ہے کہ میں

قیامت کو یا عذاب کو وقت سے پہلے لانے پر قادر نہیں رب تعالیٰ نے ان کا جو وقت مقرر فرمایا ہے اس وقت آئیں گے کون ہے جو رب کا مقابلہ کرے اس کی مرضی کے خلاف وقت سے پہلے قیامت یا عذاب لائے چونکہ قیامت اور دنیوی عذاب حضور انور ﷺ اور مسلمانوں کے نافع تھے کفار کے لئے نقصان وہ اس لئے اس طرح بیان کیا گیا یعنی میں اپنی ذات کے کسی نقصان و نفع کا مالک و مختار نہیں تو تمہارے نفع نقصان کا کیسے مالک ہو سکتا ہوں اور وقت سے پہلے قیامت یا عذاب کیسے لا سکتا ہوں۔

خیال رہے: ان جیسی آیات میں یا تو خدا تعالیٰ کے مقابل ملکیت کا انکار ہے یا بذات خود ملکیت کی نفی بغیر عطا الٰہی لیکن مطلقاً ملکیت و اختیار کی نفی نہیں ورنہ یہ آیت قرآن مجید کی بہت سی آیات اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہوگی۔ رب فرماتا ہے اغناھم اللہ ورسولہ من فضلہ انہیں اللہ رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا اور غنی کر دینا نفع ہے۔ معلوم ہوا حضور ﷺ نافع ہیں عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں باذن الٰہی مردے زندہ اور اندھے کوڑھے کو اچھا کر سکتا ہوں۔ (قرآن مجید) یوسف علیہ السلام نے فرمایا میری قمیض لے جاؤ والد صاحب کے منہ پر ڈال دو انکھیارے ہو جائیں گے (قرآن مجید) فرماتا ہے ہم نے تم کو کوثر و خیر کثیر دے دیا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں وغیرہ۔ نیز رب تعالیٰ نے بادشاہ کو ملک والوں کے نفع نقصان کا مالک بنایا۔ حکام کو صوبہ ضلع اور شہر والوں کے نفع نقصان کا مالک بنایا کہ وہ پھانسی، جیل یا خزانہ انعام و اکرام ترقی دینے پر قادر ہیں ہم کو اپنے اور اپنے گھر والوں کے نفع و نقصان کا مالک بنایا اسی اختیار پر سزا و جزا ہے۔ بہر حال وہ ہی مطلب ہے جو فقیر نے عرض کیا۔ اس لئے ارشاد ہے الا ماشاء اللہ تفسیر خازن، بیضاوی، روح المعانی نے فرمایا کہ یہ استثناء ہے لا املک سے استثناء متصل ہے یعنی میں اپنی ذات کے لئے نقصان نفع کا مالک نہیں مگر رب تعالیٰ کے چاہنے سے کہ وہ مجھے مالک بنا دے تو مالک ہو جاؤں روح المعانی نے فرمایا فانی اقدر علیہ بمشیئۃ سبحانہ یعنی میں نفع نقصان پر قادر ہوتا ہوں رب تعالیٰ کے چاہنے سے اور فرمایا کہ بلا ضرورت مستثنیٰ منفصل ماننا الا کو بمعنی لکن کہنا اور یہ معنی کرنا کہ لیکن اللہ جو چاہے وہ ہوتا ہے خلاف قاعدہ ہے استثناء میں اصل متصل ہے۔ آیت کے معنی یہ ہوئے کہ میں بغیر اللہ کے چاہے اپنی ذات کے نفع نقصان کا بھی مالک نہیں اور ابھی قیامت کے لانے اور وقت سے پہلے عذاب آنے کا ارادہ رب نے چاہا نہیں تو میں اس کے لانے پر قادر نہیں یہ تفسیر خیال میں رہے اب آیت کے معنی بالکل واضح ہو گئے اس لئے آگے ارشاد ہوا لکل امۃ اجل ظاہر یہ ہے کہ کل امت سے مراد جماعت کفار ہے اور اجل سے مراد ان کے عذاب آنے کا وقت ہے یعنی رب کی طرف سے ہر کافر جماعت کے ہلاک ہونے کے طے شدہ وقت ہے۔ خلاف مرضی الٰہی ان میں آگا پیچھا نہیں ہو سکتا۔ اذا جآء اجلھم فلا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون۔ حق یہ ہے کہ جاء کے معنی ہیں جب آنے لگے اجلھم سے مراد ہے وقت ہلاکت اور دونوں جگہ باب استفعال بمعنی تفعل ہے یعنی لا یستاخرون اور لا یستقدمون (روح المعانی) یعنی جب عذاب آنے لگے تو اس سے گھڑی بھر آگے پیچھے نہیں ہو سکتے کیونکہ آ جانے پر آگے پیچھے ہونا کیسا۔ (روح المعانی)

**خلاصہ تفسیر:** قیامت اور عذابوں کا ذکر سن کر کفار مکہ نہ تو خدا سے ڈرتے ہیں نہ ایمان لاتے ہیں نہ قیامت کی تیاری کرتے ہیں نہ عذاب دفع کرنے کی تدبیریں بلکہ الٹا مذاق اڑاتے ہوئے بطور تمسخر آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ یہ وعدہ قیامت یا وعدہ عذاب کب پورا ہوگا۔ یہ چیزیں کب آئیں گی اگر آپ حضرات سچے ہیں تو اس کا مہینہ دن تاریخ بتائیں آپ ﷺ انہیں جواب دیں کہ یہ چیزیں اللہ کے ہاں مقرر ہیں کوئی شخص انہیں وقت مقررہ سے پہلے مرضی الٰہی کے خلاف نہیں لاسکتا۔ میرا خود یہ حال ہے کہ بغیر اللہ کے چاہے اپنی ذات کے لئے نفع ونقصان کا مالک ومختار نہیں۔ ہاں وہ ہی چاہے اور مجھے مختار کرے تو اس کی مہربانی ہے پھر میں کیسے خلاف مرضی الٰہی قیامت یا عذاب لاسکتا ہوں۔ ہر امت کے متعلق ایک مقرر مدت ہے جب وہ مدت آن لگے تو لوگ اپنی کوششوں سے ایک گھڑی بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتے لہٰذا جب تمہارے عذابوں کا وقت آئے گا تو ٹلے گا نہیں تم جلدی کیوں کررہے ہو تم کو چاہئے کہ بجائے تاریخ پوچھنے کے عذاب سے بچنے کی کوشش کرو کہ ایمان وتقویٰ اختیار کرو۔ بارش کی ارے نہ پوچھو شکستہ گھر کی مرمت کرو۔

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** بڑا بے وقوف وہ ہے جو قیامت یا آنے والی مصیبتوں کی تاریخیں ہی پوچھا کرے اس کی تیاری نہ کرے۔ موت کی تاریخ نہ پوچھو۔ اس کی تیاری کرو۔ یہ فائدہ **ھو یقولون** (الخ) سے حاصل ہوا کہ اسے طریقہ کفار قرار دیا گیا۔

**دوسرا فائدہ:** کبھی وعدہ بمعنی وعید بھی آتا ہے یعنی اندیشناک خبر کو وعدہ کہہ دیا جاتا ہے یہ فائدہ **متی ھذا الوعد** سے حاصل ہوا کہ کفار نے قیامت اور دنیاوی عذابوں کو وعدہ کہا اور اہل زبان تھے رب تعالیٰ نے بغیر تردید ان کا یہ کلام نقل فرمایا۔

**تیسرا فائدہ:** اللہ والوں کی سچائی حقانیت میں شک وتردد کرنا طریقہ کفار ہے مومن ان کی باتوں کو پتھر کی لکیر سمجھتا ہے ساری ایمانی چیزیں حضور انور ﷺ کی زبان مبارک کی سچائی پر موقوف ہیں یہ فائدہ **ان کنت صدقین** سے حاصل ہوا۔

**چوتھا فائدہ:** کوئی شخص بغیر عطاء الٰہی ایک چیز کا بھی مالک ومختار نہیں سب اس کے حاجت مند ہیں وہ غنی وبے نیاز ہے یہ فائدہ **لا املک لنفس** (الخ) سے حاصل ہوا۔

**پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خود ان کے بلکہ عالم کے نفع نقصان کا مالک بنایا ہے یہ فائدہ **الا ما شاء اللہ** سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر اور ان کی تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں ملاحظہ کرو۔ شعر۔

کنجی تمہیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے　　　سرکار بنایا تمہیں مختار بنایا!!

حضور انورؐ کو رب نے اپنے خزانوں اپنے احکام کا مالک بنایا **یحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث**۔

**چھٹا فائدہ:** ہر امت کی ہلاکت وعذاب وغیرہ کا وقت مقرر ہے جو لوح محفوظ میں تحریر ہے۔ جن کی نظر لوح محفوظ پر ہے۔ وہ ان تمام چیزوں پر بحکم پروردگار مطلع ہیں۔ شعر۔

لوح محفوظ است پیش اولیاء　　　ازچہ محفوظ اند محفوظ از خطا

یہ فائدہ لکل امۃ اجل سے حاصل ہوا۔ اجل میعاد مقرر کو کہتے ہیں۔

**ساتواں فائدہ:** کوئی شخص اور کوئی قوم اپنے وقت مقرر سے ایک گھڑی پیچھے نہیں ہو سکتی یہ فائدہ فلا یستاخرون ساعۃ (الخ) سے حاصل ہوا وعدہ کم نہ زیادہ۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں جواب سوال کے مطابق نہیں۔ سوال تو یہ تھا کہ قیامت یا عذاب کب آوے گی۔ جواب دیا گیا کہ میں اپنے لئے نفع ونقصان کا مالک نہیں اس کے جواب میں قیامت یا عذاب کی تاریخ مہینہ سنہ بتانا چاہئے تھا۔

**جواب:** کفار کے سوال کا مقصد ہنسی مذاق تھا وہ کہتے تھے عذاب کب آئے گا۔ تم اسے لاتے کیوں نہیں اس لئے انہوں نے کہا تھا کہ اگر تم سچے ہو۔ ان دو باتوں کے دو جواب دیئے گئے۔ لا املک لنفسی ان کے اس مطالبہ کا جواب ہے کہ تم قیامت لاتے کیوں نہیں اور لکل امۃ اجل ان کے اس سوال کا جواب ہے کہ قیامت کب ہوگی چونکہ قیامت اور دنیاوی عذاب اسرار غیبیہ میں سے ہیں جو عام طور پر ظاہر نہیں کئے جاتے اس لئے اس کی تاریخ نہ بتائی گئی۔

**دوسرا اعتراض:** کفار نے سوال حضور انورؐ سے کیا تھا تو انہوں نے کنتم اور صدقین جمع کیوں کہا۔

**جواب:** ابھی تفسیر میں اس کے تین جواب گذر گئے (۱) اس میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سب سے ہے کیونکہ عام کفار ےاوقات میں مومنین سے جرح قدح اور قیامت وعذاب کا ذکر کرتے تھے (۲) صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جمع کا صیغہ ادب احترام کے لئے ہے (۳) یہاں سارے کفار کا تذکرہ ہے۔ خواہ اس امت کے ہوں یا گذشتہ امتوں کے لہذا کنتم اور صادقین میں خطاب تمام نبیوں سے ہے۔

**تیسرا اعتراض:** ان کنتم صدقین شرط ہے اس کی جزا کہاں ہے۔

**جواب:** اس کی جزا پوشیدہ ہے یعنی اگر تم سچے ہو تو قیامت اور عذاب لاتے کیوں نہیں فوراً لاؤ۔ یا اس کی جزاء پر متی ھذا الوعد دلالت کرتا ہے۔

**چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے لئے کسی نفع نقصان کی کسی چیز کے مالک ومختار نہیں۔ انہیں مالک یا ایک چیز کا مختار ماننا شرک ہے اور اس آیت کے خلاف اسمٰعیل دہلوی وہابی کی کتاب (تقویۃ الایمان میں ہے جس کا نام محمد یا علی ہے وہ ایک چیز کا بھی مالک ومختار نہیں) اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی یہ ہے کہ بتاؤ بادشاہ ملک کے گورنر صوبہ کے کمشنر پوری کمشنری کے اور ڈپٹی ضلع کے بلکہ ہم خود اپنے ذات اپنے بال بچوں اپنے ماتحتوں کے نفع نقصان کے مالک ہیں یا نہیں اگر نہیں تو مصیبتوں میں حکام سے فریادیں مقدمے کیوں کرتے ہو اور تم اور سلاطین وحکام میں فرق کیا ہے۔ کیوں کہتے ہو کہ فلاں حاکم کو پھانسی کا اختیار ہے کہ عمر قید کا فلاں کو اتنے سال قید وجرمانہ کا اختیار ہے اور تم کسی پر احسان کرنے کسی کو قتل کرنے پر جزا سزا کیوں پاتے ہو۔ حضرات انبیاء کرام کے اختیارات خداداد تو آیات قرآنیہ سے صراحتہً مذکور ہیں جو ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کئے۔ جواب تحقیقی وہ ہے جو خود اس آیت میں اس

آیت میں دے دیا گیا ہے الا ما شاء اللہ۔ یعنی اللہ کے بغیر اذن وارادے کے میں کسی نفع نقصان کا مالک نہیں جب وہ ہی مالک بنادے تو بنا سکتا ہے۔ حضور انور علیہ السلام سے صرف جنت نہیں بلکہ جنت کا اعلیٰ مقام یعنی حضور علیہ السلام کی ہمراہی مانگی (مسلم شریف باب السجود) جب وہ جنت کے مالک ومختار باذن پروردگار ہیں تو دنیا اوری ہاں کی نعمتیں تو کہیں کم ہیں وہ بھی حضور سے مانگی جاسکتی ہیں۔ فرمایا ہے واما السائل فلاتنھر ہم بھکاریوں کیلئے وہ ہی جودوعطا کا دروازہ ہے۔

**پانچواں اعتراض:** شعر۔

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے — جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

**جواب:**

وہ چندہ ہے نہیں ملتا خدا سے — جسے تم مانگتے ہو اغنیاء سے
توسل کر نہیں سکتے خدا سے — لہٰذا مانگتے ہیں اولیاء سے

**تفسیر صوفیانہ:** دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ غافلین، عاقلین، غافلین آئندہ آنیوالی مصیبتوں کے لئے تیاری ان کے دفعیہ کی تدبیریں نہیں کرتے بلکہ جرح قدح۔ بحث مباحثہ میں وقت ضائع کرتے ہیں کہ قیامت آتی کیوں نہیں۔ اگر سچے ہو تو لے آؤ۔ وغیرہ وغیرہ۔ عاقلین کاملین بجائے تحقیقات کے تیاری کرتے ہیں ان کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے۔ شعر۔

عاشقاں راچہ کار باتحقیق — ہر کجا نام اوست قربانم

اس آیت کریمہ میں غافلین کا ذکر ہے غافلین واقعہ سے نبی کے قول کو آزماتے ہیں عاقلین نبی کے قول سے واقعہ کو آزماتے ہیں۔ شعر۔

فقط اشارہ سے سب کونجات ہو کے رہی — تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی
جو شب کو کہہ دیا دن ہے تو دن نکل آیا — جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو رات ہو کے رہی

کفار کہتے تھے کہ اگر سچے ہو تو قیامت لاؤ۔ یعنی اگر قیامت ابھی آجائے تو تم سچے ہو قیامت تم کو سچا کرے گی۔ عاقلین کہتے ہیں کہ قیامت ضرور آئے گی کیونکہ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے۔ ان کی زبان غلط نہیں ہوسکتی محال بالذات ہے کہ قیامت نہ آئے صوفیاء فرماتے ہیں کہ پورا عالم وہ ہے جو کسی کو عالم بنا سکے پورا مالک وہ ہے جو دوسرے کو مالک بنا سکے۔ جو عالم علم نہ دے سکے ناقص ہے جو مالک ملکیت بخش نہ سکے وہ ناقص مالک ہے اللہ تعالیٰ تمام کے نفع نقصان کا پورا مالک ہے تو وہ اپنے بندوں کو مالک بنا بھی سکتا ہے اور بنایا بھی ہے خود فرماتا ہے قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء ملک کا پورا مالک ہے جسے چاہے اپنا ملک دے اور فرماتا ہے عالم الغیب والشھادۃ اور فرماتا ہے وعلمک مالم تکن تعلم یہ ہے پوری ملک اور پورا علم۔ نبی پاک کے غلام بھی یعنی تکوینی اولیاء اللہ دنیا کے سیاہ سفید کے مالک اور باذن پروردگار دنیا میں متصرف ہوتے ہیں۔ گروہ اولیاء میں ایک جماعت کا نام غوث ہے یعنی مددگار۔ حضور انور علیہ السلام کی مالکیت نفع رساں ان شاء اللہ قیامت میں آنکھوں دیکھی جائے گی کہ کوئی شخص اپنے اعمال لے کر رب

آوے گا اب اس سوال کا دوسرا جواب دیا جارہا ہے کہ تمہاری جلدی کرنا تمہارے لئے ہی مضر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ کفار بجائے ایمان لانے کے عذاب مانگ رہے ہیں اب ارشاد ہے کہ یہ لوگ ایمان لائیں گے اور ضرور لائیں گے۔ مگر اس وقت جب کہ لانا بیکار ہوگا۔ ہر کام وقت پر درست ہوتا ہے وقت نکل جانے پر بیکار گویا مفید ایمان کے نفی کے بعد بیکار ایمان کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار ایک عذاب یعنی دنیوی عذاب میں جلدی کرتے ہیں۔ اس کا تقاضا کرتے ہیں اب ارشاد ہے کہ ان پر دو عذاب آرہے ہیں۔ دنیا میں وقتی عذاب ذلت شکست قید جزیہ وغیرہ کا آئے دوسرا آخرت میں دائمی عذاب وہ تو ایک عذاب مانگ رہے ہیں ذرا ٹھہر جائیں انہیں دو عذاب ہوں گے۔

تفسیر: قل ارایتم یہاں بھی قل میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن انہیں کفار سے جو عذاب جلدی مانگتے تھے ارایتم کے لفظی معنی ہوتے ہیں کیا دیکھا تم نے مگر استعمال میں یہ اسم فعل ہے بمعنی اخبرونی یعنی مجھے خبر تو بتاؤ تو کیونکہ رویت یعنی دیکھنا خبر دینے کا سبب ہے (روح البیان) یا مطلب ہے غور تو کرو۔ سوچو تو سہی۔ ان اتاکم عذابہ بیاتا و نھارا۔ یہ فرمان عالی قل کا مقولہ ہے یہاں ان فرمانا شک اور تردد کے لئے نہیں کیونکہ اگر عذاب سے مراد ہے غیبی عذاب جو پچھلی امتوں پر آئے جیسے صورتیں مسخ ہو جانا۔ پتھر برسنا وغیرہ وہ تو ہرگز نہیں آسکتے کیونکہ رب تعالیٰ کا وعدہ ہو چکا کہ ما کان لیعذبھم وانت فیھم اور اگر عذاب سے مراد جنگوں میں کھلی شکست مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتوں کا نزول وغیرہ ہے تو وہ یقیناً آنے والا ہے کہ اس کی خبر اللہ رسول نے دے دی تھی لہذا یہاں ان فرمانا معلق کرنے کے لئے ہے۔ (روح المعانی) جیسے اگر زید شیر ہو جائے تو طاقتور ہو یا اگر زید انسان ہے تو ناطق ہے یا اگر سورج نکل آئے تو دن نکل آئے اور ہو سکتا ہے کہ ان فرمانا انہیں شک اور تردد کے لئے ہو۔ یعنی تم کافر رہو تو تم پر عذاب مذکور آجائے گا اور اگر مومن ہو جاؤ تو بچ جاؤ گے۔ چونکہ ان کا کافر رہنا مشکوک تھا لہذا ان پر عذاب آنا بھی ان کے لئے مشکوک تھا۔ بیاتا ظرف ہے اتاکم کا یہ بروزن سلام ہے باب تفعیل کا مصدر بمعنی وقت بیات (کبیر، روح المعانی) یہ بنا ہے بیوتۃ سے بمعنی بیت یعنی گھر میں رہنا مراد ہے۔ رات میں آرام کرنا چونکہ عموماً انسان رات کو گھر میں رہتا ہے دن کو باہر اس لئے رات کو بیات کہہ دیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم پر عذاب اس وقت آئے جب تم کو گھر میں آرام ہو۔ یا دن میں آئے جب تم دنیا کی مشغولیتوں میں لگے ہو۔ اس شرط کی جزا یا تو پوشیدہ ہے یعنی فقدمتم تم شرمندہ ہو جاؤ گے۔ یا تعرفوا خطاء کم اس وقت اپنی خطا کا اقرار کرو گے وغیرہ (بیضاوی) یا اس کی جزا یہ ہے ماذا یستعجل منہ المجرمون جیسے کہا جاتا ہے۔ ان جئتکم ماذا تطعمنی اگر میں تمہارے پاس آؤں تو کیا کھلاؤ گے (کبیر، خازن، معانی وغیرہ) اس فرمان عالی میں ماذا یا تو ایک ہی لفظ ہے یا ما سوال کے لئے ہے ذا اشارہ کے لئے یعنی عذاب میں وہ کون سی خوبی و ذلت ہے جس کی وجہ سے کفار عذاب جلدی مانگتے ہیں۔ ابھی دیکھا نہیں ہے ورنہ کبھی اس کا نام نہ لیتے۔ خیال رہے کہ یہاں بجائے ماذا تستعجلون کے یستعجل منہ المجرمون اتنی دراز عبارت فرمانے میں اس جانب نفیس اشارہ ہے کہ ان کی یہ جلد بازی صرف اس لئے ہے کہ وہ مجرم

کے پاس نہ پہنچے گا کہ موٹی کھاتا کھول نمازیں وغیرہ لے جنت دے۔ بلکہ حضور ﷺ کو شفاعت کے لئے ساتھ لے کر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ عشق رسول عطا فرمائے۔ اس دن عشاق کی دکانیں خوب چمکیں گی۔ شعر۔

سر محشر دکانیں عاشقوں کی خوب چمکیں گی خریدے گا خدا بیچیں گے یہ صدقے محمد ﷺ کے

دیکھو کوئی شخص مدت مقررہ سے ایک ساعت آگے پیچھے نہیں ہوسکتا مگر ان کی دعا سے رب آگے پیچھے کر دیتا ہے۔ حضرت آدم کی دعا سے داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے ساٹھ سال کے سو سال ہوئی۔ یہ ہے نفع نقصان کی ملکیت بحکم پروردگار۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا

فرما دو بتاؤ اگر آئے تم پر عذاب اس کا رات میں یا دن میں کیا ہے وہ کہ جلدی

تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر اس کا عذاب تم پر رات کو آئے یا دن کو

مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا

کرتے ہیں ان کی مجرم لوگ پھر کہا جائے گا

تو اس میں وہ کونسی چیز ہے کہ مجرموں کو جس کی جلدی ہے تو کیا جب ہو پڑے

وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

تو کیا جب کبھی ہو جاوے گا ایمان لاؤ گے تم اس پر کیا اب حالانکہ تم اس کو جلدی مانگتے ہو

گا اس وقت اس کا یقین کرو گے کیا اب مانتے ہو پہلے تو اسکی جلدی مچا رہے تھے

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ

پھر کہا جائے گا ان لوگوں سے کہ جلدی کی انہوں نے چکھو عذاب دائمی نہیں بدلہ

پھر ظالموں سے کہا جائے گا ہمیشہ عذاب چکھو

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾

دیئے جاؤ گے تم مگر اس کا کہ تھے تم کماتے

تمہیں کچھ اور بدلہ نہ ملے گا مگر وہی جو کماتے تھے

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے سوال کے اسی سوال کا ایک جواب دیا گیا کہ وہ عذاب کب پورا ہوگا۔ اور کب عذاب

غافل و کافر ہیں۔ اگر مومن ہوتے تو عذاب کے نام سے ڈرتے کانپ جاتے اور توبہ کرتے ان میں یہ ڈھٹائی نہ ہوتی۔ اثم اذا ما وقع امنتم به یہ فرمان عالی کفار پر ملامت کے لئے ہے اور ثم بمعنی بعد ہے اذا ما میں ما زائدہ ہے اس کے معنی ہوئے جب کبھی اور یہ آمنتم کا ظرف ہے یعنی اے بے وقوفو کیا جب تم پر عذاب آپڑے گا تب ایمان لاؤ گے۔ جب کہ ایمان لانا کام نہ آئے گا۔ دیکھ لو فرعون ڈوبتے وقت چیختا ہی رہا کہ میں ایمان لاتا ہوں مگر ڈوب ہی گیا۔ اگر پہلے کہہ لیتا تو بچ جاتا۔ الئن وقد کنتم به تستعجلون اس فرمان عالی سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی اگر تم اس وقت ایمان لائے تو تم سے کہا جائے گا کہ کیا اب ایمان لاتے ہو پہلے سے اس کی جلدی کرتے رہے کہتے رہے کہ کب آوے گا لہذا اس میں الف سوال انکاری کا ہے اور الان ظرف ہے امنتم پوشیدہ کا یہ فرمان جھڑک کے لئے ہے جیسے فرعون نے جب ڈوبتے وقت اپنی ایمان کا اعلان کیا تو فرمایا گیا الئن وقد عصیت من قبل کیا اب ایمان لاتا ہے حالانکہ پہلے نافرمانی کرتا رہا جب وقت تھا ایمان کا وہ تو نے نکال دیا یہاں تک تو ان کے دنیاوی عذاب کا ذکر ہوا۔ اخروی عذاب کے متعلق ارشاد ہے ثم قیل للذین ظلموا ذوقوا عذاب الخلد اس فرمان عالی میں دوزخ کے عذاب کا ذکر ہے جو قیامت کے بعد کفار پر ہوگا اس لئے ثم ارشاد ہوا جو تاخیر اور مہلت کے لئے بولا جاتا ہے اس سے عذاب برزخ یعنی قبر کا عذاب مراد نہیں۔ کیونکہ وہ عذاب دائمی نہیں جو کفار سے قیامت کے دن ختم کر دیا جاوے گا۔ عذاب الخلد دوزخ کا عذاب ہے یہ کہنے والا یا تو رب تعالیٰ ہے یا فرشتے یا مومنین جو کفار سے یہ خطاب کریں گے چونکہ کفار پر دوزخ کا عذاب اور یہ قول یقینی ہے اس لئے قیل ماضی ارشاد ہوا۔ ظلموا سے مراد کفر ہے۔ کیونکہ دائمی عذاب صرف کفار پر ہوگا یہاں چکھنے سے مراد ہے برداشت کرنا یا بھگتنا۔ جیسے کہا جاتا ہے اب تو اپنے کئے کا مزہ چکھے گا۔ یعنی بھگتے گا۔ یہ دنیوی عذاب کے بعد کفار سے کہا جاوے گا رب تعالیٰ کی طرف سے یا فرشتوں یا مومن انسانوں کی جانب سے کہ اب تم دائمی عذاب بھگتو۔ یہ فرمان قیامت کا فیصلہ سنانے کے بعد ہوگا کہ تم کو عمر قید کی سزا ہے یعنی دائمی کیونکہ وہ ان کی عمر دائمی ہے۔ وہاں نہ عمر ختم ہو نہ عذاب۔ هل تجزون الا بما كنتم تكسبون یہ فرمان عالی قیل کے مقول کا بقیہ مضمون ہے اس میں سوال انکاری ہے۔ جزا سے مراد سزا ہے یعنی عذاب بما میں ب سببیہ ہے اور ما سے مراد بدعقیدگیاں اور یہ بدعقیدگیوں اور بدعملیوں کی سزا ملے گی جو تم دنیا میں کماتے رہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ کسی بندے کو بغیر جرم سزا نہیں دیتا کہ یہ ایک طرح کا ظلم ہے اور رب ظلم سے پاک ہے۔

**خلاصہ تفسیر:** اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ ان کفار سے جو عذاب میں جلدی کرتے ہیں فرمادو کہ اگر تم پر رات میں آرام کرتے ہوئے یا دن میں اپنے کاروبار میں مشغولیت کے حالت میں عذاب آجائے تو تم شرمندہ ہو جاؤ گے۔ اور پھر شرمندگی کا ازالہ دے گا۔ غور تو کرو کہ عذاب میں ایسی کیا خوبی ہے جس وجہ سے مجرم اس میں جلدی کرتے ہیں اے بے وقوفو کیا تم اس وقت ایمان لاؤ گے جب تم پر عذاب آہی جائے گا۔ اگر تم اس وقت ایمان لائے تو تم سے فرشتے یا مسلمان کہیں گے کہ کیا تم اب ایمان لاتے ہو تو پہلے اس کو جلدی مانگتے تھے اب تمہارا ایمان قبول نہیں۔ دیکھ لو فرعون ڈوبتے وقت ایمان لایا مگر عذاب سے نہ بچا ڈوب ہی گیا۔ پھر تم کو صرف دنیا میں ہی عذاب نہیں دیا جائے گا بلکہ کچھ عرصہ بعد یعنی برزخ سے فارغ

ہو کر قیامت کا فیصلہ سنا کر تم کو دائمی عذاب دوزخ دیا جائے گا۔ اور تم ظالموں سے کہا جاوے گا کہ اب دائمی عذاب چکھو تم کو تمہارے گذشتہ برے عقیدوں برے اعمال کی سزا ملے گی بے قصور کو رب تعالیٰ سزا نہیں دیتا۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: عذاب الٰہی اکثر بندوں کی غفلت کے وقت آتا ہے جب وہ نہ بھاگ سکیں نہ بچاؤ کی تدبیر سوچ سکیں یہ فائدہ بیاتا او نہارا فرمانے سے حاصل ہوا کہ لیلاو نہارا نہ فرمایا بیات رات میں آرام کرنے کو سونے کو کہتے ہیں۔

دوسرا فائدہ: مومن تو امن کا زمانہ اللہ کے ذکر شکر عبادت میں گذارتے ہیں۔ کفار غافل۔ یہ زمانہ غفلت شرعی چیزوں کا مذاق اڑانے میں کھو دیتے ہیں۔ یہ فائدہ یستعجل منہ المجرمون سے حاصل ہوا کہ جلدی عذاب مانگنے والوں کو مجرمین فرمایا گیا۔ رب تعالیٰ بیدار دل۔ گریاں آنکھ اور ذکر والی زبان عطا فرماوے۔

تیسرا فائدہ: عذاب الٰہی دیکھ کر ایمان ملنا قبول نہیں اور اس وقت کے ایمان سے عذاب ٹلتا نہیں یہ فائدہ اذا ما وقع امنتم بہ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ ایمان بالغیب قبول ہے عذاب دیکھ کر ایمان بالغیب نہیں بلکہ ایمان بالشہادۃ ہے نبی پر ایمان لاؤ نہ کہ اپنی آنکھ پر۔

چوتھا فائدہ: مرتے وقت یعنی غرغرہ کی حالت میں کفر سے توبہ کرنا ایمان قبول کرنا بالکل مقبول نہیں۔ کیونکہ یہ بھی عذاب کے فرشتوں کو دیکھ کر ایمان لانا ہے۔ ایمان بالغیب نہیں یہ فائدہ بھی اذا ما وقع امنتم بہ سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: دوزخ کا دائمی عذاب جس سے کبھی چھٹکارا نہ ہو صرف کفار ہوگا۔ مومن خواہ کیسا ہی گنہگار ہو۔ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ آخر کار جنت میں پہنچے گا۔ یہ فائدہ وللذین ظلموا ذوقوا عذاب الخلد سے حاصل ہوا کہ یہاں ظلموا کے معنی ہیں کفروا رب فرماتا ہے۔ ان الشرک لظلم عظیم وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے۔

چھٹا فائدہ: کفار کے نا سمجھ چھوٹے بچے یا وہ دیوانے پاگل بے ہوش رہے اس حالت میں مر گئے انہیں رب تعالیٰ عذاب نہ دے گا۔ یہ فائدہ لا تجزون الا بما کنتم تکسبون سے حاصل ہوا۔ الا کے حصر سے معلوم ہوا کہ کفار کو عذاب صرف ان کی بدعقیدگیوں اور بدعملیوں کی وجہ سے ہوگا بچے دیوانہ نہ بدعقیدہ رہے نہ بدعمل انہیں سمجھ ہی نہ آئی کہ مر گئے۔

ساتواں فائدہ: کفار و مشرکین عذاب آخرت کے اعتبار سے گناہ چھوڑنے اور نیکیاں کرنے کے مکلف ہیں۔ یعنی ان پر ضروری ہے کہ اسلامی محرمات سے بچیں اور اسلامی فرائض ادا کریں۔ ورنہ ان کو ان جرموں کی بھی سزا ملے گی یہ فائدہ بھی بما کنتم تکسبون سے حاصل ہوا کہ کسب میں بدعقیدگیاں اور بدعملیاں سب ہی داخل ہیں۔

پہلا اعتراض: یہاں عذاب سے کون سا عذاب مراد ہے۔ اگر غیبی عذاب مراد ہے تو وہ تو حضور انور کی تشریف آوری سے بند ہو گئے وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم اور اگر جنگوں میں شکست وغیرہ کے عذاب یا قیامت مراد ہے تو بیاتا او نہارا فرمانے کے کیا معنی قیامت تو ابھی آئے گی وہ تو آخر زمانے میں آئے گی اور جب آئے گی تو دن ہوگا جیسا کہ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جانوروں کے حوض کا پلستر کرتا ہوگا کوئی کپڑا فروخت کرتا ہوگا کوئی کھانا کھاتا ہوگا کہ

قیامت آجاوے گی۔ بہر حال یہ آیت کیونکر درست ہے۔

**جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں عذاب آنے یا نہ آنے کا ذکر نہیں بلکہ اس کی آمد پر کفار کی شرمندگی موقوف ہونے کا ذکر ہے جیسے اگر زید شیر ہو تو طاقتور شکاری ہو جیسا کہ منطق کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حضور انور ؐ کی آمد سے عیبی عام عذاب بند ہوئے خاص عیبی عذاب آسکتے ہیں اور آئیں گے۔ قریب قیامت بعض لوگوں کی صورتیں بگڑیں گی۔ نیز قیامت بعض لوگوں پر دن میں آئے گی۔ بعض پر رات میں۔ کیونکہ تمام زمین پر بیک وقت دن کبھی نہیں ہوتا۔

**دوسرا اعتراض:** یہاں بیاتا او نہارا کیوں فرمایا گیا۔ لیلا او نہارا کیوں نہ فرمایا نہارا کا مقابلہ لیل سے ہوتا ہے نہ کہ بیات سے۔

**جواب:** رات کے اول حصے میں لوگ جاگتے ہیں مگر آخری حصہ میں سارے ہی غافل سوتے ہیں یہاں یہ ہی آخری حصہ مراد ہے اس وقت عذاب کا آنا بڑی ہی مصیبت کا باعث ہے کہ نہ کوئی بھاگ سکے نہ کوئی مدد کر سکے یہ بتانے کے لئے بیاتا ارشاد ہوا نیز یہاں اشارۃً یہ بتایا کہ کافروں کی راتیں غفلتوں میں گذرتی ہیں مومنوں کی راتیں ہوشیاری میں۔

**تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ عذاب قبر کوئی شے نہیں۔ بس دو ہی عذاب ہیں۔ عذاب دنیا اور عذاب آخرت جو بعد قیامت شروع ہوگا۔ دیکھو یہاں ان اتاکم عذابہ بیاتا (الخ) میں عذاب دنیا کا ذکر ہوا اور ثم قیل میں ذوقوا عذاب الخلد یعنی دائمی عذاب کا ذکر ہوا جو بعد قیامت ہے اگر عذاب قبر بھی کچھ ہوتا تو اس کا بھی ذکر ہوتا۔

**جواب:** دوسری آیات میں عذاب قبر کا صراحۃً ہے النار یعرضون علیها غدوا و عشیا۔ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب۔ یہاں ابتدائی اور انتہائی عذاب کا ذکر ہے عذاب قبر کا یہاں ذکر نہ ہونا اس سے لازم یہ نہیں کہ وہ ہے ہی نہیں۔ اس لئے ارشاد ہوا۔ ثم قیل للذین (الخ) تاکہ مذکورہ دو عذابوں میں فاصلہ معلوم ہو۔

**چوتھا اعتراض:** تم نے کہا کہ عذاب دیکھ کر ایمان لانا قبول نہیں مگر قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی کافر قوم عذاب دیکھ کر ایمان لائی اور ان کا ایمان قبول ہوا۔ الا قوم یونس لما امنوا (الخ)

**جواب:** وہ لوگ علامات عذاب دیکھ کر ہی ایمان لے آئے تھے ابھی عذاب آنے میں دیر تھی جیسے کوئی کافر لاعلاج بیماری میں مسلمان ہو جائے تو قبول ہے مگر نزع کی حالت میں قبول نہیں کہ وہ عذاب دیکھ کر ایمان لایا ہے۔

**پانچواں اعتراض:** تم نے کہا کہ بغیر جرم عذاب و سزا دینا ظلم ہے اور رب تعالیٰ ظلم سے پاک ہے مگر دیکھا جاتا ہے کہ بچوں جانوروں دیوانوں پر بھی مصیبتیں آجاتی ہیں۔ امام حسین پر کربلا میں جو مصیبت آئی وہ تو بیان نہیں ہو سکتی انہوں نے کیا جرم کئے تھے۔ دیکھو لو بغیر جرم مصیبت آگئی اور آتی ہے۔

**جواب:** ہم نے عذاب یعنی سزا کے متعلق یہ قانون عرض کیا دنیا کی تکالیف سزا نہیں ہوتیں۔ کبھی یہ گناہوں کی معافی کبھی بلندی درجات کا ذریعہ ہوتی ہیں یہ رحمت ہیں جیسے بیمار کا اپریشن کہ شفاء اور صحت کا ذریعہ ہے سزا چیز ہی اور ہے یعنی غیر مجرم کو مجرم قرار دے کر اسے سزا دی جائے یہ ظلم ہے۔ رب تعالیٰ سے یہ ناممکن ہے۔

چھٹا اعتراض: تم نے نکسون کے معنی کئے برے عقیدے اور برے اعمال اختیار کرنا اور تم نے کہا ان سب کی سزا کفار کو ملے گی مگر کفار اسلامی اعمال کے مکلف نہیں نہ ان پر نماز و روزہ فرض ہے نہ شراب اور سود حرام پھر سزا کیسی۔

جواب: کفار دنیوی احکام میں اسلامی اعمال کے مکلف نہیں اس لئے بڈھا تو مسلم اپنے کفر کے زمانہ کی نمازیں قضا نہیں کرتا مگر اخروی سزا کے لحاظ سے وہ ان کے مکلف ہیں۔ یعنی انہیں ان اعمال پر بھی سزا ملے گی۔ چنانچہ جب دوزخی کفار سے پوچھا جاوے گا کہ ماسلککم فی سقرتم کو دوزخ میں کون سا گناہ لایا تو کہیں گے۔ قالوا لم نک من المصلین لم نک نطعم المسکین۔ ہم نماز پڑھتے خیرات نہ کرتے تھے۔ اس لئے دوزخ میں ڈالے گئے۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ میں کفار کے دن و رات دکھائے گئے ہیں کہ ان کا حال یہ تھا۔ شعر۔

دن لہو میں کھونا تجھے شب نیند بھر سونا تجھے خوف خدا شرم نبی یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ان سے فرمایا گیا کہ تم پر عذاب اور ندامت دونوں آ جانے کا خطرہ ہے تم کس ہمت پر عذاب میں جلدی کرتے ہو۔ چونکہ ان کے دن اور رات دونوں وقت غفلتوں میں گزرتے ہیں اس لئے ان پر دونوں جہان میں عذاب ہوگا۔ نیز ان کے جسم بدعمل ہیں اور دل بدعقیدہ اس لئے دونوں عالم ان کے تباہ ہیں۔ ایمان وہ بھی لائیں گے مگر وقت کھو کر مومن وقت پر ایمان لاتے ہیں۔ شعر۔

آنچہ دانا کند کند ناداں لیک بعد از خرابی بسیار

صوفیاء کے نزدیک عذاب الخلد میں دونوں عذاب داخل ہیں دوزخ اور عذاب قبر۔ شعر۔

نہ بیداری کہ بدگورفت و جان برد حسابش باکراما کا تبین است

صوفیاء فرماتے ہیں کہ ابتداء عذاب بندے کی طرف سے ہے اس کا نتیجہ رب کی طرف سے ہے جیسے کوئی زہر کھائے او رمرجائے زہر کھانا بندہ کا کام ہے اس پر موت دینا رب کا کام ہے۔

چرا از غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب ہمیشہ خانہ خراب دہوا ء خویشتنم!

(روح البیان)

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔ

اور سوال کرتے ہیں وہ آپ سے کیا حق ہے وہ فرما دو ہاں قسم میرے رب کی تحقیق وہ

اور تم سے پوچھتے ہیں کیا وہ حق ہے تم فرماؤ ہاں وہ میرے رب کی قسم بیشک وہ ضرور

وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۟ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ

بالکل حق ہے اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے اور اگر تحقیق ہو اس جان کے لئے جس نے ظلم

حق ہے اور تم کچھ تھکا نہ سکو گے اور اگر ہر ظالم جان زمین میں جو

ع ۵ وقف النبی

مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا

یا وہ ہوتا جو زمین میں ہے یقیناً فدیہ دے دیتا وہ اس کا اور چھپائیں گے وہ شرمندگی

جو ہے سب کی مالک ہوتی ضرور اپنی جان چھوڑانے میں دیتی اور دل میں چپکے چپکے

الْعَذَابَ ۚ وَ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾

جب وہ دیکھیں گے عذاب کو اور فیصلہ کیا جاوے گا درمیان ان کے ساتھ انصاف کے اور وہ ظلم نہیں کیے جائینگے

پشیمان ہوئے جب عذاب دیکھا اور ان میں انصاف سے فیصلہ کردیا گیا اور ان پر ظلم نہ ہوگا

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں کفار کے ایک قسم کے مذاق و دل لگی کا ذکر ہوا۔ جو وہ قیامت یا عذاب الٰہی کے متعلق کیا کرتے تھے۔ یعنی اس میں جلدی کرنا۔ اب ان کے دوسرے قسم کے مذاق کا ذکر ہے یعنی پوچھتے پھرنا کہ کیا واقعی وہ عذاب حق ہے۔ کیا وہ آئے گا گویا ایک قسم کے انکار کے بعد دوسرے قسم کے انکار کا تذکرہ ہے۔

**دوسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت کریمہ میں آنے والے عذاب کی ایک قسم کی سختی کا ذکر ہوا۔ کہ اس وقت وہ ایمان لائیں گے مگر قبول نہ ہوگا۔ اب اس عذاب کی دوسری سخت کا تذکرہ ہے کہ وہ ساری زمین کا مال فدیہ دینے پر راضی ہوں گے مگر بے سود۔

**تیسرا تعلق:** آیت کریمہ میں کفار کے جسمانی عذاب کا ذکر ہوا ذوقوا عذاب الخلد اب ان کے روحانی اور دلی عذاب کا تذکرہ ہے کہ وہ عذاب پر سخت شرمندہ اور نادم ہوں گے۔

ہر اپنے کوتکوں سے آتی ہے جو مصیبت ہوتی ہے ساتھ اس کے شرمندگی غضب کی

**شان نزول:** ایک بار حیی ابن اخطب یہود کا سردار خیبر سے مکہ معظمہ آیا اسے حضور انور کی جلوہ گری اور آپ ﷺ کے دعویٰ نبوت اور آخرت کے عذاب کی خبریں دینے کا پتہ لگا۔ تو وہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بولا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ وہ بطور دل لگی یا مذاق کہہ رہے ہیں یا یہ باتیں واقعی حق ہیں اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر بیضاوی) اس کی ابن اخطب کی بیٹی حضرت صفیہ بن کی غزوہ خیبر میں گرفتار ہو کر آئیں۔ حضور انور نے انہیں آزاد فرمادیا اور ان سے نکاح کیا وہ ام المومنین ہیں۔

**تفسیر:** ویستنبؤنک احق ہو چونکہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے یستنبؤن بنا ہے نباء سے بمعنی خبر رب فرماتا ہے عن النباء العظیم اگر یہ باب افعال یا تفعیل سے ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں خبر دینا۔ رب فرماتا ہے ونبئهم عن ضیف ابراهیم اگر باب استفعال سے ہو تو معنی ہوتے ہیں خبر معلوم کرنا۔ یعنی پوچھنا یہاں اسی معنی میں

ہے یہ لفظ دو مفعول چاہتا ہے دوسرے مفعول کے اول میں عن آتا ہے۔ یہاں پہلا مفعول تو کاف خطاب ہے دوسرا مفعول مع عن کے پوشیدہ ہے۔ جو احق ھو سے معلوم ہو رہا ہے یعنی عن دعوی نبوتک یا عما وعدتھم من العذاب والساعۃ ھذا السوال انہ۔ میں ھو کا مرجع حضور انورؐ کا دعویٰ نبوت یا قیامت یا عذاب موعود ہے جس کی خبر حضور انورؐ نے دی تھی۔ اگرچہ پوچھنے والا ایک شخص حیی ابن اخطب تھا مگر چونکہ وہ اپنی قوم کا سردار یا نمائندہ تھا گویا ساری قوم یہود ہی شامل تھی۔ اس لئے یستنبؤن جمع ارشاد ہوا یعنی یہ لوگ آپ کے دعویٰ نبوت یا خبر قیامت یا خبر عذاب کے متعلق پوچھتے ہیں کہ کیا یہ حق ہے۔ یہاں حق بمعنی صدق ہے۔ کذب کا مقابل یا اپنے ہی معنی میں ہے یعنی باطل کا مقابل عقائد پر حق و باطل بولا جاتا ہے۔ اور اعمال اقوال پر صادق و کاذب (تفسیر روح المعانی، کبیر وغیرہ) اگرچہ اس نے بطور مذاق یہ سوال کیا تھا مگر نہایت متانت سے اس کا جواب دلوایا گیا کہ ارشاد ہوا۔ قل انی وربی انہ لحق عربی زبان میں نعم۔ بلی اجل ای جیر سارے حروف ایجاب بمعنی ہاں ہیں مگر لفظ ای کے ساتھ قسم ہونا ضروری ہے۔ جیسے ای واللہ اس قاعدے سے یہاں ای و ربی ارشاد ہوا آج کل اہل عرب کہتے ہیں ای وہ شاید یہ واؤ قسمیہ ہے اور وہ وقف کی یا اللہ کا آخری حرف ہے۔ پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ (تفسیر کبیر و صاوی وغیرہ) خیال رہے کہ بعض لوگ دلائل سے مانتے ہیں۔ بعض قسم وغیرہ تاکیدوں سے بعض تلوار سے یہ جواب دوسری قسم کے لوگوں لحاظ سے ہے احادیث میں وارد ہے کہ بعض لوگ حضور انورؐ کو قسم دے کر پوچھتے تھے کہ کیا خدا کی قسم آپ ﷺ رسول ہیں۔ حضور انور ﷺ کے ہاں فرمانے پر مان جاتے تھے۔ (کبیر) انہ لاحق میں وہ احتمالات ہیں جو ابھی احق ھو کی تفسیر میں عرض ہوئے۔ یعنی میری نبوت کا دعویٰ قیامت سے ڈرانا عذابوں کی خبریں بالکل برحق ہیں انہیں باطل ہونے کا شائبہ بھی نہیں۔ وما انتم بمعجزین یہ فرمان عالی یا نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ یا معطوف ہے انہ لحق پر اور قسم کا جواب یا معطوف ہے ای وربی پر اور قل کا مقولہ ہے۔ ان صورتوں میں واؤ عاطفہ ہے انتم میں خطاب یا تو مذکورہ سوال کرنے والوں سے ہے یا سارے کفار سے معجزین بنا ہے اعجاز سے جس کا مادہ عجز ہے۔ عجز کے معنی مجاز ہونا بھی ہیں۔ بچنا بھی۔ اور فوت ہونا بھی (روح المعانی) یعنی تم لوگ موعود عذاب کو فوت نہیں کر سکتے یا تم اس سے بچ نہیں سکتے یا تم رب تعالیٰ کو سزا دینے سے عاجز نہیں کر سکتے وہاں زور کام نہیں آتا۔ زاری عجز و انکساری کام آتی ہے۔ شعر۔

زور را بگذار زاری را بگیر     رحم سوئے زاری آید اے فقیر

اس فرمان عالی میں رب تعالیٰ کی قدرت کا ذکر ہوا۔ اب انسان کی مجبوری مقہوری کا ذکر ہے کہ ولو کان لکلنفس ظلمت ما فی الارض لافتدت بہ اس فرمان عالی میں نفس سے مراد ذات یا جان ہے ظلم سے مراد یا شرک و کفر ہے یا کسی بندے کا حق مارنا یا کسی پر ناحق زیادتی کرنا یہاں لو بمعنی ان ہے۔ یا اپنے ہی معنی میں ہے ما سے مراد زمین کی ساری دولتیں ہیں۔ سونا، چاندی، موتی، جواہرات وغیرہ۔ فدیہ بمعنی معاوضہ ہے یعنی قیامت کی گھبراہٹ اور بے بسی کا یہ حال ہوگا کہ اگر ظالم یا کافر آدمی کے پاس زمین کے سارے خزانے ہوتے اور اس سے کہا جاتا کہ تو یہ سب مال دے کر اپنی جان عذاب سے بچالے تو وہ اس میں ذرا بھی تامل اور تردد نہ کرتا فوراً سب کچھ دے کر اپنے کو عذاب سے بچالیتا۔ واسروا الندامۃ لما راتو

العذاب ظاہر یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اس فرمان میں اسروا جمع ارشاد ہوا اور لکل نفس میں واحد لایا گیا کہ ہر ایک کا انفرادی حال بیان ہوا۔ اور یہاں اجتماعی حال کا ذکر ہے۔ اسروا بنا ہے اسرار سے اسرار کے تین معنی ہوتے ہیں (۱) چھپانا۔ یعنی اعلان کا مقابل رب فرماتا ہے سرا و علانیۃ اگر اس کے بعد کسی کا ذکر ہو تو معنی ہوتے ہیں اس پر ظاہر کرنا۔ دوسرے سے چھپانا۔ رب فرماتا ہے واسرا النبی الی بعض ازواجہ اور فرماتا ہے واسررت لھم اسرارا (۲) ظاہر کرنا کہا جاتا ہے اسررت الشیء میں نے اس چیز کو ظاہر کر دیا۔ امراء القیس کہتا ہے عرب کا مشہور شاعر لویسرون فضلی گویا یہ لفظ اضداد سے ظاہر کرنا اور چھپا دونوں ہیں (۳) اخلاص یہاں تینوں معنی درست ہیں یعنی جب کفار عذاب دیکھیں گے تو ایک دوسرے سے اپنی شرمندگی چھپائیں گے۔ دل میں شرمندہ ہوں گے زبان خاموش یا عذاب دیکھ کر مبہوت و حیران ہو

اور ایک دوسرے سے اپنی شرمندگی چھپائیں گے۔ منہ سے کچھ نہ بولیں گے یا اپنی شرمندگی کا اعلان کریں گے یا نہایت اخلاص سے اپنے کفر و گناہوں سے توبہ کریں گے مگر اس وقت یہ کچھ کام نہ آوے گا اور ان کفار کے طبقوں کے درمیان۔ یا کفار و مومنین کے درمیان یا حق مارنے والے ظالموں اور مظلوموں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جاوے گا۔ کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اچھا فیصلہ کرانا ہی تو دنیا میں اچھے بن کر رہو۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** اگر کوئی جاہل دل لگی یا مذاق کے طور پر بھی کچھ پوچھے تو اس کو تحمل سے جواب دینا چاہئے کہ یہ بھی ایک قسم کی تبلیغ ہے دیکھو حی ابن اخطب نے دل لگی مذاق کے طور پر پوچھا تھا کہ کیا آپ ﷺ کی باتیں سچی ہیں تو حضور انور ؑ سے نہایت نفیس جواب دلوایا گیا کہ ہاں بری قسم سچی ہیں۔ ایک کافر نے کسی صحابی سے کہا کہ تمہارے نبی پیشاب پاخانہ کی باتیں بھی تمہیں سکھاتے ہیں۔ یہ بطور مذاق اس نے کہا تھا ان صحابی نے جواب دیا کہ ہاں انہوں نے ہم کو حکم دیا ہے کعبہ کو منہ یا پشت کر کے استنجاء نہ کریں۔ اور تین پتھروں سے استنجاء کریں۔ یہ ہے حکیمانہ جواب۔

**دوسرا فائدہ:** تبلیغ کے لئے ہر موقعہ پر دلائل قائم کرنا ضروری نہیں کبھی تاکیدی قسم ارشاد فرمانا بھی مفید ہوتا ہے۔ یہ فائدہ ای و ربی فرمانے سے حاصل ہوا کہ اس فرمان میں ای اور و ربی ہے اور ان اور لحق کے تاکیدی لام سے حاصل ہوا۔

**تیسرا فائدہ:** کوئی شخص اپنے زور طاقت کسی حیلہ جھوٹے بہانہ کسی دوسرے کے قوت کے ذریعہ رب تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔ وہاں صرف عاجزی۔ اطاعت زاری کام آتی ہے یہ فائدہ **وما انتم بمعجزین** سے حاصل ہوا۔ شعر۔

عجز کار انبیاء و اولیاء است عاجزی محبوب درگاہ خدا ست

**چوتھا فائدہ:** سوال سے زیادہ جواب دینا جو مفید ہو بہتر ہے کہ اس میں نفع ہوتا ہے یہ فائدہ بھی **وما انتم بمعجزین** سے حاصل ہوا۔ کفار نے صرف یہ ہی پوچھا کہ کیا آپ ﷺ کی باتیں سچی ہیں جواب میں یہ اضافہ فرمایا گیا۔

**پانچواں فائدہ:** مال و دولت سے محبت صرف آرام میں ہوتی ہے مصیبت پڑنے پر یہ محبت نفرت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ فائدہ **لافتدت به** سے حاصل ہوا۔ دیکھو قیامت میں کفار عذاب الٰہی دیکھتے ہی اپنی دولت اور دنیا سے متنفر ہو جائیں گے ان کا یہ حال ہوگا دفع عذاب کے لئے ساری دنیا کے خزانے قربان کر دینے پر تیار ہوں گے۔ ہم نے ایک لکھ پتی کے متعلق سنا کہ وہ سخت بیمار ہوا۔ زندگی سے مایوس ہونے پر ڈاکٹر سے کہا کہ تم میری ساری کوٹھیاں دکانیں بنک کا روپیہ لے لو مجھے کسی صورت سے اچھا کر دو وہ تو آخرت کا عذاب ہے اس کا کہنا۔ یہ ہی حال دنیاداروں کی آپس کی محبتوں کا ہے **الاخلاء یومئذ بعضهم لبعض المتقین** اس قیامت کے دن دوست دشمن بن جائیں گے۔ سواء پرہیزگاروں کے اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم ہی فرمائے۔

**چھٹا فائدہ:** قیامت میں کفار خصوصاً سرداروں کو ڈبل عذاب ہوگا۔ ایک دوزخ کا عذاب دوسرے شرمندگی اور پشیمانی کا عذاب جسے وہ اپنے ماتحتوں سے چھپائیں گے۔

**ساتواں فائدہ:** قیامت میں کفر سے توبہ قبول نہیں۔ توبہ ایمان کی جگہ دینا ہے یہ فائدہ اسرو الندامة کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اسروا کے معنی ہوں کہ وہ اخلاص سے اپنی کئے پر نادم یعنی تائب ہوں گے۔

**آٹھواں فائدہ:** کسی کا حق مارنا بدترین گناہ ہے۔ سور کتا بلا کھانے سے بدتر ہے۔ کسی کا مال مار کر کھانے سے کہ اس گناہ سے توبہ ہو سکتی ہے مگر اس ظلم سے توبہ قبول نہیں۔ وہ تو حق والے کے معاف کرنے سے ہی معاف ہوگا۔ دیکھو جو سانسی مسلمان ہو جائے تو اس نے زمانہ کفر میں جو کتے بلے سور کھائے وہ مسلمان ہوتے ہی معاف ہو گئے مگر اس نے جو کسی کا حق مارا ہوگا وہ معاف نہیں ہوگا وہ تو ادا کرنا ہی پڑے گا۔ یہ فائدہ کل نفس ظلمت کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ ظلم سے مراد کسی کا حق مارنا۔

**پہلا اعتراض:** اپنے دعوے پر قسم کھانے سے کیا فائدہ کفار جب حضور انور ؐ کو سچا جانتے ہی نہ تھے تو قسم کے بعد بھی نہیں مانیں گے تو ای و ربی کیوں ارشاد ہوا۔ ان کو دلائل سے خاموش کرنا چاہئے تھا۔

**جواب:** حضور انور نے اپنی نبوت پر معجزات کے دلائل تو بے شمار قائم فرمادئے تھے نہ ماننے والے انکاری ہی رہے مگر بعض کفار وہ بھی تھے جو حضور انور ﷺ کو قسم دے کر پوچھتے تھے کہ کیا آپ ﷺ سچے نبی ہیں۔ کیا قیامت وغیرہ برحق ہے اور قسم فرمادینے پر مان جاتے تھے۔ ان کے لئے قسم مفید تھی۔ اس کی مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔

**دوسرا اعتراض:** حیی ابن اخطب نے صرف یہ پوچھا تھا کہ کیا آپ ﷺ کی باتیں حق ہیں۔ اس کا جواب ای و ربی کافی تھا۔ بعد میں اور باتیں فرمانا بلاضرورت ہے کہ تم رب کو عاجز نہیں کر سکتے قیامت کی گھبراہٹ کا یہ حال ہوگا وغیرہ۔

**جواب:** یہ ہی تو مقصود تبلیغ ہے کہ اکثر لوگ ڈر کر ایمان قبول کر لیتے ہیں ای و ربی تو اس کی تمہید ہے۔

**تیسرا اعتراض:** اگر اسرو الندامة کے معنی یہ ہوں کہ کفار اپنی شرمندگی ندامت چھپائیں گے تو یہ آیت دوسری آیات کے خلاف ہے رب فرماتا ہے ویوم یعض الظالم علی یدیه یقول یا لیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار اپنی ندامت شرمندگی ظاہر کریں گے۔

**جواب:** قیامت کے حالات مختلف ہوں گے ایک وقت اور ایک حالت میں وہ ندامت چھپائیں گے۔ دوسرے وقت دوسرے حال میں ظاہر کریں گے۔ دیکھو ایک وقت کفار اپنے کفر کا انکار کریں گے۔ دوسرے وقت اقرار۔

**چوتھا اعتراض:** چند روزہ جرم پر دائمی سزا دینا ظلم ہے۔ کفار نے کفر دس بیس یا سو پچاس سال کیا مگر انہیں اس کی سزا میں ابدالاباد تک دوزخ میں رکھنا یہ انصاف کے خلاف ہے (آریہ)

**جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ آج چوری کرتا ہے ایک آدھ گھنٹے میں مگر اس کی سزا سات سال جیل کیا یہ ظلم ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ مجرم کو سزا قانون شکنی کی ہوتی ہے۔ قانون بڑی اہم چیز ہے کفر و شرک کی سزا دائمی دوزخ یہ قانون کے مطابق ہے جس کا اعلان دنیا میں کر دیا گیا ہے خالدین فیها ابدا اگر کسی کو یہ سزا منظور نہیں تو مومن بن جائے بچ جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ: غافل لوگوں کی آنکھوں پر غفلت کے پردے ہیں جن کی وجہ سے وہ اخروی خبروں میں شک و تردد میں ہیں۔ ان آنکھوں اور دلوں میں تعلق دینا۔ محبت دنیا اور الفت اہل دنیا نے ایسی بیماریاں پیدا کر دی ہیں جس سے وہ دنیا سے آگے بڑھتے ہی نہیں مگر عاقل مومن بیدار ہیں وہ دل کی آنکھوں سے آخرت کی چیزوں کو ایسے محسوس کرتے ہیں جیسے دماغ کی آنکھوں سے دنیا کو۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

سرمہ کن درچشم خاک اولیاء تا بہ بینی زابتدا تا انتہا

بعض اللہ کے بندے آخرت کو دماغ کی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نبی نے معراج میں سارا عالم غیب کو ان آنکھوں سے دیکھا عام مومنوں کے لئے آخرت علم الیقین ہے خاص کے لئے عین الیقین اخص کے لئے حق الیقین ان کے متعلق فرمایا انہ لحق لطف یہ ہے کہ حضور انور ﷺ نے قسمیں کھا کھا کر سارے ایمانیات کی حقانیت بیان کی ای و ربی انہ الحق اور رب تعالیٰ نے قرآن کی قسم فرما کر حضور کی نبوت ثابت فرمائی۔ یس و القران الحکیم انک لمن المرسلین یہ ہے شان محبوب۔ رب تعالیٰ کے عذاب سے کفار نہ بچیں گے۔ کیونکہ ان کے پاس دوزخ بجھانے والا پانی نہیں۔ مومنین دوزخ کو عذاب دینے سے عاجز کر دیں گے کہ ان کے پاس ایمان کا نور اور خوف خدا عشق رسول میں بہنے والے آنسو ہیں۔ جن سے دوزخ پناہ مانگے گی۔ کفار اپنے عذاب کا فدیہ نہ دے سکیں گے مگر مومنوں کے لئے رب تعالیٰ کفار کو فدیہ بنا دے گا کہ کافر دوزخ میں اپنی جگہ سنبھال لے گا اور مومن کی جگہ بھی جیسے مومن جنت میں اپنی جگہ بھی لے گا اور کافر کی جگہ بھی۔ کفار اپنی شرمندگی چھپائیں گے مومن کے چہرے پر اس کے نیک اعمال کا نور ہوگا۔ یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ مومن کا حسن کافر کی بدشکل قیامت میں معلوم بلکہ سب کو محسوس ہوگی۔

أَلَآ إِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ أَلَآ إِنَّ وَعْدَ

خبردار تحقیق صرف اللہ کی ہیں وہ چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں خبردار تحقیق وعدے

سن لو بیشک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں سن لو بیشک

اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ

اللہ کے حق ہیں اور لیکن بہت ان میں سے نہیں جانتے وہ زندہ کرتا

اللہ کا وعدہ سچا ہے مگر ان میں اکثر کو خبر نہیں وہ جلاتا

وَيُمِيْتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

ہے اور موت دیتا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے تم سب

اور مارتا ہے اور اسی کی طرف پھرو گے

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اگر قیامت میں کفار دنیا بھر کے خزانوں کے مالک ہوتے تو عذاب کا فدیہ دے دیتے۔ اب ارشاد ہے کہ وہ ایک ذرہ ایک قطرہ کے مالک نہ ہوں گے کیونکہ ہر چیز اللہ کی ملک ہے وہ جسے مالک کرے وہ مالک ہو۔ اس نے ان کفار کو دنیا میں عارضی مالک کیا تھا آخرت میں مالک نہ کرے گا۔ گویا پچھلی آیت میں دعویٰ تھا اس آیت میں اس دعوے کی دلیل ہے۔ (تفسیر صاوی۔ تفسیر کبیر)

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں کفار کا ایک سوال مذکور ہوا کہ کیا یہ مذکورہ چیزیں حق ہیں اور حضور انورؐ کا جواب ذکر کیا گیا کہ انـہ الـحـق اب اس جواب کی تائید فرمائی جارہی ہے کہ محبوب کے وعدے اللہ کے وعدے ہیں اور اللہ کے وعدے خلاف نہیں ہو سکتے گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تائید ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار کی جلد بازی کا ذکر ہوا کہ وہ عذاب جلد مانگتے ہیں فـمـاذا یـسـتـعـجـل مـنـه الـمـجـرمـون اب ان کی حماقت کا ذکر ہے کہ وہ اس جلدی بازی میں بڑے بے وقوف ہیں۔ اللہ کے وعدوں کا وقت مقرر ہے۔ وقت پر عذاب بھی آجائے گا۔ دنیا میں جو بچہ آج اپنا بڑھاپا مانگے وہ دیوانہ ہے بڑھاپا آئے گا مگر اپنے وقت پر۔

**تفسیر:** الا ان جس مضمون کے منکر موجود ہوں یا ہونے والے ہوں اسے الا ان قـد لـقـد کی تحقیقات سے شروع کیا جاتا ہے دنیا میں غافل لوگ عملی طور سے اپنے کو گویا مال و متاع کا حقیقی مالک مان چکے تھے ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ یہ چیز میری وہ تیری کبھی غور نہ کرتے تھے کہ ملکیت ختم ہونے والی ہے بعض کفار نے مستقل مالک چند مانتے تھے اور مانتے ہیں کہ زمین ہمارے فلاں معبود کی اور آسمان فلاں کا بیماریاں فلاں بت کی ملک ہیں۔ تندرستی و دولت مندی فلاں کی نیز یہ مضمون بہت اہم اس کی اہمیت دکھانا مقصود ہے اس لئے اس آیت کو الا اور ان کی تحقیقات سے شروع فرمایا۔ لـلـه مـا فـي الـسـمـوات و الارض اس فرمان عالی میں لـلـه کا لام حقیقی ملکیت کا ہے نفع کا نہیں۔ اور وہاں خـلـق لـكـم مـا فـي الارض میں لام نفع کا ہے یعنی ساری چیزیں الـلـه کی ہیں۔ مگر ہماری نفع کے لئے ہیں۔ رب تعالیٰ نفع سے پاک ہے۔ لـلـه کو مـا فـي الـسـمـوات سے مقدم فرمانے سے حصر حقیقی کا فائدہ حاصل ہوا۔ یعنی اللہ ہی کی ہیں جو کسی ذرہ یا قطرہ کا مالک حقیقی خدا کے سوائے کسی کو مانے وہ مشرک ہے۔ اگرچہ بعض بندے چیزوں کے مالک کئے گئے ہیں مگر وہ بندے خود اللہ کی ملک ہیں۔ اور اپنے مملوک بندے کی مملوکہ چیزیں مولیٰ کی ہوتی ہیں۔ پھر بھی وہ اللہ کی ہی ہوئیں۔ چونکہ دنیا میں عاقل مخلوق تھوڑی ہے اور غیر عاقل زیادہ اس وجہ سے بطور غلبہ ما ارشاد ہوا جو نا سمجھ کے لئے آتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ نا سمجھ چیزیں تو اللہ کی ہیں اور سمجھ دار عاقل لوگ کسی کے چونکہ ہمارا علم صرف آسمانیات تک ہے عالم انوار عالم امر وغیرہ ہمارے علم سے وراء ہیں۔ اس لئے یہاں آسمانوں اور زمین کا ذکر ہوا۔ چونکہ آسمانوں کی حقیقتیں جداگانہ ہیں مگر ساری زمینوں کی حقیقت ایک جنس ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں آسمانوں کو جمع اور زمینوں کو واحد فرمایا جاتا ہے۔ الا ان وعـده الله حـق یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے چونکہ عموماً غافل لوگ اللہ کے وعدوں پر مطمئن نہیں ہوا کرتے۔ رزق کا رب نے وعدہ فرمایا ہے مگر وہ رزق کی فکر میں آخرت کو بھول جاتے ہیں موت یقیناً آتی ہے مگر اس

سے بچنے کی کوشش میں رب سے غافل ہو جاتے ہیں اس لئے اس مضمون کو لاؤ اور ان سے شروع فرمایا۔ یہاں وعدہ یا تو بمعنی موعود ہے یعنی وعدہ کی ہوئی چیزیں تو حق کے معنی میں ثابت اور یقیناً آنے والی معنی اللہ کی تمام وعدہ کی ہوئی چیزیں ضرور آنے والی ہیں ٹل نہیں سکتیں اس میں موعودہ عذاب بھی داخل ہیں یا وعدہ مصدر معنی میں ہے تو حق مقابل ہے باطل کا یعنی واقع کے مطابق یا واقعہ اس کے مطابق یا وعـد الـلـه سے مراد ہیں حضور انورؐ کے کئے ہوئے وعدے۔ خواہ خاص ہے یا عام مسلمانوں سے خاص ہوں یا عام وعدے ہوں۔ یا خاص یا عام کفار سے خاص یا عام وعیدیں یوں ہی مسلمانوں کی فتوحات کفار کی شکست کی خبریں وغیرہ تو حق کے معنی ہیں یقیناً آنے والی جن کا ٹلنا ناممکن ہے۔ (روح المعانی) ولـكـن اكثرهم لا يـعـلـمـون اس فرمان عالی میں اکثرہم سے مراد یا تو اکثر کفار ہیں یا اکثر لوگ علم سے مراد یا یقین ہے یا مطلقاً علم یعنی اکثر لوگ یہ جانتے نہیں اور پریشان رہتے ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں پر اعتماد نہیں کرتے ان کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ حضور علیہ السلام کے وعدے رب کے وعدے ہیں هو يحى و يميت یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے هو يحى میں بلاغت کے قاعدے سے حصر کا فائدہ ہے یعنی صرف رب تعالیٰ ہی زندگی اور موت دیتا ہے اس فرمان کی چند تفسیریں ہو سکتی ہیں (۱) وہ رب ہی دنیا میں زندگی اور موت دیتا ہے (۲) وہ ہی تا قیامت زندگی و موت دے گا (۳) وہ ہی زندگی دیتا ہے۔ اور موت دے گا (۴) وہی زندہ رکھتا ہے اور موت دے گا۔ غرضکہ زندگی و موت اس کے قبضہ میں ہے والیه ترجعون تم سب رب تعالیٰ کی طرف لوٹو گے خواہ بخوشی یا مجبوراً۔ مومن خوشی سے اس کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے اور کافر مجبوراً مومن ایسے جاتا ہے جیسے دوست سے ملنے جاتا ہے کافر جیسے پھانسی کا ملزم حاکم کے سامنے پھانسی کی سزا سننے جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے يوم نحشر المتقين الى الرحمن وفدا ونسوق المجرمين الى جهنم وردا۔ وہ آیت کریمہ اس آیت کی تفسیر ہے۔

**خلاصہ تفسیر:** خبردار رہو۔ اس میں شک وشبہ نہیں کہ آسمان اور زمین کی ساری چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کی ہی مخلوق اس کی مملوک اس کی مقبوض ہیں جس طرح چاہے ان میں احکام جاری فرمائے یہ بھی خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سارے وعدے مجرموں کافروں پر عذاب کے مومنوں کے لئے رحمت کے قیامت کے آنے سے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری بشارتیں ڈرانے والی خبریں یا بالکل برحق ہیں۔ سب پوری ہو کر رہیں گی۔ یہ بات بالکل واضح اور روشن ہے لیکن بہت سے لوگ اسے نہیں جانتے نہیں مانتے اپنی بے وقوفی کی وجہ سے اے لوگو تم ہر طرح رب کے قبضہ میں ہو وہ ہی تم سب کو زندگی دیتا ہے جب تک چاہے زندہ رکھتا ہے جب چاہتا ہے تم کو موت دے دیتا ہے تب سب کا رجوع اسی کی طرف ہے تو بہتر ہے کہ دنیا میں ہی خوشی خوشی اس کے آستانہ پر حاضر رہو اور خوشی خوشی موت کے ذریعہ اس تک پہنچو۔

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** وہ اللہ تعالیٰ ہر چھوٹی بڑی مخلوق کا مالک حقیقی ہے اس کے سوا کوئی ذرہ کا مالک نہیں یہ فائدہ لـلـه کے لام سے اور اسے ما في السموات (الخ) پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا کہ اس میں لام ملکیت کا ہے اور طرز بیان حصر کا۔

**دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے رب کی طرف سے رب کی چیزوں کے مجازی مالک ہیں رب کے حکم سے یہ فائدہ

بھی للہ کے لام سے حاصل ہوا کہ رب کی ملکیت کامل ہے اور کامل مالک وہ ہی ہے جو دوسروں کو مالک کر سکے اگر مالک نہیں کر سکتا تو ناقص مالک ہے فرماتا ہے قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے۔

**تیسرا فائدہ:** حضور انور کے سارے وعدے رب تعالیٰ کے وعدے ہیں جن کا پورا ہونا ضروری ہے۔ یہ فائدہ وعداللہ حق کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ وعدہ اللہ سے مراد حضور انور ﷺ کے کئے ہوئے وعدے ہوں کہ وہ درحقیقت رب تعالیٰ کے وعدے ہیں۔

**چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں جھوٹ کا امکان نہیں۔ اس جھوٹ کا ناممکن بالذات ہے کہ جھوٹ عیب ہے اور رب تعالیٰ عیوب سے پاک ہے یہ فائدہ وعداللہ حق کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ وعداللہ سے مراد ہو اللہ کے کئے ہوئے وعدے اور حق کے معنی ہوں ثابت و لازم۔

**پانچواں فائدہ:** جو اللہ کے وعدوں اس کی خبروں میں جھوٹ کا امکان مانے وہ بحکم قرآن بے علم جاہل ہے اگرچہ اپنے کو بڑا عالم ہی کہتا ہو۔ یہ فائدہ الکم هم لا یعلمون سے حاصل ہوا۔

**چھٹا فائدہ:** زندگی و موت کا پیدا فرمانے والا اور مخلوق کو زندہ و مردہ رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے یہ فائدہ ھو یحیی و یمیت سے حاصل ہوا ہاں زندگی اور موت کے اسباب بندوں کی طرف سے بھی ہو سکتے ہیں۔ ان پر ثواب و عذاب ہے۔ ایک فاسقہ عورت نے پیاس سے مرتے ہوئے کتے کو پانی پلایا تو وہ بخشی گئی اور قاتل کو سزائے موت دی جاتی ہے کیونکہ وہ فاسقہ عورت کتے کی زندگی اک سبب بنی اور قاتل موت کا سبب ہے۔

**ساتواں فائدہ:** ہر مومن و کافر متقی و فاجر کو رب کے سامنے پیش ہونا ہے اگرچہ پیشی کی نوعیت میں بڑے فرق ہیں۔ یہ فائدہ والیہ ترجعون سے حاصل ہوا۔ لہٰذا ہر شخص کو اس پیشی کی تیاری چاہیئے۔

**پہلا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا للہ ما فی السموات الخ دوسری جگہ ارشاد ہے خلق لکم ما فی الارض جمیعا یہاں للہ میں بھی لام ہے اور لکم میں بھی۔ بتاؤ چیزیں اللہ کی ہیں یا ہماری ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

**جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں اس آیت میں للہ کا لام ملکیت کا ہے اور خلق لکم میں لکم کا لام فائدہ اور نفع کا ہے۔ یعنی ہر چیز اللہ کی مخلوق اس کی مملوک ہے مگر اس کے نفع کے لئے نہیں وہ تو نفع اٹھانے سے پاک ہے تمہارے نفع کے لئے ہے۔

**دوسرا اعتراض:** اللہ کو مقدم فرمایا گیا ما فی السموات پر جس سے معلوم ہوا کہ ہر چیز صرف اللہ کی ملکیت ہے تمہارا عقیدہ ہے کہ حضور انور سارے جہان کے مالک ہیں یہ عقیدہ نرا مشرکانہ ہے اس سے تم نے حضور انور ﷺ کو خدا کا شریک مان لیا۔

**جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ عام لوگ اپنے گھر کے مالک

زمیندار اپنی زمین کا مالک۔ لینڈ لارڈ مربعوں کا مالک نواب ریاست کا بادشاہ ملک وسلطنت کا مالک ہے کیا یہ عقیدہ بھی مشرکانہ ہے جواب تحقیقی یہ ہے۔ شعر۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب  یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

نبی کریم ﷺ کو مالک کونین مان کر ہم شریک نہیں مانتے محبوب مانتے ہیں شریک ماننا نقصان ہے کیونکہ شریک آدھے کا مالک ہوتا ہے۔ حبیب سارے کا مالک۔ شریک کی شرکت ٹوٹ سکتی ہے حبیب کی الفت نہیں ٹوٹ سکتی شریک کوئی کام بغیر مشورہ شریک نہیں کر سکتا اکیلے کام کرتے اس کا دل دھڑکتا ہے حبیب اپنے محبوب کے مال میں بے دھڑک تصرف کرتا ہے حضور انورؐ میں محبوبیت کی تمام ہی شانیں موجود ہیں۔ دیکھو احادیث عثمان غنی کے ہاتھ حوض کوثر فروخت کر دیا۔ نماز کسوف میں جنت کا خوشہ توڑنے کے لئے پکڑ لیا۔ پھر خود ہی چھوڑ دیا۔ حضرت عبیدہ کو جنت بخش دی وغیرہ۔

**تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ ان میں کے اکثر لوگ نہیں جانتے اکثر کیوں فرمایا تمام لوگ کیوں نہ فرمایا۔

**جواب:** اگر اکثرھم کی ضمیر مطلقاً انسانوں کی طرف ہے تب تو ظاہر ہے کیونکہ مومنین تو یہ جانتے مانتے ہیں کہ اللہ کے وعدے سچے ہیں اور وہ ہر چیز کا مالک ہے اور اگر ہم کا مرجع کفار ہیں تو وجہ یہ ہے کہ بعض کفار بھی مانتے تھے کہ ہر چیز اللہ کی ہے اور اس کے وعدے سچے ہیں مگر یہ تھوڑے تھے۔ اکثر مشرکین معبودوں کو خدا کی طرف بہت چیزوں کا مستقل مالک جانتے تھے۔ لہٰذا اکثرھم فرمانا بالکل درست ہے۔ نیز وہ کہتے تھے کہ اللہ کے وعدے ہمارے بتوں کی مدد سے پورے ہوں گے۔

**تفسیر صوفیانہ:** نبوت کے آسمانوں کی فیض رساں چیزیں۔ نفس امارہ زمین کی تمام فیض لینے والی چیزیں اللہ تعالیٰ کی مالک میں ہیں۔ وہ جب چاہے جسے چاہے یہ فیض عطا فرمائے۔ ابوجہل جیسے سردار کو حضور ﷺ کے فیض سے محروم کر دے اور حضرت بلال جیسے مسکین کو مالا مال فرما دے ہر چیز ممکن بالذات ہے جو مالک حقیقی کی محتاج ہے وہ جیسے چاہے تصرف فرمائے۔ جیسے رب تعالیٰ کی ذات اس کے صفات واجب بالذات ہیں ایسے ہی اس کے وعدے کا پورا ہونا لازم اور ضروری بالذات ہے۔ کیونکہ وعدہ خلافی یا مجبوری سے ہوتی ہے یا بے خبری سے یا شرارت نفس سے۔ اللہ تعالیٰ ان تینوں عیبوں سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بعض دلوں کو ایمان کے ذریعہ زندہ کرتا زندہ رکھتا ہے۔ بعض کو ایمان سے محروم کر کے مردہ کرتا مردہ رکھتا ہے۔ مردہ کرنا مردہ رکھنا بھی اللہ پر آسان ہے اور مردے کو زندہ فرما دینا بھی آسان ہے۔ بڑے سے بڑے کافر اس کی نظر کرم سے مومن بن جاتے ہیں۔ رب کی طرف کوئی مجبوراً کوئی خوشی خوشی لوٹتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے کہ یار خنداں رو د بجانب یار۔ رب تعالیٰ رجوع اختیاری عطا فرماوے۔ آمین۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اے لوگوں بیشک آئی تمہارے نصیحت طرف سے تمہارے رب کے

اے لوگوں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی

وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ

اور شفا اس چیز کی جو سینوں میں ہے اور ہدایت اور رحمت

اور دلوں کی صحت اور ہدایت اور رحمت

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ

واسطے ایمان والوں کے فرماؤ کہ اللہ کی مہربانی اور اس کی رحمت سے پس اس سے

ایمان والوں کے لئے تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اسی پر چاہیے

فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

چاہیے کہ خوش ہو تم وہ بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں

کہ خوشی کریں وہ ان کی سب دھن دولت سے بہتر ہے

**تعلق**: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق**: پچھلی آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے عذابوں کا ذکر ہوا اب اس کی رحمتوں نعمتوں کا ذکر ہے گویا خوف کے بعد امید کا تذکرہ ہے۔ کیونکہ بعض لوگ ڈر کر مانتے ہیں اور بعض لوگ لالچ سے چونکہ خوف سے ماننے والے زیادہ ہوتے ہیں اس لیے اس کا ذکر پہلے ہوا۔

**دوسرا تعلق**: پچھلی آیات کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت کی گئی تھی بذریعہ قرآن مجید کہ وہ حضور انور کا دائمی معجزہ ہے وما کان ھذا القران ان یفتری من دون اللہ (الخ) اب حضور انور ﷺ کی نبوت اسی قرآن کے ذریعہ ثابت کی جارہی ہے۔ اس لئے کہ اس کی تعلیم بہت اعلیٰ ہے وہ شریعت طریقت حقیقت کا جامع ہے (تفسیر کبیر)

**تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں قرآن مجید کی حقانیت کا دعویٰ کیا گیا۔ قل ای و ربی انہ لحق اب اس کی حقانیت کے دلائل دیئے جارہے ہیں کہ ایسی جامع کتاب ہے۔ جس کی مثل کوئی کتاب نہیں نہ دنیا کی کتابوں میں نہ آسمانی کتابوں میں۔

**تفسیر**: یاایھا الناس پکارنا کبھی ہوتا ہے اظہار کرم کے لئے کبھی اظہار غضب کے لئے کبھی غافل کو بیدار کرنے کے لئے کبھی مضمون کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے یہاں آخری دو مقصدوں کے لئے ہے۔ الناس سے مراد حضور انور ﷺ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے سارے انسان ہیں خواہ کسی زمانہ اور کسی زمین میں ہوں۔ کیونکہ قرآن مجید سب ہی کے لئے نصیحت وغیرہ ہے۔ جیسے سورج کی روشنی سارے جہان کے لئے ہے۔ پہلی آسمانی کتابیں چراغ تھیں خاص قوموں کے لئے قرآن سورج ہے سب کے لئے اگرچہ قرآن مجید جنات کے لئے بھی نصیحت ہدایت ہے بلکہ اس کے بعض احکام فرشتوں پر بھی جاری ہیں جیسے نبی کے گھر میں بے اجازت نہ جانا۔ راستہ وغیرہ میں ان کے آگے چلنا مگر چونکہ انسان اشرف خلق ہے نیز

انسان ہی نزول قرآن سے مقصود ہے دوسری مخلوق تابع اس لئے الناس سے خصوصیت کے ساتھ خطاب کیا گیا۔ قد جاء تکم یہ فرمان عالی مقصود خطاب ہے۔ جس قرآن مجید کی آمد کی خبر دی گئی ہے اس فرمان عالی میں دو باتیں ملحوظ رہیں ایک یہ کہ قرآن مجید ہر جگہ بلکہ ہر گھر بلکہ ہر دل میں پہنچا خواہ کوئی اسے مانے یا نہ مانے۔ جیسے سورج کی روشنی ہر جگہ پہنچی اگرچہ چگادڑ کی آنکھ اس سے فائدہ نہ اٹھائے۔ دوسرے یہ کہ قرآن ہر جگہ اپنے آپ یا محکمہ ڈاک وغیرہ سے نہیں پہنچا بلکہ حضرت جبریل کے ذریعہ حضور انورؐ تک اور حضور انورؐ کے ذریعہ صحابہ کرام تک اور صحابہ کرام کے ذریعہ کتابی شکل میں جمع ہو کر سارے لوگوں تک لہٰذا حضور انورؐ اور ان کے صحابہ کرام کا سارے لوگوں پر احسان عظیم ہے۔ نیز قرآن مجید میں حضرات صحابہ نے کمی بیشی نہیں کی جیسا اور جس شان کا حضور انورؐ سے لیا۔ ویسا ہی سب کو دیا ورنہ قد جاء تکم درست نہ ہوتا۔ پھر قرآن مجید کے الفاظ سب کے کانوں تک اس کے مضامین مومنوں کے دماغوں تک اس کے اسرار ان کے دلوں تک بذریعہ علماء و اولیاء پہنچے غرضکہ یہ فرمان عالی بہت جامع ہے۔ رب تعالیٰ نے یہاں قرآن مجید کی چار صفات بیان فرمائیں۔ اول یہ کہ موعظة من ربکم عربی میں موعظة وعظ اور وعظة تینوں لفظ ایک ہی معنی میں ہیں۔ یعنی نصیحت۔ خواہ پچھلی باتیں یاد دلا کر ہو یا آئندہ کے عذاب و ثواب بتا کر۔ خواہ ڈرا دھمکا کر ہو یا امید و لالچ دلا کر یا اچھی باتوں کی رغبت اور بری باتوں سے نفرت دلا کر قرآن مجید میں یہ ساری باتیں موجود ہیں۔ (از روح البیان و معانی) خیال رہے کہ قرآن مجید کے نزول کی ابتدا رب کی طرف سے ہے اور انتہا حضور ﷺ پر اس لئے یہاں من ارشاد ہوا اور بما انزل الیک میں الی پھر قرآن پاک کی تبلیغ کی ابتداء حضور انور ﷺ سے ہے اور انتہا ہم لوگوں پر یا ایها الرسول بلغ فما انزل الیک یہاں ربکم فرمانا بہت مناسب ہے کیونکہ قرآن مجید رب کی طرف سے بندوں کی روحانی پرورش کا ذریعہ ہے جیسے بارش جسمانی پرورش کا ذریعہ۔ قرآن مجید کی دوسری صفت شفاء لما فی الصدور یہ فرمان عالی معطوف ہے موعظة پر۔ شفاء بمعنی دوا یا علاج یا صحت یعنی مرض کا مقابل لما میں لام صلہ کا ہے۔ ما سے مراد ساری دلی بیماریاں ہیں جیسے جہالت، شک، شرک، نفاق اور برے عقیدے برے اخلاق حسد، کینہ، ہوس دنیا کی حرص، عداوت وغیرہ۔ صدور جمع ہے صدر کی بمعنی مافی الصدور سے مراد وہ دل ہے جو سینہ کے غلاف میں ہے۔ بعض حکماء نے فرمایا کہ جہاں قرآن مجید میں قلب کا ذکر ہے۔ وہاں علم و عقل کی طرف اشارہ ہے جیسے ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب (امام راغب) اور جہاں قرآن مجید میں صدر یعنی سینہ کا ذکر ہے تو وہاں ساری قوتوں کی طرف اشارہ ہے جیسے شہوت۔ غضب ہوس وغیرہ لہٰذا شفاء ما فی الصدور سے مراد ساری قوتیں ہیں قرآن مجید ان سب کی اصلاح کرنے والا ہے۔ خیال رہے کہ قرآن مجید جیسے دلی اور روحانی بیماریوں کا علاج ہے ایسے ہی جسمانی بیماروں کا بھی علاج دوسری جگہ ارشاد ہے وننزل من القران ما هو شفاء و رحمته للعالمین وہاں قرآن کو مطلقاً شفاء فرمایا (از تفسیر روح المعانی) وهدی و رحمة للعالمین اس فرمان عالی میں قرآن مجید کی تیسری اور چوتھی صفت کا ذکر ہے۔ اس کی مکمل تفسیر ہم سورہ بقر کی تفسیر هدی للمتقین کے تحت بیان کر چکے کہ قرآن کریم کی ہدایت عامہ یعنی دعوت ایمان ہر انسان کو ہے۔ ہدایت خاصہ مومنوں کو اور ہدایت خاص الخاص علماء اولیاء کو یہی حال اس کی رحمت کا ہے مومنین سے مراد وہ

لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں مومن ہیں۔ جنہیں ایمان پر خاتمہ نصیب ہو۔ زندگی میں مومن ہو کر جئیں یا کافر ہو کر۔ قل بفضل اللہ وبرحمتہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے قل میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن تا قیامت تمام انسانوں یا سارے مسلمانوں سے ہے۔ فضل اور رحمت کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے۔ حق سے زیادہ عطیہ فضل ہے اور بغیر استحقاق عطیہ رحمت فضل اور رحمت کے متعلق چند قول ہیں (۱) یہ دونوں قرآن مجید کی صفتیں ہیں کہ قرآن اللہ کا فضل بھی ہے اور رحمت بھی ہے (۲) حفظ قرآن اللہ کا فضل ہے۔ علم قرآن رحمت ہے (۳) اللہ کا فضل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور رحمت قرآن مجید۔ رب فرماتا ہے وکان فضل اللہ علیک عظیما (۴) اس کے برعکس کہ اللہ کا فضل قرآن مجید ہے اور رحمت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں رب فرماتا ہے وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین (۵) حضور انور کو قرآن مجید کے نزول کو دیکھ کر ایمان لانا اللہ کا فضل ہے جیسے صحابہ اور ان پر سن کر ایمان لانا اللہ کی رحمت (۶) اسلام اللہ کا فضل ہے قرآن اللہ کی رحمت (کبیر) اس کے متعلق اور بھی چند قول ہیں اس کے بعد فلیفرحوا پوشیدہ ہے۔ بفضل اللہ کو پوشیدہ فعل پر مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا اور فلیفرحوا کی ف سے سببیت معلوم ہوئی (روح المعانی) فبذلک فلیفرحوا یہ فرمان عالی پچھلے فرمان کی تاکید یا بیان ہے۔ اس میں پہلی یا دوسری ف یا دونوں زائدہ ہیں جیسے اس شعر میں

لا تجزعی ان نفسا اھلکتہ فاذا اھلکت فعند ذلک فاجزعی

اس شعر میں فاذا اھلکت اور فعند ذلک دونوں جگہ آئی یا پہلی ف زائدہ ہے یا دوسری یا دونوں۔ (روح المعانی) چونکہ قرآن مجید بڑی شان والی کتاب ہے اس لئے بذالک اسم اشارہ بعید ارشاد ہوا۔ بہ یا ہٰذا۔ نہ فرمایا فرحت سے مراد شکر کی خوشی ہے نہ کہ فخر کی خوشی لہٰذا یہ بات آیت اس کے خلاف نہیں لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین کہ وہاں فخر کی خوشی یعنی شیخی سے منع فرمایا گیا ہے۔ ھو خیر مما یجمعون اس فرمان عالی میں اس خوشی کی وجہ بیان فرمائی گئی۔ ھو کا مرجع یا فرحت وخوشی ہے یا اللہ کا مذکورہ فضل ورحمت یا یجمعون سے مراد دنیا کا مال ودولت وغیرہ ہے یعنی یہ خوشی وفرحت یا یہ قرآن مجید یا یہ فضل ورحمت ساری دنیا کی دولت سے بہتر ہے کہ دولت فانی ہے اور یہ نعمت یا اس نعمت کی خوشی کا ثواب باقی غیر فانی ہے دنیا کا مال ودولت چند وجہ سے رحمت ہے یہ نعمتیں ہزار ہا وجوہ سے رحمت ہیں۔

**خلاصہ تفسیر:** اس فرمان عالی قرآن کی چھ شانیں بیان ہوئی ہیں۔۔ (۱) خدا کی طرف سے آنا۔ (۲) سارے انسانوں کے پاس آنا۔ (۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آنا۔ (۴) ہمیشہ کے لئے آنا۔ (۵) اس کا نصیحت ہونا۔ شفا ہونا۔ (۶) ہدایت ہونا۔ رحمت ہونا۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے جہان بھر کے لوگو کہیں بھی ہو تمہارے کانوں۔ دماغوں دونوں زبانوں پر تمہارے رب کی طرف سے تحفہ قرآن جو نصیحت ہے یعنی تمہارے ظاہر کو پاک وصاف کرنے والا ہے تمہارے دلوں کو شفاء ہے کہ اسے گندے عیوب سے نجات دیتا ہے یعنی باطن کو پاک وصاف کرتا ہے مومنوں کی روح کے لئے ہدایت ہے اور ان کے جسم کے لئے رحمت یعنی اس میں شریعت ہے طریقت ہے حقیقت ہے معرفت ہے شریعت کا تعلق جسم سے ہے طریقت کا دل سے حقیقت کا روح سے معرفت کا سر اور لطیفہ سے (تفسیر کبیر وغیرہ) اے محبوب لوگو یہ خوشخبری دے کر انہیں یہ بھی حکم دو کہ

اللہ کے فضل اور اس کی رحمت ملنے پر خوب خوشیاں مناؤ۔ عموی خوشی تو ہر وقت مناؤ خصوصی خوشی ان تاریخوں میں جن میں یہ نعمت آئی یعنی رمضان خصوصا شب قدر اور ربیع الاول خصوصا بارہویں تاریخ میں کہ رمضان میں اللہ کا فضل یعنی قرآن آیا اور ربیع الاول میں رحمۃ للعالمین۔ یعنی محمد مصطفیٰ پیدا ہوئے۔ یہ فضل و رحمت یا ان کی خوشی منانا تمہارے دنیوی جمع کئے ہوئے مال و متاع روپیہ مکان جائیداد۔ جانور کھیتی باڑی ملک اولاد وغیرہ سب سے بہتر ہے کہ اس خوشی کا نفع شخصی نہیں بلکہ قومی ہے وقتی نہیں بلکہ دائمی ہے صرف دنیا میں نہیں بلکہ دین و دنیا دونوں میں ہے۔ جسمانی نہیں بلکہ دلی اور روحانی ہے برباد نہیں بلکہ اس پر ثواب ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** قرآن مجید تا قیامت سارے انسانوں کے لئے آیا۔ یہ زمانہ یا جگہ سے محدود نہیں یہ فائدہ قد جاء تکم موعظۃ فرمانے سے حاصل ہوا۔ جیسے حضور انور ﷺ کے متعلق ارشاد ہوا یاایھاالناس ان رسول اللہ الیکم جمیعا حضور انور ﷺ کی رسالت قرآن کی ہدایت سب کے لئے ہے۔ کیونکہ جہاں تک بادشاہ کی سلطنت وہاں تک اس کے سکہ کا چلن۔

**دوسرا فائدہ.** قرآن مجید دلی بیماریوں کے لئے شفاء روحانی امراض کا بھی علاج ہے اور جسمانی بیماریوں کی بھی دوا۔ یہاں ارشاد ہوا شفاء لما فی الصدور دوسری جگہ ارشاد ہے شفاء و رحمۃ للمومنین لہٰذا آیات قرآنیہ سے دم یا تعویذ کرنا بالکل درست ہے اور سنت سے ثابت ہے ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کی کہ ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ میرے سینے میں درد ہے فرمایا کہ قرآن مجید پڑھ اور یہی آیت تلاوت فرمائی بیہقی نے شعب ایمان میں حضرت واثلہ بن اسقع سے روایت کی کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ میرے حلق میں درد ہے فرمایا قرآن مجید کی تلاوت کر (روح المعانی)

**مسئلہ:** ہر ظاہری باطنی جسمانی جنانی۔ روحانی بیماریوں سے شفاء ہونا اس میں سوز و گداز اور درد دل ہونا کہ پڑھنے والے اور سننے والے کو تڑپا دے قرآن کریم کی خصوصیات سے ہے دوسری آسمانی کتابوں میں یہ صفات نہ تھیں۔ شفاء کے متعلق تو اس آیت میں اور آیت شفاء و رحمۃ للمومنین میں ذکر ہے سوز و گداز کا ذکر اس آیت میں ہے واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع اور اس آیت میں تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم اور اس آیت میں واذا تلیت علیھم ایاتہ زادتھم ایمانا

**مسئلہ:** آیات کے تعویذ اور اس سے دم کرنے پر اجرت لینا جائز ہے کہ وہ علاج کرنے کی اجرت ہے ایک صحابی نے سانپ کاٹے ہوئے پر سورۃ فاتحہ دم کر کے تیس بکریاں اجرت لیں۔ جو لشکر صحابہ نے کھائیں۔ مدینہ منورہ واپسی پر حضور انور ﷺ نے اس کا بقیہ گوشت کھایا۔

**تیسرا فائدہ:** قرآن مجید کی نصیحت اور شفا تو سارے جہان کے لئے ہے مگر اس کی ہدایت اور خصوصی رحمت صرف مومنوں کے لئے ہے یہ فائدہ للمومنین سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے موعظت اور شفاء کے لئے کوئی قید نہ لگائی مگر ہدایت اور رحمت

کے لیے للمومنین کی قید لگائی ہدایت اور رحمت سے خاص ہدایت ورحمت مراد ہے اس کے متعلق ھدی للمتقین کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔

**چوتھا فائدہ:** قرآن مجید اللہ کا فضل بھی ہے اور اس کی رحمت بھی یہ فائدہ بفضل اللہ و رحمته کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا ہے۔ جب کہ ان دونوں سے قرآن مراد ہوا۔ شعر۔

زہے کلام تو محض ہدایت و حکمت  زہے پیام تو عین عنایت و رحمت
کشد کمند کلام تو اہل عرفان را  زشورہ زار خیابست گلشن ہمت

**مسئلہ:** اللہ کے فضل ورحمت میں مفسرین کے چند قول ہیں (۱) فضل ورحمت دونوں سے مراد ہے قرآن مجید یہ قول مجاہد کا ہے۔ (۲) ابو الشیخ اور ابن مردویہ نے حضرت انس سے روایت کی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا فضل قرآن ہے اور اللہ کی رحمت اس کی اتباع کی توفیق ہے (۳) اللہ کا فضل قرآن ہے۔ اللہ کی رحمت اسلام (۴) اللہ کا فضل علم ہے اور اس کی رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ قول حضرت عبداللہ بن ابن عباس کا ہے رواہ ابو الشیخ (۵) اللہ کا فضل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اللہ کی رحمت حضرت رضی اللہ عنہ رواہ خطیب وابن عساکر عن ابن عباس (۶) اللہ کا فضل جنت ہے اس کی رحمت دوزخ سے نجات (روح المعانی) تفسیر کبیر نے بھی ان میں سے بعض چیزیں بیان فرمائیں (۷) اللہ کا فضل قرآن ہے اس کی رحمت مومن کے دل میں قرآن کی الفت ومحبت یہ حضرت ابن عمر کا قول ہے (۸) اللہ کا فضل قرآنی احکام ہیں اس کی رحمت حضور انور ﷺ کی سنتیں (تفسیر خازن)

**پانچواں فائدہ:** جسے اللہ تعالیٰ قرآن کا علم دے وہ دنیا میں بڑا غنی ہے اور اسے اللہ کا فضل ورحمت دونوں مل گئے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے اللہ تعالیٰ اسلام اور قرآن کا علم دے پھر وہ لوگوں سے فقر وفاقہ کی شکایت کرتا پھرے اللہ تعالیٰ اس کی پیشانی پر فقیری لکھ دے گا جو قیامت کے دن تک نہ مٹے گی۔ (تفسیر مدارک) یہ فائدہ بھی بفضل اللہ برحمته سے حاصل ہوا۔ فقیر پر تقصیر احمد یار عرض کرتا ہے کہ میری آزمائش تجربہ ہے کہ قرآن مجید کی خدمت کرنے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نوکری کرنے والا ایسا غنی ہو جاتا ہے جس کا بیان ناممکن ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے سے اسے روٹی کپڑا، روپیہ اور ساتھ ہی غنا۔ استغنا یا قناعت اور دل کا سکون وچین عطا ہوتا ہے یہ تنخواہیں کوئی بادشاہ بھی نہیں دے سکتا۔ شعر۔

کیوں جاؤں میں کہیں کہ غنی تم نے کردیا  اب ہے یہ در پسند یہ گھر یہ گلی عزیز
ان کے در نے کردیا سب سے غنی  بے طلب بے مانگے اتنا مل گیا
ان کے در کے ٹکڑے ہیں اور میں غریب  مجھ کو روزی کا ٹھکانہ مل گیا

میں سالہا سال سے اس طرح خانہ نشین ہوں کہ ظاہری اسباب میں کوئی آمدنی مستقل نہیں نہ امامت نہ خطابت نہ ملازمت ہے کہیں مجالس میں جانا وغیرہ بند کردیا ہے رب نے قرآن مجید کی خدمت حضور انور ﷺ کی نوکری محض اپنے فضل و

کرم سے عطا فرمادی ہے تو اتنا خوش حال ہوں کہ زندگی میں اتنا کبھی نہ ہوا تھا۔ ساتھ ہی سکون قلب جو عطا ہوا ہے وہ تو بیان سے باہر ہے

چھٹا فائدہ: ماہ رمضان خصوصاً شب قدر یعنی ستائیسویں رمضان کو نزول قرآن کی خوشی منانا بہت ہی بڑی عبادت ہے۔ یہ فائدہ فلیفرحوا سے حاصل ہوا۔ عموماً مسلمان اس مہینہ اس رات کو مسجدوں کی زینت پر چراغاں میلاد خوانی۔ تقسیم شرینی وغیرہ کرتے ہیں ان سب کا یہ ہی آیۃ ماخذ ہے۔

ساتواں فائدہ: یوں ہی ماہ ربیع الاول خصوصاً بارہویں تاریخ کو میلاد شریف کی مجلس کرنا جلوس نکالنا اس رات کو غسل کرنا لباس بدلنا خوشبو ملنا تمام رات نوافل یا ذکر خیر کرنا۔ صبح صادق کے وقت عین پو پھٹنے (لو لگنے) پر قیام و سلام کرنا تقسیم شرینی کرنا۔ فقراء و مساکین کو صدقہ دینا بڑا ثواب اور باعث برکت ہے اس کا ماخذ یہ ہی آیت ہے اور یہ فائدہ بھی فلیفرحو سے حاصل ہوا۔ حضور انور ﷺ اللہ کی بڑی نعمت ہیں۔ شعر۔

رب اعلٰی کی نعمت پہ اعلٰی درود   رب تعالٰی کی منت پہ لاکھوں سلام

جب پاکستان ڈے۔ استقلال پاکستان ڈے قائد اعظم کی پیدائش قائد اعظم کی برسی کی یادگار منائی جاتی ہے تو حضور انور ﷺ جو رسولوں کے قائد اعظم اللہ کی نعمت عظمٰی ہیں ان کی یادگار میں خوشی کیوں نہ منائی جائے۔

آٹھواں فائدہ: رمضان اور ربیع الاول میں سوا شرعی محرمات کے باقی ہر طرح کی خوشی منانا ثواب ہے۔ یعنی خوشی میں باجہ گانا۔ عورتوں کی بے پردگی وغیرہ نہ ہو۔ باقی جو بھی خوشی کا جائز کام کیا جائے۔ بازار سجانا مسجدوں میں گھروں میں چراغاں کرنا جھنڈیاں لگانا وغیرہ جائز بلکہ ثواب ہے یہ فائدہ بھی فلیفرحو کے اطلاق سے حاصل ہوا ہے کہ رب نے قید نہ لگائی کہ فلاں قسم کی خوشی کرو۔ بلکہ جو جذبہ محبت بتائے جدھر شوق دل رہبری کرے وہ خوشی مناؤ۔

نواں فائدہ: یہ مذکورہ خوشی دنیا کی تمام نعمتوں اور ان پر خوشیاں منانے سے بہتر اور افضل ہے یہ فائدہ ھو خیر مما یجمعون سے حاصل ہوا۔ کیونکہ یہ خوشی دینی ہے اور دین یقیناً دنیا سے بہتر ہے ابولہب نے حضور انور ﷺ کی ولادت کی خبر اپنی لونڈی ثوبیہ سے سنی تو خوشی میں اسے آزاد کر دیا بعد موت حضرت عباس نے اسے خواب میں دیکھا۔ پوچھا کیا حال ہے بولا سخت عذاب میں مبتلا ہوں مگر پیر کے دن عذاب ہلکا ہوتا ہے اور مجھے پیاس میں کلمہ کی انگلی سے پانی ملتا ہے کہ اسے چوستا ہوں پانی پاتا ہوں۔ وجہ خود بتائی کنت اعتقت جاریتی ثوبیہ...... کیونکہ میں نے حضور انور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں ثوبیہ کو آزاد کیا تھا (از بخاری شریف شروع کتاب الرضاع۔ مدارج النبوۃ) ہم نے عرض کیا ہے۔ شعر۔

پہلا اعتراض: قرآن مجید جن و انس سب ہی کے لئے آیا یایھا الناس کیوں ارشاد ہوا اور صرف انسانوں سے کیوں کہا گیا کہ تمہارے پاس نصیحت وغیرہ آئی قرآن کی صفت تو ہے ھدی للمتقین

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ انسان اشرف الخلق ہے وہ ہی ہدایت سے مقصود ہے باقی مخلوق اس کے تابع نیز قرآن مجید کے سارے احکام صرف انسانوں پر جاری ہیں۔ جنات و فرشتوں پر بعض احکام جاری نیز قرآن لانے

والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اس گروہ انسانی میں تشریف لائے ان وجوہ سے صرف انسانوں سے خطاب ہے۔ جسے رب تعالیٰ انسانوں سے فرماتا ہے خلق لکم مافی الارض جمیعا زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے پیدا فرمائیں۔ اگرچہ اور مخلوق بھی ان سے فائدہ بلکہ فائدہ اٹھاتی ہے۔

**دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید صرف دلی بیماریوں کی شفاء ہے نہ کہ جسمانی بیماریوں کی لما فی الصدور فرمایا لہٰذا لہٰذا اس سے دم تعویذ کرنا جسمانی بیماریوں کے لئے نہیں چاہئے (وہابی)

**جواب:** علامہ جلال الدین سیوطی نے فرمایا کہ قرآن مجید جیسے دلی بیماریوں کی شفاء ہے ایسے ہی بدنی بیماریوں کی بھی شفاء ہے اور انہوں نے اس کے متعلق وہ دو حدیثیں پیش فرمائیں جو ابھی ہم نے تفسیر میں بیان کیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام قرآنی آیات سے بیمار پر دم کرتے تھے ایک صحابی نے سورہ فاتحہ سانپ کاٹے پر دم کی اسے شفاء ہوئی ان جیسی احادیث سے کتب پر ہیں۔ نیز دوسری آیۃ میں لما فی الصدور کا لفظ نہیں بلکہ شفاء مطلق ہے وننزل من القرآن ما ھو شفاء ورحمۃ للمومنین نیز ابھی ہم تفسیر میں بحوالہ امام راغب عرض کر چکے ہیں کہ یہاں فی الصدور فرمایا فی القلوب نہ فرمایا فی الصدور سے مراد ساری قوتیں ہوتی ہیں بہر حال قرآن مجید جسمانی جنانی ساری بیماریوں کی شفاء مطلق ہے۔

**تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں ھدی اور رحمۃ کیلئے مومنین کی قید کیوں لگائی موعظہ اور شفا کی طرح اسے بھی مطلق کیوں نہ رکھا

**جواب:** ابھی اس تفسیر میں عرض کیا گیا کہ ہدایت اور رحمت سے مراد اخروی ہدایت اور اخروی رحمت ہے یہ صرف مومنوں کو ملتی ہے اور موعظت و شفاء سے مراد دعوت ایمان اور شفاء مطلقہ ہے وہ مومن اور کافر سب کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے دیکھو رب تعالیٰ نے حضور انور علیہ السلام کے متعلق ایک جگہ ارشاد فرمایا رحمۃ للعالمین اور دوسری جگہ فرمایا بالمومنین رؤف رحیم اسی طرح قرآن مجید ھدی للعالمین۔ بھی ہے بمعنی راہبر اور ھدی للمتقین بھی ہے بمعنی مطلوب تک پہنچانے والا۔

**چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں بفضل اللہ (الخ) کو فلیفرحوا پر مقدم فرمایا جس سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ یعنی اللہ کے فضل و رحمت ہی پر خوشی مناؤ کیا ہم مال اولاد اور دوسری نعمتوں پر خوشی نہ منائیں۔

**جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک عالمانہ دوسرا عاشقانہ جواب عالمانہ تو یہ ہے کہ خوشی دو طرح کی ہے دنیا کی جس پر ثواب نہ ملے دینی جو بڑی عبادت ہے اور اس پر بڑا ثواب ہے یہاں حصر دوسری فرحت و خوشی کے لحاظ سے ہے یعنی اس فضل و رحمت پر یہ خاص خوشی مناؤ۔ رب سے ثواب پاؤ۔ جواب عاشقانہ یہ ہے کہ رب کی ہر نعمت میں دو جہتیں ہیں ایک یہ کہ ہم کو مفید ہے دوسرے یہ کہ رب کی عطا ہے جو کوئی کسی نعمت کی خوشی پہلی وجہ سے کرے وہ ہمارے مشرب میں مشرک ہے جو دوسری وجہ سے کرے وہ مومن موحد ہے۔ اس پر ثواب ہے۔ (تفسیر کبیر) اس لئے من ربکم ارشاد ہوا لہٰذا مومن اللہ تعالیٰ کی ہر دینی و دنیوی نعمت پر اس لئے خوشی منائے کہ وہ کریم رحیم کا تحفہ ہے ثواب پائے گا۔

**تفسیر صوفیانہ:** اے رب سے کئے ہوئے عہد و پیمان بھول جانے والو۔ انس ہوں یا جن تمہارے پاس وہ کتاب آئی جو نفس کے لئے نصیحت ہے سینہ کے لئے شفاء ہے روح کے لئے ہدایت ہے مومنوں کے دل و دماغ کے لئے رحمت یا وہ کتاب عوام کے لئے نصیحت ہے خواص کے لئے شفاء اور خاص الخواص کے لئے ہدایت اور ان سب کے لئے رحمت ان کو سب کو اعلیٰ مقام پر پہنچاتی ہے۔ اے محبوب اپنے غلاموں سے فرمادو کہ اللہ کے فضل یعنی اس کے احسان پر جو اس نے تم پر کیا اور اس کی ہدایت پر کہ اس نے تم کو تمہاری پیدائش سے پہلے مومنین صالحین کے زمرہ میں لکھا خوب خوشیاں مناؤ اس طرح کہ اپنی عبادات طاعات پر بھروسہ نہ کرو۔ بلکہ میرے فضل و کرم پر اعتماد کرو کہ یہی اعتماد تمہاری زندگی کا سرمایہ ہے۔ مومنوں کا سرمایہ اللہ کا فضل ہے اور اس کا خزانہ رب کی رحمت۔ شعر۔

گر شاہ را خزانہ نہادن بود ہوس درویش را خزانہ ہمیں لطف دوست بس

**حکایت:** مالک ابن دینار ایک جہاز میں سفر کر رہے تھے جب جہاز منزل مقصود پر پہنچا تو کسٹم والوں نے گھیر کر مسافروں سے کہا اپنے مالوں کی تفتیش کراؤ مالک ابن دینا اتر کر چل دیے سپاہی نے پوچھا تم کیوں چل دیے بولے میرے پاس صرف جسم کے کپڑے ہیں وہ بولا جاؤ آپ نے لوگوں سے فرمایا یہی معاملہ روز قیامت میں ہونا ہے۔ قرآن مجید تحفہ ربانی ہے جس کا فیض ابدالآباد تک رہے گا۔ (روح البیان)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ

فرماؤ کہ بتاؤ تو جو اوتارا اللہ نے تمہارے لئے رزق پس بنا لیا تم

تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو وہ جو اللہ نے تمہارے لئے رزق اتارا اس میں تم نے اپنی

مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى

نے اس میں سے کچھ حرام اور کچھ حلال فرماؤ کیا اللہ نے حکم دیا تم کو اس کا یا اللہ پر

طرف سے حرام اور حلال ٹھہرا لیا تم فرماؤ کیا اللہ نے اس کی تمہیں اجازت دی یا اللہ

اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

بہتان باندھتے ہو اور کیا ہے گمان ان لوگوں کا جو گھڑتے ہیں اللہ پر

پر جھوٹ باندھتے ہو اور کیا گمان ہے ان کا جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ

الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى

جھوٹ دن قیامت کے تحقیق اللہ البتہ بڑے فضل والا ہے لوگوں

قیامت میں ان کا کیا حال ہو گا بے شک اللہ لوگوں پر فضل

النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝

| پر | اور | لیکن | بہت | سے | ان | میں | سے | شکر | نہیں | کرتے |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|

| کرتا | ہے | مگر | اکثر | لوگ | شکر | نہیں | کرتے |
|---|---|---|---|---|---|---|---|

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں قرآن مجید کے نصیحت شفا رحمت ہدایت ہونے کا ذکر ہوا اب ان بدنصیبوں کا تذکرہ ہے جو ایسی اعلیٰ کتاب سے نفع نہیں اٹھاتے قرآنی احکام حرام و حلال میں اپنی عقل سے کام لیتے اور ٹھوکریں کھاتے ہیں گویا سورج اور بارش رحمت کا ذکر پچھلی آیات میں تھا اور چمگادڑ یا شورہ زمین کا ذکر ان آیات میں ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ قرآن مجید مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جس سے معلوم ہوا تھا کہ کفار اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اب اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ کفار اپنی عقل پر اعتماد کرتے ہیں۔ وہ سورج کی بجائے چراغ سے روشنی لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ بخلاف مومنین کے کہ وہ عقل سے بے نیاز ہو کر قرآن کریم کو اپنے لئے مشعل راہ بناتے ہیں۔

**تیسرا فائدہ:** گذشتہ پچھلی آیات میں کفار کی ان غلطیوں کا ذکر ہوا جو وہ عقائد میں کرتے تھے اب ان غلطیوں کا ذکر ہے جو وہ اعمال خصوصاً رزق کے متعلق کرتے تھے۔

**چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ قرآن مجید کی تشریف آوری پر خوشیاں مناؤ اب ارشاد ہے کہ یہ خوشیاں ان لوگوں کے نصیب میں ہیں جو اس کے فرمانوں پر ایمان لاتے ہیں۔ بدنصیب کفار کو قرآن مجید سے رنج و غم ہی ملے گا۔ کیونکہ وہ عقل کے پیچھے پڑے ہیں گویا خوشی دینے خزانے کے بعد خوش نہ لینے والے محروموں کا تذکرہ ہے۔

**تفسیر:** قل ارایتم قل میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے قول سے مراد سوال کے طور پر فرمانا یعنی پوچھنا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے اور یہ پوچھنا عتاب ہے۔ سرزنش اور جھڑکنے کے لئے ہے۔ روئے سخن ان کفار مکہ سے ہے جو حلال جانوروں اور کھیت کی پیداوار میں پابندیاں لگاتے تھے کہ کہتے تھے ھذہ انعام و حرث حجر لا یطعمھا الا من نشاء یا کہتے تھے ما فی بطون ھذہ الانعام خالصۃ لذکورنا محرم علی ازواجنا۔ اور ان کا حال یہ تھا و جعلوا للہ مما ذرا من الحرث و الانعام نصیبا وغیرہ کہ فلاں جانور مردوں کے لئے حلال عورتوں پر حرام یا جانور اور کھیت نے ہم چاہیں اس کے لئے حلال باقی کے لئے حرام وغیرہ نیز بحیرہ۔ سائبہ۔ وصیلہ حام وغیرہ بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور حرام جانتے تھے کہ ان کا دودھ ان پر سواری ان کا گوشت حرام ہے غرضکہ وہ بعد حلال جانوروں کو مطلقاً حرام کہتے تھے اور بعض کو کسی کے لئے حرام کسی کیلئے حرام حلال ارایتم کے لفظی معنی ہیں کیا دیکھا تم نے مگر جب یہ اسم فعل بن کر آئے تو اس کے معنی

ہوتے ہیں بتاؤ تو۔ خبر تو دو وہ ہی معنی یہاں مراد ہیں۔ ما انزل اللہ لکم من رزق اس فرمان عالی میں یا تو ما موصولہ ہے اور یہ جملہ ارایتم کا مفعول اول یا ما سوال کے لئے ہے اور انزل اللہ کا مفعول ہے (روح المعانی) رزق کے معنی حصہ بھی ہیں رب فرماتا ہے۔ وتجعلون رزقکم انکم تکذبون وہاں رزق بمعنی حصہ ہے اور اس کے معنی عطا جاری بھی ہے جو رب کی طرف سے مسلسل ملتی ہے۔ فرماتا ہے ومما رزقنھم ینفقون یعنی روزی یہاں اسی معنی میں ہے۔ اور اس سے مراد ہے حلال غذائیں جیسا کہ لکم سے معلوم ہو رہا ہے کیونکہ حرام چیزیں بچنے کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ نہ کھانے کے لئے۔ (تفسیر بیضاوی و روح البیان) خیال رہے کہ گوشت دانے پھل اگرچہ زمین سے پیدا ہوتے ہیں مگر ان کے اندازے آسمان پر مقرر ہیں کہ یہاں کس کو کتنا دینا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ وان من شیء الا عندنا خزائنه وما ننزله الا بقدر معلوم نیز ان تمام چیزوں کی پیداوار آسمانی اسباب بارش ہوا۔ دھوپ چاند وغیرہ سے ہے کہ بارش سے سبزہ اگتا ہے۔ وانزلنا من المعصرات ماء ثجاجا لنخرج به حبا ونباتا وجنات الفافا دھوپ سے دانا پکتا ہے چاندنی سے پھلوں میں رنگت اور ستاروں کی روشنی سے لذت پیدا ہوتی ہے۔ ان وجوہ سے انزلنا فرمایا گیا یعنی ہم نے آسمان سے رزق اتارا من رزق میں من یا تو بیانیہ ہے ما کا بیان یا بعضیت کا ہے کیونکہ ہر سال بعض رزق ہی پیدا ہوتا ہے۔ فجعلتم منه حراما وحلالا یہ عبارت معطوف ہے انزلنا اللہ پر منه من بعضیت کا ہے اور ہ کا مرجع رزق ہے یعنی تم نے اپنی رائے سے سارے حلال رزق میں بعضیت پیدا کر دی کہ بعض کو حرام ٹھہرالیا اور بعض کو حلال رکھا۔ خیال رہے کہ یہاں عتاب حلال جاننے پر نہیں کہ وہ تو پہلے ہی حلال ہے بلکہ حلال میں بعضیت پیدا کرنے پر ہے کہ یہ سارے حلال نہیں بلکہ بعض حرام بھی ہیں۔ (از تفسیر روح المعانی وغیرہ) یہ بات خوب یاد ہے بڑی اہم ہے قل اللہ اذن لکم یہ سوال بھی عتاب کے لئے ہے ورنہ حضور انور ﷺ کو تو معلوم ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کی اجازت نہیں دی ہے۔ یعنی اے محبوب ان لوگوں سے یہ تو پوچھو کہ کیا اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر یا آسمانی کتاب کے ذریعہ تم کو اس تفریق کی اجازت دی ہے۔ چونکہ عموماً اہل عرب اپنے کو ابراہیمی کہتے تھے اور اپنے دین کو ملت ابراہیمی اس لئے ان سے یہ سوال کیا گیا یعنی اے لوگو رب تعالیٰ نے تم کو حضرت ابراہیم یا ان کے صحیفوں کے ذریعہ اس حرکت کی اجازت دی ہے۔ اگر دی ہے تو دکھاؤ خیال رہے کہ لفظ اللہ میں ایک ہمزہ سوال کا ہے۔ دوسرا ہمزہ اللہ کا صرفی قاعدے سے دوسرا ہمزہ الف سے بدل دیا گیا۔ ام علی اللہ تفترون۔ اس فرمان عالی میں ام یا حرف عطف ہے بمعنی یا اور یا بمعنی بل ہے (روح المعانی) تفترون بنا ہے افترا سے بمعنی جھوٹ بات کو کسی کی طرف نسبت کرنا یعنی یا تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتے ہو یا بلکہ واقعی تم اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہو۔

**خیال رہے:** کہ دوبارہ قل فرمانا اس مضمون کی اہمیت دکھانے کے لئے ہے۔ وما ظن الذین یفترون علی اللہ کذب۔ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس میں واؤ ابتدائیہ ہے اور ظن الذین اس کی خبر ظن کے دونوں مفعول پوشیدہ ہیں (روح البیان) اگرچہ یہاں ظنھم فرمانا بھی کافی ہوتا کیونکہ ان کے افترا کا ذکر ابھی ہو چکا لیکن دراز عبارت اس لئے تاکہ اس کی اس حرکت کا انتہائی جرم ہونا بھی معلوم ہو اور سزا کی وجہ بھی (روح البیان) یعنی یہ جھوٹ باندھنے والے لوگ اپنے متعلق کیا

گمان کرتے ہیں۔ ایک قراءۃ میں ظن فعل ماضی ہے اور الذین (الخ) اس کا فاعل۔ یوم القیمۃ تو ی یہ ہے کہ یہ فرمان عالی ظن کا ظرف نہیں بلکہ مایفعل بھم پوشیدہ کا ظرف ہے یعنی ان کے ساتھ قیامت میں رب کی طرف سے کیا معاملہ کیا جاوے گا۔ رحمت یا غضب بخشش یا پکڑ جنت یا دوزخ خود ہی فیصلہ کرلیں ظاہر ہے کہ غضب پکڑ میں ہی ہوں گے۔ کیونکہ وہ کام غضب کے کررہے ہیں ان اللہ لذو فضل علی الناس اس فرمان عالی میں رب کی اس رحمت عامہ کا ذکر ہے جو دنیا میں اس نے بندوں پر کیا ہے۔ لہٰذا فضل سے مراد انسان کو عقل ہوش دینا اس کی جماعت میں انبیاء کرام بھیجنا اور خاتم النبیین کے بعد تا قیامت علماء اور اولیاء کے ذریعہ حضور انور ﷺ کے احکام پہنچانا۔ لہٰذا الناس سے سارے انسان مراد ہیں۔ چونکہ یہ مذکورہ نعمتیں ہمارے کسی عمل کا بدلہ نہیں اس کریم کی بندہ نوازی ہے۔ اس لئے ذو فضل ارشاد ہوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ دنیا میں سارے مومن کافر و منافق پر بڑی مہربانی فرمانے والا ہے کہ اس کریم نے انسان کو بے خبر نہ رکھا اسے اچھے برے سے خبر دار فرمایا۔ رب تعالیٰ کا کرم تو سن چکے اب انسان کی ناقدری کا حال سنو۔ ولکن اکثرھم لایشکرون بہت لوگ ان نعمتوں کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔ کفران نعمت کرتے ہیں اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے وقلیل من عبادی الشکور تھوڑے بندے شکر گذار ہیں۔ یعنی بہت لوگ (کفار و منافقین) اللہ کے فضل و کرم کا شکریہ ادا نہیں کرتے ناشکری اور کفران ہی کرتے ہیں ورنہ ان حرکتوں سے باز آتے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے۔

**خلاصہ تفسیر:** اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین عرب سے آپ ﷺ ایک سوال تو کریں کہ یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے فرش پر عرشی نعمتیں اتاریں کہ زمین میں سے آسمانی مدد سے دانے پھل گوشت وسواری کے جانور عطا فرمائے اور یہ سب کچھ تمہارے لئے حلال کئے مگر تم نے یہ غضب کیا کہ ان حلال چیزوں کی تقسیم کردی کہ ان میں بعض جانور بحیرہ وغیرہ سب پر بعض جانور اپنی عورتوں پر یوں ہی بعض زمینی پیدوار بعض پر حرام کردی اور بعض حلال رکھیں۔ بتاؤ کیا یہ تقسیم و چھانٹ رب تعالیٰ نے کسی نبی یا کسی آسمانی کتاب کے ذریعہ کی ہے اگر ایسا ہے تو وہ کتاب یا نبی کی تعلیم پیش کرو۔ یا تم نے یہ خود ہی تقسیم کرکے اس کی نسبت رب کی طرف غلط کردی ہے۔ کہ رب نے یہ تقسیم فرمائی ہے اللہ تعالیٰ پر ایسے جھوٹ باندھنے والے اپنے متعلق کیا خیال کرتے ہیں کہ ان سے قیامت میں کیا معاملہ کیا جاوے گا۔ کرم یا غضب۔ چھٹکارا یا پکڑ خود ہی فیصلہ کرلیں کہ وہ کس فیصلہ کے مستحق ہیں دنیا میں اللہ تعالیٰ سارے لوگوں پر بڑا ہی فضل و کرم فرمانے والا ہے کہ اس نے سب کو ہوش گوش عقل حواس دیے پھر ان کی ہدایت کے لئے ان میں رسول کتابیں بھیجیں مگر اکثر لوگ ناقدرے ناشکرے ہیں۔ ان نعمتوں کا شکر نہیں کرتے۔ خیال رکھیں کہ قیامت میں ان ناشکروں پر یہ فضل نہ ہوگا وہ دن فیصلہ اور چھانٹ کا ہے وہاں دانہ الگ اور بھوسہ علیحدہ کردیا جائے گا۔

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** ہر قسم کے رزق کا مرکز آسمان ہے زمین اس کا مظہر ہے یعنی رزق بنتے ہیں آسمان میں نکلتے ہیں زمین سے یہ فائدہ انزل اللہ لکم من رزق سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وفی السماء رزقکم وما توعدون۔

**دوسرا فائدہ:** اگرچہ حرام و حلال ساری چیزیں رزق ہیں حرام خور بھی رب تعالی کا رزق ہی کھاتا ہے مگر حلال رزق کھاتا ہے مگر حلال رزق ہمارے استعمال کے لئے پیدا فرمایا گیا اور حرام چیزیں بچنے کے لئے۔ بکری کھانے کے لئے بنی ہے سور پرہیز کرنے کے لئے یہ فائدہ لکم کے لام سے حاصل ہوا کہ یہاں لام نفع کا ہے۔ (از تفسیر بیضاوی)

**تیسرا فائدہ:** ہر قسم کے رزق مخلوق رب تعالی کے ہیں مگر ان کی پیدائش ہمارے نفع کے لئے ہے رب تعالی نفع حاصل کرنے سے پاک ہے۔ یہ فائدہ بھی لکم کے لام سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے خلق لکم مافی الارض جمیعا۔

**چوتھا فائدہ:** جن چیزوں کو اللہ رسول نے حرام نہ کیا ہو انہیں حرام کہنا سخت جرم ہے یہ فائدہ فجعلتم منہ حراما سے حاصل ہوا۔ لہذا بزرگوں کی فاتحہ میلاد شریف کے تبرک کو حرام کہنا بڑی بے دینی ہے کہ انہیں نہ اللہ تعالی نے حرام کیا نہ اس کے رسول نے۔

**پانچواں فائدہ:** بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور اگر مسلمان نمازی کے ہاتھ لگ جائیں تو وہ شوق سے کھائے یہ فائدہ بھی فجعلتم منہ حراما سے حاصل ہوا ہے کہ کفار بحیرہ سائبہ وغیرہ جانوروں کو حرام سمجھتے تھے کہ وہ بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے تھے۔ رب تعالی نے اس پر ان کی تردید فرمائی دوسری جگہ رب فرماتا ہے ماجعل اللہ من بحیرۃ و لا سائبۃ۔ (الخ)

**چھٹا فائدہ:** یوں ہی مزارات اولیاء اللہ کے چڑھاوے۔ پیسے مٹھائی کپڑے حلال اور طیب ہیں۔ اس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو مگر اب تو حرام سمجھنے والے علماء بھی محکمہ اوقاف میں نوکری کرتے ہیں اور ان ہی چڑھاوے کی آمدنی سے تنخواہیں لیتے ہیں۔ کیونکہ اوقاف کی آمدنی میں زیادہ تر مزارات اولیاء کے چڑھاوے ہیں جنہیں یہ حضرات مزے سے کھا رہے ہیں جو حرام کہتے تھے۔

**ساتواں فائدہ:** اللہ رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حیلے بہانے سے نام بدل کر انہیں حلال سمجھنا سخت جرم اور کفار کا طریقہ ہے یہ فائدہ اشارۃ حراما و حلالا سے حاصل ہوا ہے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو سود کو نفع کہہ کر شراب کو وسکی کہہ کر رشوت کو آمدنی کہہ کر استعمال کرتے ہیں قیامت قریب ہے اور اللہ حسیب ہے۔

**آٹھواں فائدہ:** بھوک ہڑتال کرنا حرام ہے۔ اگر اس سے مر گیا تو خودکشی اور حرام موت مرے گا کہ اس میں بھی اللہ کے حلال رزق کو اپنے پر حرام کرنا ہے۔

**نواں فائدہ:** کھیل کود تماشے فوٹو وغیرہ محرمات کو حلال کرنے کی کوشش کرنے والے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں جسے اللہ رسول نے حرام کر دیا اسے حلال کرنے والے ہم کون۔ یہ فائدہ ام علی اللہ تفترون سے حاصل ہوا ہے۔

**دسواں فائدہ:** ہم پر سب سے بڑا احسان اللہ تعالی نے فرمایا وہ حقیقی منعم ہے یہ فائدہ لذو فضل الناس سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر

**بارھواں فائدہ:** اللہ تعالی نے ساری مخلوق سے زیادہ انسانوں پر کرم فرمایا اتنی مہربانی نہ فرشتوں پر ہوئی نہ دوسری مخلوق پر

یہ فائدہ بھی لذو فضل الناس میں الناس فرمانے سے حاصل ہوا۔ نوع انسان میں حضور انور ﷺ کی جلوہ گری اللہ کی بڑی نعمت ہے جس کی وجہ سے ہمیشہ انسانیت دوسری مخلوق پر فخر کرے گی۔ خصوصا مسلمانوں پر تو اس کا بڑا ہی احسان ہے کہ انہیں ایمان کی توفیق بخشی۔ خود فرماتا ہے لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا۔

**تیرہواں فائدہ:** مگر حیرت در حیرت ہے کہ ساری مخلوق میں زیادہ ناشکر انسان ہی ہے۔ حتیٰ کہ انسان ہی نے دعویٰ خدائی کیا اور لوگوں سے اپنی عبادت کرائی یہ فائدہ اکثرھم لا یشکرون سے حاصل ہوا۔

**چودھواں فائدہ:** ناشکرے انسان زیادہ ہیں اور شکر گذار تھوڑے یہ فائدہ اکثرھم لا یشکرون سے حاصل ہوا۔ ناشکروں کو اکثر فرمایا گیا فرماتا ہے۔ وقلیل من عبادی الشکور فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت میں حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوگا کہ اپنی اولاد سے دوزخ کا حصہ نکالو۔ ہزار میں سے نو سو ننانوے یعنی ایک فی ہزار جنتی ہے قوم یاجوج ماجوج دوزخیوں کی یہ تعداد پوری کرے گی۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں رزق کے متعلق انزل فرمایا گیا انزل کے معنی ہیں اوپر سے نیچے اتارنا حالانکہ دانہ پھل وغیرہ زمین میں سے نکلتے ہیں اور جانور وغیرہ زمین پر پیدا ہوتے ہیں ان میں سے کوئی چیز آسمان سے نہیں اتری۔ یا تو اخراج فرمایا جاتا یا تو خلق۔

**جواب:** ان سب مذکور چیزوں کا مدار بارش اور دھوپ چاندنی اور تاروں کی چھاؤں پر ہے۔ یہ سب چیزیں اوپر کی طرف سے اتریں ہیں اور حق یہ ہے کہ زمین ان چیزوں کا مخرج یعنی دروازہ ہے ان کا خزانہ آسمان میں ہے وفی السماء رزقکم حضور انور ﷺ نے معراج نیل اور فرات دریاؤں کا مرکز آسمان پر ملاحظہ فرمایا۔ لوہے کے متعلق رب ارشاد فرماتا ہے وانزلنا الحدید ہم نے لوہا اتارا وہاں بھی یہ ہی تحقیق ہے۔

**دوسرا اعتراض:** رزق اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے لئے پیدا فرمایا پھر لکم کیوں فرمایا اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف انسانوں کے لئے پیدا ہوا ہے۔

**جواب:** دو وجہ سے ایک یہ کہ دنیا میں صرف انسان مقصود ہے باقی چیزیں انسان کے طفیل ہیں اس لئے جن قوموں پر عذاب آئے وہاں کے جانور بھی ہلاک کر دئے گئے نیز روزی جانور کھاتے ہیں اور ہم جانوروں کو کھاتے ہیں لہٰذا بالواسطہ وہ روزی ہم نے ہی کھائی دوسری یہ کہ اگلا مضمون یعنی بعض رزقوں کو حرام سمجھ لینا صرف انسانوں کا عمل ہے ان کے سوا کوئی مخلوق یہ حرکت نہیں کرتی لہٰذا اس کی تمہید میں بھی انسانوں کا ذکر ہوا۔

**تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کو نہ تو بغیر دلیل حرام کہنا چاہئے نہ حلال۔ حرمت اور حلت دونوں کے لئے دلیل کی ضرورت ہے کیونکہ ارشاد ہوا فجعلتم منہ حراما وحلالا دونوں باتوں کی بنا پر کفار پر عذاب ہوا۔ لہٰذا گیارہویں کی مٹھائی میلاد شریف کا تبرک حلال نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی حلت کی کوئی دلیل نہیں۔

**جواب:** پھر تم نے انہیں حرام کس دلیل سے کہتے ہو آیۂ کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے تمہارے لئے سارے

حلال رزق اتارے تم نے اس میں تقسیم کیوں کردی۔ کہ بعض کو تو حرام سمجھ لیا اور بعض کو حلال جانا۔ سب کو ہی حلال کیوں نہ مانا۔ اس لئے کہ کفارہ بحیرہ سائبہ وغیرہ حلال جانوروں کو ہی حرام کہتے تھے۔ اس کی بحث کہ تمام چیزوں میں اصل حلال ہونا ہے۔ ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول اور اقتدار خان کی کتاب راہ جنت میں ملاحظہ کرو۔ رب فرماتا ہے قل لا اجد فیما او حی الی محرما علی طاعم یطعمه الخ وہاں ۔ کسی چیز کی حرمت نہ پانے کو حلال ہونے کی دلیل قرار دیا اگر کوئی چیز بغیر دلیل قرار دیا اگر کوئی چیز بغیر دلیل حلال نہیں ہوسکتی تو مصیبت آجاوے گی۔ آم۔ خربوزہ انناس اور تمام وہ کھانے جو حضور انور ﷺ کے زمانہ میں لوگ جانتے بھی نہ تھے وہ حلال نہ ہوسکیں گے کہ ان کی حلت کی نہ آیت ہے نہ حدیث۔

**چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل والا ہے لذو فضل علی الناس تو کیا وہ دوسری مخلوق پر فضل والا نہیں پھر علی الناس کیوں فرمایا۔

**جواب:** یا اس لئے کہ اس نے جتنا فضل و کرم انسانوں پر کیا اتنا کسی مخلوق پر نہ کیا۔ ساری مخلوق کو اس کا خادم بنایا۔ انبیاء، اولیاء اسی میں پیدا کئے شریعت طریقت اسی کے لئے رکھی۔ اعلیٰ غذائیں اسی کو کھلائیں یا اس لئے کہ بڑا ناشکرا صرف انسان ہی ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ فرمایا ولکن اکثرھم لا یشکرون۔

**تفسیر صوفیانہ:** جیسے رب تعالیٰ نے جسمانی رزق سب کے لئے پیدا فرمائے ایسے ہی اس نے روحانی رزق ایمان عرفان واردات۔ شواہد ربانیہ بھی سب کے لئے پیدا کیں جو بے وقوف کہے کہ یہ چیزیں صرف قلوب والوں کے لئے ہیں نفوس والوں کے لئے نہیں۔ دنیاداروں کو دین سے کیا تعلق دین کو علماء اولیاء جانیں۔ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے۔ رب نے سب کو ان چیزوں کی دعوت دی فرماتا ہے واللہ یدعو کم الی دار السلام اور فرماتا ہے یدعو کم لیغفر لکم ان روحانی رزقوں کو اپنے نفس پر حرام جان لینا کم ہمتی ہے رب نے یہ دروازہ کسی پر بند نہیں کیا۔ شعر۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد ۔۔۔ اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

وہ عاشق ہی کیا جس پر محبوب کرم نہ کرے ارے کم بخت تیرے پاس درد ہی نہیں ورنہ دوا اور طبیب موجود ہے جو سمجھے کہ میں شہوت وغفلت سے نکل سکتا ہی نہیں وہ رب تعالیٰ کی قدرت میں کمی مانتا ہے وہ ہم جیسے کروڑوں کو نکالنے پر قادر ہے وکان اللہ علی کل شئی مقتدرا صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس آیت کی زد میں غلط فتوے دینے والے علماء اور غلط راہ پر چلنے والی صوفیا بھی داخل ہیں۔ کہ وہ اپنی رائے اپنے فتوے کے لئے بعض کو حرام اور بعض کو حلال کہتے ہیں۔

**حکایت:** علی بلخی کی لڑکی نے اپنے باپ علی سے پوچھا کہ اگر پیٹ سے قے منہ میں آجائے اور پھر لوٹ جائے تو وضو گیا یا نہیں وہ بولے ٹوٹ گیا۔ رات کو خواب میں حضور انور ﷺ کی زیارت ہوئی فرمایا اے علی جب قے منہ بھر کر ہو۔ معلوم ہوا کہ ہمارے فتوے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہوتے ہیں۔ رب تعالیٰ حق بات کی توفیق دے۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَّمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ

اور نہیں ہوتے تم کسی حال میں اور نہیں تلاوت کرتے تم رب کی طرف سے

اور تم کسی کام میں ہو اور اس کی طرف سے کچھ قرآن پڑھو

وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ

کچھ قرآن اور نہیں عمل کرتے تم لوگ کوئی عمل مگر ہیں ہم اس پر گواہ (مشاہدہ کرنے والے)

اور تم لوگ کوئی کام کرو ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب تم

تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ

جب مشغول ہوتے ہو تم اس میں اور نہیں چھپتی رب سے تمہارے کوئی ذرہ کی برابر نہ

اس کو شروع کرتے ہو اور تمہارے رب سے ذرہ بھر کوئی چیز

ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ

زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں ہے کوئی چھوٹی

غائب نہیں زمین میں آسمان میں اور نہ آسمان نہ اس سے چھوٹی

ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦١﴾

چیز اس سے اور نہ بڑی مگر وہ ظاہر کرنے والی کتاب میں ہے

اور نہ اس سے بڑی کوئی چیز نہیں جو ایک روشن کتاب میں نہ ہو

**تعلق:** اس آیۂ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** ابھی پچھلی آیۂ میں اللہ تعالیٰ کے عام فضل و کرم کا ذکر ہوا اب اس کے عام علم کا ذکر ہے کیونکہ علم کے بغیر فضل ناممکن ہے گویا فضل و کرم کے بعد اس کے موقوف علیہ کا ذکر ہو رہا ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں قرآن مجید کے فضائل کا ذکر ہوا کہ وہ نصیحت۔ شفا۔ ہدایت رحمت ہے اب اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ اس کا نازل کرنے والا رب علیم۔ خبیر۔ شاہد ہے جس کتاب کا بھیجنے والا ایسی صفات والا ہو سمجھ لو کہ کتاب کیسی ہوگی۔ گویا قرآن مجید کی چار صفتوں کے چار فضائل کے بعد اس کی پانچویں صفت کا ذکر ہے کہ وہ علیم و خبیر کا بھیجا ہوا ہے

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار پر عتاب مومنوں پر اظہار کرم تھا مومنوں سے فرمایا گیا تھا کہ تم اللہ کے فضل اس کے رحم پر خوب خوشیاں مناؤ۔ کفار سے کہا گیا کہ تم نے کس دلیل سے بعض چیزوں کو حرام بعض کو حلال کر لیا اب یہ آیت کریمہ جامع

آیت ہے۔ جس میں رحمت کی شان بھی نظر آتی ہے اور غضب وقہر بھی جھلک رہا ہے کہ ہم ہر ایک کا ہر حال جانتے ہیں۔

**چوتھا تعلق:** گذشتہ پچھلی آیات میں قرآن مجید کے فضائل بیان ہوئے اب صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات حضور ﷺ کے مناقب شریفہ کا ذکر ہے کہ وہ اور ان کا ہر حال ان کی تلاوت قرآن ہماری نظر کرم میں ہے۔ اگر تم ہماری نظر کرم میں آنا چاہتے ہو۔ تو ان کی نظر کرم میں آ جاؤ ان کے قدم وابستہ ہو جاؤ۔ تم پر بھی وہ ہی نظر ہو جائے گی۔

**تفسیر:** وما تکون فی شان اس فرمان عالی میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور چونکہ یہ نیا جملہ ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور ظاہر ہے یہ کہ تکون حال دائمی ہے یعنی ولادت پاک سے لے کر وفات آریف تک آپ ﷺ کی ہر شان ہماری نظر میں ہے اور ممکن ہے کہ تکون مضارع استمراری ہو جیسے ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی میں یصلون مضارع استمراری ہے۔ جس میں ہر زمانہ داخل ہے یعنی عالم ارواح عالم انور پھر عالم اجسام پھر یہاں دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد عالم قدس جس جگہ جس حال میں آپ ﷺ تھے یا ہیں یا ہوں گے شان کے بہت معنی ہیں۔ یہ مصدر بھی ہوتا ہے بمعنی ارادہ۔ اسم بھی بمعنی حال۔ بمعنی ضروریات دنیوی بمعنی عظیم الشان مشغلہ۔ یہاں آخری معنی میں ہے اس سے حضور انور ﷺ کی ہر حالت مراد ہے حتی کہ سونا جاگنا چلنا پھرنا دینی و دنیوی کام و اعمال (تفسیر خازن) رب فرماتا ہے کل یوم ھو فی شان رب تعالی ہر دن یا ہر وقت نئی شان میں ہوتا ہے یہ ہر حال شان سے مراد حضور انور ﷺ کا ہر حال آپ ﷺ کی ہر کیفیت ہے جو نہایت شاندار ہے کہ اللہ کو حضور ﷺ کی ہر ادا پسند ہے نیز حضور ﷺ کا ہر حال تا قیامت لوگوں کے لئے نمونہ عمل ہے اس لئے اسے شان فرمایا گیا اس آیۃ کی تائید ان آیات سے ہے قد نری تقلب وجھک فی السماء ہم آپ ﷺ کے آسمان کی طرف منہ اٹھانے کو دیکھ رہے ہیں۔ الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین جب تم تہجد کے وقت اٹھتے ہو اور نمازیوں میں گشت لگاتے ہو تو رب تعالی تم کو دیکھتا ہوتا ہے فانک باعیننا (طور) اے ہمارے محبوب تم ہماری نظروں میں رہتے ہو وغیرہ یہ ظاہر ہے کہ یہاں ما نافیہ ہے روح البیان اور بیضاوی وغیرہ نے یہ ہی فرمایا اعلی حضرت اقدس سرہ کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ما بمعنی جب ہے۔ وما تتلو منہ من قران۔ یہ فرمان عالی معطوف ہے ما تکون (الخ) پر منہ اور من قرآن کے متعلق مفسرین کے بہت قول ہیں آسان تر اور قوی یہ ہے کہ منہ کی ضمیر قرآن کی طرف ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا جاء تکم موعظۃ (الخ) میں۔ اور من بعضیت کا ہے اور من قرآن میں من بیانیہ ہے قرآن سے مراد کوئی آیت یا رکوع کی سورۃ ہے کیونکہ قرآن مجید کا لفظ قرآن ہے یعنی نہیں تلاوت کرتے آپ ﷺ قرآن کی کوئی آیۃ بعض نے فرمایا کہ من میں من بمعنی لام ہے اور وہ ضمیر رب تعالی کی طرف ہے یعنی نہیں تلاوت کرتے آپ ﷺ اللہ کے لئے کچھ قرآن۔ اعلی حضرت قدس سرہ کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ منہ من ابتدائیہ ہے اور وہ ضمیر رب تعالی کی طرف سے یعنی جب آپ اللہ تعالی کی توفیق اس کی مدد سے کچھ تلاوت قرآن کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ تلاوت قرآن بھی حضور انور ﷺ کی ایک شان ہی ہے اور ما تکون فی شان میں داخل ہے مگر چونکہ یہ مشغلہ تمام مشاغل سے اعلی اور تمام شانوں سے زیادہ شاندار اس لئے اس کا ذکر خصوصیت سے علیحدہ فرمایا۔ ولا تعملون من عمل یہ عبارت معطوف ہے وما تتلو پر

مگر اس میں خطاب سارے مسلمانوں یا سارے انسانوں سے ہے چونکہ بڑے کام کا ہر کام بڑا ہوتا ہے اس لئے وہاں فی شان ارشاد ہوا کہ وہاں حضور انور ﷺ کا حال مراد تھا اور یہاں من عمل ارشاد ہوا یعنی اے انسانو یا اے مسلمانوں تم نہیں کرتے کوئی چھوٹا بڑا کھلا چھپا، کام انا کنا علیکم شھودا اس فرمان عالی کا تعلق گذشتہ تینوں چیزوں سے ہے کنا اور شھودا کو جمع فرمانا تعظیم کے لئے ہے۔ شہود جمع شاہد کی یا شہید کی جو مشاہدہ یا شہادت سے بنا یعنی مگر ہم تم پر گواہ یا مطلع ہوتے ہیں تم سب کچھ ہمارے سامنے کرتے ہو۔ اذ تفیضون فیہ یہ عبارت کنا علیکم کا ظرف ہے تفیضون بنا ہے افاضتم سے جس کے معنی ہیں نکلنا پھیلنا کثرت سے لگ جانا۔ شروع کرنا بھی بمعنی تو اس آتا ہے یعنی مشغول و مصروف ہونا۔ یہاں یا بمعنی شروع کرنا ہے یا بمعنی مصروف ہونا۔ یہاں تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ اگر مضارع پر ما نافیہ آئے تو اسے بمعنی حال کر دیتا ہے اگر لا نافیہ آئے تو بمعنی استقبال کرتا ہے حضور انور ﷺ کے دونوں کام شریف پر ما نافیہ ہے اور عام لوگوں کے عمل پر لا نافیہ ارشاد ہوا (روح المعانی) بہر حال مطلب یہ ہے کہ جب تم لوگ کوئی کام شروع کر دیا جب کسی کام میں مشغول و مصروف ہو تو ہم مشاہدہ فرماتے ہیں وما یعزب عن ربک یہ فرمان عالی گویا پچھلے فرمان عالی کا تتمہ یا اس کی دلیل ہے اس میں رب کی وسعت علم کا ذکر ہے۔ یعزب بنا ہے عزوب سے بمعنی غائب ہونا اور دور ہونا عربی میں عازب اس شخص کو کہتے ہیں جو چارے کی تلاش میں اپنے گھر سے دور نکل جائے (غیاث) عزب بمعنی غائب آتا ہے۔ رجل عزب وہ شخص جو گھر بار سے دور ہو یعنی آپ ﷺ کے رب سے دور یا غائب نہیں ہوتی۔ من مثقال ذرۃ فی الارض و لا فی السماء بہ ما یعزب۔ کا فاعل ہے اس میں من زائدہ ہے عربی میں مثقال ایک خاص وزن کا نام بھی ہے جو سوا چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ چنانچہ فقہاء فرماتے ہیں کہ ایک درہم چھ دانق کا ہوتا ہے اور دس درہم سات مثقال کے مگر لغت میں اس کے معنی ہوتے ہیں ہموزن یعنی یہ ثقل بمعنی وزن یا بوجھ سے بنا وہ ہی یہاں مراد ہے ذرہ چھوٹی چیونٹی کو بھی کہتے ہیں ریت کے ریزہ کو بھی اور ھباء کو بھی جو روشن دان میں سے دھوپ آتی ہوئی میں اڑتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں جیسے قرآن مجید میں ھباء منثورا کہا جاتا ہے زمین و آسمان سے مراد عالم اجسام ہے جیسے عرش و کرسی فرشتے وغیرہ اور عالم اسرار کو جبروت جس کا علم رب تعالیٰ ہی کو ہے (تفسیر صادی) یعنی زمین و آسمان میں رب تعالیٰ سے ذرہ بھر کوئی چیز چھپی نہیں تو تم اور تمہارے اعمال اس سے کیوں کر چھپ سکتے ہیں۔ ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی کتاب مبین۔ یہ فرمان عالی مستقل اور نیا جملہ ہے۔ گذشتہ پر معطوف نہیں ذلک سے اشارہ ذرہ کی طرف ہے اور کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے چونکہ وہ کتاب خاص بندوں پر ظاہر بھی ہے اور علوم ظاہر کرتی بھی ہے اس لئے اس کو مبین کہا جاتا ہے یعنی خود روشن اور دوسری مکتوب چیزوں کو روشن کرنے والی یعنی ذرہ سے بھی چھوٹی چیز اور اس سے بڑی چیز سب کی سب لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں۔ جو اللہ والوں پر ظاہر اور ظاہر کر ہے اس کی شرح وہ آیت ہے ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین اس کے متعلق اور بہت سی آیات۔

**خلاصہ تفسیر:** اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ کسی کام کی حال میں ہوں اور جب آپ ﷺ رب کے فضل سے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہوں ہم آپ ﷺ کو ملاحظہ فرماتے ہوتے ہیں اور اے مسلمانوں تم کسی کام میں مشغول ہو ہم

تم کو جانتے ہیں۔ کیونکہ اے محبوب آپ ﷺ کے رب سے زمین و آسمان ذرہ بھر بھی چیز چھپی نہیں۔ ذرہ اور ذرہ سے چھوٹی بڑی چیز سب کچھ لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے یہ ہمارے علم تام کی ایک جھلک ہے یہاں تفسیر صادی نے فرمایا کہ عالم تین قسم کے ہیں عالم ملک جس کا مشاہدہ عوام کرتے ہیں۔ جیسے زمین و آسمان اور اس کی ظاہری چیزیں۔ عالم ملکوت جو عوام کی نظر سے پوشیدہ ہے خواص کو ان پر مطلع فرمایا گیا جیسے عرش و کرسی فرشتے وغیرہ۔ عالم جبروت جو خاص الخاص بندوں کو دکھائے بتائے گئے۔ جیسے روح۔ عالم امر۔ عالم انوار وغیرہ۔ لاہوت وہ رب تعالیٰ کی ذات صفات ہیں جنہیں رب کریم ہی کما حقہ جانتا ہے۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا عرفنک حق معرفتک۔

**فائدے:** اس آیۂ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر وقت ہر آن رب تعالیٰ کی نظر کرم نگاہ عنایت ہے یہ فائدہ وما تکون فی شان (الخ) سے حاصل ہوا۔ اس کی تائید ان آیات سے ہوتی ہے قدنری تقلب وجھک فی السماء فانک باعیننا و تقلبک فی الساجدین وغیرہ رب کو حضور ﷺ پیارے تو آپ ﷺ کی ساری ادائیں پیاری۔

**دوسرا فائدہ:** جو چاہے کہ رب تعالیٰ کی نگاہ کرم میں آ جائے وہ حضور انور ﷺ کے دامن آپ ﷺ کے قدم سے وابستہ ہو جاوے۔ یہ فائدہ بھی وما تکون فی شان (الخ) سے حاصل ہوا آپ ﷺ جس کو دیکھیں گے تو یقیناً اس کے کپڑوں اس کی نعلین کو بھی دیکھیں گے۔ اس کی تائید اس آیۂ سے ہوتی ہے فاتبعونی یحببکم اللہ اور لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد۔

**تیسرا فائدہ:** دوسرے مشاغل سے تلاوت قرآن رب کو زیادہ پیاری ہے خصوصاً جبکہ سمجھ کے ساتھ ہو اور خصوصاً جبکہ تبلیغ دین کے لئے یہ فائدہ ما تتلو من قران سے حاصل ہوا کہ فی شان میں تلاوت قرآن بھی شامل تھی مگر سے خصوصیت سے بیان فرمایا۔

**چوتھا فائدہ:** تلاوت قرآن اور قرآن مجید کی صحیح سمجھ اس کی خدمت کی توفیق رب تعالیٰ کے کرم سے ملتی ہی یہ فائدہ منه کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ منه کی ضمیر رب تعالیٰ کی طرف ہو۔ یعنی من فضلہ۔

**پانچواں فائدہ:** قرآن مجید کی ہر آیت قرآن ہے یہ فائدہ منه کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ منه کی ضمیر قرآن کی طرف ہو اور من قرآن سے مراد آیات قرآنیہ ہوں۔

**چھٹا فائدہ:** انسان کو گناہوں سے بچانے والی نیکیاں کرانے والی بڑی چیز یہ ہے کہ انسان خیال رکھے کہ رب مجھ کو میرے بڑے چھوٹے ہر کام کو دیکھ رہا ہے ان شاء اللہ اس خیال کی برکت سے گناہوں سے بچا رہے گا۔ یہ فائدہ الا کنا علیکم شھودا سے حاصل ہوا۔

**ساتواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے ہر عمل کو دیکھ رہا مگر محبوبین کی محبت کی نظر سے مردودین کو قہر و غضب کی نظر یہ فائدہ بھی علیکم شھودا سے اشارۃً حاصل ہوا۔ کہ ایک شھودا کا تعلق حضور انور ﷺ کی شان آپ ﷺ کی تلاوت قرآن

سے بھی ہے اور تمام لوگوں کے اعمال سے بھی مگر تعلق کی نوعیت میں فرق ہے اس لئے اولاً حضور انور ﷺ کی شان کا ذکر ہوا بعد میں تمام لوگوں کے اعمال کا حضور ﷺ کو تمام لوگوں میں شامل نہ کیا گیا۔ دیکھو رب فرماتا ہے ان اللہ مع الصبرین اور فرماتا ہے وھو معھم اذ یبیتون مالا یرضی من القول یعنی اللہ صابرین کے ساتھ بھی اور کفار کے ساتھ بھی جب وہ کفر کر رہے ہوں مگر ان تینوں ہمراہیوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

**آٹھواں فائدہ:** زمین وآسمان اور ان کی ہر چھوٹی بڑی چیز کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر وقت جانتا ہے۔ یہ فائدہ من مثقال ذرۃ فی الارض ولا فی السماء سے حاصل ہوا۔ لہٰذا فلاسفہ کا یہ قول کہ رب تعالیٰ کلیات کو جانتا ہے جزئیات کو نہیں جانتا اور مولوی حسین علی دیوبندی کا یہ قول کہ رب تعالیٰ ہمارے عمل کرنی کے بعد عمل کو جانتا ہے پہلے نہیں جانتا محض باطل اور آیۃ کے خلاف ہے۔

**نواں فائدہ:** عالم کی ہر چیز لوح محفوظ میں نہ ہو۔

**دسواں فائدہ:** لوح محفوظ اور اس کی تحریر سارے بندوں سے چھپی نہیں۔ رب کے بعض بندے لوح محفوظ اور اس کی ساری تحریر کو جانتے ہیں یہ فائدہ کتاب مبین میں لفظ مبین سے حاصل ہوتا ہے اگر وہ چھپی ہوتی تو مبین کیسے بنتی یعنی ظاہر اور ظاہر کرنے والی۔ تین باتیں یاد رکھو(١) لوح محفوظ میں سارے علوم ہیں۔ یہ بات اسی آیت سے ثابت ہوئی (٢) لوح محفوظ قرآن مجید میں موجود ہے۔ تفصیل الکتاب لا ریب فیہ (٣) سارا قرآن مجید حضور انور ﷺ کے علم میں ہے الرحمن علم القرآن اور نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی نتیجہ یہ حاصل ہوا کہ سارے علوم حضور انور ﷺ کو حاصل ہیں۔

سر عرش پر ہے تری گذر  دل فرش پر ہے تیری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شئی  وہ نہیں جو تجھ پہ عیاں نہیں

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال واعمال شریفہ کو شان فرمایا اور ہمارے افعال کو عمل۔ اس فرق بیان کی وجہ ہے۔

**جواب:** اس لئے کہ حضور انور ﷺ خود بھی شاندار ہیں۔ اور آپ ﷺ کی ہر ادا شاندار کسی عمل شریف میں نقص کا احتمال ہی نہیں رہے ہم تو ظاہر ہے کہ ہم خود ناقص ہمارے احوال واعمال بھی ناقص۔ اگر حضور ﷺ سے تعلق ہو جاوے تو کامل ہو جاویں لہٰذا فرق ظاہر ہے۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں  یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

**دوسرا اعتراض:** اگر ما تتلو منہ من قرآن میں منہ کی ضمیر قرآن مجید کی طرف ہو تو دو دفعہ من کیوں ارشاد ہوا منہ اور من قرآن۔

**جواب:** پہلا من بعضیت کا ہے دوسرا من یا زائدہ ہے یا بیانیہ ہے یعنی آپ ﷺ قرآن مجید کی جو آیت تلاوت کرتے ہیں

لہذا من مکرر نہیں بلکہ الگ الگ معنی کے لئے ہے۔

**تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ جب تم کسی کام میں مشغول ہوتے ہو تو ہم گواہ ہوتے ہیں۔ کیا رب تعالیٰ ہمارے عمل سے پہلے اس سے خبردار نہیں وہ تو ہمیشہ علیم وخبیر ہے۔

**جواب:** علم اور مشاہدہ میں فرق ہے۔ کسی چیز کا علم اس سے آگے پیچھے بھی ہوتا ہے مگر مشاہدہ اس کی موجودگی میں جاننا اور دیکھنا ہے۔ ان کا فرق یاد رہے اس لئے یہاں شھودا ارشاد ہوا نہ کہ علیم یعنی جب تم کچھ کرتے ہوتے ہو تو ہم تمہارا اور تمہارے عمل کا مشاہدہ فرماتے ہیں اسے علم ظہور کہا جاتا ہے۔

**چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ پر زمین وآسمان کی ذرہ بھر چیز بھی چھپی نہیں تو کیا زمین وآسمان کے علاوہ دوسری عالم کی چیزیں اس سے چھپی ہوئی ہیں۔

**جواب:** آسمان وزمین کا ذکر ہمارے لحاظ سے ہے کہ ہمارا علم انہیں دور تک ہے ورنہ تو رب عالمین ہر شے سے خبردار ہے۔

**پانچواں اعتراض:** رب تعالیٰ نے ہر چھوٹی بڑی چیز لوح محفوظ میں کیوں لکھی کیا اسے بھول جانے کا خطرہ تھا وہ تو بھول سے پاک ہے۔

**جواب:** اپنے محبوب بندوں کو بتانے کے لے ہم اپنا علم دوسروں کے سامنے رکھ کر زبانی بتاتے ہیں اور دور والوں کو بذریعہ کتاب چنانچہ فرشتے۔ انبیاء اکرام۔ اولیاء اللہ جن کی لوح محفوظ پر نظر ہے وہ اس کے علوم پر مطلع ہیں۔

**چھٹا اعتراض:** تم نے کہا کہ رب تعالیٰ موجود چیزوں کو دیکھتا ہے۔ معدوم چیزوں کو جانتا ہے دیکھتا نہیں مگر تمہارا عقیدہ ہے کہ اللہ نے بعض مقبول بندے خصوصا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام چیزوں کو ان کی پیدائش سے پہلے اور بعد فنا بھی دیکھتے ہیں۔ **الم تر کیف فعل ربک باصحب الفیل** اور جیسے **الم تر کیف فعل ربک بعاد** تو کیا ان بندوں کو دیکھنا رب تعالیٰ کے دیکھنے سے قوی تر ہے۔

**جواب:** دیکھنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دیکھی چیز میں دیکھے جانے کی قابلیت نہ ہو پھر بھی اسے دیکھا جائے۔ یہ ہے اعجازی دیکھنا۔ کوئی معدوم چیز دیکھے جانے کے قابل نہیں اسے دیکھنا اعجازی وقدرتی دیکھنا ہی ہوگا۔ عادی دیکھنا نہ ہوگا۔ یہاں پہلے قسم کے دیکھنے کا ذکر ہے **کنا علیکم شھودا اذ تفیضون فیہ** ہم اور ہمارے اعمال موجود ہونے سے پہلے دیکھے جانے کے قابل نہ تھے۔ رب ان کو دیکھتا تھا۔ قدرتی اعجازی طور پر موجود ہو جانے پر ہم دیکھے جانے کے قابل ہو گئے۔ رب انہیں دیکھتا ہے عادی طور پر جسے علم ظہور کہتے ہیں پہلے کو علم مکاشفہ۔

**ساتواں اعتراض:** اگر شہود یا شہادت کے ساتھ علی ہو تو خلاف گواہی مراد ہوتی ہے اور اگر نہ ہو تو موافق کی گواہی۔ یہاں علیکم شھودا میں کیا خلاف گواہی مراد ہے کیا رب تعالیٰ حضور انور ﷺ اور مومنوں کے خلاف گواہ ہے۔

**جواب:** اس اعتراض کا جواب **ویکون الرسول علیکم شھیدا** کی تفسیر میں دوسرے پارے میں دے چکے ہیں کہ جب شہادت میں نگران کے معنی شامل ہوں تو موافق گواہی کے لئے بھی علی آ جاتا ہے یعنی شہود بمعنی رقیب ہوتا ہے۔

**تفسیر صوفیانہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اللہ کی شان ہیں اور آپ ﷺ کی ہر ادا رب کی شان کہ ان سے رب کی شان نظر آتی ہے۔ شعر۔

محمد مصطفیٰ یعنی خدا کی شان کے صدقے ۔۔۔ میں ہر ہر آن یارب ان کی ہر ہر آن کے صدقے

حضور ﷺ کی تلاوت قرآن وہ ہے جس نے قرآن کو بنا دیا اسے قرآن اسی لئے کہتے ہیں کہ اسے حضور انور ﷺ نے پڑھ لیا۔ حضور کی تلاوت سے قرآن میں سوز و گداز یعنی تڑپا دینے کی صفت پیدا ہوئی جیسا کہ ہم ساتویں پارے کی پہلی آیت کی تفسیر میں عرض کر چکے یہاں ارشاد ہوا کہ اے محبوب تم جب بھی اپنی کسی ادا سے ہمارے شان کے اظہار میں مشغول ہوتے ہو اور جب آیات قرآنیہ کو پڑھ کر قرآن بناتے ہو ہم اس کا مشاہدہ نہایت کرم و محبت کی نظر سے کرتے ہیں اور اے لوگو تم جس کام میں مشغول ہوتے ہو ہم تم پر نگران ہوتے ہیں کیونکہ ہم سے ذرہ بھر چیز چھپی نہیں لہٰذا جو کرو یہ سمجھ کر کرو ہم تم کو دیکھ رہے ہیں یہاں روح البیان نے فرمایا کہ دل مردہ کی علامت یہ ہے کہ عبادات کوتاہی کرنے پر غمگین نہ ہو۔ اور خطائیں کرنے میں نادم و شرمندہ ہو۔ کیونکہ زندگی احساس چاہتی ہے احساس نہ رہنا موت ہے صوفیا فرماتے ہیں۔ شعر۔

لوح محفوظ است پیشانی یار ۔۔۔ راز پنہاں می شو د زاں آشکار

لوح بھی تو قلم بھی تیرا وجود الکتاب ۔۔۔ گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط کا حباب

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

خبردار اللہ کے ولی نہیں ڈر ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے

سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم

ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ ٱلْبُشْرَىٰ فِى

وہ جو کہ ایمان لائے اور ہیں وہ پرہیزگاری کرتے واسطے ان کے بشارت ہے

وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں انہیں خوشخبری ہے

ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَٰتِ

زندگانی دنیوی میں اور آخرت میں نہیں ہے تبدیلی اللہ کی باتوں

دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اللہ کی باتیں بدل نہیں

ٱللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾

میں وہ ہی کامیابی ہے بڑی

سکتیں یہی بڑی کامیابی ہے

وقف لازم

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے

پہلا تعلق: ابھی پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ زمین و آسمان کی ہر چھوٹی بڑی چیز ایک ایسی کتاب میں لکھی ہے جو ظاہر اور ظاہر گر ہے اب ارشاد ہے کہ وہ کتاب مبین کسی پر ظاہر ہے اولیاء اللہ پر گویا اس غیبی کتاب کے بعد اس کتاب کے پڑھنے والوں کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اے لوگو ہم تمہارے ہر کام کا مشاہدہ فرمار ہے ہیں۔اس فرمان عالی سے اطاعت والوں کی دلی قوت میسر ہوئی اور بدکاروں کی ہمت ٹوٹی اب اس آیت کریمہ میں اس پہلی جماعت یعنی مطیعوں کا ذکر ہے۔ جنہیں اس فرمان سے دلی قوت نصیب ہوئی۔یعنی حضرات اولیاء اللہ۔(تفسیر کبیر)

تیسرا تعلق: گذشتہ آیات میں کتاب اللہ قرآن مجید اور حضور انور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا ذکر ہوا گویا سایہ دار کے بعد سایہ کا۔اور فیض بخش کے بعد فیضاب جماعت کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: الا ان اولیاء اللہ۔جس مضمون کے منکرین موجود ہوں یا آئندہ پیدا ہونے والے ہوں۔اسے قرآن مجید میں تاکیدی حروف سے شروع کیا جاتا ہے۔جیسے قد۔ لقد۔ الا۔ ان وغیرہ پھر جس درجہ کا انکار ہوا اسی درجہ کی تاکید کی جاتی ہے۔چونکہ مشرکین مکہ اور کفار مکہ سرے سے ولایت کے قائل نہ تھے وہ تو حضور انور ﷺ کی نبوت کے انکاری تھے ولایت کیا مانتے نیز آئندہ کلمہ گو مسلمانوں میں اولیاء اللہ کے منکرین پیدا ہونے والے تھے جو بہت سختی سے مختلف قسم کے انکار کرنے والے کوئی فرقہ اولیاء کی ذات کا انکاری کوئی ان کی صفات عالیہ کا کوئی ان کی کرامات کا کوئی ان کے فیوض و برکات کا کوئی ان کے علوم کا انکاری تھا۔اس لئے مضمون کو ڈبل تاکید الا اور ان سے شروع فرمایا گیا۔اولیاء جمع ہے ولی کی یہ ولی کا صفت مشبہ ہے بروزن فعیل جیسے کرم سے کریم اور حسن سے حسین۔ولی کے معنی ہیں قرب۔محبت۔مدد لہٰذا ولی کے معنی ہوئے قرب والا۔محبت والا۔مدد نصرت والا یہاں ولی یا بمعنی فاعل ہے یعنی اللہ سے قرب محبت رکھنے والا یا بمعنی مفعول یعنی جسے اللہ نے قرب بخشا۔محبت عطا کی اس کی مدد اس کا احترام فرمایا(صاوی) کیونکہ رب تعالیٰ انہیں یہ صفات خود عطا فرماتا ہے۔ انہیں بندوں کا حاجتمند نہیں کرتا(صاوی)خیال رہے کہ بعض مردود بندے اولیاء شیطان ہیں جنہیں کفار مشرکین اپنا ولی مددگار مانتے ہیں جنہیں قرآن مجید کی اصطلاح میں ولی من دون اللہ کہا جاتا ہے۔اس لئے یہاں اولیاء اللہ صرف اولیاء نہ کہا۔ ولی اللہ مقبولین بندے ہیں اور ولی من دون اللہ مردود دین۔رب فرماتا ہے اولیاء ھم الطاغوت اور فرماتا ہے افحسب الذین کفرو ان یتخذو اعبادی من دونی اولیاء ولی اللہ من دون اللہ کا فرق یاد رہے۔ولی اللہ کی تعریف ان کی ضرورت ان کی پہچان۔ان کی قسمیں اور ان کے اختیارات انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں عرض کئے جائیں گے۔یعنی خبردار ہو بے شک اللہ کے دوست اس سے قرب رکھنے والے اس کے دین کے مددگار یا وہ بندے جن کو اللہ نے اپنے سے قریب فرمالیا یا انہیں اپنا دوست بنالیا یا براہ راست رب ان کا دوست ہوا ان کی شان یہ ہے کہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔یہ فرمان عالی ان کی خبر ہے اس میں حضرات اولیاء اللہ سے خوف و غم کی نفی کی گئی ہے مگر طرز بیان جدا ہے

خوف کے متعلق ارشاد ہوا لا خوف علیھم جس سے معلوم ہوا کہ نہیں کبھی دنیا میں خوف اگر ہوگا تو وہ ان پر غالب نہ آئے گا اور دائمی نہ ہوگا۔ اس لئے علیھم فرمایا لھم نہ فرمایا۔ رہا دنیا نہ ہونے کا رنج و غم وہ انہیں کبھی ہوتا ہے اس لئے لا حزن نہ فرمایا بلکہ لا ھم یحزنون فرمایا (روح المعانی) یہ فرق خیال میں رہے موسیٰ علیہ السلام کو اولا فرعون کا خوف نہ ہوا انا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی مگر یہ خوف ان پر غالب نہ آیا نہ باقی رہا۔ خوف آئندہ تکلیف دہ چیز کو اندیشہ کہتے ہیں۔ اس کا مقابل ہے فرح (روح المعانی) حضرت اولیاء اللہ ان سے محفوظ ہیں خیال رہے کہ اس جملہ کی چند تفسیریں ہیں (۱) اولیاء اللہ کو دنیا میں دنیا دار سے خوف و غم نہیں تب خوف نہ ہونے کے وہ معنی ہیں جو ابھی عرض کیے گئے (۲) اولیاء اللہ قیامت میں خوف و غم سے آزاد ہوں گے۔ عام مسلمانوں کو اپنا خوف ہوگا اور حضرت انبیاء کرام کو اپنی گنہگار امت پکڑے جانے کا خوف ہوگا۔ اور جو پکڑے جا چکے ہوں گے ان کی پکڑ کا رنج رہے اولیاء اللہ نہ اپنے پر خوف و رنج ہو نہ دوسروں پر رب فرماتا ہے لا یحزنھم الفزع الاکبر وتتلقاھم الملئکۃ (تفسیر روح۔ البیان و کبیر) (۳) اولیاء اللہ دنیا و آخرت دونوں جہان میں خوف و غم سے آزاد کیے گئے ہیں (۴) حضرات اولیاء اللہ پر دنیا میں کبھی ایسا وقت آتا ہے جب کہ وہ خوف و غم سے آزاد ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرات ابراہیم خواص پر ایک وقت یہ حالت طاری ہوئی کہ آپ جنگل میں تھے آپ کے پاس خونخوار درندوں کا ہجوم ہوگیا۔ آپ کا مرید ڈر کر درخت پر چڑھ گیا مگر آپ کوئی خوف طاری نہ ہوا۔ دوسری رات مچھر نے آپ کے ہاتھ پر کاٹا تو تڑپ گئے مرید نے ان سے دو ماجروں کی وجہ پوچھی فرمایا کل ہم نے اپنی قوت سے نہیں بلکہ واردات ربانیہ کی قوت سے یہ تحمل کیا جب وہ واردات بند ہوگئی تو میری ذاتی حالت سامنے آئی اور میں کمزور ترین مخلوق ہوں (تفسیر کبیر) (۵) اولیاء اللہ کو دنیا کا نقصان وہ خوف و رنج کبھی نہیں ہوتا کہ وہ کسی بندے کے خوف سے اپنا دین بدل دیں یا عبادات الٰہیہ چھوڑ دیں نہ ان سے کوئی کوتاہی عمداً سرزد ہوتی ہے جس پر وہ غم کریں وہ رب تعالیٰ کی طرف سے محفوظ ہوتے ہیں رہا اللہ کا خوف تو وہ ضرور ہوتا ہے کیونکہ وہ خوف مفید ہے (۶) اولیاء اللہ کو ذات باری میں اتنا استغراق ہو جاتا ہے کہ انہیں خوف و غم کا احساس نہیں ہوتا احسان کے بغیر خوف و غم کیسا (تفسیر کبیر) خود میں نے ایک مجذوب فقیر کو گجرات میں دیکھا کہ اس کے پاؤں پر ٹریکٹر گذر گیا۔ پنڈلی کے ٹکڑے ہوگئے۔ اسے کچھ بھی محسوس نہیں ہوا۔ پولیس نے تفتیش کرتے ہوئے پوچھا تو کبھی کہتا ہے کہ مجھے کچھ بھی نہیں ہوا کبھی کہتا ہے کہ مجھے چیونٹی نے کاٹا ہے۔ (۱) جب دنیوی ٹیک لگ جانے سے درد محسوس نہیں ہوتا تو جسے خوف الٰہی کا ٹیکہ لگے اسے کیا محسوس ہو بہر حال یہ فرمان بالکل درست ہے۔ رہا یہ کہ ولی اللہ کون ہے اس کے متعلق ارشاد ہے۔ الذین امنوا و کانوا یتقون۔ یہ فران عالی یا تو نیا جملہ ہے پوشیدہ ھم کی خبر یا اولیاء اللہ کا بیان یا اس کی صفت چونکہ موصوف و صفت میں فاصلہ اجنبی سے ہونا منع ہے اور لا خوف (الخ) اولیاء اللہ کی خبر ہے۔ اجنبی نہیں اس لئے یہ جائز ہو (روح المعانی) الذین سے مراد سارے اولیاء اللہ ہیں۔ غوث ہوں یا قطب جن ہوں یا انسان۔ کیونکہ اولیاء اللہ جنات میں بھی ہیں۔ ایمان تین طرح کا ہوتا ہے۔ علم الیقین والا عین الیقین والا اور حق الیقین والا یہاں آخری دو قسم کے ایمان مراد ہیں۔ کیونکہ علم الیقین والا ایمان تو ہر مومن کو حاصل ہوتا ہے ہم اس کی تحقیق تیسرے پارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس

قول کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ رب ارنی کیف تحی الموتی تقویٰ کے دو معنی ہیں۔ بچنا اور ڈرنا اگر یہاں بمعنی ڈرنا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ہیبت مراد ہے کیونکہ جس قدر ایمان قوی اور قرب الٰہی زیادہ اسی قدر رب تعالیٰ کی ہیبت دل میں زیادہ ہوتی ہے۔ اور اگر بمعنی بچنا ہے تو تقویٰ کی بہت قسمیں ہیں۔ کفر و شرک سے بچنا۔ بدعقیدگیوں سے بچنا۔ حرام چیزوں سے بچنا۔ جس میں ناجائز ہونے کا شبہ ہو اس سے بچنا۔ جو چیز اللہ سے غافل کرے اس سے بچنا۔ اگرچہ مال و اولاد بلکہ اپنا نفس ہی کیوں نہ ہو۔ ہر ماسوی اللہ سے بچنا۔ شعر۔

رہ عقل جز پیچ در پیچ نیست　　　رہ عاشقان جز خدا ہیچ نیست

یعنی ہر آڑ کو پھاڑ کر یار تک پہنچنا جس درجہ کا ولی اسی درجہ کا اس کا ایمان اور تقویٰ یہ فرمان بہت جامع ہے چونکہ ایمان ایک دائمی صفت ہے کہ ایک بار حاصل ہو کر مرتے دم بلکہ بعد تک رہتا ہے اور تقویٰ یعنی پرہیز گار ہمیشہ اختیار کی جاتی ہے ہر وقت کا تقویٰ نیا ہوتا ہے اس لئے امنوا ماضی مطلق اور کانوا یتقون ماضی استمراری ارشاد ہوا۔ ولی اللہ کی علامت یہ ہے کہ لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے۔ جس میں ان حضرات کے خوف و غم سے آزاد ہونے کی وجہ ارشاد ہوئی یعنی وہ خوف و غم سے اس لئے آزاد ہیں کہ انہیں رب کی طرف سے بشارتیں پہنچتی رہتی ہیں۔ جس سے ہر وقت خوش و خرم رہتے ہیں اس فرمان میں ولیوں پر دوسرے کرم وذکر ہیں بشارۃ کے معنی اس کی قسمیں ہم دوسرے پارہ میں وبشر الصابرین الذین (الخ) کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں دنیوی آخروی بشارت سے کیا مراد ہے اس میں چند قول ہیں (۱) لوگوں کی زبان سے نکلنا کہ فلاں ولی ہے یہ موجودہ بشارت ہے رب فرماتا ہے لتکونوا شھداء علی الناس اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انتم شھداء اللہ فی الارض مخلوق کی زبان خالق کا قلم ہے۔ (۲) دلوں کا ان کی طرف کھنچنا کہ لوگ خواہ مخواہ ان سے محبت کریں یہ ولایت کی خاص علامت ہے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب رب تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو حضرت جبریل سے فرماتا ہے کہ فرشتوں میں اعلان کر دو کہ وہ میرا پیارا ہے فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر زبان والوں کے دلوں میں اس کی قبولیت ڈال دی جاتی ہے۔ (روح البیان وغیرہ) (۳) خود ان کے دلوں میں اچھے کاموں اچھے بندوں کی طرف میلان ہوتا۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ روح کے مختلف طبقے ہیں۔ ہر روح اپنی جنس کی طرف مائل ہے۔

نوریاں مرنوریاں را طالب اند　　　ناریاں مرناریاں را جاذب اند

(۴) مرتے وقت فرشتوں کا ان کو کہنا یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ وادخلی فی عبادی وادخلی جنتی اے مطمئن نفس لوٹ اپنے رب کی طرف تو رب سے راضی رب تجھ سے راضی میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا۔ میری جنت میں آ۔ (۵) دنیا میں انہیں اچھی خوابوں اچھے الہامات کے ذریعہ بتا دیا جاتا کہ تو اللہ کا مقبول ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اچھی خوابیں نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ اس حدیث کو ہماری کتاب مرآت شرح مشکوۃ میں دیکھو (۶) قیامت میں خود رب تعالیٰ کا انہیں اپنے کرم و فضل کی بشارت دینا رب فرماتا ہے یبشرھم ربھم

برحمۃ منہ (۷) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں مغفرت و بخشش رب کے فضل و کرم کی بشارتیں دنیا جو مدینہ منورہ سے ان کے دلوں میں پہنچتی رہتی ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ وبشر المومنین بان لھم من اللہ فضلا کبیرا (۸) جنت میں داخلہ کے وقت فرشتوں کا انہیں بشارتیں دینا رب فرماتا ہے و قال لھم خزنتھا سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین ۔(۹) رب تعالیٰ ولی کی موت کے وقت فرماتا ہے کہ اللہ نے تجھے بھی بخشا اور جس نے تیری میت کو کندھا دیا اسے بھی بخشا۔ یہاں بشارت سے وہ بشارت مراد ہے (روح المعانی) اس کی اور بہت تفسیریں کی گئی ہیں غرضکہ یہ فرمان عالی بہت جامع ہے لاتبدیل لکلمات اللہ ۔ اس فرمان عالی میں گذشتہ سارے وعدوں کی گویا رجسٹری فرمادی گئی۔ یہاں کلمات اللہ سے مراد رب تعالیٰ کے وہ وعدے ہیں جو اس نے اولیاء اللہ سے کئے یا قرآن میں یا صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں فرمایا کہ اللہ کے وعدوں میں تبدیلی نہیں ہو سکتی کیونکہ وعدہ خلافی عیب ہے جس سے رب تعالیٰ پاک ہے ذلک ھو الفوز العظیم۔ یہ فرمان عالی ساری آیت کریمہ کا خلاصہ ہے یعنی اے مسلمانوں بڑی کامیابی یہ ہی ہے جو تمہاری عقل و درایت سے دور ہے دنیا کی دولت۔ عزت حکومت اس کے مقابل ہیچ ہے کہ وہ فانی ہیں یہ باقی اللہ کا ولی مرے بعد بھی دنیا پر راج کرتا ہے۔ شعر۔

ہر کہ دیوانہ بود در ذکر حق زیر پائش عرش و کرسی نہ طبق

**خلاصہ تفسیر**: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ میں اس گروہ کا ذکر ہے جو حضور انور ﷺ کا فیض امت تک پہنچائیں یعنی اولیاء اللہ اور اس آیت کی بہت تفسیریں ہیں ہم ان میں ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اے لوگو کان کھول کرسن لو۔ آگاہ رہو خبردار رہو اس میں شک نہیں کہ اللہ کے دوست اس سے قرب رکھنے والوں کی شان یہ ہے کہ دنیا میں ان پر کسی مخلوق کا خوف رعب ڈر نہیں چھاتا کیونکہ ان کے دل رب کے خوف سے بھرے ہیں دوسرے خوف کی وہاں جگہ ہی نہیں نہ کوئی ایسی حرکت کریں جس سے انہیں بعد میں غم ہو یا رنج ہو انہیں اللہ تعالیٰ ان دونوں تکلیفوں میں محفوظ رکھتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو سچے پکے مومن ہوتے ہیں۔ اور ہر وقت ہر طرح پرہیزگار متقی رہتے ہیں کہ نہ کوئی شرعی فرض واجب سنت چھوڑتے ہیں نہ کوئی ناجائز کام کرتے ہیں ان کے لئے دنیا و آخرت میں خوشخبریاں کہ خواہ مخواہ بندوں کے منہ سے نکلتا ہے کہ وہ ولی اللہ ہیں ان کی طرف دل جھکتے ہیں اور مرتے وقت فرشتے انہیں جنتی ہونے کی بشارت دیتے ہیں۔ قیامت میں اور جنت میں داخلے کے وقت انہیں خوشخبریاں دیتے ہیں اور دیں گے یہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں کلمات الٰہیہ میں تبدیل نہیں ہو سکتے اے لوگو یہ بڑی ہی کامیابی ہے۔ اس کی طرف رغبت کرو۔

## اولیاء اللہ

اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ پر نبوت ختم فرمادی مگر ولایت ختم نہیں فرمائی اب کوئی نبی نہیں بن سکتا مگر ولی بنتے رہے ہیں اور بنتے رہیں گے اولیاء اللہ کے متعلق چند چیزیں قابل تحقیق ہیں۔ (۱) ولی اللہ کون ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ولی اللہ وہ

ہے جو شرعی فرائض سے اللہ کے قرب اور اس کی اطاعت سے اللہ کا نور حاصل کرے اس کا دل معرفت الٰہی میں ڈوبا رہے کہ جب دیکھے تو دلائل قدرت دیکھے جب سنے تو آیات الٰہیہ سنے جب بولے تو رب کی حمد و ثنا سے شروع کرے جب حرکت کرے تو اطاعت الٰہی میں حرکت کرے جب بندہ اس حال پر پہنچتا ہے تو رب تعالیٰ اس کا مددگار ہو جاتا ہے متکلمین کہتے ہیں کہ وہ ولی ہے جس کے عقائد درست ہوں اور قوی دلائل پر مبنی ہوں اعمال شریعت کے مطابق ہوں بعض عارفین نے فرمایا کہ ولایت نام ہے قرب الٰہی کا اور ہمیشہ رب کی طرف متوجہ رہنے کا جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو اسے کسی چیز کا ڈر نہیں رہتا نہ کسی چیز کے فوت ہونے کا غم۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ولی ہے جسے دیکھ کر خدا یاد آئے (طبری) ابن زید نے کہا کہ ولی وہ جس میں یہ صفات ہوں جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ یعنی ایمان و تقویٰ اور بشارت بعض علماء نے فرمایا کہ ولی وہ جو کسی سے محبت یا نفرت کریں تو محض اللہ کے لئے کریں حتیٰ کہ خود جو کام کریں صرف رضاء الٰہی کے لئے کریں (خزائن العرفان) بعض نے فرمایا کہ ولی وہ کہ جن کی طبیعت شریعت سے آراستہ ہو۔ نفس طریقت سے دل معرفت ہے۔ اور روح سر سے۔ اور ماسوئے اللہ سے بچے رب تعالیٰ تک اس کی کشش سے پہنچے وہ خداری میں مبداء حقیقی کا محتاج نہ ہو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

این درازو کوتہی مرجم راست ۔ چہ دراز کوتہ کہ آنجا خداست
جو خدا ہر جسم راتبدیل کرد ۔ رفتش بے فرسخ و بے میل کرد

یعنی دوری درازی جسمانی سفر کے لئے جہاں خدا ملتا ہے وہ دور نہیں جب خدا جسمانیت کو روحانیت میں تبدیل کر دیتا ہے تو اس کا سفر بغیر کوس بغیر میل بغیر منزل ہوتا ہے۔ (روح البیان)

**ولی اللہ کی پہچان:** صوفیاء فرماتے ہیں کہ خدا کی پہچان آسان ہے مگر ولی کی پہچان مشکل ہے کہ ہر ذرہ ہر قطرہ جمال رب کا آئینہ ہے۔ شعر۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ۔ ہر ورقے دفترے ست معرفت کردگار

مگر ولی تو ہم میں رہیں ہماری طرح کھائیں پئیں سوئیں جاگیں لیکن ان کے دل قندیل نور ہوں ظاہر میں شریعت سے موصوف ہوں۔ باطن فقر کے انوار سے روشن ہو اب بتاؤ انہیں کیسے پہچانیں وہ ان دولہنوں کی طرح ہیں جن تک ان کے محبوب کے سوا کوئی نہیں پہنچتا یہ قول بایزید بسطامی کا ہے۔ حضرت کمیل فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ ولی کو ولی ہی پہچانتا ہے (روح البیان) ان کی آسان پہچان وہ ہے جو اس آیت میں قرآن مجید نے بیان فرمائی کہ اس کے دل میں ایمان۔ ظاہر میں تقویٰ ہو۔ عام مخلوق اسے ولی کہے اس کی طرف دل کھنچیں۔ انہیں دیکھ کر خدا یاد آئے۔ دیکھو تفسیر لھم البشری فی الدنیا (الخ)

**ولایت کی قسمیں:** ولایت کسبی جو تقویٰ عبادت مجاہدات۔ مراقبات سے حاصل ہو۔ فطری یعنی مادر زاد ولی جیسے حضرت مریم مادر زاد ولیہ تھیں۔ آپ سے کرامات بچپن سے ظاہر ہوتی تھیں وجد عندھا رزقا یا غوث الثقلین جنہوں نے رمضان کے دن میں ماں کا دودھ نہیں پیا۔ شعر۔

غوث اعظم متقی ہر آن میں چھوڑا ماں کا دودھ بھی رمضان میں

آدم علیہ السلام پیدا ہوتے ہی مسجود ملائکہ بنے۔ ولایت عطائی جو کسی ولی یا نبی کی نظر کرم سے آنا فانا مل جائے۔ جیسے فرعونی جادوگر نگاہ موسوی سے اور حبیب نجار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظر سے یکدم ولی ہو گئے۔ یا حضرت سید کبیر الدین دریائی دولہا جن کا مزار شریف ہمارے اس گجرات پنجاب میں ہے کہ ان کی ڈوبی کشتی حضور غوث پاک نے بارہ برس کے بعد مع نکالی اور ایک نگاہ سے ولی بنا دیا ان کی عمر پونے چھ سو برس ہوئی۔ شعر

غوث اعظم کی نگاہ لطف سے نکلے بارہ سال کے ڈوبے ہوئے

یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی میں ولایت کے کرامات قلبیہ کرامات کونیہ دونوں جمع ہیں شیخ ابومدین مغرب میں اور شیخ عبدالقادر مشرق ایسے صاحب کرامات میں کہ ان کی مثال نہیں ملتی (روح البیان)

**اولیاء اللہ کی قسمیں:** ولی اللہ دو قسم کے ہیں ولی تشریعی اور ولی تکوینی۔ ولی تشریعی وہ مسلمان متقی ہے جسے اس کے تقوی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے قرب نصیب ہو جاوے ان اولیاء الا المتقون۔ ہر عالم دین باعمل کا ولی ہے۔ حضور انور ﷺ فرماتے ہیں علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل رب فرماتا ہے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء اور جہاں چالیس مومن جمع ہوں ان میں ایک نہ ایک ضروری ولی اللہ ہوگا جیسا کہ حدیث ابن عباس میں ہے انہوں نے اپنے بچہ کی نماز جنازہ کے لئے چالیس مسلمانوں کے جمع ہونے کا انتظار فرمایا مگر ولی تکوینی وہ ہیں جنہیں عالم میں تصرف کرنے کا اختیار دیا گیا۔ حضور انور ﷺ فرماتے ہیں بھم یمطرون اور بھم یرزقون ان کی برکت سے بارشیں ہوتی ہیں لوگوں کو رزق ملتے ہیں۔ ولی تکوینی کی بہت جماعتیں ہیں اور ان کے ذمہ دنیا کے سیاہ و سفید کے مختلف اختیارات ہیں۔ چنانچہ ابوعثمان مغربی فرماتے ہیں کہ دنیا میں ہمیشہ ابدال چالیس۔ امنا، سات، خلفا و تین قطب عالم ایک رہیں گے۔ قطب عالم سے دنیا ایسے قائم ہے جیسے میخ کی چوب سے خیمہ۔ جیسے عالم ارواح میں فرشتے دنیا کا انتظام کرتے ہیں جنہیں مدبرات امر کہتے ہیں۔ یونہی عالم اجسام میں تکوینی اولیاء دنیا کا انتظام کرتے ہیں جنہیں مدابرات امر کہتے ہیں۔ یونہی اجسام میں تکوینی اولیاء دنیا کا انتظام سنبھالے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ سلطنت حکومت ان بزرگوں کے ہاں سے تقسیم ہوتی ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے بوعلی قلندری پانی پتی قدس سرہ کا ایک مکتوب اشعار میں نقل فرمایا جو انہوں نے بادشاہ علاء الدین خلجی کو لکھا۔ اس کا ایک شعر اسی طرح ہے۔

خامہ را برداشت فرمانے نوشت از فقیرے سوئے سلطانے نوشت

بازگیرا ایں عالمے بدگوہرے ورنہ بخشم ملک تو بادگیرے

**اولیاء اللہ کی ضرورت:** دنیا خصوصا مسلمان ہر آن اولیاء کے ایسے حاجتمند ہیں جیسے روزی۔ پانی۔ تاروں کی روشنی کے۔ ہم اس کے متعلق چند باتیں عرض کرتے ہیں (۱) اولیاء اللہ دین حق اور صراط مستقیم کی دلیل ہیں جس دین میں ولی ہو وہ برحق ہے جو ملت ولایت سے خالی ہے وہ باطل ہے ہمیشہ ولیوں والا دین اختیار کرو۔ رب فرماتا ہے و کونوا مع الصادقین سچوں کے ساتھ رہو۔ اور سورۂ فاتحہ میں صراط مستقیم کی علامت یوں بیان فرمائی ہے صراط الذین انعمت علیھم۔ دیکھو

مشرکین وکفار میں کوئی ولی نہیں کہ وہ باطل ہیں گذشتہ نبیوں کے دینوں میں اولیاء اللہ ہوئے۔ آصف بن برخیا۔ اصحاب کہف جناب مریم، جریج وغیرہم جن کے قصے کرامات قرآن مجید اور حدیث شریف میں مذکور ہیں مگر جب وہ دین موسوی عیسوی وغیرہ منسوخ ہوگئے ان سے ولایت ختم ہوگئی۔ جب جڑ سوکھ جائے تو درخت میں پھل پھول کیسے لگیں اسلام میں سواء مذہب حقہ اہل سنت کے کسی فرقہ میں اولیاء اللہ نہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ اسلام کی جڑ تو ہری ہے مگر اس کا فیض صرف ایک ہی شاخ اہل سنت میں آ رہا ہے۔ باقی میں فیض نہیں اس میں والیت کا سبزہ پھل پھول ہیں۔ یہ شاخ جنتی ہے باقی خشک شاخیں دوزخ کا ایندھن ہیں ولایت حقانیت اسلام اور مذہب اہل سنت کی جیتی جاگتی دلیل ہے (۲) اولیاء اللہ اور ان کی کرامات حضور انور ﷺ کا زندہ جاوید معجزہ ہیں ان کے کمالات سے کمال مصطفوی کا پتہ لگتا ہے کہ جب اس شہنشاہ کونین کے غلاموں میں ہر کمالات ہیں تو حضور انور ﷺ کے کمالات کا کیا کہنا (۳) حضور انور ﷺ نے اپنی امت کو دو قسم کے فیض دیے۔ ظاہر، باطن، ظاہری فیوض علماء دین سے امت تک پہنچ رہے ہیں باطنی فیوض اولیاء اللہ کے ذریعہ (۴) جیسے دل کا فیض اعضاء بدن تک رگوں کے ذریعے پہنچتا ہے اگر رگیں کٹ جائیں تو موت واقع ہو جاتی ہے ایسے ہی حضور انور ﷺ کا فیض ساری امت کو بذریعے اولیاء اللہ پر پہنچتا ہے کہ ولایت درمیان میں نہ ہو تو امت کی روحانی موت واقع ہو جائے۔ (۵) بجلی کا پاور بنتا ہے پاور ہاؤس میں استعمال ہوتا ہے گھروں دکانوں کارخانوں میں مگر پہنچتا ہے درمیان کے کھمبے اور تار کے ذریعہ۔ ایمان بنتا ہے۔ مدینہ منورہ کے پاور ہاؤس میں ملتا ہے ہم گنہگاروں کو مگر درمیان میں علماء کے کھمبے اولیاء کے تار کے ذریعے (۶) بجلی کا نور قمقموں سے ملتا ہے۔ حضرات اولیاء فیضان نبوت کے بلب ہیں جو حضور ﷺ سے چمکتے ہیں اور ہم گنہگاروں کو روشنی دیتے ہیں، پھر جس بلب کی جیسی طاقت ویسی اس کی روشنی۔ جیسا بلب کا رنگ ویسی اس کی روشنی۔ قادری چشتی۔ نقشبندی۔ سہروردی اسی مرکز کے فیض کے رنگ برنگے مختلف طاقتوں والے بلب ہیں۔ شعر۔

حرم و طیبہ و بغداد جدھر کیجئے نگاہ      جوت پڑتی ہے تری نور ہے چھنتا تیرا

جیسے بجلی کا تار کاٹنے والا حکومت کا مجرم ہے ایسے ہی اولیاء اللہ سے دشمنی کرنے والا حکومت ربانیہ کا مجرم ہے۔ (۷) زمین کا قرار پہاڑوں سے ہے جنگل میں ہلکے پتہ کا قرار کسی مضبوط آڑ سے ہے۔ ورنہ ہوائیں اسے اڑائیں پھریں ایسے ہی ہمارے دلوں کا قرار حضرات اولیاء سے ہے شعر۔

دل عبث خوف سے پتہ سا اوڑا جاتا ہے      پتہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا

(۸) قیامت میں لوگوں کو ان کے امام پیشوا مشائخ کے ذریعہ بلایا جائے گا یوم ندعوا کل اناس بامامھم ہم ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ پکاریں گے (۹) دنیا میں جس کا کوئی شیخ نہ ہو اس کا شیخ شیطان ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن کے ضمیمہ میں ملاحظہ کریں۔

**کرامات:** جو عجیب وغریب عقل سے ورا کام متبع کے ہاتھ پر ظاہر ہو وہ کرامت ہے جو کافر و فاسق معلن کے ہاتھ پر ظاہر ہو وہ استدراج کہلاتا ہے۔ جیسے دجال بڑے کرشمے کر کے دکھائے گا۔ بعض سادھو اور شرابی جواری فقیر الٹے کام کر دکھاتے

ہیں یہ سب استدراج ہیں۔ جیسے نبی کے معجزے برحق ہیں ان کا انکار کفر ہے اور جس طرح کفار کے استدراج کو برحق ماننا کفر ہے۔ ایسے ہی اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں ان کا انکار کفر ہے کہ قرآن کا انکار ہے قرآن کریم فرماتا ہے کہ آصف برخیا پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیسی ملک یمن سے فلسطین میں حضرت سلیمان کے پاس لے آئے۔ حضرت مریم لڑکپن میں بے موسم غیبی پھل کھاتی تھیں اور کہتی تھیں قالت ھو من عند اللہ۔ اصحاب کہف صد ہا سال سے زندہ ہی سو رہے ہیں ان کے ساتھ ان کا کتا بھی زندہ ہے یہ تمام حضرات اولیاء بنی اسرائیل ہیں۔ صحابہ کرام کی کرامات سے احادیث کی کتب پر ہیں۔ اب بھی اولیاء اللہ کی کرامات دیکھی جاتی ہیں۔ فقیر نے خود اپنے پر دیکھی ہیں۔ ان کا انکار گویا چمکتے سورج کا انکار ہے۔ ہاں جو کرامتیں بناوٹی مشہور کر دی گئی ہیں مثلاً غوث پاک کا روحیں چھیننا عزرائیل سے وغیرہ وغیرہ ان کو تسلیم کرنا گناہ ہے کیونکہ شریعت کے خلاف ہے کرامت کی پہچان یہ ہے کہ کسی طرح شریعت کے خلاف نہ ہو نہ کسی دوسرے بزرگ کی گستاخی۔

**حالات اولیاء:** حضرات انبیاء کرام صفات الٰہیہ کے مظہر ہیں۔ (۷) اس لئے ان کے حالات مختلف ہیں۔ کوئی نبی جلالی ہے کوئی جمالی۔ کوئی نبی بادشاہ ہیں جیسے حضرت سلیمان و داؤد اور کوئی تارک الدنیا جیسے حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہم الصلوۃ والسلام یونہی حضرات اولیاء اللہ کسی نہ کسی نبی کے نقش قدم پر ہیں۔ انہیں کے مظہر ولایت موسوی کا اور رنگ ہے ولایت ابراہیمی کا اور ہی نقشہ اور ولایت محمدی سب سے اعلیٰ اس لئے اولیاء اللہ کے حالات مختلف حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

وکل ولی لہ قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال

ہر ولی کسی نبی کے قدم پر ہوتا ہے مگر میں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر ہوں۔ چنانچہ بعض اولیاء امیر بلکہ بادشاہ ہوئے بعض تارک الدنیا۔ حضور غوث پاک بڑے غنی، ابراہیم ادہم تارک السلطنت ہو کر گدڑی پوش۔ یوں ہی بعض اولیاء اللہ ہمیشہ کبھی کبھی حالت جذب میں۔ عقل و ہوش کھو بیٹھتے ہیں۔ اس وقت ان پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے رب فرماتا ہے۔ لا تقربوا الصلوۃ و انتم سکاری۔ نشہ کی حالات میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ اور فرماتا ہے وخر موسیٰ صعقا موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے یہ ہی موسوی بے ہوشی کی انہیں میراث ملتی ہے۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام کا قول کی بت پرستی دیکھ کر توریت کی تختیاں گرا دینا حضرت ہارون کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ لینا۔ زنان مصر کا حسن یوسفی دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لینا بے خودی کی حالت میں ہوا۔ حضور انور ﷺ فرماتے ہیں رفع القلم علی ثلثۃ آھبی و النائم و المجنون تین شخص مرفوع القلم ہیں۔ یعنی شرعی احکام ان پر جاری نہیں۔ بچہ، سوتا ہوا، دیوانہ، یہ لوگ مجنوں یا مجذوب ہوتے ہیں۔ اس جذب کی حالت میں ان کے منہ سے ان الحق یا انا اللہ یا سبحانی ما اعظم شانی نکلتا ہے۔ اس وقت وہ اپنی انا فنا کر چکے ہوتے ہیں اس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

چو روا باشد انا اللہ از درخت گے روانہ نبود کہ گوید نیک بخت

جب وادی طویٰ کا بیری کا درخت کہے ان یا موسی الی انا اللہ۔ اے موسیٰ میں اللہ ہوں تو یہ بندہ اگر اس درخت کی طرح انا الحق کہے تو مجرم نہیں اور بعض بڑے عالی ظرف اولیاء اپنے کو ایسے سنبھالتے ہیں کہ کسی وقت عقل و خرد سے الگ نہیں

ہوتے۔شعر۔

موسیٰ زہوش رفت، بہ یک پرتو صفات تو عین ذات می نگری در تبسمی

انہیں سالک کہا جاتا ہے غرضکہ نہ ہر ولی کا ایک حال ہے اور نہ ہر ایک کا قال۔شعر۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

فقیر کی یہ چند معروضات اگر غور سے پڑھی گئیں تو ان شاء اللہ فائدہ ہوگا۔ رب تعالیٰ ہم کو خاک ور وی نصیب کرے ان کے در کی خاک چشم دل کا سرمہ ہے فرماتے ہیں۔

سرمہ کن در چشم خاک اولیاء تابہ بینی زابتداء تا انتہا

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا اونشیند در حضور اولیاء

چوں شدی دور از حضور اولیاء آنچناں داں دور گشتی از خدا

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** ولایت برحق ہے اور تا قیامت اولیاء اللہ دنیا میں رہیں گے حضور انور ﷺ پر نبوت ختم ہوئی ولایت ختم نہ ہوئی یہ فائدہ الا ان اولیاء اللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔

**دوسرا فائدہ:** ہر زمانہ میں ایک دو نہیں بہت سے اولیاء اللہ رہیں گے یہ فائدہ اولیاء اللہ جمع فرمانے سے حاصل ہوا ہے۔

**تیسرا فائدہ:** اولیاء اللہ ایک قسم یا ایک طرح کے نہیں ان کی جماعتیں مختلف ہیں ان کے کام جداگانہ یہ فائدہ بھی اشارۃ اولیاء اللہ جمع فرماتے سے حاصل ہوا۔

**چوتھا فائدہ:** اولیاء اللہ اور حضرات ہیں اور اولیاء من دون اللہ مردود دین ہیں یہ فائدہ اولیاء اللہ کو اللہ کی طرف مضاف فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر

**پانچواں فائدہ:** حضرات اولیاء اللہ کو دنیا میں کسی مخلوق کا خوف چھاتا نہیں۔ اگرچہ کبھی عارضی طور پر ہو جائے یہ فائدہ لا خوف علیھم میں علیٰ فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کو ایک وقت فرعون سے خوف ہوا مگر وہ خوف نہ تو ان کے دلوں پر چھایا نہ باقی رہا......

**چھٹا فائدہ:** حضرت اولیاء اللہ کبھی عمداً برا کام نہیں کرتے جس سے انہیں آگے چل کر غم ہو یہ فائدہ ولا ھم یحزنون سے حاصل ہوا یہ سب فائدے لا خوف کی ایک تفسیر سے حاصل ہوئے جب کہ اس سے دنیا کا خوف و غم مراد ہو۔

**ساتواں فائدہ:** قیامت کے دن حضرات انبیاء کرام کو اپنی امت پر خوف و غم ہوگا۔ ہم لوگوں کو اپنا خوف و غم اور قیامت کا خوف و غم ہوگا۔ مگر اولیاء اللہ کو ان میں سے کوئی غم و خوف نہیں۔ یہ فائدہ لاخوف علیھم میں ھم کی ضمیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ اس خوف و غم سے قیامت کا خوف مراد ہو۔ وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں حضرات انبیاء کرام رشک کریں گے اولیاء پر اس کا یہ ہی مطلب ہے کہ ان کی بے خوفی بے غمی پر رشک کریں گے۔ ورنہ تمام انبیاء کرام اولیاء اللہ کے

سردار و آقا ہیں اور سب غوث و قطب انبیاء کے غلام درگاہ ہیں۔ اگرچہ حضور عبدالقادر جیلانی ہوں۔ شعر۔

نائب مصطفیٰ دریں کشور رشک پیغمبراں معین الدین

**آٹھواں فائدہ:** کوئی مشرک کافر۔ بدمذہب ولی اللہ نہیں بن سکتا لہٰذا ہندو۔ عیسائی یہودی یوں ہی قادیانی چکڑالوی وہابی ولی نہیں ہوسکتا۔ یہ فائدہ الذین امنوا سے حاصل ہوا۔ ان جماعتوں سے آج تک کوئی ولی نہیں ہوا نہ ہوگا۔

**نواں فائدہ:** کوئی فاسق و فاجر بے نماز بے روزہ بھنگی چرسی ولی نہیں یہ فائدہ و کانوا یتقون سے حاصل ہوا۔ کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ جب ہر وقت سورج کی دھوپ، ہوا، غذا کی ہر پیر فقیر کو ضرورت ہے تو شریعت جناب مصطفیٰ کی بھی ہر وقت ضرورت ہے بعض شیاطین کا یہ حال ہے۔ شعر۔

کار شیطان می کند نامش ولی گر ولی انیست لعنت بر ولی

جنوں و مجذوب کے احکام ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ بلکہ ہم مرے بعد سورج وغیرہ سے بے نیاز ہو جاتے حضور انور ﷺ کے محتاج وہاں بھی رہتے ہیں۔ جو کہے ہیں خدا تک پہنچ گیا اب مجھے شریعت کی ضرورت نہیں اسے چاہئے کہ وہ کھانے یا دھوپ ہوا بھی استعمال نہ کرے پھر جی کر دکھائے۔

**دسواں فائدہ:** کسی مومن کے متعلق کے متعلق عام خلقت کہے کہ وہ ولی ہے تو یہ اس کے ولی ہونے کی علامت ہے عام خلقت سے مراد مومنین صالحین اور عوام سب ہی ہیں یہ فائدہ لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا۔ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے لتکونوا اشھداء علی الناس حضور انور ﷺ فرماتے ہیں انتم شھداء اللہ فی الارض۔

**پہلا اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ حضور انور ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی مگر ولایت ختم نہ ہوئی۔ حضور ﷺ خاتم الانبیاء ہیں مگر خاتم اولیاء نہیں۔

**جواب:** حضور انور ﷺ آسمان نبوت کے دائمی چمکنے والے سورج ہیں دوسرے انبیاء کرام یا چاند تارے ہیں یا روشن چراغ اور اولیاء گویا اس سورج کے ذرے ہیں۔ سورج چاند تاروں کو اپنے نور میں چھپا لیتا ہے چراغوں کو بجھا دیتا ہے مگر ذروں کو چمکا دیتا ہے۔ اولیاء اللہ اسلام کی حقانیت اس کے غیر منسوخ ہونے کی دلیل ہیں لہٰذا ان کا بقاء ضروری ہے۔

**دوسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ ولیوں پر خوف و غم نہیں مگر دیکھا جاتا ہے کہ اولیاء اللہ کو خوف خدا و قیامت بہت زیادہ ہے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا بھی خوف ہوا اور جب عصا پہلی بار سانپ بنا تو اس سے بھی۔

**جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اگر خوف سے مراد دنیا میں خوف ہو تو اس سے غیر اللہ کا خوف دل پر چھا جانا مراد ہے انہیں غیر اللہ سے کبھی عارضی خوف ہوتا ہے جو جاتا رہتا ہے پھر انہیں کلیم اللہ نے فرعون کا ایسا ڈٹ کر مقابلہ کیا کہ سبحان اللہ اور اگر خوف آخرت مراد ہے تو دوزخ کی سختی حساب وغیرہ کا خوف مراد ہوگا۔

**تیسرا اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ ولی وہ جو مومن متقی ہو۔ مگر حضرت مریم تو بچپن ہی میں ولیہ تھیں اس وقت انہیں تقویٰ کا موقعہ ہی نہیں ملا تھا۔ ایسے ہی رابعہ بصری اور حضور ﷺ غوث اعظم پھر آیت فرمان کیونکر درست ہوا۔

**جواب:** اس آیت میں ولایت کسبی کا ذکر ہے اور ان حضرات کی ولایت ولایت فطری ہے۔ یوں سمجھو کہ ولایت کسبی تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے اور ولایت فطری سے تقویٰ نصیب ہوتا ہے۔ وہ ولی ہو کر متقی ہوتا ہے۔

**چوتھا اعتراض:** بعض فاسق و فاجر فقیر ولی ہوتے ہیں ان سے کرامات سرزد ہوتی ہیں پھر ولایت تقویٰ پر موقوف کیسے۔

**جواب:** وہ ولی نہیں بلکہ ابلیس کی ذریت ہیں ان کے عجائبات کرامت نہیں۔ استدراج ہیں دجال بڑی عجیب باتیں دکھائے گا۔ مگر ولی کیا مومن بھی نہ ہوگا۔ ولایت کے لئے کرامت کی شرط نہیں یہ تو ایک خاص درجہ قرب الٰہی کا ہے۔ جس قدر حضور انور ﷺ کی غلامی قوی تر اسی قدر رب تعالیٰ سے قرب زیادہ۔

**پانچواں فائدہ:** یہاں خوف کے لئے لا خوف اور غم کے لئے و لا ھم یحزنون ارشاد ہوا نیز ایمان کے لئے امنوا اور تقویٰ کے لئے و کانوا یتقون ارشاد فرمایا۔ اس فرق بیان میں کیا حکمت ہے۔

**جواب:** اس کے نکات ابھی تفسیر میں عرض ہوئے کہ اولیاء اللہ کو اگرچہ عارضی خوف ہو سکتا ہے مگر وہ خوف ان پر نہ غالب ہوتا ہے نہ دائمی رہا غم وہ تو بفضلہ تعالیٰ ان کے قریب نہیں ہوتا یوں ہی ایمان دائمی حیثیت ہے کہ ایک بار حاصل ہو گیا۔ مرتے وقت تک رہا مگر تقویٰ اعمال سے تعلق رکھتا ہے اور اعمال ہر وقت ہوتے رہتے ہیں۔

**تفسیر صوفیانہ:** ولایت، خوف، غم، ایمان اور ولی پرہیزگاری ان سب کا تعلق دل سے ہے ولایت دل کا نور ہے اور خوف و غم ایک طرح کی تاریکی نور آیا اندھیرا گیا۔ ولایت عشق رسول خوف خدا کے ایک درجے کا نام ہے۔ شعر۔

عشق آمد عقل خود آوارہ شد　　شمس آمد شمع خود بیچارہ شد

دنیوی خوف و غم عقل پر وارد ہوتے ہیں جس کا تعلق دلیل سے ہے ولایت دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے۔ دل کے مقابل دلیل کمزور ہے عالم دین جسم پر شریعت کے نقش و نگار کرتا ہے ولی اللہ دل کو گھوٹ کر صاف کر کے مانجھ کر مصفا بناتا ہے بیچ میں سانس کا پردہ ہے۔ جب یہ پردہ ہٹا تو ان شاء اللہ یہ تمام نقش و نگار دل میں جلوہ گر ہوں گے۔

**لطیفہ:** گروہ اولیاء میں حضور غوث اعظم الثقلین سید عبد القادر جیلانی قطب عالم اور تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں کہ آپ ﷺ کا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہے بغیر تشبیہ یوں سمجھ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر اتم ہیں حضور انور سید الانبیاء ہیں اور سرکار بغداد سید اولیاء کسی بزرگ کا قول ہے۔ شعر۔

غوث اعظم درمیان اولیاء　　چوں جناب مصطفیٰ و انبیاء

تمام اولیاء اللہ مظہر انبیاء حضور غوث پاک مظہر مصطفیٰ انبیاء صفات الٰہی حضور مصطفیٰ مظہر ذات الٰہی۔ عرب و عجم میں حضور غوث پاک کی فاتحہ کو گیارہویں کہا جاتا ہے۔ کیونکہ حضور غوث پاک ماں کی طرف سے حضرت حسین کے گیارہویں پوتے ہیں اور والد کی طرف سے امام حسن کے گیارہویں پوتے۔ ولادت شریف ۱۱ ربیع آخر کو رب کی شان کہ یہ آیت اولیاء دسویں سورت گیارہویں پارہ میں آئی رب تعالیٰ نے گیارہ کا عدد پہلے ہی منتخب فرما لیا ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا هُوَ السَّمِيْعُ

اور نہ غمگین کرے آپ کو قول ان کا تحقیق عزت اللہ کی ہے تمام کی تمام وہ سننے والا جاننے

اور تم ان کی باتوں کا غم نہ کرو بے شک عزت ساری اللہ کے لئے ہے وہ سنتا جانتا

الْعَلِيْمُ ۝ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي

والا ہے خبردار تحقیق اللہ کے ہیں وہ لوگ جو آسمانوں میں ہیں اور وہ لوگ جو

ہے سن لو بے شک اللہ ہی کے ملک ہیں جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے

الْاَرْضِ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ

نہیں پیروی کرتے وہ جو پوجتے ہیں ماسواء اللہ شریکوں کو

کے پیچھے جارہے ہیں وہ جو اللہ کے سوا شریک پکار

اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝

لوگ مگر گمان کی اور نہیں ہیں وہ مگر اندازہ لگاتے

نہیں جاتے مگر گمان کے اور وہ تو نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے

یات سے چند طرح تعلق ہے۔

کے دوستوں یعنی اولیاء اللہ کا ذکر خیر ہوا اب اللہ کے دشمنوں یعنی کفار کی برائیوں کا ذکر

باتی ہے۔ اندھیرے سے روشنی جہالت سے علم۔ کفر سے ایمان۔ عداوت سے ولایت کی

نور ﷺ کے غلاموں یعنی اولیاء اللہ کے اخروی خوف و غم کی نفی کی گئی جیسا کہ لاخوف

ب حضور انور ﷺ سے دنیوی غم کی نفی کی جارہی ہے کہ آپ ﷺ کو کفار سے کوئی رنج و غم

ضور انور ﷺ کے غلاموں یعنی اولیاء اللہ کے لئے دنیا و آخرت میں خصوصی بشارتوں کا

بے بنیاد ڈرانے کی تردید کی جارہی ہے۔

ن مسلمین سے کہا کرتے تھے کہ ہماری اولاد ہماری عزت ہماری دولت زیادہ ہے ہم تم کو

ومنوں کی تسکین کے لئے یہ آیات کریمہ آئیں۔ (دیکھو تفسیر خازن۔ تفسیر کبیر)

الْاَرْضِ وَمَا

زمین میں ہیں

زمینوں میں اور

اِنْ يَّتَّبِعُوْ

نہیں پیروی کرتے

رہے ہیں وہ تو

**تعلق:** ان آیات کریمہ کا پچھلی

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں

ہے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچا

پہچان ہوتی ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں

علیہم کی ایک تفسیر سے معلوم

نہیں (تفسیر کبیر)

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیات

ذکر ہوا اب کفار کی دھمکیوں ان

**نزول:** مشرکین مکہ فقراء مسـ

برباد کردیں گے۔ ان کی تردید:

تفسیر: ولا یحزنک قولھم ۔اس فرمان عالی میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر سنانا ہے ان حضرات صحابہ کو اور ان کے صدقہ سے تا قیامت مسلمانوں کو قولھم میں قول سے مراد کفار مکہ کا وہی قول ہے جو ابھی نزول میں عرض کیا گیا کہ ہم دولت، عزت اولاد جتھے والے ہیں اور ھم کا مرجع وہ بکواس کرنے والے کفار ہیں۔ یعنی یہ ہی کہ آپ ﷺ کو ان کفار کی یہ شیخی کی باتیں دھمکیاں وغیرہ ملول نہ کریں مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اس سے ملول نہ ہوں جیسے کسی سے کہا جاوے کہ کل میں تم کو یہاں نہ دیکھوں یعنی کل تم یہاں نہ آنا (روح البیان وغیرہ) ان العزۃ للہ جمیعا یہ فرمان نیا جملہ ہے۔ اس لئے ہماری قراۃ میں ان ہے الف کے کسرہ سے ہے بعض قراتوں میں ان الف کے فتحہ سے ہے تو وہاں لام پوشیدہ ہے اصل میں لان تھا (روح المعانی) عزت کے معنی ہیں غلبہ اس لئے غالب کو عزیز کہا جاتا ہے اردو میں عزت بمعنی وقار، آبرو، عظمت استعمال ہوتا ہے اس کا مقابل ہے ذلت۔ العزۃ سے مراد حقیقی، دائمی، ذاتی عزت ہے جو بغیر کسی کی عطا کے بغیر کسی سبب کے ہو اور اس آیت کریمہ العزۃ للہ ولرسول وللمومنین میں عزت سے مطلق عزت مراد ہے لہٰذا یہ آیت کریمہ اس آیت کے خلاف نہیں للہ میں لام صلہ کا ہے جمیعا عزت کا حال اس میں ہر قسم کی عزت کی ہر فرد داخل ہے یعنی ہر قسم کی ہر عزت ہمیشہ رب تعالیٰ کی ہے۔ ھو السمیع العلیم اس فرمان عالی کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ روئے سخن مومنین سے ہے یعنی اے مسلمانوں رب تعالیٰ کفار کی دھمکیوں کے مقابلہ میں تمہاری نرم گفتگو سنتا ہے اور ان کی دھمکیوں تکبر والی باتوں سے جو تمہارے دلوں کی تکلیف ہوتی ہے اسے رب جانتا ہے یہ حالات رہیں گے نہیں عنقریب انقلاب آئیگا کفار ذلیل ہوں گے چاند تمہارا چمکے گا۔ تب یہ فرمان رحمت کاملہ کا ہے تو یہ فرمان عالی عتاب وعذاب کا ہے یا سمیع کا تعلق کفار سے ہے علیم کا تعلق مومنین سے یعنی رب تعالیٰ کفار کی یہ شیخی والی گفتگو سنتا ہے اور تمہارا موجودہ حال جانتا ہے تو یہ فرمان عالی غضب ورحم کی جمع ہے۔ الا ان اللہ من فی السموات ومن فی الارض یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جو پہلے فرمان عالی کی دلیل ہے کہ جب آسمان وزمین کے سارے لوگ اللہ کی ملک ہیں تو انہیں عزت وذلت دینا بھی اس کے قبضہ میں چونکہ اس مضمون کے کفار منکر تھے اس لئے اسے الا اور ان کی تاکیدوں سے شروع کیا گیا۔ للہ میں لام ملکیت اور قبضہ کا ہے للہ کو من فی السموات (الخ) پر مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی یہ اللہ ہی کے مخلوق مقبوض مملوک ہیں۔ یہاں بھی ملکیت اور قبضہ سے مراد ذاتی اور دائمی ملکیت وقبضہ ہے لہٰذا یہ آیت کے خلاف نہیں کہ خلق لکم ما فی الارض الخ یا ما ملکت ایمانکم وغیرہ کہ وہاں عارضی عطائی ملکیت وقبضہ مراد ہے عربی میں عقل وسمجھ والی مخلوق کو من کہتے ہیں اور بے عقل مخلوق کو ما یہاں من سے عاقل مخلوق مراد ہے آسمانوں کی عاقل مخلوق فرشتے جنت کے حور وغلمان ہیں اور زمین کی عاقل مخلوق انسان اور جنات ہیں۔ چونکہ یہ مخلوق اعلیٰ وافضل باقی چیزیں ان کے تابع جب اللہ تعالیٰ ان کا مالک ہے تو ان کے تابع دوسری چیزوں کا بھی مالک ہے یا یوں کہو کہ ابھی کچھ پہلے اسی سورت میں ارشاد ہے ہوا تھا للہ ما فی السموات والارض وہاں ما سے غیر عاقل چیزیں مراد تھیں ان دونوں آیتوں سے پتہ لگا کہ دنیا کی ہر عاقل اور غیر عاقل چیزیں اللہ کی ملک ہیں۔ (تفسیر خازن وغیرہ) وما یتبع الذین یدعون من دون اللہ شرکاء ۔اس فرمان عالی کو نحوی ترکیبیں بہت ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہی کہ یہاں

مانافیہ ہے اور یدعون کا مفعول پوشیدہ ہے اور شرکاء یتبعون کا مفعول ہے یعنی جو ماسوی اللہ کو پوجتے ہیں تو وہ اللہ کے شریکوں کی پیروی نہیں کرتے کیونکہ کوئی اللہ کا شریک ہے ہی نہیں۔ (تفسیر روح البیان وروح المعانی) بلکہ وہ تو اپنے گمان وہم کی پیروی کرتے ہیں اعلحضرت قدس سرہ کے ترجمہ سے ماسوال کا ہے اور شرکاء مفعول ہے۔ یدعون کا یعنی جو خدا کے سوا شرکاء کو پوجتے ہیں غور تو کرو وہ کس کی پیروی کرتے ہیں تفسیر خازن وغیرہ نے یہ ہی تفسیر اختیار فرمائی۔ ان یتبعون الا الظن یہ فرمان عالی پچھلے فرمان کا تتمہ ہے یعنی وہ صرف اپنے انکل قیاس گمان کی پیروی کرر ہے ہیں۔ کیونکہ جنہیں یہ اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھ کر پوجتے ہیں۔ وہ عقلاً نقلاً اللہ کے شریک نہیں اولاً تو وہ ہیں۔ کچھ نہیں صرف ان کے من گھڑت نام ہیں رب فرماتا ہے ان ھی الا اسماء سمیتموھا۔ جیسے ہندوؤں کے ہنومان، گنیش گھنیا وغیرہ اور اگر وہ کچھ ہیں تو اللہ کے بندے ہیں۔ جیسا کہ ابھی اوپر ذکر ہوا للہ من فی السموات والارض ان ھم الا یخرصون۔ یہ فرمان عالی ان یتبعون الا الظن کی تاکید یا تائید ہے خرص کے معنی اندازہ بھی ہے اور کھلا جھوٹ بھی (روح المعانی) یعنی یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں یہ اپنے عقائد اپنے اعمال میں جھوٹ ہی بولتے ہیں قول کے عمل کے عقیدے کے جھوٹے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کفار مکہ کی ان شیخی کی باتوں ان کی دھمکیوں اور ان کی عزت کے دعووں سے کچھ بھی غم نہ کریں کیونکہ ساری عزت تو رب تعالیٰ کی ہے وہ جسے چاہے عزت دے اور جس سے چاہے عزت چھین کر ذلیل کر دے آج بظاہر کفار زوردار ہیں۔ عنقریب وہ وقت آرہا ہے کہ یہ سب یا آپ کے غلام ہو کر مسلمان ہوں گے یا ذلت وخواری سے ہلاک ہوں چاند تمہارا ہی چمکے گا۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا بھی ہے۔ ان کی یہ بکواس اور ان کے دلی تکبر اس سے چھپے نہیں۔ خبردار آگاہ رہو کہ آسمان وزمین کے سارے لوگ فرشتے۔ جو رغلمان جن وانس اللہ تعالیٰ کے مخلوق اس کے مملوک اس کے قبضہ میں ہیں کفار ومشرکین بت پرستی کر کے رب کے شریکوں کو نہیں پوجتے کہ اس کا کوئی شریک ہے ہی نہیں یہ تو صرف اپنے گمان کی پرستش کرتے ہیں کہ جھوٹے بنے مخلوق کے نام رکھ کر انہیں رب کا شریک مانتے ان کی پرستش کرتے ہیں وہ صرف جھوٹے اندازے ہی لگاتے ہیں جس کی تائید نہ ثبوت سے ہے نہ عقل سلیم سے۔

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** حقیقی سچی عزت اللہ تعالیٰ کی ہے پھر وہ جسے دے اس کی ہے یہ فائدہ ان العزة للہ کے لام سے حاصل ہوا۔ کفار وفساق اور دنیا داروں کی عزت جھوٹی عارضی بلکہ ایک دھوکہ ہے کیونکہ انہیں عزت۔ دولت حکومت اور جتھے وغیرہ سے ملتی ہے۔

**دوسرا فائدہ:** کفار وفساق عزت دیکھ کر مسلمانوں کو غمگین نہیں ہونا چاہئے کہ یہ چلتی پھرتی چیز ہے نہ ان کی شیخیوں پر ملول ہونا چاہئے۔ ان کی بکواس جانوروں کی سی آواز ہے یہ فائدہ لایحزنک (الخ) سے حاصل ہوا۔

**تیسرا فائدہ:** دینی اور دنیوی عزتیں بہت قسم کی ہیں۔ ایمان عرفان، ولایت صحابیت، نبوت یہ سب دینی عزتیں ہیں اور سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں یہ فائدہ جمیعا فرمانے سے حاصل ہوا۔

**چوتھا فائدہ:** عاقل مخلوق بے عقل مخلوق سے افضل ہے یہ فائدہ من فی السموات فی الارض ۔ سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا بے عقل مخلوق کو ان کا تابع قرار دیا۔

**پانچواں فائدہ:** اس فرمان سے اشارتاً معلوم ہوا کہ ساری عاقل مخلوق حضور انور ﷺ کی امت ہے۔ جس کا اللہ تعالیٰ رب ہے اس کے حضور انور ﷺ نبی ہیں۔ یہ فائدہ وللہ من فی السموات سے اشارتاً حاصل ہوا اللہ کی صفت ہے رب العالمین حضور فرشی حوریں غلمان اور زمین میں جنات۔ منطقی حکماء صرف انسان ہی کو عاقل مانتے ہیں کیونکہ وہ فرشتوں حور و غلمان اور جنات کے قائل نہیں مگر منطقیوں کی بات غلط ہے یہ فائدہ من فی السموات (الخ) سے حاصل ہوا۔

**ساتواں فائدہ:** مشرکوں کے اکثریت محض فرضی خیالی چیزیں ہیں جن کی اصل کچھ نہیں محض ان سے گمان و خیالات ہیں یہ فائدہ ان یتبعون الا الظن سے حاصل ہوا چنانچہ مشرکین ہند نے انسانوں کی ایسی شکلیں گھڑی ہیں جو قانون فطرت کے خلاف ہے۔ جیسے ہنومان، پردم گنیش کے منہ پر سونڈ یا کسی دیوی کے چار منہ آٹھ ہاتھ وغیرہ صرف گھڑے ہوئے نام ہیں جن کی حقیقت کچھ نہیں ان ھی الا اسماء سمیتوھا انتم و اباؤکم (الخ)

**آٹھواں فائدہ:** عقائد میں صرف ظن کے تخمینے گمان و خیال کافی نہیں ان میں کتاب و سنت سے ثبوت ضروری ہے۔ یہ فائدہ ان ھم الا یخرصون سے حاصل ہوا۔

**نواں فائدہ:** وحی کے مقابل قیاس کرنا طریقہ کفار ہے سب سے پہلے اس طرح کا قیاس ابلیس نے کیا کہ رب تعالیٰ نے سجدہ آدم کا حکم دیا تو وہ بولا انا خیر منہ (الخ) یہ فائدہ بھی ان ھم الا یخرصون سے حاصل ہوا۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ کو کفار کی باتوں سے غم ہوتا تھا جسے دفع فرمانے کے لئے ارشاد ہوا کہ لا تحزن لیکن ابھی پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اولیاء اللہ غمگین نہیں ہوتے و لا ھم یحزنون دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

**جواب:** اس اعتراض کا جواب اس آیت میں عرض کیا گیا کہ یا تو وہ فرمان آخرت کے متعلق ہے کہ قیامت میں وہ حضرات خوف و غم سے آزاد ہوں گے اور اگر دنیا میں اس کی نفی ہے تو وہاں اپنے برے کاموں پر غم مراد ہے یعنی گناہ کریں اور غمگین رہیں۔ دوسروں پر غم یہ تو انتہائی ہمدردی و خیر خواہی ہے یہ حضرات انبیاء کرام کے لئے ثابت ہے ان کا یہ ہی غم گنہگاروں کا بیڑا پار لگائے گا۔

**دوسرا اعتراض:** اللہ تعالیٰ تو ساری مخلوق کے ایک ایک ذرے قطرے کا مالک ہے پھر یہاں من فرما کر عاقلوں کی اور فی السموات اور فی الارض فرما کر آسمانوں زمین والوں کی قید کیوں لگائی کیا وہ اور چیزوں کا مالک نہیں۔

**جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ بے عقل چیزوں کو عاقلوں کے تابع فرمایا گیا ہے کہ جب وہ انسانوں جنات فرشتوں کا مالک ہے تو ضرور بالضرور دوسری مخلوق جو ان کے تابع ہے اس کا بھی مالک ہے۔ چونکہ ہمارا علم آسمانوں اور زمین سے آگے نہیں بڑھتا اس حد میں محدود رہتا ہے اس لئے یہاں آسمانوں و زمین کا ذکر ہوا یہ قید نہیں بلکہ ہم کو سمجھانے کے لئے

اس کا ذکر ہوا ہے۔

**تیسرا اعتراض:** منطقی اور فلاسفہ کہتے ہیں کہ صرف انسان ہی عاقل ہے اس لئے اسے حیوان ناطق کہتے ہیں یعنی عقل رکھنے والا جاندار مگر اس آیت سے معلوم ہوا کہ اور مخلوق بھی عاقل ہے یعنی جن فرشتے حور و غلمان وغیرہ۔

**جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ایک یہ کہ وہ بے دین فرشتوں جنات کے قائل نہیں۔وہ اپنے گندے عقیدہ کی بنا پر یہ کہتے ہیں اور ناطق کو انسان کی فصل مانتے ہیں۔دوسرے یہ کہ ان کے نزدیک ناطق بمعنی عاقل نہیں بلکہ اس کے معنی ہیں نفس ناطقہ والا۔یہ نفس کا ایک درجہ ہے اور واقعی انسان کے سوا، اور کوئی مخلوق نفس ناطقہ نہیں رکھتی۔

**چوتھا اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ مشرکین اللہ کے شریکوں کی پیروی نہیں کرتے حالانکہ وہ جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں انہیں خدا تعالیٰ کا شریک ہی جانتے ہیں اس خیال سے ان کی اطاعت عبادت اور پیروی کرتے ہیں پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔

**جواب:** یہاں ذکر واقعہ کا ہے نہ کہ ان کے عقیدے کا یعنی وہ جن چیزوں کی پیروی کرتے ہیں وہ اللہ کے شریک واقعہ میں نہیں اگرچہ ان کے عقیدوں میں ہوں لہٰذا وہ اپنے گمان وخیال کے پیرو ہیں۔

**تفسیر صوفیانہ:** اللہ تعالیٰ نے حضور انور کو بندوں پر رحیم و کریم بنایا اس لئے سب کا درد حضور انور ﷺ کے دل میں قدرتی طور پر ہوتا ہے اس لئے فرمایا کہ آپ ان کے قول وغیرہ پر غم نہ کریں دوسرے حضرات انبیاء کرام مظہر جلال الٰہی تھے وہ کفار سے زمین خالی ہونے پر غمگین نہ ہوتے تھے چنانچہ شعیب و صالح علیہما السلام نے عذاب یافتہ مردہ کفار پر گذرتے ہوئے ارشاد فرمایا **فکیف آسی علی القوم الکافرین** یہ فرق ہے حضور انور ﷺ اور دیگر حضرات انبیاء میں۔چنانچہ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا۔**وقولا لہ قولا لینا** فرعون سے نرم بات کرنا۔معلوم ہوا ان کی طبیعت مبارک جلالی ہے مگر حضور انور ﷺ سے فرمایا۔**یایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم** اے محبوب کفار و منافقین پر خوب سختی کرو معلوم ہوا کہ طبیعت مبارکہ میں رحم و کرم و جمال ہے دائمی عزت رب تعالیٰ کی ہے اس کا ظہور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ رب نے حضور کو بلکہ حضور کے غلاموں کو دائمی عزت بخشی اللہ تعالیٰ سب کی سنتا سب کو جانتا ہے مگر کسی کی سنتا اسے جانتا ہے غضب و قہر کے ساتھ اور کسی کو رحم و کرم کے ساتھ آسمان و زمین کے تمام لوگ اللہ کے مخلوق و مملوک۔مقبوض تو ہیں مگر سب محبوب و مقبول نہیں ہاں آسمانی مخلوق کوئی مردود نہیں زمینی لوگ بعض محبوب ہیں بعض مردود اس لئے **من فی السموات** کا ذکر پہلے ہے اور **من فی الارض** کا بعد میں صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو چیز بذریعہ رسول معلوم ہو وہ حقیقت ہے جو ان کے خلاف عقل وغیرہ سے معلوم ہو وہ محض وہم و گمان ہے حتیٰ کہ مشرکین جو عبادات ریاضات نفس کشی۔صدقہ خیرات پیغمبر کے خلاف اپنی رائے سے کرتے ہیں اور اس پر اجر و ثواب کی امید رکھتے ہیں وہ سب محض گمان و اندازے بلکہ محض دھوکا ہے۔حقیقت کا پتہ صرف نبی کے ذریعہ لگتا ہے اس لئے ارشاد ہوا۔**ان ھم الا یخرصون**۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ

وہ اللہ وہ ہے کہ بنائی اس نے واسطے تمہارے رات تاکہ سکون پاؤ اس میں اور دن کو

وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی کہ اس میں چین پاؤ اور دن بنایا

مُبْصِرًا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ (۶۷)

دکھانے والا تحقیق اس میں البتہ نشانیاں ہیں واسطے اس قوم کے جو سنتی ہے

تمہاری آنکھیں کھولتا بے شک اس میں نشانیاں ہیں سننے والوں کے لئے

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ هُوَ الْغَنِیُّ لَهٗ مَا

کہا انہوں نے کہ بنایا اللہ نے اولاد پاکی ہے اسے وہ بے نیاز ہے اسی کی ہے

بولے اللہ نے اپنے لئے اولاد بنائی پاکی ہے اس کو وہی بے نیاز ہے اسی کا ہے

فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ

وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور وہ جو زمین میں ہے نہیں ہے پاس تمہارے کوئی دلیل

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے پاس اس کی کوئی بھی سند

بِهٰذَا اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۶۸)

اس کی کیا کہتے ہو تم اللہ پر وہ جو نہیں جانتے تم

نہیں کیا اللہ پر وہ بات بتاتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں

**تعلق**: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ آسمان و زمین کے سارے بندے فرشتے جن و انس ہمارے مملوک مخلوق مقبوض ہیں۔ اب ارشاد ہے کہ ہم ان کے صرف مالک ہی نہیں بلکہ ان کے مربی ان کی ہر طرح پرورش کرنے والے خبر گیری فرمانے والے ہیں دیکھ لو زمانے کو ہم نے دن رات میں تقسیم کیا تمہاری پرورش کے لئے اس سے پتہ لگا کہ فرشتوں کی پرورش ان کے لائق ہم ہی کرتے ہیں۔

**دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی پوری ملکیت کا دعویٰ تھا اب اس آیت کریمہ میں اس کا ثبوت ہے ان بندوں کی تبدیلی حالت کہ رات کو تمہیں سلاتے ہیں دن کو ہم جگاتے ہیں تمہارے حالات بتا رہے ہیں کہ تم ہمارے قبضہ قدرت میں ہو۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی ملکیت کا ذکر تھا اور اب دنیا کے واردات کے ذریعے اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ تم پر کبھی رات کا راج ہوتا ہے کبھی دن کا یہ واردات کا اختلاف تمہارے مملوک ہمارے مالک ہونے کی دلیل ہے۔

**چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں مشرکین کے وہمی معبودوں کا ذکر تھا اب اس آیت کریمہ میں ان کی پرزور تردید ہے کہ تم جنہیں اپنا معبود سمجھتے ہو وہ دن رات کے لانے جانے پر قادر نہیں بلکہ یہ زمانے تمہاری طرح ان پر بھی گزرتے تھے لہٰذا وہ بھی تمہاری طرح بندے ہی تھے نہ کہ رب کے شریک۔

**تفسیر:** هو الذی جعل لکم اللیل لتسکنوا فیه و النهار مبصرا ۔ اس فرمان عالی میں عجیب روش ہے وہ یہ ہے کہ جعل کے بعد مظلما پوشیدہ ہے اس کی دلیل لتسکنوا ہے اور نہارا کے بعد لتتحرکوا پوشیدہ ہے۔ اس کی دلیل مبصراً ہے یعنی اللہ تعالیٰ وہ قدرت والا ہے وہ کرم ورحم والا ہے جس نے تمہارے لئے رات اندھیری کی تاکہ تم اس میں جسمانی روحانی سکون وچین پاؤ اور دن کو دکھانے والا روشن بنایا تاکہ تم اس میں چلو پھرو روزی کماؤ (روح البیان ومعانی) یہاں لـم میں لام نفع کا ہے اور کم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے چونکہ انسان ساری مخلوق میں اصل مقصود ہے باقی اس کے لئے ہیں اس لئے انہیں سے خطاب فرمایا کہ رات ودن تمہارے لئے بنے ہیں جانور جنات بھی تمہاری طفیل ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ چونکہ اس میں رات پہلے ہوتی ہے دن بعد میں اس لئے لیل کا ذکر پہلے فرمایا اور نہار کا بعد میں جعل بمعنی خلق نہیں ہے بلکہ اس کے معنی ہیں بنایا اس کے دو مفعول ہوئے۔ بعض نے کہا بمعنی خلق ہے اور مظلما اور مبصرا حال ہیں نہ کہ دوسرا مفعول۔ (روح المعانی) سکون اس ٹھہرنے کو کہتے ہیں جو حرکت وجنبش کے بعد ہو چونکہ دن بھر کا تھکا ہارا انسان رات کو آرام کرتا ہی اس لئے اس کے لئے سکون ارشاد ہوا (خازن) چونکہ رات سکون کا صرف وقت ہے سبب نہیں اور دن روشنی کا وقت بھی ہے سبب بھی اس لئے رات کو سکون کا فاعل نہ قرار دیا اور دن کو اسی لئے روشنی یا دکھانے کا فاعل بنایا (بیضاوی) اہل عرب عموما سبب اور وقت کا فاعل کہہ دیا کرتے ہیں اس قاعدے سے یہاں اسم فاعل ارشاد ہوا ورنہ روشنی دینے والا دکھانے والا رب تعالیٰ ہی ہے (روح المعانی خازن وغیرہ) جریر شاعر کہتا ہے۔ شعر۔۔

لقد لمتنا یاام غیلان فی سری ۔۔۔ ونمت وما لیل بطر بنائم

اس شعر میں رات کو نیند کو فاعل کہا گیا۔ حالانکہ وہ نیند کا وقت ہے ان فی ذلک لایات لقوم یسمعون اس فرمان عالی میں رات ودن کے آنے جانے اور لوگوں کے حالات مختلف ہونے کی حکمت ارشاد ہوئی۔ اگرچہ یہ دونوں چیزیں ابھی قریب میں ہی ذکر ہوئیں مگر چونکہ بہت شاندار ہیں عقل سے بہت دور ہیں اس لئے ذلک اشارہ بعید ارشاد ہوا ذلک سے اشارہ یا رات ودن کی طرف ہے یا ان میں سونے جاگنے کی طرف۔ آیات جمع فرما کر ارشاد ہوا کہ یہ صرف ایک دو نشانیاں نہیں بلکہ بے شمار نشانیوں کا مجموعہ ہیں۔ اگر ذرا سا غور کیا جاوے تو اس سے مرنا مرنے کے بعد اٹھنا پھر اٹھ کر حساب وکتاب دینا ہی سب ثابت ہے۔ سونا مرنے کی دلیل ہے پھر جاگنا بعد مرے کے اٹھنے کی دلیل ہے۔ اُٹھ کر کام کاج میں لگ جانا قیامت کے اعمال وافعال کی نشانی۔ نیز ان چیزوں میں انسان بالکل بے بس ہے نہ تو رات کو دن کرسکتا ہے نہ دن کو رات کو

آرام کا وقت بنا سکتا ہے نہ رات کو مخلوق کے کام وکاج کا وقت اس سے اپنی بندگی رب تعالیٰ کی قدرت بخوبی سمجھ میں آ سکتی ہیں۔ اس دلیل پر حضرت ابراہیم کے سامنے نمرود حیران رہ گیا فبهت الذی کفر قالوا اتخذ الله ولدا۔ اس فرمان عالی میں کفار کی ایک حماقت کا ذکر ہے قالوا کا فاعل وہ مشرکین عرب ہیں جو فرشتوں کو رب کی بیٹیاں مانتے تھے اور وہ یہود و نصاریٰ جو حضرت عزیز اور عیسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ کا بیٹا مانتے ہیں۔ قول سے مراد یا منہ سے بولنا ہے یا دل کا عقیدہ وہ اعتقاد کہا جاتا ہے۔ میں تیرا قائل یعنی معتقد ہو گیا۔ ولد سے منہ بولا اولاد نہیں بلکہ اپنے سے پیدا شدہ اولاد ہے بعض لوگوں نے اتخذ سے دھوکا کھایا کہ منہ بولا بیٹا مراد ہے یعنی متبنی (روح المعانی) ابن کے معنی ہیں بیٹا بنت بیٹی مگر ولد دونوں کو شامل ہے یہ واحد بھی آتا ہے جمع بھی لہٰذا اس میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سب ہی کا قول مراد ہے (معانی) سبحنه یہ فرمان عالی یا تو مسلمانوں کو تعجب دلانے کے لئے ہے کہ ان بے وقوفوں نے ایسی باطل بات کہی اولاد ماں باپ سے ہوتی ہے اور ان کے بعد پیدا ہوتی ہے ان کی جنس سے ہوتی ہے۔ اگر رب کی اولاد ہوتی تو اس کی طرح قدیم ازلی ابدی غنی ہوتی پھر اولاد کیسے ہوتی اور ہو سکتا ہے کہ یہ ایک پوشیدہ فعل سبحوا کا مفعول مطلق ہو۔ یعنی اے مسلمانو تم ان کے جواب میں اپنے رب کی پاکی بولو کہ وہ اولاد بیوی وغیرہ سے پاک ہے بغیر بیوی کے صرف باپ سے کبھی اولاد نہیں ہوتی۔ هو الغنی یہ سبحانہٗ کی پہلی دلیل ہے کہ رب تعالیٰ بے نیاز ہے اور اولاد نیاز مند و محتاج کے ہوتی ہے ماں باپ مرے بعد وارث کے محتاج ہیں دشمنوں کے مقابل قوت بازو یعنی بیٹے کی حاجت نیز شہوت سے مغلوب ہو کر زوجین ایک دوسرے کے حاجت مند رب تعالیٰ ان سب کمزوریوں سے پاک ہے پھر اس کے اولاد کیسی۔

له ما فی السموات وما فی الارض یہ سبحانہ کی دوسری دلیل ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ باپ بیٹے کا مالک نہیں ہو سکتا۔ ولادت ملکیت جمع نہیں ہو سکتی اگر اس کی اولاد ہوتی تو وہ ان کا مالک نہ ہوتا حالانکہ وہ ہر ماسوٰی کا مالک ہے۔ ان عندکم من سلطان یہ فرمان عالی سبحانہ کی تیسری دلیل ہے۔ اس میں ان نافیہ ہے اور من زائدہ نفی کے معنی کو عام کرنے کے لئے سلطان سے مراد نقلی یا عقلی دلیل ہے بھذا سے اشارہ اس مذکورہ بکواس کی طرف ہے۔ عندکم میں خطاب سارے مشرکین۔ یہود و نصاریٰ سے ہے جو رب تعالیٰ کے لئے اولاد مانتے تھے۔ یا مانتے ہیں یعنی اے بے وقوفو! اس عقیدہ باطلہ کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں نہ عقلی اور نہ کسی نبی کا فرمان نہ کسی آسمانی کتاب آیت اللہ تعالیٰ کی صفات کو نبی اور کتاب آسمانی کے ذریعہ مانو۔ اتقولون علی الله ما لا تعلمون یہ فرمان عالی ان تینوں دلیلوں کا خلاصہ ہے اس میں سوال تعجب دلانے کے لئے ہے علم سے مراد واقعی علم ہے نہ کہ صرف جاننا غلط چیز کو درست جاننا علم نہیں بلکہ جہالت مرکبہ ہے۔ شعر۔

آں کس کہ نہ داند و بداند کہ بداند      در جہل مرکب ابد الدھر بماند

یعنی تعجب کی بات ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف وہ چیزیں منسوب کرتے ہو۔ جس کا تم کو مطلقاً علم نہیں۔ بے علمی کی بات تو دنیوی کاموں میں بھی قبول نہیں ہوتی چہ جائے کہ آخرت کی چیزوں اور رب تعالیٰ کی ذات و صفات میں قبول ہو۔

**خلاصہ تفسیر:** اللہ تعالیٰ کی قدرت رحمت اس کی پوری ملکیت پورا قبضہ اس طرح جانو مانو کہ وہ اللہ وہ قدرت والا ہے جس

نے وقت کے دو حصے کئے ایک رات دوسرا دن یہ سب کچھ تمہارے لئے کیا تا کہ تم رات میں آرام کرو۔ اس نے اسے اندھیرا بنایا دن کو اوجیالہ اور روشن کیا تا کہ تم اس میں کام کاج کرو۔ ان دونوں سے ہفتے مہینے۔ سال بنائے انہیں سے تمہاری عمریں ختم فرمائیں۔ ان کی بناوٹ میں ان لوگوں کے لئے صد ہانشان قدرت ہیں مگران لوگوں کے لئے جو نبی کا فرمان غور سے اور سمجھنے کے لئے سنتے ہیں۔ اگر صرف دن ہی ہوتا تو آرام کب کرتے اور صرف رات ہی ہوتی تو کام کیسے اور کب کرتے پھر تاریخیں کیسے مقرر ہوتیں ہفتے مہینے سال کیسے بنتے یہ لوگ ایسے بے وقوف ہیں کہ کہتے ہیں اللہ نے اپنے لئے اولاد بنائی۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ بیٹے والا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اس کی بیٹیاں ہیں۔ اے مسلمانو کہو کہ یہ چیز رب کے لئے عیب ہے وہ عیب سے پاک ہے۔ اولاد محتاج یا فنا کی بناء پر ہوتی ہے دیکھو چاند سورج کو قیامت تک فنا نہیں تو ان کے لئے اولاد نہیں۔ جنت دوزخ میں انسانوں کو فنا نہ ہوگی تو ان کے اولاد بھی نہ ہوگی رب تعالیٰ غنی ہے نہ اسے فنا ہے نہ اسے احتیاج۔ نیز باپ اولاد کا مالک نہیں ہوتا وہ ہر ماسوئی کا مالک ہے نیز یہ عقیدہ عقل کے بھی خلاف اور حضرات انبیاء کی تعلیم کے بھی مخالف۔ تمہارے پاس اس کی کوئی عقلی نقلی دلیل نہیں تعجب ہے کہ بلا دلیل دعویٰ تو دنیوی کاموں میں نہیں سنا جاتا۔ تم آخرت بلکہ ذات باری کے لئے بے دلیل ہانکتے جاتے ہو۔

**فائدے:** ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** رات دن سے افضل ہے یہ فائدہ رات کا دن سے پہلے ذکر فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو دن میں قبولیت دعا کی ساعت صرف جمعہ کے دن میں ہوتی ہے وہ بھی نامعلوم ہے مگر رات میں ساعت قبولیت رات کے آخری حصہ میں ہوتی ہے۔ اس کے سواء اور بہت وجوہ سے رات کی فضیلت ثابت ہے۔

**دوسرا فائدہ:** اسلام میں رات پہلے ہے دن بعد میں آفتاب ڈوبتے ہی تاریخ بدل جاتی ہے یہ فائدہ بھی رات کو دن پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ ہندوؤں کے ہاں طلوع آفتاب سے تاریخ بدلتی ہے عیسائیوں کے ہاں آدھی رات سے مگر اسلامی قانون قوی ہے کیونکہ ظلمت نور سے پہلے ہوتی ہے۔

**تیسرا فائدہ:** رات و دن بلکہ سارے عالم کی پیدائش انسانوں کے لئے ہے دوسری مخلوق انسان کے طفیل ان سے فائدہ اٹھاتی ہے یہ فائدہ لکم کو اللیل پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔

**چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے رات آرام کے لئے اور دن کام کے لئے بنایا ہے۔ رات کو بلاوجہ جاگنا کھیل کود میں راتیں کاٹنا ٹھیک نہیں یہ فائدہ لتسکنوا فیہ سے حاصل ہوا۔

**پانچواں فائدہ:** فعل کے سبب کو فاعل بنایا جا سکتا ہے یہ فائدہ لقوم یسمعون سے حاصل ہوا۔ دیکھو یہاں دن کو دکھانے والا فرمایا حالانکہ دکھانے والا رب تعالیٰ ہے لہذا یہ کہنا جائز ہے کہ حضور انور ﷺ صاحب جود وعطا جنت دینے والے دوزخ سے بچانے والے ہیں۔

**چھٹا فائدہ:** جو کان حق بات نہ سنیں وہ بہرے ہیں جو آنکھیں حق نہ دیکھیں وہ اندھی ہیں یہ فائدہ لقوم یسمعون سے

حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے صرف مومنوں کو سننے والا فرمایا دوسری جگہ کفار کے متعلق صم بکم عمی یہ بہرے اندھے گونگے ہیں۔

**ساتواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے لئے صاحب اولاد ہونا عیب ہے وہ اولاد دیتا ہے اولاد رکھتا نہیں کیونکہ اولاد کی ضرورت یا تو فانی کو ہوتی ہے یا مجبور کو جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ یہ فائدہ سبحان اور ھوا الغنی سے حاصل ہوا۔

**آٹھواں فائدہ:** یہود و نصاریٰ مشرک ہیں۔ کیونکہ وہ بھی حضرت عزیز و عیسیٰ علیہما السلام کو رب کا بیٹا مانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ بیٹا باپ کی مثل بھی ہوتا ہے اور اس کی چیز کا مالک بھی تو انہوں نے بھی ان دو حضرات کو خدا کی مثل مانا یہ ہی شرک ہے یہ فائدہ قالو اتخذا اللہ ولدا سے حاصل ہوا کہ قالو امیں مشرکین، یہود، نصاریٰ سب جمع فرمائے گئے۔

**نواں فائدہ:** اگر کافر کو نبی سے نسبت ہو جائے تو اس کے احکام ہلکے اس کا کفر و شرک نرم ہو جاتا ہے۔ دیکھو یہودی عیسائی مشرکوں کی طرح شرک میں گرفتار ہیں کہ مشرکین فرشتوں کو رب کی لڑکیاں کہتے ہیں اور یہ دونوں دو نبیوں کو رب کا بیٹا مگر اس کے باوجود ان کے احکام نرم ہیں کہ ان کا ذبیحہ حلال اور ان کی عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح درست ہے اور قرآن مجید میں انہیں یا اھل الکتاب کے خطاب سے پکارا گیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اپنے کو نبی کی طرف نسبت کرتے ہیں۔

**دسواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے صفات نبی کے ذریعہ جانو مانو صرف عقل اس راہ میں ٹھوکریں کھاتی ہے یہ فائدہ لا تعلمون سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے عرب کے علم والے مشرکین عیسائیوں یہودیوں کو جاہل قرار دیا۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رات صرف سونے کے لئے ہے مگر رات میں اور بہت سے کام کئے جاتے ہیں۔ کھانا بھی کھاتے ہیں۔ نماز عشاء بھی پڑھتے ہیں بعض خوش نصیب بندے نماز تہجد بھی پڑھتے ہیں پھر یہ فرمان عالی کیسے درست ہوا۔

**جواب:** اس فرمان عالی میں نیند کا ذکر نہیں بلکہ سکون یعنی چین پانے کا ذکر ہے کھانے پینے میں جسم کا چین ہوتا ہے اور نماز میں روح اور دل کا چین لفظ سکون دونوں کو شامل ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ دن کی نماز دن کے کھانے میں وہ چین و سکون نہیں ملتا جو رات میں ملتا ہے کہ دن میں کام کاج کی فکر ہوتی ہے رات میں نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے ان ناشئۃ اللیل اشد وطعا واقوم قیلا لھذا لتسکنوا فرمایا بہت ہی مناسب ہے۔

**دوسرا اعتراض:** بعض لوگ رات کی ڈیوٹی دیتے ہیں دن میں سوتے ہیں کیا وہ اس آیت کے خلاف کرتے ہیں۔

**جواب:** یہ شخصی اور عارضی حالات میں عموماً دن میں کام اور رات میں آرام کرتے ہیں مجبوری و معذوری کے احکام جداگانہ ہیں ہاں جو لوگ رات کھیل تماشہ میں گذاریں دن کو سوئیں وہ اس فرمان عالی کی خلاف ورزی کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعد نماز عشاء بلا وجہ جاگنے کو ناپسند فرماتے تھے۔

**تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں لتسکنوا کا مقابلہ مبصرا سے فرمایا گیا۔ یہ مقابل کیونکر درست ہوا سکون کے

مقابل ہیں حرکت یا کام وکاج ہیں اور مبصرا کا مقابل مظلما ہے۔

**جواب:** اس کی نفیس حکمت ابھی تفسیر میں عرض کی گئی کہ اصل عبارت یہ ہے کہ رات کو تاریک بنایا تا کہ تم کو سکون ہو۔ دن کو روشن بنایا کہ تم جنبش وحرکت کرو۔ دونوں جگہ ملزوم سے لازم کو سمجھایا گیا۔ یہ اعلیٰ درجہ کی فصاحت ہے۔

**چوتھا اعتراض:** یہاں کفار کے اس عقیدہ کی تردید میں کہ رب تعالیٰ کی اولاد ہے سبحانه هو الغنی کیوں ارشاد ہوا اس کی تردید عقلی دلائل سے ہوتی ہے زیادہ مناسب تھی۔

**جواب:** ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اس فرمان عالی میں چار طرح ان کی تردید کی گئی نہایت شاندار طریقے سے کہ اولاد کی اس کو ضرورت ہے جس کو یا تو فنا ہو یا حاجت مندی ہو۔ رب کی صفت ہے هو الغنی وہ غنی ہے اور غنی تمام چیزوں کی ملکیت سے ہوتی ہے اور وہ سبحانہ ہے اس کو فنا بھی نہیں پھر اس کی اولاد کیسی نیز اولاد جز اور بدن سے ہوتی ہے رب تعالیٰ بدن اور جزئیت وکلیت سے پاک ہے۔ نیز اولاد باپ کی مثل ہوتی ہے۔ اس کریم کی شان ہے لیس کمثله شیء۔

**تفسیر صوفیانہ:** اللہ تعالیٰ نے مسافران راہ طریقت ومعرفت کے لئے دو قسم کے وقت رکھے ہیں۔ بعض اوقات راحت کے لئے بعض مجاہدہ سے اور طاعت کے لئے۔ راحت میں نفس مطمعنہ چین پا کر پھر نئے سرے سے طاعات کے لئے بعض ہو جاتا ہے۔ اسی لئے مدارس دینیہ بلکہ دنیوی کاروبار میں بھی بعض دن تعطیل اور چین کے رکھے جاتے ہیں۔ ابن خیام شاعر کہتا ہے۔ شعر۔

زمانے بحث و درس و قیل وقالے — کہ انسان رابود کسب و کمالے
زمانے شعر و شطرنج و حکایات — کہ خاطر رابود دفعے ملالے

انسان کی فطرت میں تلون اور تجدد ہے حتی کہ سونے میں بھی کروٹیں بدلتا رہتا ہے جو وقت یار کی یاد میں گزرے وہ دن ہے اگرچہ بظاہر اندھیری رات ہو اور جو وقت طلب معاش یا لھو ولعب یا کروٹیں بدلتے گزرے وہ رات ہے اگرچہ بظاہر دن ہو۔ دل کی دنیا میں رات ودن مدینے والی سرکار کی تجلی سے آتے ہیں۔ چونکہ تجلی مصطفیٰ کے طور رنگ برنگے ہوں گے تو دل کی دنیا کے دن رات رنگ برنگے غافلین ان مفید کاموں کو چھوڑ کر رب تعالیٰ کی ذات وصفات کو سمجھنے میں عقلی ڈھکوسلوں میں الجھ گئے کہ کسی نے کہا اس کے شریک ہیں۔ کسی نے کہا اس کی اولاد ہے۔ یہ سب خرابیاں بربادیاں بدنصیبی دامن نبی کو چھوڑنے کا نتیجہ ہے فرمایا جارہا ہے کہ پہلے نبوت کی روشنی لے آؤ پھر یار کو پالو گے۔ (از تفسیر روح البیان مع زیادت)

| قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ |
|---|
| فرمادو بے شک وہ لوگ جو گھڑ لیتے ہیں پر اللہ جھوٹ نہیں کامیاب ہوں گے |
| تم فرماؤ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہو گا |

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ

کچھ سامان میں دنیا پھر طرف ہماری لوٹنا ان کا پھر چکھادیں گے ہم ان کو

دنیا میں کچھ برت لینا ہے پھر انہیں ہماری طرف آنا ہے پھر ہم انہیں

الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝ ع

عذاب سخت بدلہ اس کا تھے وہ کفر کرتے

سخت عذاب چکھائیں گے بدلہ ان کے کفر کا

وقف لازم

**تعلق:** اس آیت کے پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہیں۔

**پہلا تعلق:** پہلا تعلق پچھلی آیت میں یہود و نصاریٰ کے جھوٹ اور افترا کا ذکر تھا کہ وہ اللہ کے لئے بیٹے۔ اولاد کی نسبت کرتے ہیں اس آیت میں ان کے افترا کا نتیجہ بیان کیا جارہا ہے کہ وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے کیونکہ جھوٹا آدمی ہمیشہ ذلیل و ناکام رہتا ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہ ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں سب کا مالک و مربی ہے اب اخروی ملکیت و ربوبیت کا ذکر ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں دن رات کے عیش و آرام کا ذکر تھا۔ اب دنیوی آرام کی بے مثالی اور فنا کا ذکر ہے تا کہ غافل لوگ دنیوی عیش سے دھوکا نہ کھائیں۔

**چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار سے دلیل کا مطالبہ وسوال تھا اب ان کی دلیل سے عاجزی کا ذکر ہے۔

**نحوی تفسیر:** قل ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون۔ قل صیغہ امر واحد اس کا مادہ اشتقاق قول اجوف وادی ہے ان حرف تحقیق شک کو دور کرنے یقین کو ثابت کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے الذین اسم موصول جمع مذکر بعد والے کی حالت بیان کرتا ہے۔ یفترون مضارع جمع غائب باب افتعال فری سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ بھرنا اصطلاحی ترجمہ اپنی طرف سے کسی کے لئے کوئی بات بنالینا بمعنی من گھڑت خودساختہ شرعی ترجمہ نفس امارہ کے کہنے پر کوئی بات کہنا۔ علیٰ حرف جر اسموں پر داخل ہوتا ہے بہت معنی میں استعمال ہوتا ہے یہاں نسبت کے لئے ہے اللہ خالق کائنات کا ذاتی نام پاک الکذب۔ لغوی ترجمہ معدوم چیز۔ شرعی ترجمہ جان بوجھ کر ایسی بات یا خبر دے جس کے نا ہونے کا علم ہو لا یفلحون مضارع منفی بلا۔ جمع مذکر غائب فتح سے بنا۔ لغوی ترجمہ۔ مقصد کو پالینا شرعی ترجمہ اللہ کے عذاب سے نجات پانا۔ متاع فی الدنیا ثم الینا مرجعھم ثم نذیقھم العذاب الشدید بما کانوا یکفرون متاع صدر میمی ہے جیسے مقال بعض نے کہا یہ مصدر میمی کی مثل نہیں بلکہ اس کا مادہ متح ہے اور یہی صحیح ہے جیسے مجال لغوی ترجمہ بالاواسطہ نفع دینے والا سامان پس سوتا

چاندی روپیہ پیسہ اس میں شامل نہیں۔ شرعی ترجمہ دنیا کی چیزیں اس پر تنوین (دو پیش) تقلیل کی ہے جو کمی کو بیان کرتی ہیں۔ فی حرف اصلاً ظرفیت کے لئے استعمال ہوتا ہے الدنیا اسم تفضیل مونث دنو سے بنا لغوی ترجمہ حقیر۔ اور نیچی ہونے والی شرعی ترجمہ۔ عالم برزخ سے پہلی اور عالم ارواح کے بعد کی زندگی دار العمل کی زندگی۔ ثم حرف تعقیب جو کسی کے بعد میں ہونے کو بیان کرے یا جو کسی کے بعد میں ہونے کو بیان کرے۔ الینا۔ دو لفظ ہیں (۱) الی (۲) الی انتہا کو بتاتا ہے۔ نا ضمیر متکلم۔ مگر اکثر غیر جمع کے لئے استعمال ہوتا ہے مرجعھم یہ دونوں لفظ ہیں (۱) مرجع (۲) ھم مرجع اسم ظرف یا مصدر میمی رجع سے بنا۔ بمعنی لوٹنا ھم ضمیر جمع غائب۔ ثم۔ تعقیب کے لئے۔ نذیق جمع متکلم ذوق سے بنا واؤ کو ی سے تبدیل کر دیا ب اب افعال ہے۔ لغوی ترجمہ چکھانا شرعی ترجمہ بدلہ دینا۔ العذاب عذاب سے بنا لغوی ترجمہ سزا۔ شرعی ترجمہ اللہ کی سزا دینا الشدید لفظ عذاب کی صفت ہے صیغہ صفت مشبہ۔ شد سے بنا ترجمہ۔ ہمیشہ سختی والا۔ بما دو لفظ میں (۱) ب (۲) ما ب حرف جر ہے بہت معنی ہیں استعمال ہوتی ہے یہاں بمعنی بدلہ استعمال ہوئی ہے ما اسم موصول ہے۔ کانوا یکفرون ماضی ناتمام صیغہ جمع غائب۔ کفو سے بنا بمعنی انکار۔ شرعی ترجمہ خدائی قانون کا انکار کرنا۔

**تفسیر عالمانہ:** قل اس میں خطاب نبی کریم سے ہے اور اس کے معنی ہیں کہ کافروں کو متنبہ کر دو تا کہ آپ کی تبلیغ مکمل ہو جائے وہ کا فرمانے یا نہ مانیں اور یہ تنبیہ ظاہراً کسی خاص جماعت کو نہیں اس لئے آگے ارشاد ہوا ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون لفظ ان اس لئے ارشاد ہوا کہ ان کا گمان تھا کہ ہمارے یہ افترا اللہ کے قرب اور دنیاوی مال و دولت کے حصول میں شاندار کامیابی ہیں ان کے اس فاسد گمان کو حتمی طور پر توڑا جا رہا ہے کہ نہ تم کو قرب الٰہی نصیب ہوا اور اسلام کے تشریف لے آنے سے نہ تمہاری دنیاوی عزت باقی۔ یہ بدنصیبی اور ناکامی کیوں ہوئی کہ یفترون علی اللہ الکذب یفترون افتراء سے بنا جس کے معنی ہیں جان بوجھ کر سمجھتے ہوئے اپنے پاس سے کوئی بات بنالینی یہ لوگ بہت سی خود ساختہ باتیں بنالیا کرتے تھے الذین سے ان کے عالم لوگ مراد ہیں کیونکہ وہی ایسے عقیدے بنایا کرتے تھے عوام ان سے سن کر ایمان لے آیا کرتے تھے۔ علی اللہ کا معنی اللہ تعالیٰ کے متعلق کذب جھوٹی بات جیسے کہ اللہ کا شریک ٹھہرانا۔ حضرت عیسیٰ و موسیٰ کو ابن اللہ کہنا فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہنا! ان بے وقوفوں نے۔ اللہ کا شریک بنا کر انبیاء کی عزت نہ کی۔ حالانکہ شریک ہونے میں خود انبیاء کرام کی توہین و گستاخی اور شان کی کمی ہے۔ اس لئے کہ شریک کی ملکیت اختیار تھوڑے ہوتے ہیں اور پیاروں کے اختیار زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی لئے مسلمان نبی کریم ﷺ کو حبیب اللہ کہتے ہیں نہ کہ شریک اللہ۔ اور انبیاء کرام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ حضرات خصوصاً نبی کریم۔ اللہ تعالیٰ کی ہر چیز کے مالک ہیں شرک کو ختم کرتا ہے۔ اور یہ عقیدہ توحید کو مکمل کرنے والا ہے جو یہ عقیدہ نہ رکھے بلکہ نئے نئے عقیدے بناتا رہے۔ لا یفلحون وہ لوگ کامیاب نہ ہوں گے۔ ان کو اپنی دنیاوی عزت پر مغرور نہ ہونا چاہئے اور نہ کسی مسلمان کو ان کی سلطنت حکومت دولت وغیرہ پر فکر مند ہونا چاہئے نہ کوئی شخص اس بات سے ان کو سچا سمجھے کیونکہ متاع فی الدنیا ثم الینا مرجعھم۔ یہ مبتدا محذوف ھو کی خبر ہے یا اس جگہ لھم پوشیدہ ہے اور تنوین تحقیر کے لئے ہے یا کمی بیان کرنے کے لئے۔ یعنی یہ ان کی سب دولت و قوت تھوڑی اور چند روزہ

ہے فی الدنیا ظرف ہے اسی متاع مصدر کا۔ یا ثابت پوشیدہ کا۔ اس مال دولت کا ان کو صرف اسی دنیا میں کچھ نفع ہے۔ اور چونکہ دنیا اصل مقصود نہیں بلکہ راہ مقصود ہے اس لئے یہ دولت کامیابی کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ مگر مسلمان کی یہی دنیاوی دولت بلکہ مومن کی ہر چیز کامیابی اور فلاح ہے۔ عثمان غنی امیر بن کر بھی کامیاب رہے اور اصحاب صفہ غریب رہ کر بھی کامیاب رہے۔ کسی نے دولت سے رب کی رضا حاصل کی کسی نے غربت و مسکنت سے۔ کافر کی نہ غربت اچھی نہ امیری فائدہ مند ثم الینا مرجعھم ۔ثم بعدیت کا متقاضی ہے یعنی دنیاوی زندگی کے بعد یہاں صرف کافر مراد ہیں۔ کیونکہ مومن دنیا میں بھی اللہ کے قرب میں ہے۔ وہاں بعدیت کا کوئی شبہ نہیں۔ مومن کا ہر وقت اللہ کی طرف رجوع ہے اس کی زندگی موت برابر ہے اس لئے فرمایا گیا موتوا قبل ان تموتوا کافر کی زندگی و موت میں فرق ہے۔ الینا ہماری طرف! یہاں الی انتہاء مکانی کے لئے نہیں بلکہ نسبت کے لئے۔ یعنی ہمارے عذاب کی طرف ان کا لوٹنا۔ یا لوٹنے کی جگہ حشر ت قیامت وغیرہ۔ ثم نذیقھم ۔ یہاں تیسرے زمانے کا ذکر ہے پہلا زمانہ عمل کا دوسرا احساب کا تیسرا عذاب و سزا کا اس لئے دوبارہ ثم ارشاد ہوا نذیقھم ۔ ذوق۔ سے بنا ہے عرف میں چکھنا تھوڑے فائدے یا تھوڑے کھانے یا تھوڑے لفظ کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر یہاں مختلف عذاب بیک دم ہونا یا بدل بدل کر ہونا مراد ہے جھگتوانا اور بھگتنا کے معنی بھی آتا ہے ھم سے مراد وہی مفترین ہیں۔ اور چونکہ کافر مفتری ہیں اس لئے سب کافر بھی...... اس کا مرجع ہو سکتے ہیں۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کو جمع کے غائب یا جمع حاضر کے صیغہ سے پکارنا یا ذکر کرنا گناہ اور بے ادبی اور توحید کے خلاف ہے۔ ہر شخص کا ادب جداگانہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ادب یہی ہے کہ اس کو واحد کے صیغے سے خطاب کرو تاکہ مومن کی ہر ادا یہاں تک کہ روزمرہ گفتگو میں بھی توحید باری تعالیٰ کی جھلک نظر آئے۔ دیوبندی حضرات جمع کا صیغہ بولتے ہیں اور ارادہ ادب کا رکھتے ہیں۔ حالانکہ صحابہ اور نبی پاک کی گفتگو میں اس کا کوئی ثبوت نہیں کیا ان حضرات کو ادب خداوندی کا پتہ نہ تھا؟ جمع متکلم اہل عرب میں اکثر واحد متکلم کی جگہ فصاحت کلام کے لئے ہوتا ہے نہ کہ ادب کے لئے خود اللہ تعالیٰ اس کے علاوہ صیغوں میں اپنی ذات پاک کے لئے لفظ واحد ہی ہر جگہ ارشاد فرماتا ہے۔ انکم یا ایھم کا کہیں ثبوت نہیں۔ العذاب بمعنی رب کی سزا الف لام عہد ذہنی ہے رب بہتر جانتا ہے۔ وہ کیسی سزا ہے اللہ ہم کو محفوظ رکھے۔ الشدید صفت ہے العذاب کی یعنی ہمیشہ سخت رہنے والا۔ دنیا کی سزائیں اگرچہ کچھ دیر مسلسل تو رہ سکتی ہیں مگر سختی ایک ایک جیسی مسلسل نہیں رہتی کبھی ہلکی بھی ہو جاتی ہے جس میں سزا دینے والے کی کمزوری ہوتی ہے مگر رب کا عذاب جس کے لئے جتنا مقرر ہو گیا۔ اتنا ہی مسلسل رہے گا اسی لئے صیغہ صفت مشبہ کا ارشاد ہوا کیونکہ رب کمزوری سے پاک۔ ہاں عذاب کا ختم ہو جانا یا بعض خصوصی کافروں پر ہلکا ہو جانا یہ اس کی شان کریمی ہے۔ نہ کہ کمزوری۔ بما کانوا یکفرون ب بمعنی بدلہ ما سے مراد نوعیت کفر افترا جھوٹ وغیرہ۔

کانوا یکفرون ماضی استمراری سے فعل دائمی مراد ہے۔ یعنی یہ ہمیشہ ایسا ہی دنیا میں کیا کرتے تھے۔ کافر کا ہر کام کفر ہے کیونکہ کفر کی زیادتی کا سبب ہے یہاں تک کہ کھانا پینا بھی کفر ہے اس کا فسق اور گناہ بھی کفر ہے بخلاف مومن کے کہ اس کا گناہ کبیرہ بھی کفر نہیں۔

**خلاصہ تفسیر**: اے پیارے حبیب ان کافروں کو خبردار کردو کہ یہ تمہارے جھوٹ فریب تمہاری ہی ناکامی کا سبب ہے ایسے بے ہودہ فعلوں سے تم کبھی کامیاب نہ ہوسکو گے اے کافرو دنیا کے تھوڑے نفع پر مغرور نہ ہویا اے مسلمانو۔ کافروں کے امیرانہ حالت سے پریشان نہ ہونا یہ دولت عیش وعشرت ان کی کامیابی نہیں۔ بلکہ چند دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات دائمی ہے اور ہمارے ہی طرف ان کا آنا ہے ہم ان کو ہر کفر کا علیحدہ علیحدہ عذاب دیں گے کوئی اور رعایت یا کمی نہ ہوگی یہ اٹل اور یقینی قانون ہے اس میں تبدیلی کا خیال بھی نہ کرنا۔

**فائدے**: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ**: قانون خداوندی وہ ہے جو آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دھن پاک سے ادا ہو۔ یہ فائدہ لفظ قل فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں دنیا وآخرت کا قانون بنایا گیا اور رب تعالیٰ نے نبی کریم کے منہ مبارک سے ادا فرمایا کہ فرمایا اے پیارے تم کہہ دو کہ مفتری جھوٹے کافر کبھی کامیاب نہ ہوں گے اور آخرت میں سخت عذاب ہوگا۔ کامیابی دینا نہ دینا رب تعالیٰ کا کام ہے مگر قانون نبی کریم کی زبان سے ہوایا۔ جو بات نبی کریم نہ فرمائیں خواہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو وہ اسلام کا قانون نہ بنے گی۔

**دوسرا فائدہ**: انبیاء کرام کبھی افترا نہیں کرسکتے وہ حضرات اس سے پاک ومعصوم اور ان کی کامیابی دینوی واخروی۔ اس عویٰ کی دلیل اور کفار کے الزام کی تردید ہے۔

**تیسرا فائدہ**: دنیاوی دولت وحکومت کامیابی نہیں بلکہ زندگی کا مقصد پالینا کامیابی ہے۔ جیسا کہ لایفلحون کے لفظ سے ثابت ہوا کہ بڑے بڑے دولت مند اور بادشاہ بھی کفر میں رہ کر ناکام ہی ہوتے۔

**چوتھا فائدہ**: اللہ سے دوری صرف کافروں کے لئے ہے یہ فائدہ مرجعھم سے حاصل ہوا۔

**اعتراض**: اس آیت پر چند اعتراضات پڑسکتے ہیں۔

**پہلا اعتراض**: اس آیت سے ثابت ہوا کہ صرف افتراع کرنے والے ناکام ہیں جیسا کہ الذین کی خصوصیت سے ظاہر ہے۔ اور افتراع تو صرف پڑھے لکھے یا پہلے کافروں نے کیا تو چاہئے کہ جن کافروں نے یہ عقیدے بنائے صرف وہ ناکام ہوں اور ان پر ہی عذاب شدید ہو دوسرے سب کافر اس میں شامل نہ ہوں بلکہ کامیاب وکامران ہوں۔

**جواب**: اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو عقل سلیم عطا فرمائی جس کے ذریعے دین دنیا کی بھلائی سوچتا ہے۔ تو جیسے ہر کافر دنیاوی بھلائیاں اپنی عقل سے سوچتا ہے کاروبار مزدوری کاریگری سب کچھ عقل کے ذریعے کرتا ہے اچھے برے کی تمیز کرتا ہے کسی لکیر کا فقیر نہیں بنتا تو واجب ہے کہ دین کی بھلائی اچھے عقیدے بھی عقل کے ذریعے سوچے اندھا بہرا ہو کر باپ دادوں کی نقل کرلینا عقل سے کام لینا بھی درحقیقت افتراع ہے کہ کفر کی تائید بھی کفر ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے مومن کی ایک تعریف یہ بھی فرمائی کہ لم یخروا علیھا صما وعمیانا

**دوسرا اعتراض**: بہت سے مسلمان بھی افتراع کرلیتے ہیں دن رات مسلمانوں کے منہ سے بہت بے پر کی اڑ جاتی ہے

جن کو ہمارے عرف میں افواہ یا بکواس کہا جاتا ہے۔ تو چاہئے کہ وہ مسلمان بھی ان کافروں کی طرح ناکام ہوں یہاں مطلقاً مفتریوں کا انجام بیان کیا۔ پس کافر مومن میں کوئی فرق نہ رہا۔

**جواب:** یہاں افتراع علی اللہ کا ذکر ہے۔ جو صرف کافر ہی کرتا ہے اور جو کرے گا وہ مومن نہ رہے گا۔ بحمدہ تعالیٰ گنہگار سے گنہگار مومن بھی افتراع تو کر دیتا ہے مگر افتراع علی اللہ نہیں کرتا۔

**تیسرا اعتراض:** آپ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ کافر کا عذاب کبھی ہلکا یا ختم نہ ہوگا حالانکہ ابی لہب سے پیر کے دن عذاب ہلکا کر دیا جاتا ہے اور ابو طالب کا عذاب ختم کر دیا گیا کہ جہنم سے نکال کر جھیرے میں کر دیا۔

**جواب:** اس کا جواب تفسیر میں دیا گیا کہ لفظ شدید نے قانون اور عمومیت کا ذکر کیا تھا یا یہاں مفترین کا عذاب مذکور ہے۔ اور ابی لہب کی تخفیف انعام خصوصی ہے اور محبت حبیب پاک کی شان بیان فرماتا ہے۔ یا ابی لہب کا شمار مفترین میں نہ ہوگا۔ ابو طالب کے ایمان میں اہل اسلام کا اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ آپ نہ کافر ہیں نہ منافق نہ ظاہری مسلم ساترین میں سے ہیں اور آپ کی نجات اللہ تعالیٰ کے دست کرم سے ہوگی جس چلو سے اللہ تعالیٰ سب شفعا کے بعد جہنمیوں کو نکالے گا وہ ساترین ہوں گے جن میں ابو طالب بھی ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

**تفسیر صوفیانہ:** دنیا عالم ناسوت کا بحری جہاز ہے تمام دنیا والے نیک و بد اس میں سوار ہیں یہ جہاز منزل لاہوت کی طرف رواں دواں ہے دنیا کی حرام غذائیں گندگی کے ڈھیر ہیں۔ حلال غذائیں۔ اللہ رسول کا ذکر۔ چمن اسلام کے خوشبودار پھول ہیں جو انسان کے لئے بھیجے گئے اور جس کے لئے انسان پیدا کیا گیا مگر کفار و فساق نے حرام غذاؤں کو اختیار کرتے ہوئی کہا کہ یہ ہی اصل حلال ہے۔ یہ ان کا افتراع علی اللہ ہے کیونکہ بلبل پھول کو پا کر ہی کامیاب و کامران ہے تو انسان رضائے الٰہی حاصل کر کے ہی فلاح مند ہے۔ وہ لوگ جو برے عقیدوں اور حرام غذاؤں میں مبتلا ہیں وہ عذاب باطنی میں مبتلا ہیں۔ مگر وہ محسوس نہیں کرتے وہ عیش و عشرت کی چادر اوڑھ کر مست سو رہے ہیں۔ اور ستا ہوا تکلیف باطنی کو محسوس نہیں کرتا مگر جب اپنے اللہ کے حضور حاضر ہوں گے تو ان کو اس عذاب کا احساس ہوگا۔ اور ظاہری عذاب کا مزہ چکھیں گے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہین کہ انسان مثل بلبل ہے اور برے عقیدے حرام غذائین مثل گندگی ہے جو بظاہر بہت زیادہ ہیں جس طرح بلبل کو پکڑ کر گندگی کے ڈھیر کے پاس باندھ دو تو اس کے لئے سخت عذاب اسی طرح مرد کامل دنیا کی ان چیزوں سے سخت متنفر ہوتا ہے جو لوگ اس کو پسند کرتے ہیں وہ سو رہے ہیں ان کی قوت شامہ بیکار ہو چکی ہے نہ ان کو ایمان کی خوشبو آتی ہے اور نہ حرام رشوت وغیرہ کی بدبو۔ اس سے وہ مسلمان عبرت پکڑیں جو رات دن تجارتیں بڑھانے کے لئے سود لیتے بھی ہیں دیتے بھی ہیں اور مثل کفار کے رب تعالیٰ کے قانون کی پرواہ نہیں کرتے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ

اور تلاوت کیجیے ان پر خبر نوح کی جب فرمایا کو قوم اپنی اے میری قوم اگر ہو

اور انہیں نوح کی خبر پڑھ کر سناؤ جب اس نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم

كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى

بوجھل تم پر رہنا میرا اور نصیحت کرنا میرا کو آیتیں اللہ کی نشانیاں

اگر تم پر شاق گزرا ہے میرا کھڑا ہونا اور اللہ کی نشانیاں یاد دلانا

اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ

تو پر اللہ بھروسہ کیا میں نے پس جمع کرلو تم امر اپنا اور شریک اپنے پھر نہ ہو

تو میں نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا تو مل کر کام کرو اور اپنے جھوٹے معبودوں سمیت

اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾

اپنا کام پکا کرلو پھر تمہارے کام میں تم پر امر تمہارا تم پر تنگی دل پھر پورا کر ڈالو طرف میری اور نہ مہلت دو مجھ کو

اپنا کام پکا کرلو پھر تمہارے کام میں تم پر کچھ نہ رہے پھر جو ہو سکے میرا کرلو اور مجھے مہلت نہ دو

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں موجودہ یہود و نصاریٰ کی قوم کی ناکامی و رسوائی کا ذکر تھا یہاں نوح علیہ السلام کی ناکامی و رسوائی کا تذکرہ شروع کیا جا رہا ہے تاکہ بتایا جائے کہ کافر شروع ہی سے ناکام ہوتے چلے آئے۔

**دوسرا تعلق:** پہلی آیت میں نبی کریم نے کافروں کو خبردار کیا اور متنبہ کیا تھا کہ تم ہر کام میں ناکام و ذلیل ہو تمہارا کوئی کام درست نہیں اس آیت میں بتایا جا رہا ہے تمہاری میرے خلاف چالیں بھی ناکام ہی ہوں گی میں تمہاری ایذاء رسانی سے نہیں ڈرتا کیونکہ اللہ کے نبی سچے ہوتے ہیں دیکھو نوح علیہ السلام نے کتنے زوردار لفظوں میں باوجود اکیلے ہونے کے کافروں کو للکارا۔

**تیسرا تعلق:** پہلی آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آئندہ علم کا ذکر تھا کہ ہمارا نبی قیامت اور بعد قیامت حشر نشر سب کچھ اور سب کے انجام سے باخبر ہے اور ان کو آئندہ کی ہر شے کا پورا پورا علم غیب ہے جس کا وہ کافر یا کوئی بے وقوف انکار کر سکتا تھا۔ تو اس آیت میں گذشتہ ایک عظیم واقع کا تذکرہ ہے۔ جو صرف ان کی کتابوں میں لکھا تھا ہر ایک کو معلوم نہ تھا باوجود امی ہونے کے نبی کریم نے سارا واقعہ مفصل سنا دیا جس سے علم غیب عطائی کا مزید ثبوت ہوا۔

**شان نزول:** کفار نے کہا تھا ہمارے عقیدے بالکل صحیح اور خدا کی طرف سے نازل کئے گئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب نہیں ہے وہ کیا جانتے ہیں کہ ہماری توریت و زبور میں کیا لکھا ہے۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت نوح کے واقعہ کے سنانے کا حکم ہوا جو حضرت موسیٰ اور توریت و زبور سے بھی پہلے کا ہے تاکہ ثابت ہو کہ نبی سب سے پرانے واقعہ کو بھی جانتا ہے۔ وہ تمہارے باطل عقیدوں کی حقیقت کو کیونکر نہ جانتا ہوگا۔

**تفسیر نحوی:** واتل تلی سے بنا امر حاضر معروف واحد مذکر کا صیغہ بطریقہ وعظ پڑھنا علیھم۔ علی بمعنی عند مع قومیت جس کا مطلب ہے کھڑے ہو کر یا ممبر پر بیٹھ کر۔ جس سے بلندی اور نزدیکی دونوں پائی جائیں۔ ھم سے مراد وہ مفترین کافر۔ نباء پوشیدہ خبر کو کہتے ہیں نوح مبالغے کا صیغہ ہے جس کا معنی بہت زیادہ آہ و زاری کرنے والا۔ اذ ظرفیت زمانہ ماضی۔ قال ماضی کا صیغہ واحد غائب قول سے بنا اجوف واوی باب نصر ینصر اس کا فاعل نوح علیہ السلام ہیں لقومہ ام مفعولیت کا ہے حرف جر۔ لفظ قدیم بمعنی گروہ جماعت قوم بمعنی کھڑا ہونا مصدر سے بنا اجوف واوی یہاں صیغہ مبالغہ سے ایک نسل قائم ہوتی ہے۔ ایک دادا کی اولاد۔ کھڑا ہونا مدد کے لئے چونکہ اپنے رشتے دار جلدی کھڑے ہوتے اس لئے اقرباء کو قوم کہا جاتا ہے۔ یا ہر شخص اپنی برادری کی اچھائی کے لئے جلدی کھڑا ہوتا ہے اس لئے قوم کہا جاتا ہے۔ اسی لئے بجز نبی پاک کے ہر نبی اپنی اپنی قوم کو تبلیغ فرماتے رہے۔ ہ سے مراد نوح علیہ السلام ہیں۔ یقوم یا حرف ندا قوم۔ خاندان۔ ی۔ متکلم پوشیدہ ہے۔ مرکب اضافی منادیٰ۔ ان حرف شرط۔ کان فعل ناقصہ ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر غائب کون سے بنا۔ اجوف واوی۔ کبر کبر سے بنا بروزن فعل صیغہ صفت ہے۔ بمعنی اپنے سے زیادہ بڑا۔ یعنی بوجھل مراد تنگی دل۔ علیکم علی فوقیت کے لئے کم سے مراد مخاطبین کافر قوم نوح علیہ السلام۔ مقامی مرکب اضافی۔ مقام مصدر میمی ہے ظرف زمان و مکان بھی ہو سکتا ہے۔ تذکیری ذکر سے بنا بمعنی نصیحت دینا مرکب اضافی۔ ی۔ واحد متکلم کی ضمیر فاعل مضاف الیہ بایات اللہ۔ ب بیانیہ ہے آیات جمع آیت کی مراد اللہ کا قانون یا عذاب اللہ الہ یا الہ سے بنا۔ بمعنی لائق عبادت اسم ذاتی مع صفاتی۔ یا یہ لفظ جامد ہے تو فقط اسم ذاتی ہے اور اسم اعظم ہے۔ فعلی اللہ توکلت۔ ف خبریہ ہے۔ علی نسبت کے لئے توکلت صیغہ واحد متکلم ماضی مطلق بمعنی استمرار۔ وکل سے بنا۔ باب تفعل۔ یعنی اپنا معاملہ کسی کے سپرد کر دینا۔ فاجمعوا امرکم وشرکائکم ف جزائیہ ہے اس کی شرط۔ ان کان کبر الخ ہے اجمعوا امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر کی جمع یہاں مراد ایک رائے پر جمع ہونا۔ امرکم مرکب اضافی امر بمعنی ارادہ قلبی کم سے مراد قوم نوح واؤ نوح واؤ جمع کی ہے شرکائکم اضافت فاعلی ہے یعنی تمہارے خود ساختہ شریک جھوٹے معبود۔ ثم لا یکن امرکم علیکم غمۃ۔ ثم تراخی زمانی کی لئے ہے۔ لایکن فعل ناقص نفی مضارع معروف اس کا فاعل امرکم یعنی تم لوگوں کا وہی میرے خلاف حتمی فیصلہ علیکم یہاں علی بمعنی فی یعنی تمہارے آپس میں یا تم ہر ایک کے دل میں غمۃ مصدر غم سے بنا لفیف مقرون۔ بمعنی پوشیدگی یہاں مراد کی ہے۔ ثم اقضوا الی فلا تنظرون۔ ثم تراخی زمانی کے لئے۔ اقضوا فعل امر۔ صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اس کا فاعل وہی مخاطبین قوم قضی سے بنا بمعنی فیصلہ کر دینا۔ فیصلہ دو قسم کا ہے قولی و فعلی یہاں فعلی مراد ہے۔ الی مرکب اضافی بطرف ضمیر متکلم الی

بمعنی علی ہے یعنی مجھ پر۔ فلاتنظرون ف تعقیبیہ ہے بمعنی پھر۔ لاتنظروا صیغہ جمع مذکر حاضر فعل نہی معروف باب افعال نظر سے بنا بمعنی دیکھنا۔ سوچنا مہلت دینا یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔ ن نون وقایہ جو صیغہ کے آخر کو بچانے کے لئے آتا ہے یہاں ی بوجہ ثقل پوشیدہ محذوف منوی ہے مفعول بہ ہے۔ دراصل لا تنظرونی تھا۔

تفسیر عالمانہ: واتل علیھم نبا نوح۔ تلاوت مختصر بیان کو کہتے ہیں اور قرأت زیادہ پڑھ کر سنانے کو اور اذکر عام ہے یعنی اے پیارے حبیب نوح علیہ السلام کی قوم کے کچھ حالات ان کو سنا دو۔ تاکہ وہ آپ کی نافرمانی سے ڈریں اور نبی کے متعلق بے خبری و بے علمی کا باطل عقیدہ بھی ختم ہو جائے۔ نباء اس قصہ کو کہتے ہیں جس کو گزرے اتنا زمانہ گزر چکا ہو کہ ظاہراً بلحاظ دنیاوی زندگی کے سننے سنانے والوں میں اس وقت کوئی بھی نہ ہو اس لئے غیب کی خبر دینے والا ہی نبی ہو سکتا ہے نہ کہ ہر ممبر۔ ہمارا گذشتہ زمانوں کی خبر دینا نقل خبر ہے نہ کہ خبر اس لئے اگر ہم کہیں کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے یہ حالات تھے تو ہم ناقل کہلائیں گے نہ کہ خبر نوح۔ آپ کا نام یشکر ہے لقب نوح یشکر اسم فعل بمعنی شاکر یا نام ہی شاکر ہے (روح) تفسیر صاوی میں ہے آپ کا نام عبدالغفار بن مالک بن متوشلخ بن ادریس آپ سے پہلے صرف تین نبی تشریف لائے جن میں ایک آدم علیہ السلام اور ایک ادریس علیہ السلام اور ایک حضرت شیث۔ حضرت ادریس کے ایک ہزار سال بعد حضرت نوح کی ولادت ہوئی آیت کریمہ کا یہ حصہ یہاں مکمل ہے۔ اگلا جملہ اس سے متعلق نہیں۔ اذ قال لقومه یا قوم۔ یہ جملہ علیحدہ ہے کیونکہ لفظ اذ ظرفیت کے لئے ہے۔ جس کا تعلق قال سے ہے نہ کہ پچھلے فعل اتل سے ورنہ کلام غلط ہو جائے گا۔ لقومه میں لام مفعولیت اور نفع کا ہے۔ قوم تین قسم کی ہے۔ (۱) نسبی (۲) دینی (۳) وطنی۔ یہاں صرف وطنی قوم مراد ہے کیونکہ نوح علیہ السلام حضرت شیث کی اولاد سے ہیں (مظہری) جب کہ یہ لوگ قابیل کی اولاد سے تھے۔ سب سے پہلے عذاب الٰہی ان پر آیا سخت ترین کافر تھے (معانی التنزیل علی اربع تفاسیر) آپ کے زمانے میں ہی حقیقی بہن بھائی کا نکاح حرام ہوا (روح البیان) یا قوم اس میں نسبت ہے۔ یہ پیار اور اخلاق کریمانہ کا جملہ ہے جس سے ثابت ہوا کہ تبلیغ ہمیشہ نرم اور محبت کے الفاظ سے کرنی چاہئے اگرچہ قوم سخت اور ظالم ہو۔ ان کان کبر علیکم مقامی وتذکیری بایات الله۔ یہ جملہ شرطیہ ہے اس کی جزا آگے آرہی ہے یہ حضرت نوح علیہ السلام کا کلام ہے کبر ب کے پیش سے دل کا بوجھ ب کے زیر سے کبر جسم کا بوجھ یہاں دل کا بوجھ یعنی تنگی و دل مراد ہے علیکم سے ساری قوم مراد ہے مقامی کے چار معنی کھڑا ہونا۔ ٹھہرنا۔ عمر گزارنا۔ اور ذات۔ یا مصدر میمی ہے یا ظرف ہے پہلے معنی کے لحاظ سے یہ مطلب ہوگا کہ اگر تم کو میرا کھڑا ہونا اور تم کو کھڑے ہو کر وعظ سنانا ناگوار ہے کیونکہ عام طور پر کھڑے ہو کر وعظ تبلیغ کی جاتی ہے جو تبلیغ کافروں کو نبی کریم نے کی وہ بھی کھڑے ہو کر ہی فرمائی۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہے اگر میرا تم میں سکونت اختیار کرنا تم کو ناگوار ہو۔ حضرت نوح کی عمر شریف ساڑھے نو سو سال تھی۔ چار سو اسی سال کی عمر میں آپ کو نبوت عطا ہوئی (روح البیان) روح المعانی نے فرمایا کہ آپ کا یہ کلام آخری عمر میں طوفان سے کچھ پہلے تھا۔ تیسرے معنی کے لحاظ سے یہ مطلب ہے کہ اگر تم کو میری ذات سے دل تنگی ہو۔ مقام جب ظرف ہو تو اس سے ذات ہی مراد ہوتی ہے۔ جیسے کہ ولمن خاف مقام ربه جنتان۔ میں تذکیری بمعنی میری

نصیحت کرنا۔ بایات الله ۔ آیات جمع ہے آیت کی بمعنی نشانی عذاب کی یا رحمت کی یا قانون کی یہاں تینوں معنی بن سکتے خیال رہے کہ حضرت نوح پر صرف توحید و رسالت کی تبلیغ فرض تھی اور بت شرک کی حرمت و عذاب بیان فرماتے تھے نہ کہ مستقل قانون کی۔ اس زمانے میں صرف یہی قانون تھے بعد میں بہن بھائی کے نکاح کی حرمت کا قانون بھی اسی زمانے میں آیا۔ فعلی الله توکلت یہ جملہ معترضہ ہے بعض مفسرین نے اس کو سابقہ شرط کی جزا بنایا ہے مگر وہ بالکل غلط ہے۔ اولاً تو ف خبریہ ہے جزائیہ نہیں دوم اس لئے کہ جزا ہمیشہ شرط کے بعد ہوتی ہے اگر یہ جزا ہو تو مطلب یہ ہوا کہ اے قوم اگر تم پر میرا ٹھہرنا ناگوار ہو تو میں نے اللہ پر بھروسہ کیا اگر ناگوار نہ ہو تو بھروسہ بھی نہ ہو کیونکہ شرط نہیں تو جزا بھی نہیں۔ حالانکہ توکل علی الله ۔ دائی عبادت ہے۔ جس سے ایک آن بھی نبی علیحدہ نہیں ہوتے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ جزا نہیں بلکہ خبر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! میں نے تو ہمیشہ رب پر ہی بھروسہ کیا ہے۔ اگرچہ تم نے اس سے پہلے مجھ کو بہت ایذائیں دیں۔ فاجمعوا امرکم وشرکاءکم ۔ فاجمعوا میں ف جزائیہ ہے باب افعال کی ہمزہ وصلی نہیں بلکہ قطعی ہے اس میں سب قراء کا اتفاق ہے کہ یہاں ہمزہ قطعی ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ جان بوجھ کر بارادہ اپنے امر کو جمع کرو اس ہمزہ قطعیہ سے یہ بھی فائدہ حاصل ہوا عقل اور سوچ سمجھ جمع ہو جاؤ ہمزہ وصلی ہو تو جسما جمع ہونا مراد ہوتا جیسے جمعت عسکرا میں نے لشکر جمع کیا۔ فاجمعوا کیدکم والی آیت میں ہمزہ میں قاریوں کا اختلاف ہے کہ بعض نے وہاں ہمزہ وصلی مانی ہے مگر یہاں نہیں۔ یہ فعل متعدی بالحرف بھی ہو سکتا ہے۔ امرکم سے مراد قطعی فیصلہ یعنی سب جمع ہو کر ایک ہی دفعہ سوچ سمجھ کر مکمل فیصلہ کر لو تاکہ کل فیصلے پر عمل کرتے وقت تم کو کوئی روکنے والا نہ ہو۔۔ پھر عمل نہ کرنے کی صورت میں یہ نہ کہہ سکو کہ ہم نے اس فیصلے کو سوچا سمجھا نہ تھا یہ کہہ سکو کہ مجھ کو اگر فلاں کا لحاظ نہ ہوتا یا مجھ کو فلاں نہ روکتا تو میں نوح کو یہ کر دیتا وہ کر دیتا۔ نہ روز۔ روزہ خواہ مخواہ مجھ کو دھمکیاں دو۔ شاید تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں تمہاری دھمکیوں سے ڈر کر اپنے رب کی اطاعت و بندگی یا تبلیغ دین چھوڑ دوں گا۔ اور نہ یہ خیال کرنا کہ میں تمہارے پنڈتوں پادریوں یا بتوں سے مرعوب ہو جاؤں گا جن کو تم نے اپنے باطل عقیدوں سے اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھ رکھا ہے۔ میں ہرگز ان جھوٹوں سے نہیں ڈرتا اس لئے وشرکاءکم اپنے شریکوں کو بھی اس فیصلے میں ساتھ ملا لو اور میرے خلاف ان سے ظاہری و باطنی مدد حاصل کر لو میری طرف سے تم کو کھلی چھٹی ہے۔ اس میں ان کے اس باطل عقیدوں کی طرف تردیدی اشارہ ہے جو وہ حضرت نوح سے کہا کرتے تھے اگر تم اپنی تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہمارے بت باطنی طور پر تم کو چلتا کر دیں گے۔ اس لفظ شرکاءکم میں تین قرتیں ہیں ایک یہ کہ ہمزہ پر زبر ہے اس لئے کہ مفعول معہ ہے واؤ بمعنی مع ہے دوسرے یہ کہ ہمزہ پر زبر ہے اور عطف کی واؤ ہے معطوف علیہ امرکم ہے یعنی جمع کر لو اپنے امر کو اپنے شرکاء کے ساتھ یا امر کو اور اپنے شرکاء کو تیسرے یہ کہ ہمزہ پر پیش ہے۔ اور اس کا عطف اجمعو کے فاعل پر ہے۔ حسن ابن ابی اسحٰق عبدالرحمن سلمی عیسیٰ ثقفی کی یہی قرءت ہے۔ ثم لا یکن امرکم علیکم غمۃ ۔ ثم ترتیب کی زمانی تراخی کے لئے ہے۔ امرکم سے وہی فیصلہ مراد ہے جو قوم نے کرنا تھا۔ غمۃ سے مراد پوشیدہ یعنی تم پر یا تم میں سے کسی پر یہ فیصلہ پوشیدہ یا شک شبہ والا نہ رہے۔ جو عمل میں رکاوٹ ڈالے پوشیدگی تین قسم کی ہوتی (۱) ظاہری پوشیدگی جیسے آنکھ کان ناک منہ سے پتہ نہ لگنا۔ (۲) دماغی

پوشیدگی (۳) قلبی۔ یہاں پہلے دو معنی بن سکتے ہیں۔ ثم اقضوا الی و لا تنظرون یہ ثم بھی تراخی کے لئے اقضوا اقاف سے بمعنی ادا کر دو قضاء سے بنا فیصلہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ قولی و عملی یہاں عملی مراد ہے ایک قرءت میں افضوا ف سے ہے بمعنی میدان میں نکل آنا یا جلد عمل کر لینا۔ پہلے معنی کے لحاظ سے الی بمعنی علی ہے یعنی مجھ پر ہلاکت یا قتل کا فیصلہ جاری کر دو۔ دوسرے معنی میں الی بمعنی الانتھا ہے۔ و لا تنظرون نظر سے بنا یہاں بمعنی سوچنے کا وقت دینا ہے یعنی مجھ کو بالکل سوچنے سمجھنے کا وقت نہ دینا۔ آخر میں نون وقایہ ہے جس کے بعد یاء متکلم پوشیدہ ہے۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** انبیاء کرام کو کسی چیز کسی مخلوق کا خوف نہیں ہوتا بہت دلیر اور بہادر ہوتے ہیں یہ ان کی امتیازی شان ہے دیکھو اکیلے نوح علیہ السلام اتنی بڑی قوم کے سامنے جو سخت ترین خون کی دشمن ہے اور جس سے کوئی رعایت کی امید بھی نہیں کس جرأت مندی سے خطاب فرما رہے ہیں یہ جرأت انبیاء کرام کا ہی خاصہ ہے اور ان کے صدقے بعض اولیاء اللہ کا۔

**دوسرا فائدہ:** نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ رب العزت نے تمام کائنات کے علوم غیبیہ عطا فرمائے اسی لئے واقعہ نوح علیہ السلام کے سنانے کا حکم ہوا جو نافرمانی ہوقوم میں اول ترین ہے۔

**تیسرا فائدہ:** دین کی تبلیغ محبت اور پیار سے کرنی چاہئے۔

**اعتراض:** اس آیت پر مخالفین کی طرف سے چند اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

**پہلا اعتراض:** آپ کی تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کو کسی مخلوق کا خوف نہیں ہوتا حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر سانپ سے ڈر گئے کہ ارشاد ربانی ہے قالو لا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولی۔ اور جب قبطی کو مار کر آپ مصر سے چلے گئے تھے تو دوبارہ تبلیغ نبوت کے لئے واپسی پر آپ نے رب تعالیٰ سے یہی عرض کیا کہ مجھ کو فرعون سے خوف آتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ قالا ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی ...... اسی طرح حضرت ابراہیم نے مہمان فرشتوں کو نہ پہچان کر ان سے خوف کیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ فاوجس منھم خیفۃ قالوا لا تخف ان آیات میں اور اس آیت کی تفسیر میں تعارض ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ کی شان میں ارشاد ربانی ہے۔ لا خوف علیھم اس کا بھی تعارض دور کیا جائے۔

**جواب:** اگرچہ اس کے چند جواب دیئے گئے ہیں کسی نے فرمایا لا خوف میں آخرت کا خوف مراد ہے دنیا میں خوف مخلوق اولیاء انبیاء کو ہو سکتا ہے بعض نے فرمایا لا خوف میں خوف دنیا کی نفی نہیں بلکہ خوف دین و تبلیغ کی نفی یعنی ان کو وہ خوف نہیں ہوتا جو دین یا تبلیغ میں رکاوٹ بنے۔ لہٰذا اس واقعہ نوح اور لا خوف میں دوسری قسم کا خوف اور معترض کی پیش کردہ آیات میں خوف ایذا مراد ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ سب جواب کمزور ہیں اور اپنی اپنی تاویلیں ہیں ان مفسرین کرام نے۔ خوف کی نفی والی آیات میں تاویلیں کر کے خوف انبیاء و اولیاء ثابت کر دیا۔ حالانکہ بہتر جواب یہ ہے کہ لا خوف وغیرہ نفی والی آیات کو مطلق رکھ کر انبیاء کرام سے خصوصی طور پر ہر قسم کے خوف کی نفی کی جائے کہ انبیاء کرام کو کسی قسم کا مخلوق سے خوف نہیں ہوتا وہ ہر طرح بہادر اور دلیر ہوتے ہیں ہاں ان آیات میں تاویل کی جائے جن میں ظاہراً خوف ثابت ہو رہا ہے۔ چنانچہ معترض کی

پیش کردہ پہلی آیت میں تاویل اس طرح ہے کہ **لا تخف سنعیدھا** واقع میں دراصل حضرت موسیٰ کو سانپ سے خوف نہ آیا بلکہ پہلے ہی ہیبت کلام دل میں بیٹھی ہوئی تھی۔ خوف کا ظہور سانپ پر ہوا۔ جس طرح کوئی شخص اندھیرے سے خوف کر رہا ہو تو اگر پتہ بھی ہلے تو بھاگ کھڑا ہوتا۔ پس جس طرح ڈر حقیقت میں اندھیرے کا ہوتا ہے۔ مگر ڈر کا ظہور ہوتا ہے پتے کے کھڑکنے پر۔ اگر بغیر اندھیرے کے پتہ کھڑکتا تو کبھی خوف نہ آتا اسی طرح یہاں ہے اگر اس موقع کے علاوہ حضرت موسیٰ کو سانپ نظر آجاتا تو کبھی نہ ڈرتے۔ یہ خوف موسیٰ فقط ہیبت کلام الٰہی تھا۔ یہی ہیبت کلام نبی کریم کو پہلی وحی کے نزول پر غار میں ہوا نہ کہ حضرت جبریل کا رعب جیسا کہ بعض جہلا نے کہا ہے بھلا استاد کو شاگرد کا رعب کیسے ہوسکتا ہے۔ دوسری آیت **قال ربنا اننا** الخ کی تاویل یہ ہے کہ یہاں بھی حضرت موسیٰ کو مطلق ایذائے فرعون کا خوف نہ تھا بلکہ نوعیت ایذا کا تھا۔ اس عرض و معروض کا مقصد یہ ہے کہ اے اللہ میں قبطی کو مارنے میں شرعاً یا قانوناً مجرم نہیں مگر فرعون اپنی قوم کے سامنے مجھ کو مجرم اور قاتل کہہ کر ایذا پہنچائے گا۔ جس سے ہماری عزت میں فرق آئے گا اور ہماری تبلیغ بھی غیر موثر ہو جائے گی دیکھو جیل اور کچہریوں میں جانا اچھا نہیں مگر سیاسی لیڈر اس سے نہیں ڈرتا خود ہار پھول پہن کر جبراً جیل میں جاتا ہے یہ اس کی بے خوفی کی دلیل ہے۔ وہاں کی سزائیں وغیرہ سب برداشت کرتا ہے کسی ایذا سے نہیں ڈرتا ہے تو یہ خوف ایذا نہیں بلکہ خوف عزت ہے اسی طرح یہاں بھی۔ لہٰذا انبیاء کی بہادری پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ تیسری آیت **فاوجس منھم** (الخ) کی تاویل یہ ہے کہ یہاں خوف بمعنی اندیشہ یا شرمندگی ہے۔ جیسے کوئی مہمان کسی کے گھر کھانا نہ کھائے تو میزبان سوچتا ہے کہ نہ معلوم یہ مجھ سے ناراض ہے یا اس کو میرا کھانا پسند نہ آیا۔ ایسا ہی یہاں تھا۔ چونکہ ابھی یہ واقعہ نوح مکمل نہیں ہوا اس لئے تفسیر صوفیانہ اگلی آیت میں بیان کی جائے گی۔

| |
|---|
| فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى |
| پس اگر پھر گئے تم پس نہیں مانگا میں نے تم سے بدلہ نہیں ہے اجر میرا مگر پر |
| پھر اگر تم منہ پھیرو تو میں تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو نہیں مگر اللہ پر |
| اللّٰهِ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ |
| اللہ اور حکم دیا گیا ہوں میں اس بات کا کہ ہوں میں سے مسلمانوں تو جھٹلایا انہوں |
| اور مجھے حکم ہے کہ میں مسلمانوں سے ہوں تو انہوں نے |
| فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ |
| نے اس کو پس بچا لیا ہم نے اس کو اور اس شخص کو ساتھ اس کے میں کشتی اور بنایا ہم نے ان لوگوں کو |
| اسے جھٹلایا تو ہم نے اسے اور جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو نجات دی اور انہیں ہم نے |

# وَاَغۡرَقۡنَا الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا فَانۡظُرۡ كَیۡفَ كَانَ

خلیفے اور غرق کیا ہم نے ان کو جھٹلایا جنہوں نے کو آیتوں ہماری پس دیکھو کیسا ہوا

نائب کیا اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں ان کو ہم نے ڈبو دیا تو دیکھو ڈرائے ہوؤں

# عَاقِبَةُ الۡمُنۡذَرِیۡنَ ﴿۷۳﴾

| انجام | ڈرائے | ہوؤں | کا |
|---|---|---|---|
| کا | انجام | کیسا | ہوا |

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پہلی آیت میں خوف اور ڈر کی نفی تھی اس میں دنیاوی لالچ کی نفی ہے یعنی انبیاء کرام کو کوئی چیز تبلیغ سے نہیں روک سکتی نہ دنیا کا خوف نہ دنیا کا مال و دولت۔

**دوسرا تعلق:** پہلی آیت کریمہ میں قوت بازو طاقت وغیرہ استعمال کرنے کی کھلی اجازت تھی اس آیت کریمہ میں ان کو دولت لالچ کی حقیقت کا پتہ بتایا گیا کہ نہ تمہارا وہ حیلہ کارگر ہوسکتا ہے نہ یہ۔

**تیسرا تعلق:** پہلی آیت کریمہ میں کفار کی حق سے روگردانی کا ذکر تھا اس میں ان کے انجام کا ذکر ہے۔

**چوتھا تعلق:** پہلی آیت میں کفار کی ضد اور ہٹ دھرمی کا ذکر تھا اس میں نوح علیہ السلام کی فرماں برداری اور اس کے انعام کا ذکر ہے۔

**پانچواں تعلق:** پہلی آیت میں توکل کا ذکر تھا اس میں اس کا ثبوت ہے کہ میں یہ تبلیغ دنیا کے حصول کے لئے نہیں کرتا بلکہ محض حکم خداوندی کو پورا کرنے کے لئے۔ اور جیسے کہ حفاظت جان میں مجھ کو رب تعالیٰ پر پورا بھروسہ ہے اس طرح دنیاوی ضروریات میں بھی میرا اسی پر بھروسہ ہے گویا کہ یہ آیتیں سچی نبوت اور بے غرض وعظ پر بہترین دلیل ہے۔ ہمیشہ جھوٹے نبی دنیا کی لالچ میں ایسا کرتے ہیں جیسا کہ مرزا قادیانی نے چندہ جمع کرنے کے لئے ایسا کیا۔

**تفسیر نحوی:** فان تولیتم۔ ف ترتیب کے لئے ہے ان حرف شرط ہے الغو ہے تولیتم جمع مذکر حاضر ماضی مطلق معروف باب تفعل۔ ولی سے بنا۔ لفظ ولی کے آٹھ معنی ہیں دوست۔ مددگار تابع فرماں وغیرہ وغیرہ یہاں بمعنی تابع ہے۔ جب کوئی مادہ باب تفعل میں آتا ہے تو پانچ طرح اس کا استعمال ہوسکتا ہے جن میں ایک معنی سلب فعل ہے وہی یہاں مراد ہیں۔ یعنی ترک اتباع جس کو اردو میں پھر جانا کہا جاتا ہے بعض نحویوں نے فرمایا ان حرف شرط درست ہے اور جزا پوشیدہ ہے فما سالتکم یہاں ف تعلیلیہ ہے ما سئلت ماضی مطلق منفی متکلم ہے۔ من اجر من بیانیہ یا تبعیضیہ ہے ان اجری الا علی اللہ۔ یہاں ان نافیہ ہے کیونکہ الا معنی غیر سے پہلے ہے لفظ علی بیان وجوب یا استحقاق کے لئے نہیں۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ

اللہ پر واجب ہے یا میں اس کے بدلے کا حقدار ہوں جیسے ملازم یا مزدور اجرت کا مستحق ہوتا ہے اور مالک پر اجرت دینا واجب ہوتی ہے۔ بلکہ اعلیٰ بیان کرم کے لئے ہے کیونکہ اللہ پر کسی کا حق واجب نہیں۔ وامرت ماضی مطلق مجہول واحد متکلم ان اکون من المسلمین ان حرف ناصب اکون فعل مضارع معروف۔ فعل مضارع معروف فعل ناقصہ کون اجوف وادی سے بنا۔ اپنے ہی معنی میں ہے یعنی رہوں میں مسلمانوں میں سے۔ مسلمین۔ جمع مذکر سالم بحالت جر اس کا واحد ہے مسلم بمعنی سلامتی والا یا بمعنی عاجز ہونے والا اصطلاحی معنی دین اسلام کو ماننے والا یہاں یہی معنی مراد ہیں فکذبوہ ف ترتیبیہ کذبوا باب تفعل بمعنی نسبت۔ علماء متکلمین کے نزدیک باب تفعل چھ معنوں میں مستعمل ہے۔ یہاں بمعنی نسبت ہے جھوٹا کہنا۔ ہ ضمیر منصوب متصل بوجہ مفعولیت فنجینہ ف تعقیبیہ ہے یعنی جھٹلانے کے بعد یا اس سارے واقع کے بعد نجینا نجی سے ہے باب تفعل۔ بمعنی تعدیہ یعنی علیحدہ کیا جمع متکلم صرف فصاحت کے لئے ہے نہ کہ بمعنی جمعیت کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے۔ ومن معہ واؤ عاطفہ یا بمعنی مع من اسم موصول واحد جمع ہر دو کے لئے مستعمل ہے۔ عقلاء کے لئے خاص ہے بخلاف ما موصولہ کے کہ وہ اصلاً غیر عقلاء کے لئے ہے مگر عقلا کے لئے بھی مستعمل ہے۔ معہ مرکب اضافی۔ صلہ ہے موصول کا۔ فی الفلک فی جارہ اپنے معنی میں ظرفیت مکانی کے لئے ہے۔ فلک واحد۔ جمع دونوں کے لئے مستعمل ہے۔ یہاں واحد ہے۔ و جعلنھم واؤ جملے کے عطف کے لئے ہے جعلنا جعل سے بنا مادہ صحیح ہے۔ بمعنی تصییر جعلنا یعنی صیرنا حالت کا بدلنا مطلب یہ کہ اب ہم نے ان کی حالت بدل کر ان کو زمین کا مالک کر دیا۔ خلائف جمع ہے خلیفہ کی۔ و اغرقنا الذین کذبوا واؤ جمعیت کی ہے اغرقنا جمع متکلم ہے۔ فاعل اللہ تعالیٰ ہے الذین اسم موصول صرف جمع مذکر کے لئے آتا ہے کذبوا باب تفعل ہے تکذیب سے بنا۔ آخر کا الف جمع کی نشانی ہے بایاتنا آیات جمع ہے آیت کی بمعنی نشانی فانظر بصیغہ امر نظر سے بنا بمعنی غور کرنا نبی کریم سے خطاب ہے ہر مسلمان سے ہو سکتا ہے۔ کیف کان عاقبۃ المنذرین عاقبۃ بمعنی انجام ہے آخری فیصلہ۔ منذرین صیغہ اسم مفعول منذر سے بنا باب افعال بمعنی ڈرانا۔ یعنی ڈرائے ہوئے۔ حالت جر ہے مراد کافر قوم ہیں زمانہ نوح۔

**تفسیر عالمانہ:** فان تولیتم فما سالتکم من اجر ان اجری الا علی اللہ۔ یہ کلام بھی حضرت نوح کا ہے لفظ ان عربی میں تین قسم کا ہے۔ ان شرطیہ اور ان نافیہ اور مخففہ۔ اس آیت میں پہلا ان شرطیہ ہے یہ ماضی کو مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے اور دوسرا۔ ان نافیہ ہے وہ ہمیشہ الا وغیرہ سے پہلے آتا ہے حضرت نوح نے پہلے تو یہ فرمایا تھا کہ اے قوم تم میری اتباع اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو تم میرے خلاف جو چاہو کر لو۔ اگر یہ بھی نہ کر سکو اور۔ فان تولیتم تم پھر گئے مجھ سے یا ایمان لانے سے تولیتم مادے کے اعتبار سے فرماں بردار ہونے کے معنی میں تھا باب تفعل کی وجہ سے سلبیہ کے معنی پیدا ہو گئے اب معنی ہو گئے فرماں برداری سے پھر جانا یہ جملہ شرطیہ ہے اس کی جزا فلا باس علی یا فلا حاجۃ لی علیکم پوہ ہے۔ یعنی اگر تم سب میری تابعداری یا امداد سے منہ پھیر لو تو مجھے کوئی نقصان نہیں کیونکہ فما سالتکم ف تعلیلیہ ہے۔ اور جملہ علت ہے شرط کی۔ یعنی میں نے کبھی تم سے اپنی تبلیغ پر کچھ اجرت نہیں مانگی کیونکہ نہ تو یہ کام دنیا کی وجہ

سے میں نے شروع کیا نہ میں لالچی ہوں۔ تبلیغ دین میں دو ہی چیزیں رکاوٹ ڈالتی ہیں (۱) بزدلی (۲) لالچ۔ سبحان اللہ تعالیٰ انبیاء کرام ان دونوں سے محفوظ و مامون ہوتے ہیں۔

مسئلہ: بہتر یہ ہے کہ علماء کرام دینی کاموں پر اجرت نہ لیں تاکہ سنت انبیاء پر عمل ہو جائے۔ لیکن بوقت حاجت جائز ہے۔ اجرت اور تنخواہ نہ لینی انبیاء کرام کا خاصہ ہے اگر علماء یا صوفیانہ مشائخ وعظ تقریر یا مدرسین قرآن حدیث پڑھانے پر تنخواہیں لیں تو بھی گناہ گار نہ ہوں گے (کتب فقہ) ما سالتکم اپنے اصلی ماضی کے معنی میں ہے مگر تولیتم شرط کی وجہ سے بمعنی مستقبل ہے۔ موجودہ زمانے کے بعض حضرات نے تولیتم کو بھی ماضی کے معنی میں رکھا ہے۔ مگر یہ ان کی علمی غلطی ہے جس طرح حرف لم مستقبل کو بمعنی ماضی کر دیتی ہے اسی طرح حرف ان ماضی کو بمعنی مستقبل کر دیتا ہے۔ اس لئے فقہاء کرام کے ان دخلت الدار فانت طالق میں دخول آئندہ مراد ہے اگرچہ دخلت ماضی ہے۔ ان اجری یہاں ان نافیہ ہے یہ جملہ پچھلے جملے کی تکمیل ہے۔ یعنی میرے اس کام کا اجر بدلہ زندگی اور بعد وفات میرے اللہ کے پاس ہے۔ لفظ علیٰ بمعنی عند ہے۔ اور چونکہ رب تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے اس لئے اس سے مانگنے کی حاجت نہیں بلکہ میرا کریم مجھے بے سوال دیتا ہے۔ اس لئے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ نہ فرمایا کہ میں رب سے مانگتا ہوں۔ وہاں بے مانگے بھی سب کچھ ملتا ہے بشرطیکہ کوئی سچے دل سے اس کا بن جائے۔ وامرت ان اکون من المسلمین مجھ کو صرف اس بات کا حکم ہے کہ میں مسلمان بنا رہوں۔ یہ بھی نوح علیہ السلام کا قول ہے۔ خیال رہے کہ دین اسلام حضرت آدم سے شروع ہوا اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہوا۔ اصول دین بھی ایک ہی رہے صرف فروعات و ضروریات ہر شریعت میں بدلتے رہے۔ اسی لئے نبی کریم کو آخری نبی کا لقب عطا ہوا اگر اسلام صرف نبی کریم ہی لے کر آتے تو آپ اول نبی ہوتے آپ کو آخری نبی نہ کہا جاتا۔ دین الہ العالمین ایک ہی ہے۔ از اول تا آخر۔ نبی کریم ہی سے دین اسلام کی ابتدا ہوئی اس لئے آپ فرماتے۔ انا اول المسلمین۔ انتہا بھی آپ پر فرماتے ہیں۔ میں بیت اسلام کی آخری اینٹ ہوں۔ (حدیث) اسلام کے دو پہلو ہیں (۱) تصوف طریقت۔ (۲) شریعت۔ طریقت کی ابتدا حضرت آدم سے پہلے ہوئی۔ اس لئے نبی پاک نے فرمایا کنت نبیا و ادم بین الطین والماء۔ میں نبی تھا۔ کس چیز کے نبی؟ یعنی علم طریقت کے۔ یہی وجہ ہے حضور اکرم کے علاوہ کسی نبی نے نہ تو اول مسلمین ہونے کا دعویٰ فرمایا نہ کنت نبیا۔ کی خبر دی۔ شریعت کی انتہا بھی نبی کریم کیونکہ فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم۔ و کذبوہ فنجینہ و من معہ فی الفلک۔ پیار محبت کی اتنی شاندار گفتگو سن کر بھی ان بدنصیبوں پر اثر نہ ہوا پھر بھی جھٹلاتے ہی رہے۔ اور چونکہ یہ جھٹلانا محض ضد کی بنا پر تھا اس لئے فنجینہ ہم نے حضرت نوح اور مومن ساتھیوں کو ایک کشتی میں پناہ دی آپ کی ساڑھے نو سو سال تبلیغ سے صرف اسی (۸۰) مرد و عورت ایمان لائے۔ چالیس مرد چالیس عورتیں۔ اگرچہ کشتی میں ہر قسم کا جانور کا بھی ایک ایک جوڑا تھا مگر من ذوی العقول۔ فرمانے میں۔ اصلیت کی طرف اشارہ ہے کہ کائنات میں اگر اللہ کے نزدیک کوئی قابل نجات ہیں تو وہ مومن ہی ہیں باقی سب انہیں کے طفیل بچ رہے ہیں۔ و جعلنھم خلائف یعنی ہم نے نبی کی عزت و احترام اور دین اسلام قبول کرنے کا اجر صرف نجات ہی دیا بلکہ و جعلنھم ہم نے ان کو اپنی تمام زمین کا

بادشاہ بھی بنا دیا کہ جس وقت طوفان ختم ہوا تو روئے زمین پر کوئی بھی انسان حیوان نہ تھا ساری زمین کے یہی مالک تھے۔ خیال رہے نوح علیہ السلام کا لقب ابوالبشر ثانی بھی اس لئے ہے کہ اب باقی نسلیں آپ کی ہیں۔ اور نبی اللہ کے گستاخ و نافرمان کا بدلہ کیا ہے کہ **واغرقنا الذین کذبوا بایتنا** یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے کہ ہم نے تمام ان لوگوں کو اس طوفان میں ڈبو دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو قولاً جھٹلایا اس وقت جب سب کافر ڈوب گئے جن میں نوح علیہ السلام کا سب سے پہلا بیٹا کنعان بھی تھا۔ تو روئے زمین پر صرف وہی چند زندہ نفوس بچے جو آپ کی کشتی میں سوار ہوئے یہ طوفان ساری زمین پر آیا۔ تفسیر روح البیان میں اس آیت کے تحت ہے کہ شیخ آفندی فرماتے ہیں کہ قیامت تک ہر تیس (۳۰) سال بعد یہ طوفان کہیں کہیں ظاہر ہوتا رہے گا کہ بارش بھی ہوگی اور سیلاب بھی آئے گا اور کچھ بستیاں دنیا سے نیست و نابود ہو جائیں گی لوگ ڈوبیں گے۔ اور یہ بات بالکل درست و تجربہ شدہ ہے۔ طوفان نوحی چالیس (۴۰) دن رہا یہ واقعہ زمانہ تاریخ سے پہلے کا ہے۔ جب طوفان ختم ہوا تو نئے سرے سے دنیا آباد ہوئی حضرت نوح کے چار بیٹے تھے۔ (۱) کنعان تو ڈوب گیا تھا باقی تین آپ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے جن کے نام ہیں سام، حام، یافث، عرب اور عجم فارس، عوم، یہ قومیں سام کی اولاد ہیں حضرت خضر بھی انہیں کی اولاد ہیں نوح علیہ السلام حضرت خضر کے ساتویں دادا ہیں حضرت نوح سے پہلے تین پیغمبر تشریف لائے۔ حضرت خضر علم طریقت کے نبی تھے حبشی اور سندھی اور ہندوستان کی قومیں حام کی اولاد ہیں۔ یاجوج ماجوج اور قوم ترک اور صقلاب۔ یافث کی اولاد ہیں۔ دنیا میں اس وقت سے صرف یہ قومیں آباد چلی آ رہی ہیں۔ باقی لوگ کچھ تو کشتی میں ہی ہلاک ہو گئے تھے اور کچھ لاولد رہے اور کچھ کی نسل نہ چلی واللہ اعلم (تفسیر روح البیان) **فانظر کیف کان عاقبۃ المنذرین** اے پیارے حبیب غور تو کرو یا اے انسانوں غور کرو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ پہلے معنی کے لحاظ سے یہ نبی کریم کو تسلی ہے۔ دوسرے معنی سے یہ تمام انسانوں کے لئے درس عبرت ہے۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** جس طرح انبیاء کرام بہادری اور طاقت میں سب مخلوق سے زیادہ ہوتے ہیں کوئی جن فرشتہ حیوان انسان ان سے طاقت میں زیادہ نہیں ہو سکتا اور کوئی شخص بزور طاقت ان کی تبلیغ نہیں روک سکتا۔ اسی طرح دنیا سے بھی یہ حضرات بے نیاز ہوتے ہیں۔ اور کسی کا یہ حیلہ بھی ان کو تبلیغ دین سے ہٹا نہیں سکتا۔

**دوسرا فائدہ:** دنیاوی لالچ اور بزدلی جھوٹوں کا خاصہ ہے۔ مسیلمہ کذاب سے لے کر مرزا قادیانی تک تمام جھوٹے۔ نبی بننے والی بزدل بھی تھی اور لالچی بھی۔

**تیسرا فائدہ:** علماء اور صوفیاء کو چاہئے کہ دین کا ہر کام اپنے پیارے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی اور خوش کرنے کے لئے کریں۔ ولیہ کاملہ حضرت رابعہ عدویہ اپنی معینہ عبادت کے علاوہ دن رات میں ہزار نفل صرف رسول اللہ کو راضی کرنے کے لئے ادا فرماتی تھیں کہ کل قیامت میں انبیاء کرام کے سامنے فخریہ شاید میرا ذکر فرمائیں کہ دیکھو ہماری بندی کی عبادت کتنی زیادہ ہے۔ میرا اللہ گواہ ہے کہ یہ تفسیر بھی صرف اور صرف رسول اللہ کو خوش کرنے کے لئے لکھ رہا ہوں۔ **ربنا تقبل منا انک**

انت السمیع العلیم ۔روح البیان نے فرمایا کہ جو کام رسول کریم کو راضی کرنے کے لئے کیا جائے اللہ تعالیٰ اس کا بہت زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے۔

**چوتھا فائدہ:** سب سے بڑا گناہ لالچ ہے۔ ہر مسلمان خصوصاً علماء و مشائخ کو اس سے بچنا چاہئے غلط مسئلے جھوٹے فتوے لالچ ہی کی پیداوار ہیں چنانچہ شیخ سعدی نے فرمایا۔ شعر۔

زیاں میکند مرد تقصیر دان  کہ علم و ادب میفروشند بنان

دین کا کام بے غرض ہونا چاہئے۔ عالم کی نگاہ ہر وقت رب کی طرف لگی رہنی چاہئے۔ اللہ توفیق دے۔

**پانچواں فائدہ:** جو شخص اللہ کا سچا بندہ بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پوری حفاظت فرماتا ہے۔ شعر۔

محال است چوں دوست دارد ترا  کہ در دست دشمن گزارد ترا

**پہلا اعتراض:** اس پر چند طرح اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

**پہلا اعتراض:** نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا اجر تو رب تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔ اگر یہاں دنیاوی اجر مراد ہے یعنی روٹی کپڑا رزق وغیرہ تو بغیر محنت مشقت انبیاء کرام کو بھی عطا ہو اور محنت مشقت سے تو ہر ایک کو مل جاتا ہے۔ کام ان کا مخصوص مگر روزی محنت مشقت مخصوص نہیں۔ کسی نے زنبیلیں (ٹوکریاں) بیچ کر روٹی کپڑا حاصل کیا کسی نے لوہے کے اوزار بنا کر۔ اور اگر اخروی اجر مراد ہو تو دو خرابیاں لازم آئیں گی۔ (۱) یہ اجر تو سب کو ہی رب نے دینا ہے اور سب ہی اس اجر (ثواب) میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں کیونکہ یہ مخلوق سے ناممکن ہے پھر انبیاء کرام کی خصوصیت نہ رہی (۲) یہ جملہ ماقبل کے جملے سے مخالف ہو جائے گا کیونکہ فما سالتکم میں دنیاوی کی نفی ہے اور اسی کی لالچ منع ہے ورنہ اخروی لالچ تو بہترین ہے۔

**جواب:** یہاں دونوں اجر مراد ہیں دنیاوی بھی اور اخروی بھی۔ انبیاء کرام دونوں جہان میں کامل متوکل علی اللہ ہیں اور بجز ان ولیوں کے جو انبیاء کرام کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ نہیں۔ نہ دنیاوی نہ اخروی۔ اگر دنیاوی بھروسہ ہوتا تو دنیا میں زر۔ زن۔ زمین کا جھگڑا نہ ہوتا۔ بہت سے لوگ کاروبار کرتے ہیں مگر ان کا یہی خیال ہوتا ہے کہ کاروبار کریں گے تو کھائیں گے۔ نہ ان لوگوں کو آخرت کے اجر پر کامل بھروسہ ہے اگر ایسا ہوتا تو دنیا سے گناہ ختم ہو جاتے۔ انبیاء کرام کا دنیاوی کاروبار محنت مشقت کرنے سے روزی کمانا یا ضروریات زندگی پورا کرنا مقصود نہیں بلکہ آنے والوں کو سبق سکھانا مقصود ہوتا ہے۔ ورنہ دیکھو کہ جس کو رب نے تخت و تاج سونا چاندی کے ڈھیر عطا فرمائے ہیں جیسے کہ حضرت سلیمان وہ تو زنبیلیں بنا کر بیچ رہے ہیں۔ لیکن جس کے پاس رہنے کا مکان بھی نہیں جیسے حضرت عیسیٰ۔ انہوں نے ساری عمر کوئی کاروبار ہی نہ کیا۔ اور خود نوح علیہ السلام سے بھی اتنی دراز عمر میں کوئی کاروبار ثابت نہیں۔ پھر بھی رب تعالیٰ ان کو غیب سے روزی عطا فرما رہا ہے۔ اگر نوح علیہ السلام کا یہ دعویٰ غلط ہوتا تو مخالفین فوراً یہ اعتراض کرتے یا ان سے خرید و فروخت بند کر کے بائی کاٹ کر دیتے بلکہ وہ سب لاجواب ہو گئے اور تسلیم کرنا پڑا کہ واقعی یہ صاحب ہم سے ہر طرح بالکل بے نیاز ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اے پیارے نبی ان راہ روان طریقت کو فرمادو اس راہ پر چلنے کے لئے تو کل نوحی چاہئے جب متوکل میں فنا ہیں غوطہ زن ہونے کا ارادہ کرتا ہے اور نفس امارہ کو ترغیب الی اللہ کرتا ہے۔ تو نفس امارہ قوم نوح کی طرح نافرمانی کرتا ہے اور عالم لاہوت کی روح کے خلاف سازشیں کرتا ہے۔ مگر روح کامل علی الاعلان نہایت دلیری سے مشفقانہ طریقہ سے نفس کی سازشوں کو طشت ازبام کرتے ہوئے ان سے بے پرواہی برتتی ہے۔ نفس اپنی تمام شیطانی حیلے سازیوں کے باوجود جب عرشی روح کا تو کلت علی اللہ و الانعرہ سنتا ہے تو عجز و انکسار سے روح کو زیر کرنا چاہتا ہے اور لذت دنیا کی طرف مائل کرنا چاہتا ہے۔ مگر عرشی روح اس فریب کاری سے بچتے ہوئے راہ سلوک کی منزلیں طے کرتی چلی جاتی ہے۔ اور واردات الہیہ کی لذتوں سے سرشار ہو کر جام توحید کو پیتے ہوئے پکار اٹھتی ہے۔ فما سالتکم اجر ان اجری الا علی اللہ۔ (محی الدین ابن عربی) مومن کامل کو ہر مقام پر وامرت ان اکون من المسلمین۔ کا سبق یاد رکھنا چاہئے کہ یہی ذریعہ نجات ہے۔ اور سچی توحید یہی ہے کہ بندہ اپنے ملکوت الہی و جبروت خداوندی میں اس طرح فنا کردے کہ بندہ خود صفات الہیہ سے متصف ہو جائے جب تک بندے میں یہ کمال نہ ہو اس وقت تک وہ موحد نہیں بن سکتا۔ (تفسیر عرائس البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ مسلمان کے تین درجے ہیں پہلا درجہ مسلمان جس کا ہر شخص کو حکم دیا گیا ہے دوسرا درجہ مومن۔ تیسرا اور آخری درجہ موحد ہے جو شخص ابھی کامل مسلمان بھی نہ بنا ہو وہ اپنے کو موحد کہے تو جھوٹا اور کذاب ہے۔ ہر شخص کو حق نہیں کہ اپنے کو موحد کہہ کر۔ سچے موحدین کی توہین کرتا پھرے۔ جب بندہ کامل موحد ساتھیوں قلب و قالب و نفس مطمئن کو منزل اسرار کی طرف پار لگایا جاتا ہے اس مقام پر پہنچ کر نفس امارہ و خواہشات شیطانیہ بحر ظلمات میں غرق ہو کر فنا ہو جاتی ہیں اور روح عرشی صحو و سکر کی لہروں پر خراماں خراماں جوی شوق پر ورود کرتی ہے۔ پھر خطاب ربانی کی لذت سے نوازتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے فانظر کیف کان عاقبۃ المنذرین۔ اللھم ارزقنا منھا و اللہ اعلم۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ

پھر بھیجا ہم نے سے بعد اس کے رسولوں کو طرف قوم ان کی پس لائے وہ ان

پھر اس کے بعد اور رسول ہم نے ان کی قوموں کی طرف بھیجے تو وہ ان کے پاس

بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ

کے پاس کو نشانیوں پس نہیں تھے کہ ایمان لائیں وہ پر اس جھٹلایا انہوں نے کو اس

روشن دلیلیں لائے تو وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے اس پر جسے پہلے

قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ ۝

سے پہلے اسی طرح ہم مہر لگاتے ہیں پر حد سے بڑھنے والوں کے

جھٹلا چکے تھے ہم یونہی مہر لگا دیتے ہیں سرکشوں کے دلوں پر

تعلق: اس آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پہلی آیت میں قوم نوح کی نافرمانی ہٹ دھرمی اور غرق ہونے کا ذکر تھا جس سے خیال گزرتا تھا کہ شاید بعد کی قومیں اس عذاب کے واقعات کو سن کر گناہ و کفر سے باز رہی ہوں گی تو اس آیت کریمہ میں بعد کی قوموں کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ وہ بھی کچھ زیادہ گزر جانے کے بعد عذاب کی سختی کو بھول کر کفر و سرکشی میں مبتلا ہو گئے۔

دوسرا تعلق: پہلی آیت پاک میں کافروں کے کفر پر ضد کرنے کا ذکر تھا اس آیت کریمہ میں اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ ان کے دل پر کفر کی مہر لگ جاتی ہے۔ اس سیل کی وجہ سے نہ کفر باہر نکلتا ہے نہ ایمان و محبت پیغمبر اندر جاتا ہے۔

تفسیر نحوی: ثم۔ یہ لفظ اکثر تعقیب زمانی کے لئے آتا ہے وہی یہاں مراد ہے۔ بعثنا۔ ماضی مطلق حروف صیغہ جمع متکلم۔ مراد اللہ تعالیٰ جمعیت مراد نہیں کیونکہ جمع متکلم علم ادب میں فصاحت محضہ کے لئے بھی آ جاتے ہیں۔ جبکہ دوسرے جمع۔ صرف جمعیت کے لئے آتے ہیں۔ بعثنا۔ بعث سے بنا اس کے چار معنی۔ سبب بنا۔ کسی چیز کے ساتھ کسی کو بھیجنا۔ متنبہ اور آگاہ کر کے سب کچھ بتا کر سمجھا کر کسی کو بھیجنا۔ نیند سے جگانا۔ یہاں مراد ہے سب کچھ سمجھا کر بھیجنا پڑھا کر بھیجنا۔ اس سے فرق معلوم ہو گیا دوسری مخلوق اور انبیاء کے تشریف لانے میں۔ من بعدہ۔ من ابتداء زمانی کے لئے ہے کہ کوفیوں کے نزدیک یہ بات بصرے کے نحویوں کے خلاف ہے وہ اس من کو زائدہ مانتے ہیں۔ عربی میں زائد حرف دو طرح پر ہے (۱) زائد فی العمل (۲) زائد فی المقصد یہاں دوسرے لحاظ سے زائد ہے۔ نہ کہ عمل میں۔ عمل تو کر رہا ہے۔ بعد اس ہ کے تین مطلب۔ یا اس سے مراد۔ قوم نوح ہے یا طوفان۔ یا نوح ہے یا طوفان۔ یا نوح علیہ السلام خود اور یہ ہی درست ہے کیونکہ قوم نوح علیہ السلام کی وفات کے بعد گمراہ ہوئی تھی۔ رسلا۔ جمع ہے رسول کی۔ رسول علم عقائد کے مطابق وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ اپنے قانون دنیا پر جاری کرنے کے لئے بھیجے۔ یہ دنیا پر صاحب اختیار ہوتے ہیں جمع فرمانے میں کثرت اور عظمت دونوں طرف اشارہ ہے۔ علم نحو کے مطابق جمع میں کبھی صرف جمعیت ہوتی ہے کبھی جمعیت اور عظمت دونوں۔ صرف عظمت مراد نہیں ہو سکتی۔ ہاں ہماری زبان اردو میں جمع سے صرف عظمت بھی مراد ہو جاتی ہے۔ اس لئے ایک شخص کو بھی آپ جناب کر کے خطاب کر دیا جاتا ہے۔ مگر رب تعالیٰ کی عظمت توحید میں ہی ہے الی قومھم ہر الی اصلا انتہا کے لئے ہوتا ہے یہاں انتہاء بعثت مراد ہے قوم کے معنی پہلے بیان کر دیئے ھم سے مراد یہی انبیاء کرام جن کا ذکر بھی ہوا۔ لام ہے یہ لازم بھی ہوتا ہے اور متعدی بھی اگر لازم ہو تو بمعنی آنا اور متعدی میں بمعنی لانا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں اس کا فاعل یہی رسول ہیں ھم سے مراد قوم والے بالبینت ب۔ جاؤ سے متعلق ہے۔ اور اس میں دو احتمال ہیں (۱) اگر جاؤ لازم ہے۔ تو ب حالیہ ہے اور اس سے پہلے متلبسین پوشیدہ ہے اور یہ اس سے متعلق ہے اور اگر جاؤ متعدی ہے تو ب کی تعدیہ کی ہے۔ بینات سے معجزات یا قانون خداوندی مراد ہے۔ فما کانوا لیومنوا بما کذبوا بہ من قبل ف تعقیب زمانی کے لئے ہے ما کانوا لیومنوا۔ ماضی استمراری منفی ہے۔ اصل میں ما کانوا یومنوا تھا۔ درمیان میں لام تاکید لایا گیا جس سے نون اعرابی گر گئی۔ ماضی استمراری صیغہ جمع ہے۔ مراد کافر ہیں بما میں۔ ب۔ صلہ کی ہے۔ ما۔ موصول ہے۔ کذبوا تکذیب سے بنا بمعنی جھوٹا کہنا۔ بہ۔ ب مفعولیت کی ہے ہ ضمیر واحد مذکر غائب سے مراد یا پہلے

نبی ہیں یا قانون سابقہ۔ یا پچھلی نبی اور قانون من قبل ۔من زائد ہے قبل۔ اصل میں قبل زیر سے تھا مگر ظرف کا مضاف پوشیدہ منویہ ہے اس لئے پیش آ گیا۔ اس ترجمہ پہلا۔ اس میں وہی دو احتمال ہیں جو ضمیر میں تھے یعنی یا پہلا زمانہ یا پہلا وقت۔ کذلک نطبع علی قلوب المعتدین کذلک حرف تشبیہ ہے۔ نطبع طبع سے بنا اس کے تین معنی۔ بھر دینا مکمل کہ اور کی گنجائش نہ رہے۔ سخت نشان لگا دینا (چھاپ دینا) کہ مٹ نہ سکے۔ مضبوطی سے بند کر دینا جب کہ کھولنا مقصود نہ ہو۔ (المنجد عربی) یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں علی حرف جر ہے اس کی وجہ سے تطبع متعدی بعلی ہو گیا۔ قلوب جمع ہے قلب کی مبالغ کا صیغہ بمعنی ہر وقت حرکت کرنے والا۔ المعتدین عدی سے بنا جس کے معنی تجاوز کر جانا حد سے آگے نکلنا۔ باب افتعال سے اسم فاعل جمع کا صیغہ ہے۔

**تفسیر عالمانہ:** ثم بعثنا من بعده رسلا الی قومھم یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا جا رہا ہے۔ تاکہ آپ موجودہ اور آئندہ لوگوں کو تبلیغ فرما دیں۔ یعنی ہم نے نوح علیہ السلام کی وفات کے بعد اپنے پیغمبروں کو بھیجا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم تک دو رسول تشریف لائے حضرت صالح اور حضرت ہود علیہما السلام۔ قرآن کریم میں اگرچہ رسول و مرسل کا لفظ لغوی اعتبار سے مگر اصطلاح شرعی ہیں۔ نبی، رسول، مرسل تینوں علیحدہ ہیں درجے و تبلیغ کے لحاظ سے۔ (کتب عقائد) ہمارے نبی کریم کے علاوہ سب انبیاء کرام صرف اپنی اپنی قوم کی طرف آئے چنانچہ حضرت نوح علیہ قوم قابیل کی طرف حضرت صالح ثمود کی ابراہیم علیہ السلام قوم بابل کی طرف حضرت ہود عاد کی طرف اور حضرت شعیب قوم ایکہ (اہل مدین) کی طرف (روح) اس لئے الی قومھم ارشاد ہوا۔ بعض حضرات نے حضرت نوح کو سب دنیا کا نبی مانا ہے۔ مگر ان کو غلط فہمی ہوئی اس لئے کہ طوفان کے بعد سب دنیا میں صرف تھے ہی وہی لوگ جو نوح علیہ السلام کے پردہ فرما لینے کے بعد آپ کی اولاد میں شیطانی گروہ پیدا ہوا جس نے گمراہی پھیلائی۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نوح سب دنیا کے نبی تھے۔ ان لوگوں کی دوسری دلیل ہے یہ ہے کہ نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرماتے رہے مگر کوئی اور دوسرا نبی تشریف نہ لایا حالانکہ باقی انبیاء جو اپنی قوم کی طرف ہی تشریف لائے ان کے ہم زمانہ دیگر اقوام میں نبی موجود رہے۔ جیسے حضرت ابراہیم کے ہم زمانہ حضرت لوط و شعیب کے ہم زمانہ موسیٰ۔ مگر یہ دلیل دو وجہ سے کمزور ہے ایک یہ کہ رب تعالیٰ نے پہلی آیت میں حضرت نوح کے لئے لقومہ کا لفظ ارشاد فرمایا دوسری وجہ یہ کہ اس وقت ابھی نسل انسانی بہت تھوڑی تھی بہن سے نکاح کا جواز اسی پر شاہد ہے۔ دوسرے نبی کی حاجت ہی نہ تھی اس وقت گویا کہ قوم ہی ایک تھی۔ فجاء ھم بالبینت دنیا میں ہر نبی کچھ نہ کچھ لے کر تشریف لایا بعض کتاب شریعت معجزے سب کچھ لے کر تشریف لائے بعض شریعت اور معجزے اور بعض صرف معجزے۔ بینات سے مراد شریعت یا معجزے ہیں نہ کہ کتاب۔ مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ ہر نبی علیحدہ علیحدہ اپنی قوم کے لئے معجزے لے کر آئے تاکہ نبوت ثابت ہو جائے یہ مطلب نہیں کہ ہر نبی ایک قوم کے لئے ایک معجزہ یا قانون لے کر آئے یہاں تقسیم کر دی مراد نہیں بلکہ ایک ایک نبی کئی کئی قانون اور بہت بہت معجزے لے کر آئے ف تعقیبیہ نہیں بلکہ خبریہ ہے۔ اس لئے کہ معجزات انبیاء کرام کو آنے سے پہلے ہی عطا ہوتے ہیں الا ماشاء اللہ جیسے کہ حضرت

موسیٰ کے دو معجزے (۱) عصا کا سانپ بننا اور (۲) ید بیضا۔ جاؤ کا فاعل انبیاء ہیں۔ ھم کا مرجع ان کو مخصوص قومیں ہیں۔ فما کانوا لیومنوا بما کذبوا به من قبل یہ بھی رب تعالیٰ کا خبر یہ کلام ہے کہ اتنے معجزات دیکھنے کے بعد بھی یہ متکبر کافر پہلے جھٹلاتے تھے بعد میں ایک ہی ضد نہ ماننے کی باندھ لیتے تھے۔ گویا ان کا پہلے جھٹلانا بھی عقل کے ماتحت نہ ہوتا تھا۔ سیدھے راستے پر وہ آ سکتا ہے جو عقل کے حکم پر کوئی غلطی کرے لیکن جہالت و بے وقوفی۔ ہٹ دھرمی کی غلطی کے بعد راہ راست پر آنا مشکل ترین ہوتا ہے۔ جہالت وغیرہ تکبر غرور کی پیداوار ہیں۔ ما کانوا لیومنوا ماضی استمراری اس لئے ارشاد ہوا کہ ان کا کفر و جھٹلانا ایک آن کے لئے بھی دل سے ختم نہ ہوتا تھا۔ تبلیغ دین تو درکنار ان کو نبی کا کوئی کام بھی پسند نہ آتا تھا۔ گویا کہ اپنے ہی محسنوں مشفقوں سے نفرت کرتے تھے یا مطلب ہے قوم بعد القوم جھٹلانے کا تسلسل باقی رہا۔ کوئی نبی بھی ایسا تشریف نہ لایا جس کو جھٹلایا نہ گیا ہو۔ تو اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے۔ یہ ایمان نہ لانا اس لئے ہے کہ بما کانوا به ۔ ب صلہ کی ہے۔ جس سے عدم ایمان کے سبب کا پتہ لگا ما صولہ ہے اس سے مراد عموم ہے کذبوا سے یا تو از نوح علیہ السلام تا شعیب علیہ السلام سب قومیں مراد ہیں یا نوح علیہ السلام کے بعد کی قومیں بہ سے یا نبی یا شریعت مراد ہے۔ من قبل پہلے سے ہی جھٹلایا بعد میں ضد بازی سے اڑ گئی کہ چونکہ پہلے ہم جھٹلا چکے اب ہم کس طرح ایمان لائیں یہ ہمارے لئے باعث شرم ہے۔ یا مقصد ہے کہ پہلے نبی کی پہلی قوم نے جھٹلایا پھر اس اسی قوم کے بقیہ لوگوں نے دوسرے نبی کا زمانہ پایا تو اب بھی اپنے پرانے وطیرے پر قائم رہے اور دوسرے نبی علیہ السلام کو جھٹلانا شروع کر دیا۔ ان کو دیکھا دیکھی دوسرے نئے لوگوں نئی نسل نے بھی ایسا ہی کیا۔ بہر حال ہر طریقہ سے ان خبیثوں نے انبیاء کرام کو دکھ دئے۔ یہ سب کچھ ہوا مگر ایمان نہ لائے کیونکہ۔ کذلک نطبع علی قلوب المعتدین۔ کذلک میں کاف تشبیہ کا ہے۔ یہاں دو احتمال ہیں یا تو اسی قوم کی قلبی مہر مراد ہے کہ دیکھو ہم اس طرح مہر ذلت لگاتے ہیں آئندہ نسلوں کو درس عبرت ہے یا قوم نوح کے کفریہ عقائد کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح ہم نے ان کو مہر لگا کر ذلیل و رسوا کیا تھا ان کو بھی اس طرح۔ طرح طرح کے عذاب سے رسوا کیا۔ پہلے معنی زیادہ صحیح ہیں کیونکہ نطبع صیغہ مستقبل ہے۔ جس سے آئندہ کا ذکر ثابت ہوتا ہے۔ طبع مہر لگانا عذاب کی یا ذلت کی یا کفر کی۔ مہر لگا دی یعنی عذاب دائمی کا حکم لگا دیا گیا۔ جس طرح یہ کبھی کفر سے باز نہ آئے ہم عذاب کرنے سے کبھی نہ ہٹیں گے۔ علی قلوب۔ عذاب یا مہر کس پر ہے دل پر کہ ہر تکلیف کا احساس۔ خروج دخول اسی پر ہے۔ معتدین۔ یہ مہر ہر شخص پر نہیں بلکہ جو حرام حلال جائز ناجائز۔ گناہ و فسق۔ نیکی بدی کسی کی پرواہ نہ کریں۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ حرام غذا سے رب تعالیٰ کی گستاخی پیدا ہوتی ہے اور شرک و کفر کی جڑ یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

**خلاصہ تفسیر**: اے مسلمانو پھر ہم نے نوح علیہ السلام کی قوم کی نافرمانی و کفر کی وجہ سے ان پر عظیم ترین عذاب بھیجا اور غرق کر دیا کہ سب کافر دنیا سے نیست و نابود ہو گئے۔ صرف چند مسلمان بچے ہم نے نوح علیہ السلام کی نسل کو دنیا میں قائم کیا جب نوح علیہ السلام زندہ حیات ظاہری سے رہے اس وقت تک تو وہ مسلمان رہے ان کے بعد پھر جب لوگوں کو شیطان نے گمراہ کیا تو ہم نے ان قوموں میں صالح ہود ابراہیم لوط شعیب جیسے اولوالعزم رسول بھیجے اور وہ حضرات انبیاء کرام ظاہر قانون

خداوندی اور اپنی نبوت کے ثبوت میں بہت معجزے لے کر آئے مگر گمراہ لوگوں نے پہلے پہل انکار کیا پھر اسی پر ڈٹ گئے اچھائی برائی پر غور نہ کیا۔ یہ ان کی سختی و دل اس لئے تھی کہ ان کے دلوں پر ہم نے مہر لگا دی تھی اسی طرح ہم مجرم کو پہلے پہلے ڈھیل دیا کرتے ہیں اس کے بعد پھر دل بند کر دیا جاتا ہے۔ جو بھی اسلام کی حدوں کا خیال نہ رکھے اس کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا جاتا ہے۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** ہر نبی معجزہ لے کر آئے اور معجزہ دکھانے میں وہ حضرات صاحب اختیار ہوتے ہیں یہ فائدہ فجاؤ ا۔ کی فاعلیت سے حاصل ہوا۔

**دوسرا فائدہ:** اللہ کے نیک بندوں سے ضد ہٹ دھرمی کرنی اور ان سے تکبر غرور سے پیش آنا طریقہ کفار ہے۔

**تیسرا فائدہ:** جس دل میں انبیاء کی محبت نہیں وہ مہر شدہ دل ہے۔ وہاں ایمان بھی نہیں آ سکتا۔

**چوتھا فائدہ:** اللہ کریم پہلے بہت ڈھیل دیتا ہے پھر بھی اگر انسان باز نہ آئے تب سختی کی جاتی ہے۔

**پانچواں فائدہ:** ہر نبی از آدم تا عیسیٰ علیہم السلام صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے لیکن ہمارے نبی ساری کائنات جن فرشتے انسان حیوان بلکہ لکڑی پتھر کے رسول بنا کر تشریف فرما ہوئے خیال رہے کہ حضرت سلیمان سب زمین اور زمینی مخلوق کے بادشاہ تو ہوئے مگر نبی صرف انسانوں کے تھے۔

**اعتراض:** اس آیت پر چند اعتراض وارد ہوئے ہیں پہلا اعتراض آپ کی تفسیر اور آیت کے الفاظ سے پتہ لگتا ہے کہ سب انبیاء صرف انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے تو جنات کو ہدایت کس نے دی حالانکہ ہر زمانے میں بڑے نیک جن بھی موجود رہے خود قرآن پاک واقعہ سلیمانی میں تخت بلقیس کے موقعہ پر ایک درباری جن کا ذکر فرما رہا ہے قال عفریت من الجن (الخ) اور اگر کسی نے ہدایت نہ دی تو بے ہدایت جنات کے لئے جہنم ہے یا جنت۔ اگر جہنم ہے تو یہ ظلم ہے۔ جس سے رب تعالیٰ پاک ہے۔ اگر کفر ہوتا یا کسی تبلیغ کا انکار کرتے تب جہنمی بنتے بغیر اطلاع اور ہادی کے بھیجے ہوئے جہنم کی سزا کیوں اگر ان کا ٹھکانہ جنت ہے تو وہ اعمال کی جزا سے حاصل ہوگی بغیر عمل صالح کے جزاء بہشت بھی ناممکن بلکہ نیکوں پر ظلم ہی ہے کہ وہی جنت ایک کو اعمال کی سخت ترین مشقت دے کر عطا ہوئی اور دوسرے کو بغیر مشقت۔

**جواب:** انبیاء کرام کا مبعوث ہونا صرف دین حق کی اطلاع دینے کے لئے ہے۔ جس مخلوق کو بجز انبیاء کرام اطلاع ناممکن ہو اور کسی ذریعے سے ان کو اللہ کے دین کا پتہ نہ لگ سکے ایسی مخلوق کی طرف باری تعالیٰ اپنے انبیاء کو بھیجتا ہے ایسی مخلوق صرف انسان ہی ہیں۔ جنات کو قوت دی گئی تھی کہ آسمانوں تک پہنچ کر فرشتوں کا کلام سن سکیں لہٰذا ان کو فرشتوں کے ذریعے چونکہ اچھے رہے گا۔ کفر اسلام کا پتہ چل جاتا تھا اس لئے ان پر ایمان لانا واجب تھا انبیاء کو ان کی طرف بھیجنے کی اطلاع دینے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر انسان کو فرشتوں تک اور آسمانی پرواز کی طاقت نہ تھی اس لئے ان کی طرف انبیاء کرام مبعوث ہوئے دیگر جمادات وغیرہ کو تبلیغ کی ضرورت نہ ہوئی کیونکہ وہ مکلف نہیں۔ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے

جنات کا آسمان پر جانا بند ہوگیا۔ اب جس نے ہدایت لینی ہے وہ نبی کریم کے آستانے پر آ سکتا ہے۔۔۔ اسی لئے نبی کریم جنات کے بھی نبی ہیں دیگر مخلوق جمادات لکڑی پتھر وغیرہ کو صرف اعزازی طور پر شرف امت بخشنے کے لئے امت مصطفیٰ میں شامل کیا گیا۔ ورنہ یہ کسی حکم کے مکلف نہیں۔ جس طرح کوئی حکومت کسی غیر ملکی کو محبت کی بنا پر شہرت کا تمغہ دے کر اپنی رعایہ میں شامل کرے کراچی کے اونٹ بان بشیر کو امریکہ کے نصائب صدر جانسن نے امریکہ کی شہرت کا تمغہ دیا۔ اور پاکستان کے سابقہ ایوب خان کو سعودی حکومت کی طرف سے مدینہ منورہ کی شہرت کا عظیم الشان قابل فخر تمغہ ملا۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے نبی انبیاء سرکار کائنات کی امت میں تمام مخلوق کو شامل فرما کر عظیم اعزازی تمغہ دیا۔ اب سب جمادات پرند و چرند کا کام یہ ہے کہ تا عمر نبی کریم کے گیت گاتے رہیں۔ چونکہ بعثت انبیاء صرف اطلاع دین کے لئے ہے تو جن کو کسی اور ذریعہ سے اطلاع نہ پہنچے ان کی تبلیغ کے لئے انبیاء تشریف فرما ہوں گے لیکن جن کو بغیر نبی اطلاع پہنچ جائے ان کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اسی لئے نبی کریم کے بعد اب تک رب تعالیٰ نے کوئی نبی نہ بھیجا کہ نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ صحابہ کرام صوفیا اولیا علماء کے ذریعے سب کائنات میں جاری و ساری ہے۔

**دوسرا اعتراض:** تو پھر انبیاء کی کیا ضرورت تھی جس طرح صرف اطلاع و تبلیغ جنات نے فرشتوں سے اوپر جا کر لی۔ وہی فرشتے نیچے آ کر بھی انسان کو تبلیغ کر دیتے۔

**جواب:** انسانوں کی ضروریات جنات کی ضوریات سے زیادہ ہیں۔ اور انسان۔ عقل خرد فریب کاری فتنہ فساد میں جنات سے بڑھ کر ہے اس کو صرف قولی تبلیغ کافی نہ تھی اس کے لئے عملی تبلیغ اشد ضروری ہے۔ فرشتے قولی تبلیغ تو کر سکتے تھے۔ مگر عملی تبلیغ ان کے لئے ناممکن۔ انسانوں کی جسمانی ضروریات کے علاوہ روحانی اور قلبی ضروریات بھی ہیں اگر اس کو کاروبار روٹی کپڑا درکار ہے تو دردِ دل بھی۔ عشق و محبت کی آگ بھی چاہئے۔ نہ فرشتے ایسی تبلیغ کر سکتے تھے نہ جنات کو ایسی تبلیغ کی ضرورت پس جنات کے لئے فرشتے کافی تھے مگر بھلا حضرت انسان کب ماننے والا تھا۔ جس طرح انبیاء کرام نے پیار و محبت سے تبلیغیں فرمائیں اور باوجود تکلیفیں ایذائیں برداشت کرنے کے پھر بھی روحانی قوت سے ان کو ہلاک نہ کیا دعا میں ہی دیتے رہے۔ بھلا فرشتوں سے یہ کب برداشت ہوتا ایک ہی دفعہ میں طور پہاڑ اٹھا کر لے آتے کہ مانو ورنہ جان سے مار دیں گے۔

**تیسرا اعتراض:** رب تعالیٰ نے دلوں پر مہر لگا کر اسلام سے خود روکا مکلفین کو دین حق سے روک دینا عجیب بات ہے۔

**جواب:** پہلے بتا دیا کہ طبع کے معنی بند کر دینا یا بھر دینا ہے یہاں کفر سے بھرنا مراد ہے اور شی پہلے ہوتی ہے بھرنا بعد میں۔ ثابت ہوا کہ ان کا کفر پہلے تھا اور بھرنا بعد میں جب دل کفر سے بھر گیا اور سب دائمی علیتیں ناپاک گندا ہو گیا۔ نبی کی محبت اور اسلام کے قابل ہی نہ رہا تب ہم نے اس کو بند کر کے مہر لگا دی۔

**تفسیر صوفیانہ:** جب مومن کو دولت ایمانی سے نواز دیا جاتا ہے۔ تو اس دولت کے دشمن خواہشات کے ہتھیار لے کر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس سے کچھ حجاب بڑھ جاتے ہیں تو رب کریم تجلیات انوار و فیوضات اولیاء کاملین کی

لشکروں سے دفع فرماتا رہتا ہے۔ بار بار ایسا ہوتا ہے یہ سب کچھ قلب کی خاطر ہوتا ہے جس کا قلب مائل بہ خواہشات ہو جاتا ہے اور اپنی طرف دشمن کو پناہ دیتا ہے تو باری تعالیٰ کی تجلیات اس سے منہ موڑ لیتی رہیں اور دل جو ہر وقت طرح طرح کی نفسانی خواہشات سے سرکش ہو کر۔ واردات الہیہ کا منکر ہو جاتا ہے اور طغیانیوں کا دلدار ہو جاتا ہے تو اس طرح بند کر دیا جاتا ہے کہ پھر راہ سلوک اس پر کبھی آشکارا نہیں ہوتا۔ نہ اس کو دوست دشمن کی پہچان رہتی ہے۔ بلکہ دشمن کو دوست اور سچے دوست کو دشمن سمجھتا ہے یہ اس کی سب سے زیادہ بدبختی ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ

پھر بھیجا ہم نے سے بعد ان کے موسیٰ اور ہارون کو طرف فرعون کے اور

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور

مَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

لوگوں اس کے ساتھ نشانیاں ہماری پس متکبر ہوئے وہ سب حالانکہ تھے وہ قوم سب مجرم

اس کے درباریوں کی طرف اپنی نشانیاں دے کر بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا

پس جب کہ آیا ان کے پاس حق سے پاس ہمارے کہا ان سب نے یہ البتہ جادو ہے

تو جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا بولے یہ تو ضرور

لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾

کھلا ہونے والا

کھلا جادو ہے

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ایک قصہ کا ذکر تھا جس میں بغیر نام کے صرف تذکرہ انبیاء تھا۔ اس آیت کریمہ میں ایک اہم اور بہت دراز واقعہ کو شروع فرمایا جا رہا ہے۔ گویا عمومی واقعے کے بعد پھر خاص واقع کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہ عام پر خاص کا عطف ہے۔

**دوسرا تعلق:** پہلے واقعات میں صاحب کتاب انبیاء کا ذکر نہ تھا اس آیت میں صاحب کتاب نبی حضرت موسیٰ کا ذکر ہے۔ اس میں عظیم تسلی ہے نبی کریم کو۔ تفسیر نحوی۔ ثم۔ تراخی زمانوں کے لئے ہے۔ حرف عطف ہے نہ کہ اسم بعثنا۔ جمع متکلم

ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت فاعلی ہے۔ من بعدھم۔ من۔ حرف جار بیانیہ ہے لفظ بعد۔ اسم ظرف زمانی ہے۔ ھم اس ضمیر غائب متصل ہے۔ اس کا مرجع وہی انبیاء کرام ہیں جن کا ذکر پچھلی آیت کریمہ میں ہو چکا۔ موسیٰ۔ و س ی سے بنا بمعنی مدد کرنا۔ موسیٰ اسم مفعول بمعنی مدد کیا ہوا۔ یہ علم ہے۔ ھرون۔ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ ھران بھی پڑھا گیا ہے۔ علم ہے الی۔ حرف جر ہے فرعون مجرور غیر منصرف ہے۔ فراعین جمع ہے۔ وملائہ۔ ملاء مبالغ کا صیغہ ہے مصدر سے بمعنی اسم مفعول۔ اس کا معنی بھرنا۔ ہ ضمیر سے فرعون مراد ہے۔ بایاتنا آیات سے مراد معجزات اور قہر کی نشانیاں جمع ہے اس کا واحد آیت۔ ب۔ بعضیت کی ہے۔ نا جمع متکلم کی ضمیر سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے فاستکبروا ف تعقیبیہ بلا تراخی استکبروا استکبار باب استفعال کے مصدر سے بنا ماضی مطلق جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ مراد فرعونی ٹولہ ہے۔ استکبار کبر سے بنا بمعنی اپنے کو بڑا سمجھنا۔ وکانوا۔ یہ صیغہ ماضی بعید کا ہے تو ترجمہ ہے کہ پہلے ہی سے تھے وہ۔ یا کون فعل ناقصہ کا ماضی مطلق ہے۔ تو ترجمہ ہوگا کہ اب ہو گئے یہاں اپنے معنی میں نہ ہوگا بلکہ کانوا بمعنی صاروا ہوگا۔ اس کا فاعل یعنی اسم۔ فرعون اور اس کا گروہ ہے قوما ساتر کی حالت میں۔ خبر ہے کانوا کی۔ لفظاً واحد ہے مگر معنی جمع اس لئے موصوف ہے اور اس کی صفت لفظ مجرمین جمع ہے مجرمین جرم مصدر سے بنا باب افعال کا اسم فاعل ہے حالت نصبی میں ہے۔ کانوا سے پہلے واؤ حالیہ ہے۔ فلما ف خبریہ ہے یہاں لما حرف شرط نہیں بلکہ ظرف زمانی کے لئے ہے۔ بمعنی جس وقت جاء ماضی مطلق واحد مذکر غائب۔ باب ضرب یضرب ھم سے مراد فرعون اور اس کی جماعت حق بمعنی سچی بات مضاعف ثلاثی ہے من عندنا۔ من بیانیہ ابتدائیہ ہے۔ عند۔ مکانی ہے مجرور ہے۔ مرکب اضافی ہے مضاف الیہ لفظ۔ نا۔ ہے قالوا کا فاعل ھم ضمیر ہے۔ جس سے مراد وہی فرعون و فرعونی ہیں۔ ان ھذا اسم اشارہ قریب کے لئے مشار الیہ وہ معجزات یا خود موسیٰ علیہ السلام لسحر لام زائد تحقیق کا ہے۔ سحر مصدر ہے مگر یہاں اسم جامد ہے بمعنی جادو۔ مبین بین سے بنا جس کے معنی ہیں ظاہر ہونے والا۔ کھلا۔ باب افعال کا اسم فاعل ہے۔

**تفسیر عالمانہ:** ثم بعثنا من بعدھم یہ جملہ پہلے ثم بعثنا من بعدہ پر عطف ہے۔ ثم کی وجہ سے رب کریم ارشاد فرماتا کہ ہم نے ان سابقہ مذکور انبیاء کرام کے بعد پھر بعد والی قوموں کو ایسے ہی آزاد نہ چھوڑ دیا بلکہ انسانوں سے محبت کی وجہ سے پھر بھی سلسلہ نبوت جاری کیا۔ کیونکہ کمزور جانور کو آزاد چھوڑنا اس سے دشمنی ہے اس کے لئے چوکیدار محافظ گلے کی رسی کی قیدیں اور پابندیاں اس کے لئے رحمت و کرم ہیں۔ اسی طرح انسان کی آزادی اس کے لئے خطرناک و نقصان دہ ہے۔ جس طرح آزاد گھریلو جانور غذا سے بھوکا پیاسہ مر جاتا ہے۔ اسی طرح انبیاء کرام کی شرعی پابندیوں سے علیحدہ آزادی حاصل کرنے والا انسان روحانی موت مر جاتا ہے۔ انبیاء کی بعثت اللہ کی رحمت کاملہ ہے۔ موسیٰ و ہارون۔ پہلے صاحب کتاب نبی حضرت موسیٰ ہیں آپ تین بہن بھائی تھے۔ سب سے بڑی ہمشیرہ حضرت مریم تھیں یہ قتل فرعونی سے پہلے پیدا ہوئی۔ حضرت ہارون کی عمر حضرت موسیٰ سے تین سال زائد تھی۔ ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جو فرعون کے قانون میں زندہ رکھنے کا سال تھا اور حضرت موسیٰ قتل کے سال پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام عمران تھا۔ آپ کی دعا سے حضرت ہارون کو نبوت عطا

ہوئی۔ خیال رہے کہ نبوت سب سے مشکل چیز ہے۔ نبی کی دعا سے یہ بھی مل جاتی ہے۔ تو دیگر اشیاء کیا محال ہیں ہارون علیہ السلام آپ کے وزیر اور معین تھے نہ کہ نائب نبی جیسا کہ بعض بے وقوفوں نے نبوت کی تقسیم کی ہے۔ کوئی شخص نائب نبی نہیں ہوسکتا نبوت مکمل اور مستقل ہوتی اس میں کمی زیادتی ناممکن جیسا کہ دنیوی عہدوں میں صدر نائب صدر ہوتا ہے **الی فرعون ملائه** انبیاء کے ذکر کے بعد۔ ان کی قوم کا بھی خصوصی طور پر ذکر کیا گیا۔ پہلی آیت میں نہ انبیاء کرام کے اسماء مذکور تھے نہ ان کی قوموں کے لفظ فرعون اس وقت شاہ مصر کا لقب ہوتا تھا اس فرعون کا اصل نام ولید بن مصعب تھا۔ (روح البیان) بہت فیشن پرست اور مغرور عیاش تھا۔ **وملائه** درباری سردار۔ رؤسا اور وزراء۔ کیونکہ ان کی ہیبت سے لوگوں کی آنکھیں۔ اور موٹے موٹے جسموں سے مجلس اور ان کے جلال سے لوگوں کے دل بھرے ہوتے ہیں اس لئے ان کو ملاء یعنی بھرا ہوا کہا جاتا ہے۔ ہمیشہ غریب لوگ درباری امیروں سے ڈرتے ہی رہتے ہیں اور ان کے اپنے دل میں غرور تکبر سے بھرے ہوتے ہیں۔ یہاں **ملائه** سے یا صرف سردار مراد ہیں یا سب قبطی کیونکہ غربا بھی بوجہ خوف امراء کے نقش قدم پر ہوتے ہیں۔ **بایاتنا** ہم نے اپنے انبیا کو ایسے ہی خالی ہاتھ نہیں بھیج دیا بلکہ اپنے بڑے سخت نشانوں کے ساتھ بھیجا حضرت موسیٰ کو رب کی طرف سے نو معجزے عطا ہوئے۔

جن میں بعض جلالی تھے۔ جلالی معجزے قہر اور عذاب کے تھے مگر ہلاکت مقصود نہ تھی۔ پھر بھی کچھ اس قہر کی تاب نہ لاتے ہوئے ہلاک ہو گئے وہ معجزے یہ تھے۔ عصا کا سانپ بن جانا۔ ہاتھ کا چمکنا ہوا کا طوفان۔ مکڑی کا پھیلنا۔ جوں کا پیدا ہونا مینڈک کا عذاب خون کا ظاہر ہونا۔ دریا کا چڑھ جانا۔ مال کی کمی غربت۔ غرق فرعونی معجزہ نہ تھا بلکہ عذاب ہلاکت تھا۔ اتنے عذاب و معجزے دیکھنے کے باوجود **فاستکبروا** ف فصیحہ کی ہے یعنی پورے کلام کو واضح کرنے والی اس کا مقصد یہ ہوا کہ یہ دونوں رسول علیہما السلام فرعونیوں کے پاس تشریف لائے اور جب ان کی تبلیغ کی تب انہوں نے تکبر کرتے ہوئے کہا کہ ارے تم وہی لوگ ہو جن کو ہم نے پالا ہے۔ فرعون نے کہا **الم نربک فینا ولیدا ولبثت من عمرک سنین**۔ کہ اے موسیٰ تو وہی بچہ نہیں جس کو ہم نے پرورش کیا اور تو ہم میں چند سال ٹھہرا۔ اس معلوم نے یہ الفاظ حقارت کے طور پر کہے اور نبی کو اپنے جیسا یا اپنے سے حقیر سمجھا تو غرور کیا۔ **استکبروا** استکبار سے بنا جس کا معنی ہے اپنے آپ کو بلاوجہ دوسروں سے بڑا سمجھنا۔ جب فرعون نے حضرت موسیٰ سے اس طرح کی تکبرانہ گفتگو کی تو دوسرے بھی دیکھا دیکھی اسی طرح باتیں کرنے لگے اس لئے **فاستکبروا** جمع ارشاد ہوا۔ فرعونیوں نے حضرت موسیٰ کی تبلیغ اس لئے ماننے سے انکار کیا کہ **وکانوا قوما مجرمین** وہ مجرم ہو چکے تھے یہ جملہ معترضہ ہے مقصد دلیل کرنا ہے۔ ان کا سب سے بڑا جرم یہی تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو اپنے جیسا بشر سمجھا اور ہاکا سمجھا بے اختیار اور بے بس جانا اسی لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اللہ کے قانون کا، دین کا کسی چیز کا احترام و ادب نہ کیا کیونکہ سب احتراموں کا اصل اور جان تو انبیاء کا ادب ہے۔ فرعون نے ان دونوں نبیوں سے تکبر کیا نہ کہ فقط حضرت موسیٰ سے ورنہ حضرت ہارون کی بات کا ہی کچھ پاس کرتے مگر ایسا نہ ہوا۔ یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ نو معجزات سے تکبر کیا اور ان کو جادو وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا مگر یہ درست نہیں کیونکہ روشن کلام سے پتہ لگتا ہے کہ

ابھی انہوں نے معجزات دیکھے بھی نہ تھے پھر وہ معجزے بیک دم نہ دیکھے۔ یہ وقتاً فوقتاً موقع بموقعہ معجزات دکھائے، تکبر اور غرور انہوں نے پہلے کر دیا تھا لفظ مجرمین۔ یا جرم جیم کے پیش سے ہے یا جرم زبر سے جرم بالضموم کا ترجمہ گناہ جرم کا ترجمہ ہے جسم اور چونکہ اپنے کو باعتبار جسم کے بڑا سمجھنے والا گناہ زیادہ کرتا ہے اس لئے اس کو مجرم کہا جاتا ہے۔ معجزات کا بیان تو بعد میں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ **فلما جاء ھم الحق من عندنا** تو جب ان کے پاس حق (یعنی معجزات) آیا (صاوی) حق سے مراد یہاں معجزہ عصا۔ اور ید بیضا ہے کیونکہ سب سے پہلے ہی دکھایا گیا۔ ف۔ یہاں بھی فصیحۃ کی ہے فاء فصیحۃ ہوتی ہے جو مختصر کلام پر داخل ہو کر کسی پوشیدہ پورے واقعہ یا کلام کی طرف اشارہ کر دے۔ یہ ف بھی۔ حضرت موسیٰ کے معجزات دکھانے کے پورے واقع کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ لما سے خبر دینا مراد ہے نہ کہ شرط۔ جاء۔ یا لازم ہے یا متعدی۔ اگر لازم ہے تو اس کا فاعل حضرت موسیٰ کا یہ معجزہ ہے اگر متعدی ہے جس کا ترجمہ ہوگا لے آئے۔ تو فاعل خود حضرت موسیٰ اور لفظ حق منصوب ہو کر جاء فعل کا مفعول بہ ہوگا۔ مگر ہماری قرءت میں۔ جاء لازم ہے بمعنی آ گیا حق۔ حق کے چار معنی۔ (۱) حق اللہ تعالیٰ کا بھی نام ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے **لقد حق القول علی اکثرھم فھم لایومنون**۔ (یٰس) (۳) حق کے معنی سچی بات جیسے یہاں ارشاد ہوا۔ (۴) حق کے معنی مستحق ہوا چنانچہ ارشاد ہے۔ **ویقتلون النبیین بغیر الحق**۔ یہاں حق سے مراد سچی بات ہے۔ یعنی معجزہ۔ **من عندنا** یہ آیت بھی متشابہات میں سے ہے۔ عند قرب مکانی کے لئے آتا ہے اکثر۔ مگر رب تعالیٰ قرب مکانی وغیرہ سے پاک ہے۔ یہاں مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے حکم سے ثابت ہوا کیونکہ انبیاء کرام مظہر صفات کبریا ہیں۔ **ان ھذا لسحر مبین**۔ جب فرعون اور فرعونیوں نے یہ دونوں معجزے دیکھ لئے تو بجائے دل نرم ہوئے اور ایمان لانے کے دل میں ان انبیاء کرام سے اور متنفر ہو گئے اور اسی نفرت و تکبر کی بنا پر یہ کہا۔ ان یہ جملہ اسمیہ۔ قالو۔ کا مقولہ ہے گویا کہ معجزے کو یقینی طور پر انہوں نے جادو سمجھا۔ کیونکہ اس زمانے میں جادو بہت جاری تھا۔ ہذا سے مراد یا جنس معجزہ ہے تب تو دونوں معجزے اسی ہذا کا مشار الیہ ہو سکتے ہیں۔ اگر خصوصی ہے تو صرف ایک معجزہ ہی مراد لیا جا سکتا ہے۔ یا عصا کا۔ کیونکہ ہذا اسم اشارہ واحد۔ **سحر** میں لام تحقیق ہر تحقیق کے لئے ہے یا **ید بیضا** کا کیونکہ ہذا کی ان سے بھی تحقیق ہوئی اور **لسحر** لام سے مزید شک دور کیا۔ **سحر** کے معنی فریب۔ دھوکا۔ نظر بندی۔ اور جادو سب ہو سکتے ہیں۔ یہاں جادو مراد ہے کہ یہی اس زمانے میں عام تھا۔ **مبین**۔ یہ لفظ بھی۔ ان کے یقین کو بتا رہا ہے کہ اس میں بالکل شک شبہ نہیں یقیناً یہ جادو ہے۔ اور یہ یقین ان کی اپنی ضد یا جہالت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ انبیاء کرام معجزے دکھاتے ہیں خود انہوں نے ہی مطالبہ کیا تھا۔ بعض نے فرمایا کہ فرعونیوں نے اس سے پہلے معجزہ دیکھا ہی نہ تھا نہ کوئی نبی اس سے پہلے ان میں آیا اس لئے انہوں نے اس کو جادو ہی سمجھا مگر یہ غلط ہے ورنہ وہ خود معجزے کا مطالبہ نہ کرتے اور جادوگر اس دربار میں اس وقت بھی موجود تھے جن کو پتہ لگ گیا تھا کہ یہ جادو نہیں۔ مگر انہوں نے اس کا اظہار نہ کیا محض عناد کے لئے۔ **واللہ اعلم بالصواب**۔

**خلاصہ تفسیر**: اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے ابراہیم ولوط وغیرہما انبیاء کے بعد اپنے بہت سے نبی جلالی و جمالی نشانات قدرت اور معجزات نبوت دے کر بھیجے اور ان آیات و نشانات کو حضرت موسیٰ اور ان کی دعاء سے نبی بننے والے

ان کے وزیر حضرت ہارون۔ فرعون اور بڑے بارعب امراء اہل دربار کے پاس لے کر تشریف لائے مگر ان لوگوں نے ہمارے نبیوں کو اپنے سے کم درجہ یا برابر سمجھتے ہوئے اپنی مثل بشر سمجھا اور تکبر کیا۔ یہ سب کچھ گستاخیاں اس لئے تھیں کہ وہ پرانے عادی مجرم تھے۔ جب ان کے سامنے معجزے گئے تو بھی ایمان نہ لائے بلکہ باوجود سب جادوگروں کے مقابلے سے عاجز ہو جانے کے پھر بھی ان معجزات اور قدرت کے نشانات کو یہی کہتے رہے کہ بے شک یہ تو کھلا جادو ہے۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** انبیاء کرام کی دعا بارگاہ رب العزت میں بہت ہی شان والی ہے اور قابل عزت ہے کہ نبوت جیسی عظیم شے بھی اس دعا سے مل جاتی ہے یہ فائدہ حضرت ہارون کی نبوت سے حاصل ہوا۔ جب دعاء نبوت کی یہ شان ہے تو خود انبیاء کی شان اس بارگاہ عالیہ میں کتنی عظیم ہے۔ بدبخت انسان ان کی عظمت جانے نہ جانے مگر اللہ کے نزدیک یہی شان والے ہیں۔

**دوسرا فائدہ:** جس کے دل میں انبیاء کی عظمت و محبت نہیں اس کے دل میں اللہ کی قرآن کی کعبے کی مسجد کی کوئی عزت نہیں ہو سکتی گویا کہ نبی کا ادب واحترام اور خوف وہیبت ساری عظمتوں۔ ہیتوں کی چابی ہے۔ یہ فائدہ فاستکبروا سے حاصل ہوا۔ اس لئے دیکھا گیا ہے کہ نبی کے گستاخ ہی اللہ کے متعلق یہ عقیدہ بنا بیٹھے کہ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے (معاذ اللہ اور نبی کے بے ادب لوگوں نے ہی یہ بھی لکھا کہ اللہ کام سے پہلے بندے کے ارادے سے بے علم ہوتا (بلغتہ الحیر ان) انہی نبی کے بے ادبوں نے کعبے کی طرف پیر کئے اور قرآن کریم کو زمین پر رکھا۔ جب کہ نبی کا عاشق و باادب کبھی بھی ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔ دیکھو نجدی حکومت نے حجاز مقدس میں کتنی بے ادبیاں کی ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ صرف نبی کی بے ادبی کی وجہ سے۔

**تیسرا فائدہ:** اللہ کی غیر خصوصی صفات سے اس کے مخصوص بندوں کو بھی موصوف کر سکتے ہیں اس سے کوئی شرک لازم نہیں آتا۔ یہ فائدہ لفظ حق سے حاصل ہوا تو جس طرح۔ حق اللہ کا نام ہوتے ہوئے بھی۔ غیر اللہ کو حق کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح سمیع۔ بصیر۔ کریم رحیم رؤف۔ نور۔ حاضر و ناظر غیب دان۔ انبیاء کرام خصوصاً آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کہہ سکتے ہیں۔

**اعتراض:** اس آیت پر چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

**پہلا اعتراض:** جب کہ فرعونیوں نے کہہ دیا تھا کہ یہ کھلا جادو ہے تو پھر حضرت موسیٰ نے بطور حکایت کیوں فرمایا کہ کیا یہ جادو ہے۔ (تفسیر کبیر رازی)

**جواب:** حضرت موسیٰ کا آئندہ قول بطور حکایت نہیں بلکہ ان کے سابقہ قول سحر مبین کی تردید ہے۔

**دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ حضرت موسیٰ و ہارون صرف فرعون اور ان کے درباریوں کی طرف آئے حالانکہ حضرت موسیٰ ساری قوم کی طرف مبعوث تھے۔ خصوصاً بنی اسرائیل کی طرف تو ملاء کا ترجمہ صرف درباری کرنا صحیح نہ ہوگا۔

**جواب:** ملاء کا ترجمہ رؤسا اور درباری ہی ہے۔ اسی لئے حضرت سلیمان نے تخت بلقیس کو منگوانے کے وقت اپنے

درباریوں سے خطاب کرتے وقت ایھا القوم وغیرہ کے الفاظ نہ ارشاد فرمائے بلکہ ایھا الملاء ایکم یاتینی۔ فرمایا تو آپ کے درباریوں میں سے ایک انسان ولی اللہ نے آن کی آن میں تخت لا کر رکھ دیا۔ نہ کہ کسی فرشتے نے جیسا کہ بعض دیوبند کے وہابی کہتے فرشتے ملاء میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح یہاں بھی صرف درباری ہی مراد ہیں۔ باقی افراد متبعین تھے اس لئے ان کو تابع کرنے کی حاجت نہ تھی اصل عاجز کو درباریوں کا مطلوب تھا۔ ان کے ایمان کے بعد باقی لوگ خود بخود مومن ہو جاتے۔ کیونکہ وہ ان کے خدام تھے۔

**تفسیر صوفیانہ:** قلب انسانی پر دو ہی کیفیات طاری ہوتی ہیں کبھی رحمانی کبھی شیطانی رحمانی کیفیات بالواسطہ ہوتی ہیں۔ مگر اکثر شیطانی کیفیات بلاواسطہ خودرو جڑی بوٹیوں کی طرح وجود میں آتی ہیں۔ اگر ان کی طرف توجہ نہ دی جائے یا کسی مرشد کا سخت گیر ہاتھ نہ پہنچے تو سرزمین قلب سے ان کا ہٹانا محال ہو جاتا ہے۔ اور صاحب قلب فسق و فجور۔ کفر طغیان کے دلدل میں پھنستا ہوا کثافت قلبی کے میدان میں چلا جاتا ہے۔ جہاں اس کو ہر روشنی۔ تاریکی محسوس ہوتی ہر اچھائی کو برائی۔ ہر نیکی کو بدی ہر معجزے کو فریب نظر سمجھتا ہوا ازلی خواروں میں شامل رہتا ہے اور اسی جاگیر قلب پر فرعون نفس اور اس کے مقل کی آوازیں ایسا تسلط جماتی ہیں کہ پھر کسی موسیٰ و ہارون کی تعلیم ان پر اثر پذیر نہیں ہوتی یہ ان کی انتہائی بدنصیبی ہے کہ محسن کی خوشنودی ان کے لئے ناگوار ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ ہر علم کا کوئی موضوع ہوتا ہے۔ علم نحو کا موضوع کلمہ کلام علم صرف کا مصدر مشتق۔ علم طب اور علم فقہ کا موضوع مختلف طریقوں سے بدن انسانی اور تصوف کا موضوع روح اور قلب انسانی۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ

کہا موسیٰ نے کیا تم کہتے ہو کو حق جب کہ آیا تمہارے پاس کیا جادو ہے یہ اور نہیں

موسیٰ نے کہا کیا حق کی نسبت ایسا کہتے ہو جب وہ تمہارے پاس آیا کیا یہ

هٰذَا ؕ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا

ہوتے کامیاب جادوگر کہا انہوں نے کیا تو آیا ہمارے پاس تاکہ توجہ بدل دے تو ہماری

جادو ہے اور جادوگر مراد کو نہیں پہنچتے بولے کیا تم ہمارے پاس اس

عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِیَآءُ

سے اس پایا ہم نے باپ دادوں کو اپنے اور ہو جائے لئے تم دونوں بڑائی میں

لئے آئے ہو کہ ہمیں اس سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اور زمین

فِي الْأَرْضِ ۖ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ ﴿٧٨﴾

| زمین | اور | نہیں | ہیں | ہم | لیے | تم | دونوں | سے | ایمان | لانے | والوں |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|

میں تمہیں دونوں کی بڑائی رہے اور ہم تم پر ایمان لانے کے نہیں

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں فرعونیوں کا ایک قول ذکر کیا گیا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ کے معجزات کو کھلا جادو کہا اس آیت کریمہ میں اس کی مناظرانہ تردید میں حضرت موسیٰ کے قول کا ذکر کیا۔ کہ اپنے کسی مدلل انداز میں ان کے قول کی تردید فرمائی۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرعونیوں کی ایک بات کا ذکر تھا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ کو نبی نہ مانتے ہوئے محض انکار کی بنا پر معجزات کو قبول نہ کیا۔ اس آیت میں ان کی نہ ماننے کی دو اور وجوں کا ذکر کیا جا رہا ہے خود ان کی زبانی۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرعون اور اس کے گروہ کا اپنے کو بڑا سمجھنے کا ذکر تھا۔ اس آیت کریمہ میں ان کے اس غلط رجحان کا ذکر ہے کہ انبیاء کرام کو بڑا نہ سمجھنا چاہیے۔ حالانکہ یہ لوگ ہی حقیقت میں سب بزرگیوں اور بڑائیوں والے ہوتے ہیں۔

**تفسیر نحوی:** قال موسی ۔ یہ جملہ فعلیہ قولی ہے اس کا مقولہ اگلی عبارت اتقولون سے القولون کا۔ ہمزہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی کیا تم ایسی بے ہودہ بات کہتے ہو جو تم کو نہ کہنی چاہیے تھی۔ یہ بھی جملہ فعلیہ قولیہ ہے اس کا مقولہ پوشیدہ ہے۔ یہاں ماتقولون پوشیدہ ہے۔ یعنی اے بے دینو تم حق کو وہ بات کہتے ہو جو پہلے کہی تم نے۔ للحق حق سے مراد معجزات موسوی ہیں۔ لما جاء کم ۔ لما خبریہ ہے نہ کہ شرطیہ۔ جاتو۔ ماضی مطلق معروف۔ لازم ہے۔ بمعنی آ گیا۔ کم سے مراد یہی مطالبہ کرنے والے فرعونی اسحر ھذا یہ نیا جملہ ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔ ا۔ ہمزہ سوالیہ ہے انکار کے لئے ہذا اسم اشارہ ہے اس کا مشار الیہ حق ہے۔ ولا یفلح الساحرون لا یفلح صیغہ واحد غائب مذکر۔ مضارع منفی بلا۔ فلح سے بنا ہے اس کے چار معنی۔ (۱) چرنا پھٹنا (۲) نجات پانا (۳) کامیاب ہونا (۴) باقی رہنا۔ یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی کامیاب ہونا مقصد پانا۔ الساحرون۔ الف لام بمعنی الذین ہے ساحرون جمع کثرت ہے۔ اس کا واحد ساحر ہے سحر مصدر اور جامد دونوں طرح مستعمل ہے۔ سحر کے زیر سے بمعنی نظر یا عقل کو فریب دینا۔ (۲) طمع کرنا۔ اور سحر س کے زبر سے بمعنی طلوع آفتاب سے پہلے کا وقت۔ اور بمعنی امید اور سینہ۔ جوانمردی۔ یہاں سحر بکسر سین ہے قالوا یہ فرعونیوں کا دوسرا قول ہے۔ اجئتنا ہمزہ سوالیہ۔ جئت۔ ماضی مطلق واحد واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ متعدی ہے۔ مفعول پوشیدہ نا ضمیر جمع متکلم۔ ظرف کے لئے ہے۔ لتلفتنا لام تعلیلیہ ہے تلفت صیغہ واحد مذکر حاضر فاعل حضرت موسیٰ لفت سے بنا۔ لام کے

زبر سے بمعنی دائیں یا بائیں پھیرنا۔ یا بیوقوف بنانا۔ لام کے زیر سے جامد ہے۔ شلجم کو کہتے ہیں۔ یہاں پھیرنا مراد ہے۔ عما وجدنا علیه اباء نا عما۔ دراصل عن ما ہے عن حرف جر اسی کی وجہ سے لف کے معنی پھرنا ہو گئے ورنہ اس کے اصل معنی توجہ کرنا ہیں۔ اسی لئے التفات بمعنی توجہ ہے۔ ما موصولہ سے مراد ان کا خود ساختہ دین ہے آباء نا آباء جمع ہے اب کی بمعنی اصل جڑ۔ دادا باپ چچا کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ وتکون واؤ حرف عطف تکون معطوف ہے لتلفتنا پر اس لئے لام کے ناصبہ کی وجہ سے منصوب ہے۔ کون فعل ناقصہ ہی بمعنی صار یعنی اب ہو جائے لکما لام ملکیت کا ہے کما تثنیہ مذکر حاضر اس کا مرجع حضرت موسیٰ و حضرت ہارون ہے۔ الکبریاء الف لام عہد ذهنی ہے۔ کبریاء یہاں مصدر ہے بمعنی بڑا بننا مراد سرداری یا حکومت مبالغہ کا صیغہ بھی ہے نام ہے اللہ تعالیٰ کا۔ اگر تکون فعل تامه ہے تو یہ اس کا فاعل ہے۔ فی الارض فی بمعنی علی ہے۔ الارض ہے الف عہد ذہنی ہے۔ یعنی مخصوص زمین۔ لفظ ارض کا لغوی ترجمہ برابر کرنا۔ (منجد) وما نحن لکما بمومنین واؤ حالیہ یا مقالیہ یا سر جملہ ما نافیہ نحن ضمیر متصل متصل لکما لام بمعنی علی کما سے مراد موسیٰ و ہارون۔ ب زائدہ ہے مومنین۔ جمع ہے مومن اسم فاعل کی۔

**تفسیر عالمانہ:** جب حضرت موسیٰ مدین سے اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ جانب مصر روانہ ہوئے تو کوہ طور پر آپ کو تبلیغ نبوت کی اجازت عطا ہوئی اور دو معجزے مار عصا اور ید بیضا عطا ہوئے تو اس وقت حضرت موسیٰ کی التجا پر حضرت ہارون کو جو اب تک مصر ہی میں مقیم تھے نبوت ملی جب حضرت موسیٰ رات کے وقت مصر میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے حضرت ہارون سے ملاقات کر کے ان کو تمام حالات سے آگاہ فرمایا دوسرے یا تیسرے دن اللہ رب العزت نے دونوں کو وحی فرمائی کہ جاؤ سرکش فرعون کو ہدایت کی تبلیغ فرماؤ یہ دونوں بزرگ۔ تن تنہا۔ ظالم و سرکش مغرور فرعون کے شاہی دربار میں عین دوپہر کے وقت آئے اور بلا جھجک اپنی نبوت کا اعلان فرمایا فرعونیوں نے آپ سے معجزے کا مطالبہ کیا تو آپ نے دونوں معجزے دکھائے چونکہ اس وقت جادو عام تھا اس لئے اس کو بھی انہوں نے جادو کہنا شروع کر دیا جیسا کہ ابھی پہلے گزرا۔ تب اگلا کلام حضرت موسیٰ نے ادا فرمایا۔ قال موسی اتقولون للحق لما جاء هم یہ قول ہے اس کا مقولہ یعنی کیا کہتے ہو وہ یہاں پوشیدہ ہے۔ حضرت موسیٰ کا یہ فرمان ان کے اس سابقہ دعوے کی تردید ہے آپ نے عظیم عالمانہ فصیحانہ طریقہ پر منطقی استدلال سے ان کی تین طرح سے تردید فرمائی۔ ایک تو یہ جملہ اتقولون (الخ) اور دو جملے آگے آ رہے ہیں۔ اتقولون للحق سے یہاں مراد یہی معجزات نبوت ہیں۔ اس جگہ انه لسحر بطور مقولہ پوشیدہ ہے۔ لما جاء هم یہ لما شرطیہ نہیں جس کے معنی ہوتے ہیں جب بھی بلکہ یہ لما ظرفیہ ہے اس کے معنی ہیں جس وقت جاء کم حضرت موسیٰ کے اس فرمان میں عجیب شان ہے کہ آپ فرما رہے ہیں۔ تمہارے پاس حق آ گیا یعنی ہر طرح اس کو دیکھ سکتے ہو کیونکہ تمہارے پاس ہے جادو کسی کے پاس آتا نہیں وہ تو ایک فریب نظر ہے۔ جس کو آنا فانا دیکھا جا سکتا ہے مگر پرکھا نہیں جا سکتا۔ نہ وہ کسی حقانیت پر ہوتا ہے۔ تو تمہاری جلد بازی کا یہ فیصلہ ہے کہ بلا سوچے اس کو جادو کہہ دیا اسحر ھذا کیا یہ جادو ہے۔ یہ حضرت موسیٰ کا اپنا قول ہے اور یہ دوسرا تردیدی جملہ ہے۔ نہ کہ سابقہ جملے کا مقدمہ جیسا کہ بادی النظر خیال گزرتا ہے۔ آپ کے اس کلام کو سن کر کسی شخص میں اتنی جرأت نہ ہوئی

کہ فوراً کوئی توڑ کرے بلکہ سب پر حیرت طاری تھی اور عجیب خاموشی۔ کیا عجب نظارہ ہوگا جب کہ تمام جابر وظالم ایک طرف اور یہ دو صاحب تم ٹھونک کر میدان میں علم توحید و رسالت گاڑھنے پر مصر ہیں (اللہ اکبر) اور کسی میں اس کے الزامی جواب کا یارا نہیں۔ پھر کچھ دیر بعد ارشاد فرمایا **و لا یفلح الساحرون** یہ تیسرا تردیدی جملہ ہے۔ یعنی اے لوگو مقام غور ہے کہ کبھی جادوگر بھی اس طرح شان و شوکت رعب و ہیبت بے خوف و خطر جابر حاکم کے مقابل آ سکتا ہے اور اس کے تمام قول و فعل کردار و عقائد کو غلط اور جھوٹا کہہ سکتا ہے۔ کسی جادوگر کی بھی کبھی اتنی ہمت و جرأت دیکھی ہے۔ جادوگر کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو اتنی بے باکی سے اپنے کمال نہیں دکھا سکتا آج نہیں تو کل رسوا و ذلیل ہو جائے گا اور پھر جادوگروں کے مقابلے میں کبھی اپنا جادو نہ چلائے گا نہ اس کو علم غیب ہوگا۔ اس کو خطرہ ہوگا کہ کہیں میرا جادو توڑ کر کوئی بر سر عام مجھ کو رسوا نہ کر دے۔ لیکن یہاں ان میں سے کوئی بات نہیں ہم کو اسباب کا علم غیب ہے کہ ہم نے ہی کامیاب و کامران ہونا ہے اور نہ ماننے والوں نے رسوا ہونا ہے کیونکہ ہمارا مقصود صرف تم بے دینوں کو ہدایت دینا ہے۔ اتنے کلام کے باوجود کوئی شخص ان کی دلیل کو علمی اور عملی طور پر نہ توڑ سکا اور باطنی طور پر سب نے جان لیا کہ حضرت موسیٰ کامیاب ہو رہے ہیں۔ لیکن صرف شرمندگی مٹانے کے لئے چند سرکردہ لوگوں نے کہا کہ **قالوا اجئتنا لتلفتنا عما وجدنا علیه اباء نا** یہ رؤسا فرعون کے چند کا قول ہے جس سے وہ ظاہراً تو حضرت موسیٰ کی بات پر ایمان نہ لانے کی دو وجہیں بیان کر رہے ہیں ایک یہ کہ ہم تم پر ایمان اس لئے نہیں لاتے کہ تم ہم کو ہمارے باپ دادوں کے عقیدوں سے پھیرنا چاہتے ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ فرعون اور اس کے درباری اپنے اس دعوے کو ثابت نہ کر سکے جو انہوں نے معجزات کو جادو کہہ کر کیا تھا۔ بلکہ در پردہ حضرت موسیٰ کی بعثت کے مقصد کی وضاحت کر رہے ہیں کیونکہ واقعی حضرت موسیٰ اسی لئے نبوت سے سرفراز ہو کر تشریف لائے تھے کہ فرعون اور بت پرستی سے ہٹا کر خدا پرستی کی طرف لگا دیں۔ **قالوا** اس کا فاعل چند درباری ہیں۔ **اجئت** یہ فعل لازم ہے اس کا فاعل حضرت موسیٰ ہیں۔ اگرچہ حضرت ہارون بھی وہاں موجود تھے مگر وہ صرف بطور تعاون تھے۔ معجزات اور یہ سب دلیرانہ کلام حضرت موسیٰ نے ہی کیا۔ لہٰذا فرعونیوں نے اس وقت انہیں سے خطاب کیا۔ **نا**۔ سے مراد۔ مع فرعون سب کافر ہیں۔ جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ فرعون باوجود اپنے کو معبود کہلانے اور اپنی پرستش کرانے کے خود بھی بت پرست تھا اور ان درباریوں کا عقیدہ بت پرستی دو نے تھے۔ کیونکہ آباء کے وقت تو فرعون کا وجود نہ تھا۔ فرعون پرستی تو اب شروع ہوئی ہے اور فرعون صرف خدا پرستی کے مخالف تھا نہ کہ بت پرستی کے۔ یہ ان فرعونیوں کی انتہائی بے وقوفی تھی کہ اس فرعون کو معبود سمجھتے رہے جو خود بتوں کو سجدہ کر رہا ہے **لتلفتنا**۔ **لفت** سے بنا ہے۔ بمعنی ایک طرف سے توجہ ہٹا کر دوسری طرف توجہ کرنا۔ اسی سے ہے التفات۔ یہاں مراد ہے ایک طرف سے دل ہٹا کر دوسری طرف لگانا۔ اگر حرف فی سے ہو تو معنی ہیں کسی میں توجہ کرنا یعنی اس کی طرف ہونا اس کی سننا اس سے دل لگانا اگر حرف عن سے ہو تو معنی ہیں کسی سے توجہ کرنا یعنی اس سے منہ یا دل پھیر لینا اس سے نفرت کرنا حرف عن کی وجہ سے ہے یہاں یہی معنی بنتے ہیں۔ **ما** موصولہ سے مراد دین مذہب ہے۔ **وجدنا**۔ یعنی تاریخوں سے پڑھا یا سنا اپنے موجودہ بڑوں سے کہ ہمارے خاندانی چھوٹے بڑے سب اسی بت پرستی کے عقیدے پر رہے اسی پر مرے لہٰذا یہی راستہ اور عقیدہ درست

ہے وہ وہم سے زیادہ ذی عقل اور سمجھ دار تھے۔ وہ اچھے برے کو سمجھتے تھے خیال رہے کہ عقل انسانی دنیا کے لئے پیدا کی گئی اس کو صرف دنیا کے حصول یا اس سے بچنے کے لئے صرف کرو حصول ایمان کے لئے عقل ناکارہ ہے نہ اس کے لئے عطا ہوئی اس کو ایمان کے لئے استعمال نہ کرو۔ جیسے ہاتھ پکڑنے کے لئے۔ پاؤں چلنے کے لئے اگر الٹ استعمال کرو گے زخمی اور ناکام ہو جاؤ گے۔ اسی طرح عقل کو دین میں لاؤ گے تو تباہ و گمراہ ہو جاؤ گے۔ یہاں تو تعلیم نبوت لازم ہے۔ علیہ۔ علی بمعنی فی ظرفیت ہ سے مراد وہی دین آباء نا کا لفظی ترجمہ باپ دادے مراد سب پرانے فوت شدہ خاندان والے۔ ثابت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارا دین نیا دین خود ساختہ نہیں بلکہ پرانا ہے اور دین چونکہ پرانا ہی اچھا ہوتا ہے اس لئے ہمارا دین اچھا اور درست ہے اور اے موسیٰ تم ہم کو اچھی چیز سے ہٹا رہے ہو اس لئے ہم تمہاری بات نہ مانیں گے خواہ تم ہم کو سچے معجزے ہی کیوں نہ دکھاؤ اور یہ سب کچھ تم کیوں کر رہے ہو کہ تکون لکما الکبریا فی الارض یہ فرعونیوں نے اپنے ایمان نہ لانے کی دوسری وجہ بیان کی کہ ہم اس لئے تم کو سچا نبی تسلیم نہیں کرتے کہ تمہارا یہ کام خلوص پر مبنی نہیں بلکہ تم دونوں صرف یہ چاہتے ہو کہ تمہاری حکومت اور بادشاہت قائم ہو جائے اس لئے جادو کے یہ کرشمے دکھا کر لوگوں کو اپنے ساتھ ملانا چاہتے ہو۔ تکون فعل ناقصہ کو تامہ کیا گیا ہے لکما۔ لام ملکیت کا ہے اور کما ضمیر سے دونوں حضرت موسیٰ و ہارون مراد ہیں۔ الکبریاء بمعنی عظمت مراد بادشاہی ہے مسبب بول کر سبب مراد لیا یا ملزوم بول کر لازم مراد ہے کیونکہ بادشاہی سبب ہے کبریائی کا۔ فی الارض فی حرف جار ارض مجرور۔ یا متعلق ہے تکون سے مصدر سے۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔ مراد زمین مصر ہے وما نحن لکما بمومنین۔ یہ علیحدہ جملہ تمام سابقہ عبارت کے نتیجہ کے طور پر ذکر کیا گیا یعنی اس تمام حیل و حجت بحث مباحثہ کا مقصد یہ ہے کہ ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ واؤ رابطے کے لئے ہے۔ ما۔ نافیہ ہے۔ لکما لام بمعنی علی یعنی تم دونوں پر۔ بمومنین بعضیت کی ہے مومنین۔ تصدیق کرنے والے۔ ایمان سے مشتق ہے۔ اصطلاحی ترجمہ ہے دل اور زبان سے بیک وقت ماننا۔ اس تمام آیت میں اجئتنا اور لتلفتنا واحد مذکر حاضر کے صیغے ہے جس سے صرف موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں اور اگلی عبارت میں۔ دونوں جگہ لکما تثنیہ مذکر حاضر کی ضمیر ہے اس میں عجیب حکمت ہے جو اعتراضات میں بیان کی جائے گی۔

**خلاصہ تفسیر**: جب فرعون و آل فرعون نے حضرت موسیٰ کے معجزات کو جادو کہہ کر ایمان لانے سے انکار کر دیا تب حضرت موسیٰ نے فرعونیوں سے فرمایا کہ کیا تم اتنے بڑے ظاہر حق کو جادو کہتے ہو حالانکہ وہ بالکل تمہارے قریب آ چکا ہے۔ غور تو کرو کیا یہ جادو ہو سکتا ہے اور پھر دیکھو ہم کتنے کامران و شادمان تمہارے پاس تن تنہا آ گئے۔ بھلا جادوگر بھی کبھی اس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں فرعونیوں نے لاجواب ہو کر کہا۔ کیا تم اس لئے نہیں آئے کہ ہم کو ہمارے باپ دادوں بزرگوں کے دین سے پھیر دو اور تم دونوں بھائی۔ ہمارے فرعون اور ہماری سلطنت ختم کر کے خود اس ملک کے بادشاہ بن بیٹھو ہماری عقل تو یہی کہتی ہے کہ تم نبی نہیں ہو نہ تمہاری کوئی اچھی نیت ہے بلکہ صرف بادشاہی چاہتے اور ہمارا دین خراب کرنا چاہتے ہو۔ اس لئے ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے۔

**فائدے**: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** اہل اللہ خصوصاً انبیاء کرام کے افعال و اقوال کو اپنی عقلوں سے نہ جانچو بلکہ بلا سمجھے ان کی باتوں کی تصدیق کرو۔

**دوسرا فائدہ:** جادو کرنا کفر ہے۔ کیونکہ جادوگر دنیا و آخرت میں ناکام ہے اور یہی حال قرآن کریم نے کافروں کا بتایا چنانچہ سورہ مومنون آیت نمبر ۱۱۷ میں ارشاد ہے۔ فانما حسابه عند ربه انه لا يفلح الكافرون۔ مومن خواہ کیسا ہی ہو ناکام نہیں ہے۔

**تیسرا فائدہ:** دین کی اچھائی برائی کے لئے پرانا یا نیا ہونا شرط نہیں۔ دین وہی بہتر ہے جو نبی علیہ السلام کے واسطے سے میسر ہو۔ تمام دین جن میں عقل انسانی یا افعال انسانی کو دخل ہو وہ سب باطل ہیں خواہ کتنا ہی پرانا ہو۔

**چوتھا فائدہ:** انبیاء کرام کائنات کے تمام علوم کے ماہر ہوتے ہیں اور ہر چھوٹے بچے۔ کھوٹے کھرے کو پہچانتے ہیں منطق فلسفی استدلات کو بھی جانتے سمجھتے اور سائنسی فارمولوں جادوگری کی فریب کاریوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں نہ کسی کو دھوکا دیتے ہیں نہ کسی سے دھوکا کھاتے ہیں۔

**پانچواں فائدہ:** سچی عظمت و کبریائی۔ بادشاہت و حکومت انبیاء کرام۔ اہل اللہ اور علماء کرام کی ہے۔ دنیا کی چند روزہ حکومت و سرداری جھوٹی ہے اس لئے اللہ والے اس کی طلب نہیں کرتے۔

**چھٹا فائدہ:** یہ ضروری نہیں کہ حق کی تبلیغ پر سب ہی ایمان لائیں۔ ایمان نہ لانے سے علماء و مبلغین اسلام کو رنجیدہ دل ہو کر پریشان ہونا چاہئے۔ بلکہ تبلیغ جاری رکھو کوئی مانے نہ مانے۔ تبلیغ کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ہمارے مرید یا مقتدی یا شاگرد یا معتقد بنیں بلکہ۔ صرف اللہ رسول کو رضا و محبت کے لئے تبلیغ کرو۔ یہ فائدہ وما سحن سے حاصل ہوا دیکھو بعض انبیاء کرام کی امت میں ایک شخص بھی داخل نہ ہوا مگر ان اللہ کے پیاروں نے تبلیغ نہ چھوڑی۔ خود موسیٰ علیہ السلام پر ایک قبطی بھی ایمان نہ لایا مگر آپ نے ان کے غرق ہونے تک ان کو تبلیغ کی۔

**اعتراضات:** اس آیت کریمہ پر چند اعتراض پڑتے ہیں۔

**پہلا اعتراض:** یہ کیا وجہ ہے کہ یہاں تو اجئتنا لتلفتنا واحد مذکر حاضر کے صیغے بولے گئے پھر آگے دونوں جگہ لکما تثنیہ کی ضمیر ارشاد ہوئی پہلے صیغوں میں صرف حضرت موسیٰ سے خطاب ہے دوسرے الفاظ میں حضرت موسیٰ و ہارون دونوں مراد ہیں یہ افتراق کیوں؟

**جواب:** چونکہ معجزات بھی حضرت موسیٰ نے ہی دکھائے اور ہدایت دین اسلام بھی آپ نے ہی کی تھی اور یہ ساری سوال جواب کی گفتگو آپ نے ہی فرمائی اس لئے یہاں واحد کا صیغہ بولا گیا اور صاحب شریعت آپ ہی تھے حضرت ہارون آپ کے معاون تھے اس لئے لتلفتنا یعنی باپ دادوں کے دین سے پھیرنا آپ ہی کا کام تھا۔ مگر بادشاہی سلطنت وغیرہ دنیاوی چیزوں کا تعلق دونوں سے تھا۔ اس طرح ایک کو ماننا گویا دونوں کو ماننا تھا لہٰذا لکما دونوں جگہ ارشاد ہوا۔

**دوسرا اعتراض:** آل فرعون۔ فرعون کے پجاری تھے اور فرعون کی عمر اس وقت ۷۵ سال تھی۔ باپ دادا نے زمانہ گزشتہ

میں مر چکے تھے تو انہوں نے دین کی نسبت اپنے آباء کی طرف کیوں کی۔ فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا یہ سب صبح و شام اس کو سجدے کرتے تھے۔ باپ دادوں کا دین بت پرستی ہوگا مگر ان کا دین فرعون پرستی۔ دین آباء سے تو یہ پہلے ہی پھر چکے تھے۔ اب کیوں کہا الفینا (الخ)

جواب: اس کا جواب تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہ لوگ عام بت پرستوں کی طرح صرف بت کے ہی پجاری نہ تھے بلکہ ہر بڑی اور عجیب چیز کو معبود کہہ دیتے تھے جیسے ہندوستان کے ہندو کہ بتوں کے بھی پجاری ہیں اور ناگ دیوتا پیپل دیوتا۔ گاؤ ماتا سب کے پجاری ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ بت پرست بھی تھے اور فرعون پرست بھی تھے اور دین آباء سے صرف بت پرستی مراد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بے شمار معبود ماننا ہی باپ دادوں کا دین تھا بلکہ مشرکوں کے معبودوں کی ہر روز ہی تعداد بڑھتی ہے ایک سچے رب تعالیٰ کو سجدہ چھوڑنے کی سزا کیا ملی کہ کروڑہا دروازوں پر سجدہ کرنا پڑا۔ شعر۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزاروں سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں دو قسم کے دین ہیں ایک دین فطرت عقلی۔ دین فطرت انبیاء کرام کے قول و فعل ہیں عقلی دین انسان کی اپنی اختراع۔ دین فطرت کی ابتدا عالم جبروت سے اور انتہا عالم لاہوت پر ہے۔ بندہ مومن۔ طائر لاہوتی ہے۔ دین عقلی کی ابتدا انتہا دونوں عالم ناسوت ہیں۔ دین فطرت حق اور مضبوط ہے۔ دین عقلی محض فریب نظر۔ دین عقلی ہر در پر بھکاری جو متوکلین کے مشرب کے خلاف ہے اور دین فطرت راہ توکل پر کھڑا کرنے والا۔ دین عقل مثل جادو کے ہے اور لا یفلح الساحرون۔ شعبدے باز کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ اے مشرب صوفیا اور لبادۂ فقرا کو اپنانے والو فریب نظر سے نہ دھوکہ دینا نہ دھوکہ کھانا تاکہ منزل مراد پر پہنچ کر حقیقت کو پالو۔ اور اس عقلی فریبوں کی دنیا سے کامیاب لوٹو۔ واللہ اعلم۔

| وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا |
| --- |
| اور کہا فرعون نے لاؤ تم میرے پاس کو ہر جادوگر علم والے پس جب |
| اور فرعون بولا ہر جادوگر علم والے کو میرے پاس لے آؤ پھر |
| جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ |
| کہ آئے سب جادوگر فرمایا کو ان موسیٰ نے ڈالو تم جو تم ڈالنے |
| جب جادوگر آئے ان سے موسیٰ نے کہا ڈالو جو تمہیں ڈالنا |
| مُّلْقُوْنَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ |
| والے ہو پھر جب کہ ڈالا انہوں نے فرمایا موسیٰ نے وہ جو لائے تم کو جس |
| ہے پھر جب انہوں نے ڈالا موسیٰ نے کہا یہ جو تم لائے |

بِهِ السِّحْرُ ۙ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ

جادو بیشک اللہ عنقریب باطل کرے گا اس کو بیشک اللہ نہیں درست ہونے

یہ جادو ہے اب اللہ اسے باطل کردے گا اللہ مفسدوں کا

عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ

دیتا عمل فسادیوں کا اور ثابت کرتا ہے اللہ حق کو سے

کام نہیں بناتا اور اللہ اپنی باتوں سے حق کو حق کر

وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

کلموں اپنے اگرچہ ناپسند کریں مجرم

دکھاتا ہے پڑے برا مانیں مجرم

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں واقعات موسیٰ و فرعون کا ایک پہلو مذکور تھا اس آیت پاک میں دوسرا نتیجہ خیز پہلو مذکور ہوا۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرعون کے ناکام ہونے لاجواب ہونے کی ایک صورت ذکر ہوئی تھی اس آیت میں اس کے جھوٹا اور ناکام ہونے کی دوسری وجہ بیان ہو رہی ہے کہ باوجود خدائی کا دعویٰ کرنے کے پھر بھی خود کوئی مقابلہ نہ کر سکا بلکہ دیگر جادوگروں کا سہارا پکڑا۔ اتنا کمزور ہوا مگر درباریوں کی ضد اور حماقت کہ اب بھی اس کو خدا سمجھ رہے ہیں۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت پاک میں موسیٰ علیہ السلام کے قول و فعل کا ذکر تھا اس آیت میں آپ کے عملی فتح کا ذکر ہے۔

**تفسیر نحوی:** وقال فرعون لفظ واؤ عاطفہ نہیں بلکہ سر جملہ ہے۔ جو بیان جزا کے لئے جملوں کے شروع میں آتی ہے بخلاف عطف کے کہ وہ ہمیشہ درمیان کلام میں وارد ہوتا ہے۔ قال ماضی ہے قول سے مشتق ہے۔ مطرد کا پہلا باب ہے۔ اس کا فاعل فرعون ہے۔ لفظ فرعون اس زمانے میں ہر شاہ مصر کا شاہی اور ملکی لقب ہوتا تھا۔ یہ لفظ فوعن سے بنا۔ رباعی ہے اس کا لفظی ترجمہ ہے مکار فریبی، شریر، جابر۔ (منجد عربی) فرعون۔ فعلول کے وزن پر مبالغہ رباعی ہے۔ ائتونی صیغہ امر جمع مذکر حاضر اتیی سے بنا بمعنی بلا لوتم۔ نی میں نون وقایہ۔ یا متکلم کی ضمیر متصل۔ بکل ب معنی مفعولیت کی ہے۔ کل مضاف ہے قضیہ موجبہ کلیہ کے مفہوم میں ہے۔ سحر لفظاً واحد ہے معنی جمع ہے۔ علیم، بالغ کا صیغہ ہے۔ یعنی زیادہ اور کامل علم والا۔ یہاں جادوگر کافروں کی صفت ہے۔ فلما ف خبریہ۔ لما ظرفیہ بمعنی جس وقت جاء ماضی سے جملہ خبریہ ہے۔ السحرۃ جمع ہے ساحر کی الف لام استغراقی یعنی آگئے تمام جادوگر قال کا فاعل لفظ موسیٰ۔ لھم میں لام حرف جر مفعولیت کا ہے القوا فعل امر حاضر معروف۔ یہ

امر اہانت کے لئے ہے۔ ما انتم ما اسم موصول۔ اگلا جملہ اس کا صلہ ہے دونوں مل کر القو کا مفعول بہ ہے۔ فلما القوا ف خبر یہ لما ظرفیہ۔ القو۔ مخبر عنہ قال موسی۔ القو القاء سے بنا۔ قال قول سے بنا اجوف وادی ہے یہ حضرت موسیٰ کے قول کی نقل فرمائی گئی۔ ما جئتم بہ السحر اس جملے میں نحویوں کے تین اختلاف ہیں ایک قول یہ ہے کہ ما موصولہ ہے اور جئتم بہ۔ جملہ فعلیہ اس کا صلہ ہو کر مبتدا السحر ما مبتدا کی خبر ہے۔ اور السحر میں الف لام لام عہد ذہنی ہے کیونکہ اس سے پہلے ان ھذا لسحر آ چکا ہے یہ اسی طرف اشارہ ہے۔ مگر یہ اس لئے غلط ہے کہ الف لام عہدی میں اتحاد ذاتی شرط ہے جیسے کہ ارسلنا الی فرعون رسولا فعصی فرعون الرسول۔ یہاں لفظ رسول میں دونوں جگہ اتحاد ذاتی ہے اس لئے یہاں الرسول کا الف لام عہدی ہو سکتا ہے۔ مگر لسحر اور السحر میں اتحاد ذاتی نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ عبارت دو علیحدہ جملے ہیں۔ پہلا جملہ ما جئتم بہ اور دوسرا جملہ السحر یہاں ھو مبتدا پوشیدہ ہے کہ اصل میں تھا ھو لسحر۔ ان اللہ۔ حرف تحقیق ہے جو شک کو دور کرنے کے لئے لایا جاتا ہے مگر یہاں تاکید کلام اور مضبوطی شدت کے لئے ہے۔ لفظ اللہ اس کا منصوب اسم ہے سیبطلہ یہ پورا جملہ فعلیہ ان کی خبر ہے۔ سین تاکید کی زیادتی کے لئے ہے یبطل۔ بطل سے بنا باب افعال کا مضارع معروف بمعنی مستقبل ہے۔ بطل کے چار معنی ہیں (۱) مٹا دینا (۲) بیکار اور فضول کر دینا۔ (۳) چیز باقی مگر اثر ختم ہو جانا (۴) دیر پا نہ رہنا۔ یہاں یہ دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ اس کا فاعل ذات باری تعالیٰ ہے ہ سے مراد یہ جادو ہے یا عام جادو۔ ضمیر منصوب متصل ہے کیونکہ مفعول بہ ہے۔ ان اللہ۔ یہ ان بھی تاکید کے لئے ہے دوبارہ شدت تاکید کے لئے ہے لا یصلح۔ صلح سے بنا۔ باب افعال کا فعل حال منفی ہے۔ اس کا فاعل بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ جملہ پہلے جملے کا سبب ہے صلح کے تین معنی ہیں (۱) موافقت کرنا (۲) درست اور قائم رکھنا (۳) دو ٹوٹے ہوؤں کو درست بنانا۔ یہاں پہلے دو معنی بن سکتے۔ عمل المفسدین یہ عبارت مرکب اضافی ہے عمل مضاف المفسدین مضاف الیہ یہ پورا مرکب لا یصلح کا مفعول بہ ہے۔ عمل سے مراد ہر وہ کام ہے جو نقصان پہنچانے یا دین الہٰی کے مقابل ہو۔ المفسدین میں الف لام استغراقی ہے کیونکہ مفسدین جمع ہے۔ یہ فساد سے بنا ہے جس کے معنی ہیں اپنے نفع کے بغیر دوسروں کا نقصان کرنا جس کو خبیث یا موذی بھی کہا جاتا ہے ویحق اللہ۔ یحق باب افعال کا مضارع معروف حق مضاعف ثلاثی سے بنا بمعنی قائم و دائم اور غالب رکھنا۔ اس کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے الحق سے مراد انبیاء کرام کے افاعل طیبہ۔ الف لام جنسی ہے۔ بکلمتہ ب ؟؟؟ ہے کلمات کلمہ کی جمع ہے مراد اللہ کی قدرتیں۔ ہ ضمیر مجرور مضاف الیہ اس کا مرجع ذات باری تعالیٰ۔ ولو کرہ المجرمون۔ واؤ وصلیہ ہے یہ ہمیشہ حرف ان یا حرف لو کے ساتھ آتا ہے۔ اور ترجمہ ہے اگر چہ کرہ۔ مطرد کے تیسرے باب کا ماضی مطلق معروف ہے کرہ سے بنا ہے بمعنی ناپسند کرنا۔ المجرمون الف لام عہدی ہے مجرم سے مراد کافر ہے۔

**تفسیر عالمانہ:** وقال فرعون ائتونی بکل ساحر علیم۔ جب فرعون اور فرعونی تو لی دلائل میں حضرت موسیٰ سے شکست کھا گئے تو اپنی ضد اور عناد پالنے کے لئے اور دوسری طرح اپنی برتری قائم رکھنے کے لئے اپنے درباریوں اور روساء کو فرعون نے حکم دیا کہ ائتونی بکل ساحر علیم میرے پاس سب علاقوں کے جادوگر جمع کرو اور چھوٹے موٹے جادوگر نہیں

بلکہ علیم۔ بہت بہت زیادہ ماہر ولائق تجربے کار حمزہ اور کسائی جیسے قرأ حضرات کی قرأت میں سحار ہے یعنی بہت ہی بڑے بڑے جادوگر سحار مبالغے کا صیغہ ہے۔ اس حکم کے پاتے ہی مصری قبطی فوج کے ہرکارے دوڑ پڑے فرعون نے اسی مجلس میں تین ماہ کی تاریخ اور مصر سے ۱۰ میل دور اسکندریہ کا مقام سمندر کے کنارے مقرر کر دیا تھا کہ آج سے تین ماہ بعد وہاں ہی مقابلہ ہوگا۔ بے شمار جادوگروں کو پیغامات دیئے گئے فلما جاء السحرة جب جادوگر آ گئے تفسیر صاوی نے فرمایا اسی ہزار جادوگر تاریک مقررہ پر جمع ہوئے اور ان کی سواری کے اسی ہزار گھوڑوں اونٹوں کے علاوہ تین سو اونٹ وہ تھے جن پر ان کے جادو وغیرہ کا سامان لدا ہوا تھا اللہ اکبر یہ ہے فرعون کے دل میں ہیبت کلیم علیہ السلام مجمع لگ گیا اور سارا اجتماع چار حصوں میں تقسیم ہوا پہلا گروہ فرعون اور درباریوں کا تخت شاہی پر دیگر تماشائی زمین پر میدان کے ایک طرف اسی ہزار جادوگر بوڑھے اور جوان۔ میدان کے دوسری طرف صرف دو صاحب حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام۔ خیال رہے کہ وقال فرعون میں اگرچہ ابتداء حرف واؤ ہے جو ترتیب کو نہیں چاہتا مگر باعتبار قرینے کے یہاں ترتیب ملحوظ ہے کیونکہ فرعون کا یہ قول پچھلے مکالمے کے بعد ہے۔ تفسیر صاوی کا۔ بوجہ واؤ۔ ترتیب کا انکار درست نہیں دیکھو آیت وضو میں باوجود واؤ کے۔ ترتیب مستحسن ہے۔ حالانکہ واؤ وہاں بھی ترتیب کا متقاضی نہیں اسی طرح یہاں ترتیب ہے مگر واؤ سے نہیں۔ جب یہ سب کائنات کا انوکھا اجتماع ہو گیا کہ دنیا نے اس سے پہلے ایسا مجمع نہ دیکھا اسی اہتمام کو ظاہر کرنے کے لئے رب تعالیٰ نے اس جادو کے مقابلے کا چار سورتوں میں ذکر فرمایا سورۂ اعراف سورۂ یونس یہی مقام سورۂ طٰہٰ، سورہ شعراء۔ تب فرمایا قال لهم موسى القوا ما انتم ملقون۔ سب انتظامات مکمل ہونے کے بعد پہلا کلام حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ اے جادوگرو پھینکو جو جادو کا شعبدہ پھینکنا چاہتے ہو القوا۔ القاء سے بنا ہے جس کے معنی زمین پر پھینکنا جس سے وہ چیز نظر آتی رہے اور ثابت رہے ٹوٹے پھوٹے نہ۔ طرح کے معنی پھینکنا جس سے وہ چیز ٹوٹ پھوٹ کر نظر سے اوجھل ہو جائے آپ کا یہ فرمان جادو کی تحقیر کرنا مراد ہے نہ کہ جادو کی اجازت دینا۔ خیال رہے کہ جادو۔ دو قسم کا ہے۔ ایک نقصان وہ جس کی کچھ نہ کچھ حقیقت ہوتی ہے اگرچہ دوام نہ ہو یہی اصل سحر ہے دوسرا شعبدہ جو صرف فریب نظر ہوتا ہے اس کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی پہلا جادو خود انسان پر وارد کیا جاتا ہے دوسرا جادو چیزوں پر اس لئے حضرت موسیٰ نے القوا فرمایا نہ کہ اوودا اس سے حضرت موسیٰ کا علم غیب بھی ثابت ہوا کہ آپ نے بذریعہ غیب جان لیا کہ یہ جادوگر اپنی چیزوں کو زمین پر پھینک کر شعبدے دکھائیں گے اس لئے آپ نے یہ کلام کیا یہ سن کر جادوگر نے جوابا کہا کہ آپ پھینکیں گے کچھ یا ہم ہی پہل کریں آپ نے فرمایا۔ بلکہ تم لوگ ہی پہلے پھینکو اس کا ذکر سورہ طٰہٰ میں ہو چکا۔ پہل ان سے کرائی دو وجہ سے ایک اس لئے کہ حضرت موسیٰ تو اپنے معجزے پہلے دکھا ہی چکے تھے اگرچہ سب نے نہ دیکھے مگر اصل منکروں نے دیکھے ہوئے تھے دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کے جادو کا توڑ کرنا تھا نہ کہ فقط معجزہ دکھانا نبی کا معجزہ دکھانا یا یا کافر کے مطالبے پر ہوتا ہے یا کفر کو توڑنے اور تبلیغ کے لئے۔ پہلی دفعہ معجزہ دکھانا مطالبے پر تھا اب ان کے جادو کو جو شعبدے کی شکل ظاہر ہونے والا تھا اس کو توڑنا مقصود تھا اور توڑی وہ چیز جاتی ہے جو موجود ہو۔ اس لئے آپ نے اس کا کفر کا حکم دیا۔ جیسے کوئی شخص اس نیت سے بت خریدے یا طلب کرے کہ اس کو توڑے۔ اگرچہ شعبدے والا جادو بعض فقہاء کے

نزدیک کفر نہیں مگر یہاں یہ شعبدہ بھی کفر ہے کہ کفر کی تائید میں اور نبی کے مقابلے میں ہے۔ فلما القوا قال ماجئتم به السحر ۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ہی شروع کرو تو انہوں نے کوئی منتر پڑھا جس سے ان کے بانس لاٹھیاں رسیاں سب چھوٹے بڑے سانپوں کی طرح رینگنے لگے۔ فرعونی خوش ہوئے مگر نیچے بیٹھے ہوئے لوگ ڈر گئے حضرت موسیٰ نے تو سمجھ لیا کہ یہ کیا کچھ ہے چونکہ قائل تو لوگوں کو کرنا تھا اس لئے کچھ اندیشہ ہوا کہ لوگ میرا العصا کا سانپ دیکھ کر جادو اور معجزے میں فرق نہ کر سکیں۔ اور مقصد نبوت حاصل نہ ہوگا مگر رب نے تسلی دی کہ فکر نہ کرو دیکھو رب تعالیٰ کیا کرتا ہے۔ یہ اندیشہ بھی صرف آپ کے دل میں ہوا جس کو صرف رب نے ہی جانا نہ جھجک ہوئی نہ گھبراہٹ۔ جیسا کہ تفسیر مواہب الرحمان والے نے غلطی کھائی۔ شعبدہ لوگوں کی نگاہوں کو تو متحیر کر سکتا ہے مگر نگاہ نبی کو تعجب نہیں دے سکتا اس لئے آپ نے زوردار الفاظ میں فرمایا کہ ماجئتم به السحر یہ ہی جادو ہے جو تماشہ تم لائے۔ نہ کہ وہ معجزہ جس کو فرعون نے جادو کہا۔ ان الله سیبطله یہ پچھلے دعوے کی دلیل ہے کہ یہ تمہارا کام جادو ہے کیونکہ ابھی ابھی عنقریب لوگوں کے دیکھتے دیکھتے میرا اللہ اس کو تباہ و برباد کر دے گا۔ بخلاف میرے معجزے کے کہ اس کو تمہارا یہ آخری حربہ بھی ختم نہیں کر سکتا اور اللہ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ اگر بقول فرعون میرا معجزہ بھی سحروں کی طرح سحر ہوتا تو اتنے بہت سارے جادوگر اس کو ختم کر ڈالتے اور اللہ بھی اس کی حفاظت نہ فرماتا اس لئے کہ ان الله لا يصلح عمل المفسدين یہ عبارت پچھلے کلام کی علت بھی ہو سکتی ہے۔ لایصلح کا معنی درست نہیں ہونے دیتا اس سے راضی نہیں ہوتا اور مٹا دیتا ہے کہ نام ونشان بھی باقی نہ رہے۔ عمل المفسدين یا جنس عمل مراد ہے یعنی مطلقاً فسادیوں کے کام خواہ جادوگر یا فرعون یا فرعونی یا دنیا کا کوئی بھی فسادی شخص۔ فساد ہر وہ کام ہے جس سے اسلام یا مسلمانوں کو نقصان پہنچے اور دین میں خرابی پیدا ہو۔ وہ کام خواہ مسلمان سے سرزد ہو یا کافر منافق سے والله الحق بکلمته ۔ اور اللہ تعالیٰ حق کو قائم و دائم فرماتا ہے۔ یہ جملہ عطف ہے پہلے جملے پر۔ اور اگر لایصلح کا معنی۔ ناراضی ہوں تو یہ جملہ نتیجہ بنے گا ماسبق کا۔ کیونکہ حق کی تقویت و بقاہی فساد و باطل کی فنا ہے بکلماته میں چند احتمال ہیں اس سے مراد یا معجزات انبیاء کرام ہیں۔ یا خود انبیاء کرام ہیں یا تقدیری فیصلہ ربانی یا رب تعالیٰ کے وہ وعدہ کرم جو انبیاء کرام سے فرمائے۔ بہر حال اپنے اپنے مقام پر سب معنی درست ہیں ولو کره المجرمون اگرچہ کافر نا پسند کریں کیونکہ کافر لوگ نبی ولی کی شان اسلام کی عزت کو پسند نہیں کرتے بلکہ ہر طرح روکنے اور مٹانے کی کوشش کرتے ہیں یہاں مجرم سے مراد کافر ہیں (اکثر تفاسیر) کیونکہ مومن یا مسلمان چاہے کتنا ہی گنہگار ہو مگر عظمت وشان انبیاء کو ناپسند نہیں کرتا۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** اس قصہ فرعونی کو یہاں اس لئے بیان کیا گیا تا کہ بتایا جائے کہ جس طرح فرعون اور جادوگروں نے اب سمجھ لیا کہ حضرت موسیٰ اور ان کے معجزات خدائی چیزیں ہیں اسی طرح مکہ کے کافروں نے عقلاً سمجھ لیا ہے کہ آیات قرآنیہ کلام رب ہے اور جس طرح باوجود حقیقت کو سمجھنے کے پھر بھی عناداً فرعون نے ان کو جادو ہی کہا اسی طرح ابوجھل وغیرہ نے عناداً قرآن کریم کو جادو کا کلام اور نبی کریم کو صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر ہی کہا۔ اور جس طرح فرعون کے جادوگر معجزات دیکھ کر سمجھ

گئے کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ نبوت کا معجزہ ہے اور مرعوب ہو کر ایمان لے آئے مگر فرعون نے کہا کہ تم سب پہلے ہی حضرت موسیٰ سے مل گئے ہو بلکہ یہ موسیٰ تمہارا بڑا استاد جادوگر ہے اسی طرح عرب کے فصحاء بلغاء شعراء فصاحت قرآنی سے مرعوب ہو کر ماھذا کلام البشر کا نعرہ مار کر مومن ہو گئے تو ان ابوجہل وغیرہ نے بجائے ہدایت لینے کے اپنے بلائے ہوئے ان مہمانوں پر زبان طعن دراز کی۔

**دوسرا فائدہ:** جو لوگ انبیاء کرام کے علم و کمال کو گھٹیا اور ذلیل لوگوں سے مشابہ کریں وہ عند اللہ مجرم و کافر ہیں دیکھو فرعونیوں نے حضرت موسیٰ کے کمال اور علم کو جادوگروں سے مشابہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مجرم یعنی کافر قرار دیا یہاں مجرمین سے مراد سب مفسرین کے نزدیک کافر ہیں۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے اس شخص کو کافر لکھا جس نے نبی کریم کے علم پاک۔ بحر بے کنار کو پاگلوں بچوں سے مشابہ کیا۔ (نعوذ باللہ)

**تیسرا فائدہ:** جادو شعبدہ وصرف فریب نظر اور کچھ نہیں مگر نقصان وہ جادو ایک حقیقت ہے۔

**چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو ساری کائنات سے اونچا دیکھنا چاہتا ہے اور نبی ہر طریقے سے سب برتر ہیں۔

**پانچواں فائدہ:** انبیاء کرام پر کوئی کسی قسم کا جادو اثر نہیں کرتا۔ دیکھو سب لوگوں پر یہ شعبدہ اثر انداز ہوا مگر حضرت موسیٰ و ہارون بالکل نہ ڈرے۔ سورۃ طٰہٰ کی آیت فاوجس فی نفسہ خیفۃ سے مراد صرف ولی اندیشہ ہے وہ بھی صرف آئندہ لائحہ عمل اور معجزے کو برتر رکھنے کے طریقے کے لئے۔ تاکہ قوم پر جادو اور معجزے کا فرق واضح ہو۔ نبی کریم پر قتل کا جادو کیا گیا مگر کوئی قطعاً اثر نہ ہوا صرف نشان بتانے کے لئے۔ دنیوی نسیان کا معمولی ظہور ہوا۔

**چھٹا فائدہ:** دنیوی لحاظ سے جادو بہت بڑی طاقت ہے اسی لئے فرعون نے جادوگروں کو بلایا اور ان کے فیل ہو جانے کے بعد کسی اور طرح مقابلہ کیا۔

**ساتواں فائدہ:** حضرت موسیٰ کے زمانے میں بے حد جادو تھا کہ صرف ملک مصر میں بڑے بڑے جادوگر اسی ہزار تھے چھوٹوں کا تو شمار ہی کیا۔ مگر ساری کائنات کے جادو کے لئے ایک نبی کا ایک معجزہ ہی کافی ہے جب جادو جیسی طاقت والی چیز بھی معجزے کا مقابلہ نہیں کر سکتی تو اور کس کی جرأت ہے خیال رہے کہ جادو کی طاقت کا جنات بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسی لئے جادوگر جنات کو قابو میں رکھتے ہیں۔

**اعتراضات:** اس آیت پر چند اعتراض پڑتے ہیں۔

**پہلا اعتراض:** حضرت موسیٰ نے جادو کرنے کا حکم کیوں دیا جادو کفر ہے اور کفر کرنے کا حکم دینا گناہ کبیرہ ہے۔

**جواب:** اولاً تو بعض کے نزدیک شعبدے کا جادو کفر نہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ پسندیدگی اور تائید کے لئے جادو کرانا یا حکم دینا کم از کم گناہ کبیرہ بلکہ کفر ہے۔ لیکن جادوگروں کو رسوا اور ذلیل کرنے کے لئے اور توڑنے کے لیے حکم دینا عین ایمان ہے۔

**تفسیر صوفیانہ:** قالب انسانی گویا ملک مصر ہے اس میں موسیٰ و قلب اسرار ہارون اور نفس امارہ فرعون موجود ہیں نیکی کے

ارادے دعوت ایمان و تبلیغ ہے۔ نفس کی حیلہ سازی گویا جادو گر ہے۔ قلب موسیٰ ہمیشہ توحید باری اور عبادت خالق کی طرف بلاتا ہے مگر نفس خود دعویدار ربوبیت ہے لیکن قلب اور اسرار الہیہ کی حقانیت کے مقابل نفس امارہ کے سب دعوے ناکام ہو چکے ہیں محض نظر کا دھوکا و فریب کاری رہ گئی ہے جس کی بنا پر بضد ہے۔ مولانا فرماتے۔

نفس ما ہم کمتراز فرعون نیست لیک او را عون ما را عون نیست

قانون فطرت ہے کہ جب کائنات میں جابروں ظالموں اور فرعونوں۔ فریب کار جادوگروں کی زیادتی ہوئی تو رب العزت نے عین اپنی رحمت و کرم سے۔ اپنی طرف سے ایک عظمت والا حق بھیجا۔ جس نے آتے ہی حیلوں فریب و نکاہ پردہ چاک کیا اور تمام فرعونوں کو ایسا غرق کیا کہ ہر فرعون کے ساتھ آل فرعون بھی نیست و نابود ہو گئی۔ جیسے کہ کہا گیا لکل فرعون موسی یہ سب کچھ اپنے بندوں کی فلاح کے لئے کیا گیا۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو ظلم کی غلامی اور صعوبتیں راس آ جاتی ہیں اور ظلم کو انصاف اور غلامیت کو سرداری سمجھ جاتے ہیں۔ وہ بجائے شکر خداوندی ادا کرنے کے حق کا ہی مذاق اڑانے لگ جاتے ہیں اور ناکامی کی صورت میں خود ہی حسد کی آگ میں جل مرتے ہیں۔ حق پھر بھی حق ہی رہتا ہے جو دن بدن صفات قدسیہ سے مزین ہو کر تحت لاہوت پر جلوہ گر ہوتا رہتا ہے کیونکہ ویحق اللہ الحق بکلمتہ ولو کرہ المجرمون۔ مولانا فرماتے ہیں۔

مہ فشاند نور و سگ عو عو کند سگ زنور ماہ کے مرتع کند

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى اِلَّا ذُرِّیَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ

تو نہیں ایمان لیا پر موسیٰ مگر اولاد سے قوم اس کی پر خوف سے

تو موسیٰ پر ایمان نہ لائے مگر اس کی قوم کی اولاد سے کچھ لوگ فرعون اور اس کے

مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡىٕهِمْ اَنْ یَّفْتِنَهُمْؕ وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ

فرعون اور درباریوں ان کے یہ کہ مجبور کریں وہ ان کو اور بیشک فرعون

درباریوں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں انہیں ہٹنے پر مجبور نہ کر دیں اور بے شک فرعون

لَعَالٍ فِی الْاَرْضِۚ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَ(۸۳) وَ قَالَ

البتہ مغرور تھا میں زمین اور بیشک وہ البتہ میں سے حد سے بڑھنے والوں اور کہا

زمین پر سر اٹھانے والا تھا اور بیشک وہ حد سے گزر گیا اور موسیٰ

مُوْسٰى یٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَیْهِ تَوَكَّلُوْۤا

موسیٰ نے اے قوم میری اگر ہو تم ایمان لائے پر اللہ پس پر اس بھروسہ کرو

نے کہا اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے تو اسی پر بھروسہ کرو

# اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ

تم اگر ہو تم اسلام لانے والے

اگر تم اسلام رکھتے ہو

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ کے قول اور فعلی مقابلے کا ذکر تھا۔ اس میں اس مقابلے کے اثر کا ذکر ہے کہ اس مقابلے اور حضرت موسیٰ کی فتح باطل کی شکست کا کیا اثر ہوا کہ فما امن لموسی الا ذریة من قومه۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرعون کی ذریت کو ایمان سے پہلے ایمان لانے کی تبلیغ تھی جس کا تعلق شریعت اور قانون سے تھا اس آیت کریمہ میں ایمان لانے کے بعد تعلق اور توکل علی اللہ اور کامل راغب الی اللہ ہونے کی تاکید اور ایمان پر قائم رہنے کی تبلیغ کا ذکر ہے۔ گویا کہ پہلے کفار کو تبلیغ کا ذکر تھا اب مسلمانوں کو تبلیغ ہے۔

**تیسرا تعلق:** پہلی آیت پاک میں اشارۃً فرعون و جادوگروں کا ذکر کر کے اور فرعون کی ہٹ دھرمی کے تذکرے سے ابوجہل اور فصحاء عرب کا تقابل کیا تھا جس سے نبی کریم کو ایک گونہ تسلی ہوئی تھی اس آیت پاک میں اتنے بڑے مقابلے اور فتح کے نتیجے میں تھوڑے لوگوں کے ایمان کا ذکر کر کے نبی کریم کو دوسری طرح تسلی دی جا رہی ہے گویا باری تعالیٰ نبی پاک کو غمگین نہیں ہونے دیتا۔ نبی کریم کی تبلیغ پر تاثیر کے باوجود کہ جس سے پتھر دل بھی پگھل جاتے جب کفار مکہ ایمان نہ لاتے تو نبی کریم غمگین ہو جاتے تھے۔ اس لئے اس طرح تسلیاں دی جاتی تھیں کہ قلب محبوب پر اثر نہ ہو۔

**تفسیر نحوی:** فما امن لموسیٰ ف عاطفہ ہے اس کا معطوف علیہ ایک پوشیدہ جملہ ہے ما امن ماضی مطلق منفی ہے امن سے بنا جس کا ترجمہ ہے محفوظ ہونا مومن بن کر بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آ جاتا ہے اس لئے اس کو مومن کہا جاتا ہے۔ نفی سے کفار کی ضد اور بے رغبتی کا اظہار ہے لموسی میں لام بمعنی الیٰ ہے الا ذریة من قومه۔ الا حرف استثناء ہے یہاں اپنے ہی معنی میں مستعمل ہے ماقبل کی نفی کے اطلاق کو بطریقہ حصر ختم کیا۔ ذریت ذرۃ سے بنا بمعنی چھوٹی چیونٹی۔ عربی میں حقارت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں کم عمر اور نوجوان غرباء طبقہ مراد ہے یا کم تعداد کی طرف اشارہ ہے من بعضیت کا ہے۔ قومه قوم سے خاص قبطی مراد ہیں (صحیح قول میں) ہ ضمیر واحد غائب اس کا مرجع فرعون ہے علی خوف من فرعون علی بسببیت کا ہے۔ خوف بمعنی دہشت۔ من بیانیہ ہے اور اضافت کا فائدہ دیا۔ فرعون عجمی علم کی وجہ سے غیر منصرف ہے

مراد ولید نامی شاہ مصر ہے تا کہ ہر فرعون۔ وملائھم واؤ عاطفہ جمع کے لئے ہے ملاء بڑے لوگ ماں باپ چچا، تایا وغیرہ؟؟؟ سے مراد یہ قلیل مومن۔ اگرچہ بعض لوگوں نے ھم جمع غائب کی ضمیر کا مرجع واحد فرعون کی طرف لوٹایا ہے مگر یہ صحیح نہیں دو وجہ سے پہلی یہ کہ یہ چیز فصاحت عرب کے خلاف ہے کیونکہ واحد متکلم اور واحد حاضر کے لئے تو بطریقہ شاذ جمع کی ضمیر آسکتی ہے مگر واحد غائب کے لئے ہرگز جمع کی ضمیر نہیں آسکتی جیسا کہ وہابی جہلا نے مشہور کر دیا ہے (روح المعانی) یہ ہی آیت دوسری وجہ یہ ہے کہ اسی آیت میں بہت جگہ اول آخر فرعون کے لئے ضمیریں آئیں مگر وہاں واحد ہی آئیں تو صرف یہاں کیوں واحد کے لئے جمع آئی ہمارے ان علماء کو غلطی لگی جنہوں نے ملائہم کا ترجمہ فرعون کے درباری کیا ہے۔ ان یفتنھم۔ ان حرف ناصب ہے فعل مضارع کو نصب دیتا ہے اس کو ان مصدریہ بھی کہہ دیتے ہیں کیونکہ یہ فعل بمعنی مصدر کر دیتا ہے یفتنھم فتن۔ سے بنا اس کا لغوی ترجمہ ہے۔ سونا آگ میں ڈالنا۔ اب انسان کو آگ میں ڈالنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ یوم ھم علی النار یفتنون. اس لحاظ سے مصیبت اور عذاب کے لئے بھی مستعمل ہے یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں ھم سے مراد نو مسلم لوگ ہیں یہ پورا جملہ سابق لفظ فرعون کا بدل اشتمال ہے۔ وان فرعون لعال فی الارض واؤ حالیہ ہے ان کا اسم ہے لعال۔ لام کے عال علو سے بنا بمعنی بلندی عالی اسم فاعل مشتق ہے یعنی بلندی والا یہاں دنیوی بلندی مجاز طور پر مراد ہے یعنی غالب اور قاہر (معانی) وانہ لمن المسرفین واؤ سر جملہ ہے یہ دونوں جملے علیحدہ علیحدہ ہیں پچھلے مضمون کی تاکید کر رہے ہیں۔ ان حرف تحقیق الف کے زیر سے شروع کلام میں آتا ہے اور زبر والا ان۔ درمیان کلام میں آتا ہے ہ ضمیر واحد غائب کا مرجع فرعون ہے لمن لام حرف کے تاکید کے لئے من تبعیضیہ ہے المسرفین۔ الف لام استغراقی ہے سرفین اسم فاعل جمع کا صیغہ سرف سے مشتق ہے۔ اس کے تین معنی (۱) فضول خرچی کرنا (۲) حد سے بڑھنا (۳) ظلم اور فساد کرنا یہاں یہ تیسرے معنی مراد ہیں۔ وقال موسی یقوم ان کنتم امنتم باللہ واؤ معنی ف ہے اور مقصد یہ ہے کہ نو مسلموں کی اسی بزدلی کو دیکھتے ہوئے اگلی عبارت فرمائی یقوم۔ یا حرف ندا قوم سے مراد یہی نو مسلم ہیں یہاں یاء متکلم پوشیدہ ہے۔ ان کنتم امنتم باللہ فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین یہ جملہ ترکیب نحوی سے عجیب تر ہے۔ اس میں مفسرین نحویوں نے بہت کلام کئے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ ایک جزا اور دو شرطیں ہیں۔ مگر روح المعانی نے فرمایا کہ علی الترتیب یہاں دو شرطیں ہیں اور دو جزائیں ہیں اور نحوی ترکیب اس طرح ہوگی۔ ان حرف شرط کنتم آمنتم ماضی بعید بمعنی قریب ب جار لفظ اللہ مجرور ہو کر متعلق ہو ماضی بعید کے اور یہ تمام عبارت جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ ف جزائیہ، علیہ، جار مجرور متعلق مقدم ہوا تو کلوا فعل امر حاضر انتم ضمیر فاعل۔ یہ عبارت جملہ فعلیہ بن کر جزاء مقدم۔ ان حرف شرط کنتم فعل ناقصہ ماضی مطلق جمع مذکر حاضر اسم ضمیر پوشیدہ ہے اس کی خبر مسلمین ہے یہ عبارت جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرط موخر ہوا اور اپنی جزا مقدم سے مل کر پھر جزا ہوا پہلی شرط کی۔

تفسیر عالمانہ: فما امن لموسی الا ذریۃ من قومہ علی خوف من فرعون وملائھم۔ (یعنی اتنے عظیم واقع کے بعد بھی) پس نہیں ایمان لائے موسیٰ علیہ السلام پر مگر فرعون کی قوم کے چند چھوٹے لوگ فرعون اور اپنے بڑوں کے خوف سے۔

اس کی تفسیر مفسرین کے چند اقوال ہیں چنانچہ روح البیان نے فرمایا کہ من قومہ کی ضمیر سے مراد موسیٰ ہیں یعنی قوم موسیٰ علیہ السلام میں سے چند ایمان لائے مگر صحیح یہ ہے کہ ضمیر سے مراد ہے فرعون کیونکہ بنی اسرائیل تو سب پہلے ہی حضرت موسیٰ کے فرماں بردار ہو چکے تھے کیونکہ نجومیوں نے ان کو خبر دی تھی کہ تمام بنی اسرائیل کو فرعون سے بچانے والا بنی اسرائیل کا ہی نومولود نوجوان ہوگا جس کو نبی بنایا جائے گا اس کے یہ صفات ہوں گے اس لئے درپردہ نسلی لحاظ سے بھی اور اس پیشگوئی کی بنا پر بھی سب بنی اسرائیل پہلے سے ہی حضرت موسیٰ سے محبت کرنے لگے تھے اس لئے کہ شروع سے ہی فرعون قوم پرست تھا اپنی قوم کو عزت اور بنی اسرائیل کو ذلت آمیز نوکری اور طرح طرح کی سزائیں دیتا رہتا تھا یہاں جن کے ایمان کا ذکر ہو رہا ہے وہ جادوگروں کے مقابلے کے وقت کا ہے۔ اس واقعے کے بعد سب سے پہلے ظاہر ظہور تو سب جادوگر جو اسی ہزار تھے سجدہ کرتے ہوئے ایمان لائے۔ جس کا ذکر دوسری جگہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ یہ مومن بھی یہاں مراد نہیں بلکہ صرف قبطی لوگ مراد ہیں چنانچہ اربعہ تفاسیر اور روح المعانی صاوی نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے علاوہ صرف آٹھ آدمی مسلمان ہوئے چار فرعون کے درباری (۵) حضرت آسیہ (۶) حضرت آسیہ کی خادمہ خاص کنگھی کرنے والی (۷) فرعون کی خازن (۸) اس کی بیوی یہ لوگ ایمان لا کر بہت خوف زدہ ہو گئے۔ فرعون کی ذلت آمیز ظالمانہ سزا اور اپنے بڑوں کی ڈانٹ جھڑک اور واپس کفر میں لوٹانے کا بہت سخت خوف تھا۔ علیٰ بمعنی مع ہے اور خوف کی تنوین تعظیم کی ہے۔ ان مومنوں میں اگرچہ بعض بوڑھے بھی تھے مگر ذریت کا لفظ ظاہری کمزوری اور غربت کی بنا پر بولا گیا۔ اسی طرح ملائہم سے ظاہری دنیاوی بڑائی مراد بھی ہو سکتی ہے۔ قوم موسیٰ خالص ایک نسل بنی اسرائیل تھے مگر قوم فرعون دو قسم کی تھی۔ (۱) خالص قبطی (۲) باپ کی طرف سے قبطی ماں کی طرف سے اسرائیلی تفسیر صاوی نے فرمایا کہ جب فرعون نے قتل ابنائے اسرائیل کا حکم دیا تو بہت سے بنی اسرائیل نے قتل کے خوف سے اپنے نومولود بیٹوں کو قبطی عورتوں کو ہبہ کر دیا لاولد قبطی عورتوں نے ان کو پیار سے پالا اور ظاہر نہ کیا جوان قبطی لڑکیوں سے ہی ان کی شادی ہوئی ان کی اولاد میں سے مومن ہوتے۔ اس طرح قوم فرعون تین قسم کی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بعض نے فرمایا یہ لوگ ایمان لائے تھے مگر ترجیح پہلی تفسیر کو ہے ان کو یہی خوف تھا کہ ان یفتنھم یہ کہ فرعون فتنے یا مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔ اس طرح کہ یا تو فرعون قتل کرا دے گا یہ مصیبت ہوئی یا لوگوں کو حکم دے گا کہ ان پر جبر قہر کر کے ان کو پھر دوبارہ پہلے دین میں لاؤ یہ فتنہ ہوا جس کی بنا پر یہ لوگ اپنے بڑوں سے بھی ڈرتے تھے یہاں مضارع واحد کا صیغہ استعمال ہوا حالانکہ خدشہ بہت سوں کا تھا۔ اس لئے کہ اصل فتنہ فرعون کا تھا باقی لوگ اسی کے واسطے سے۔ تھے وان فرعون لعال فی الارض۔ اور بے شک البتہ فرعون ناحق سر اٹھانے والا مغرور ہے۔ زمین میں یہ کلام بھی ان نو مسلم لوگوں کی زبانی یا قبطی خبر ہے۔ اور ان کے خوف کا اصل سبب ہے۔ اس لئے کہ یہ خوف صرف انہی نئے مومن حضرات کو تھا نہ کہ بنی اسرائیل کو بنی اسرائیل میں کچھ نہ کچھ اب بھی خاندانی اور نسلی شرافت اور ایمان موجود تھا کیونکہ یہ لوگ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد تھے اور اکثریت کے اجداد۔ انبیاء تھے ان میں صرف قارون فرعون سے ڈرتا تھا۔ وہ بھی اپنی دولت کی حفاظت کی وجہ سے (تفسیر ابن کثیر) قارون سے اپنی قوم کو بہت نقصان پہنچا یہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی ذاتی اغراض کے لئے قوم کی

جڑیں اکھیڑتے رہتے ہیں ارض سے مراد یا علاقہ سلطنت ہے یا ساری زمین۔ پہلے معنی تو ظاہر ہیں دوسرے معنی کے لحاظ سے یہ مطلب ہے کہ روئے زمین میں اس وقت ایسا کوئی مغرور اور بدتمیز نہ تھا اس لئے کہ انه لمن المسرفين یہ حالت ہے کہ وہ بے شک حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو گیا۔ یہاں تک کہ بندہ ہو کر معبودیت کا دعویٰ کر بیٹھا جب انسان کے دل سے خدا کا خوف نکل جائے تو اس سے کسی رحم اور محبت یا انصاف کی امید نہیں کی جا سکتی۔ یہ کلام فرعون سے ڈرنے کی دوسری وجہ ہے۔ عزت دار ڈرتے ہی ہیں بے غیرت بے شرم لوگوں سے۔ یا یہ دونوں کلام رب تعالیٰ کے ہیں بطور خبر وقال موسى يقوم ان كنتم امنتم بالله فعليه توكلوا ان كنتم مسلمين۔ یہ سب کچھ سن کر سمجھ کر۔ تب حضرت موسیٰ نے فرمایا اے میری قوم اگر مسلمان ہو اور تم کو مومن ہونا پسند ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہو تو پھر اسی پر بھروسہ کرو۔ پھر اغیار سے کیا ڈرنا یہ مومن خالص کا شیوہ نہیں۔ یہ ہے حضرت موسیٰ کا دلیرانہ ایمان افروز کلام۔ اگر یہ کلام نہ فرماتے تو لاکھ نماز روزہ کرتے مگر وہ دلیری اور جرأت مندی پیدا نہ ہوتی جو حضرت موسیٰ کی صحبت اور کلام طیبہ کے اثر سے ہوئی۔ یقوم سے مراد یہی نو مسلم ہیں نہ کہ بنی اسرائیل کیونکہ جن لوگوں کی طرف تبلیغ کے لئے نبی بھیجے جائیں وہی لوگ اس پیغمبر علیہ السلام کی قوم ہوتے ہیں اس لحاظ سے فرعون اور فرعونی آپ کی قوم میں شامل ہیں۔ ان کنتم آمنتم۔ اس اگلی پوری آیت سے مقصود کلام یہ ہے کہ ایمان کی اول شرط مسلمان ہونا ہے اور شرط تکمیل اللہ پر بھروسہ ہے۔ جو شخص عبادات کا تو پابند ہو مگر اللہ پر بھروسہ نہ ہو وہ مسلمان تو ہے لیکن درجہ مومن اس کو حاصل نہیں۔ توکل البتہ کے بغیر مسلمان ہونا بیکار ہے۔ (اللہ نصیب کرے)

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** انبیاء کرام کی تبلیغ پر پہلے غرباء اور ضعیف لوگ اور ہر وقت کے یار دوست گھر والے ایمان لاتے ہیں۔ بخلاف دیگر مبلغین کہ ان پر گھر والے اور بچپن کے دوست ہرگز ایمان نہیں لاتے اگرچہ کتنے بڑے علامہ محقق اور پیر بن جائیں یہ انبیاء کرام کی سچائی اور بے داغ زندگی کا ایک بین ثبوت ہے۔ یہ فائدہ ذرية کے لفظ سے حاصل ہوا۔ دین والوں اور دنیا والوں کی تبلیغ میں ایک واضح فرق یہ بھی ہے کہ اللہ والوں کی تبلیغ کا زیادہ اثر غرباء و مساکین پر ہوتا ہے۔ بخلاف دنیا پرستوں کی تبلیغ کہ اس کا اثر امراء اور نوجوان طبقے پر زیادہ ہوتا ہے۔ دیکھو حضرت موسیٰ کی تبلیغ سے حضرت آسیہ جیسی بوڑھی عورت ایمان لائیں اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے ایمان حضرت خدیجہ و اہل خانہ ایمان لائیں۔ ہمارے دور کے ایک سیاسی مفسر صاحب ذریة کا ترجمہ صرف نوجوان کرتے ہیں مگر یہ ان کی غلطی ہے۔

**دوسرا فائدہ:** ہر نبی کی قوم وہی ہے جس کی تبلیغ کے لئے تشریف لائیں اور جن پر ان نبی علیہ السلام کی بات ماننی فرض ہو۔ لہٰذا ہم سب مسلمان نبی پاک کی قوم ہیں۔

**تیسرا فائدہ:** انسان کے سچے خیر خواہ اور مصیبتوں سے بچانے والے مشکل کشا حاجت روا اللہ کی طرف لانے والے انبیاء کرام ہی ہوتے۔ باقی دنیوی خیر خواہ بننے والے اپنے لالچ کو آگے رکھتے ہیں جہاں سے ان کا لالچ پورا اسی کے ساتھ اپنی ساری محبتیں اور محنتیں خلوص وابستہ کر دیتے ہیں قومیت یا تعلق داری کا خلوص ان کے نزدیک کچھ نہیں ہوتا۔ یہ فائدہ وملائهم کی

ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

**چوتھا فائدہ:** اللہ کے نزدیک وہ پیارا ہے جو اس کے انبیاء کی عزت و ادب کرے اور انبیاء کا پیارا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین اور بھروسہ کرے یہ ہی ہے ایمان کا خلاصہ۔ یہ فائدہ اس آیت کے اول جملے **فما امن لموسی** (الخ) اور آخری جملے **فعلیه تو کلوا** (الخ) سے حاصل ہوا۔

**اعتراضات:** اس آیت کریمہ پر چند اعتراضات کئے جاتے ہیں۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ پر چند صرف فرعونی ایمان لائے حالانکہ سب جادوگر جو تعداد میں اسی ہزار تھے سب بنی اسرائیل جو سوا لاکھ تھے وہ بھی ایمان لائے جیسا کہ اگلے واقع سے اور دیگر تفاسیر سے یہ پتہ چلتا ہے۔

**جواب:** حضرت موسیٰ پر ایمان لانے والے تین گروہ تھے۔ پہلا گروہ بنی اسرائیل یہ خفیہ طور پر در پردہ ایمان لائے جس کا کسی فرعونی کو علم نہ تھا۔ یہ لوگ اپنی نجات کی لالچ میں نجومیوں کی پیشگوئی کی بنا پر حضرت موسیٰ کو دیکھتے ہی دل میں مومن ہو گئے جس کا صرف نبی غیب دان کو تو پتہ لگ سکتا تھا اور کسی کو نہیں یہ ایمان اس وقت کے حالات کے اعتبار سے کچھ مفید نہ تھا کہ یہ لوگ مجبور بے کس تھے۔ اور پھر ان کے ایمان پر قومی تعصب یا برادری نوازی کا طعنہ بھی پڑ سکتا تھا دوسرا گروہ جادوگروں کا یہ لوگ بھی اپنی شکست کے بعد مغلوب و پریشان ہو کر ایمان لائے تھے نہ کہ محض شان نبوت کے لئے جیسا کہ خود قرآن کریم نے ایک جگہ **والقی السحرة ساجدین** کے الفاظ سے یہ کیفیت ظاہر کر دی۔ تیسرا گروہ جس نے بغیر معجزہ دیکھے ہوئے عصاء موسوی ڈالنے سے پہلے ہی محض احترام نبی میں اولاً ہی اپنے ایمان کو علی الاعلان ظاہر کر دیا (روح البیان) ایسے شان والا ایمان ان ہی لوگوں کا تھا اور فرعونیوں میں سے صرف یہی چند نفوس قدسیہ مومن ہوئے۔ ان ہی کے ایمان سے اسلام کو فائدہ پہنچا اور فرعون کا غرور ٹوٹا۔ اسی لئے صرف ان کے ایمان کا ذکر کیا گیا۔ اس آیت کا جہاں یہ مقصد ہے کہ فرعونی لوگوں کی سخت دلی کا اظہار ہو کہ دیکھو بجز چند کے کوئی آخر دم تک ایمان نہ لایا۔ وہاں ان نفوس کے ایمان کی شان بتانا بھی مقصود ہے لہٰذا یہ حضرت بہت مناسب ہے۔

**دوسرا اعتراض:** اس آیت میں حضرت موسیٰ نے یقوم کیوں فرمایا؟ یاایھاالذین امنوا فرمانا چاہئے تھا تا کہ فرق ہو جاتا کیونکہ قوم میں تو مومن کافر سب شامل ہوتے ہیں حالانکہ یہ خطاب مومنوں کو ہے۔ جواب حضرت موسیٰ کا یاایھاالذین امنوا نہ فرمانا تین وجہ سے ہے (۱) یہ لقب صرف ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو عطا ہوا سابقہ کسی امت کو اس پیارے لقب سے نہ نوازا گیا (۲) اگر یہ الفاظ یہاں بولے جاتے تو اگلا جملہ ان کنتم امنتم غلط ہو جاتا کیونکہ اس میں تو ابھی ایمان کو مشروط کیا جا رہا ہے (۳) لفظ مومن کا لقب کامل ایمان کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ یہاں ابھی کامل ایمان ہی نہیں کیونکہ کاملیت اللہ رسول پر بھروسہ سے حاصل ہوتی ہے۔

**تیسرا اعتراض:** یہاں فعلیه تو کلوا کیوں فرمایا؟ تو کلوا علیه فرمانا چاہئے تھا۔ (تفسیر کبیر)

جواب: تا کہ حصر کا فائدہ ہو اور مقصد یہ ہے کہ اللہ ہی پر بھروسہ مومن بناتا ہے، دنیاداروں حکومتوں امراء پر بھروسہ ایمان کے منافی ہے۔ اس کی تفسیر صوفیانہ اگلی آیت میں بیان ہو گی۔

فَقَالُوا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ

تو سب بولے پر اللہ تعالیٰ ہی بھروسہ کیا ہم نے اے رب ہمارے نہ بنا تو ہم کو فتنہ لیے قوم

بولے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا الٰہی ہم کو ظالم لوگوں کے لیے آزمائش

الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾

ظالموں اور بچا ہم کو ذریعے رحمت اپنی سے قوم کافروں

نہ بنا اور اپنی رحمت فرما کر ہمیں کافروں سے نجات دے

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ کا کلام طیبہ مذکور ہوا اس آیت میں اس فصیحانہ کلام کا دلدوز اثر بیان کیا جارہا ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں لوگوں کے ایمان کا ذکر تھا۔ اس آیت پاک میں ان کے روح ایمان یعنی توکل علی اللہ کے اقرار کا ذکر ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت پاک میں شرعی مومن ہونے کا ذکر تھا اس آیت میں قلبی اور حقیقی مومن ہونے کی دعا ہے۔

**چوتھا تعلق:** پچھلی آیت طیبہ میں فما امن لموسیٰ فرما کر فنافی الرسول اور بارگاہ نبوت کی حاضری کا ذکر تھا اس آیت پاک میں فنافی اللہ اور رغبت الی اللہ کے مدارج کی ابتدا ہے۔

**تفسیر نحوی:** فقالوا علی اللہ توکلنا۔ ف تعقیبیہ قالوا ماضی مطلق جمع مذکر۔ اس کا فاعل وہی نومسلم ہیں۔ علی حرف جر اپنے معنی میں ہی مستعمل ہے بوجہ نسبت۔ لفظ اللہ باری تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔ مگر صفتیت بھی مراد ہے یہ لفظ اسم اعظم بھی ہے اس کے بہت اشتقاق ہیں اور اس کا ترجمہ بعض کے نزدیک معبود ہے، حقیقت اللہ خود بہتر جانتا ہے۔ توکلنا جمع متکلم ماضی مطلق۔ اس کا فاعل نومسلم جماعت ہے۔ وکل سے بنا اکثر متعدی ہوتا ہے۔ اس کے پانچ معنی ہیں۔ سپرد کرنا، بھروسہ کرنا، کسی کے سہارے چلنا، کسی کا کام اپنے ذمے لینا، بزدل و عاجز ہونا، رابطہ قائم کرنا، یہاں پہلے دو معنی بن سکتے ہیں۔ اسی سے ہے وکیل ربنا لا تجعلنا فتنة للقوم الظالمین۔ ربنا مرکب اضافی منادی ہے یہاں حرف ندا پوشیدہ ہے۔ اصل میں تھا یاربنا اے ہمارے رب۔ اس کے معنی پالنے والا ہفت اقسام میں سے مضاعف ثلاثی ہے۔ مبالغے کا صیغہ ہے۔ بوجہ مبالغہ یہ لفظ اللہ

کی خصوصی صفت ہے۔ کسی اور کو رب کہنا منع ہے۔ مگر اس مادے کے دوسرے صیغے غیر اللہ کے لئے استعمال کرنے جائز ہیں۔ بلحاظ ترجمہ ہر ایک کو کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اب بسبب شہرت کسی اور کو کہنا گناہ ہے۔ **لا تجعلنا** فعل نہی حاضر معروف نا اس کا مفعول بہ۔ **جعل** سے بنا۔ اس کے سات ترجمے (۱) بنانا (۲) پیدا کرنا (۳) رکھنا (۴) پیدا کرنا (۵) خیال کرنا (۶) سچ کو جھوٹ سمجھنا (۷) شرطیہ بدھنا جعل پیش کے ساتھ اسی کا لے۔ سخت کیڑے کو بھی کہتے ہیں جو اڑتا بھی ہے اور نرم زمین میں سوراخ بھی کرتا ہے۔ گینڈے کی طرح اس کی شکل ہوتی ہے۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ یعنی نہ بنا تو ہم کو۔ **فتنۃ** بمعنی آزمائش یا مصیبت یا عذاب۔ **لاتجعلنا** کا دوسرا مفعول ہے۔ **للقوم** لام حرف جار نقصان کے لئے۔ قوم بمعنی گروہ مرکب توصیفی ہے۔ **الظالمین** جمع مذکر سالم ہے ظالم کی۔ بمعنی نقصان کرنے والا۔ **و نجنا برحمتک**۔ واؤ عاطفہ ہے۔ نج امر حاضر معروف **نجو** سے بنا بچانا ضمیر جمع متکلم اس کا مفعول بہ ہے۔ **برحمتک**۔ ب سببیہ رحمت کے سات معنی ہیں۔ مدد، علم، کرم، وحی، نبوت، سہارا، مشکل کشائی۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ ک ضمیر مجرور متصل سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے۔ **من القوم الکافرین**۔ من حرف جر بیانیہ ہے۔ القوم میں دونوں جگہ الف لام عہد خارجی ہے۔ الکافرین جمع ہے کافر کی۔ کافر اسم فاعل کا صیغہ **کفر** سے بنا۔ اس کے پانچ معنی انکار کرنا، ناشکری کرنا، مٹانا، اللہ کا شرک کرنا، نبی کی گستاخی کرنا یہاں آخری دو معنی مراد ہیں۔

**تفسیر عالمانہ:** **فقالوا علی اللہ توکلنا**۔ تو وہ بولے اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا۔ یہ جملہ ان ہی مسلمانوں کا قول ہے حضرت موسیٰ نے ان کی دلی کمزوری کو جان کر ان کو توکل علی اللہ کی تلقین کی تھی۔ تب تمام نے۔ نڈر اور بے باک ہو کر جواب دیا۔ لفظ **توکلنا**۔ چونکہ ماضی کا صیغہ ہے اس لئے اس میں دو احتمال ہیں پہلا یہ کہ یہ سب کلام خبر ہو یعنی اے اللہ کے پیارے نبی ہم نے تو پہلے ہی اپنے رب کریم پر بھروسہ کیا ہوا ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ کلام انشائیہ ہو۔ چونکہ ماضی انشاء فعل کے لئے بھی ہوتی ہے۔ جیسے لفظ **طلقت امراتی** میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو مطلب ہے کہ اب طلاق دی نہ کہ پہلے اور اسی وقت سے اجراء طلاق ہوتا ہے۔ حالانکہ صیغہ ماضی زمانے کا بولا جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں ماضی بمعنی حال ہے۔ یعنی اے حضرت کلیم اللہ علیہ السلام آپ کے کلام طیبہ نے ہماری ڈھارس بندھا دی لہٰذا اب ہم اللہ کریم پر ہی بھروسہ کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ کیونکہ اب سمجھ آ گئی کہ بھروسہ خداوندی ہی اصل ایمان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں۔ ایمان والوں کو توکل علی اللہ کا بہت جگہ حکم دیا ہے لفظ علی اللہ کے پہلے لانے سے حصر کا فائدہ ہوا **ربنا لا تجعلنا فتنۃ للقوم الظالمین**۔ اے ہمارے رب نہ بنا تو ہم کو آزمائش ظالموں کے لئے۔ حضرت موسیٰ سے عرض و معروض کرنے کے بعد اب متوجہ الی اللہ ہونے کا ذکر ہے تاکہ ثابت ہو کہ نبی کی بارگاہ میں آ کر ہی اللہ کا قرب اور توجہ حاصل ہو سکتی ہے۔ اور یہی بارگاہیں قبولیت دعا کا مرکز ہیں۔ پہلے جملے میں اقرار توکل تھا اس میں اس پر عمل کیا گیا۔ کہ دعا ہی حقیقی ابتداء ہے توکل کی۔ کیونکہ اللہ اور اللہ والوں سے مانگنا ہی اللہ پر بھروسہ ہے۔ ظاہراً یہ الفاظ اپنے لئے دعا ہے مگر اشارتاً ان کفار کے لئے بھی دعا ہے جو مومن نہ ہوئے۔ یعنی اے اللہ ہم کو ان کے لئے فتنہ نہ بنا کہ وہ ہم کو جھوٹا اپنے کو سچا سمجھ کر دنیوی دھوکے میں پڑ کر مزید

گمراہ ہوتے رہیں یا وہ ہم پر ظلم کریں۔ بسبب ایمان کے اور ہم تو سچے اور پیارے اللہ کے بندے ہیں اس وجہ سے ان پر عذاب نازل ہو۔ کیونکہ اللہ کے ولیوں اور پیاروں کو ستانا اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ یا ہم بوجہ مومن ہونے کے ان کو تبلیغ کریں تو وہ غرور تکبر سے اللہ رسول کی شان اقدس میں مزید گستاخیاں کر کے بدترین لوگوں میں ہو جائیں۔ یعنی ہم ان کی مزید گمراہی کا سبب نہ بنیں۔ کیونکہ جاہل اور بدتمیز انسان کے سامنے ایسے ہی پاگل دیوانے یا مرتے ہوئے انسان کو جبراً کلمے وغیرہ کی تلقین کرنا منع ہے کہ یہ سب اس وقت شیطانی پھندے میں ہیں کچھ گستاخی نہ کر بیٹھیں اسی لئے رب کریم نے فرمایا واذ خاطبھم الجاھلون قالوا اسلاما۔ جب ذی علم لوگوں سے جہلا بات کرنا چاہتے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ تم کو دور سے سلام۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار اسماء حسنیٰ ہیں جن سے اس ذات کریم کو پکارنا جائز ہے۔ مگر لفظ ربنا اللہ تعالیٰ کو بہت پیارا ہے۔ اور دعا کے وقت پیارے کلمات ہی بولنا چاہئے تاکہ مستجاب الدعوات ہو ونجنا برحمتک من القوم الکفرین۔ اور اے ہمارے رب ہم کو بچالے اپنی رحمت کے ذریعے کافر قوم سے۔ یہ ان لوگوں کی دوسری دعا ہے۔ پہلی دعا درپردہ کفار کے لئے تھی کہ وہ اپنی امیری ہماری غریبی بے بسی بے کسی کو اپنی حقانیت کی دلیل نہ سمجھ لیں جو ان کے لئے ایک فتنہ ہے خیال رہے کہ کافروں کے لئے ہدایت کی دعا جائز ہے مگر بخشش کی دعا منع ہے۔ اس دوسرے جملے میں محض اپنے لئے دعا ہے کہ اے اللہ ہم کو بچا۔ یعنی ہم سے کوئی ایسی قولی یا عملی لغزش نہ ہو جو تیری ناراضگی کا باعث بنے۔ اور ہم دنیا میں کافروں کے سامنے ذلیل و رسوا ہوں یا تیری ناراضی کے سبب ہم پر کافر مسلط ہوں۔ جس سے کہ ہم کو اپنے پرائے طعنہ دیں۔ یہ دعائیں بہت شان والی اور جامع میں اللہ کریم کبھی بھی اپنے پیارے بندے کے سامنے ذلیل و رسوا نہیں ہوتے دیتا نہ متقیوں پر کافر مسلط ہو سکے۔ شعر

محال است چوں دوست دار د ترا　　　　　　کہ در دست دشمن گذارد ترا

یہی وجہ ہے کہ اولیائے اللہ کافر حکومتوں میں رہ کر بھی سب پر غالب رہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بڑے بڑے مشرک بادشاہوں نے اولیاء اللہ کا بزور حکومت و لشکر مقابلہ کیا مگر ناکام رہے۔ جہادوں میں مسلمانوں کا شہید ہونا یہ تسلط نہیں۔ ہاں جب مسلمان بے عمل بدطینت خوف خدا اور عشق مصطفیٰ سے دور ہٹ جائیں۔ تب ذلیل و خوار بھی ہوتے ہیں اور کفار سے مغلوبیت جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ اس دنیا میں یہی التجا ہے کہ اے اللہ کریم ہم کو اپنے خوف اور عشق نبی کی دولت سے مالا مال فرما تا کہ تقویٰ کے مضبوط قلعے میں ہم محفوظ و مامون رہ کر کفار کے تسلط ذلت آمیز سے بچے رہیں (اللھم ارزقنا منہ ایضا) اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول کی ان کے خلوص اور حضرت موسیٰ کی برکت سے۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** توکل یعنی اللہ کی ذات بابرکات پر بھروسہ سب عظمت والی چیز ہے کہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں۔ اسی لئے قرآن کریم میں وہ اس کا بہت اہتمام ہے۔ مومن و کافر کے بڑے بڑے فرقوں کا ایک یہ بھی فرق ہے۔

**دوسرا فائدہ:** ظالموں کافروں کی صحبت اور مجلسوں سے دور رہنا بھی مسلمان کے لئے بہتر ہے جب اور جتنی جلدی ہو سکے ان سے دور بھاگے۔ آج جو لوگ صرف دنیاوی دولت کی لالچ میں امریکہ وغیرہ کافر ملکوں میں جا کر سکونت اختیار کر رہے ہیں وہ اخلاقی اور ایمانی طور پر مفلوج ہو چکے ہیں۔ نام کے مسلمان ہیں۔ در حقیقت ان ہی کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اپنے علماء سے متنفر انگریزوں کافروں کے مدح خوان۔ حرام حلال کی پرواہ نہیں (اللہ کریم سب مسلمانوں کو نیکی ہدایت نصیب ہو)۔

**تیسرا فائدہ:** گناہ اور فسق و فجور مسلمان کو دنیا میں ذلیل و خوار کرتا ہے۔ اور کافروں کے تسلط کا سبب ہے۔ لیکن نیکی، تقویٰ، خلوص، عشق نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا اور آخرت کے غلبے کا سبب ہے۔ (اللہ کریم مجھ کو نصیب کرے)

**اعتراضات:** اس آیت کریمہ پر چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

**پہلا اعتراض:** ان مومنین بنی اسرائیل نے پہلے توکل کا ذکر کیا پھر کفار سے بچنے کی دعائیں مانگنی شروع کر دیں۔ حالانکہ دعا توکل کے خلاف ہے۔

**جواب:** غلط ہے دعا توکل علی اللہ کے خلاف نہیں بلکہ اپنے رب کریم سے مانگنا تو عین توکل ہے۔ ہاں کسی دنیا والے سے مانگنا توکل علی اللہ کے منافی و مخالف ہے۔ حضرت ابراہیم کا نار نمرود میں اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کربلا میں دعا مانگنا۔ توکل کی بنا پر نہیں بلکہ تکمیل امتحان اور کامیاب نتیجے کے سبب سے ہے۔ ورنہ سب سے بڑے متوکل خود آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن ساری عمر بارگاہ رب العزت میں دعائیں مانگتے رہے۔

**دوسرا اعتراض:** توکل کا ذکر پہلے کیوں کیا ہے دعا مانگنی چاہیے تھی۔

**جواب:** اس لئے تاکہ توکل کی حقیقت کا پتہ لگے۔ پہلے توکل علی اللہ کا ذکر کیا۔ توکل کی ظاہری تعریف یہ ہے کہ قطع الاسباب یعنی تمام اسباب فعل کو اپنے سے جدا کر دے۔ مگر توکل کی حقیقی، شرعی اور اسلامی تعریف یہ ہے کہ غیر اللہ سے توڑ کر اللہ سے جوڑنا۔ توکل کے بعد دعا مانگنے کا مقصد اس کی حقیقت سمجھانا ہے کہ متوکل وہ جو اللہ ہی سے مانگے اس کے پیاروں کے سامنے دست سوال دراز کرے، اور عقیدہ یہ رکھے کہ وہی ہوتا ہے جو وہ چاہے۔ جو نا چاہے وہ نہیں مل سکتا انبیاء اولیاء کے چاہے بغیر کچھ نہیں دے سکتے۔ ملتا نبی ولی سے ہی ہے مگر اللہ رب العزت کے چاہنے سے۔ علیہم الصلوٰۃ والتسلیم (روح المعانی)

**تیسرا اعتراض:** ان دونوں دعاؤں میں پہلے ظالمین کہا پھر کافرین کہا اس کی کیا وجہ ہے؟

**جواب:** اس لئے کہ پہلی دعا میں خاص فرعون اور درباری مشیروں سے بچنے کی دعا ہے۔ جو کفر کے علاوہ ظالم اور قاتل و جلاد بھی تھے۔ کفر سے زیادہ ان کی یہ صفت قابل مذمت و نفرت تھی اس کا یہاں ذکر کیا۔ دوسری دعائیں عام کفار کا ذکر ہے جو ظالم تو نہ تھے البتہ ورغلانے والے۔ اور ان مسلمانوں کی خدانخواستہ مغلوبیت کی صورت میں طعنہ دینے والے ضرور تھے۔ اس لئے ان کی ذات کا ذکر کیا۔ گویا کہ پہلی دعا میں کافروں کی صفت ہے دوسری ذات کا۔

**تفسیر صوفیانہ:** راہ ملک عدم کے لئے دو وادیاں ہیں وادی (۱) اثبات (۲) وادی فنا جب مسافر تسلیم و رضا کی منزل پر رواں دواں ہوتا ہے تو تین مقام سے گزرنا پڑتا ہے پہلا مقام شکر پھر مقام صبر یہ دونوں وادی بقا کی منزلیں ہیں جب وادی بقا کو تہہ

کر جاتا ہے تو مقام توکل آتا ہے جو وادی فنا کی ابتداء ہے اس مقام کو تہہ کرنے کے لئے احرام عشق ومحبت لازمی شرط ہے جس کی پہلی چادر تسلیم ورضا ہے اور دوسری چادر ایمان ومعرفت ہے۔ یہاں ہی مقام عرفات کی تجلیاں محرم اسباب پر ورود کرتی ہیں اصطلاح شریعت میں اسلام نام ہے۔ کلمہ طیبہ پڑھنے اور توحید ورسالت کے اقرار کا۔ اور ایمان نام ہے نماز روزہ تقویٰ پرہیزگاری کا۔ مگر اصطلاح طریقت تسلیم ورضا ہی اسلام ہے اور معرفت کردگار ایمان ہے۔ اسی لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یاایھا الذین امنوا۔ امنوا اے مومنوں ایمان لاؤ۔ یعنی معرفت خالق کائنات حاصل کرو۔ اس عرفات میں۔ لبیک کے تلبیے کی حاجت نہیں کہ اس سے وجود نفس کا ثبوت ہے۔ یہاں تو آنا کو فنا کرو۔ اسباب سے منقطع ہوکر، مسبب کے مشاہدے کی لذت کے دریامیں غرق ہوتا کہ زم زم لطائف کی حقیقت آشکارا ہو۔ کیونکہ جب فنا مکمل ہوتا ہے۔ تو توکل لازم ہوتا ہے (ابن عربی) اسباب کو چھوڑ کر مسبب پر نظر ہو تب بندہ مومن توکل کے درجے پر فائز ہوتا ہے۔ کسی نے حضرت ابراہیم خواص سے پوچھا کہ توکل کیا ہے۔ تو فرمایا اللہ میں شاغل ہونا بلاواسطہ توکل حقیقیہ ہے (آرائس البیان) ایمان تامہ اس وقت ہی مکمل ہوتا ہے۔ جب مخلوق سے خوف ورجاء ختم کر لئے اور خالق کے دست قدرت میں خود کو اس طرح ڈال دے جس طرح مردہ غسال کے ہاتھ میں۔ اس آیت کریمہ میں اسی توکل کا درس دیا جارہا ہے۔ لیکن چونکہ اس راہ میں ہزارہا مصیبتیں۔ بے شمار رنج وبلا ہے لہٰذا ہر موقع پر اللہ کریم سے دعائیں مانگتا رہے تاکہ استقامت نصیب ہو۔ اور ظالم نفس اور ابلیس کفر سے محفوظ وماموں رہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

ہر کہ در بحر توکل غرق گشت ۔۔۔ ہمتش از ما سوی اللہ درگذشت
این توکل گرچہ دارد رانجہا ۔۔۔ فھو حسبہ مخلص ازوی گنجہا

فرمایا جارہا ہے کہ اے مومن مخلص بندو جب تم رنج وراحت خوف وامید میں قادر مطلق کو ہی موثر حقیقی سمجھ لو اور

گرچہ تیراز کماں ہمیں گزرد ۔۔۔ ازکماندار بیند اہل خرد

کے شان والے عقیدے پر قائم ودائم ہو تو وہ رب کریم تمہارے ہر معاملے میں تمہارا کفیل ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔ جب تک لباس خودی میں رہتا ہے۔ احرام فنا سے روشناس نہیں ہوتا۔ محض دعوے ہوتے ہیں۔ لیکن جب یہ لذت والی وادی نصیب ہوتی ہے تو وجود خودی ختم ہوجاتا ہے۔ شعر۔

ایں مدعیاں در طلبش بے خبرانند ۔۔۔ کا فرانکہ خبر شد خبرش باز نیامد

# وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا

اور وحی بھیجی ہم نے طرف موسیٰ اور اس کے بھائی یہ کہ بناؤ تم دونوں لیے قوم

اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کو وحی بھیجی کہ مصر میں اپنی قوم کے لیے مکانات بناؤ

بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا

اپنی میں مصر بہت سے گھر اور بناؤ تم سب لوگ گھروں اپنوں کو مسجد اور قائم کرو نماز

اور اپنے گھر کو نماز کی جگہ کرو اور نماز قائم رکھو

الصَّلٰوةَ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور خوشخبری دے مومنوں کو

اور مسلمانوں کو خوشخبری سناؤ

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں نو مسلم قوم کا ایمان افروز جواب مذکور ہوا اس آیت میں سوال جواب کے بعد اگلی ہدایت وقانون کا ذکر ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ایمان واسلام کا ذکر تھا اس آیت مبارکہ میں اعمال کا ذکر شروع کیا جا رہا ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں قوم موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا ذکر تھا اس میں دعا کی قبولیت کا ارشاد ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ اس قوم سے ہم کو علیحدہ کر دے اب رب کریم نے ان کی عرض قبول فرمالی اور ان کی کامیابی و کامرانی کے لئے اپنے برگزیدہ نبی حضرت موسیٰ و ہارون کو وحی کے ذریعہ پیغامات و ہدایات ارشاد فرمائیں۔

**چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں توکل کا سچا اقرار تھا اس آیت میں توکل علی اللہ کا نتیجہ مذکور ہے کہ اللہ کریم کے انبیاء کی مدد ان کو پہنچ گئی۔

**تفسیر نحوی:** واوحینا الی موسیٰ واخیہ۔ یہاں حرف واؤ سر جملہ ہے۔ اوحینا باب افعال ماضی مطلق جمع متکلم اس کا فاعل ذات باری تعالیٰ فصاحت کلام کے لئے جمع مستعمل ہے نہ کہ جمعیت یا ادب کے لئے کیونکہ شان باری ہیں جمعیت کا استعمال سوء ادبی ہے اہل دیابنہ کا غلط طریقہ مروج ہے۔ اس کا مادہ اشتقاق وحی مثال واوی اور ناقص یائی۔ وحی کے پانچ ترجمہ ہیں۔ ایک یہ کہ کسی کی طرف اشارہ کرنا (۲) کسی سے خفیہ بات کرنا (۳) کسی کام میں جلدی کرنا (۴) الہام کرنا یعنی دل میں بات ڈالنا جس کو عربی میں القاء کرنا بھی کہتے ہیں (۵) انبیاء کرام کی طرف پیغام بھیجنا (منجد) یہاں یہ ہی آخری معنی مراد ہیں۔ الیٰ حرف جو انتہا کے لئے اصل معنی میں مستعمل ہے اس کا مجرور پورا جملہ عاطفہ ہے۔ لفظ موسیٰ سے حضرت موسیٰ صاحب کتاب و شریعت مرسل نبی مراد ہیں یہ لفظ معطوف علیہ ہے۔ واؤ حرف عطف اخیہ مرکب اضافی معطوف ہے لفظ اخی کے مادہ اشتقاق میں نحات کے تین قول ہیں (۱) اخی۔ بہمزہ الفاء و ناقص یائی اسی سے تخویۃ ہے جس کے معنی ہیں پیٹ کو زمین سے جدا کرنا۔

(مجمع البحار) دوسرا قول ہے اخو۔ ناقص وادی۔ اسی سے ہے اخوت۔ بمعنی ایک دوسرے کا بھائی بننا (لغات کشوری) تیسرا قول ہے۔ اخ لفیف مقرون اخی اسماء ستہ مکبرہ سے ہے۔ اس کی مونث اخت ہے۔ لفظ اخی کا ترجمہ ہے بھائی اصلاً نسبی ایک پیٹ کی اولاد کے لئے مستعمل ہوتا ہے یہاں معنی میں ہے وضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع لفظ موسیٰ ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون۔ ان تبوأ لقومکما بمصر بیوتا۔ حرف ان مصدریہ ہے مضارع کو نصب دیتا ہے خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ تبوا۔ باب تفعل کا مضارع معروف صیغہ تثنیہ مذکر حاضر اس کا فاعل حضرت موسیٰ و ہارون ہیں یہ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے بعض نے کہا متعدی بیک مفعول ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اصلاً متعدی بیک مفعول ہے جب بعد میں لام آ جائے تو بدو مفعول ہو جاتا ہے۔ جیسے یہاں (معانی) اصل میں تھا تتبوا باب تفعل میں اکثر اجتماع تائین کے وقت صیغے کی تا، گرادی جاتی ہے بوجہ ثقل۔ جیسے کہ تنزل الملئکۃ والروح۔ میں ہے۔ بوی اجوف وادی و ناقص یائی سے بنا یا مہموز لام بوء سے بنا اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ تبوا ٹھکانا یا منزل بنانا جیسے کہ توطن وطن بنانا۔ کیونکہ باب تفعل پانچ خصوصیت سے استعمال ہوتا ہے۔ ایک خصوصیت ہے تکلف۔ یہاں اسی لئے مستعمل ہے۔ لقومکما۔ لام نفع کا ہے۔ قوم سے مراد سب مسلمان۔ کما ضمیر تثنیہ اس کا مرجع موسیٰ و ہارون (علیہم السلام) بمصر۔ غیر منصرف ہے (تمرین الادب ص ۱۱) کیونکہ یہ مونث و معرفہ ہے۔ کبھی کبھی تخفیف کے لئے منصرف بھی کر لیا جاتا ہے۔ (معانی) لغوی ترجمہ مطلق شہر یہاں ملک مصر مراد ہے۔ بیوتا جمع ہے بیت کی اجوف یائی ہے۔ اصلاً مصدر مادہ ثلاثی ہے استعمالاً اسم جامد ہے۔ رات گزارنے کی جگہ بمعنی گھر واجعلوا بیوتکم قبلۃ۔ واؤ عاطفہ ہے پہلا جملہ معطوف علیہ اور یہ پورا جملہ معطوف ہے۔ اجعلوا۔ امر جمع مذکر حاضر معروف۔ معطوف علیہ کا فعل تثنیہ ہے معطوف کا یہ فعل اس کی وجہ اعتراضات میں بیان کی جائے گی۔ اس صیغہ جمع کا فاعل سب مسلمان ہیں۔ جعل سے بنا حرفاً صحیح ہے۔ بمعنی ابتداء کسی چیز کو بنانا متعدی بدو مفعول ہے۔ پہلا مفعول بیوتکم مرکب ناقص اضافی ہے دوسرا مفعول۔ قبلۃ۔ قبل سے بنا۔ آخر میں ت مصدر کی ہے۔ بمعنی آمنے سامنے ہونا بالمقابل ہونا۔ بعض نحویوں نے فرمایا۔ اجعلوا متعدی بیک مفعول ہے بیوتکم اس کا مفعول بہ ہے اور قبلۃ۔ بیوتکم کا حال ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) و اقیموا الصلوۃ واؤ عطف کی ہے۔ یہاں بھی جملے کا جملے پر عطف ہے۔ اقیموا۔ باب افعال سے امر جمع مذکر حاضر معروف ہے۔ متعدی بیک مفعول ہے۔ قوم اجوف وادی سے بنا۔ اس کے دس معنی (۱) منتشر کرنا (۲) رکنا (۳) کھڑا ہونا (۴) غالب کرنا (۵) عدول کرنا بدلنا۔ (۶) ہمیشہ کرنا (۷) مطالبہ کرنا (۸) خود کو وقف کرنا (۹) کسی جگہ بطور وطنیت سکونت اختیار کرنا (۱۰) ارادہ کرنا (منجد) یہاں پہلے معنی درست ہیں۔ یعنی خود کو نماز کے لئے وقف کر دو۔ الصلوۃ صلو بنا ناقص وادی ہے۔ یا صلی سے بنا۔ تب ناقص یائی ہے۔ اس کے پانچ معنی (۱) نماز پڑھنا (۲) درود شریف پڑھنا (۳) دعاء رحمت (۴) آگ سے نرم کرنا (۵) پیٹھ کو درمیان میں رکنا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں وبشر المومنین یہ واؤ بھی عاطفہ ہے۔ اور جملہ کا جملہ پر عطف ہے۔ بشر باب تفعیل سے امر واحد مذکر حاضر اس کا فاعل موسیٰ علیہ السلام۔ تبشیر سے بنا۔ مادہ اشتقاق بشر ہے۔ اس کے آٹھ معنی (۱) چکنی کھال (۲) ظاہری انسانی جسم (۳) کڑی سبزی کھانے والی جو کھانا حلال ہے (۴) چہرے کا حسن (۵) چہرے کی رونق (۶) ایک دوسرے سے ملنا (۷) زمینی پیداوار

(۸) خوش خبری یہاں آخری معنی مراد ہے یہ متعدی بدومفعول ہے اس کا ایک مفعول یہاں پوشیدہ ہے دوسرا مفعول المومنین۔ مومن کی جمع ہے۔ مراد حضرت موسیٰ و ہارون کے علاوہ باقی مسلمان ہیں باب تفعیل کی چھ خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ابتدائے فعل ہے وہی یہاں مستعمل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تفسیر عالمانہ: واوحینا الی موسیٰ واخیہ۔ اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی کی لفظ وحی ایک مشترک لفظ ہے جب اس کی نسبت انبیاء کرام کی طرف ہو تو اس سے صاف صاف پیغام قانونی یا خبری مراد ہوتا ہے۔ کبھی بواسطہ جبرئیل اس کو وحی جلی کہتے ہیں۔ کبھی بغیر واسطہ اس کو خفی کہتے ہیں۔ اگر اس کی نسبت اولیاء اللہ کی طرف ہو تو اس کو الہام کہا جاتا اگر اس کی نسبت جانور کی طرف ہو تو اس کو القاء قلبی کہا جاتا ہے لفظ وحی کا حقیقی استعمال انبیاء کرام کے لئے ہے دوسروں کے لئے بطور مجاز ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام دونوں اللہ رب العزت کے اولوالعزم پیغمبر ہیں اس لئے وحی اپنے حقیقی معنوں میں ہے۔ یہاں وحی سے شرعی یا قانونی پیغام نہیں کیونکہ صاحب شریعت و کتاب صرف حضرت موسیٰ اور سر کردہ مسلمانوں کو سولی دے پکا ان تبوا لقومکما بمصر بیوتا۔ کہ تم دونوں اپنی قوم کے لئے مصر ہی میں گھر بنواؤ۔ جب فرعون نے بنی اسرائیل پر حکومت قائم کی تھی تو ان پر بے شمار ظلموں میں ایک ظلم یہ بھی تھا کہ ان کے گھر ان کی ملکیت سے چھین لئے تھے اور سب پر قبطیوں کو مالکانہ قابض کر دیا تھا اسرائیلی لوگ بطور غلام ولونڈی نوکر چاکر کی حیثیت سے متفرق گھروں میں ڈیوڑھیوں میں رہتے تھے ان کی مسجدیں معبد سب شہید کر دیئے تھے۔ بعثت موسیٰ علیہ السلام کے بعد چونکہ اس کی حکومت کافی حد تک کمزور ہو گئی تھی کچھ اس کو اپنی شکست کا غصہ اور کچھ نو مسلم لوگ موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے دلیر ہو چکے تھے۔ فرعون کو اپنی ساکھ قائم کرنے کی فکر ہوئی تو اس نے بنی اسرائیل اور مسلمانوں کو اور بددل کمزور کرنے کے لئے ان پر ظلم کرنا شروع کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ یا یہ پہلے کی طرح خادمہ حیثیت سے رہیں یا بھاگ جائیں اور بنی اسرائیل کی اکثریت اتنے عرصے غلامیت میں رہنے کی وجہ سے۔ نماز روزہ ذکر اذکار دینی ریاضات و رواج بھول چکی تھی ان تمام وجوہ کی بنا پر اللہ کریم نے وحی بھیجی کہ اے موسیٰ و ہارون تم مصر میں ہی ڈٹ کر رہو یہیں پر اپنے مکان بناؤ اور جب تک ہم نکلنے کی ہجرت کرنے کا حکم نہ فرمائیں اس وقت تک یہیں رہ کر اپنی قوم کو عبادت و ریاضت کا طریقہ سکھاؤ تا کہ بھولی ہوئی باتیں یاد آ جائیں اور محکومی و غلامیت کا اثر ختم ہو کر جہاں بانی کی لیاقت پیدا ہو۔ خیال رہے کہ کبھی کوئی نبی خوف زدہ ہو کر ہجرت پر مائل نہ ہوئے بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ عین عروج کفار کے زمانے میں تو انبیاء کفرستان میں ہی رہے۔ جب یہاں کفر کا زور ٹوٹا تب ان کو رب تعالیٰ نے ہی حکم ہجرت فرمایا تو ہجرت کی واجعلوا بیوتکم قبلۃ۔ اور تم مسلمان اپنے اپنے گھروں میں قبلہ بناؤ۔ گھر بنانے کا حکم صرف حضرت موسیٰ و ہارون کو دیا گیا۔ اور گھروں کو عبادت گاہ بنانے کا حکم ہر شخص کو فرداً فرداً دیا گیا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ گھر بنانا ظاہراً خالص دنیاوی کام ہے جس کی طرف دنیا دار اور جلدی مائل ہوتا ہے اس لئے عام لوگوں کو اس کا حکم نہ دیا بلکہ انبیاء کو حکم فرمایا کہ ثابت ہو کہ دنیا وہی اچھی ہے جو سنت انبیاء کے مطابق ہو اور حصول دنیا میں بھی انبیاء کرام کے نقش قدم پر چلو۔ آج جو بدبخت یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ دین ہمارا اسلام معاشرہ ہمارا سوشلزم۔ قوت ہماری عوام ہیں وہ سخت گمراہی میں

ہیں۔ اسلام ہر چیز میں اپنی بالا دستی چاہتا ہے۔ تجارت حکومت گھر بار عبادت ریاضت سب کام میں فرمودات نبی کو مد نظر رکھنا ہی کامل ایمان ہے اور پھر جب تم کو شریعت کے مطابق اول دنیا میسر ہو جائے تو یہ نہ سمجھنا کہ یہ گھر بار جاہ و جلال تخت و تاراج مال و دولت صرف عیش پرستی کے لئے دیا گیا ہے۔ بلکہ واقیموا الصلوۃ یہاں صیغہ جمع فرمانے میں یہ راز ہے کہ چونکہ عبادت و ریاضت کی طرف دنیا دار راغب نہیں ہوتا نہ خود بخود ان کا دل چاہتا ہے اس لئے سب کو خاص علیحدہ علیحدہ حکم دیا جا رہا ہے کہ ان گھروں کو حسب سابق لذات دنیا کے لئے استعمال نہ کرنا بلکہ ہر گھر کو اللہ کی مسجد بنا دینا کہ تمہارے گھروں سے (بجائے فرعونی گھروں کی طرح گانے باجے کھیل کود کی آواز کے) نعت خوانی صلوٰۃ وسلام تلاوت و عبادت کی خوشبودار آوازیں بر آمد ہوں اور مسلم و کافر کے گھروں کا امتیاز ہوتا رہے۔ خوش قسمت ہے وہ مسلمان جس کے گھر میں ایسی آوازیں اور تلاوت کے چرچے ہوتے ہیں۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم پر پھر کوئی فرعون مسلط ہو جائے گا۔ بعض محققین نے فرمایا کہ اس آیت کا مطلب ہے کہ تم گھروں کو قبلہ رخ بناؤ یعنی کعبہ کی سمت کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اور آپ سے پہلے تمام انبیاء کرام کا قبلہ کعبہ ہی تھا اس وقت تک مسجد اقصیٰ بنی ہی نہ تھی مسجد اقصیٰ جس کو پہلے ھیکل کہا جاتا تھا حضرت آدم کے تین ہزار ایک سو دس سال۔ اور حضرت موسیٰ کی ہجرت مصر سے پانچ سو بانوے سال بعد پہلی مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنائی اور دعا کی کہ یا اللہ اس کو ہمارے لئے قبلہ بنا دے۔ کعبہ کو پہلی مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام نے اور دوسری مرتبہ حضرات ابراہیم نے انبیاء آدم پر بنایا۔ کعبہ کو آج ساڑھے سات ہزار سال ہو رہے ہیں اور مسجد اقصیٰ کو آج تقریباً تین ہزار سال ہوئے پھر کعبہ حضرت آدم سے آج تک قبلہ ہے اور مسجد اقصیٰ صرف پندرہ سو سال قبلہ رہا۔ کعبہ سب انبیاء کا قبلہ رہا لیکن اقصیٰ از حضرت سلیمان تا عیسیٰ علیہ السلام صرف انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ رہا اس دوران بھی غیر اسرائیلی انبیاء سمت کعبہ کو ہی قبلہ بناتے تھے اور نبی کریم نے بھی تھوڑے عرصہ مسجد اقصیٰ کو قبلے کی فضیلت بخشی۔ بعض نے فرمایا کہ قبلۃ کا مطلب ہے مسجد کی شکل پر گھروں کو بناؤ اور گھروں میں رہو لیکن مسجد کی طرح ادب آداب کے ساتھ تاکہ تم خفیہ نمازیں بھی یہاں پڑھ سکو اور رہائش بھی رکھو۔ فرعون کے ظلم سے بچے بھی رہو مگر یاد رکھو کہ فرعون تم پر اسی لئے مسلط و غالب ہوا تھا کہ تم نے اپنے رب کو بھلا دیا اب ایسا نہ کرنا جس اللہ نے تم بے کسوں بے بسوں بے گھر بے دروالوں کی دستگیری فرمائی اس کے حضور ہمیشہ حاضر رہنا بلکہ واقیموا الصلوۃ خود کو اس کی نماز کے لئے وقف کر دو کہ ہر وقت نماز ہی کا تصور ہو (بقول پنجابی) ہاتھ کار ول۔ دل یار دل۔ چلو تو اس کے ہو کر پھر دو تو اس کے بن کر بیٹھو جاگو و اس کے خیال میں۔ بس وہ تمہارا ہو تم اس کے ہو اور خطاب آئے کہ اے بندے ہم تیرے ہی ہیں (اے میرے کریم مجھ کو بھی ایسی نماز عطا فرما) سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں قبلۃ بیوتکم کا حال ہے۔ اور مطلب ہے آمنے سامنے بالمقابل گھر بناؤ تاکہ ایک دوسرے کے پڑوسی بندے سب مسلمان قریب ہونے کی وجہ سے اصول محلے داری کی سمجھ کے علاوہ قوت میں بھی زیادہ ہو جاؤ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونا بھی اسلام میں عبادت ہے۔ گویا ایک تنظیم وحدت ملی اور اتحاد کا سبق ہے۔ دوری سکونت سے بعد قلبی پیدا ہو جاتا ہے جس سے قومی کمزوری واقع ہوتی ہے۔ وبشر المومنین اور اے موسیٰ علیہ السلام آپ ان مومنوں کو۔ خوش خبری دے دو۔ یہ خطاب صرف حضرت

موسیٰ کو ہے۔ کیونکہ صاحب شریعت و کتاب نبی آپ ہی ہیں۔ اگر چہ یہ الفاظ۔ ظاہراً بعد میں ہیں مرحکماً پہلے ہیں یعنی اے موسیٰ ان مسلمانوں کو دنیا میں ان کو سابقہ دعا کی قبولیت اور عدو و غلبے علی الکفار کی خوش خبری اور آخرت میں جنت و تجلیات و خوشنودی رب کریم کی خوش خبری دے دو۔ پھر اے موسیٰ و ہارون اپنی اس قوم کے لئے گھر بناؤ۔ پھر تم سب نماز قائم کرو۔ اقیموا الصلوۃ کا جملہ لفظاً وحکماً ہر دو طریق پر موخر ہے مگر بشر المومنین صرف لفظاً موخر ہے۔ حکماً اول ہے کیونکہ اصل خطاب حضرت موسیٰ کو ہے۔ اسی لئے حضرت ہارون اگر چہ بڑے بھائی ہیں مگر ذکر میں تقدم حضرت موسیٰ کو حاصل ہوا بارگاہ خداوندی میں بزرگی عمر کوئی معنی نہیں رکھتی نہ عمر ابڑا ہونا مدارج کو مستلزم۔ وہ بے نیاز ذات جسے چاہے نوازدے۔ اس کا نواز ہوا ہی کائنات میں بزرگ ہے یہاں قوم نہ فرمایا جیسے کہ ابھی پہلے بلکہ مومنین۔ کیونکہ نسبتوں کا فرق ہے۔ وہاں دنیاوی نسبت تھی اس لئے قوم فرمایا یہاں ایمان و عرفان کی نسبت۔ اس لئے اظہار شفقت و پیار کے لفظ مومنین ارشاد ہوا۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** اللہ کریم جو نعمت بھی اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے دینی یا دنیوی وہ اپنے نبی ہی کے واسطے سے عطا فرماتا ہے۔ یہاں تک کہ بندوں کو حکم بھی اپنے انبیاء کرام کے ذریعے ہی ارشاد فرماتا ہے حالانکہ قادر ہے کہ بلاواسطہ تمام انسانوں کو پیغام عطا فرماوے۔ جیسے کہ شہد کی مکھی کو۔ یا حضرت مریم کو وحی فرمائی۔ لیکن پھر بھی تمام بندوں کو نعمتیں لینے میں انبیاء کا محتاج بنایا یہ فائدہ و اوحینا الی موسی (الخ) سے حاصل ہوا۔

**دوسرا فائدہ:** مرسل نبی کا درجہ غیر غیر مرسل نبی سے زیادہ ہے اور شریعت میں عمر کی زیادتی سے درجے کی زیادتی نہیں ہوتی درجہ کی زیادتی رب کے کرم پر موقوف ہے کبھی چھوٹا بھائی بڑے بھائی سے درجے میں زیادہ ہوتا ہے اور قابل ادب بھی اور ہر لحاظ سے اس کو اولیت دی جائے گی یہ فائدہ موسیٰ واخیہ کی ترتیب سے حاصل ہوا۔

**تیسرا فائدہ:** دنیاوی ساز و سامان اللہ تعالیٰ کی عطا ہے یہ عیش و عشرت کے لئے نہیں بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول کے ذکر اور نماز روزے کے لئے ہے ان چیزوں کو لے کر اللہ رسول کی یادیں تازہ کرو نہ کہ غرور تکبر و عیش پرستی یہ فائدہ بیوتکم قبلۃ سے حاصل ہوا۔ یعنی گھروں کو مسجدیں بناؤ کہ کنجر خانہ۔

**چوتھا فائدہ:** نماز کو ایک ڈیوٹی یا مصیبت نہ سمجھو بلکہ اس کو روحانی غذا اور لذت ایمانی سمجھو اور یہ صرف پڑھو ہی نہ بلکہ خود کو اس کے لئے وقف کر دو۔ سب کام اسکے تابع ہوں یہ نماز روزہ سب کا متبوع ہو۔ خوشی و مصیبت رنج و راحت میں نماز کا سہارا پکڑو یہ فائدہ اقیموا الصلوۃ سے حاصل ہوا۔

**اعتراضات:** اس آیت کریمہ پر چند اعتراض پڑتے ہیں۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں تین حکم مختلف صیغوں سے ارشاد ہوئے پہلے تثنیہ پھر جمع۔ پھر واحد۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

**جواب:** اس لئے کہ پہلا حکم دنیوی معاشرے اور اتحاد و دنیا میں رہن سہن سے متعلق ہے۔ اور یہ کام شریعت کے مطابق

ہونا ہی دین ایمان ہے اس لئے بجز انبیاء کرام کے فرمودات کے دنیا کا معاشرہ قطعاً درست نہیں ہو سکتا بلکہ ناممکن ہے۔ اس لئے صرف انبیاء کو خطاب ہوا دوسرا حکم عبادت اور دینی باتوں سے متعلق ہے جو سب پر فرض ہیں اس لئے جمع کا صیغہ ارشاد ہوا تیسرا حکم آخرت اور نتیجے یا قبولیت سے متعلق ہے جو شریعت وطریقت کا مسئلہ ہے اس لئے صرف موسیٰ علیہ السلام کو خطاب ہوا کیونکہ آپ صاحب شریعت وکتاب نبی ہیں۔ حضرت ہارون صرف صاحب تبلیغ نبی ہیں (مسائل الرازی ص ۱۳)

**تیسرا اعتراض:** آپ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ قبلۃ سے مراد کعبہ کی طرف متوجہ ہونا ہے حالانکہ مشہور یہ ہے کہ یہود کا قبلہ ہیکل اور بیت المقدس تھا اور یہود سب نبی اسرائیل تھے خود حضرت موسیٰ بھی بنی اسرائیل تھے۔ اس لحاظ سے ان کا قبلہ بیت المقدس کی طرف ہونا چاہئے۔ دیگر تفاسیر میں بھی ایسا ہی ملتا ہے۔

**جواب:** بیت المقدس ایک پورے شہر کا نام ہے جو ملک فلسطین میں ہے۔ اس میں مسجد اقصیٰ حضرت سلیمان کے زمانے میں بنی اسی کو ہیکل کہا جاتا تھا یہ ان یہود کا ذکر ہے جو بعد سلیمان علیہ السلام ہیں تا زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

**تیسرا اعتراض:** تمام تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کا قبلہ کعبہ رہا۔ تو بیت المقدس کب اور کس نے قبلہ بنایا حالانکہ قبلہ بنانا تو فقط انبیاء کا کام ہے۔

**جواب:** صرف چند انبیاء کرام کے زمانے میں بنت المقدس قبلہ رہا از حضرت سلیمان تا عیسیٰ علیہ السلام اس کے علاوہ تمام انبیاء بنی اسرائیل وغیر نبی اسرائیل نبی اسرائیل کا قبلہ کعبہ ہی رہا وللاکثر حکم الکل اکثریت کو کل کا حکم دیا جاتا ہے۔

**چوتھا اعتراض:** حدیث پاک سے ثابت ہے کہ صرف نبی کریم اور آپ کی امت کی خصوصیت ہے کہ ساری زمین جنگل گھر بازار وغیرہ ان کے لئے رب تعالیٰ نے مسجد بنا دی۔ سابقہ انبیاء اور امتوں کو جائز نہ تھا سوائے بیعوں کنیسوں کے نماز پڑھنا۔ مگر یہاں ثابت ہو رہا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھ سکتے تھے اور خود رب کا حکم یہ ہی تھا۔ تو ثواب بھی ان کو گھروں میں مسجدوں کے برابر ہی ملتا ہوگا تو حدیث وقرآن میں تعارض ہو رہا ہے اور پھر یہ امت مسلمہ کی خصوصیت نہ ہوئی بلکہ وہ لوگ امت نبی کریم سے شان میں بڑھ گئے کہ ہماری گھر کی نماز مسجد کے برابر نہیں۔ جب کہ ان کی گھر کی نماز کا ثواب مسجد کی نماز کے برابر۔

**جواب:** اس کے دو جواب ہیں پہلا جواب آیت میں فرمایا گیا واجعلوا بیوتکم قبلۃ گھروں کو مسجد بناؤ یعنی ان کا ہر گھر بیعہ اور کنیسہ بنا دیا گیا وہاں ان پر وہی پابندیاں لگا دیں جو آداب عبادت گاہ کی ہوتی ہیں ان کے علاوہ وہ کہیں نماز پڑھ سکتے تھے بخلاف ہمارے کہ جہاں چاہیں بازار دکان سڑک گلی، جنگل خشکی تری میں نماز پڑھیں دوسرا جواب بیعوں۔ اور کنیسوں (گرجوں مندروں) کی خصوصیت حالت امن کی ہے۔ لیکن یہاں گھر میں نماز پڑھنے کا اختیار حالت اضطرار وخوف کا ہے۔ خوف اور مجبوری میں حکم بدل جاتا ہے۔ لہٰذا تعارض نہ ہوا۔

**تفسیر صوفیانہ:** یہ دنیا دار فنا ہے یہاں کی ہر چیز زوال پذیر ہے یہاں دل لگانا فضول ہے۔ اے عالم ناسوت کے مسافرو موسیٰ ءقلب کے ماتحت ہو جاؤ اللہ کریم فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰ ءقلب اور اس کے قریبی ہارون فواد کی طرف وحی بھیجی ہے۔

کہ عالم روحانیت سے نکال کر خود اس پر قابض ہونا چاہتا ہے جب تک ہماری تجلیات وارشادات کا جلوہ گاہ موسیٰ ع قلب تم کو ہجرت عالم لاہوت کا اشارہ نہ کرے اس وقت تک تمہیں ڈٹے رہو۔ اور اپنے دنیا کی طرف بھاگنے والے مسافروں مسافرت ترک کر کے اسی جسد عنصری کو قبلہ گاہ خواہشات اسرار بنالو۔ اور بالکل خفیہ۔ انا کو فنا کر کے خود میں سما کر دائمی نماز میں اس طرح مشغول ہو جاؤ کہ ہر دم مقامات روحانیہ سے قربات و مواصلات ربانیہ کی معراجیں حاصل ہوتی رہیں۔ اے دنیا کے پیچھے دوڑنے والو کیوں ضائع کر رہے ہو۔ فقیر و ولی اللہ کی طرف گامزن ہو جاؤ۔ کیونکہ دنیا اور یہاں کی اشیاء ممکن ہیں اور ممکن کا سیر متناہی ہے اور اس کی لذت منقطع ہے لیکن واجب تعالیٰ کی طرف سیر متناہی اور اس کی لذت غیر فانی۔ دائمی ہے دنیا و آخرت میں جو جو تکالیف آتی ہیں وہ ان کو صاحب کرامات اولیاء کی لذت سے زیادہ محبوب ہیں۔ یہی وہ لذت تھی جو معراج میں نبی اکرم کو عطا ہوئی جس کی حضرت موسیٰ نے معراج میں تمنا کی۔ ان کو وہ لذت دیدار احمد مجتبیٰ سے حاصل ہوئی صحابہؓ کو یہ لذت جمال یہاں آرام سے نصیب ہوئی کہ مقام صحابیت پایا ہر مومن کو اس کا حصول نماز میں ہے۔ اس لئے صوفیا فرماتے ہیں کہ معراج محمدی قرب ذات سے ہوئی اور معراج موسیٰ۔ دیدار تجلیات محمدی سے اور معراج صحابہ رخ پاک انور کا دیدار کرنا۔ اور معراج مومن نماز ہے۔ **اللھم ارزقنا من ھذہ الایات**۔

**وَقَالَ مُوسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ**

اور عرض کیا موسیٰ نے اے رب ہمارے بیشک تو نے دیا فرعون اور سرداروں اس

اور موسیٰ نے عرض کی اے رب ہمارے تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو

**زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا**

کے کو زینت اور بہت مال میں زندگی دنیا کی اے رب ہمارے تاکہ گمراہ

آرائش اور مال دنیا کی زندگی میں دیئے اے رب ہمارے اس

**عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ**

کریں سے راستے تیرے اے رب ہمارے بربادی ڈال پر مالوں ان کے اور سختی

لیے کہ تیری راہ سے بہکادیں اے رب ہمارے ان کے مال برباد کردے اور ان

**عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾**

کردے پر دلوں ان کو کہ نہ ایمان لائیں وہ یہاں تک کہ دیکھ لیں وہ عذاب دردناک

کے دل سخت کردے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں

قَالَ قَدۡ اُجِيۡبَتۡ دَّعۡوَتُكُمَا فَاسۡتَقِيۡمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ

فرمایا بیشک قبول کی گئی دعا تم دونوں کی پس ثابت قدم رہو تم دونوں اور نہ اتباع

فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہوئی تو ثابت قدم رہو اور نادانوں کی

سَبِيۡلَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۹﴾

کرو تم دونوں راستہ ان کا جو نہیں جانتے

راہ نہ چلو

**تعلق:** اس آیت کریمہ کے پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہیں۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ و ہارون کو حکم الٰہی ہوا تھا کہ تم مومنوں کو اتحاد اور آداب حکمرانی سکھا کر مضبوط کرو۔ تاکہ مسلمانوں کی حکومت قائم ہو اور باطل کمزور و مغلوب ہو اب فرعون کی غربت اور کمزوری کی دعا کا ذکر ہے کہ حکومت فرعونی کے خاتمے کے بغیر مسلمانوں کی حکومت کا قیام ممکن نہ تھا۔ جس طرح اندھیرے کے خاتمے کے بغیر اجالے کا وجود ناممکن اسی طرح حق کا غلبہ باطل کی مغلوبیت کو مستلزم ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں خود موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد ہوا تھا کہ اے میرے نبی لوگوں کی مشکل کشائی حاجت روائی کرو۔ مسلمانوں کی حاجیں پوری کرو اور مسلمانوں تم نے جو کچھ لینا ہے میرے انبیاء کرام سے مانگو ان کے در کے گدا و محتاج بن جاؤ۔ اس آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ کی التجاؤں اور دعا کا ذکر ہے کہ اے میرے رب کریم میری مشکلات میں تو میری مدد فرما یعنی تیرے بندوں کی مدد تیرے حکم سے میں کروں گا اور میری دعائیں التجائیں تو قبول فرما۔ گویا کہ مومن مسلمان تو نبی کریم سے مانگیں اور نبی کریم اللہ سے مانگیں یہ ہے سچی توحید اور ایمان۔

**تفسیر نحوی:** وقال موسی ربنا انک اتیت فرعون وملاہ۔ لفظ واؤ جملہ ہے قال فعل ماضی قول اجوف وادی سے بنا اس کا فاعل لفظ موسیٰ اسم مقصود ہے۔ رب لفظ رب اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ رب سے مشتق ہے مضاعف ثلاثی ہے۔ اصل میں رابب تھا بروزن فاعل بوجہ ثقل ب کا ب میں ادغام یعنی مشدد کیا گیا۔ راب ہوگیا اجتماع ساکنین کی بنا پر الف گرا دیا گیا رب ہوگیا۔ جیسے کہ بارے بر ہوا (روح المعانی) نا ضمیر جمع متکلم۔ لفظ ربنا مرکب اضافی کلمات انبیاء کرام میں سے ہے۔ انک حرف مشبہ بالفعل ک ضمیر اسم اگلا جملہ اس کی خبر ہے۔ اتیت اتی یاتی سے مشتق ہے اسی لئے اس کا فعل امر ات بھی آتا ہے اور ھات بھی۔ ارشاد ہے ھاتوا برھانکم۔ اتی مہموز الفاء اور ناقص یائی ہے فرعون سے وہی سابقہ مذکور فرعون مراد و ملاءہ مرکب اضافی ہے ملاء سے سرداران دربار اور ہ ضمیر کا مرجع فرعون ہے۔ اتیت فعل متعدی بدو مفعول ہے۔ پہلا مفعول فرعون (الخ) ہے اور دوسرا مفعول زینۃ واموالا فی الحیوۃ الدنیا۔ اسم مفعول۔ یعنی

زینت کے اسباب لباس مکانات گھوڑے۔ اور خزانے زیور کے۔ حرف واؤ عطف کی ہے اموال جمع ہے مال کی۔ مال کی شرعی تعریف جس کو دے کر نفع دار اشیاء کریدی جائیں۔ مثلاً سونے چاندی وغیرہ وہی یہاں مراد ہے۔ فی حرف جار یہ صرف اسم جامد کے اول آتا ہے الحیات الدنیا۔ مرکب توصیفی ہے۔ اموالا اور زینۃ کی تنوین (دو زبریں) تعظیم کی ہے الہذا الف لام جنسی ہے جو ہر قسم کی زندگی کے لئے کافی ہو۔ دنیا دنو سے بنا ہے بمعنی حقیر اور قلیل مونث اسم تفضیل ہے۔ یہاں یہ جہان فکر و عمل مراد ہے ربنا لیضلوا عن سبیلک۔ یہ جملہ باختلاف نحاۃ یا تعلیلیہ ہے ماقبل کا۔ یا بیان عاقبت کے لئے ہے۔ ربنا دوبارہ کہنا اللہ تعالیٰ سے عرض و معروض کے آداب کے لئے ہے یضلو میں لام کے ہے جس کو تعلیلیہ یا تعقیبیہ بھی کہتے ہیں۔ یضلو فعل مضارع معروف ضل سے بنا اسی سے ضلالت۔ اس کا ایک معنی ہے گمراہی یہ یہاں مراد ہے کیونکہ اس کے بعد عن سبیلک آ رہا ہے لفظ عن حرف جار نے یضلو کے معنی معین کر دیئے سبیل سبل سے مشتق ہے صفت مشبہ مبالغے کا صیغہ ہے اس کی جمع سبل ہے۔ بمعنی کھلا راستہ شارع عام یضلو اکو یا کے زبر سے بھی پڑھا گیا ہے اور پیش سے بھی پہلی صورت میں فعل لازم ہے یعنی خود گمراہ ہو جائیں دوسری صورت میں فعل متعدی لیکن مفعول پوشیدہ یعنی لوگوں کو گمراہ کریں۔ سبیلک میں کَ ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ سب کلام موسیٰ علیہ السلام کا ہے ربنا اطمس علی اموالھم یہاں ربنا پھر کہنا قبولیت دعا کے لئے ہے۔ اگلا جملہ بددعا بھی ہے اور دعا بھی خیال رہے جان کی ہلاکت کی تمنا ایک صورت سے بددعا ہی ہوتی ہے۔ لیکن مال یا عزت کی ہلاکت بہت دفعہ دعا ہوتی۔ اطمس صیغہ امر ہے بروزن اضرب طمس سے بنا ہے بمعنی مال و دولت برباد کرنا۔ علیٰ فوقیت کے لئے اپنے اصل معنی میں ہے۔ اموال جمع ہے مال کی ھم سے مراد وہ فرعون و فرعونی اطمس باب ضرب یضرب سے متعدی بھی ہوتا ہے اور لازم بھی یہاں متعدی ہے واشدد علی قلوبھم واؤ عاطفہ ہے۔ اشدد فعل امر ہے باب نصر ینصر کا۔ اسی سے ہے شدت اس کا ترجمہ ہے سختی ڈالنا یا مہر لگانا یہاں دورے معنی مناسب ہیں یہ جملہ بددعائیہ ہے اس لئے کہ علیٰ قلوبہم میں علی حرف جار غلبے کے لئے ہے قلوبہم میں قلوب جمع ہے قلب کی دل میں مخزن ایمان و اسرار کا نام قلب ہے۔ گوشت کے ٹکڑے کو دل کہتے ہیں یہ ہر وقت حرکت کرتا ہے اس لئے قلب بمعنی حرکت کرتا رہنے والا بھی کہہ دیتے ہیں اس کا مصدر ہے قلب یعنی ہمیشہ بدلنا۔ اسی لئے جسم حیوانی کو قالب کہتے ہیں کہ وہ بھی تبدیلی زمانہ کے ساتھ بدلتا ہے۔ یہاں قلب مصدر بمعنی اسم فاعل ہے۔ ھم ضمیر جمع غائب سے مراد ہی فرعونی لوگ ہیں فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم فلا یومنوا۔ ف تعقیبیہ بیان نتیجہ کے لئے آا یومنو فعل نہی جمع غائب بعض نحات نے حرف فا کو عاطفہ کہا اور پورا جملہ معطوف ہے اس کا معطوف علیہ لیضلوا علی سبیلک ہے لفظ حتی حرف جر نہیں ہے بلکہ حتی ناصبہ ہے یہ ہمیشہ بیان مدت کے لئے آتا ہے۔ باب ضرب یضرب۔ بمعنی توجہ سے دیکھنا یقین اور دل کی نگاہ سے دیکھنا۔ العذاب۔ اس میں الف لام عہد خارجی ہے۔ عذاب کا اصطلاحی معنی اخروی سزا الالیم صفت ہے عذاب کی الم سے بنا ہے بمعنی درد صفت مشبہ ہے بروزن کریم قال قد اجیبت دعوتکما۔ قال قول سے مشتق ہے اس کا فاعل اللہ ہے یہاں قول حقیقی معنی میں نہیں بلکہ متشابہات سے ہے یعنی جیسے بھی شان باری تعالیٰ کے لائق ہے۔ قد اجیبت فعل ماضی قریب مجہول ہے۔ باب افعال ہے۔

جوب اجوف وادی سے بنا ہے۔ بمعنی قبول کرنا یا جواب دینا یا ثابت کرنا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں دعوت کے معنی دعا مانگنا یا بددعا یہاں دوسرے معنی مناسب ہیں۔ کما حتثنیہ مذکر حاضر کی ضمیر متصل مجرور مرکب اضافی کا مضاف الیہ ہے۔ اس سے مراد حضرت موسیٰ و ہارون ہیں فاستقیما فعقیبیہ ہے استقیما فعل امر حاضر معروف صیغہ تثنیہ۔ باب استفعال قوم سے مشتق ہے باب استفعال میں آ کر طلب کے معنی پیدا ہوئے یقینی ثابت قدم رہو یا ثابت قدمی کی دعا مانگتے رہو۔ باب استفعال کی پانچ خصوصیات ہیں جن میں ایک ابتداء فعل ہے۔ یہاں یہی مناسب ہے ولا تتبعن سبیل الذی لا یعلمون۔ واؤ سر جملہ لا تتبعین فعل نہی حاضر معروف تثنیہ۔ خطاب حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو ہے سبیل سبل سے بنا بمعنی عام راستہ الذین اسم موصول جمع مذکر اس کا صلہ لا یعلمون مضارع منفی معروف۔ علم سے بنا علم کے پانچ معنی (۱) یقین کرنا (۲) ذہن میں کسی چیز کا آنا (۳) محسوس کرنا (۴) روشن ہونا (۵) حقیقت کو جاننا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔

تفسیر عالمانہ: وقال موسیٰ ربنا انک اتیت فرعون وملاہ زینۃ واموالا فی الحیوۃ الدنیا

اور عرض کیا موسیٰ نے اے ہمارے رب بے شک تو نے فرعون اور اس کے درباریوں کو زینت کی چیزیں اور بہت سے مال دنیاوی زندگی میں دیئے۔ یہ کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت عرض کیا جب کہ جادوگروں کے مقابلے کو کافی زمانہ گزر گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر طرح سے فرعون اور اس کے رئیسوں کو سمجھا ڈالا مگر ان میں سے کوئی بھی ایمان کی طرف مائل نہ ہوا بلکہ مزید طرح طرح کے ظلم کرتے رہے۔ حضرت موسیٰ نے بہت معجزات دکھائے پیار و محبت سے بھی سمجھایا مگر ان کا تکبر اور سرکشی بڑھتی ہی رہی۔ یہاں تک کہ آپ ان کی طرف سے مایوس ہو گئے۔ فرعونیوں نے مسلمانوں سے تین طرح اپنا رویہ رکھا (۱) سرکشی تکبر (۲) دشمنی (۳) حضرت موسیٰ اور اسلام سے روکنا اور موقع بے موقع بلاوجہ مسلمانوں کو مارنا۔ اور تہمتیں لگانا اور یہ سب کچھ محض مال و دولت کے بل بوتے پر کرتے رہے۔ تب حضرت موسیٰ نے بددعا کے طور پر یہ کلمات عرض کئے۔ لفظ ربنا انتہائی ادب کا کلمہ ہے اور قبولیت دعا کے لئے اکسیر ہے انک اتیت سے ثابت ہوا کہ جو کچھ کسی کو ملتا ہے رب سے ہی ملتا ہے نیک ہو یا بد ظالم ہو یا مظلوم۔ لہٰذا بندے کو چاہئے کہ اسی طرف ہی متوجہ رہے اور ہر راحت و مصیبت میں اس کو یاد کرے۔ فرعون وملاہ فرعون لقب ہے شاہ مصر کا مراد یہی فرعون ہے جو مشہور ہے۔ یہ ملک مصر پر غاصبانہ قابض ہوا تھا اور حبشے کی حدود بھی اس نے فتح کر لی تھیں۔ اولاً یہ شخص معمولی تاجر کی حیثیت سے مصر میں داخل ہوا جب کہ مصر میں عجیب لاقانونیت جاری تھی جیسا کہ آج کل پاکستان میں۔ سابقہ فرعون مصر ملکی انتظام داخلی و خارجی سے بدمست تھا ارکان دولت اپنی من مانیاں کر رہے تھے ان خرافات سے فائدہ اٹھا کر یہ فرعون سارے ملک پر قابض ہو گیا۔ سیاست اور ملک رانی میں بہت ہوشیار تھا چند سالوں میں دنیا کے امیر ترین ملکوں میں مصر کا شمار ہونے لگا۔ دنیا کے چار بادشاہ بہت امیر گذرے جن میں ایک یہ بھی ہے عمر کے ایک سو سال بعد اس نے حکومت شروع کی دو سو چالیس سال حضرت موسیٰ سے پہلے اور چالیس سال بعثت موسوی کے بعد چار سو سال کی عمر میں اس کی موت ہوئی۔ یہ خود بھی امیر ترین تھا اور درباریوں کو بھی بہت زیادہ تنخواہیں اور جاگیریں دے کر رئیس اعظم بنایا ہوا تھا۔ قارون بھی ان میں سے ایک تھا۔ اگرچہ اسرائیلی تھا مگر فرعون کا تجرو

جاسوس تھا جو حضرت موسیٰ و بنی اسرائیل کی حرکات وافعال سے فرعون کو باخبر رکھا کرتا تھا۔ ظاہراً مسلمان ہو گیا تھا مگر در پردہ فرعون کا معتمد تھا زینۃ لفظ زینت مصدر بمعنی مفعول ہے یعنی فیشن اور ناز نخرے کی چیزیں۔ جیسے خوشنما کپڑے اور کوٹھیاں بناؤ سنگھار کی اشیاء عطریات وزیورات پھول اور باغیچے واموالا جمع ہے مال کی۔ جیسے سونا چاندی لعل و یاقوت ہیرے جواہرات۔ اونٹ بھینس گائے بکری گھوڑے ساز سامان۔ غرضیکہ ہر طرح کے خزانے موجود تھے۔ سونا چاندی و یاقوت حبشے کے پہاڑوں سے نکلتے تھے۔ جو ان کے ہی قبضے میں تھے۔ ہیرے جواہرات سمندری علاقوں سے دستیاب تھے۔ ان مالوں سے دیگر مال خریدے جاتے تھے۔ فی الحیات الدنیا صرف دنیا کی زندگی میں ہی ان کو یہ ملے گا۔ آخرت میں نہیں۔ لیکن چونکہ یہ مال دوسرے مسلمانوں کے لئے دنیا و آخرت کی مشکلات کا باعث اور متقیوں کو ایذائے جسمانی وقلبی ہے کہ اسی مال کے بھروسے پر مسلمان کو ذلیل وخوار سمجھتے ہیں اور تعصبانہ سزائیں دیتے ہیں۔ اور کمزور دل مسلمانوں کو لالچ دے کر ورغلانے پھسلاتے ہیں۔ جن سے ان کے میلان کفر کا اندیشہ ہے۔ اس لئے عرض کیا ربنا لیضلوا عن سبیلک۔ اے ہمارے رب کریم تاکہ گمراہ کریں وہ تیرے راستے سے۔ دوبارہ ربنا عرض کرنا اظہار عجز ولجاحت کے لئے ہے کیونکہ اگلا کلام قدرے درشت ہے جو اگرچہ حقیقت پر مبنی ہے مگر خالق کائنات کے شاہی دربار کے مناسب نہ تھا اس لئے کہ رب تعالیٰ کی دین پر کچھ تعرض ہے کہ اے اللہ اس لئے تو نے ان کو مال و دولت عطا کی لیضلو تاکہ وہ گمراہ کریں یا گمراہ ہو جائیں۔ یہ تین تفسیریں اس لئے ہیں کہ علماء کرام لیضلوا کے لام میں اختلاف کرتے ہیں چنانچہ حمزہ اور کسائی نحوی اس کو لام امر کہتے ہیں اور ترجمہ کرتے ہیں تاکہ گمراہ رہیں فراء نحوی کہتے ہیں لام تعلیلیہ ہے اس لحاظ سے پہلا ترجمہ ہوگا۔ یہی قول اعلحضرت اور صدر الافاضل کا ہے۔ اخفش نحوی نے کہا کہ لام عاقبت کا ہے۔ یعنی آئندہ اس مال کے بل بوتے پر گمراہ ہو جائیں (تفسیر کبیر و معانی) مقصد کلام یہ ہے کہ اموال دنیا شر ہے اور شر سے شر ہی پیدا ہوتا ہے اسی لئے وہ شریروں کو ہی دیا جاتا ہے۔ عن سبیلک اللہ کا راستہ دین حق اور قانون شریعت ہے اور یہ دونوں نبی علیہ السلام کی فرمانبرداری اور تعظیم سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ سب کلام استفہام انکاری ہو۔ اور مطلب یہ ہو کہ اے رب کریم کیا تو نے ان کو مال اس لئے دیا تھا کہ یہ لوگوں کو یا خود کو گمراہ کرتے پھریں۔ یعنی تو نے یہ مال اس لئے نہ دیا بلکہ اس لئے دیا تھا کہ یہ دولت دنیا لے کر عابد و ساجد شکر گزار بندے بن جاتے۔ تو یہ لام تعلیلیہ مجازی ہے (روح البیان) مگر چونکہ انہوں نے بجائے شکر گذار بندہ بننے کے۔ گمراہی و گمراہ گری اختیار کی لہٰذا ربنا اطمس علی اموالھم۔ اے ہمارے رب کریم برباد کر دے ان کے مال۔ یہاں پھر ربنا عرض کرنا یا لذت اسم پاک حاصل کرنے کے لئے ہے اور یا اس لئے کہ ابتداء بددعا یہاں سے ہو رہی ہے۔ اور لفظ ربنا بددعا بددعا کے قبولیت کے لئے اکسیر ہے۔ اطمس طمس سے بنا ہے۔ اس کے معنی ہیں بدل ڈالنا یا بربادی و ہلاکت میں ڈالنا۔ یہ بددعا تب کی گئی جب کہ حضرت موسیٰ نے علم غیب کے ذریعے حتماً و یقیناً پتہ لگا لیا تھا کہ اب یہ فرعونی لوگ راہ راست پر آ ہی نہیں سکتے گویا کہ نجس العین ہو چکے ہیں۔ ان کی دولت باقی رہنے سے فساد اور گمراہی زیادہ ہی پھیلے گی کہ کچھ یہ خود طوعاً و کرھاً مرتد بنائیں گے اور کچھ لوگ لالچی طبیعت والے گمراہیوں کے پاس بیٹھ کر اور ان لوگوں کی شان و شوکت دیکھ کر فرعون کی طرف

راغب ہونے کی قلبی خواہش کریں گے۔ نماز روزہ اور ایمان میں ان کا دل نہ لگے گا ہر وقت رشک کی بیماری میں مبتلا رہنے کی بنا پر دولت ایمانی اور لذت محبت نبوت کی قدر نہ کریں گے۔ اور جو معرفت ان کو حاصل ہونی چاہئے وہ نہ ہو گی اس لئے یہ بددعا فرمائی۔ لیکن چونکہ مقصود بروں کو ہلاک کرنا نہیں بلکہ غریب کر کے رسوا کرنا ہے جس سے ان کی سرکشی غرور بھی ٹوٹ جائے اور مسلمانوں کو بھی ان کی ذلت آمیز زندگی کا مشاہدہ ہو جائے اور وہ دامن نبوت و دولت ایمانی کو غنیمت سمجھیں اور اسلام کی طرف اپنی پیش قدمی پر شاداں و فرحاں ہوں۔ جیسے کہ خشک روٹی کھانے والا مرغن غذا والے پر رشک کرتا ہے لیکن جب اس کو بے شمار بیماریوں میں مبتلا دیکھتا ہے تو شکر کرتا ہے کہ کتنا اچھا ہوا ہو جو میں نے مرغن غذا نہ کھائی۔ اسی طرح غریب دنیا دار امرا کو دیکھ رشک کرتا ہے لیکن جب شاہی عتاب امرا پر وارد ہوتا ہے اور ان کی جائدادیں و کارخانے ضبط ہوتے ہیں۔ اور امرا اپنے بنائے ہوئے کارخانوں سے دھکے دے کر نکال دیئے جاتے ہیں تب ان غربا کو اپنی حالت پر ناز آتا ہے۔ اسی لئے علماء کرام منع فرماتے ہیں امراء کی مجلسوں سے یہ عبرت مشاہدے میں ہوتی نہ ہلاکت میں۔ کیونکہ ذلت کی زندگی سے تو امرا لوگ خود مرنے کو ترجیح دیتے ہیں ان وجوہ سے عرض کیا **علی اموالھم** ۔ تفسیر صاوی نے فرمایا حضرت موسیٰ کے نو معجزات میں ایک معجزہ طمس ہے جس کا اظہار اس بددعا کی قبولیت سے ہوا۔ یہاں بھی اموال جمع ہے۔ یعنی اے اللہ تعالیٰ ان کے ہر قسم کے سب مال ہلاکت فرما دے اور پھر یہ بھی نہ ہو کہ غریب ہو کر عاجز ہوں اور دیگر لوگوں کو ان پر ترس آئے وہ ان کی امداد کریں بلکہ **واشدد علی قلوبھم** ۔ ان کے دلوں پر خوب سختی ڈال دے۔ یہ دوسری بددعا ہے یعنی اے اللہ ان میں اب عاجزی پیدا نہ ہو بلکہ غریبی میں بھی ان کا تکبر نہ ٹوٹے۔ یہ بددعا بہت سخت ہے اس لئے کہ امیر آدمی تو اپنی دولت کے ذریعے دنیا والوں کی مصیبت سے بچتا ہے اور غریب آدمی عجز و انکسار شفقت و محبت خدمت گذاری کے ذریعے بچتا ہے لیکن جب غربت اور اکڑ دونوں جمع ہو جائیں تو ہر طرح کی ذلت سامنے ہوتی ہے۔ ہر طرف سے دھکے کھاتا ہے۔ مغرور کو ایمان بھی نصیب نہیں ہوتا۔ ظاہری رکھ رکھاؤ۔ غریب و امیر سب کے لئے بہتر ہے۔ اور شکر الٰہی کا ایک طریقہ ہے اس کو غرور نہیں کہا جاتا غرور و تکبر کا فعل ہے۔ اسی لئے عرض کیا گیا۔ **علی قلوبھم** ۔ مرکز عجز و تکبر۔ نیکی و سرکشی۔ قلب انسانی ہے۔ اس کا ظہور جسم ظاہری پر ہوتا ہے۔ جب دل میں عجز ہو تو اعضاء پر اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں کہ زبان پر ایمان اور ہاتھ پاؤں پر نماز سجدہ سجود۔ اسی لئے جب دل میں تکبر ہو تو زبان پر کفر اعضاء پر ظلم و تعدی۔ بددعا شدت تامہ کی تھی۔ اس لئے عرض بیارگاہ خداوندی کیا گیا **فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم** ۔ پس نہ ایمان لائیں وہ یہاں تک کہ دیکھ لیں دردناک عذاب۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پتہ لگ گیا تھا بذریعے وحی الٰہی کہ یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لائیں گے ان کے دل مہر شدہ ہیں اس لئے یہ دعا کی۔ انبیاء کرام کے لئے جائز ہے کہ کسی کے ایمان یا کفر کی خواہش کریں۔ کیونکہ وہ انجام سے باخبر ہوتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کی **رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیارا** ۔ اے میرے رب زمین پر کسی سرکش کافر کو نہ چھوڑ۔ کسی اور شخص کو جائز نہیں کہ کسی کفر پر رہتے مسلمان نہ ہونے کی بددعا دے۔ کہ یہ سخت گناہ ہے۔ عذاب الیم کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور ایمان سے بھی دو چیزیں مراد ہو سکتی ہیں۔ ایمان سے یا تو شرعی ایمان مراد ہے یعنی قانون

الٰہی کو ماننا یا عاجز ہونا رہنا اسی لحاظ سے عذاب الیم دردناک عذاب سے یا تو دنیا کی ذلت وخواری ہے یا مرتے وقت کا خدائی عذاب مگر دونوں میں پہلے معنی درست ہیں لفظ حتی یا بمعنی لام کے ہے یعنی تا کہ وہ دردناک عذاب دوزخ دیکھیں۔ اور یا حتی الی ان کے معنی میں ہے۔ یعنی یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔ یہی اعلحضرت نے فرمایا اور مطلب یہ ہوا کہ اے رب وہ کافر لوگ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک کہ دردناک ذلت نہ دیکھ لیں تا کہ دیگر مسلمانوں کو دولت اور امیروں کے برے انجام کا پتہ لگ جائے پھر کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ دولت دنیا رضاءِ رب کریم کی نشانی ہے اور مثال قائم ہو جائے کہ اللہ کریم فرماں برداروں سے خوش ہوتا ہے نہ کہ دولت والوں سے۔ یہ کلام بددعا کا تمہ اور انجام ہے اس عرض ومعروض کے بعد رب کریم کی طرف سے جواب ارشاد ہوا۔ قال قد اجیبت دعوتکما۔ فرمایا بے شک تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ اس دعا کا طریقہ یہ ہوا کہ ایک خاص مقام پر بیٹھ کر حضرت موسیٰ نے ذکر الٰہی کے بعد حضرت ہارون کو پاس بٹھا کر یہ الفاظ ادا کئے اور تین وقفے کئے حضرت ہارون تینوں مرتبہ آمین کہتے رہے۔ کیونکہ آمین بھی دعا ہے اس لئے دعا کو دونوں کی طرف منسوب فرمایا (احکام القرآن للجصاص) اگر چہ لفظ آمین دعا ہے مگر لفظ قرآن نہیں اسی لئے یہاں مذکور نہیں تو جن لوگوں نے ولا الضالین کے بعد آمین کو قرآن کریم کی ایک آیت تسلیم کیا ہے وہ صحیح نہیں یہ قبولیت بددعا کی جز ہے۔ اس کا اثر اور ظہور بہت دن بعد ہوا کہ ان کے تمام خزانے سونے چاندی ہیرے لعل وغیرہ کچھ گم ہو گئے کچھ پتھر بن گئے پھل خشک ہو گئے۔ دودھ سے جانوروں کے دودھ ختم ہو گئے یا بہت ہی کم ہو گئے (ابن کثیر ومظہری) برکت ختم ہو گئی کہ ڈھیر ساری روٹی صرف چند آدمی ختم کر جاتے پہلے پہلے تو اس طرح ہوا پھر کچھ روز بعد اور مصیبت آئی کہ عورتیں روٹیاں پکاتی تھیں جب تک ہاتھ میں رہتی آٹے کی ہوتی جب توے پر یا تندور میں جاتی پتھر کی ہو جاتی (معانی) یہ سب کچھ عذاب الٰہی اور نبی کی گستاخی اور نبی علیہ السلام کو اپنے جیسا بشر سمجھنے کا نتیجہ تھا۔ مگر یہ فرعون وفرعونی اب بھی بوجہ قساوۃ قلبی (جو بددعاء موسی سے ہوئی تھی) یہی کہتے رہے کہ یہ تو اتفاقی حادثہ ہے۔ پھر یہ مصیبت آئی کہ انسان بھی پتھر بننے لگے مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ وہ بددعا صرف مال کے لئے تھی (خازن) اب سب پریشان ہوئے غلہ ختم ہونے لگا آگے خریدنے پیسے نہ رہے۔ فرعون جو خزانوں کے بھروسے پر خدائی کئے بیٹھا تھا سخت مضطرب تھا پہلے کی طرح اس کی سخاوتیں بھی ختم ہو گئیں ابن الوقت قسم کے لوگ علی الاعلان اس سے برگشتہ ہو گئے کچھ در پردہ اس کو گالیاں دیتے یہ سب عذاب کافروں کے لئے ہی تھا مگر مسلمان بہت شاداں وفرحاں تھے اور ان کے انجام سے مسرور تھے تب فرعونیوں نے مشورہ کیا کہ منافقانہ طور پر حضرت موسیٰ سے معافی مانگیں اور التجاءِ دعا کریں۔ تب سب کے سب قبطی بجز فرعون حاضر ہوئے روئے گڑ گڑائے اور جھوٹے آنسو بہائے تو حضرت موسیٰ کی دعا سے یہ عذاب ختم ہوا لیکن پتھر بنے ہوئے ہیرے جواہرات اور روپے پیسے ویسے ہی رہے اور آج تک مصر میں عجائب خانوں میں دیکھے جاتے ہیں عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک تھیلی منگا کر دیکھی تھی جس میں انڈے اور اخروٹ پتھر بنے ہوئے اسی شکل میں تھے۔ اب باقی رکھنا صرف شان انبیاء کرام اور بددعاء نبی کا اثر دکھانا مقصود ہے (تفسیر مواہب الرحمٰن) یہاں تو یہ لوگ معافی مانگ کر وعدہ ایمانی کر کے چلے گئے اور رحیم کریم نبی نے ساری فریب کاری اور بناوٹ کی عاجزی کو سمجھتے ہوئے دعا سے عذاب ختم

کرا دیا۔ لیکن یہ منافق چند دن بعد پھر سرکش ہو گئے تو ان پر خون کا عذاب آیا کہ ان کے تمام پانی خون سالن دودھ گھی سب خون۔ جب بھوکے مرنے لگے تو ایک حیلہ کیا کہ بنی اسرائیل مسلمان فرعونی کے منہ میں تھوکتے تو وہاں جا کر پھر خون بن جاتا۔ اللہ اکبر۔ کتنا سخت عذاب ہے کتنی ذلت کی زندگی ہے کہ جن کو یہ مغرور لوگ ذلیل سمجھتے تھے۔ ان سے ہی اپنے منہ میں تھکوار ہے ہیں۔ یہ ہے بددعا کا ظہور۔ مجبور ہو کر پھر حضرت موسیٰ کے قدموں میں گرے۔ آپ کو پھر رحم آ گیا اور دعا سے یہ عذاب بھی دور کرایا۔ قربان جاؤ نبی کی رحمی کے جب یہ رحم کلیم اللہ کا ظہور ہے تو بتاؤ میرے آقا رحمۃ اللعالمین کے رحم کی کیا شان ہوگی۔ یہ لوگ پھر بے ایمان ہو گئے تو ان پر مینڈک کا عذاب آیا۔ پھر روئے پیٹے تو پھر کلیم اللہ کو رحم آ گیا۔ دعا کی تو پھر عذاب ختم ہوا تو پھر بے ایمان ہو گئے یہ تھی ان کی سختی دل جو نبی کی بددعا سے ہوئی۔ آخری عذاب غرق فرعونی کا ہوا۔ حضرت موسیٰ کی بددعا بارگاہ رب العزت میں قبول تو ہو گئی مگر اس کا ظہور چونکہ کچھ عرصے بعد ہونا تھا اس لئے فرمایا فاستقیما۔ یہ تم دونوں ثابت قدم رہو۔ یعنی ظہور سے دیری میں گھبرا نہ جانا۔ اس لئے کہ رب تعالیٰ کے عتاب دیر سے آتے ہیں مگر آتے سخت ہیں۔ اس بددعا کی ابتدا بہت عرصے بعد ہوئی۔ چنانچہ ابن جریر ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ چالیس سال بعد یہ طمس کا عذاب شروع ہوا۔ (معانی) فاستقیما کا یہ بھی مطلب ہے کہ اے موسیٰ تم تبلیغ نہ چھوڑنا اپنا وہی طریقہ جاری رکھنا۔ اگر چہ ان کا مومن نہ ہونا حتماً ثابت ہو چکا ہے۔ دیکھو آقائے کائنات کو ابو جہل کا مختوم من اللہ ہونے کا علم تھا مگر آپ نے اس کے مرتے دم تک تبلیغ فرمائی میدان بدر میں بھی تین مرتبہ سمجھایا اور دعوت اسلام دی و لا تتبعٰن سبیل الذین لایعلمون اور اے اللہ کے دونوں نبیوں بے علموں جاہلوں کے راستوں پر نہ جانا ان کی باتوں میں نہ آنا۔ یا اس طرح کہ عذاب میں دیر لگے کفار طعنہ بازیاں کریں اور تمہارے دل پر رنج و غم کا اثر ہو۔ یا اس طرح کہ بار بار ایسی بددعائیں کرنے لگ جاؤ اور جلد بازی کرتے ہوئے دل میں ہیجان اور پریشانی پیدا ہو ایسا نہ کرنا۔ کیونکہ جلد بازی جہلا کا کام ہے۔ یا اس طرح کہ قبولیت سے مایوسی بھی کافر اور جاہل کا کام ہے۔ اگر چہ یہ کیفیات۔ قلبی اثر سے ہوتی ہیں جس پر انسان کو قابو نہیں مگر انبیاء کرام کی شان سے یہ بھی محال ہیں۔ اس لئے بعض نحوی علماء نے لاتتبعٰن کو فعل نہی نہ مانا بلکہ لا نفی سے فعل منفی ثابت کیا جس کا ترجمہ ہے۔ انہوں نے ہرگز پیروی نہ کی۔ جن لوگوں نے اس کو فعل نہی مانا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ نہی عن المحال سے صرف مسلمانوں کو سبق دینے کے لئے جیسے کہ یاایھاالنبی اتق اللہ (اے نبی اللہ سے ڈرو (کبیر)

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ رحیم و کریم بھی ہے حلیم بھی اور جبار و قہار و بے نیاز و بے پرواہ بھی ہے اپنے نبی کی دلجوئی کے لئے سارے کفار کا ستیاناس فرما دیتا ہے۔ یہ فائدہ آیت کے سارے مضمون سے حاصل ہوا لہٰذا معتزل فرقے کا یہ کہنا غلط ہوا کہ اللہ تعالیٰ صرف رحیم ہے۔

**دوسرا فائدہ:** جس کو جو کچھ ملتا ہے وہ اللہ ہی دیتا ہے۔ اور اپنے بندوں پر قادر و قیوم ہے جب چاہے چھین لے دینا اپنے کرم سے ہے مگر چھیننا ہے سرکشی اور ظلم یا نبی ولی کی بددعا سے اور جب نبی ولی کی بددعا سے ملی ہوئی دولت و عزت برباد ہو سکتی

ہے تو ان اللہ کے پیاروں کی دعاؤں سے دونوں جہان کی دولت و عزت عطا بھی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ہم گنا ہگاروں کو چاہئے کہ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کی بد دعاؤں سے بچیں۔ ان کی دعائیں حاصل کریں اللہ توفیق دے۔

**تیسرا فائدہ:** باطل میں صرف شور ہے۔ جس کو آخر فنا ہے۔ مگر زور اور بقاء ابدیت صرف حق میں ہے لہٰذا صرف شور سے متاثر نہیں چاہئے۔

**چوتھا فائدہ:** دنیا کی دولت۔ اور دنیا کی زیادہ مشغولیت۔ غفلت۔ اور سختیء دل۔ گمراہی و کفر کا سبب ہے۔ اور بارگاہ سے دوری کا نتیجہ ہے قرب خداوندی اور دین و ایمان نبی کریم کے دامن سے ملتا ہے۔ بندے کو چاہئے دنیا کی طرف نہ دوڑے۔ کیونکہ طالب الدنیا مردود۔

**پانچواں فائدہ:** جلد بازی۔ شیطان اور جاہلوں کا کام ہے۔

**چھٹا فائدہ:** علماء کو چاہئے کہ بروقت تبلیغ کئے جائیں کوئی مانے یا نہ مانے اور لوگوں کو بھی تبلیغ کریں خود کو بھی ساتواں فائدہ اللہ کے نبی صرف طالب مولی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے دین کے طالب ہوتے ہیں۔ دنیا اور دنیا والوں سے بے غرض اور ان کے کردار سے متنفر ہوتے ہیں ان کو اپنی پارٹی بنانے کی خواہش نہیں ہوتی ان کو ہزار کفار کے مقابلے میں۔ ایک کمزور اور غریب اللہ کا بندہ پیارا ہوتا ہے۔ ان کو مجرم انسانوں کے بقا کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اللہ اور اللہ کے قانون کے بقا کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ عالم اور پیر مسلمان لیڈر۔ عبرت پکڑے۔ جو صرف اپنے مقتدیوں کی یا مریدوں کی تعداد بڑھانا چاہتا ہے ہر اچھے برے کو مرید بنالیتا ہے اور دین کو ان کے لئے نرم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ہر جائز و ناجائز بات میں جی ہاں کر دیتا ہے۔ مبلغ اور پیر طریقت کو چاہئے کہ دین کے معاملے میں حضرت موسیٰ جیسی طبیعت بنائے۔ ابن الوقتی اور نرمی بے جا۔ سراسر نقصان وہ ہے کہ اللہ کی ناراضی کا سبب ہے۔

**اعتراضات:** یہاں چند اعتراض پڑتے ہیں۔

**پہلا اعتراض:** کفر کی بد دعا گناہ ہے حضرت موسیٰ و ہارون نے کیوں کی۔

**جواب:** اس کے لئے گناہ ہے۔ جس کو انجام کا پتہ نہ ہو ان حضرات کرام کو علم غیب سے فرعونیوں کے کفر یہ انجام کا پتہ تھا لہٰذا ان کے لئے گناہ نہیں اسی لئے رب کریم نے قبولیت کا تمغہ بھی عطا فرمایا۔

**دوسرا اعتراض:** مفسرین فرماتے ہیں کہ۔ طمس۔ حضرت موسیٰ کا معجزہ تھا۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر بد دعا کیوں کی اور چالیس سال تک انتظار بھی کیا۔ جس کے لئے رب نے تسلی کے حکم بھی فرمائے۔ معجزہ تو نبی کے قبضے میں ہوتا ہے۔

**جواب:** طمس کے لغوی معنی ہیں مال برباد ہونا جس کی بہت سی صورتیں ہو سکتی تھیں مگر اس طرح عجیب طریقہ سے کہ سب مال اسی شکل پر رہتے ہوئے پتھر بن جائے۔ یہ معجزہ تھا اور بد دعا کرنا اس معجزے کے ظہور کی اجازت لینی تھی۔ معجزے کی شرعی تعریف یہ ہے کہ وہ کام جو خرق عادت و حیران کن ہو اور نبی کی رضا کے لئے ہو۔ خواہ نبی کے ہاتھ سے اور اختیار سے ہو یا نبی کے عرض و معروض سے اور تسلی کے کلمات نہی عن المحال ہے جو حضرت امت کے سبق کے لئے ہے یا یہ جملہ خبریہ منفیہ ہے۔

جیسا کہ تفسیر میں بیان کیا گیا۔

**تیسرا اعتراض:** اللہ تعالیٰ کسی کے کفر سے راضی نہیں ہوتا تو یہاں کیوں راضی ہوا اور جب رضا ہوئی تو رضا کے مطابق کام کرنا عین ایمان ہونا چاہئے۔ پھر کفر عین رضا ہوا۔ اور مطابقت رضا باعث جنت ہے (معتزلہ) جواب مشیت الٰہی تین قسم کی ہے۔ (۱) حکم (۲) قانون (۳) رضا یہاں حکم ہے۔ شیطان و کفار کی پیدائش قانون ہے۔ مومنین قبیح بننا رضا ہے۔ کفر پر رضا نہیں ہوسکتی۔ صرف حکم ہوتا ہے۔ ورنہ ابلیس و کفار کی خلقت میں کیا کہو گے۔

**تفسیر صوفیانہ:** سرکش انسان جب نفسِ فرعون کے ماتحت ہو کر ظلم اور بدعملی سے پُر ظلمت کی دبیز تہوں میں دبتا چلا جاتا ہے اور روح ایمانی شدت جفا سے تڑپ جاتی ہے تو قلب اور نفس مطمئن آہستہ آہستہ سمجھاتے رہتے ہیں۔ مگر سرکش نفس حرکات شیطانیہ سے باز نہیں آتا جس کا اثر سارے قالب پر وارد ہوتا ہے اور انسان عجیب طرح کی پریشانی اضطراب محسوس کرتا ہے ہر مومن پر ایک بار ایسا وقت آتا ہے کہ دنیا سے اکتا کر رجوع الی اللہ کی خواہش کرتا۔ تب قلب مومن و نفس مطمعنہ مجبور مومن کی دعا اور امارہ کی بددعا کے لئے بارگاہ میں چیخ پڑتے ہیں اور بارگاہ ایزدی میں اس طرح دعا کرتے ہیں کہ قلب کی صدا بلند ہوتی ہے اور نفس مطمئن یعنی ضمیر انسانی آمین کہتا ہے اور عرض کرتے ہیں **ربنا اطمس علی اموالھم** الٰہی نفس و نفسیات کی خواہشوں کو خس و خاشاک کردے **و اشدد علی قلوبھم** تختی ڈال دے ان کے ارادوں پر **فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم** پس وہ آخرت حقیقہ پر ایمان نہ لائیں اور طلب رضا کے راستے پر نہ چلیں جب تک کہ ترک شہوات کی لگام کا عذاب الیم نہ چکھ لیں اور ترک خواہشات نفس کی موت ہے اور انسان موت سے پہلے ہوش میں نہیں آتا (تفسیر (روح البیان مع زیادت) حضرت علی فرماتے ہیں دعا رب کے خزانوں کی چابی ہے۔ جو اللہ کریم نے بندوں کو عطا فرمائی اور عجز و انکسار اس چابی کے دندانے ہیں۔ جب قلب مومن کی آہوں بھری دعائیں سوئے عرش پہنچتی ہیں تو خطاب آتا ہے **قال قد اجیبت دعوتکما فاستقیما و لا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون** تمہاری دعا قبول ہوئی کیونکہ مقام معرفت سے طلب سوال ہے اور مقام معرفت الٰہیہ مکان اجابت ہے۔ جس نے مکان اجابت کو نہ پہنچا اس سے دعا غیر مستحسن ہے یہیں سے معرفت رضا اور بسط و سکر کا حصول ہوتا ہے **فاستقیما** ذلت و عاجزی میں ہمیشہ قائم و دائم رہو کہ وصل تجلیات کا حصول عجز میں ہی ہے۔ (عرائس) بایزید بسطامی نے فرمایا کہ میں نے تیس سال لگاتار عبادت کی۔ تو مجھ کو غیب سے آواز آئی کہ ابو یزید اللہ کے خزانے عبادتوں سے بھرے ہوئے ہیں اگر تجھ کو لذت وصل الٰہی چاہئے تو ذلت و فقیری و عجز تلاش کر۔ شعر۔

فقیر و خستہ بدرگاہت آدرم رحمے ۔۔۔ کہ جز دعائے تو۔ ام نیست ہیچ دست آویز

اور کسی حالت میں بھی نفس سرکس کے پھندے اور ورغلانے میں نہ آتا۔ نہ تو ہر لباس و ہر حالت میں آ کر ورغلائے گا۔

**اللھم ثبت اقدامی علی صراط المستقیم۔**

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ

اور بڑھایا ہم نے کو بنی اسرائیل دریا پس پیچھے چلا ان کے فرعون

اور ہم بنی اسرائیل کو دریا پار لے گئے تو فرعون اور اس کے لشکروں نے ان کا

وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ

اور اس کا لشکر سرکشی اور دشمنی میں یہاں تک کہ جب پایا اس کو ڈوبنے نے

پیچھا کیا سرکشی اور ظلم سے یہاں تک کہ جب اسے ڈوبنے نے آلیا

قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ

بولا میں ایمان لایا شان یہ ہے کہ نہیں کوئی معبود مگر وہ کہ ایمان لائے جس پر

بولا میں ایمان لایا اس پر کہ کوئی سچا معبود نہیں سوا اس کے جس پر بنی اسرائیل

بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْـٰٔنَ

بنی اسرائیل اور میں سے مسلمانوں ارے اب

ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں کیا اب

وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾

حالانکہ بیشک نافرمان رہا تو پہلے اور تھا تو سے فسادیوں

اور پہلے سے نافرمان رہا اور تو فسادی تھا

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ

تو آج سے ظاہر رکھیں گے ہم تجھ کو ساتھ لاش تیری تاکہ ہو تو لیے اس کے جو

آج ہم تیری لاش کو اترا دیں گے کہ تو اپنے پچھلوں کے لیے نشانی

اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع ۱۳

پیچھے تیرے نشانی اور بیشک بہت سے لوگ سے آیتوں ہماری البتہ غافل ہیں

ہو اور بے شک لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں

**تعلق:** اس آیت کے پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پہلی آیت میں بددعائے موسوی کا ابتدائی ذکر تھا اس میں اس کے انجام کا انتہائی ذکر ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اشارتاً دنیاوی لحاظ سے بنی اسرائیل کی کس مپرسی اور مظلومیت اور فرعونیوں کی عیش پرستی۔ ظلم اور مغروریت کا ذکر تھا اس آیت کریمہ میں بنی اسرائیل کی بارگاہ خداوندی میں مقبولیت اور عزت۔ فرعونیوں کی ذلت و ہلاکت کا ذکر ہے۔ گویا کہ ہر کمالے را زوالے ہر زوالے را کمال کا عملی مظاہرہ ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اس چیز کا ذکر تھا کہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام بار بار کہتے تھے کہ اے فرعون بندہ بن جا ایمان لے آ۔ مگر وہ دولت وعزت کی وجہ سے ماننا نہ تھا۔ اس آیت میں اس کے ایمان کا ذکر ہے۔ اب موسیٰ علیہ السلام نہیں مانتے۔ کہ ماننے کا وقت نکل گیا۔ اب ایمان لانا معتبر نہیں۔ سچ فرمایا اعلحضرت نے شعر۔

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے ... پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا۔

اس لئے کہ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ شعر

جب چڑیاں چگ گئیں کھیت ... پھر ہووہ ہوسے کیا ہووت ہے

جملہ شرط ہے۔ ادرکہ۔ درک سے مشتق ہے بمعنی کچھ آگے بڑھ کر کسی کو پکڑ لینا۔ یا پالینا۔ ہ ضمیر واحد غائب کا مرجع فرعون ہے یا سب لشکر ہے مفعول بہ ہے الغرق مصدر بمعنی اسم فاعل غرق مصدر لازم ہے اس کا معنی ہے ڈوبنا۔ یہاں اسم فاعل کےمعنی میں ہو کر ڈوبنے والا کےمعنی میں ہوا یعنی پانی قال امنت انه لا اله الا الذی امنت به بنو اسرائیل و انا من المسلمین قال فعل ماضی ہے قول سے بنا اس کا فاعل فرعون اور لفظ قال کلام لفظی پر دال ہے نہ کہ نفسی اس کا مقولہ اگلا کلام امنت ہے۔ امنت واحد متکلم کا فاعل بھی فرعون متکلم ہے۔ امن سے مشتق ہے۔ اس کا مطلب ہے اللہ کی وحدانیت اور اس کے نبی کی نبوت پر دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار سے ایمان لانا۔ یہاں اس وقت فرعون کے کلام سے ایسا ہی مراد ہے۔ آمنت سے لے کر مسلمین تک تمام عبارت قال کا مقولہ ہے۔ انه میں تین قول ہیں پہلا یہ کہ انہ زبر والا ہے اور لفظ امنت متعدی بنفسہ ہے دوسرا یہ کہ انہ در اصل بانه تھا اور امنت متعدی بالباء ہے حرف ب کو گرا دیا گیا بوجہ تخفیف سوم یہ کہ انه سے پہلے لفظ قول پوشیدہ ہے اور یہ انه ہے زیر ہے۔ یہ قاری حمزہ کا مذہب ہے۔ کسائی نحوی کہتے ہیں۔ یہ جملہ استئنافیہ ہے اس لئے انه ہے زیر کے ساتھ۔ مگر پہلا قول صحیح ہے۔ کسائی کے نزدیک انه کا جملہ امنت کا بدل ہے۔ ہ ضمیر شان اسم ان ہے (معانی) پہلے صحیح مسلک کے مطابق انہ کا پورا جملہ امنت کا مفعول بہ ہے لا اله الا الذی۔ لا نافیہ کبھی۔ مطلق نفی کے لئے ہوتا ہے اور کبھی نفی مطلق کے لئے یہاں مطلق نفی کے لئے ہے۔ لفظ اله۔ اسم لا ہے۔ الاحرف استثنا ما قبل کو توڑتا ہے۔ یہاں بھی لا اله کی مطلق نفی کو توڑ کر الذی کو ثابت کر رہا ہے الذی اسم موصول ہے۔ اور پوری عبادت ان کی خبر ہے آمنت واحد مونث غائب کا صیغہ ہے اس کا فاعل بنی اسرائیل ہے۔ بہ ب بمعنی علی ہے ہ کا مرجع الذی ہے۔ بنو اسرائیل جمع مذکر سالم ہے نون اضافت کی وجہ سے گر گئی۔ یہاں امنت مونث اس لئے ہے کہ قبیلہ پوشیدہ ہے۔ بنو اسرائیل اس کا بدل ہے۔ کیونکہ بنو اسرائیل سے یہاں اسرائیل کے بیٹے مراد نہیں بلکہ پورا قبیلہ مراد ہے۔ قبیلہ مونث کی بنا پر امنت مونث آیا۔ ورنہ مزکر سالم کے لئے مذکر کا ہی صیغہ آتا ہے۔ ہاں جمع مکسر کے لئے اکثر مونث کا صیغہ آتا ہے کیونکہ بمعنی جماعت ہوتا ہے۔ وانا من المسلمین یہ تیسرا جملہ تاکیدی واؤ عاطفہ یا تفسیر یہ ہے۔ جس کا ترجمہ ہے یعنی۔ و انا من المسلمین یہ تیسرا جملہ تاکیدی واؤ عاطفہ ہے تفسیر یہ ہے۔ جس کا ترجمہ ہے یعنی۔ انا متکلم کی ضمیر کا مرجع فرعون ہے من حرف جار بعضیت کا ہے المسلمین جمع مزکر سالم الف لام جنسی کی بنا پر جمع کثرت ہو گیا۔ الئن حرف غیر عاملہ ہے جملے کے شروع میں آتا ہے جملہ اسمیہ ہو فعلیہ ہے کیونکہ اس جگہ قلت یا امنت پوشیدہ۔ الئن۔ خبر یہ اور سوالیہ ہر دو طرح مستعمل ہے یہاں سوالیہ ہے۔ حرف الان در اصل فقط آن ہے جس کا معنی ہے مطلق وقت الف لام عہد ذہنی لگ کر اس وقت کے معنی ہو گئے وقد عصیت قبل و کنت من المفسدین۔ واؤ حالیہ ہے۔ اور یہ جملہ حال ہے الان کے پوشیدہ فعل کا قد عصیت ماضی قریب معروف ہے۔ قبل ظروف ستہ میں سے ایک ظرف ہے یہ مضاف ہے اس کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے اس لئے پیش سے مبنی ہے۔ عصی ناقص یائی ہے بمعنی اکڑتے ہوئے علیحدہ ہونا جاتا اسی سے ہے اعصا یا عصا بمعنی لاٹھی کہ وہ بھی اکڑی رہتی ہے۔ حرف واؤ عاطفہ ہے کنت کان یکون سے مشتق ہے فعل تامہ ہے بمعنی ماضی بعید معروف من المفسدین حرف من بعضیت کو بیان کرتا ہے۔ یعنی فسادیوں میں سے

ایک فالیوم ننجیک ببدنک۔ ف تعقیبیہ ہے یعنی تیرے مرنے کے بعد الیوم۔ الف لام عہد ذہنی یوم بمعنی عام دن الف لام نے عام کو خاص کر دیا۔ اور مطلب ہوا آج ننجی باب تفعیل کا مضارع معروف جمع متکلم مراد اللہ تعالیٰ۔ نجیٰ سے مشتق ہے۔ بمعنی بچالینا ک ضمیر واحد مذکر حاضر ہمیشہ روح مع الجسد کے لئے بولا جاتا ہے۔ لیکن جب قید لگادی جائے تو قید ہی کا اعتبار ہوگا بلا قید زندہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اگر یہاں اگلی قید نہ ہوتی تو زندہ فرعون کی نجات مراد ہوتی مگر ببدنک کی قید سے مردہ فرعون مراد ہوا ب زائدہ ہے روح البیان نے کہا ب مصاحبت کی ہے مگر یہ غلط ہے۔ بدن سے مراد پورا جسم ہے مضاف ہے مضاف الیہ ک ضمیر۔ یہ مرکب اضافی بدل ہے پہلے ک کا۔ یعنی صرف تیرے بدن کو بچایا جائے گا لتکون لمن خلفک ایۃ لتکون۔ ل کالام تعلیلیہ ہے تکون واحد مذکر کا صیغہ ہے فعل تامہ ہے صار کے معنی میں۔ اس کا فاعل فرعون ہے لمن کالام حرف جار بمعنی عبرت۔ من اسم موصول خبریہ ہے نہ کہ استفہامیہ خلفک خلف ظروف ستہ میں سے ایک ظرف ہے مرکب اضافی ظاہر ہے۔ عجمی نہیں معرب ہے ہے ایۃ بمعنی نشانی قدرت وان کثیرا من الناس عن ایاتنا لغفلون واؤ سر جملہ ہے۔ ان حرف تحقیق کلام کی مضبوطی کا فائدہ دیتا ہے شروع جملے میں ہمیشہ ان کسرہ سے آتا ہے درمیان جملے میں ان زبر والا آتا ہے کثیرا کثرت سے بنا ہے مبالغہ کا صیغہ ہے من تبعیضیہ ہے جس نے کلیت کو ختم کر دیا اگر کثیر نہ ہوتا تو تھوڑے لوگ مراد ہوتے مگر کثیر نے زیادتی ثابت کی اچھوں میں کم کو بیان کیا۔ الناس میں الف لام استغراقی ہے یعنی تمام لوگوں میں سے زیادہ لوگ ناس نسیان سے ہے بمعنی بھولنے والی مخلوق عن حرف بھی صرف بچنے کے لئے آتا ہے یہاں یہی معنی مراد ہیں آیات جمع ہے آیت کی مشترک المعانی ہے (۱) کلام اللہ (۲) معجزات (۳) عذاب دنیا (۴) نشان قدرت یہاں یہ آخری معنی زیادہ مناسب ہیں نا سے مراد اللہ تعالیٰ ہے لغافلون۔ لام تاکیدی ہے یا تحقیق یعنی یہ بات بالکل تحقیق شدہ یقینی ہے کہ وہ لوگ غافلون۔ غفل سے مشتق ہے اسم فاعل جمع ہے۔ غفل کے معنی پڑھ کر سیکھ کر یا دیکھ کر بھول جانا۔ یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔ اس میں علم کا ثبوت ہوتا ہے۔ بھول جانے کی بہت سی وجوہ ہوتی ہیں بعض اچھی بعض بری۔

**تفسیر عالمانہ:** وجاوزنا بنی اسرائیل البحر۔ اور ہم بنی اسرائیل کو دریا پار لے گئے۔ یہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے یعنی ہم نے پار کیا اس میں جبریوں معتزلہ کا رد ہے کہ وہ کہتے تھے بندہ فعل کا خالق۔ مذہب اہلسنت ہے کہ رب ہی خالق فعل ہے جیسے کہ یہاں جاوزنا سے ثابت ہوا بنی اسرائیل سے قوم اسرائیلی مراد ہے۔ اس وقت یہ لوگ علاوہ بچوں عورتوں بوڑھوں کے چھ لاکھ جوان تھے (ابن کثیر) بحر سے مراد دریائے قلزم جس کو بحر سویس بھی کہتے تھے (بیان وصاوی) بہت بڑا دریا ہے اس میں بحری جہاز بھی چلتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے اس کو سمندر سمجھا۔ اس کی چوڑائی اس مقام سے تقریباً دو میل تھی اس کا مختصر واقعہ اس طرح ہوا کہ تین دن پیشتر حضرت موسیٰ کو حکم ملا کہ سارے اسرائیلیوں کو خفیہ طور پر مصر سے نکال کر مقام تیہ کی طرف لے جاؤ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کے ذریعے تمام بنی اسرائیل کو کہہ دیا کہ فلاں رات کو ہجرت کرنی ہے۔ بنی اسرائیل چونکہ اتنے امیر نہ تھے بلکہ قبطیوں کے خدام تھے۔ اس لئے ہر تقریب شادی بیاہ پر عاریتاً قبطی عورتوں سے زیور مانگ لیا کرتے تھے۔ اس موقعے پر بھی تمام زیور ایک دن پہلے لے لئے بعد مغرب سب اسرائیلی حضرت موسیٰ و ہارون علیہما

السلام کے رہنمائی میں ہجرت کر گئے ساری رات سفر کیا اور دن بھر چلتے رہے راستے میں کسی جگہ نہ ٹھہرے۔ صبح کو جب فرعونی لوگ بیدار ہوئے تو کوئی اسرائیلی نظر نہ آیا نہ کوئی کام کاج کرنے آیا۔ تب فرعون نے لشکر جمع کیا اور سب قبطیوں نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا فاتبعھم وجنودہ بغیا وعدوا تو پیچھا کیا فرعون نے اور اس کے لشکر نے سرکشی اور بغاوت کرتے ہوئے۔ اگرچہ فرعون بادشاہ تھا لفظ بغاوت کو بادشاہ کی طرف نہیں لگایا جاتا مگر یہاں بغیا فرمایا مقابلہ حق کی بنا پر یعنی جو بھی اللہ کے دین کی مخالفت اور دین والوں کا مقابلہ کرے وہ ہی باغی ہے اگرچہ وقت کا بادشاہ ہو۔ وعدوا۔ یہ پیچھا کرنا محض دشمنی کی بنا پر تھا۔ یا اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں وہ نئی حکومت نہ قائم کر لیں اگرچہ دونوں لشکر بہت تیزی سے چل رہے تھے مگر فرعون والوں نے بہت جلدی ان کو آن لیا۔ جب دور سے فرعونیوں کو دیکھا تو سخت گھبرائے۔ مگر قسمت نے یاوری کی کہ بجائے ادھر ادھر بھاگنے کے فوراً نبی کی بارگاہ میں آ گئے ان کا ایمان تھا کہ دنیا جہان کی مشکلیں یہیں حل ہوتی ہیں۔ حضرت موسیٰ نے رب کریم سے عرض کیا جواب آیا کہ اپنی لاٹھی دریا کے پانی پر مارو۔ بارہ سڑکیں بن جائیں گی۔ ایسا ہی ہوا۔ تمام بنی اسرائیل ان سڑکوں پر بآسانی دریا پار کر گئے تو معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی تھا۔ ادھر یہ سب دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچے ادھر لشکر فرعون دریا کے قریب آ گیا فرعونی لوگ آٹھ لاکھ تھے (معانی التنزیل خازن) باقی بچے عورتیں بوڑھے بطور تماشائی بھی ساتھ تھے۔ سب مصر بجز ایک عورت مرد کے خالی ہو گیا تھا۔ سب مسلمان پار ہو گئے اور سڑکیں ابھی اسی طرح بنی تھیں آس پاس پہاڑوں کی شکل میں پانی کھڑا تھا عجیب ہیبت ناک نظارہ تھا۔ فرعون کو اس کے ساتھیوں نے منع کیا کہ آگے نہ بڑھنا کہ یہ معجزہ ہے۔ یہاں تیری خدائی کام نہ آئے گی مگر فرعون نے بڑے تکبرانہ انداز میں کہا کہ صرف بنی اسرائیل ہم سے زیادہ حقدار نہیں ہم بھی دریا پر کچھ حق رکھتے ہیں (ابن کثیر) یہ کہہ کر اپنی خدائی دعوے کا بھرم رکھتے ہوئے تھوڑا سا آگے بڑھا مگر قدرت کا ہیبت ناک نظارہ دیکھ کر لوٹ جانے کے ارادے سے پیچھے ہٹا تو حضرت جبریل گھوڑی پر سامنے نمودار ہوئے فرعون کا گھوڑا پیچھے چلپڑا اور روکے نہ رکا اس کی اقتدا میں سب فرعونی سرکش بھی دریا میں ان سڑکوں پر آ گئے جب سب دریا میں اتر گئے اور بیچوں بیچ آ گئے تب اولاً پانی میں کچھ حرکت پیدا ہوئی۔ سب سخت ترین ڈر گئے لگے فرعون کے منہ کو دیکھنے اس وقت حضرت جبریل نے جو شکل انسانی میں تھے فرعون کو ایک پرچہ دکھایا جس پر اسی کے قلم سے لکھا تھا کہ جو غلام اپنے مولا کی نعمتیں کھا کر پھر خود مولا بن بیٹھے اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو دریا میں ڈبو دیا جائے فرعون اپنا ہی لکھا ہوا یہ فتویٰ دیکھ کر گھبرا گیا حضرت جبریل روپوش ہو گئے اور پانی ایک دم سب کا سب آپس میں مل گیا حتی اذا ادرکہ الغرق یہاں تک کہ جب پکڑ لیا گھیر لیا اس کو غرق نے یہ سب غرقابی دوپہر کے وقت ہوئی۔ فرعون کے سامنے اس کے لشکر والے ڈوبنے لگے خود بھی مع گھوڑی کے ڈوب رہا تھا تو اپنی موت دیکھ کر چیخا قال امنت انہ لا الہ الا الذی امنت بہ بنو اسرائیل وانا من المسلمین۔ بولا میں ایمان لایا اس بات پر کہ اس ذات پاک کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں یہ فرعون کا کلام ہے جو اس نے بہت زور سے موسیٰ علیہ السلام کی طرف منہ کر کے بطور فریاد و التجا اس خیال سے کہا کہ شاید سابقہ عذابوں کی طرح یہ عذاب بھی ٹل جائے ابھی کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ حضرت جبرئیل نے منہ میں خاک ڈال دی اور کہا کہ الان کم بخت

اب ایمان لاتا ہے۔ فرعون کا یہ کلام بہت واضح ہے۔ پہلا جملہ اقرار ہے دوسرا صلے کا جملہ ایمان کی نسبت ہے۔ تیسرا جملہ تاکید ہے یا وضاحت۔ بعض مفسرین نے کہا یہ کلام نفسی ہے یعنی اس نے دل میں کہا مگر یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرعون کے اس آخری کلام کا ابوجہل کے آخری کلام سے تقابل فرمایا ہے کہ ارشاد ہوا ہمارا فرعون یعنی ابوجہل فرعون موسیٰ سے سخت نکلا کہ اس کا غرور واکڑ مرتے وقت ختم ہوگئی اور کہا کہ امنت مگر ابوجہل مرتے وقت بھی سرداری کی اکڑ میں لمبی گردن کٹوانے کا حکم زبان سے دیرہا ہے دونوں کلاموں کا تقابل ہے تو جب ابوجہل کا کلام لفظاً لسانی ہے پس فرعون کا بھی زبانی قول ہوا نہ کہ نفسی۔ وقد عصیت قبل و کنت من المفسدین۔ حالانکہ تو اس سے پہلے تک نافرمان رہا اور تو بڑے فسادیوں میں تھا۔ کہ اپنے کو معبود کہلاتا رہا۔ خیال رہے کہ فساد تین قسم کا ہے (۱) قتل عام (۲) شرک (۳) تحقیق اہل اللہ فرعون سے یہ تینوں باتیں صادر ہوئیں۔ یہ کلام جبرئیل کا ہے یا اللہ تعالیٰ کا۔ مگر صحیح تر یہ ہے کہ یہ کلام رب تعالیٰ کا ہے جو صدائے ہاتف سے یا زبان جبرئیل سے فرعون کو سنایا گیا۔ اور اس آیت سے حتماً ثابت ہوا کہ فرعون کا یہ اس وقت کا ایمان لانا قبول نہیں ہوا اور کفر کی موت مرا۔ محی الدین عربی اور جلال الدین دوانی کا یہ فرمانا کہ فرعون پاک ہو کر مرا لغو ہے۔ اس کے علاوہ دیگر بہت سی آیات بھی کفر فرعون پر دال ہیں فالیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک ایۃ پس آج ہم تیری بدن کو بچالیں گے تاکہ تو قیامت تک پچھلوں کے لئے عبرت کا نشان بن جائے۔ یہ بھی رب تعالیٰ کا کلام ہے اسی نے ثابت کیا کہ پہلا کلام الان (الخ) بھی رب کا کلام ہے۔ یہ کلام فرعون نے کانوں سنا اور ابھی کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ایک زبردست لہر اٹھی جس نے فرعون کو مع گھوڑے ڈبو دیا اور پھر لاش کو پانی نے دوسرے کنارے جہاں بنی اسرائیل خوف زدہ اسی تذبذب میں کھڑے ہوئے تھے کہ نہ معلوم فرعون ڈوبا یا نہ وہیں لاش کو پھینکا تب بنی اسرائیل کا خوف ختم ہوا۔ دریا میں سے صرف فرعون کی لاش ہی نکلی تھی اس لئے کہ اسی کو نشان عبرت بنانا مقصود تھا۔ بنی اسرائیل اس لاش کو چھوڑ کر چلے گئے بعد میں دیہاتی لوگوں نے اس کو اٹھا کر بستی میں چھپایا اب تک مصر کے عجائب گھر میں یہ بحفاظت موجود ہے۔ ہمارے شہر کے بہت سی لوگوں نے دیکھا ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ فرعون کی عمر چار سو نو سال ہوئی لیکن روح البیان نے صرف چار سو سال لکھی۔ تین سو سال اس نے مصر پر حکومت کی۔ بعض اسرائیلیات میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی خاص مصیبت کے وقت وہ خفیہ ہو کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا تھا۔ اور اپنی عبدیت کا اقرار کرتا تھا مگر یہ صحیح نہیں وان کثیرا من الناس عن ایتنا لغفلون۔ اور بے شک بہت سے انسان ہمارے نشانوں سے غافل ہیں کلی طور پر نہیں بلکہ کثرت گمراہوں کی ہے ناس سے مراد بعض کے نزدیک صرف کفار ہیں اور چونکہ دنیا میں ابتدا سے اب تک کفار کی کثرت رہی ایمان والے ہمیشہ ہی تھوڑے رہے اس لئے صرف کفار کو بھی کثیر فرمایا گیا۔ لیکن میرے نزدیک ناس میں گنہگار مسلمان بھی شامل ہیں کیونکہ گناہ کا ارتکاب غفلت کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ آیات سے مراد کتب آسمانی اور انبیاء کرام بھی ہیں (ابن عباس) کہ یہ بھی نشانی قدرت ہیں بلکہ ذات نبی علیہ السلام عظیم نشان ہے۔ نشان ہمیشہ واضح ہوتا ہے۔ جس کو ہر شخص چھوٹا بڑا عاقل عالم۔ امیر غریب اپنا پرایا سمجھ لے اور سمجھ کر بھولنا غفلت ہے یعنی بہت سے لوگ شان نبی کو جانتے پہچانتے ہوئے منکر ہو جاتے ہیں اسی لئے مثل فرعون طرح طرح کے عذابوں میں گرفتار

ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ مسلمان کی غفلت یہ ہے کہ نماز کی فکر نہ روزوں کی پرواہ نہ ظاہر کی درستی نہ باطن کی صفائی۔ نہ رات کی فریادیں نہ سحر کی آہ وزاری حالانکہ بقول ڈاکٹر صاحب۔

عطا ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو    کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

ہماری زبان محفوظ نہ دل قابو میں۔ اللہ تعالیٰ ہی غفلت کے دبیز پردوں سے نکالنے والا ہے۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمانوں پر اٹھائے گئے اس لئے وہاں ان کے لئے فرمایا گیا و رفعک الی لفظ ک جسم اور روح دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور جسم مع روح زندہ شخص کو ہی کہا جاتا ہے تو ترجمہ ہوا اے عیسیٰ ہم تم کو زندہ اپنی طرف اٹھانے والے ہیں۔ یہ فائدہ ببدنک سے حاصل ہوا دیکھو فرعون کا صرف جسم بچایا گیا تو اس لئے ننجیک کے ساتھ ببدنک کی قید لگادی۔ اگر بقول قادیانی وعیسائی۔ صرف نعش مسیح بغیر روح۔ بعد وفات اٹھانا مراد ہوتا تو یہاں بھی بدن کی قید لگ جاتی ضمیر مخاطب لفظ ک کا اطلاق بتا رہا ہے کہ حضرت مسیح زندہ اٹھائے گئے اور مرزائیوں کی بات قطعاً غلط ہے۔

**دوسرا فائدہ:** قرآن کریم کی سچائی وحقانیت۔ عقلاً نقلاً تجربے اور تاریخ ہر لحاظ سے ثابت ہے اور اس کی خبریں آج کے تجربے سے بچی بات ہو رہی ہے یہ فائدہ ننجیک سے حاصل ہوا۔ بائبل کی کتاب خروج میں فرعون مصر کا تمام واقعہ درج کیا گیا مگر وہاں نہ فرعون کی ڈوبتے وقت توبہ کا ذکر ہے نہ فرعون کی لاش کے بچانے کا تذکرہ ہے کسی اسرائیلی کتاب میں یہ نہیں۔ لیکن نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر پڑھے لکھے ہوتے ہوئے بھی اس وحی میں بدن فرعون کا تذکرہ فرمایا حالانکہ نبی کریم نے مصر کا سفر بھی نہ فرمایا نہ اس کی نعش کو دیکھا آج دنیا کے سیاح اس لاش کو دیکھ کر زبان انصاف سے حقانیت قرآن کی گواہی دے رہے ہیں اور یہود ونصاریٰ کا یہ الزام کتنا حیا سوز ہے کہ مسلمان کے نبی نے انجیل زبور سے خبریں لے کر قرآن بنایا (معاذ اللہ) اے یہود ونصاریٰ کہاں ہے تمہاری بائبل دکھاؤ فرعون مصر کی حفاظت کا ذکر کہاں لکھا ہے۔ حالانکہ اس حقیقت قرآن کریم کو تمہاری بھی عقل سلیم جھٹلا نہ سکی۔ بلکہ مجھ کو گمان غالب ہے کہ اب موجودہ نئی انجیلوں میں کچھ اچھی باتیں قرآن سے چوری شدہ ہیں۔

**تیسرا فائدہ:** برے کام کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔ دیکھو فرعون نے تین سو سال ہر قسم کی برائی کے بیج بوئے تاکہ اس کی حکومت وسلطنت قائم رہے مگر اس کا انجام کیا ہوا؟ قیامت تک دور کی لعنت و پھٹکار۔ اس موقع سے ہر شخص کو عبرت پکڑنی چاہئے خاص کر۔ سلاطین۔ حکام۔ وامراء کو

**اعتراضات:** اس آیت پر چند اعتراض پڑتے ہیں۔

**پہلا اعتراض:** انسان جب ڈوب جاتا ہے تو اس کے منہ سے بات نکل ہی نہیں سکتی تو یہاں اذا درکہ الغرق کے بعد کیوں کہا گیا کہ قال امنت فرعون نے کہا میں ایمان لایا (کبیری)

جواب: یہ کلام غرق ہونے کے بعد کا نہیں بلکہ غرق کے ابتدائی مراحل کا ہے یا یہ کلام اس وقت کا ہے جب اس نے اپنی قوم کو غرق ہوتے دیکھا اور اپنے بچنے کی صورت بھی نظر نہ آئی۔ یہ بات کرتے کرتے آدھا ڈوب گیا منہ تک پانی آتے آتے یہ کلام و جواب مکمل ہو گیا تھا۔ کیونکہ ڈوبنے میں کچھ دیر ضرور لگتی ہے۔

دوسرا اعتراض: فرعون نے تین دفعہ اپنے ایمان کا اظہار بیک زبان کیا۔ پہلے قال امنت سے پھر الذی امنت به بنو اسرائیل سے پھر وانا من المسلمین۔ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے واب اس کا ایمان کیوں نہ قبول فرمایا (دھرے و آرہے)

جواب: تفسیر کبیر میں امام رازی نے اس کی چند وجہیں بیان فرمائیں کہ فرعون کا ایمان نہ قبول ہونا یا اس لئے ہے کہ عذاب کے نزول کے وقت کی توبہ کفر معتبر نہیں۔ فرعون پر عذاب شروع ہو گیا تھا لہٰذا اب ایمان لانا نا مقبول ہوا۔ دوسری یہ ہے کہ فروعی مسائل میں تو تقلید ہونی ضروری ہے مگر ایمان و عقائد میں تقلید منع ہے۔ فرعون نے اپنے ایمان میں بنی اسرائیل کی تقلید کی اور کہا کہ میں اس معبود پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ گویا کہ اپنی معرفت کا انکار کرتا ہے کہ میں تو اس کو نہیں جانتا صرف بنی اسرائیل کی دیکھا دیکھی ایمان لا رہا ہوں۔ لہٰذا یہ ایمان مردود ہوا تیسری وجہ یہ ہے کہ اس کا اس وقت ایمان لانا خلوص و پر مبنی نہ تھا عذاب سے ڈر کر اور حسب سابق عذاب سے بچنے کے لئے ایمان لا رہا ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے قبولیت نہ ہونے کی کہ بنی اسرائیل ابھی اکثر لوگ کامل مومن نہ بنے تھے صرف قومیت کی بنا پر حضرت موسیٰ نے شامل فرما لیا تھا۔ ناقص ایمان بارگاہ خدا میں قبول نہیں فرعون نے اپنے ایمان کو ناقص ایمان سے مشابہت دی لہٰذا قبول نہ ہوا۔

تیسرا اعتراض: یہاں تو بقول امام رازی ایمان فرعونی اس لئے قبول نہ ہوا کہ اس نے ایمان میں بنی اسرائیل کی تقلید و مشابہت کی لیکن جادوگروں نے ایمان لاتے وقت اس طرح کہا تھا امنت برب موسیٰ و ھارون ہم موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔ وہاں تقلید ہی تھی فرق صرف یہ ہے کہ یہاں اللہ ہے وہاں رب۔ یہاں بنی اسرائیل وہاں موسیٰ و ہارون۔ یہاں فرعون وہاں جادوگر کافر۔

جواب: قانون شریعت میں ایمان وہ معتبر ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ہو۔ جادوگروں نے رب تعالیٰ اور اس کے انبیاء کرام دونوں کا نام لیا تھا اس لئے قبول ہوا لیکن فرعون صرف اللہ پر ایمان لایا اس کا ثبوت پر ایمان قطعاً ثابت نہ ہوا رب موسیٰ کا مطلب ہے کہ موسیٰ کے بتائے ہوئے رب پر۔ جس سے نبی کے وسیلے سے ایمان کا ثبوت ہوا لہٰذا قبول ہو گیا۔ یہاں یہ بات نہیں اس لئے نامقبول۔ چوتھا اعتراض حضرت جبریل نے فرعون کے منہ میں خاک کیوں ڈالی۔ ایمان سے روکنا تو بری بات ہے پھر یہ رب کے حکم سے ہوا یا اپنی مرضی سے اگر حکم ربی سے خاک ڈالی۔ تو اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ کو قول لین (نرم بات) کرنے کا حکم فرما رہا ہے۔ یہاں کیوں سختی کا حکم ہوا اگر اپنی مرضی سے جبریل امین نے خاک ڈالی تو اس آیت کے خلاف ہے کہ وما نتنزل الا بامر ربک ہم آپ کے رب کے حکم سے ہی نازل ہوتے ہیں۔

جواب: سچے اور باخلاص ایمان سے روکنا منع ہے۔ جب کہ حالت اختیاری میں ہو لیکن حالت نزع کا ایمان چونکہ معتبر ہی نہیں اس لئے اس سے روکنا برا نہیں۔ پھر حضرت جبرئیل نے اس دشمن انبیاء و مومنین اور خدائی کا دعویٰ کرنے والے کو فریاد

گڑگڑانے سے روکا تھا کہ کہیں اس پر رحم نہ ہو جائے اور ڈوبنے سے بچ نہ جائے اس لئے خاک ڈالی تھی۔ اور یہ ان کا اپنا کام تھا نہ کہ بحکم رب۔ ملائکہ و جبریل کا نزول حکم ربی سے ہوتا ہے۔ نازل ہو کر پھر اپنے اختیار سے کام کر سکتے ہیں کفار پر نرمی بھی اس وقت جائز ہے جب ان کی تبلیغ مقصود ہو اسی لئے حضرت موسیٰ کو نرمی کا حکم ہوا کہ وہ وقت تبلیغ تھا۔ لیکن سخت کافر پر سختی کا حکم ہے۔ جیسا کہ و اغلظ علیھم سے ثابت ہے۔

**تفسیر صوفیانہ:** حق میں زور ہوتا ہے مگر باطل میں محض شور ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حق کے ساتھ صدق و سچائی ہے اور باطل کذب میں ہے اس دنیاء دون سے سب کا گذر ہے۔ اس عالم ناسوت میں جب اہل دل کا گذر ہوتا ہے تو بوجہ صدق بکمال خیریت معرفت الٰہی کے کنارے پر پہنچ جاتے ہیں اور رہبر کامل کے دامن تسلیم و رضا سے وابستہ رہ کر منزل مراد کو پا کر نفس فرعونی سے بچ جاتے ہیں۔ اھل اللہ دنیا میں رہ کر بھی دنیا سے بچے رہتے ہیں وہ دنیا میں آتے ہیں مگر دنیا ان میں نہیں آتی بخلاف اھل باطل و طالب نفس و ہوا کہ دنیا ان میں آ جاتی ہے۔ اور وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

آب در کشتی ہلاک کشتی است　　　　اب اندر زیر کشتی پشتی است

عالم لاہوت کے مسافر رضاء یار سے دنیا میں آتے ہیں اور دنیا میں رضاء یار کو تلاش کرتے چلے جاتے ہیں نہ ان کو کچھ فکر ہے نہ ڈر دنیا کے پرستار دنیا کے لئے ہی غرور و تکبر سے دنیا میں آتے ہیں اور ہلاکت پر پہنچ پڑتے ہیں پھر ان کو کون سنبھالے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اھل دنیا کی ہر حالت اھل اللہ کے لئے نشان عبرت ہے۔ ان کی فنا ان کی بقا ان کی موت ان کی زندگی ان کی امیری ان کی غریبی اور راہ طریقت کے سالک ہی اس سے استفادہ کرتے ہیں مگر یہ عرفا بہت کم ہیں۔ اکثریت ان کی ہے جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں انجام سے بے خبر ہو کر فرعون نفس کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ دنیا کی زیب و زینت پر مر مٹتے ہیں اللہ والوں کا پیچھا کرتے ہیں مگر اطاعت کے لئے نہیں بلکہ ان پر لعن طعن کرنے کے لئے اور ان کو ستانے کے لئے یہ سب کچھ محض ان کی غفلت کی بنا پر ہوتا ہے یہ غفلت ہی وہ ناسور ہے جو غافل کو کہیں کا نہیں چھوڑتی نہ اس کو دین کا ہوش رہتا ہے نہ عقل کا۔ نہ اللہ کا نہ رسول کا۔ بلکہ حالت یہ ہو جاتی ہے۔ شعر

دن عیش میں کھوتا تجھے اور رات بھر سوتا تجھے　　　　خوف خدا شرم نبی یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ

اور البتہ بیشک ٹھکانہ دیا ہم نے قوم اسرائیل کو ٹھکانہ سچائی کا اور رزق دیا ہم نے

اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو عزت کی جگہ دی اور انہیں ستھری روزی

الطَّیِّبٰتِۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُؕ اِنَّ رَبَّكَ

ان کو سے حلال پاک چیزوں پس نہ اختلاف کیا انہوں نے یہاں تک کہ آ گیا ان کو علم بیشک رب

عطا کی تو اختلاف میں نہ پڑے مگر علم آنے کے بعد بے شک تمہارا

## يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۹۳﴾

تعالیٰ آپ کا درمیان ان کے فیصلہ فرمادے گا دن قیامت میں اس تھے جھگڑا کرتے

رب قیامت کے دن ان میں فیصلہ کردے گا جس بات میں جھگڑتے تھے

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اس چیز کا ذکر تھا کہ بنی اسرائیل نے ہم کو چھوڑ کر دنیاداروں فرعونیوں کا سہارا پکڑا تو ان دنیاداروں نے ان کو ذلیل وخوار کیا اب فرمایا جارہا ہے کہ جب صحبت پاک موسوی سے انہوں نے ہم سے تعلق جوڑا تو ہم نے ان کو دنیاجہان میں بڑی عزت بخشی۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرعونیوں اور باطل پرستوں کی بیہودہ زندگی کے انتہائی دور کا ذکر تھا اس آیت میں بنی اسرائیل کی شاندار زندگی کی ابتداء کا ذکر ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ ہم نے فرعون کو دنیا کی عزت دی تو وہ بجائے شکر کے سرکش ہوا پھر اس کا انجام دنیا نے دیکھا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اے اسرائیلیو تم بھی عزت دولت پاکر تعلیم انبیاء کرام بھول کر ہم سے سرکش ہوتے جارہے ہو پس اپنا بھی انجام سوچ لو اور بندے بن جاؤ۔ ورنہ قیامت سے کسی کو فرار نہیں۔

**تفسیر نحویانہ:** ولقد بوانا بنی اسرائیل مبوا صدق ۔ واو سے جملہ ہے کیونکہ یہ نیا کلام ہے ولقد بوانا ماضی قریب ہے لام نے تاکید پیدا کی بوء سے مشتق ہے اجوف واوی اور مہموز اللام ہے اس کا لغوی ترجمہ کسی کو اتارنا اس کے فاعل اک مرجع ذات باری ہے۔ بنی اسرائیل۔ یہ مفعول بہ ہے یا تا کا مبوا بوء سے بنا ظرف مکان ہے اس لئے زیر والا ہے۔ بعض نے کہا یہ مصدر میمی ہے اور مضاف الیہ ہے اس کا مضاف لفظ مکان محذوف منوی ہے۔ صدق۔ مبو کا مضاف الیہ ہے۔ مبالغ کا صیغہ ہے۔ اصل صادق کے معنی میں ہے ورزقنهم من الطيبت واو عاطفہ ہے پچھلا جملہ معطوف علیہ ہے رزقنا جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ رزق سے مشتق ہے۔ بمعنی ہر نفع والی چیز (مجمع البحار) خواہ روحانی نفع ہو جیسے نماز روزہ یا جسمانی جیسے غذاء حلال هم سے مراد یہی بنی اسرائیل ہیں من بعضیت کا ہے طیبات طیب کی جمع ہے اس کا لغوی ترجمہ ہے حلال فما اختلفوا حتى جاء هم العلم۔ ف تعقیبیہ اور ما نافیہ ہے اختلفو جمع مذکر غائب اک صیغہ ہے۔ فعل ماضی مطلق باب افتعال۔ اختلاف خلف سے مشتق اس کا لغوی ترجمہ ہے پیچھے رہنا۔ اسی سے ہے خلاف۔ خلاف اور اختلاف میں بہت طرح فرق ہے۔ اس کا ذکر تفسیر عالمانہ میں ہوگا۔ حتیٰ انتہا کے لئے آتا ہے یہاں بمعنی الا ہے اس نے ماقبل کی نفی کو ختم کیا اور یہاں نا اتفاقی کو ختم کر کے اختلاف شروع ہونے کو بیان کیا۔ جاء جیء سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے قریب ہونا۔ آنا بھی قرب سے ہوتا ہے۔ لہٰذا جاء آنے کے معنی میں مستعمل ہے خواہ قدم اور جسمی آنا ہو۔ یا روحانی یا فہم وادراک میں یہاں آخری معنی مراد

ہیں۔ ھم سے مراد یہودی بنی اسرائیل۔ العلم الف لام عہد ذہنی ہے۔ علم کے معنی نختا جاننا۔ یہاں بمایعملون ہے۔ اگر جاء کا پہلا معنی لیا جائے تو علم سے مراد معلوم ہو گا ان ربک یقضی بینھم یوم القیمۃ ۔ ان تحقیق تو بیخ ہے۔ ربک لفظ رب ک ضمیر کی طرف ہے اور واحد مذکر حاضر سے مراد نبی کریم ہیں اس میں اظہار شان مصطفیٰ یقضی۔ فعل مضارع بمعنی مستقبل ہے۔ بین بمعنی درمیان منسوب ہے ظرفیہ مکانی کی بنا پر اس کا مضاف الیہ ھم ضمیر جمع غائب سے مراد سب بنی اسرائیل ہیں کافر اور مومن یوم سے مطلق وقت مراد ہے اگر چہ اس کے حقیقی معنی ظہور آفتاب کا وقت ہے۔ القیمۃ۔ لفظ قیامت قوم سے مشتق ہے اس کا ترجمہ ہے کھڑا ہونا۔ ت مصدر کی ہے۔ جیسے کتابت طباعت وغیرہ قیام بروزن فعال خود بھی مصدر ہے مگر تاء مصدر یہ نے مبالغہ پیدا کر دیا۔ اس لئے کہ اس دن بہت دراز کھڑا ہونا ہے۔ اللہ کریم ہماری مشکل اپنے حبیب کے صدقے سے حل فرمائے۔ فیما کانوا فیہ یختلفون ۔ فی جار یقضی کے متعلق ہے۔ تا موصولہ مابعد کا پورا جملہ اس کا صلہ ہے۔ کانوا ماضی استمراری کا ہے۔ دراصل کانوا یختلفون تھا فیہ نے فاصلہ کر دیا جس سے تاکید کا فائدہ ہوا۔

**تفسیر عالمانہ:** ولقد بوانا بنی اسرائیل مبوا صدق اور البتہ بے شک ہم نے نازل کیا ہمیشہ بنی اسرائیل کو سچے اور اچھی مقامات پر۔ یہ جملہ نیا ہے۔ اس میں غرق فرعونی سے تا نزول قرآن کریم مختصر مگر جامع تاریخ بنی اسرائیل اور اسرائیل تہذیب و تمدن کی طرف اشارہ مل رہا ہے کہ دور فرعونی میں تو ان پر علامیت جاری تھی مگر غرقابی کے بعد سے اب تک دنیا کی عظیم سلطنتیں حکومتیں سرداریاں اور دولتیں ان ہی بنی اسرائیل کے ساتھ رہیں مبوا صدق کا معنی ہے ہر لحاظ سے اچھائی اور بہتری کا مقام اہل عرب کا طریقہ ہے کہ جو چیز ان کو خوبصورت اور فائدہ مند معلوم ہو اس کی تعریف کرنے میں لفظ صدق استعمال کرتے ہیں۔ اسی رواج کے مطابق قرآن کریم میں بھی بہت جگہ لفظ صدق ارشاد ہوا۔ ایک جگہ تو یہ ہی دوسری جگہ ارشاد ہے رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق ۔ یعنی اے رب کریم مجھ کو مقام صدق اچھی جگہ میں مقیم فرما۔ اور اچھی جگہ کی طرف ہی خروج ہو۔ یا اچھے طریقے سے نکال۔ بنی اسرائیل پر یہ انعامات محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا۔ اسی لئے یہاں اس کا ذکر ہوا و رزقناھم من الطیبات ۔ اور ہم نے ان کو رزق حلال اور پاک رزق عطا فرمائے۔ روح المعانی نے فرمایا کہ طیب کے معنی ہیں حلال۔ اور یہی صحیح تر ہے (منجد ص ۴۹۵) اور بعض نے کہا کہ طیب سے مراد لذیذ اشیاء ہیں۔ مگر یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ لذت صرف کھانے پینے میں ہوتی ہے حالانکہ رزق عام ہے ہر مستعمل چیز کو لہٰذا حلال مراد لینا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ یہ عام ہے اور پھر اس کی تائید حدیث پاک سے بھی ملتی ہے چنانچہ حدیث پاک کی کتاب ابن ماجہ ۲۳۳ پر ہے کہ مشہور کوا جو گھروں پر منڈلاتا ہے۔ وہ حرام ہے۔ اس حرمت کے لئے بھی لفظ غیر طیب استعمال ہوا۔ ارشاد ہے وقدسماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسقا ۔ واللہ ما ھو من الطیبات ۔ یعنی نبی کریم علیہ السلام نے کوے کا نام فاسق (موذی) رکھا اللہ کی قسم یہ حلال جانور میں سے نہیں۔ موذی اور نقصان دہ صرف یہی کوا ہے جو گھروں سے چیزیں چھینے یا لے اٹھا کر لے جاتا ہے اور یہاں طیب سے مراد لذیذ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بھی دیگر گوشتوں کی طرح گوشت ہے اگر عمدہ پکا کر کھلایا جائے تو لذت یقینی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہابیوں نے ۶/۷/۸۶/ کو سلانوالی میں خوب دعوت کر کے کوے

کھائے (حوالہ نوائے وقت اخبار ۷ اگست ۱۹۷۶ء صرف وہابی ہی اس کو حلال کہتے ہیں۔ قرآن وحدیث سے اس کی حرمت ثابت (دیکھو فتاویٰ العطایا احمدیہ) دنیا میں سب سے بڑی نعمت حلال طیب روزی ہے۔ جس کو یہ میسر وہ دین دنیا میں خوش قسمت ہے۔ خیال رہے کہ رزق کی حلت وحرمت بندے کے اپنے فعل سے متعلق ہے۔ بندے ہی کے عمل سے روزی حلال ہو جاتی ہے اور بندے کے ہی فعل سے رزق حرام ہو جاتا ہے۔ مثلاً سود، رشوت۔ جس نے لیا۔ دیا ہے اس کے لئے ہی حرام حلال ہے اور وہی بدترین وگناہ گار ہوگا۔ دوسرا شخص خرید کر ہدیہ یا اجرت میں سودی چیز لے لے تو اس کے لئے حرام نہ ہوگا **فما اختلفوا حتی جآءھم العلم** ۔ پس نہ اختلاف کیا انہوں نے کسی بات میں مگر جب آ گیا ان کو علم۔ یہ ان کی ناشکری کا ذکر ہے اختلاف سے مراد دینی فرقے بازی کا جھگڑا ہے یہاں اختلاف کے ابتدا کی بات ہے جس سے ثابت ہوا کہ پہلے کوئی جھگڑا نہ تھا۔ اب اس میں اقوال مفسرین علیحدہ ہیں کہ پہلے کیا تھے۔ جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ در موسیٰ علیہ السلام سے لے کر بعثت ختم المرسلین تک تمام نبی نبوت احمد مجتبیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل تھے بلکہ حقیقتاً منتظر تھے۔ اور آپ کے وسیلے سے دعائیں مانگتے تو قبول ہوتی تھیں۔ لیکن جب سراپا علم محمد صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے تو بعض نے انکار کر کے آپس میں اختلاف کر لیا۔ بعض نے کہا یہ اختلاف نبی کریم کے بارے میں نہ تھا۔ بلکہ اپنے دین ایمان وکفر میں اختلاف تھا کہ کچھ کافر ہو کر شریعت موسیٰ علیہ السلام سے پھر گئے اور کچھ مومن رہے (معانی) علامہ طبری نے فرمایا کہ سب اسرائیلی پہلے کافر ہو گئے تھے اور سب نے ابن اللہ کا عقیدہ بنالیا تھا بعثت سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کچھ یہودی آپ پر ایمان لے آئے جس سے ان میں دو مختلف گروہ بن گئے۔ مگر ہمارے نزدیک پہلا قول معتبر ہے کہ مقصد کلام اسی طرف راغب۔ اس آیت پاک میں اگرچہ **اختلفوا** ہے مگر مراد خلاف ورزی ہے۔ قانون فقہ میں اختلاف اور خلاف میں چند طرح فرق ہے۔ پہلا یہ کہ اختلاف وہ ہے کہ راستہ جدا جدا مگر منزل ایک ہی جیسے کہ شریعت کے چار سلسلے اور طریقت کے چار راستے۔ خلاف وہ ہے کہ راستے بھی جدا اور منزل بھی جدا۔ جیسے کہ اسلام کے دیگر فرقے وہابی۔ معتزل۔ خارجی۔ رافضی وغیرہ کا خلاف اہل سنت کے ساتھ۔ دوسرا فرق یہ کہ اختلاف فروعی مسائل میں اور خلاف اصولی مسائل میں ہوتا ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ اختلاف نظریات میں ہوتا ہے اور خلاف عقائد میں ہوتا ہے اس آیت میں یہ ہی مراد ہے۔ اور اختلاف سے مراد مخالفت ہے۔ حتی اس لفظ نے اختلاف کی ابتداء کا ذکر کیا جاء اس کا حقیقی ترجمہ ہے دور سے کسی چیز کا نزدیک ہونا۔ یہاں حقیقی معنی میں ہی ہے۔ ھم سے مراد موجودہ اسرائیلی ہیں یا جنس بنی اسرائیل العلم۔ جمہور فرماتے ہیں کہ علم سے مراد قرآن کریم ہے بعض نے کہا توریت وانجیل اور آنے سے مراد مجازاً۔ پڑھنا سمجھنا ہے (بیان لیکن ایک قوی احتمال یہ بھی ہے کہ اس علم سے مراد خود نبی کریم کی ہی ذات مقدسہ ہو۔ اولاً اس لئے کہ کفار کا اختلاف نبی کریم کے بارے میں ہی تھا دوم اس لئے کہ لفظ جاء کا حقیقی معنی نبی پاک علیہ السلام سے ہی متعلق ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں جاء اور ارسل بعث وغیرہ الفاظ انبیاء کرام کے لئے ہی مستعمل ہیں قرآن کریم اور دیگر کتب سماوی کے لئے انزل جیسے لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ سوم اس لئے کہ آیات سے ثابت ہے کہ نبی کریم سبب علم ہیں چنانچہ **یعلمهم الکتاب** والی آیت بھی یہی ثابت کر رہی ہے اور مشہور اصطلاح میں سبب کو مسبب کا نام دیا جاتا ہے۔

قرآن کریم کے متعلق یہ بات کسی آیت سے ثابت نہیں۔ چہارم اس لئے کہ پہلے سب بنی اسرائیل نبی اکرم کو جانتے مانتے تھے اور عقائد بالکل یکساں تھے جب نبی کریم تشریف لائے تب بعض کو حسد لگا اور یہ حسد یہودیوں کو ولادت پاک سے ہی شروع ہو گیا تھا نہ کہ نزول قرآن سے ان ربک یقضی بینھم یوم القیمة فیما کانوا فیه یختلفون۔ بے شک آپ کا رب ان جھگڑالوؤں کے درمیان قیامت کے دن سچا فیصلہ فرمائے گا۔ اس طرح کہ دنیا میں تو ہر شخص ہر قوم ہر دین والا کہتا پھرتا ہے کہ میں سچا۔ یہاں کوئی خاص نشان معین نہیں جس کے ذریعے کھرے کھوٹے کی پہچان ہو کیونکہ یہ دارالجزا نہیں بلکہ دارالعمل و دارالاختیار ہے یہاں پردہ پوشی بھی ہے اور ڈھیل بھی۔ آخرت دارالجزا ہے وہاں عذاب اور ثواب اس لئے وہاں تفریق ضروری ہے۔ وہاں ایسا مضبوط فیصلہ ہوگا کہ جھوٹا خود اپنے کو جھوٹا کہے گا۔ بینھم میں ھم ضمیر کا مرجع اگرچہ صرف بنی اسرائیل ہی ہیں مگر مراد سارے کافر ہو سکتے ہیں کیونکہ قیامت میں سب کفار و مسلمان کا فیصلہ ہوگا کہ ہر نیک و بد۔ صدیق و زندیق کا مقام درجہ علیحدہ ہوگا۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** تمام عزتیں اللہ رسول کی طرف سے میسر ہیں اگرچہ وسیلے جداگانہ ہوتے ہیں یہ فائدہ من الطیبت سے حاصل ہوا۔

**دوسرا فائدہ:** حلال روزی کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اگرچہ ٹاٹ کا لباس۔ رہائش کی جھونپڑی۔ اور کھانے کی چٹنی ہو۔ حرام غذا و اشیاء سے بچنے والا ہی بندہ مومن اور ولی اللہ ہے یہ فائدہ من الطیبت سے حاصل ہوا۔

**تیسرا فائدہ:** دینی امور میں خلاف تو ہر لحاظ سے منع ہے مگر برائے استفادہ اور خلوص قلبی اختلاف جائز ہے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق۔ خلاف اور اختلاف دونوں حرام ہیں۔ اللہ کریم نے کسی بشر کو اجازت نہ دی کہ اپنے عقلی جھگڑوں میں سرور کونین کو محور بنایا جائے۔ اسلام میں ہمیشہ بہت فرقے جنم لیتے رہے اور مجادلے مناظرے مکالمے ہوتے ہی رہے مگر صرف اسلامی باتوں میں۔ نبی کریم کے بارے کبھی کسی فرقے نے زبان درازی یا گستاخی نہ کی تھی گستاخی رسول اللہ کی ابتداء اسی موجودہ دور کے فرقہ باطلہ خبیثہ وہابیہ نے کی۔ اللہ ان کو خائب و خاسر کرے۔

**چوتھا فائدہ:** دنیائے دوں میں باطل کا عروج دلیل حقانیت نہیں کیونکہ فیصلہ تو آخرت میں ہوتا ہے۔ یہ فائدہ یوم القیمة سے حاصل ہوا۔

**پانچواں فائدہ:** جھگڑا اور اختلاف صرف کفر و اسلام کا ہے۔ اسی کا فیصلہ قیامت میں ہوگا۔ کفر یہ دلوں کے اعمال افعال و اقوال و عقائد کا آپس کا اختلاف شرعاً کوئی اختلاف نہیں۔ اس لئے کہ الکفر ملة واحدة کفر سب ایک ہی ملت ہے یہ فائدہ یختلفون کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

**اعتراضات:** پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا رزقنھم ہم نے ان کو رزق دیا۔ حالانکہ دنیاوی رزق تو کسب انسانی کے اختیار میں ہے۔ پھر نسبت الی اللہ کیوں ہے۔ اگر کسب انسانی سے نہ مانا جائے تو حرام بھی رزق ہے وہ کون دیتا

ہے۔ رزق حرام کی نسبت اللہ پاک کی طرف کرنا عین بے ادبی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ نیک بندے حلال کمائی کرتے ہیں اور برے آدمی حرام روزی کماتے ہیں۔ پس یہ انسان کا اپنا فعل ہے اور حصول رزق خود انسان کرتا ہے۔ تو رزقنھم کی نسبت کس وجہ سے ہے۔

**جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔

**پہلا جواب:** یہ کہ رزق ملنا تین طرح سے ہے ایک عطاءِ رزق دوسرا حصول رزق تیسرا ذریعہ رزق عطاءِ رزق محض فضل ربی ہے جس میں کسی بندے کے کسب کو دخل نہیں حصول رزق بندے کی ہمت پر موقوف ہے ذریعہ رزق بندے کا کسب اور تمام وسیلے ہیں۔ کسی کا کسی کو کچھ دینا محض ذریعہ عطاء اسی پروردگار عالم کی طرف سے ہوتی ہے۔ اگر عطاءِ رزق بالوسیلہ ہو تو صفت رازقیت ہے اس وجہ سے رب تعالیٰ کو رازق کہا جاتا ہے۔ یہ صفت خصوصی ہے کسی اور شخص کو رزاق کہنا گناہ ہے۔ یہاں رزقنھم کی نسبت سے یہی مراد ہے۔ اب بندہ اگر حصول رزق کے لئے بحکم نفس امارہ کسب کرے تو حرام روزی میسر ہوگی اور اگر نفس مطمئن کے ذریعہ راہ حلال اختیار کرے تو طیب رزق ملے گا بذات خود کوئی رزق حرام نہیں بندے کے غلط طریقے اس کو حرام کر دیتے ہیں۔

**دوسرا جواب:** اس طرح ہے کہ رازق اللہ کریم ہے۔ باقی ذریعے عارضی اور مجازی ہیں یہاں حقیقت کا ذکر ہے لہٰذا نسبت صحیح ہے۔

**دوسرا اعتراض:** اس آیت پاک میں من الطیبات کے لفظ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو طیب رزق دیتا ہے کسی کو حرام اور یہ بھی پتہ لگا کہ رزق حلال بھی ہوتا ہے اور حرام بھی اور دونوں کا رازق اللہ ہی ہے تو پھر حرام خوروں کی برائی کیوں؟ کہ وہ بھی اسی کی عطا ہے۔

**جواب:** یہ اعتراض تب وارد ہوتا جب یہاں من تبعیضیہ ہو۔ حالانکہ یہاں حرف من بیانیہ ہے۔ یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہم نے ان کو طیب رزق ہی عطا فرمایا۔ اور حرام سے بچایا۔ خیال رہے کہ رزق ہر نفع والی چیز کو کہتے ہیں اور حرام میں نفع نہیں ہوتا بلکہ جسمانی یا روحانی نقصان ہی ہوتا ہے۔ روپیہ پیسہ وغیرہ بذاتہٖ حرام نہیں اس کی حرمت بغیرہ ہے جو بندے کے کسب سے ہوئی اس لئے سود وغیرہ کا پیسہ فقط سود خوار پر حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کو طیب ہی عطا فرماتا ہے مگر بدکار لوگ اس کو گندہ کر لیتے ہیں۔

**تفسیر صوفیانہ:** صوفیاء عظام فرماتے ہیں کہ جب مومن خشوع قلبی و خلوص و محبت سے اتباع نبوت میں اللہ کی ذات میں مشغول ہوتا ہے تو رب تعالیٰ بطفیل نبی کریم علیہ السلام بندے مومن کو مقام صدق عطا فرماتا ہے۔ اس مقام میں بقا کا رزق میسر ہوتا ہے۔ جس سے معرفت روحانی کے سوتے پھوٹتے ہیں یہی ابدی رزق طیب ہے۔ اللھم ارزقنا بھذا الرزق۔ چمن معرفت کی اس بہار سے پہلے ہر نفس اس بہار کا متمنی ہوتا ہے مگر جب اکرم الاکرمین اپنے کرم ازلی سے علم لدنی عطا فرما دیتا ہے تو نفس امارہ اپنی سرکشی سے نفس مطمئنہ سے ہر طور مخالفت کرتا ہے۔ حالانکہ وہ سمجھتا ہے کہ اب نفوس قدسیہ کا ہی

عروج ہے مگر ہر وقت اس کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ میری سرداری اور حکومت قائم ہو۔ میری ہی سچائی کا گن گایا جائے۔ اس لئے باطل اپنے آپ کو ہی درست سمجھتا ہے۔ اہل دنیا تو اس کے پھانسے میں آ جاتے ہیں۔ اس لئے کہ اس عالم فانی میں حق و باطل کا کوئی امتیازی نشان نہیں مگر اللہ والے جانتے ہیں کہ اگرچہ عذاب وثواب کا کوئی نشان یہاں ظاہر نہیں کیا جاتا۔ ایسا فیصلہ بذریعہ عذاب باطل وثواب رب تعالیٰ قیامت کے۔ن ہی فرمائے گا لیکن طریقت الٰہیہ کا ایک عظیم نشان یہاں بھی موجود ہے جس سے عشق ومعرفت والے بخوبی حق و باطل۔ خبیث وطیب۔ کھوٹے۔ کھرے کا فرد مومن کا فرق محسوس کر لیتے ہیں۔ وہ نشان عشق محمد مصطفیٰ ہے اور احترام احمد مجتبیٰ اور اولیاء اللہ کا ادب ہے کہ جس دل میں یہ رزق طیبات موجود ہے وہ اہل حق ہے اور جس کو اس سے محروم کیا گیا وہ باطل ہے۔

فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ فَسْـٴَـلِ الَّذِیْنَ

تو اگر ہو تو میں شک سے اس نازل کیا ہم نے طرف تیری تو پوچھ ان لوگوں

اور اے سننے والے اگر تجھے کچھ شبہ ہو اس میں جو ہم نے تیری طرف اتارا تو ان

یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ

پڑھتے ہیں کتاب سے پہلے تجھ سے البتہ بیشک آیا تیرے پاس حق سے

سے پوچھ دیکھ جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھنے والے ہیں بے شک تیرے پاس

رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

رب تیرے، تو نہ ہو تو سے شک کرنے والوں اور نہ ہو تو سے ان لوگوں

تیرے رب کی طرف سے حق آیا تو ہرگز شک والوں میں نہ ہو اور ہرگز ان میں نہ ہونا

الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۵﴾

جھٹلایا انہوں نے سے کو آیتوں اللہ ورنہ ہوگا تو سے گھاٹے والوں

جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں کہ تو خسارے والوں میں ہو جائے گا

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں بہت دور سے بنی اسرائیل کے تاریخی حالات کا سبق آموز عبرت انگیز ذکر چلا آ رہا ہے۔ جن میں کچھ واقعات تو رونما ہو کر نیست و نابود ہو چکے کہ ان کا نشان بھی باقی نہ رہا اور کچھ واقعات کے نشان باقی رہے جن کا دیکھ کر

مشاہدہ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن جن کے نشان بھی باقی نہ رہے ان کی تصدیق بجز اقوال و عبارات ممکن نہ تھی۔ قرآن کریم میں یہ سب ہی موجود ہیں مگر منکر لوگ یہود و نصاریٰ ان کو ماننے پر تیار نہ تھے اس لئے اس آیت پاک میں حکم دیا جا رہا ہے اگر تم لوگ ان قرآنی خبروں میں کچھ شک کرتے ہو تو جاؤ انجیل و زبور کے عالموں سے پوچھ لو یہ بعض واقعات ان کتب میں بھی لکھے ہیں۔ ان زبور و توریت کے جاننے پڑھنے والوں کو اس کے اقرار و تصدیق کے سوا چارہ نہیں یہودی راہبوں سے پوچھنے کی اس لئے دعوت دی گئی کہ قرآن کریم کی طرح انجیل وغیرہ اتنی عام مشہور نہ تھیں جو ہر ایک خود دیکھ کر پڑھ لیتا۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان صفات قدسیہ کا ذکر تھا جو کتب سابقہ میں مذکور تھیں۔ اور بعثت پاک سے پہلے سب اہل کتاب ان کو جانتے مانتے تھے بلکہ اہل سنت والجماعت کی طرح اپنی وعظ و تقریر میں بطور نعت خوانی ان محاسن کا ذکر فرمایا کرتے تھے لیکن جب احمد مجتبیٰ تشریف لے آئے تو یہ یہودی منکر شان رسالت بن گئے بلکہ جو یہودی یا عیسائی حسب سابق نبی کریم کی نعت خوانی یا محفل ذکر منعقد کرتا تو یہ اس کے مخالف ہو جاتے جیسے کہ آج کل دیوبندی وہابی۔ یہاں تک کہ اس چیز کا بھی انکار کر دیتے کہ انجیل توریت میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نعت نہیں لکھی اس آیت میں اسی شک کا جواب دیا جا رہا ہے۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا۔ اہل کتاب باوجود ہماری نعمتیں اور رزق پانے کے پھر ہمارے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہوئے۔ اور دنیا و آخرت کے خسارے میں پڑے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو عبرت پکڑو۔ تم ایسے شکوک میں نہ پڑنا کہیں تم بھی گھاٹے میں رہو۔

**تفسیر نحوی:** فان کنت فی شک مما انزلنا الیک۔ ف تعقیبیہ ہے۔ حرف ان شرطیہ ہے۔ مگر زجاج نحوی کہتے ہیں کہ ان نافیہ ہے اور ان کے نزدیک یہ جملہ شرطیہ نہیں بلکہ خبریہ سالبہ ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا اے مسلمان بس نہیں ہے تو شک میں اس سے جو تیری طرف نازل کیا ہم نے لیکن مزید قوت یقینی کے لئے تجھ کو اہل کتاب سے پوچھنے کی اجازت ہے (روح المعانی) لیکن صحیح تر یہ ہے کہ ان حرف شرط ہے اور مابعد جملہ شرطیہ ہے کنت فعل ماضی کا تامہ سے صیغہ واحد اس کا فاعل ضمیر کا مرجع عام انسان ہے یا عام مسلمان بعض نے کہا یہ فعل ناقصہ ہے اور لاحق فی شک سے جڑ کر پوشیدہ خبر ہوگئی یہ بھی احتمال ہے کہ کنت بمعنی صرت ہو۔ تو مطلب ہوگا کہ اگر اب تجھ کو شک ہوئی شک فی حرف جار لفظ شک کو اسی سے زیر دیا۔ مما یہ دو لفظ ہیں (۱) من حرف جار (۲) ما اسم موصول اس کا اردو ترجمہ ہے اس سے۔ ما اسم موصول کا صلہ ہے انزلنا پورا جملہ۔ صیغہ جمع متکلم نسبت فاعلی اللہ تعالیٰ کی طرف ہے الیک الی حرف جار۔ ک ضمیر ہے واحد مذکر حاضر کی۔ اس کا مرجع عام انسان ہے یا عام مسلمان فسئل الذین یقرؤن الکتاب۔ یقرؤن بحث فعل مضارع بمعنی حال۔ صیغہ جمع مذکر غائب اس کا فاعل۔ بنی اسرائیل کے راہب ہیں۔ اس کا مادہ قرء مہموز اللام ہے۔ قرء کا لغوی ترجمہ زبان سے پڑھنا ہے مگر یہاں مراد ہے جاننا علم رکھنا۔ الکتاب میں الف لام جنسی ہے اور اس سے تمام آسمانی کتب مراد ہیں من قبلک من حرف جر بیانیہ ہے قبل اسم ظرفی ہے اس کا مضاف الیہ ظاہر ہے اس لئے یہ حالت جر میں ک ضمیر واحد مذکر

مضاف الیہ ہے اس کا مرجع بھی عام انسان ہے لقد جآء ک الحق من ربک فلا تکونن من الممترین لام تحقیقیہ اور قد جاء ک ماضی قریب معروف ک ضمیر واحد مفعول فیہ یعنی تیرے پاس۔ اس کا مرجع بھی عام انسان۔ الحق میں الف لام عہد ذہنی ہے مراد اس سے قوی تر یہ ہے کہ محمد مصطفیٰ ہیں من ربک من جارہ بیانیہ ہے اس کا معنی طرف سے ربک مرکب اضافی ضمیر تام ہے فلا تکونن ف فائدہ کی ہے لاتکونن فعل نہی بانون ثقیلہ جس سے تاکید کا فائدہ ہوا من الممترین میں من بعضیت کا ہے۔ ممترین اسم فاعل صیغہ جمع۔ مترو سے مشتق ہے۔ مترو کا لغوی ترجمہ ہے آہستہ آہستہ پیچھے پیچھے ہٹنا اور کسی سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا ارادہ کرنا۔ دور ہوتا جانا رسی کھینچ لے جانے کے لئے بھی یہ معنی مستعمل ہیں کیونکہ اس طرح بھی دوری ہوتی ہے (معانی) مجلد ۷۹۹ اس کا اصطلاحی ترجمہ صرف ابتدائی شک کرنا جو ابھی تکذیب کرنا جو ابھی تکذیب سے دور ہو لا تکونن من الذین کذبوا بایات اللہ فتکون من الخسرین ۔حرف واؤ سر جملہ ہے جس سے نئے جملے کی ابتداء لاتکونن نہی بانون ثقیلہ واحد کا صیغہ ہے جیسے کہ پہلے من یہاں تبعیضیہ ہے الذین حالت جر میں اسم موصول جمع مذکر ہے کذبوا باب تفصیل کا ماضی مطلق ہے جمع کے صیغہ سے سب کفار مراد ہیں اس کا معنی ہے کسی چیز کا مطلق انکار کرنا یا اس کے وجود کا یا اس کے صفات کا یا نوعیت کا۔ یہاں تینوں معنی شامل ہیں۔ بایات میں ب زائدہ ہے مگر عمل میں درست ہے کہ مابعد کو زیر دیا آیات کا لغوی معنی نشانی یہاں قرآن وحدیث مراد ہیں یا صفات احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان تمام کی نسبت اللہ کی طرف کرنی بالکل درست ہے کیونکہ قرآن کریم کی طرح فرمودات نبی کریم بلکہ خود ذات محمد مصطفیٰ آیات اللہ ہیں۔ فتکون ۔ف تعقیبیہ بیان نتیجہ کی لئے اور اس کے معنی ورنہ تکون مضارع بمعنی مستقبل کان ناقصہ بمعنی صار سے مشتق ہے۔ اس کا اسم انت ضمیر کا مرجع وہی عام انسان یا عام مسلمان قیامت۔ من الخسرین من تبعیضیہ ہے الخسرین میں الف لام استغراقی ہے۔ خسرین اسم فاعل حالت جر میں ہے۔ جمع ہے خسر سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے ہلاکت، جان، مال، عزت، دین ہر قسم کی ہلاکت کو شامل ہے۔

**تفسیر عالمانہ:** فان کنت فی شک مما انزلنا الیک۔ پس اگر تو اے انسان اس کی طرف سے شک میں ہو جو ہم نے تیری طرف نازل کیا۔ یہاں خطاب عام مسلمان سے ہے نہ کہ نبی کریم سے بعض مفسر کنت کا فاعل نبی کریم کو تصور کرتے ہیں مگر وہ بھی فرضاً کی قید لگاتے ہیں اور ان کے عقائد میں بھی یہ ہے کہ نبی کریم کا قرآن کریم یا کسی بھی وحی کے بارے شک کرنا محال بالذات ہے جو انبیاء کرام کے متعلق شک کرنے کا عقیدہ بنائے وہ شرعاً بے دین ہے میں کہتا ہوں کہ روشن کلام سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہاں عام مسلمان ہی مراد ہے عقلاً نقلاً نبی پاک کو مراد نہیں لیا جا سکتا اس لئے کہ اگر خطاب معاذ اللہ احمد مجتبیٰ کو ہو تو یا فرضی مانا جائیگا یا غیر فرضی۔ اگر فرضی مانا گیا تو غلط کیونکہ فرضی بات میں حکم نہیں دیا جا سکتا بلکہ فرضی کلام کے نتیجے کا ذکر ہوتا ہے مثلاً قرآن کریم نے فرمایا ہے اگر اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو آسمان اور زمین میں فساد ہو جاتا یا جیسے کہ اگر زید شیر ہوتا تو پھاڑ کھاتا مگر اس آیت میں ان کنت کے بعد فائل کا حکم دیا جا رہا ہے جس سے واضح ہوا کہ یہ جملہ شرط فرضی نہیں بلکہ غیر فرضی ہے اور اگر غیر فرضی مان کر پھر نبی پاک ہی مخاطب مراد لے جائیں تو عین گمراہی کہ محال بالذات

ہے لہٰذا صحیح تفسیر یہ ہی ہے کہ یہاں خطاب عام مسلمانوں سے ہے۔ اور شک ہونا اگرچہ عیب تو ہے مگر عالم والوں کے لئے یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام شک سے یکسر منزہ اور مبرہ ہوتے ہیں اس لئے کہ یہ حضرات اعلم العالمین ہوتے ہیں۔ لیکن عوام اپنی بے علمی کی بنا پر یقینی باتوں میں بھی شک کر جائیں تو کفر یا گمراہی نہیں اس لئے کہ شک کرنا اپنے بس کی بات نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں کافر سے خطاب ہو۔ مگر یہ بات قوی نہیں کیونکہ کفار کا شک یقینی ہے وہاں ان کحت کہنا کچھ غیر مناسب لگتا ہے میری اس تفسیر کی تائید اس حدیث پاک سے ہوتی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو تمام حاضرین کے سامنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا اشک و لا اسئل یعنی اے قیامت تک کے لوگو یہ نہ سمجھنا کہ یہ خطاب مجھ کو ہے کیونکہ میں تو نہ شک کرتا ہوں نہ پوچھتا ہوں۔ نبی کریم کی اس شان کو خود باری تعالیٰ بھی جانتا ہے تو پھر نبی کریم کو خطاب کرنا بے معنی ہو جاتا ہے۔ تفسیر صاوی نے فرمایا کہ خطاب نبی کریم کو ہے مگر مراد دیگر لوگ ہیں۔ مما انزلنا سے تمام قرآن مجید مراد نہیں بلکہ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کے بیان کردہ وہ قصے ہیں۔ جو توریت و زبور کے علاوہ تاریخی معتبر کتب میں بھی مذکور تھے اور مقصد اس کا یہ ہے کہ اس طرح نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نبوت مورخین اور علماء عالم کی زبانوں سے بھی ہو جائے الیک خیال رہے کہ یہ قرآن کریم نبی پاک کی طرف بھی نازل ہوا اور صحابہ کرام کی طرف بھی اور ہم سب مسلمان کی طرف بھی اور تمام کفار کی طرف بھی۔ مگر نوعیت بیان مختلف ہے۔ جس کا ذکر مختلف جگہ پر قرآن کریم میں ہے اسی اسلوب کے مطابق یہاں الیک فرما کر عوام کو خطاب ہے فاسئل الذین یقرؤن الکتاب من قبلک۔ پس پوچھ لے ان لوگوں سے جو کتاب پڑھتے ہیں تجھ سے پہلے سے۔ فاسئل۔ اس لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ شک فرضی مراد نہیں بلکہ حتمی شک کی طرف اشارہ ہے تفسیر کبیر نے فرمایا کہ نبی اکرم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں انسانوں کے تین گروہ بن چکے تھے ایک مخلص جیسے صحابہ کرام دوسرے بالکل منکر جیسے کافر۔ منافق۔ تیسرے شک میں پڑے رہنے والے کہ جن کے لئے ارشاد ہوا لا الی ھؤلاء، و لا الی ھؤلاء۔ یہاں خطاب اس قسم کے لوگوں سے ہے الذین یقرؤن۔ سے کون سے افراد مراد ہیں اسمیں دو قول ہیں بعض نے فرمایا کہ اس سے وہ صحابہ مراد ہیں جو پہلے راہب اور عالم توریت و انجیل تھے۔ جیسے عبداللہ بن سلام۔ کعب احبار۔ تمیم داری۔ عبداللہ بن صوریا رضی اللہ تعالیٰ عنہم (کبیر) مگر صحیح تر یہ ہے کہ اس سے قیامت تک کے کافر راہب پادری پڑھے لکھے مراد ہیں۔ اور وہ مسلمان بھی شامل ہیں جن کو معلومات عالم حاصل ہیں۔ کیونکہ یہی مقصد امر ہے۔ اور پھر حضرت عبداللہ بن سلام و تمیم داری وغیرہ اس آیت کے نزول کے بعد مدینے پاک میں ایمان لائے حالانکہ یہ آیات مکیہ ہیں (معانی) الکتاب میں جنسی۔ الف لام ہے (معانی) جس سے ہر معلوماتی تاریخی واقعاتی کتاب شامل ہو جاتی ہے۔ لیکن چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے۔ بجز آسمانی کتب کے دیگر کتب پر اتنا اعتقاد کسی کا نہ تھا اس لئے یہاں مراد توریت زبور انجیل ہی ہو سکتی ہیں ان زمانوں میں مذہبی کتب اور قابل عیدہ بس یہی کتابیں تھیں۔ اس لئے من قبلک سے اشارہ فرما دیا۔ یعنی جو واقعات تمہارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سنا رہے ہیں وہ واقعات بہت سے راہب وغیرہ اپنی کتب میں پڑھ چکے ہیں تو جو ذات بغیر پڑھے سنے وہی واقعے تم کو بتائے وہ یقیناً اللہ کا نبی ہے کیونکہ غریب بجز نبی کون جان سکتا ہے لقد جآءک الحق

من ربک فلا تکونن من الممترین ۔البتہ بے شک آیا تیرے پاس حق تیرے رب کریم کی طرف سے پس نہ ہو تو ۔شک کرنے والوں سے ۔ پہلے شاکی اور کم علم لوگوں کو دعوت عام تھی کہ جاؤ میرے حبیب کے فرمودات کی حقانیت کو جانچتے پھرو ۔ ہر طرح حق پاؤ گے اب مسلمانوں کو مزید پیار سے سمجھایا جا رہا ہے کہ اے مسلم تیرے پاس حق یعنی ایسا مضبوط دین یا خود ذات محمد مصطفیٰ تشریف لے آئے جس کو کوئی طاقت ختم نہیں کر سکتی ۔حق کا حقیقی ترجمہ ہے ۔ نا قابل فنا چیز ۔اور پھر وہ حق کسی معمولی شخص کی طرف سے نہیں آیا کہ اس میں کچھ تردد کیا جائے بلکہ من ربک اس ذات نے اس حق کو بھیجا جو تجھ کو پالنے والا ہے اور ہمہ وقت تو اس کی پرورش میں ہے ۔ایسا رحیم کریم بھلا تیرے نقصان پر راضی ہو سکتا ہے جب کائنات کی ہر نعمت تیرے فائدے کے لئے ہے تو یقین کر لے کہ قرآن وحدیث اور اسلام میں بھی تیرے لئے فائدہ ہی فائدہ ہے ۔پس نادان نہ بن اور کسی شیطان کے بہکانے سے فلا تکونن من الممترین نہ ہو جانا پھسلنے والوں میں سے ۔خیال رہے کہ ریب ۔ شک اور امتراء کا اردو لغت سے ایک ترجمہ ہے یعنی شک مگر حقیقت میں کچھ اختلاف ہے ۔چنانچہ ریب وہ ہے کہ چیز کے وجود یا صفت یا نوع میں فی الواقع کچھ گڑبڑ ہو ۔یا منکر کی اپنی ذہنی خرابی ہو ۔اور یہ گڑبڑ یا خرابی ابتداء ہی سے ہو ۔اور شک یہ ہے ابتداء ہی سے منکر کا دل اس پر نہ جمتا ہو ۔صدق وکذب کے کسی بھی پہلو پر وہ قائم مزاج نہ رہتا ہو اس کے اسباب خواہ کچھ بھی ہوں ۔امتراء یہ ہے کہ کسی چیز پر پہلے یقین ہو جائے بعد میں کسی بہکانے ورغلانے سے یقین کی منزل سے پھسل جائے ۔ یہاں امتراء سے مسلمانوں کو روکا جا رہا ہے ۔شک انسان کے بس کا نہیں ہوتا اس لئے اس سے نہ روکا گیا بلکہ اس سے بچنے کا حسب موقع موثر طریقہ بتا دیا گیا ۔لیکن امتراء سے بچنا انسان کے بس میں ہے کہ بری محفلوں کتابوں یاروں سے بچے ۔امترا ایسی بیماری ہے کہ اس سے ہی تکذیب کی کفریہ بیماری شروع ہوتی ہے اسی لئے آگے ارشاد ہوا ولا تکونن من الذین کذبوا بایات اللہ فتکون من الخاسرین ۔اور نہ ہونا تو ان لوگوں سے جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیات کو ورنہ ہو جائے گا تو گھاٹے والوں سے یہ خطاب بھی عام مسلمان سے ہے اور مضمون مسلسل ہے یا مقصد ہے اظہار نتیجہ کہ اگر کوئی امتراء کرے گا تو وہ ہی گویا کہ جھٹلانے والوں کے مثل ہوگا اور یا یہ مراد ہے کہ امتراء جڑ ہے جس سے تکذیب وغیرہ کے نقصان وہ پھل لگتے ہیں اسی لئے پہلے امتراء سے منع کیا گیا بعدہٗ اس حکم کا ذکر ہوا ۔اس کا تفسیری ترجمہ اس طرح بھی کیا جا سکتا ہے کہ امتراء کرنے والوں سے نہ ہو ورنہ آئندہ چل کر تکذیب والوں سے ہو جائے گا اور وہ کون ہیں؟ وہ ہیں الذین کذبوا بایات اللہ وہ کافر جنہوں نے قرآن پاک رسول کریم اور آپ کے معجزات کو نہ مانا ۔پس اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو فتکون من الخسرین ۔تو سخت گھاٹے والوں سے ہوگا ۔لفظ خسرین ۔خسران سے مشتق ہے خاسر وہ ہوتا ہے جو سب کچھ کرے کیا کرایا برباد ہو جائے یہ سخت تکلیف دہ چیز ہوتی ہے ۔اے میرے رب کریم میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سب امت کو اس خسارۂ اخروی سے بچانا ۔امین ۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ۔

**پہلا فائدہ:** سب بیماریوں سے سخت بیماری وہم اور شک کی بیماری ہے ۔شک وشبہ میں پڑا رہنے والا ہمیشہ پریشانی میں ہی

مبتلا رہتا ہے۔ دنیوی معاملات میں بھی شک وشبہ بلاوجہ کرنا برا ہے خاص کر دینی معاملات اور قرآن وحدیث میں شکوک پیدا کرنا تو بہت ہی برا ہے۔ جس کا نتیجہ خسارہ اخروی بھی ہے اور دنیا کی ذلت بھی۔

**مسئلہ:** کوئی یقین شک سے نہیں ٹوٹتا (کتب فقہ)

**دوسرا فائدہ:** دین اسلام بہت ہی مضبوط دین ہے کہ اس کو رب تعالیٰ نے حق فرمایا۔

**تیسرا فائدہ:** چھوٹے گناہوں سے بچنا فرض ہے کیونکہ یہ چھوٹے گناہ بڑے گناہوں کا پیش خیمہ اور ذریعہ ہوتے ہیں۔ جس طرح بھی ممکن ہو ان سے بچا جائے۔ لہٰذا جس جگہ سے یہ چھوٹے گناہ کا اندیشہ ہو وہاں سے بھی بچو بری مجلسوں کتابوں سے اسی لئے منع کیا جاتا ہے۔

**چوتھا فائدہ:** نبی کریم کے فضائل سننے کے لئے کسی کے پاس جانا یا کسی کافر کی کتاب یا لکھی ہوئی نعت سننا بھی عبادت ہے یہ فائدہ فاسئل کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

**اعتراضات:** اس آیت پر چند اعتراض وارد کیے جاتے ہیں۔

**پہلا اعتراض:** آخر کیا وجہ ہے کہ اس آیت میں نبی کریم کو مخاطب نہ بنایا جائے جب کہ بہت سی مفسرین نے تمام کلام کا فاعل نبی پاک کو ہی تصور کیا ہے اس آیت کے تمام واحد حاضر کے صیغوں کو موڑ کر دوسرے مسلمانوں کی طرف لے جانا ایک اختراع ہی معلوم ہوتا ہے۔

**جواب:** اس کی تین وجہ ہیں پہلی وجہ تو تفسیر میں عرض کر دی گئی کہ اگر خطاب حضور علیہ السلام کو ہو تو فرضی ماننا پڑے گا ورنہ گمراہی لازم ہے۔ اور فرضی ہو نہیں سکتا کیونکہ فاسئل کا امر بعد میں موجود ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ حضور علیہ السلام کو خطاب مقصد آیت کے خلاف ہے۔ مقصد تھا نبی کریم کی شان کا اظہار۔ تو بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی کریم خود اپنی اظہار شان کے لئے پوچھتے پھریں۔ تیسری وجہ یہ کہ شک ہوتا ہے جہالت اور بے علمی کی بناء پر انبیاء کرام بے علمی سے بالکل پاک ہوتے ہیں بلکہ جس جھوٹے کو اپنے جھوٹ کا علم ہو وہ بھی شک سے دور ہو سکتا ہے۔ اگرچہ کفر پھیلاتا پھرے۔

**دوسرا اعتراض:** اس آیت میں من الخسرین کیوں فرمایا گیا؟ من الکافرین ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا تو صراحتاً کفر ہے۔

**جواب:** اس لئے کہ کافر دو قسم کے ہیں اور ان کو علیحدہ علیحدہ دو قسم کی ہی رسوائیاں اور نقصان ہیں پہلا وہ کافر جس نے نیکی کی ہی نہیں اس کو قیامت میں حرمان یعنی نعمت عقبیٰ سے محرومی نصیب ہوگی مگر کم از کم اس نے دنیا میں عیش کر لیا۔ دوسرا وہ کافر جس نے پہلے اسلام قبول کر کے خوب نیکیاں عبادت وریاضت کی مشقتیں کیں پھر امتراء اور شک کی بیماری میں مبتلا ہوا جس سے ساری نیکیاں برباد ہو گئیں۔ اس کو قیامت میں خسران نصیب ہوگا۔ یہی گھاٹے والوں سے گنا جائے گا جیسے کہ ایک وہ شخص جس نے کھیت بویا ہی نہیں اور دوسرا وہ جس نے مکمل بویا مگر حفاظت نہ کی جنگلی چوہوں نے سب برباد و ویران کر دیا تو پہلا شخص حرمان سے اور دوسرا خسران سے دوچار ہوا مگر زیادہ پریشانی اور گھاٹا دوسرے کا ہے اسی چیز کا یہاں من الخسرین

فرما کر اشارہ کیا جارہا ہے

**تیسرا اعتراض:** یہاں مما انزلنا الیک بتارہا ہے کہ اس جگہ مخاطب نبی کریم ہیں کیونکہ وحی صرف انبیاء پر آتی ہے اور قرآن کریم نبی اکرم کی طرف ہی نازل ہوا۔

**جواب:** یہ غلط ہے۔ بلکہ ممترین اور خاسرین جیسے سخت الفاظ وعید ہی بتارہے ہیں نبی کریم مخاطب نہیں ہو سکتے۔ اور یہ ٹھیک ہے کہ انبیاء پر نزول وحی ہوتا ہے مگر ہونا سب کائنات کی طرف ہے۔ یہاں طرف کا ذکر ہے نہ کہ پر کا۔ اسی لئے قرآن پاک نے ایک جگہ فرمایا وانزلنا الیکم نورا مبینا۔ اس طرح کی بہت سی آیات موجود ہیں جن سے ثابت ہے کہ سب بندوں کی طرف قرآن مجید نازل ہوا۔ امام ابن ابی بکر رازی نے اس جگہ یہ بھی جواب دیا کہ ان کنت فی شک میں ان نافیہ ہے۔ اور پورے کلام کا ترجمہ اسی طرح ہے کہ اے حبیب تم شک میں تو نہیں ہو۔ پھر بھی پوچھ لو توریت و زبور پڑھنے والوں سے تاکہ ان کی زبان تصدیق بھی سب کو معلوم ہو جائے۔

**تفسیر صوفیانہ:** محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں راہ سلوک میں سب سے زیادہ جاہل عقل ہے اور سب سے زیادہ عالم عشق ہے۔ بعض عارفین نے فرمایا بدقسمت وہ ہے جس کو علوم وھبی و کشفی کا حصہ نہ ملا۔ ایسے شخص سے خطرہ ہے کہ خاتمہ بالخیر نہ ہو۔ کم از کم حصہ یہ ہے کہ اہل اللہ کی تصدیق کرتا رہے۔ اور کم از کم بدنصیبی یہ ہے کہ صدیقین اور مقربین کے علم سے کچھ بھی نہ ملے اور یہی منکر بدقسمت کی ادنیٰ سزا ہے۔ جب قلب مومن پر انوار معرفت کا نزول ہوتا ہے تو عقل وادی تحیر میں غوطہ زن ہو جاتی ہے اس کو ان آیات سے کچھ سمجھ نہیں آتا تو مرشد برحق اس بھٹکتی عقل کو ارشاد فرماتا ہے اگر تجھ کو ان آیات اسرار میں شک ہے جو قلب مرید پر ہم نے تیری ہدایت کے لئے نازل کی ہیں تو اس دریا کے پہلے شناور اور اس مدرسے کے پہلے شاگرد عشق سے پوچھ لے۔ یہ شریعت و طریقت کا حق تیرے رب کی طرف سے تیرے ہی لئے آیا ہے۔ پس اے عقل حیوانی استراء کے خاردار جنگل سے نکل۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تکذیب کے کانٹوں میں الجھ کر دامن ایمان و عافیت کو تار تار کر کے ابدی ازلی گھاٹے والوں میں سے ہو جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾

بیشک وہ لوگ مضبوط لگ گیا پر جن کلمہ رب تیرے کا نہ لائیں گے ایمان

بے شک وہ جن پر تیرے رب کی بات ٹھیک پڑ چکی ہے

وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾

اگرچہ آئے ان کو ہر نشانی یہاں تک کہ دیکھ لیں عذاب دردناک

ایمان نہ لائیں گے اگرچہ سب نشانیاں ان کے پاس آئیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق: پچھلی آیت مبارکہ میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو شیطانی وساوس سے عارضی طور پر شکوک وشبہات میں پڑ گئے مگر ان کا پھر ہدایت کی طرف رجوع ممکن تھا اب اس طبقہ کا ذکر ہو رہا ہے جن کا حق کی طرف آنا ناممکن ہے۔
دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ظاہراً بتایا گیا کہ اسلام کی باتوں میں شک مت کرو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ اب اشارتاً فرمایا جا رہا ہے کہ کفر کی برائی میں شک نہیں کرنا چاہئے بلکہ بالکل یقین کرلو کہ ایسے سخت کافر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ گویا کہ پہلے اچھوں کی اچھائی میں شک سے روکا گیا تھا اب بروں کی برائی میں شک سے روکا جا رہا ہے۔
تیسرا تعلق: پہلے فرمایا گیا تھا کہ اے مسلمانو تم کیسے کچے ایمان کے ہو کہ باوجود اسلام میں آنے کے پھر ذرا سے وسوسے سے اسلام وقرآن جیسی مضبوط کتاب میں شک کرنے لگے۔ اس شک کی برائی فرمائی گئی اور بچنے کا طریقہ بھی ارشاد ہوا۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ دیکھو کافر اپنے کفر میں کتنا سخت ہے کہ ہر طرح کی آیات دیکھ کر بھی کفر سے مشکوک نہیں ہوتا نہ کفر سے باز آتا ہے۔
چوتھا تعلق: پہلے ارشاد ہوا تھا کہ شک اور استہزاء سے باز آجاؤ اور اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھ کر تکذیب نہ کرنا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ جن کے دلوں پر مہر کفر لگ چکی ہے وہ تمام نشانات حق دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔
تفسیر نحوی: ان الذین حقت علیھم۔ ان حرف تحقیق ہے یہ حرف ہمیشہ شک کو دور کرنے اور کلام میں پختگی پیدا کرنے کے لئے لائے جاتے ہیں۔ اس کا صلہ اگلا جملہ ہے حقت۔ فعل ماضی باب نصر ینصر صیغہ واحد مونث کا ہے حق بغیب مقرون سے مشتق ہے بمعنی مضبوط ثابت ہوا جو ختم نہ ہو سکے علیھم۔ علی حرف جار جب کسی ضمیر سے متصل ہوتا ہے تو اس کا الف ممدودہ گر جاتا ہے ھم سے وہی مخصوص طبقہ کفر مراد ہے جو الذین کا صلہ ہے۔ کلمت ربک کلمۃ سے مراد کفر کی مہر ہے یا ازلی تقدیر کا فیصلہ مراد ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ نافع اور ابن عامر کی قرأت میں کلمات جمع ہے۔ مگر جمہور کے نزدیک کلمہ واحد لفظ ہے ربک مرکب اضافی ہے ک ضمیر سے مراد عام مسلمان ہے۔ لا یؤمنون ان کی خبر ہے اس لئے اس کا اعراب حکائی رفع ہے یہ جملہ اسم ان کا نتیجہ ہے۔ ولو جاء تھم کل ایۃ واؤ وصلیہ ہے لو حرف شرط ہے مگر یہاں محض وصل کے لئے ہو گیا۔ جائت صیغہ واحد مونث اس کا فاعل کل ایۃ ہے جی سے مشتق ہے بمعنی دور سے آنا۔ کل سے مراد صرف حق کی طرف ہے۔ آیۃ کا معنی نشانی یہاں مرکب اضافی استعمال کر کے ثابت کیا کہ ایک ایک نشانی کا پورا پورا جز حتی یرو العذاب الالیم۔ حرف حتی انتہاء کے لئے ہے۔ یرو کا جمع صیغہ فعل مضارع مراد زمانہ مستقبل ہے۔ رای سے مشتق ہے بمعنی دیکھنا۔ خواہ آنکھ سے یا سب جسم سے العذاب الف لام عہد ذہنی ہے عذاب کے معنی سزا الالیم الف لام صفتیت کا ہے۔ یہ مرکب توصفی یرو کا مفعول بہ ہے۔
تفسیر عالمانہ: ان الذین حقت علیھم کلمت ربک لا یومنون بے شک وہ کافر لوگ جن پر تیرے رب کا کلمہ ٹھیک پڑ چکا وہ کبھی ایمان نہ لائیں گے۔ یہ آیت کریمہ انتہائی عبرت ناک ہے ہر انسان کو اپنے رب کریم کی پناہ کی دعا مانگنی

چاہئے۔ یہاں ان کفار کا ذکر ہو رہا ہے جن کا کفر پر رہنا اور کفر پر مرنا مقدر ہو چکا ہے۔ لفظ حقت سے مراد یا تو ازلی تقدیری فیصلہ ہے جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت حضرت آدم کو زندہ فرمایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے پشت آدم علیہ السلام کے دائیں طرف دست قدرت پھیرا تو بہت سی ذریت کا خروج ہوا ارشاد ہوا یہ جنتی ہیں پھر بائیں طرف ہاتھ پھیرا تو بہت ہی زیادہ دریت برآمد ہوئی تو ارشاد ہوا کہ جہنمی ہیں (ابوداؤد) ترمذی عن مسلم بن یسار) اسی طرح کی ایک حدیث مسند احمد میں بروایت ابونصرۃ ہے۔ یا حقت سے مراد لوح محفوظ میں لکھنا ہے۔ کلمت سے مراد یہی فیصلہ کفر ہے۔ اس آیت سے جہاں مسئلہ تقدیر ثابت ہوتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ضد ہٹ دھرمی، غرور تکبر، بزرگان دین کی گستاخیاں انبیاء اولیاء سے حسد و بغض سب کچھ ان ازلی تقدیری مردود دین بارگاہ کی علامات دنیاوی ہیں۔ ایسے لوگوں کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی ولو جاء تھم کل ایۃ اگر چہ قرآن وحدیث اور معجزات وکرامات کی ہزار ہا نشانیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور ان کے پاس سب آیات آجائیں۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا کی قدرتی سزائیں ناگہانی آفات ان پر وار دبھی ہوتے رہیں۔ پھر بھی نگاہ عبرت نہیں کھولتے۔ یہ لوگ اپنی سرکشی میں بڑھتے ہی رہتے ہیں حتی یروا العذاب الالیم۔ یہاں تک کہ یہ مردود ین اللہ کا دردناک عذاب دیکھ لیں۔ یا موت کے وقت یا قیامت کے میدان میں۔ صحیح تر یہ ہے کہ یہاں عذاب موت مراد ہے اس لئے کہ مومن کی موت تو وصال حبیب کی بنا پر لذت آفریں ہے مگر کافر کی موت بھی اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور بہت کافروں نے مرتے وقت کلمہ بھی پڑھا۔ جیسے کہ فرعون اور قارون وغیرہ۔ بلکہ زبان حال سے سب ہی کافر بوقت موت ایمان لے آتے اور جن چیزوں پر ایمان لانا ان کی غفلتوں کے خلاف تھا اب ملک الموت وغیرہ کو دیکھ کر مان جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بدر کے کنوئیں میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوجہل سے پوچھا تھا اب بتا تو نے میرے رب کا وعدہ سچا پایا کہ نہیں۔ مگر اس وقت کا ایمان معتبر نہیں اسی لئے لفظ حتی بول کر ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی انتہاء کا ذکر فرمایا اگر قیامت کا عذاب مراد ہو تب بھی ٹھیک ہے کیونکہ قیامت میں کافر کہیں گے کاش ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیجا جاتا تو پھر کبھی کفر نہ کرتے۔

**فائدے:** اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** تعلیم انبیاء کرام مثل بارش کے ہے کہ اس سے وہی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جو تقدیر الٰہی میں مومن ہیں کہ یہ مثل زرخیز زمین بے آباد زمین کے ہیں ازلی مردودین اس سے فائدہ نہیں لے سکتے کہ وہ مثل پتھریلی چٹان کے ہیں۔ لیکن بارش سب جگہ ہی ہوتی ہے۔

**دوسرا فائدہ:** تقدیر دو قسم کی ہے (۱) تقدیر مبرم جو ٹل نہ سکے (۲) معلق جو دعاؤں سے ٹل جائے۔ مگر گستاخ نبوت وولایت کی بدنصیبی مبرم ہے جو ٹل نہیں سکتی یہاں وہی مراد ہے۔

**تیسرا فائدہ:** موت کے وقت کا ایمان معتبر نہیں اسی طرح مجبوری کی خیرات یا جبر کی نماز بھی قابل ثواب نہیں جب مصیبت پڑی تو لگیں نیازیں بٹنے یہ اللہ کو پسند نہیں۔

**اعتراضات:** یہاں چند اعتراض پڑتے ہیں۔

**پہلا اعتراض:** یہاں تو ارشاد ہوا کہ جن لوگوں پر رب کا حکم ثابت ہو چکا وہ کبھی بھی ایمان نہ لائیں گے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تقدیر کے آگے سب مجبور ہیں۔ مگر دوسری جگہ آگے ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر رب چاہے تو سب ایمان لے آئیں اور پھر بہت سے کافر دن رات مسلمان بنتے ہیں بہت سے بے دین دعاؤں سے ایمان والے بن جاتے۔ لہٰذا تعارض پیدا ہو گیا۔

**جواب:** بالکل صاف ہے یہاں فیصلے اور ازلی تقدیری حکم ہو چکنے کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں یہ ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ایسا فیصلہ نہ ہوتا بلکہ سارے ہی مومن ہو جاتے۔ رہا دعاؤں سے ایمان تو یہ تقدیر معلق کی وجہ سے ہے اور پھر یہاں ان کفار کا ذکر ہے جن پر مہر لگ چکی نہ کہ سب کفار کا۔ لفظ الذین بتا رہا ہے کہ سب کافر ازلی مردود مہر شدہ نہیں۔ جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا پس جو لوگ کفر سے تائب ہوتے ہیں وہ ازلی تقدیری کافر نہیں ہوتے۔

**تفسیر صوفیانہ:** صوفیا کی اصطلاح میں بدنصیب انسان وہ ہے جس کو نور معرفت کا صلہ عطا نہ ہو۔ ایسے ہی بدنصیبوں کی علامات اس آیت میں بیان ہو رہی ہے کہ ان لوگوں پر محرومیت اسرار کی مہر لگ چکی ہے۔ یہ کبھی بھی تصوف وطریقت کی حسین وادیوں کو تسلیم نہ کریں گے۔ اور ایسے ہی سردان راہ خدا کے کمالات پر لا یومنون ایمان نہ لائیں گے۔ اگرچہ ان کی عقل سلیم اور نفس مطمئنہ انوار و تجلیات قلوب کی ساری علامتیں ان کے سامنے لے آئے۔ ہاں جب نفس مطمئنہ وادی فنا میں چلا جائے اور ضمیر مردہ ہو کر طرح طرح کے وساوس شیطانی سے شق القلب کے درجے میں ہو اور نماز و ذکر اللہ سے حصول مدارج نہ ہو اور بے یقینی کا عذاب الیم دیکھ لیں تب حصہ معرفت اور راہ سلوک کے متلاشی ہوتے ہیں مگر اس وقت کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا پس اسی طرح خائب و خاسر ہو کر دنیا جہان سے جاتے ہیں۔ عرائس البیان نے فرمایا کہ سر ازلی نے ازل سے بارگاہ قدس میں اس کے قہر و لطف کا مطالبہ کیا کسی ایسے اہل کا جو لطف و قہر کے مصرف ہوں انہیں سے صادر ہوں انہیں کی طرف لوٹنے والے ہوں تو اللہ مجدہٗ کی طرف سے جواب آیا کہ اسرار الٰہیہ ازلی کھلے ہیں سعادت سعیدوں کے لئے ہے اور شقاوت شقیوں کے لئے ہے لہٰذا ضروری ہے لطف کے نشانات مقبولوں کے چہروں اور قہر کے نشانات مطرودین کی گردنوں پر۔ یہ نشانات مطرودین کی گردنوں پر ازل میں ہی لگائے گئے پس لطف والے ازل سے ابد تک لطف الٰہیہ سے بہرہ مند ہوں گے اور ان مقبولین سے رب تعالیٰ ہی کے ارادے مشیت اور کام صادر ہوں گے لیکن قہر والے ازل سے ابد تک ظلمات قہر میں رہیں گے اسی لئے وہ بدبخت انبیاء کرام اولیاء عظام کے وہ انعامات معرفت نہیں دیکھتے جو محض عطیات ربانی ہیں اسی وجہ سے منکر ہو جاتے ہیں وہ لوگ اندھیری آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ امام واسطی نے فرمایا وہ لوگ جو نور ازلی سے ملحق نہ ہوئے ان پر صفائی وقت روشن نہیں ہوتی کیونکہ اوقات کی صفائی انوار ازلیہ کے نتیجے ہیں اور یہ محرومی بھی دردناک عذاب ہے اللھم وقنا من ھذا العذاب واعطنا انوار معرفتک امین یا رب العلمین۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ

تو کیوں نہ ہوئی یہ بات کہ کوئی بستی ایمان لائے پس نفع دے اس کو ایمان اس کا مگر قوم

تو ہوئی ہوتی نہ کوئی بستی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان کام آتا ہاں یونس کی قوم جب ایمان لائے

يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي

یونس جب کہ وہ ایمان لائے دور کیا ہم نے سے ان عذاب ذلیل میں زندگی

ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب دنیا کی زندگی میں ہٹا دیا اور ایک

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ

دنیا اور نفع دیا ہم نے ان کو تک ایک وقت اور اگر چاہتا رب

وقت تک انہیں برتنے دیا اور اگر تمہارا رب

لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ

تیرا البتہ ایمان لاتا وہ جو میں زمین تمام ان کے ایک دم کیا پس تو مجبور کرے گا

چاہتا زمین میں جتنے ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں کو

النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ

لوگوں کو تاکہ ہوں وہ مؤمن اور نہیں ہے لیے کسی

زبردستی کرو گے یہاں تک کہ مسلمان ہو جائیں اور کسی جان کی قدرت

اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى

جان کے یہ کہ وہ ایمان لائے مگر سے حکم اللہ اور ڈالتا ہے عذاب کو پر ان

نہیں کہ ایمان لے آئے مگر اللہ کے حکم سے اور عذاب ان پر ڈالتا ہے

الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

کے جو نہیں عقل رکھتے

جنہیں عقل نہیں

**تعلق:** اس آیات کے پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہیں۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں یہ فرمایا گیا تھا کہ موت یا عذاب الیم دیکھ کر ایمان لانا معتبر نہیں ہے۔ اس کے تجرباتی ثبوت کو بطور چیلنج اس آیت مبارکہ میں پیش کیا جارہا ہے کہ واقعۃً ایسا کبھی نہ ہوا کہ آخری دم کسی کا ایمان قبول ہوا ہو۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ازل میں فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ جن کے کفر پر مرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ لاکھوں نشانات قدرت دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ اب ارشاد ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو یہ فیصلہ نہ ہوتا بلکہ سارے انسان وجنات ایک دم مومنین ہو جاتے۔

**تیسرا فائدہ:** پچھلی آیت پاک میں بیان ہوا تھا کہ کافر لوگ عذاب الیم دیکھ کر ہی ایمان لا سکتے ہیں اس کے علاوہ نہیں اس کی دو وجہ ہیں ایک وجہ تو وہیں بیان فرمادی گئی کہ یہ ازلی فیصلہ ہے۔ دوسری وجہ اس آیت پاک میں بیان ہو رہی ہے کہ وہ بے عقل اور بے وقوف ہیں۔ اور اللہ کا عذاب ان کی اپنی بے وقوفیوں کی بنا پر ہے۔ گویا کہ پچھلی آیت کریمہ میں بغیر عذاب دیکھے ایمان نہ لانے کی وجہ بیان ہوئی تھی اور یہاں ان کفار ازلیہ پر عذاب آنے کی وجہ بیان ہو رہی ہے۔

**تفسیر نحوی:** **فلولا**۔ یہاں ف سوالیہ ہے۔ **لولا** ۔ **ھلا** کے معنی میں ہو کر توبیخ اور جھڑک پیدا کرتا ہے یعنی اے کم عقلو سمجھو کہ ایسا کبھی نہیں ہوا تو اب کیوں موت کے انتظار میں بیٹھے۔ **کانت**۔ بعض نے فرمایا کہ یہ تامہ ہے اور **قریۃ** اس کا فاعل ہے اور جملہ فعلیہ تامہ مکمل ہو کر موصوف ہوا اگلا جملہ امنت اس کی صفت ہوا مگر صحیح تر یہ ہے کہ کانت فعل ناقصہ ہے۔ قریۃ اس کا اسم ہے اور امنت کا پورا جملہ اس کی خبر۔ قریۃ کا حقیقی معنی ہیں بستی۔ خیال رہے کہ چند اینٹ پتھر سے ایک دیوار چند دیواروں سے ایک گھر چند گھروں سے ایک گاؤں چند گاؤں سے ایک قصبہ چند قصبوں سے ایک تحصیل چند تحصیلوں سے ایک ضلع چند ضلعوں سے ایک کمشنری چند کمشنریوں سے ایک صوبہ چند صوبوں سے ایک ملک بنتا ہے۔ موجودہ انسان کی تقسیم قریہ لغوی لحاظ سے ہر بستی کو کہہ سکتے ہیں۔ مگر صرف عام میں چھوٹی دیہاتی بستی کو کہہ دیا جاتا ہے قرآن کریم میں بہت جگہ لغت کا اعتبار کیا گیا ہے جیسے کہ یہاں۔ قریہ کا مجازی معنی ہے۔ بستی میں رہنے والے وہی یہاں مراد ہے گویا کہ سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے۔ امنت مونث کا صیغہ ہے اس کا فاعل قریہ کی ضمیر ہی اور یہ پورا جملہ کانت کی خبر ہے۔ **فنفعھا** ف عطف کی ہے پہلا جملہ معطوف علیہ اور سبب ہے اور یہ مسبب معطوف ہے (تفسیر صاوی) اگر کانت تامہ مانا جائے تو یہ فنفعھا امنت کا معطوف بنے گا پھر امنت قریہ کی صفت ہوگی۔ ھا ضمیر کا مرجع قریہ ایمانھا یہ مرکب اضافی نفع فعل متعدی کا فاعل ہے **الا قوم یونس**۔ **الا** حرف استثنا کے بارے نحاۃ کے تین قول ہیں پہلا یہ کہ یہ مستثنیٰ منقطع کے لئے ہے۔ علامہ زجاج وسیبویہ اور کسائی نحوی کے علاوہ اکثر نحوی علماء اسی طرف راغب ہیں (صاوی، معانی، مظہری، جلالین) دوسرے یہ کہ یہ استثناء متصل ہے یہ قول زمخشری کی طرف منسوب ہے۔ مگر بعض نے کہا کہ **الا** بمعنی **غیر** ہے۔ اور **الا** کو ما قبل کی صفت بنایا ہے۔ حالت نصب میں۔ قوم کو زبر پڑھایا گیا مگر چند نحویوں نے اس کو حالت رفعی میں مانا ہے۔ ان کے نزدیک یہ بدل ہے قریہ کا اس وقت **الا** کو غیر کے معنی میں ماننا کرنی پیدا کرنا ضروری ہے کیونکہ بدل غیر موجب کلام میں ہی ہوتا ہے۔ **یونس**۔ لفظ یونس انس سے مشتق ہے مہموز الفا ہے بعض

نحویوں نے کہا یہ ونــس سے مشتق ہے بمعنی تنہائی ۔ لفظ یونس کی نون ہمیشہ مفہوم ہوگی غیر منصرف ہے وزن فعل اور علم کی وجہ سے روح البیان نے فرمایا کہ عجمی اور علم ہے ۔ لــمــا ۔ حرف شرط ہے یہاں بیان نتیجہ کے لئے ہے امنو یہ جملہ خبریہ ہے وجہ استثناء کی خبر دے رہا ہے کشفنا عنهم کشفنا صیغہ جمع متکلم اس کا فاعل ضمیر نا کا مرجع ذات باری عزاسمه ہے یہ کشف سے مشتق ہے بمعنی کھولنا ہٹانا دور کرنا یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں عنھم حرف عن جارہ بعد مکانی کے لئے ہے ھم سے مراد قوم یونس علیہ السلام ہے ۔ یہ ہے وہ فائدہ جس کا لــمــا امنو سے بیان ہوا عذاب بمعنی سزا ۔ خیال رہے کہ عذاب مطلق سزا کو کہتے ہیں یہ کشفنا کا مفعول بہ ہے الخزی ۔ عذاب کا مضاف الیہ ہے ۔ یہ مرکب اضافی تمام مفعول ہے الخزی خزی سے مشتق ہے بمعنی رگڑنا ذلیل کرنا الف لام عہد ذہنی ہے ۔ فی الحیوة الدنیا فی جارہ ظرفیت کے لئے خواہ زمانی یا مکانی ۔ حیوة حیوة سے مشتق ہے بمعنی بقاء روح حیوانی مرکب توصیفی ہے ۔ دنیا سے مراد عالم اجسام ومتعنا الی حین ۔ واؤ عاطفہ متعنا صیغہ جمع متکلم مراد رب تعالیٰ ہے متع سے مشتق ہے بمعنی کچھ نفع دینا ھم سے مراد ہی قوم یونس ۔ الی انتہاء کے لئے آتا ہے ۔ حین سے مراد وقت غیر معینہ یا زمانہ غیر معینہ ولو شاء ربک واؤ سر جملہ ہے کیونکہ نئی بات کا ذکر ہو رہا ہے شاء فعل ماضی متعدی بیک مفعول ہے اس کا مفعول ایمانهم پوشیدہ ہے ۔ یہاں لفظ رب کا استعمال اسی طرف اشارہ کر رہا ہے یہ فیصلہ سابقہ انتہائی حکمت پر مبنی ہے ۔ ربک شاء کا فاعل ہے ۔ اور مضاف الیــہ کی ضمیر ک سے یا تو حسب سابق عام مسلمان ہی مخاطب ہے یا آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے ۔ اس سے ربط کلام نہیں ٹوٹتا لامن ۔ لام ابتدائیہ جوابِ شرط کے لئے ہے یہ لام اسم فعل حرف سب پر آجاتا ہے ۔ امن فعل ماضی مطلق سابقہ شرط کی جزا ہے ۔ من اسم موصول امن کا فاعل ہے ۔ اصلاً وحدت کے لئے ہے مگر جمع کے لئے بھی آجاتا ہے یہاں جمعیت ہی مراد ہے مابعد قرینے کی بنا پر فی الارض فی بمعنی علیٰ ہے یعنی زمین پر بسنے والے لوگ مراد صرف انسان ہیں بعض کے نزدیک جنات بھی شامل ہیں ۔ ارض کے معنی فضاءِ زمین ہے نہ کہ فقط مٹی ۔ اور فی کا اشارہ سکونت کی طرف ہے نہ کہ ظرفیت کا ارض کا لغوی ترجمہ برابر کیا ہوا بستر ہے یہ جار مجرور موجود پوشیدہ کے متعلق ہو کر موصول کا صلہ ہوگا اور پھر موکد ہو کر امن کا فاعل ہوا کلهم من کی تاکید ہے جمیعا کلهم کا حال ہے افانت تکرہ الناس ۔ ہمزہ سوال انکاری کی ہے ف فانت ف تعقیب کی ۔ ضمیر واحد کا مرجع دونوں سابقہ احتمال رکھتا ہے ۔ مگر قوی یہ ہے کہ خطاب نبی کریم سے ہے تکرہ واحد حاضر کا صیغہ کرہ سے مشتق ہے ۔ بمعنی جبر یا ناپسندیدگی یہاں پہلے معنی مراد ہیں ۔ الناس میں الف لام عہد خارجی ہے اور ناس سے خطاب کے ہم زمانہ کا فر مراد ہیں ۔ حتی بمعنی کی ۔ جس کا اردو ترجمہ ہے تاکہ مگر یہاں الــی ان کے معنی میں ہے یعنی یہاں تک ۔ نحاۃِ کوفہ کے شیخ امام کسائی نحوی کے نزدیک حتی خود ناصب ہوتا ہے (الانصاف دوم) یکونوا ۔ فعل مضارع معروف کان بمعنی صار سے بنا ہے ۔ دراصل یکون تھا ۔ حتی نے نون اعرابی کی حذف کر دیا مومنین جمع ہے مومن کی اصطلاحی معنی میں ہے یعنی شریعت محمد مصطفیٰ اور طریقت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دل وزبان سے ماننے والا ما کان ماضی کا ہے ۔ کــان تامه ہے اس کا فاعل قدرة یا ثبوت پوشیدہ ہے ۔ اگر قدرت ہو تو یہاں سابقہ کلام کی وجہ ہوتی ہے ۔ اور اگر ثبوت پوشیدہ ہو تو سابقہ کلام کی بطور تائید یا چیلنج خبر دی جا رہی ہے ۔ لنفس لام جارہ ملکیت کا ہے ، نفس سے

مراد بدن وروح کا وہ مجموعہ جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل حکمت۔ طبیعت، شہوت ودیعت فرمائے اس کا جوہر اصلیہ قلب ہے۔ جار مجرور متعلق ہیں ما کان کے (کتاب النفس للامام رازی) ان تؤمن ان ناصبہ تؤمن فعل مضارع مونث یہ جملہ ما کان کا مفعول بہ ہے الا حرف استثناء ہے جس کا ماقبل مستثنیٰ منہ اور مابعد مستثنیٰ ہے۔ اس نے سابقہ نفی مطلق کو ختم کر دیا ب جارہ معیت کے لئے ہے اذن سے یہاں مراد مشیت ہے کیونکہ اسی کا ذکر ہوا اس جگہ لفظ اللہ فرمانا ہی صمدیت کی طرف اشارہ کرتا ہے ویجعل یہ فعل حال جمہور قراء کے نزدیک صیغہ واحد غائب ہے ایک قرأت میں نجعل صیغہ جمع متکلم ہے مگر فاعل ہر دو صورت میں ذات باری ہے جعل سے بنا بمعنی بنانا ڈالنا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ عذاب خصوصی طور پر بنایا ان ہی بیوقوفوں کے لئے۔ الرجس۔ الف لام جنسی ہے۔ رجس ر کے زیر سے۔ گندگی پلیدی۔ بری حالت یا برا کلام وعمل را کے زبر سے بادل کا کڑکنا یہاں بکسر الراء ہے یعنی گندگی پلیدی کا عذاب۔ علی الذین۔ علی جارہ اپنے معنی میں ہے۔ الذین اسم موصول جمع کے لئے ہوتا ہے اس سے عمومیت ختم کی جاتی ہے اور از خود خصوصیت پیدا ہو جاتی ہے۔ لایعقلون یہ فعل حال منفی ہے جس میں کفر کفار کی صفت اصلیہ اور وجہ کفر کی طرف اشارہ مقصود ہے یہ عقل سے مشتق ہے۔

**تفسیر عالمانہ:** فلولا کانت قریۃ امنت فنفعھا ایمانھا تو کیا کبھی ایسا ہوا بھی ہے کہ کوئی بستی بوقت عذاب ایمان لائی تو اس کو اس کے ایمان نے نفع دیا ہو۔ یہ نیا کلام ہے جس سے ہلاک شدہ کفار کا ذکر ہو رہا ہے اب بتایا جا رہا ہے کہ قانون قدرت بن چکا ہے کہ عذاب دیکھ کر یا موت کے فرشتے دیکھ کر ایمان معتبر نہیں۔ ایمان صرف وہی قابل بارگاہ ہے جو بغیر کچھ دیکھے سے اندھا دھند نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم اور حکم سے اختیار کیا جائے۔ خیال رہے کہ عذاب دیکھنے سے مراد عذاب کا نزول ہے اور ملاحظہ کرنا ہے۔ اس آیت کو فلولا ء سے شروع کرنے کا مقصد دنیا بھر کے تاریخ دانوں اور جغرافیہ کے اساتذہ کو چیلنج عظیم ہے کہ اگر تم فیصلہ ازلیہ ربانیہ سابقہ کو نہیں تسلیم کرتے یا تم معاذ اللہ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر معترض ہو تو کیا نبی کریم کے اس بیان کردہ فیصلہ ربانیہ کے خلاف ثبوت پیش کر سکتے ہو۔ عبارۃً یہ چیلنج فقط ان یہود ونصاریٰ کو ہے جو انجیل وتوریت میں عذاب کے تاریخی واقعات مثلاً فرعون وقوم کے واقعات پڑھتے رہتے تھے اور قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کا کلام نہ مانتے تھے الا قوم یونس سوائے یونس علیہ السلام کی قوم کے۔ الا کے بعد قوم کا ذکر کرنا دو وجہ سے منقطع ہے اولاً اس لئے کہ الا سے پہلے قریہ ہے اس سے قوم کرنا قبولیت والے حکم سے علیحدہ کرنا حالانکہ بستی اینٹ پتھر کی ہوتی ہے اور قوم انسانوں کی ہوتی ہے ان میں کوئی مناسبت جنسی یا نوعی نہیں دوم اس لئے کہ قوم یونس کے عذاب دیکھنے اور ایمان میں دوسرے کفار سے فرق ہے۔ لہٰذا فقط قوم یونس علیہ السلام کی یہ شان ہے کہ کما امنوا کشفنا عنھم عذاب الخزی۔ جس وقت وہ ایمان لائے ہم نے ان سے ذلت کا عذاب ہٹا دیا۔

**حضرت یونس علیہ السلام کا پورا واقعہ:** اس طرح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آٹھ سو سال پیشتر ملک عراق میں ایک قوم سیریا آباد تھی اور ان ہی کی سلطنت تھی اور سلطنت کا مرکزی مقام تقریباً ۵۰ میل مربعہ پھیلا ہوا ایک شہر نینوا دریاء دجلہ کے کنارے شہر موصل کے قریب واقع تھا۔ یہ قوم بہت ظالم اور بت پرست تھی حضرت یونس علیہ السلام متی کے بیٹے نبی

اسرائیل سے تھے حضرت الیاس علیہ السلام کی دعا سے دوبارہ زندہ ہوئے (صاوی سورۂ صافات اٹھائیس سال کی عمر شریف میں نبوت کا تاج عطا فرمایا گیا پھر قوم نینوا کی طرف بھیجا گیا یہ قوم نبی اسرائیل نہ تھی۔ اس کو قوم یونس فرمانا ہی امت ہونے کی بنا پر ہے۔ کیونکہ ہر شخص نبی کی قوم میں شمار ہوتا ہے جو ان کی امت ہو خواہ برادری اور قبیلہ سے بھی نسبت ہو یا نہ ہو۔ اس قاعدے سے قیامت تک کے سب مسلمان آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہیں حضرت یونس علیہ السلام نے ان کو ترک ظلم و بت پرستی کی تبلیغ فرمائی مگر انہوں نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا کافی عرصہ تبلیغ فرماتے رہے مگر ایک بھی مسلمان نہ ہوا تب آپ نے رب تعالیٰ سے عرض کی کہ اے مولا یہ تو میرا کہنا نہیں مانتے۔ وحی آئی کہ تین دن بعد ان پر عذاب نازل ہوگا حضرت یونس نے اپنی قوم سے یہ ہی فرما دیا۔ تب قوم نے آپس میں مشورہ کیا بعض نے کہا یہ جھوٹ ہے مگر اکثریت نے کہا کہ اس سے پہلے ہم نے ان کی زبان پر جھوٹ نہیں دیکھا یہ خبر آزمائش کے قابل اگر عذاب کی رات حضرت یونس ہمارے پاس ہوئے تو یہ بات اور عذاب کی خبر غلط ہے اگر نہ ہوئے تو ٹھیک ہے۔ عذاب کے وعدے والے دن سے پہلی رات کا جب کچھ حصہ گذر گیا تو حضرت یونس بستی سے نکل گئے۔ جب صبح طلوع ہوئی تو بستی والوں نے دیکھا کہ آسمان پر کالی گھٹائیں بڑے خوفناک طریقے پر چھائی ہیں اور تمام بستی پر عجیب اداسی چھائی ہوئی ہے۔ اور گھٹاؤں کا اندھیرا لحہ بہ لحہ زیادہ گہرا ہوتا جاتا ہے تب سمجھ لیا کہ اسی بادل میں عذاب ہے اور یہ ہو کا عالم عذاب ہی کا پیش خیمہ ہے پھر پریشان ہوئے اور دوڑے حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کرنے مگر آپ نہ ملے تو اور بھی عذاب کا یقین ہوا۔ بس پھر کیا تھا سب بڑے بوڑھے۔ عورت و مرد۔ بچے جوان گھروں سے باہر نکل آئے۔ ہر شخص ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گیا۔ اولاد ماں باپ سے جدا۔ کوئی کسی کی طرف متوجہ نہ تھا۔ سب عذاب سے معافی اور سابقہ کفر بت پرستی، ظلم وغیرہ گناہوں سے سچی توبہ میں مشغول ہو گئے اور سجدہ ریز ہو کر رو رو کر گڑگڑاتے تھے اور عرض کرتے تھے اے ہمارے معبود ہم تیری وحدانیت پر اور تیرے انبیاء کی نبوت و تبلیغ پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں ہم بت پرستی و ظلم سے توبہ کرتے ہیں۔ تو وہ عذاب ان سے ہٹا دیا گیا (معانی، بیان، کبیر) ادھر حضرت یونس علیہ السلام بستی سے نکل کر دریائے دجلہ کے کنارے پہنچے اور کشتی پر سوار ہوئے یہ واقعہ جمعہ کے دن محرم کی دس تاریخ عاشورہ کے دن ہوا۔ حسن اتفاق اور میری خوش نصیبی ہے کہ اس آیت کی تفسیر بھی میں نے ١٣٩٧ ہجری محرم کی دس عاشورہ کے دن بروز سنیچر (ہفتہ) کو شروع کی۔ اس زمانے میں عجیب قانون قدرت یہ تھا کہ جس کا غلام بھاگ کر دریا پار کرنے کی غرض سے کشتی میں بیٹھتا تو بیچ دریا کے کشتی رک جاتی ملاح کو پتہ لگ جاتا کہ کوئی فرار شدہ غلام کشتی میں بیٹھا ہے تو وہ قرعہ ڈال کر نام کا پتہ لگا لیتے جس کا نام نکلتا اس کو دریا میں پھینک دیتے تو کشتی چل پڑتی اسی طرح یہاں بھی ہوا کہ کشتی رک گئی جب ملاح نے قرعہ ڈالا تو حضرت یونس کا ہی نام نکلا۔ لوگوں نے حضرت یونس سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں ہی کسی ذات کا غلام ہوں مجھ کو دریا میں ڈال دو انہوں نے آپ کو دریا میں ڈال دیا تو کشتی چل پڑی۔ آپ کے دریا میں تشریف لاتے ہی بحکم ربی ایک بڑی مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ اور چالیس دن آپ شکم ماہی میں رہے جہاں آپ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین کا ورد کرتے رہے۔ چالیسویں دن آپ کو مچھلی شریف نے کنارہ دجلہ پر اگل

دیا۔ آپ بے ہوش تھے دس دن تک آپ بوجہ کمزوری اٹھ نہ سکے تو قدرت کی طرف سے کدو کی بیل نے آپ پر سایہ کیا اور مشک نافہ والی ہرن نے آپ کو دودھ پلایا۔ پچاس دن بعد آپ طاقت یافتہ ہو کر قوم میں تشریف لائے تو سب قوم بہت خوش ہوئی اور آپ کے دست مبارک پر بیعت ایمان کی تفسیر۔ صاوی نے فرمایا کہ آپ بستی سے نکل کر پہلے جنگل میں بیٹھ گئے اور عذاب کو دیکھتے رہے مگر جب عذاب ٹل گیا تو حضرت یونس نے گمان کیا کہ اگر اب میں اپنی قوم میں گیا تو مجھ کو جھوٹا کہا جائے گا۔ اس لئے آپ دریا کی طرف چل دیئے قوم یونس علیہ السلام کے مسلمان ہونے کے بعد ان کے آپس میں ظلم بھی ختم ہو گئے اور ان کو رب تعالیٰ کی طرف سے رزق وافر سے نوازا گیا اور تقریباً سو سال ان کی سلطنت قائم رہی اسی لئے ارشاد ہوا یہ عذاب کا دور کرنا دنیا کی زندگی میں ہے۔ عذاب عذب سے مشتق ہے بمعنی دور رکھنا (منجد، مجمع البحار) قرآن کریم میں اکیس قسم کا عذاب بیان ہوا جن میں سے پندرہ قسم کے عذاب بعد قیامت جہنم میں کفار کو دیئے جائیں گے اور چھ قسم کے عذاب دنیا میں نازل ہوئے۔ چنانچہ (۱) عذاب مقیم (۲) عذاب آخرت (۳) نار (۴) عذاب مہین (۵) عذاب عظیم (۶) ہون (۷) عذاب شدید (۸) عذاب اکبر (۹) عذاب حریق (۱۰) عذاب جحیم (۱۱) عذاب سعیر (۱۲) عذاب جہنم (۱۳) واصب (۱۴) جحیم (۱۵) عذاب خلد یہ تمام عذاب صرف کفار کو آخرت میں ہوں گے۔ اور (۱) عذاب غلیظ (۲) عذاب بئیس (۳) عذاب خزی (۴) عذاب الیم (۵) عذاب نکرا (۶) عذاب قریب۔ یہ دنیا میں کفار پر وارد ہو چکے۔ ان میں سے عذاب غلیظ، عذاب الیم۔ بعد قیامت بھی ہوگا۔ اس آیت کریمہ میں عذاب خزی کا ذکر ہے جو صرف دنیاوی عذاب ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی سزائیں تین قسم کی ہیں۔ (۱) سزاء عبرت یہ اکثر صرف مسلمانوں کی ہوتی ہے تاکہ وہ غفلت اور گناہوں سے باز آئیں اس میں چند ایک کو ہلاک کر کے باقی قوم کو بطور عبرت بچانا مقصود ہوتا ہے۔ یہ سزا قیامت تک جاری رہے گی (۲) سزاء عذاب یہ صرف کفار کے لئے ہے دنیا میں ہلاکت کفر کے لئے اور بعد قیامت تا ابد الم ناک ذلت کے لئے (۳) سزاء درستگی جیسے استاد کا شاگرد کو مارنا یا سونے کو آگ کی بھٹی میں ڈالنا۔ یہ سزا صرف گناہ گار مسلمانوں کو بعد قیامت کچھ دن کے لئے ہوگی۔ مگر رب کریم نے اس سزا کا ذکر قرآن کریم میں کہیں نہ فرمایا صرف امت حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی پردہ پوشی فرماتے ہوئے اے ہمارے رب ان سب سزاؤں سے ہم کو بچا قوم یونس کا یہ عذاب دنیا میں ہی نازل ہونے والا تھا اس لئے فی الحیوۃ الدنیا۔ فرمایا گیا۔ یہ عذاب فقط ان کی سچی توبہ سے ہٹایا اور آخرت کے عذاب کا ہٹنا خاتمے پر موقوف ومتعنا ھم الی حین اور نفع دیا ہم نے ان کی کچھ مدت تک۔ یعنی صحبت نبی علیہ السلام جو سب سے بڑا خوش قسمتی کا نفع ہے اور دنیا کی سلطنت۔ عمر کی زیادتی۔ الی حین سے مراد وقت وفات ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ قوم یونس علیہ السلام قیامت تک زندہ رکھی گئی جس طرح کہ اصحاب کہف اور پہاڑوں میں پوشیدہ ہے۔ (صاوی، معانی) معانی نے کہا کہ یہ قوم بقول بعضے امام مہدی کے زمانے میں ظاہر ہو کر ان کی معاون ہوگی واللہ اعلم۔ مگر میرے نزدیک یہ غلط ہے کیونکہ متعنا ھم کے خلاف۔ جب نہ سلطنت باقی نہ سرداری نہ جہان کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوں تو متعناھم کا کیا مطلب ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ آثار عذاب دیکھ کر قوم یونس علیہ السلام نے اپنے علماء کرام کی تعلیم سے یہ دعا بکثرت پڑھی اللھم یا حی حین لا حی ویا حی یا محی

الموتی ویا حی لا الہ الا انت. اس کی برکت سے عذاب دور ہوگیا ولو شآء ربک لامن من فی الارض جمیعا۔ اور اگر چاہتا آپ کا رب تو ایمان لے آتا ہر وہ شخص جو زمین میں ہے تمام ایک دم۔ یعنی وہ اپنے فیصلے میں صمد اور صاحب اختیار ہے جیسے چاہے کرے چاہے تو سارے مومن ہوتے اور چاہتا تو اس کا برعکس ہوتا مگر حکمت یہ تھی کہ کچھ کافر کچھ مومن ہوں اس لئے وہ نہ چاہا جس کا ذکر آیت شریفہ میں ہوا۔ اللہ کریم عزوجل کے فیصلے پانچ طرح پر ہوتے ہیں (۱) رضاء رب تعالیٰ (۲) حکم رب تعالیٰ (۳) قانون رب تعالیٰ (۴) محبوبیت رب تعالیٰ (۵) مشیت رب تعالیٰ یہاں اسی کا ذکر ہے یہ سب فیصلے حکمت ربانی پر مبنی ہوتے ہیں۔ مگر ان میں فرق بہت ہیں۔ لفظ کلھم سے تمام افراد کا ایمان لانا مراد ہے اور جمیعا سے ایک دم بیک مجلس ایمان لانا مراد یہاں تو فیصلہ ربانی کا ذکر ہوا مگر انبیاء کرام اور خصوصا ہمارے آقا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام کے ایمان کے خواہش مند و حریص علیکم ہیں اور ان کی محبت میں اولیاء، علماء، اور عام مسلمان بھی چاہتے ہیں کہ سب لوگ مسلمان اور اللہ رسول کے مطیع ہو جائیں اس لئے سب سے خطاب ہو سکتا ہے کہ۔ افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین کیا پس تم لوگوں کو مجبور کر سکتے ہو کہ وہ سب مومن ہو جائیں۔ ہرگز نہیں کیونکہ بعض کا ایمان اللہ کی مشیت میں ہے ہی نہیں۔ تو کون شخص اس کو ایمان یا ہدایت دے سکتا ہے۔ ہاں تمہارا کام صرف تبلیغ فرمانا ہے۔ اے نبی آپ کیوں ملول خاطر ہوتے ہیں اور خود کو قلبی و جسمانی مشقت میں ڈالتے ہیں یا اے مبلغ اسلام مسلمانوں تم صرف اپنا فرض تبلیغ کئے جاؤ۔ ایمان دینا تمہارے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ ما کان لنفس ان تومن الا باذن اللہ۔ کسی نفس انسانی یا جناتی میں طاقت نہیں کہ ہدایت و ایمان پالے مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے۔ یہاں ما کان میں مفسرین کے تین قول ہے حواشی شہابیہ میں فرمایا کہ یا وجد کے معنی میں ہے کہ آج تک پایا نہ گیا۔ اور یا ماصح کے معنی میں ہے یعنی یہ بات درست نہیں کہ بغیر امر ربی کوئی ایمان لے آئے اعلیٰ حضرت مجدد ملت علیہ الرحمۃ نے قدرت کے معنی لئے ہیں اگر ماوجد کے معنی لئے جائیں تو نفس کو کسی ذی علم سے مقید ماننا پڑے گا۔ دوسرے اقوال میں یہ احتمال نہیں چونکہ ذکر اذن کا ہے اس لئے ان تومن سے صرف ایمان کا بیان ہو اور نہ کفر کفار بھی اس کے باحکمت فیصلہ قدرت سے ہے۔ الا باذن اللہ۔ یہ استثناء مفرغ ہے حالات کی عمومیت سے یعنی کسی حال میں بھی ایمان نصیب نہیں ہو سکتا۔ امیر ہوں یا غریب بادشاہ ہوں یا رعایا عالم ہوں یا جاہل۔ خردمند ہوں یا بیوقوف غرضیکہ دنیا کی عقل سے دنیا کی ہزاروں چیزیں مل سکتی ہیں مگر دولت ایمانی اللہ تعالیٰ ہی کے اذن سے میسر ہوتی ہے پھر تا وفات اس دولت کا حافظ و ناصر بھی وہی ہوتا ہے۔ بعض نے فرمایا یہ استثناء مفید اس بات کو ہے کہ جس کا کفر اللہ کے علم میں ہے وہ کسی وجہ سے بھی ایمان نہیں لا سکتا۔ گویا کہ لوگوں کے ایمان تابع ہیں علم الٰہی کے۔ تو جس کا کفر اللہ کے علم میں ہے۔ اس کا ایمان بھی علم الٰہی میں ہونا محال ہے کیونکہ یہ نقیض ہے اور تبدیلی علم ہے اور انقلاب علم جہالت ہے اور جہالت ذات باری سے ناممکن کہ جب اللہ نے کسی کے کفر کا ارادہ کیا تو ایمان کا ارادہ محال اور جب ارادہ ہی نہیں تو بلا ارادہ الٰہی ایمان محال۔ اسی لئے فرمایا گیا ما کان لنفس (الخ) اذن سے مراد یا علم الٰہی یا مشیت الٰہی یا لطف الٰہی یا ارادہ الٰہی علامہ ابی طاہر کی تفسیر ابن عباس میں ارادہ ہی مراد لیا ہے۔ لیکن تفسیر خازن نے حضرت ابن عباسؓ کے مسلک میں امر الٰہی مراد لیا ہے۔ یا توفیق الٰہی

مراد ہے خواہ آخری عمر میں ہو۔ ہاں البتہ علم الٰہی کے کافروں کی دنیا میں نشانی یہ ہوتی ہے کہ **ویجعل الرجس علی الذین لایعقلون** اور ڈالتا ہے رجس ان لوگوں پر جو بالکل عقل نہیں رکھتے۔ لفظ **یجعل** سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح خالق ایمان اور خیر اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح خالق شر بھی اللہ ہے۔ رجس کا لغوی ترجمہ گندا عمل ہے۔ برے اور گندے عمل دو قسم کے ہیں (۱) کفر (۲) فسق وفجور۔ قرآن کریم میں دونوں معنی مراد لئے گئے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد باری ہے **یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت** (الخ) اے اہل بیت نبی اللہ چاہتا ہے کہ تم سے رجس یعنی فسق وفجور دور ہٹائے۔ دوسری جگہ اس رجس سے کفر مراد ہے چنانچہ ارشاد ہے **فزادتھم رجسا الی رجسھم** پس زیادہ کیا نزول آیات وسور نے ان کو کفر میں ان کے کفر کی طرف۔ اس آیت مذکورہ زیر تفسیر میں چونکہ پہلے کفر ہی کا ذکر ہے لہٰذا یہاں رجس سے مراد کفر ہے (معانی و کبیر) مجدد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے رجس کا ترجمہ عذاب اس لئے کیا ہے کہ سبب بول کر مسبب مراد لیا ہے کیونکہ کفر وفسق ہی عذاب خداوندی کا سبب ہے۔ **علی الذین لا یعقلون** ۔ یہ عذاب ان پر آتا ہے جو نہ خود میں غور کرتے ہیں نہ زمین وآسمان میں اگر عقل سے غور کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار اور پھر شکر وحمد خالق بجا لاتے اور دولت ایمانی سے سرفراز ہوتے عقل والے ہی جانتے ہیں کہ شکر سے شاکر کا ہی نفع ہے نہ مشکور کا۔ خیال رہے کہ عقل باری تعالیٰ رحیم کریم کی ایک عظیم نعمت ہے اور اسرار الٰہیہ میں سے ہے اس کی حقیقت اور محل وقوع کو بجز اللہ رسول کے کوئی نہ جان سکا۔ حکماء علماء عقلا مفکرین کے عقل کی تعریف وتقسیم میں بے شمار قول ہیں اور سب ایک دوسرے سے متفرق ہیں عقل کے بارے سب اقوال دیکھے جائیں تو عجب الجھاوے کا جال نظر آتا ہے گویا کہ عقل کی تعریف میں خود عقل ناکام ہے۔ چنانچہ حکماء فرماتے ہیں کہ عقل ایک لطیف شی ہے اس کی کیفیت ہمارے ذہن نہیں جان سکتے۔ اور فلاسفہ قدیم کہتے ہیں کہ عقل ایک جوہر ہے جو روح انسانی کو روشن کرتی ہے اور روح کو زندگی بخشتی ہے جیسے کہ روح جسم کو۔ تو جس طرح قوت جسم روح سے وابستہ ہے۔ اسی طرح قوت روح عقل ہے۔ قوت جسم سے انسانی دنیاوی اعمال واحوال پر بخوبی قابو پاسکتا ہے۔ اور قوت روح سے ایمان وعرفان نصیب ہوتا ہے۔ یہی عقل کفار کو میسر نہیں اس کا **لا یعقلون** میں ذکر ہے۔ بعض نے کہا کہ عقل محض سبب یا آلہ ہے حصول معرفت کا۔ بعض نے کہا یہ عقل روح سے متعلق نہیں بلکہ قلب انسانی سے متعلق ہے اور اس کو روشن کرتا ہے۔ (تمہید ابوشکور سالمی ص ۳) بعض نے کہا کہ عقل قوت نفس کا نام اور علم عقل کا تابع ہے۔ بعض منطقیوں نے کہا کہ عقل علوم غیبیہ کے ادراک کرنے کا ایک جوہر ہے (کتاب الاسلام ص ۵) علماء عارفین فرماتے ہیں کہ عقل چار قسم کی ہے۔

**(۱) عقل حقیقی:** اسی کو منطقی لوگ عقل اول کہتے ہیں اسی سے تمام عالم کا وجود ہے۔ اسی کے متعلق آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ **اول ما خلق ؟؟؟** اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل پیدا فرمائی اسی عقل کو عرش والے احمد مجتبیٰ کہتے ہیں اور فرش والے محمد مصطفیٰ کہتے ہیں۔

**(۲) عقل عزیزی:** جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں پیدا فرمائی ہے۔ اس کے ذریعے اچھے برے۔ صحیح۔ غلط کاموں میں فرق کرسکتا ہے۔ اسی کے ذریعے انسان جانوروں سے مخصوص وممتاز ہے۔

**(۳) عقل مجازی:** یہ ایک ادراک ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عطا فرمائی اس میں زیادتی کمی ہوتی ہے یہ عقل کبھی کبھی ختم بھی ہو جاتی ہے اور کبھی خود بداعمالیوں سے چھین لی جاتی ہے صفائی قلب کی زیادتی سے اس میں زیادتی ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ فراست مومن کا لقب پاتی ہے۔ حلال غذا اور صحبت صالحین اس کے لئے اکسیر ہے حرام غذا زہر قاتل بعض نے فرمایا لایعقلون میں یہ ہی مراد ہے۔

**(۴) عقل الہامی:** بعد بلوغت یہ عقل انسان کو عطا ہوتی ہے اور لحظہ بلحظہ ملتی ہے۔ اس کے ذریعے خالق ومخلوق کے تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ اسی سے حق تعالیٰ کی صنعتیں اور قدرتیں جانتا ہے اسی نور سے قرآن وحدیث اشیاء عالم اور خود اپنی خلقت میں غور کرتا ہے۔ صحیح تر یہ ہے کہ یہاں لایعقلون میں یہ ہی عقل مراد ہے کفار اس سے بے نصیب ہیں (ارشاد السالکین لامام بلخی)

**(۵) عقل دنیوی:** جو صرف دنیا کی الجھنوں اور مکروفریب ہی کی طرف عاقل کو چلاتی ہے صوفیاء نے اس کی برائی کی ہے۔

**فائدے:** اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** ہر شے کا خالق اللہ ہے خواہ وہ شی خیر ہو یا شر لہٰذا معتزلہ کا مذہب اس آیت کے خلاف ہوا اور مذہب اہل سنت برحق ہے۔

**دوسرا فائدہ:** حضرت یونس کے چند تاریخی واقعات نبی اکرم کی سیرت سے ملتے جلتے ہیں مثلاً نبی کریم کو بھی قوم کفار نے امین اور صادق الوعد کہا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو بھی یہی خطاب ملا۔ جیسا کہ آپ کی تاریخ میں عرض کیا گیا۔ قوم یونس سے بھی اللہ کریم نے عذاب نہ دینے کا وعدہ فرمایا۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی عذاب سے بچایا گیا اور جس طرح حضرت یونس کی قوم بعد میں ایمان لائی اسی طرح فتح مکہ کے دن نبی پاک کا قبیلہ اکثریت سے ایمان لایا۔ اسی طرف اشارہ کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لاتفضلونی عن یونس بن متی۔ مجھ کو یونس بن متی پر فضیلت مت دو۔ حالانکہ یہ امر حقیقتاً مسلمات سے ہے کہ ہمارے آقا نبی اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء کرام سے افضل ہیں۔ اس حدیث پاک کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم مقابلہ بازی میں سڑکوں گلیوں میں یہود ونصاریٰ کے سامنے ایسی باتیں نہ کرو کہ یہ مجھ کو اچھی نہیں لگتیں۔ تب یہ اظہار کسر نفسی ہے یہ فائدہ حضرت یونس علیہ السلام کے تاریخی حالات سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کے والد کا نام متی تھا۔

**تیسرا فائدہ:** دین اسلام خوش اخلاق اور محبت سے پھیلا نہ کہ تلوار سے۔ کتنے متعصب اور احمق ہیں وہ یہودی اور عیسائی جو اپنی کتابوں اور تعلیم گاہوں اسکولوں کالجوں میں اور جھوٹی بناوٹی تاریخوں میں یہی بتاتے ہیں کہ دین اسلام تلوار سے پھیلا حالانکہ اس آیت کریمہ میں توافانت تکرہ الناس فرما کر ربانی جبر سے بھی منع فرمایا گیا اور پھر ایسی غلط بیانی سے نئی نسل کو اسلام سے متنفر کرنا چاہتے ہیں حالانکہ ان کی یہ غلط بات ہی اسلام کی شان اور نبی کریم کا معجزہ ثابت کرتی ہے۔ اسلئے کہ تلوار

سے دین پھیلانا انتہائی مشکل کام ہے کیونکہ دین کا تعلق دل سے ہے تلوار کے دباؤ سے جسم تو قابو میں کیا جاسکتا ہے مگر دل ہرگز مائل نہیں ہوتا۔ اور پھر ایک آدمی تلوار لے کر کثرت افراد پر قابو نہیں پاسکتا اس لئے وہ کثرت آنے والے کو مغلوب کرے گی اگر وہ فرد واحد کثرت کے مقابل زیر نہ ہو تو یہ بھی اس کا معجزہ ہے۔ ایک شخص عام کے لئے تلوار چلانے میں تلوار چلانے والا لشکر درکار ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ نبی کریم رؤف رحیم کسی ملک کے بادشاہ نہ تھے۔ اگر معاذ اللہ اسلام تلوار سے پھیلا تو تلوار چلانے والے اور قربان ہونے والے کہاں سے آئے کیونکہ تلوار سے تو نفرت پھیلتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی لشکر کشی کرتا ہے تو صرف فوج اور شاہی خاندان کو نشانہ بناتا ہے نہ کہ عوام کو۔ عوام کو ہر حکومت خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہے جو لوگ اس کے برعکس کرتے ہیں تاریخ اس کو ظالم کہتی ہے۔ اور ان کی جڑیں کمزور ہوتی ہیں۔ اسلام نے کروڑ ہا فدائی پیدا کئے جن سے امن تاریخ درخشاں ہے ثابت ہوا کہ اسلام تلوار سے نہ پھیلا بلکہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم اور عادات حمیدہ سے پھیلا ہاں اسلام کی نشوونما کے بارہ سال بعد مسلمان نے صرف ظالم کے ظلم۔ مغرور سرکش بادشاہوں کی سرکشی توڑنے اور اپنے دفاع کے لئے اور ملکی انتظام کے لئے تلوار پکڑی نہ کہ اسلام کو پھیلانے کے لئے۔

**اعتراضات:** اس آیت کریمہ پر چند اعتراض پڑتے ہیں۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت کا ابتدائی لفظ لولا ہے اس کا معنی مفسرین نے ھلا کیوں کئے اس کو اپنے اصل معنی میں کیوں نہ رکھا (امام واحدی نحوی وابو مالک)

**جواب:** اسلوب قرآن کریم کے مطابق تقریباً اس قسم کی تمام آیات کا تعلق سابقین سے بھی ہوتا ہے اور آئندہ نسلوں سے بھی۔ لولا کے معنی چھوڑ کر ھلا کے معنی میں لانے سے نفی اور توبیخ دونوں کا فائدہ حاصل ہوا کہ نفی کا تعلق سابقین سے ہو گیا۔ اور توبیخ کا تعلق سننے والی قیامت تک کی آئندہ نسلوں سے ہے اس لئے لولا بمعنی ھلا بالکل درست ہے (صاوی)

**دوسرا اعتراض:** اس آیت میں پہلے فرمایا گیا ربک پھر فرمایا باذن اللہ۔ وہاں لفظ رب یہاں لفظ اللہ ارشاد فرمانے میں کیا حکمت ہے دونوں جگہ ایک ہی لفظ چاہئے تھا یا ہر دو جگہ اللہ ہوتا یا فقط لفظ رب۔

**جواب:** لفظ رب میں کرم اور رحم کی صفت ہے اور ایمان کرم ورحم خداوندی سے ہی نصیب ہوتا ہے دوسرے یہ کہ لفظ کی اضافت ہے احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ کی طرف وہاں محبوبیت کی جلوہ گری ہے اس لئے وہاں پیار اور کرم کا لفظ لانے میں عین حکمت ومصلحت ہے مگر باذن اللہ میں قوت وطاقت کا ذکر ہے اور لفظ اللہ جامع صفات ہے یہاں اظہار صمدیت اور بے پرواہی مقصود ہے۔ لہٰذا یہاں اسی لفظ کے ارشاد میں قوت وطاقت کا ذکر ہے اور لفظ اللہ جامع صفات ہے یہاں اظہار صمدیت اور بے پرواہی مقصود ہے۔ لہٰذا یہاں اسی لفظ کے ارشاد میں حکمت ہے۔

**تیسرا اعتراض:** کہ فرعون اور اس کی آل عذاب کے وقت ایمان لائے تو قبول نہ ہوا اور عذاب سے ہلاک کر دیا گیا لیکن قوم یونس (قوم سیریا) عذاب کے وقت ایمان لائے تو ان کا ایمان قبول ہوا اور عذاب بھی ہٹا لیا گیا۔ اس تفریق کی وجہ کیا ہے۔

**جواب:** قوم فرعون اور قوم یونس اور ان کے عذابوں میں چند طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ قوم فرعون نے انبیاء کرام کا مقابلہ کیا اور کرایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گستاخیاں کیں مگر قوم یونس نے نہ حضرت یونس کا مقابلہ کیا نہ گستاخی بلکہ آخری دم تک حضرت یونس علیہ السلام کی صداقت کا اعتراض کرتے رہے صرف مسلمان ہونے اور اپنے باپ دادا کا دین چھوڑنے سے انکار کیا۔ دوسرے یہ کہ قوم فرعون مغرور اور متکبر تھی اور تکبر قلبی ہی ایمان سے دور اور سرکشی سے قریب کرتا ہے لیکن قوم یونس میں ظلم اور غنڈہ گردی چوری لوٹ مار تو تھا مگر غرور و تکبر نہ تھا دیکھا گیا ہے کہ چوڑ ڈاکو لٹیرے آدارہ بدمعاش قسم کے لوگ عوام پر ظلم تو واقعی بہت کرتے ہیں مگر اللہ کے عذاب اور پیر فقیر اولیاء علماء سے بہت ڈرتے ہیں۔ آستانوں کا مزارات کا بہت احترام کرتے ہیں اکثر دین کے کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں کئی گرہ کٹ اور ڈاکوؤں کو تسبیح اور نماز کا پابند دیکھا گیا ہے۔ چوڑ ڈاکو مغرور نہیں ہوتی تیسرے یہ کہ قوم فرعون کو جب عذاب کی خبر سنائی جاتی تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑاتے اور اس خبر کو قطعا جھوٹ سمجھتے (معاذ اللہ) یہی ہال تمام ہلاک ہونے والی قوموں کا تھا۔ مگر قوم یونس علیہ السلام خبر عذاب سن کر فوراً نرم پڑ گئی اور اپنے ایمان کو مقررہ رات میں حضرت یونس کی موجودگی پر موقوف کر دیا۔ چوتھے یہ کہ فرعون اور قوم فرعون اس وقت ایمان لائے جب ان پر عذاب اتر پڑا اور انہوں نے خود بعینہٖ عذاب کو دیکھ لیا۔ قانونی طور پر اس وقت کا ایمان معتبر نہ تھا۔ لیکن قوم یونس علیہ السلام نے بعینہٖ عذاب نہ دیکھا صرف نشان عذاب سیاہ بادل کو دیکھا اور ایمان لے آئے اور جب انہوں نے حضرت یونس کو تلاش کیا تو نہ پایا دن تاریخ بھی وہی تھی سمجھ گئے یہ یوم عذاب ہے۔ فوراً کفر سے تائب ہوئے۔ بادل بذات خود عذاب نہ تھا اس میں عذاب تھا نہ معلوم کس نوعیت کا تھا سیلاب کا تھا یا آگ کا یا پتھر کا۔ پس قوم یونس کا ایمان عذاب دیکھ کر یا عذاب کے نزول سے نہ ہوا اس لئے قبول ہوا۔

**چوتھا اعتراض:** اس آیت میں کلھم فرمانے کے بعد جمیعا فرمانے کی کیا وجہ تھی۔ سب کی شمولیت اور احاطہ کلھم سے ہی معلوم ہو گیا تھا۔

**جواب:** جمیعا کے لفظ نے اجتماعی صورت کو ثابت کیا یعنی سب کے سب ایک دم پیدا ہو جاتے اور عالم ارواح میں قالو بلا کہنے کی طرح ایک دم سب مومن ہو جاتے ایک دم نماز ایک دم روزہ ایک ساتھ ساری کائنات کے جن وانس کا سجدہ ہوا ہوتا۔ عجب نظارہ ہوا کرتا جیسے کہ فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون کہ سب ملائکہ نے حضرت آدم کو ایک دن اجتماعی صورت سے سجدہ کیا۔

**تفسیر صوفیانہ:** سلطنت قالب میں عقل امیر مملکت اور عشق وزیر اعظم ہے۔ عقل اور عشق دونوں شہنشاہ قلب کے عملی میں ہیں۔ عقل کا کام ہے پہچاننا اور عشق کا کام ماننا۔ عقل ماننے پر راغب نہیں ہوتی اور عشق پہچاننے سے قاصر ہے۔ مومن اسرار الٰہیہ کے لئے دونوں ضروری ہیں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ فقط عقل کی پہچان سے ایمان بغیر عشق قبول بارگاہ ہوا ہو ایسی کہیں مثال نہیں ملتی مگر عشق الٰہی والی قوم کہ ان کا ایمان بہر حال قبول ہے اور وہی لوگ لذت انوار کا نفع ابدالاباد تک پاتے ہیں ان کی بے سروسامانی معمولی زندگی میں قبض کے دروازے پر بسط اور کشفنا کا حکم لگ جاتا ہے۔ ہاں نظام کائنات چلانے کے لئے

کبھی کبھی اسرار و انوار کا دروازہ کشف سے قبض کے درجے میں آتا ہے۔ کیونکہ شعر

اگر درویش یک حالے بماندے سر دست از دو عالم برفشاندے

اور کسی کو نعمت عشق میسر ہوتی ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہی عشق کا متوالہ بنا دیا جاتا۔ عقل و عشق کا یہ عطیہ محض فضل ربی ہے اگر تم اے کائنات والو چاہو کہ کسی کو عاقل عاشق بنا دو تو ناممکن ہے۔ دولت ایمان معرفت تو اللہ الصمد کے لطف پر ہی موقوف ہے اور فراق کا عذاب انوار عقل سے محروموں کے لئے۔ عقل ایک نور کا شجر ہے۔ جس سے محبت، علم، حلم، انس، بقا حیات کی کلیاں چٹکتی ہیں اور ہر کلی سے مختلف۔ سمع بصر، تکلم، شوق طلب، صدق، ارادت، معرفت، وفا، حیا، تحمل، سکون، شفقت، رحمت، ثبات، دوام، فہم، فراست کے پھول و پھل لگتے ہیں۔ پس جو عقل سے محروم وہ ان تمام نعمتوں سے بے نصیب رہا۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ رجس سے مراد عذاب حجاب ہے۔ اور لا یعقلون ہی وہ بے عقل مراد ہیں وہ جن کے پاس نور ایمانی کے پہچاننے والی عقل نہیں اور اس کے طریقوں کے ماتحت نہیں ہوتی سنن الٰہیہ کے سامنے عقلیں حیران ہیں۔ بعض کو انوار و لایت سے مزین فرمایا بعض کو محروم کر دیا تا کہ محبوبوں کی خصوصیت باقی رہے۔ کسی ذی روح میں یہ طاقت نہیں کہ اس کی قبولیت محبت اور لطف معرفت کا مزہ لے سکے ہاں اس کے حکم ازلیہ سے ہی حصہ نصیب ہوتا ہے۔ (عرائس)

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِی

تم کہہ دیکھو وہ جو میں آسمانوں اور زمین اور نہیں غنی

تم فرماؤ دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا کیا ہے اور آیتیں اور

الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ

کرتیں آیتیں اور ڈرانے والے کو اس قوم نہیں ایمان لاتے پس نہیں

رسول انہیں کچھ نہیں دیتے جن کے نصیب میں ایمان نہیں تو انہیں

یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ

انتظار کرتے مگر مثل کا دنوں ان لوگوں کے گزر گئے سے پہلے ان کے

کاہے کا انتظار ہے مگر انہیں لوگوں کے سے دنوں کا جو ان سے پہلے

قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ

تم فرماؤ پس انتظار کرو تم بیشک میں ساتھ تمہارے سے انتظار کرنے والوں پھر

ہو گزرے تم فرماؤ تو انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہوں پھر ہم

نُنۡجِیۡ رُسُلَنَا وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيۡنَا

بچاتے ہیں ہم رسولوں اپنے اور ان کو جو ایمان لائے اسی طرح ثابت ہے

اپنے رسولوں اور ایمان والوں کو نجات دیں گے بات یہی ہے ہمارے ذمہ کرم

نُنۡجِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۰۳﴾ ع ۱۱ ۱۵

| پر | ہم | بچالیں | ہم | مومنوں | کو |
|---|---|---|---|---|---|
| پر حق | ہے | مسلمانوں | کو | نجات | دیں |

**تعلق**: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں سابقہ قوموں کے حالات انجام اور وجہ عذاب کا تذکرہ ہوا تھا ان آیات میں آئندہ نسلوں اور قوموں کو عبرت حاصل کرنے کی رغبت دی جارہی ہے کہ آسمان میں غور کرو تاکہ پتہ لگے کہ خالق اور سچا معبود کون ہے اور نافرمانوں کے تاریخی حالات پڑھو سنو اور سبق حاصل کرو۔

**دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ذکر ہوا تھا کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی شخص ایمان نہیں پا سکتا۔ اس آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ قرآن کریم کی آیات یا انبیاء کرام بھی فقط ایمان والوں کو ہی غنی کرتے ہیں بے دینوں کو وہ بھی کچھ نہیں عطا کرتے۔

**تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ بے وقوفوں پر عذاب نازل ہوتا ہے یہاں فرمایا جارہا ہے کہ اگر تم بھی بے وقوف ہو تو تم بھی عذاب کا انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ تمہاری ہلاکت دیکھنے کا منتظر ہوں۔

**چوتھا تعلق**: پہلے فرمایا گیا کہ ہم نے حضرت یونس اور ان کی قوم کو عذاب سے بچالیا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ بچانا قانون کے خلاف نہیں ہوا بلکہ یہ سب کچھ قانون کرم کے مطابق ہوا کیونکہ ہم اپنے رسولوں اور ان کے مومن فرماں بردار سچی توبہ کرنے والوں کو دنیا و آخرت کے عذابوں سے بچاتے رہے ہیں اور بچاتے رہیں گے۔

**پانچواں تعلق**: پہلے فرمایا گیا کہ ان کفار پر طرح طرح کے عذاب اس لئے آتے رہے کہ یہ بے وقوف اور بے عقل تھے اب اس آیت کریمہ میں ان کی بے عقلی کی نشانی بتائی جارہی ہے کہ ان کو تدبر فی الخلوق کی دعوت دو اگر عقل ہوگی تو مخلوق الٰہی میں غور و فکر و تدبر کریں گے بلکہ سب سے پہلے خود میں غور کریں گے۔ اور روشن ضمیری حاصل کریں گے۔ لیکن وہ کبھی اس طرف نہ آئیں گے ثابت ہوا کہ بے عقل ہیں۔

**چھٹا فائدہ**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ایمان اللہ کی مشیت سے ملتا ہے اس میں جبر نہیں ہوتا اب آسمان و زمین میں غور کا حکم دیا جارہا کہ ثابت ہو جائے کہ نبی کریم نے کبھی جبر فی الدین پسند نہ فرمایا بلکہ دعوت غور و فکر دی۔

تفسیر نحوی: قل انظروا ۔لفظ قل بحث فعل امر حاضر قول سے مشتق ہے قرآن کریم میں یہ لفظ دو سو اٹھانے دفعہ آیا ہے اس میں عام طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے مگر بعض جگہ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ عام مسلمان کو خطاب ہو مگر اس سے کافر کو ہرگز ہرگز خطاب نہیں ہوتا۔ بعض نحویوں نے فرمایا کہ قل کے لام کو زیر ہے اس لئے کہ جب دو ساکن جمع ہوں تو اول کو زیر دیا جاتا ہے بعض نے کہا کہ لام کو ضمہ ہے جو انظروا کے ہمزہ سے منتقل کیا گیا ہے انظروا امر حاضر جمع کا صیغہ ہے۔ اس سے مراد قلبی دیکھنا ہے تو یہ متعدی فی سے ہے۔ اور اگر آنکھ سے دیکھنا مراد ہے تو یہ متعدی الی سے ہے۔ پہلا قول صحیح ہے۔ (کبیر) ما ذا فی السموت والارض ۔لفظ ماذا میں نحات کے تین قول ہیں ایک یہ کہ پورا ماذا اسم موصول ہے بمعنی الذی اور اگلی عبارت فی السموات (الخ) اس کا صلہ۔ اور پھر یہ سب انظروا کا مفعول بہ ہم نے اپنے لفظی ترجمے میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ دوسرے یہ کہ ماذا۔ پورا اسم استفہام ہوا اور مبتدا کی بنا پر حالت رفع میں ہوا اگلی عبارت اس کی خبر ہو پھر یہ جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہو پہلے فعل کا۔ اعلٰحضرت نے اپنے ترجمے میں اسی کو ترجیح دی ہے تیسرے یہ کہ لفظ ما سوالیہ اور ذا اسم موصول بمعنی الذی ہو مابعد کی عبارت اس کا صلہ ہو اور یہ سب ما مبتدا کی خبر ہو کر انظروا کے متعلق ہو کر محلاً زبر کی حالت میں ہے یہاں حرف فی۔ یا الی پوشیدہ ہے۔ اس کو تفسیر روح المعانی نے ترجیح دی۔ السموات میں الف لام استغراقی ہے یہ جمع ہے سماء کی اسی طرح والارض میں بھی الف لام استغراقی ہے۔ یہ دونوں مونث ہیں وما تغنی الایات والنذر ۔حرف ما صحیح یہ ہے کہ نفسی کا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ ما طلبے کا ہے بمعنی ای شیء تغنی مونث کا صیغہ فعل مستقبل غنیٰ سے مشتق ہے بمعنی محتاجی کو ختم کرنا۔ الایات میں الف لام استغراقی ہے جمع ہے آیت کی جمع مونث سالم والنذر۔ واؤ عاطفہ ہے۔ الف لام استغراقی ہے نذیر کی جمع ہے۔ مراد انبیاء کرام ہیں اور تا قیامت علماء ومشائخ ہیں۔ بعض نحوی ائمہ نے فرمایا یہ انذار بمعنی ڈرانے والی چیزوں کی جمع ہے۔ بعض کے نزدیک نذر واحد ہے اور خود مصدر بمعنی انذار ہے (تفسیر معانی) مگر پہلا قول مرجوع عن قوم لا یومنون ۔عن حرف جار نے متعدی کے معنی پیدا کئے قوم جماعت کو کہتے ہیں یہاں مراد وہ کفار ہیں۔ جن پر ختم اللہ کا فیصلہ الٰہیہ ہو چکا ہے۔ لفظ قوم موصوف ہے لا یومنون جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی فھل ینتظرون تعقیبیہ ہے۔ لفظ ھل نفی کے لئے ہے ینتظرون نظر ۔سے مشتق ہے بمعنی غور فکر کرنا باب افتعال میں آ کر طلب سے معنی پیدا ہو گئے یعنی آئندہ شی کا انتظار کرنا۔ خیال رہے کہ نظر بصر اور بصیرۃ بلحاظ ترجمہ سب کا پاک معنی ہے دیکھنا لیکن نوعیت مختلف ہے۔ جسمانی ظاہری آنکھ سے دیکھنا۔ بصر ہے۔ قلب یا دماغ سے دیکھنا بصیرت ہے اور نظر عام ہے ہر دو کو الا مثل ایام الذین خلوا من قبلھم ۔الاحرف استثناء نے نفی کو توڑ دیا مثل حرف تشبیہ پر محلاً زبر ہے ماقبل کی مفعولیت کی بنا پر قاعدہ نحویہ کی بنا پر ہر حرف تشبیہ بذات خود جزئی تشبیہ پیدا کرتا ہے نہ کہ کلی۔ بلکہ بعض موقعوں پر کلی تشبیہ ناممکن ہوتی ہے جیسے کہ یہاں موجودہ ایام سابقہ ایام سے کلیۃً ہرگز مشابہ نہیں ہو سکتے صرف جنس عذاب میں تشبیہ ہے۔ اسی طرح بشر مثلکم میں بھی محض جزئی تشبیہ ہے۔ حمقاء زمانہ اس بات پر غور کرتے اور نبی کریم کی مثلیت کا دعویٰ کر کے ایمان برباد کر لیتے ہیں ایام جمع ہے یوم کی مراد ہے مطلق زمانہ۔ نہ کہ سورج والا دن۔ الذین اسم موصول جمع ہے۔ خلوا جمع کا صیغہ بحث ماضی مطلق معروف خلوا سے بنا لغتاً بمعنی

علیحدہ ہونا اصطلاحاً بمعنی گزر جانا۔ یہاں یہی مراد ہے۔ من زائدہ ہے قبلھم مرکب اضافی ہے یہ ظرف زمانی ہے۔ خیال رہے کہ چھ قسم کے ظرف زمانی ومکانی ایسے ہیں کہ ان کا احاطہ مقرر نہیں کیا جا سکتا (۱) قبل (۲) بعد (۳) فوق (۴) تحت (۵) عند (۶) بین یدیہ۔ یہ ظروف بجز متکلم محدود نہیں کئے جا سکتے ہم ضمیر جمع غائب مجرور متصل سے مراد موجودہ اہل عرب ہیں فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔ قل میں خطاب صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ ف تعقیبیہ ہے انتظروا صیغہ امر جمع کا ہے اس کا فاعل کفار عرب ہیں یہ متعدی بیک مفعول یہاں مفعول بہ پوشیدہ ہے۔ یا عذاب اور یا ہلاکی (میری ہلاکت) انی میں ان حرف تشبیہ کلام کی مضبوطی کے لئے لایا گیا۔ یاء متکلم کا مرجع ذات محمد مصطفی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ مع ظرفیت زمانی کے لئے ہے صرف معیت انتظار ثابت کر رہا ہے کم سے مخاطبین کفار مراد ہیں معکم مرکب اضافی ظرف مقدم من تبعیضیہ ہے۔ المنتظرین میں الف لام عہد خارجی ہے بعض نے فرمایا الف لام اسمی بمعنی الذی ہے منتظرین اسم فاعل جمع ہے یہاں بھی مفعول بہ یا لفظ عذاب یا انقضاء اکلم پوشیدہ ہے ثم ننجی رسلنا والذین آمنوا۔ ثم حرف عطف ہے۔ اس کا معطوف علیہ پورا جملہ فعلیہ پوشیدہ ہے یعنی نھلکھم (مدارک کبیر) ننجی مضارع معروف صیغہ جمع متکلم نجی بمعنی علیحدہ ہونا سے مشتق ہے باب تفعیل میں علیحدہ کرنا کے معنی پیدا ہوئے۔ کسائی نحوی اور یعقوب نحوی نے فرمایا یہ بغیر تشدید باب افعال سے ہے۔ احتمال یہ بھی ہے کہ معطوف علیہ ومعطوف دونوں فعل بمعنی حال ہوں مگر روشن کلام سے صحیح تر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو فعل مستقبل ہیں۔ رسلنا یہ مرکب اضافی حالت زبر میں مفعولیت کی بنا پر ہے رسل جمع ہے رسول کی مراد انبیاء مرسلین سب ہیں بوجہ لغوی عموم کے نا ضمیر جمع متکلم کا مرجع ذات وحدہ لاشریک ہے واؤ عاطفہ ہے۔ اس کا معطوف الذین اسم موصول جمع ہے اس کا صلہ امنو جملہ فعلیہ ہے۔ کذالک حرف تشبیہ۔ سابقہ قانون کی مشابہت کے لئے ہوتا ہے۔ ھذا مفعول مطلق ہے اس کا عامل حقیقت یا حققنا پوشیدہ ہے۔ اس کا معنی ہے لازم کر لیا ہم نے لازم کرنا علینا اپنے پر۔ علی حرف جار محض لزوم کے لئے ہے وجوب شرعی کے لئے نہیں کیونکہ رب تعالیٰ پر کوئی چیز فرض یا واجب نہیں علیٰ کا الف۔ نا کے اتصال کی وجہ سے گر گیا نحوی قاعدہ ہے کہ آخری الف کبھی بھی درمیان میں نہیں رہ سکتا ننج ایک قرأت میں ننجی اصلی حالت میں ہے۔ پہلی قرأت میں ی۔ بوجہ اتصال۔ الف لام۔ گر گئی باب افعال کا مضارع ہے بمعنی حال یہ جملہ فعلیہ حالت نصب میں ہے بوجہ حققنا فعل پوشیدہ کا مفعول بہ ہونے کے المومنین الف لام جنسی ہے (معانی) مگر میرے نزدیک استغراقی ہے انبیاء اس میں شامل نہیں صرف امتیں مراد ہیں۔ مومنین جمع ہے مومن کی حالت زبر ہے ننج کا مفعول بہ ہے۔

تفسیر عالمانہ: قل انظروا ماذا فی السموات والارض اے پیارے حبیب تم فرماؤ کہ دیکھو اس کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس آیت میں نبی اکرم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا جا رہا ہے کہ موجودہ کافروں کو دعوت فکر دو کہ وہ آسمانوں زمین میں غور کریں۔ اس دعوت کی تین وجہ ہیں پہلی یہ کہ کفار کی بے عقلی ثابت کرنا مقصود ہے اس لئے کہ آسمانوں اور زمینوں کی خلقت وغیرہ میں غور وفکر کرنا معرفت الٰہیہ تک پہنچا دیتا ہے۔ کیونکہ ؎

ہر فرقے دفتریست معرفت کردگار

جب یہ کفار اس دعوت کو قبول نہ کریں گے تو ان کی بے عقلی سب پر ظاہر ہو گی دوسری وجہ یہ کہ آسمانوں میں عجائبات بھی ہیں۔ فلکیات بھی شمس و قمر بھی سیارے اور نجوم بھی بارش بھی ہے بجلی بھی۔ زمین میں ذرے بھی پہاڑ بھی نباتات بھی ہیں جمادات بھی۔ کانچ پتھر بھی ہیں لعل و یاقوت بھی ظواہر بھی ہیں اسرار بھی۔ اور دنیا میں مختلف اشخاص کے مختلف فکریات و نظریات ہیں ان ہی آسمانوں زمین میں منطقی فلسفی غور کرتا ہے تو اس کو ہر طرف سائنس ہی نظر آتی ہے۔ جب علماء فقہاء تدبر فرماتے ہیں تو ہر سمت میں قانون خداوندی اور عجائبات الٰہیہ ہی کی بہاریں نظر آتی ہیں۔ اولیاء اللہ کے تدبر سے ان آسمانوں زمینوں میں اسرار ہی اسرار سمجھ آتے ہیں۔ جیسی عقل ویسا تدبر و فکر ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

ہر شخص کی فکر و نظر اس کی ہمت عقل کے مطابق ہوتی ہے۔ مگر بے عقل لوگ کچھ بھی نظر نہیں رکھتے یہاں دعوت نظر اسی لئے دی گئی ہے تاکہ دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کی فکر کو کس طرف لے جا رہی ہے اور جب آسمان و زمین میں تدبر سے نہ دنیا ہی حاصل کر سکے نہ دین ہی تو بے عقلی بالکل واضح ہے۔ تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات میں صرف آسمانوں اور زمین اور ان کی چیزوں میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی اس کے علاوہ کسی بھی چیز میں خاص طور پر دینی ایمانی روحانی عرفانی چیزوں میں کسی شخص کو عقل دوڑانے کی اجازت نہیں۔ اس لئے کہ عقل انسانی آسمانی و زمین اور ان کی اشیاء میں تو غور و فکر کر سکتی ہے اور کچھ اچھا نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔ مگر ایمان اور ایمانیات کے سمجھنے میں عقل انسانی ناکارہ ہے۔ عقل وہ پرزہ ہے جو صرف دنیا سمجھنے کے لئے بنایا گیا ہے اس سے دین و ایمان کو نہ پرکھو۔ یہ عقل صرف اسی

انسانی ناکارہ ہے۔ عقل وہ پرزہ ہے جو صرف د... ت تو
لئے ہے کہ زمین و آسمان کو دیکھو اور ہو سکے تو اس سے خالق کا...
صرف احمد مجتبیٰ کے دامن کی عطا ہے۔ اگر دامن مصطفیٰ سے وابستہ...
اخروی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ نہ یہ نشانات قدرت ایمان کی دولت کے...
قوم لا یومنون اور نہیں غنی کر سکتیں آیتیں اور ڈرانے والے اس ق...
مخلوق آیات اللہ ہے انسان کو چاہئے مخلوق کو دیکھے اور خالق کو پہچ...
تفکروا فی الخلق ولا تفکروا فی الخالق۔ (کبیر)...
قدرت خدا تعالیٰ کو دیکھ کر بھی ان میں ایسا غور نہیں کرتے جو ان کی...
اور غور بھی کریں تو بے ہودہ اور خلاف حقیقت جیسے کہ سائنسدان یا...
دور کر دیا۔ نذر سے مراد انبیاء کرام یا ان کے فرمودات ہیں گویا کہ...
ہیں ان سے بھی ایمان نہیں ملتا۔ اور ایسے کریم داتا سے بھی یہ بدنہ...
فھل ینتظرون الا مثل ایام الذین خلوا من قبلھم پس نہیں...
گذر چکے۔ شروع کائنات سے کفار کا یہ طریقہ رہا کہ انبیاء کرام...

...کے نشان قدرت معلوم کرو دین و ایمان کی دولت تو
...ں تو ہزار بار آسمانوں زمین میں غور کرنے سے بھی
...غنی کر سکیں کیونکہ وما تغنی الایات والنذر عن
...و جو ایمان نہیں لاتے۔ علماء مدبرین فرماتے ہیں کہ تمام
... نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا
... جس کا ایمان مشیت الٰہی میں نہیں ہے وہ واضح نشانات
...ت خالق کائنات عطا کرے اولاً تو بغور دیکھتے ہی نہیں
...د قدیم کہ ان کے غور نے ان کو ایمان و عرفان سے اور
... ایمان قوم کو انبیاء کرام جو خزائن قدرت کے مختار ہوتے
...ب خائب و خاسر رہتے ہیں اور ان کی حماقت ہے کہ یہ
...ار کرتے مگر ان لوگوں کے دنوں کی مثل جو ان سے پہلے
...خبروں کو جھٹلاتے اور مذاق اڑاتے رہے بلکہ عذاب کو

جلدی مانگتے رہے۔ اسی طرح مکے کے کافروں نے بھی بطور مذاق مختلف قسم کی گستاخیاں کیں جن کو یہاں بیان فرمایا گیا۔ لفظ ایام کا یہاں استعمال کرنا گویا ظرف بول کر مظروف مراد لینا ہے۔ اس لئے کہ ایام سے مراد زمانہ ہے زمانے کا انتظار تو نہیں کیا جاتا نہ وہ لوٹ کر آ سکتا ہے۔ ہاں البتہ اس عذاب کا انتظار تھا جو پہلے زمانوں میں گذشتہ مردود کفار پر واقع ہوا لفظ خلوا میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اے پیارے حبیب نہ وہ کفار باقی نہ ان کا نام ونشان رہا سب کے سب گذر گئے نہ یہ باقی رہیں گے ایسے فنا ہو جائیں گے کہ نام نشان نہ رہے گا۔ ان سب کو فنا ہے ہاں بقا صرف نبی کریم اور ایمان والوں کی ہے۔ جو ابد الاباد تک ہے۔ اگر یہ کفار اس اشارے کو بھی نہ سمجھیں تو قل فانتظروا انی معکم من المنتظرین فرما دو۔ پس انتظار کرو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں یعنی تم اپنی ہلاکت کا اور میں تمہاری ہلاکت کا۔ یا تم اپنے پر عذاب نازل ہونے کا اور میں مومنوں کے بچ جانے کا تا کہ ان کو بتایا جائے کہ دیکھو کافر نبی کی گستاخی کی بنا پر جنگ بدر میں باوجود کثرت کے ہلاک ہوئے اس لئے کہ جنگ بدر در حقیقت عذاب الٰہیہ تھا جو بیک وقت مسلمان اور فرشتوں کے ہاتھوں وارد ہوا۔ مسلمان فتح یاب ہو کر اپنی سچائی پر مزید مضبوط ایمان لے آئے اور مسلمانوں کو نبی کریم کی اس خبر پر مزید یقین آ گیا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم عذاب سے کافر کو ہلاک کرتے ہیں ثم ننجی رسلنا و لاذین امنوا۔ کذالک حقا علینا ننج المومنین۔ پھر بچا لیتے ہیں ہم اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اسی طرح حق ہے ہم پر کہ بچالیں ہم مومنوں کو۔ حرف ثم نے ایک لطیف اشارہ فرمایا کہ نزول عذاب کے بعد بچایا جاتا ہے جو بجز قدرت الٰہیہ کے ناممکن ہے یہ اس لئے ہے کہ ہر مومن اپنے بچنے پر حیران ہو کر رب کریم کی رحمت وشفقت پر بصدق دل مزید عین الیقین حاصل کرے نجات یا تو اس طرح ہوتی ہے کہ مومنوں کو ان کے نبی علیہ السلام کے ساتھ اس عذاب کی جگہ سے ہٹا لیا جاتا ہے یا وہیں رہ کر عذاب سے بچایا جاتا۔ اور یا اس طرح کہ وہی چیز کافروں کے لئے عذاب خداوندی بن جاتی ہے اور مومنوں کے لئے رحمت مثلاً دنیا کی غربت مفلسی یا تکالیف کہ مومن ان کو منجانب اللہ سمجھ کر راحت قلبی اور صبر وعبادت کا ذریعہ بنالیتا ہے مگر کافر ان میں دل تنگی کی موت مر جاتا ہے۔ یا جیسے موت یا جنگ میں قتل ہونا کفار کے لئے سراسر عذاب ہے مگر مومن کے لئے رحمت نجات پانے والے دو ہی گروہ ہیں ایک بلاواسطہ یعنی گروہ انبیاء۔ اور دوسرے بالواسطہ یعنی عام مومن کہ یہ لوگ دامن نبی کے واسطے سے نجات پاتے ہیں۔ کذالک سے جملہ معترضہ یعنی علیحدہ جملہ شروع ہوتا ہے جس میں اس نجات دینے کی وجہ بتائی گئی کہ یہ ہمارا شروع سے کرم رہا۔ اور ہم نے اپنے کرم سے اپنے پر یہ نجات لازم کر لی ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب استحقاقی نہیں۔ بندوں پر ہر چیز واجب استحقاق ہے۔ جس کے نہ کرنے سے بندہ گناہ گار ہوتا ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں اور مخلوقات میں دیکھنا اور غور کرنا بہت مفید ہے عقل سے دیکھنے میں دنیاوی فائدے ہیں بشرطیکہ ایمان وعرفان کا ذریعہ بنے۔ عشق اور قوت روحانی سے دیکھنا محبوبین کے درجے تک پہنچا دیتا ہے ہر قسم کا علم سیکھنا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے مگر پہلے دینی علم سیکھنا چاہئے یہ فائدہ قل انظروا (الخ) سے حاصل ہوا۔

**دوسرا فائدہ:** جس طرح کہ کائنات کے ذرے ذرے میں اللہ جل شانہ کی معرفت کی بے شمار نشانات بکھرے ہیں صرف عقلو خرد کی نظر چاہئے۔ اسی طرح آسمان اور زمین میں محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صداقت اور آپ کی سچی نبوت پر بھی بے شمار دلائل و نشانات قائم ہیں صرف ذوق و شوق کی گہری نظر چاہئے۔ یہ فائدہ بھی قل انظروا ماذا (الخ) سے حاصل ہوا کیونکہ کفار کا یہی مطالبہ تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں اپنی نبوت اور صداقت پر کوئی نشان دکھائیے ان کے جواب میں یہی ارشاد فرمایا گیا قل انظروا ماذا فی السموات۔ (الخ) یعنی اے کا رو آسمانوں زمین میں غور کرو ہزاروں لاکھوں نشانیاں ہمارے نبی کی صداقت پر مل جائیں گی تم غور ہی نہ کرو یا غور کرنے والی عقل ہی تمہارے پاس نہ ہو تو تمہارا اپنا قصور ہے۔

**تیسرا فائدہ:** مومن کا ہر کام عبادت ہے یہاں تک کہ ہلاکت کفار کا انتظار کرنا بھی نیکی ہے کیونکہ کافر اللہ کی دشمنی اور کسی کے دشمن کی ہلاکت چاہئے اس شخص کی دوستی اور محبت کی علامت ہے۔ لہٰذا کفار سے دشمنی بھی اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کی نشانی ہے جو عین عبادت ہے۔ اسی طرح مومنوں کی نجات اور فائدے کا انتظار کرنا یا ایمان والوں کو فائدہ پہنچانا بھی خوشنودی باری تعالیٰ کی نشانی ہے۔ لہٰذا مومن مسلمان کو کسی طرح نقصان پہنچانا۔ سراسر بے ایمانی ہے۔ ہر مسلمان کو اس بدخصلت سے بچنا چاہئے۔

**چوتھا فائدہ:** لفظ مومنین میں۔ یا والذین امنوا یاایھا الذین امنوا وغیرہ میں انبیاء کرام شامل نہیں ہوتے۔ یہ فائدہ ننجی رسلنا سے حاصل ہوا۔

**اعتراضات:** اس آیت پر چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔

**پہلا اعتراض:** اس آیت کے شروع میں ارشاد ہوا قل انظروا ماذا فی السموات والارض۔ لفظ ماذا عمومیت پر دلالت کرتا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ سات آسمان و زمین کی تمام چیزوں کو دیکھو۔ حالانکہ طاقت بشری تو درکنار طاقت جنی بلکہ طاقت ملکی کے لئے بھی اللہ کی ساری مخلوق کو دیکھنا محال ہی معلوم ہوتا ہے۔ ہم سب اشیاء کو نہیں دیکھ سکتے ایک آسمان کی پوری چیزیں بھی نظر آتیں چہ جائیکہ سات آسمان کی چیزیں لہٰذا یہ امر بالمحال ہے۔ جو حکمت کے خلاف ہے۔ خود قرآن پاک ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ تو یہاں ایسا مشکل تر حکم کیوں دیا گیا؟

**جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا جواب یہ کہ واقعی ماذا عام ہے۔ لیکن ہر شخص کے عقل اور ادراک کے اعتبار سے یعنی دیکھو وہ جو اے انسانوں تمہارے ادراک میں آسکے۔ مثلاً چاند، سورج، ستارے، دریا، سمندر، پہاڑ غار خزانے، کانیں، جمادات، نباتات، حیوانات پھر ان کی خلقت اور ان کی حکمتیں فائدے معلوم کر کے قدرت خداوندی کا مشاہدہ کرو۔ ہر انسان کو بحسب طاقت جو نظر آسکے وہی اس کے لئے کل ہے۔ اور چونکہ یہ حکم قیامت تک کے تمام انسانوں کو ہے۔ جن میں فلسفی

منطقی۔ سائنس دان سب ہی شامل ہیں جو آنکھوں کے علاوہ دوربین خوردبین سے بھی بے شمار چیزیں دیکھ سکتے ہیں اس لئے یہ حکم محال یا حکمت کے خلاف نہ ہوا۔ دوسرا جواب یہ کہ یہاں نظر سے مراد غور کرنا ہے اور غور کرنے کے لئے آنکھ سے دیکھنا ضروری نہیں۔ غور کا تعلق ہمارے خیالات و تصورات سے ہے جن کا کوئی شمار نہیں۔

**دوسرا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا حقا علینا تمام مفسرین۔ حقا کا ترجمہ واجب کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ پر واجب کوئی چیز نہیں۔ وجوب دو چیزوں کا متقاضی ہے (۱) محتاجی کو جس پر واجب ہے وہ محتاج ہو (۲) ترک پر گناہ لازم ہو یہ دونوں چیزیں خالق کائنات کے لئے ناممکن ہیں۔

**جواب:** واجب دو قسم کا ہوتا ہے۔ پہلا واجب استحقاقی جس کو واجب شرعی کہا جاتا ہے۔ اس کا تارک گناہ گار ہوتا ہے۔ یہ کسی کے واجب کرنے سے واجب ہوتا ہے۔ اپنی ذات کا اس واجب کرنے میں کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ یہ صرف بندوں پر واجب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ دوسرا واجب اختیاری ہے۔ جو خود اپنے پر بلا معاوضہ واجب کیا جاتا ہے محض کرم اور رحم سے۔ یہ کوئی دوسرا شخص واجب نہیں کر سکتا۔ اس کو واجب غیر استحقاق بھی کہا جاتا ہے۔ یہی یہاں مراد ہے اس کے ترک پر نہ گناہ نہ اس میں محتاجی کا شائبہ اس کی دنیاوی مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص آپ کا کام اجرت پر کرتا ہے۔ اس پر واجب ہے کہ وقت معینہ تک کام کرتا رہے وہ چھوڑے گا تو مجرم ہوگا وہ آپ کا محتاج بھی ہے۔ دوسرا شخص آپ کا کام بلا معاوضہ حسن عقیدت میں کرتا ہے جیسے مرید یا شاگرد یا والد اپنے بیٹے کی شفقت میں اس کا کام کرے تو یہ جو اس نے اپنے پر واجب کیا خود اپنی رضا اور کرم سے کیا اس کے ترک پر نہ گناہ نہ ہے اس وجوب میں کچھ محتاجی۔ پس پہلا واجب شرعی ہے اور دوسرا واجب اختیاری۔ یہی یہاں مراد ہے لہذا اعتراض غلط ہوا۔

**تفسیر صوفیانہ:** صوفیاء کی اصلاح میں سموات گویا قلوب ہیں ارض گویا قالب ماذا سے مراد خطرات قلب و قالب اور واردات انوار و تجلیات ہیں۔ پیشانی مرد مومن مثل آفتاب اور رخسارے مثل قمر ہیں۔ جن کو ضیا نور اور چمک ان محبوبوں کو نظر آتی ہے جو غیر پر نظر کرنے کی بجائے خود اپنے پر نظر رکھتے ہیں۔ اسی لئے ہر بشر انسان کو تا قیام قیامت دعوت عام ہے کہ اگر تمہارے پاس بصیرت صفاتیہ اور بصارۃ ذاتیہ ہے تو دیکھو اور غور کرو۔ کیونکہ جمال قدیم عاشقوں کی لئے ظاہر ہے اور مشتاقوں کی لئے عیاں ہے۔ محبین کے لئے بیان و منکشف ہے پس اے شعور والو قل انظروا ما ذا فی السموات والارض دیکھو وہ جو تمہارے آسمان قلب اور زمین قالب میں ہے۔ مگر جن کو شعور کے چشموں سے کچھ حصہ نہ ملا اور جن بدقسمتوں کو انوار سے کوئی نور حاصل نہ ہوا وما تغنی الایات والنذر عن قوم لا یومنون ان کے لئے یہ قلب و قالب محض ایک گوشت کا ڈھیر ہے۔ ان کو آیات اور نشانیات کیسے غنی کر سکتے ہیں جو ایمان حقیقیہ سے محروم ہیں (عرائس البیان) بعض نے فرمایا کہ وہ عقلیں جو خالی ہیں راہ نجات کی توفیق سے ان کو ضیاء عقل رسوائی کے اندھیرے کے باوجود روشنی کے ذریعے غنی نہیں کر سکتی اس لئے کہ انوار عقل اس کو نفع دیتے ہیں جو توفیق کی انوار اور ازلی عنایات سے تائید شدہ ہو۔ ورنہ بہت سے بدنصیب اپنی

عقل کی وجہ سے ہلاکت کے غار میں چلے جاتے ہیں اور اھل معرفت کے نزدیک یہ محرومی ہی سب سے بڑا عذاب قہار ہے جس سے اپنے رسولوں کو اور ان کے دامن عافیت و لذات سے وابستہ مومنوں کو بچالیا جاتا ہے ثم ننجی رسلنا والذین امنوا کذالک حقا علینا ننج المومنین ۔ یعنی انبیاء کرام اور مومنین تا قیامت محفوظ ہیں نور عنایت کی وجہ سے قہر محرومی سے اس طرح کہ انبیاء کی نجات ہے خطرات کے حجابات سے ۔ عارفین کو نجات دی شہوات کے حجاب سے اور عام مومنوں کو نجات دی ۔ ابلیس کی غاتوں سے اور شیطانوں کے سلب ایمانی سے ۔ یہ انعام اس رعایت قدیمہ کی بدولت ہے جو محبت ازلی سے وابستہ ہے چونکہ عارفین کو چن لیا کرامات اور ولایات سے ۔ اس لئے حقا علینا ۔ ان کی نجات ہم پر واجب ہے ۔ بعض عرفا نے فرمایا کہ نجات کا مطلب ہے کہ ہم اپنے رسولوں کو ۔ مراد نفس ، غلبہ شہوت ، غفلۂ وقت ، دشمن کی غالبیت اور اسرار کی دوری سے بچاتے ہیں اسی طرح ان کو نجات دینا بھی ہم پر واجب ہے جو ہماری عبودیت میں صادق ہے ۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ

فرما دو اے لوگو اگر ہو تم میں شک سے دین میرے پس

تم فرماؤ اے لوگو اگر تم میرے دین کی طرف سے کسی شبہ میں ہو تو میں تو اسے نہ

فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ

نہیں عبادت کروں گا میں ان کی عبادت کرتے ہو تم سے سوا اللہ کے اور لیکن

پوجوں گا جسے تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ہاں اس اللہ کو پوجتا ہوں جو

اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ

میں عبادت کرتا ہوں اللہ کی وہ جو وفات دیتا ہے تم کو اور حکم دیا گیا ہوں میں یہ کہ رہوں

تمہاری جان نکالے گا اور مجھے حکم ہے کہ ایمان والوں

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ

میں سے مومنوں اور یہ کہ قائم رکھ تو چہرے اپنے کو لیے دین

میں ہوں اور یہ کہ اپنا منہ دین کے لیے سیدھا رکھ سب

حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ

علیحدہ ہو کر اور نہ ہو تو بالکل سے مشرکوں اور نہ عبادت

سے الگ ہو کر اور ہرگز شرک والوں میں نہ ہونا اور اللہ کے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ فَاِنْ

کر تو سے سوا اللہ اس کو جو نہ نفع دیتا ہے تجھ کو اور نہ نقصان دیتا ہے تجھ کو

سوا اس کی بندگی نہ کر جو نہ تیرا بھلا کر سکے نہ برا پھر اگر ایسا کرے گا تو اس

فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۶﴾

تو اگر کیا تو نے بیشک تو تب سے ظالموں

وقت تو ظالموں سے ہو گا

**تعلق:** اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کو دعوت غور فکر دینے کے ساتھ ان کی عقلی کمزوری بھی ثابت کی گئی تھی کہ ان کفار کو شک شبہ محض نادانی کی بنا پر ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ لوگ راہ راست پر نہیں آ سکتے کیونکہ یہ بے عقلی سے شک میں پڑے ہیں۔ عقل والا اگر شک کرے تب تو دلائل سے دور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جہالت کا شکر دور نہیں ہو سکتا لہذا اے مسلمانوں کہہ دو کہ تم سمجھ لو ہم تمہارے جہالت سے بنائے ہوئے معبودوں کو نہیں پوجیں گے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار عذاب کا انتظار کرتے ہیں اس آیت میں فرمایا گیا کہ موت بھی جو کفار کے لئے ایک سخت عذاب ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ لہذا کس طرح تم عذاب کا انکار کر سکتے ہو یا کسی طرح بچ سکتے ہو۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیات پاک میں فرمایا گیا تھا کہ ہم مومنوں کو کفر اور عذاب سے نجات دیتے ہیں یہ ہمارا بہت بڑا انعام ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ اس انعام کو نہ ٹھکرانا اور خود بخود مشرکوں سے نہ ہو جانا نہ ان کے ساتھ کسی محفل میں رہنا نہ ان کے لئے شرکیہ کام کرنا ورنہ تم بھی ظالم تصور ہو گے۔

**چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی نفع دیتا ہے کہ ایمان والوں کو نجات عذاب ملتی ہے اور اسی کی طرف نقصان آتا ہے کہ کفار عذاب سے ہلاک کیا جاتا ہے اس آیت میں فرمایا گیا کہ کافروں کے بت نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان گویا کہ پچھلی آیات میں نفع نقصان دینا اللہ کی طرف منحصر کیا گیا تھا اس آیت میں اس کا ثبوت دیا گیا۔

**پانچواں تعلق:** پچھلی بہت سی آیات میں کافروں کے عقیدے بت پرستی۔ ضد بازی۔ اسلام میں طرح طرح کے شک شبے اور وہم کرنا بیان ہوئے اب فرمایا جارہا ہے کہ اے مسلمانوں تم اپنے عقیدے بیان کرو کہ ہم بھی حق پر مضبوطی سے قائم رہیں گے۔

**تفسیر نحوی:** قل یایها الناس ان کنتم فی شک من دینی۔ قل کا فاعل نبی کریم ہیں۔ یا حرف ندا ہے ایہا فاصلے کے لئے ہے کیونکہ بقاعدہ نحو منادی معرف باللام ہو تو فاصلہ ضروری تا کہ اعراب قائم رہے۔ جہاں کہیں فقط ایہا ہو جیسے کہ السلام

علیک ایھا النبی وہاں بوجہ قرینہ حرف یا پوشیدہ ہوتا ہے۔ الناس جمع ہے انسان کی منجد والے عیسائی نے انسان کی جمع آ نا آناس لکھی ہے وہ بھی آتی ہے۔ وہ اس کی جہالت ہے قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ الناس میں الف لام استغراقی ہے۔ انسان کی جمع اناس اور انس بھی آتی ہے۔ ہر آدمی کو شامل ہے مگر یہاں فقط کافر مراد ہیں۔ ان حرف شرط ہے کنتم فعل تامہ ہے۔ یہ پورا جملہ شرط ہے فی ظرفیت کا ہے۔ شک مظروف ہے۔ من بیانیہ ہے۔ دین سے مراد قانون اسلامی بھی ہوسکتا ہے۔ یاءِ متکلم سے خود آقاءِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے فلا اعبد الزین تعبدون من دون اللہ۔ یہ پورا جملہ سابقہ شرط کی جزاء ہے فقط مرکب نحوی کے لحاظ سے ورنہ حقیقت میں خبر کے درجے میں ہے۔ لا اعبد واحد متکلم ہے اس کا فاعل ظاہراً باعتبار سیاق کلام نبی کریم ہیں مگر حکم تا قیامت سب مسلمانوں کو ہے۔ الذین اسم موصول مراد بت ہیں من زائدہ ہے دون کے معنی سوا۔ مرکب اضافی ہے لفظ اللہ مضاف الیہ ہے یہ ذاتی نام ہے اس لئے یہاں استعمال ہوا یہاں صفاتی نام مناسب نہ تھا جیسا کہ تفسیر عالمانہ میں عرض کیا جائے گا ولکن اعبد اللہ الذی یتوفاکم۔ واؤ تفسیر یہ کے درجے میں ہے۔ لکن حرف تحقیق استدراک کے لئے ہے جو پچھلے کلام کی نفی اور اگلے کلام کو ثابت کرتا ہے۔ اعبد عبد سے مشتق ہے بمعنی بلا سوچے سمجھے جھک جانا۔ عقل وشعور کو تردد باقی نہ رہے۔ یہ فعل متعدی بیک مفعول ہے۔ لفظ اللہ موصوف الذی موصول اس کی صفت ہے یتوفا وفی سے مشتق ہے بمعنی پورا کرنا یہاں مراد ہے عمر پوری کرنا وفات دینا فعل حال ہے یہ بھی متعدی بیک مفعول ہے کم اس کا مفعول بہ ہے اس کا مرجع کفار ہیں اور یہ سب جملہ اعبد کا مفعول بہ بنتا ہے وامرت ان اکون من المؤمنین۔ واؤ سببیہ ہے۔ یعنی پہلی تمام عبارت اور گفتگو در پردہ مسبب ہے اور اس کا سببیہ ہے کہ امرت۔ صیغہ واحد متکلم کا فاعل ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں متعدی بیک مفعول اگلی ساری عبارت مفعول بہ ہے ان ناصبہ نے مفعول کا درجہ دیا اکون کون سے مشتق ہے بعض نے فرمایا تامہ ہے صحیح یہ ہے کہ بمعنی صار ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ رہوں میں۔ من بعضیت کا ہے۔ صحیح تر یہ بھی ہوسکتا ہے من میں ساتھ کے معنی ہوں یعنی مومنوں کے ساتھ المؤمنین میں الف لا استغراقی ہے اور قیامت تک کے مومن مراد ہیں وان وجھک للدین حنیفا۔ واؤ عاطفہ ہے پہلا جملہ معطوف علیہ تھا آئندہ عبارت معطوف ہے۔ وجھہ کا لفظی ترجمہ چہرہ ہے مگر مراد ساری ذات ہے کیونکہ چہرہ جسم میں اشرف ہے اور اشرف کل پر دلالت کردیتا ہے۔ ک مرجع میں دونوں احتمال ہیں صحیح یہ ہے کہ یہ سب تعلیم نبی پاک کو ہے۔ للدین۔ میں لام ملکیت کا ہے ی تعلیلیہ ہے اور الف لام عہد ذہنی دین سے مراد پورا قانون اسلامی اور شریعت مطہرہ طریقت طیبہ۔ حنیفاً۔ حنف سے مشتق ہے۔ اس کا لغوی ترجمہ ہے ہر طرف سے ہٹ کر ایک جگہ مضبوطی سے لگ جانا۔ اس کی نحوی ترکیب میں تین احتمال ہیں (۱) یہ کہ حنیفاً اقم کے فاعل کا حال ہو۔ دوسرے یہ کہ یہ وجہ کا حال ہو۔ تیسرے یہ کہ دین کا حال ہو۔ صحیح یہ ہے کہ وجہ کا حال ہے۔ اسی کو اعلیٰحضرت اور ہمارے حضرت صدر الافاضل نے اختیار فرمایا و لا تکونن من المشرکین۔ واؤ عاطفہ اور عطف پہلے جملے ان اقم پر ہے لا تکونن بحث نہی بانون ثقیلہ ہے۔ جس نے کلام میں شدت پیدا کردی من میں یہاں دو احتمال ہیں کہ یہ من بعضیت کا ہو یا بمعنی مع ہو المشرکین الف لام جنسی یا استغراقی ہے مشرکین مشرک کی جمع ہے۔ شرک سے مشتق بمعنی اللہ کو

چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا یا اللہ تعالیٰ کے صفات خصوصیہ کسی مخلوق میں ماننا و لا تدع من دون الله مالا ینفعک و لا یضرک ۔ یہ واؤ بھی عاطفہ ہے ماسبق پر عطف ہے لا تدع فعل نہی ہے مگر یہاں نون ثقلیہ یا خفیہ سے شدت نہیں من زائدہ ہے۔ دون کے معنی مقابل ہیں اضافت ہے ذات باری کی طرف ما اس موصول ہے اصلاً غیر عقل والوں کے لئے ہے مراد مٹی کے بت ہیں دھات کے بھی شامل ہیں۔ لاینفع فعل نفی ہے دونوں زمانوں حال و مستقبل کو شامل ہے۔ ک ضمیر سے مراد ہر مخاطب ہے و لا یضرک واؤ عطف کی لا پھر فعل نفی ہے۔ نفع نقصان سے عام ہے کہ جسمانی ہو یا روحانی۔ مالی ہو یا بدنی۔ صیغہ مضارع منفی ضرر مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے۔ بمعنی چھینا فان فعلت فانک اذا من الظلمین ۔ ف تعقیبیہ بیان نتیجے کے لئے حروف عطف سے ہے اس کا معطوف علیہ یا تو فقط لا تدع کا جملہ ہے تشبیہ کے لئے ہے۔ اور یا پچھلے تمام احکام پر عطف ہے تو یہ جملہ حقیقۃً شمار کے لئے ہے۔ ان حرف شرط فعلت کا مرجع اگر نبی کریم ہیں تب یہ شرط بالمحال فرضی ہے اور اگر مرجع عام مسلمان ہے جیسا کہ سابقہ روش کلام سے ظاہر ہے تو شرط غیر محال حقیقی ہے فانک میں ف جزائیہ ہے۔ ان حرف تحقیق نے کلام میں یقین پیدا کیا ک ضمیر اسم ان ہے۔ اذا مفاجاتیہ ہے بعد کا الف صرف من حرف جار تبعیضیہ سے تعلق کی بنا پر ہے الظالمین۔ الف لام عہد خارجی ہے۔ یعنی صرف اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے جس کو سب جانتے ہیں۔ ظلم کے معنی ہیں۔ نقصان کرنا کسی کا یا اپنا یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔

**تفسیر عالمانہ:** قل یایھا الناس ان کنتم فی شک من دینی فلا اعبد الذین تعبدون من دون الله ۔ فرمادو اے حبیب اے لوگو اگر تم میرے دین میں شک میں پڑے ہو تو یاد رکھو میں ان کی عبادت نہیں کروں گا جن کی تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ قل کا امر ظاہراً تو صرف نبی کریم کو ہے لیکن اشارۃً قیامت تک کے مسلمانوں کو یہ حکم ہے اسی طرح یا ایھا الناس سے اشارۃً تا قیامت تمام کفار کو خطاب ہے۔ واضح رہے کہ اصطلاحات قرآنیہ کے مطابق ایھا الناس کا خطاب صرف کفار کو ہوتا ہے اس میں کوئی مسلمان مومن شامل نہیں ہوتا۔ مسلمان کے لئے یایھا الذین امنوا کی پیارے لقب سے ندا ہوتی ہے اور اس لقب میں حبیب کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم شامل نہیں ہوتے۔ اگرچہ ان کا شک اور وہم یقینی تھا مگر حرف شرط فقط اپنے عقیدے کو ثابت اور بیان کرنے کے لئے ارشاد ہوا شک عام وہم کو کہتے ہیں۔ اس کی تین قسمیں ہیں (۱) ریب (۲) امتراء (۳) تردد اگر عقلی دلائل سے شک پڑے تو ریب کہلاتا ہے اگر بلا سوچے سمجھے بغیر غور و فکر شک میں مبتلا ہو جیسے کہ جہلا حمقا کے شکوک وہ امتراء کہلاتے ہیں اور اگر شک و یقین دونوں جانب میلان نظر آتا ہو تو تردد ہے۔ یہاں امتراء مراد ہے۔ من دینی میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ میرے دین کی درستی میں شک ہو۔ دوسرے یہ کہ خود مجھ میں دین پر قائم رہنے کی طرف سے کفار کو شک ہو اور اپنی طرف سے گمان کئے بیٹھے ہوں کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یا مسلمان لوگ (معاذ اللہ) ایک نہ ایک دن اسلام سے ہٹ کر ہم کفار کی موافقت میں آ جائیں گے تو اے کافرو تمہاری یہ آرزو ہرگز پوری نہ ہوگی کیونکہ فلا اعبد الذین میں ان کی کبھی بھی عبادت پوجا نہ کروں گا۔ اعبد میں چونکہ فقط پوجنے کا ہی مطلب ہوتا ہے اس لئے الذین فرما کر تمام معبودان باطلہ کو شامل کر لیا خواہ بے عقل ہوں جیسے مٹی اور دھات کے بت یا تصویریں یا چاند سورج۔ خواہ ذوی

مقتول ہوں جیسے خدائی کا دعویٰ کرنے والے فرعون نمرود وغیرہ۔ یا جبراً خواہش معبود بنا لئے جانے والے جیسے یہودیوں میں حضرت عزیر عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ یا جیسے سنا گیا ہے کہ ایران میں حضرت علی کی خود ساختہ تصویر کی بھی پرستش کی جارہی ہے۔ حالانکہ یہ پرستش ان بزرگوں کی خواہش کے قطعاً خلاف ہے غرضکہ مومن کو حکم ہے کہ ہر قسم کے کافر سے علی الاعلان کہہ دے **فلا اعبد الذین تعبدون** (الخ) من دون اللہ دون کے بہت سے معنی ہیں یہاں بمعنی سوا ہے۔ (روح المعانی) یہ جملہ اگرچہ ف جزائیہ کے ساتھ ہے مگر مقصود خبر دینا ہے یعنی کسی وقت کسی زمانہ میں بھی یہ بات ممکن نہیں۔ نہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ نہ سچے مومن سے کیونکہ جس پر احمد مجتبیٰ کے عشق و معرفت اور آپ کی تعلیم کا رنگ چڑھ گیا ہو بھلا اس کو کون بھٹکا سکے۔ یہاں **لا اعبد** فعل نفی کے پہلے لانے اور فعل مثبت **تعبدون** کے بعد میں لانے میں یہ لطف اشارہ ہے کہ عبدت انتہائی تعظیم ہے اور بت انتہائی ذلیل چیز ہے تو کس طرح ہو سکتا ہے کہ مخلوق میں اشرف انسان اور انسانوں میں اشرف عقلا اور عقلا سے اشرف مومن پھر اولیاء پھر علماء پھر صحابہ پھر انبیاء محمد مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والسلام سب سے ذلیل کی عبادت کریں۔ تقدم نفی میں شدت پیدا ہوئی (خازن) **لکن اعبد اللہ الذین یتوفاکم** لیکن میں تو اس اللہ کی عبادت کرتا رہوں گا جو تم کو موت دیتا ہے۔ حرف لکن نے بتایا کہ عبادت کسی کی جائز نہیں خواہ کوئی مخلوق میں اچھے برے دینی دنیوی کسی مقام پر ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے اس لئے کہ تعلیم اسلامی کے مطابق ہر بزرگ کی تعظیم حسب مرتبہ جائز ہے۔ تعظیم کی پانچ قسمیں ہیں (۱) خدمت گذاری (۲) فرمانبرداری (۳) اطاعت (۴) عبادت۔ اسی طرح تعظیم کے لائق بھی پانچ قسم کے بزرگ علی الترتیب (۱) والدین (۲) حکمران (۳) علماء (۴) انبیاء کرام (۵) خالق کائنات اللہ جل مجدہٗ پس جس طرح آخری اور انتہائی تعظیم عبادت ہے اسی طرح اس کے لائق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے کہ انتہائی بزرگی اسکی ہے چونکہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کی بڑائی اور بزرگی ناممکن ہے اس لئے عبادت بھی اس کے سوا کی کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کریم و رحیم کی بے شمار صفات ہیں مگر یہاں مارنے کی صفت کا ذکر فرمایا اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ عقل والا ہر چیز کی دلیل کا طلب ہوتا ہے۔ یہاں اس چیز کا دعویٰ ہے کہ تمہاری عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے تو فاکم میں اس کی دلیل دی جارہی ہے کہ چونکہ وہی اللہ تم کو موت دیتا ہے اور اس سے [illegible] دی پھر تمہیں وفات دے کر تمہاری

ایک یہ ہے کہ میں حکم دیا گیا ہوں (الخ) اگر یہاں پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہی مراد لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ دیگر انبیائے کرام تو کچھ کچھ مدت کے لئے اپنی امتوں میں رہے مگر ہمارے نبی قیامت تک اپنے غلاموں کے پاس حاضر و ناظر ہیں۔ جیسا کہ موجودہ انجیل سے بھی ثابت ہے (یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۸ نیا عہد نامہ ص ۹۹) یہی وجہ ہے کہ دیگر تمام چمن اجڑ گئے۔ ہمارے آقا محمد مصطفیٰ کا باغ اب بھی ہرا بھرا اور علماء اولیاء کے غنچے چٹکے ہوئے ہیں من المومنین۔ من میں معیت کے معنی پیدا ہیں۔ اور اگر یہ حکم عام مسلمان کو ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اسلام پر قائم رہو اور ادھر ادھر مت بھاگو ہر وقت ہر حالت میں ہر لحاظ سے صرف مومنوں کے ساتھ رہو ان کی جماعت میں ہی شامل رہو۔ دوستی رکھو تو صرف مسلمانوں سے وہی تمہارے سچے دوست ہو سکتے ہیں کافر تمہارا دوست کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہر طریقہ سے اپنا اسلام ظاہر کرتے رہو۔ شکل صورت، اعمال، افعال، کردار، اخلاق، لباس۔ گفتگو وغیرہ سے تمہارا مسلمان ہونا عجب شان امتیازی معلوم ہوتا رہے اس معاملے میں کچھ بناوٹ لگاوٹ نہ رکھو کیونکہ تقیہ اور فریب اسلام میں حرام ہے۔ دوسرا حکم یہ ہے **وان اقم وجھک للدین حنیفا** اور یہ حکم دیا گیا ہوں کہ قائم رکھوں اپنی ذات کو دین پاک کے لئے سب باطل دینوں سے علیحدہ ہو کر۔ یعنی اپنی طرف سے کسی عملی یا فعل سے اس کے لئے شریک نہ بناؤں نہ ظاہر نہ باطن۔ جس طرح کہ وہ ذات پاک اپنی مخلوق میں کسی کو شریک نہیں فرماتا نہ ہی خالقیت میں کوئی اس کا شریک ہے۔ اسی طرح مخلوق کو چاہئے کہ اس کی عبادت میں سجدہ سجود میں بھی کسی کو شریک نہ کرے خیال رہے کہ ہر وہ اطاعت جو کسی کو معبود سمجھ کر کی جائے یا خدائی طاقت مان کر کی جائے تو وہ عبادت ہوتی ہے۔ معبود سمجھنا یہ ہے کہ کسی میں ذاتی اختیار و قوت و کمالات تسلیم کئے جائیں دین سے یہاں مراد قانون الٰہی ہے حنیفا کا مطلب مخلص ہو کر بغیر ڈرے جھجکے اور بغیر ریا اس کی طرف مائل ہونا۔ مگر اس خلوص کے لئے پہلے ایمان شرط ہے اسی لئے **من المومنین** کا امر پہلے ہوا یہ امر بعد میں **ولا تکونن من المشرکین** اور قطعاً نہ ہونا تو مشرکین میں سے۔ یا اس طرح کہ خود مشرک نہ بنا تب یہ خطاب کی توجہ عام مسلمان کی طرف ہے اور یا اس طرح کہ ان کی دوستی کے ساتھ نہ ہونا یا ان کے مشابہ لباس وغیرہ میں نہ ہونا یا کسی وجہ سے ان کی حمایت میں نہ ہونا تب روئے خطاب نبی کریم کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ اے مسلمان جب تو نے ان حکموں کو عملی طور پر سمجھ لیا تو تجھ کو چوتھا حکم یہ ہے کہ **ولا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک**۔ نہ دعا مانگ تو اس چیز سے جو نہ تجھ کو نفع دے سکے اور نہ تیرا نقصان کر سکے۔ لغوی اعتبار سے لاتدع کے تین معنی بن سکتے ہیں کبھی اس کا ترجمہ عبادت کرنا کئے جاتے ہیں۔ کبھی پکارنا، کبھی دعا مانگنا ہوتا ہے اور یہی اصل ہے کیونکہ لاتدع کا مادہ اشتقاق دعو ہے اسی سے دعا ہے اگرچہ اس کے تین معنی ہوتے ہیں مگر یہاں عبادت کا احتمال درست نہیں دو وجہ سے پہلی یہ کہ عبادت غیر اللہ کی نفی **لا اعبد الذین** سے ہو گئی یہاں ضرورت نہیں دوسری وجہ یہ کہ عبادت میں مطلق حکم ہوتا ہے کہ کسی کی بجز خدا تعالیٰ عبادت جائز نہیں جیسے کہ پہلے بیان کیا گیا خود باری تعالیٰ نے **الذین** فرما کر سب مخلوق کی عبادت باطلہ کی نفی کر دی مگر **لاتدع** میں بہت سی قیدیں لگائیں اور ثابت کیا کہ مطلق پکارنا اور غیر اللہ سے مانگنا برا نہیں فقط ان بتوں وغیرہم غیر ذوی العقول نباتاتی جماداتی چیزوں سے مانگنا حرام ہے **ما لا ینفعک ولا یضرک** جو تیرے مانگنے پکارنے سے تجھ کو کچھ دے

نہیں اور اگر تو ان کا منکر ہو تو تیرا کچھ نقصان نہیں کر سکتے۔ دنیا میں صرف مشرکین کے بت ہی ایسے ہیں ملائکہ اور جنات سے دن رات بکثرت اس نفع نقصان کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اس لئے انسانوں فرشتوں جنوں سے مانگنا جائز ہے اور پکارنا بھی۔ پس ثابت ہوا کہ اولیاء اللہ انبیاء کرام سے قبل وفات اور بعد وفات مانگنا بالکل جائز ہے ممانعت کہیں ثابت نہیں اگر یہ مانگنا اور پکارنا بھی منع ہوتا جیسا کہ کم عقل وہابی کہتے ہیں تو اس آیت میں لفظ ما۔ نہ ہوتا بلکہ۔ من یا الذی ہوتا۔ ما سے یہی ثابت ہوا کہ اے مسلمان تو بتوں سے مت مانگ فان فعلت فانک من الظلمین۔ اگر تو نے ان حکموں پر کان نہ دھرا اور یہ کارہائے ممنوعہ کر لئے تو بے شک تو ظالموں کے ساتھ شمار ہوگا۔ یہ جملہ شرطیہ سابقہ چار حکموں کی مخالفت کا نتیجہ ہے۔ اس میں ظاہراً اور حقیقۃً ہر دو طرح عام مسلمان کو خطاب ہے (بیضاوی، خازن، مدارک) کیونکہ نبی پاک کے لئے یہ جملہ بولنا نتیجہ محال بالذات اور اگر کوئی اس جملے کی نسبت فاعلی نبی کریم کی طرف ہی کرے تو یہاں فرضی ترجمہ کیا جائے گا۔ یعنی اگر تم ایسا کرتے تو ایسے ہو جاتے۔ اور پھر اس ترجمے میں کچھ دشواریاں پیدا ہو جاتیں۔ پس بہتر ہماری ہی تفسیر ہے۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی ہر چیز کی نسبت نبی پاک کی طرف کرنی جائز ہے لہٰذا جائز ہے یہ کہنا کہ نبی کریم کا قرآن نبی کریم کا اسلام۔ حضور اقدس ﷺ کا قانون۔ نبی پاک کا کعبہ آپ ﷺ کی جنت۔ تمام کائنات آپ ﷺ کی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ فائدہ من دینی میں نسبت احمد مجتبیٰ سے حاصل ہوا۔

**دوسرا فائدہ:** بزرگان دین اور دیگر لوگوں کے خطاب القابات اور پکارنے میں فرق ہونا ضروری ہے۔ جو الفاظ و خطاب انبیاء کرام کے لئے مقرر ہیں وہ ہی الفاظ کسی اور کے لئے بولنے جائز نہیں اگرچہ صحابی ہو یا عالم یا ولی اللہ جیسے علیہ السلام یا صلی اللہ علیہ وسلم اور جو الفاظ صحابہ کے لئے معین ہیں وہ دیگر علماء اولیاء کے لئے استعمال کرنا غلط ہے جیسے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ یہ صحابہ کے لئے امتیازی جملہ بن چکا ہے۔ غیر صحابی کے لئے نہ بولا جائے۔ اسی طرح اس کے برعکس کہ عام خطابات میں خواص کو نہیں شامل کرنا چاہئے۔ جیسے یایھا الذین امنوا۔ میں انبیاء کرام شامل نہیں ہوتے اور ایھا الناس میں مومن شامل نہیں یہ فائدہ یایھا الناس کے خطاب سے حاصل ہوا۔

**تیسرا فائدہ:** اللہ کے بندوں کا کام اللہ ہی ہے۔ اولیاء اللہ سے مانگنا اللہ ہی سے مانگنا ہے۔ اسی طرح انبیاء کرام کا کسی کی مشکلیں حل فرمانا اللہ تعالیٰ ہی کی مشکل کشائی ہے۔ دیکھو موت دینا جان نکالنا حضرت عزرائیل کی ڈیوٹی ہے۔ مگر رب کریم نے ان کے اس فعل کو اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے فرمایا یتوفاکم۔

**چوتھا فائدہ:** عبادت میں اور حاجت روائی کے لئے پکارنے میں بڑا فرق ہے عبادت کسی کی بھی جائز نہیں خواہ معبود ان باطلہ ہوں یا نبی ولی۔ مگر فریاد کرنا صرف بتوں وغیرہ سے منع ہے انبیاء کرام اولیاء علماء سے جائز ہے۔ یہ فائدہ فلا اعبد کے عموم اور لا تدع کے مقید فرمانے اور الگ ذکر کرنے سے حاصل ہوا۔

**اعتراضات:** اس آیت پر چند اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

**پہلا اعتراض:** کفار کا شک کرنا دین اسلام میں یقینی امر ہے پھر اس کو ان کے تم سے جملہ شرطیہ کیوں بنایا گیا۔ اگر مگر سے چیز یقینی نہیں رہتی۔

**جواب:** اولاً اس لئے کہ سارے کافروں کا شک یقینی نہیں اس لئے کہ بعض کافر محض ضد سے نہیں مانتے۔ ان کو حقانیت اسلام کا یقین ہوتا ہے۔ جیسے کہ زمانہ نبوی کے یہود و نصاریٰ ایسے ہی کفار کے بارے میں ارشاد باری ہے **یعرفونهم کما یعرفون ابناء هم** دوم اس لئے کہ یہاں جملہ شرطیہ بولنا ان کے قلبی ارادوں کو توڑ کر اپنے عقیدوں کو ثابت کرنا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ شرط بمعنی وصلیہ ہے۔ یعنی اگرچہ تم شک میں ہو ہماری طرف سے مگر ہم تمہاری طرف آنے والے نہیں۔

**دوسرا اعتراض:** نحوی قاعدے کے مطابق حال یا فاعل کا ہوتا ہے یا مفعول بہ کا مگر یہاں لفظ حنیفا حال ہے اور اس کا ذوالحال دین ہے حالانکہ للدین نہ فاعل ہے نہ مفعول پس یہ آیت قواعد نحویہ کے خلاف ہے۔

**جواب:** نحویہ کا یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اور نہ ہی قرآن کریم نحو کے انسانی ساختہ قوانین کا پابند ہے۔ اس کے باوجود لفظ حنیفا میں تین قول ہیں کہ اس کا ذوالحال یا اقم کا فاعل ہے یا وجھک مفعول بہ ہے ان دونوں صورتوں میں تو اعتراض پڑتا ہی نہیں تیسرا قول یہ کہ اس کا ذوالحال للدین ہو۔ جس کو معترض نے اختیار کیا مگر قاعدہ کلیہ نہ ہونے کی بنا پر اعتراض ختم ہو گیا۔

**تفسیر صوفیانہ:** اے عشق الٰہیہ میں سرشار کہہ دے ان بے خبروں منکروں سے کہ اگر تم میری منزل حقیقیہ ابدیہ کے بارے شیطانی وہموں میں مبتلا ہو تو یاد رکھو کہ میں اس نفس امارہ کی اور اس کی خواہشات رذیلہ کی پیروی نہ کروں گا جس کی تم پرستش کرتے ہوا پنے خالق سے منہ پھیر کر۔ لیکن میں تو اسی کی عظمت قدیمہ کا معترف رہوں گا جو تم کو فنا کی موت اور غفلت کی ہلاکت فرماتا ہے۔ جس سے ضمیر مردہ ہو کر راہ سعادت سے دور ہو جاتا ہے۔ اور میں امر کیا گیا ہوں کہ اسرار الٰہیہ کا مشاہدہ کرنے میں شامل رہوں۔ اور مشاہدین کے ساتھ رہوں پھر اپنی ذات ذی صفات کو محبت باری تعالیٰ اور دیدار کے شوق کے لئے اور معرفت صفات خداوندی کے لئے اس لئے قائم کر دوں کہ تمام ماسوی اللہ کی محبتوں سے چہرہ پھیر کر۔ مخلوق سے بری ہو جاؤں اور اپنے خالق میں ایسا مشغول ہو جاؤں کہ اسی کو دیکھوں اسی کی طرف دوڑوں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دین محبت کا نام ہے اور دین حنیف ماسوائی اللہ سے دور ہے۔ محبت الٰہی نور کے پردوں میں پوشیدہ ہے۔ آقائے کائنات جو ان خزانوں کے خازن ہیں صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر ذرہ بھر حجاب ہٹ جائے اور ان انوار کا قطرہ منکشف ہو جائے تو حد بصر تک جل جائے **مافی السموات والارض** ای کا حکم ہے کہ اے مومن کامل مضبوطی سے قائم ہو جا۔ تا کہ رب کریم کے مشاہدے کے انوار کو برداشت کر سکے۔ اور جب یہ نعمت عظیم تجھ کو حاصل ہو جائے تو **ولا تکونن من المشرکین** ان میں سے نہ ہو جانا جو اللہ سے غیر اللہ کے طالب ہو جاتے ہیں اور نہ ہی اس کے مشاہدے کے بعد پھر غیر کا مشاہدہ قلب و قالب میں آئے۔ کیونکہ جس نے اپنے مولیٰ کو پہچان لیا وہ اس معرفت کے بعد دوسری طرف متوجہ ہو تو یہ شرک طریقت ہے اس کو اصحاب قلوب شرک خفی کہتے ہیں (عرائس و تفسیر کبیر) اور اے مشاہدہ انوار سے قرب الٰہی پانے والے وہی موجود ہے باقی

سب معدوم ہے اور جو کچھ ہے ایجاد حق سے ہے تو جب ایسا ہے پس ماسوا اللہ کا وجود اسی کی ایجاد ہے لہٰذا کوئی نافع نہیں بجز حق تعالیٰ کے اور کوئی ضار نہیں سوا رب کے لہٰذا اے بندے نہ فریاد کر مگر اسی سے اور نہ رجوع کر مگر اسی کی طرف اس کے اغیار کو نہ پکار کیونکہ وہ بے بس ہیں خود محتاج ہیں۔ اس کے اپنوں کے پاس جا کہ ان میں بڑی طاقتیں بڑے اختیار ہیں۔ لیکن اگر اس پیار اور محبت الٰہیہ کے حصول کے بعد پھر بھی اس کو پکارا جو خود اپنے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا تو پھر تو اس کے قہر سے مغلوب اپنے حصہ انوار سے متروک اور اپنی مراد سے محروم ہو جائے گا۔ اور غیر اللہ کی وجہ سے اللہ سے محجوب رہے گا۔ تیرا کوع، سجود، نماز، روزہ علم و عمل سب تیرے لئے حجاب ہوں گے تیری مرادیں فوت ہو جائیں گی اور جو ایسا ہو وہ اپنے نفس پر ظالم ہے۔ اور اگر تو نے نفع نقصان کا مرکز اللہ کے اپنوں کو چھوڑ کر غیروں کو بنالیا تو ظالموں میں سے ہو جائے گا اس لئے کہ کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا دینا ہی ظلم ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (کبیر و عرائس)

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَۚ وَ

اور اگر تکلیف پہنچائے تجھ کو اللہ تعالیٰ سے نقصان تو نہیں کھولنے والا کو اس مگر وہ اور

اور اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا کوئی ٹالنے والا نہیں اس کے سوا اور

اِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖؕ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ

اگر ارادہ کرے تجھ کو خیر کا تو نہیں روکنے والا کوئی فضل اس کے پہنچاتا ہے کو فضل

اگر تیرا بھلا چاہے تو اس کے فضل کا رد کرنے والا کوئی نہیں اسے پہنچاتا ہے اپنے

یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖؕ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (۱۰۷) قُلْ یٰۤاَیُّهَا

جب کہ چاہتا ہے لیے بندوں اپنے اور وہ بخشنے والا رحیم ہے تم فرماؤ اے

بندوں میں جسے چاہے اور وہی بخشنے والا مہربان ہے تم فرماؤ اے لوگو

النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْۚ فَمَنِ اهْتَدٰى

انسانوں یقیناً آیا تمہارے پاس حق طرف سے رب تمہارے تو جو ہدایت پا گیا

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آیا تو جو راہ پر آیا وہ اپنے

فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَاۚ

تو فقط ہدایت پاتا ہے لیے نفس اپنے اور جو گمراہ ہوا تو فقط گمراہ ہوتا ہے پر اپنے

بھلے کو راہ پر آیا اور جو بہکا وہ اپنے برے کو بہکا

وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَ

نفس اور نہیں میں پر تم کچھ ذمے دار اور اتباع کرو اسی کی جو وحی کیا گیا طرف تیری

اور کچھ میں کروڑا نہیں اور اس پر چلو جو تم پر وحی ہوتی ہے اور

اصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ ع

اور صبر کرو یہاں تک کہ حکم کرے اللہ اور وہ اچھا تمام حاکموں سے

صبر کرو یہاں تک کہ اللہ حکم فرمائے اور وہ سب سے بہتر حکم فرمانے والا ہے

**تعلق:** اس آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں باطل اور جھوٹے معبودوں بتوں وغیرہ کی عبادت سے منع کیا گیا تھا اور بہترین عقلی وجہ بیان فرمائی تھی کہ جو نفع یا نقصان کا مالک نہ ہو وہ تو منہ لگانے کے قابل بھی نہیں ہوتا چہ جائیکہ عبادت کی جائے۔ اس آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ نفع نقصان اس اللہ کے قبضے میں ہے وہی اپنے بندوں کو یہ قوت عطا فرماتا ہے۔ لہٰذا وہی تمہاری عبادت کا مستحق ہے۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ سچے دین پر آ جاؤ یہی ہدایت ہے جس سے کسی کم عقل کو شک پڑ سکتا تھا کہ شاید اسلام قبول کرنے سے اللہ تعالیٰ کو یا رسول اللہ کو کوئی ذاتی نفع ہوگا۔ ان آیات میں اس باطل خیال کو توڑا جا رہا ہے کہ ہدایت و گمراہی کا نفع نقصان خود اسی شخص کو ہے جس نے ان میں سے کوئی راہ اختیار کی۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیات مطہرات میں یہ حکم تھا کہ اے مومنوں تم کافروں سے یہ کہہ دو۔ یہ کہہ دو۔ کہہ دو چار پانچ قول حکم تھے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ کفار کی بدتمیزیوں سے پریشان دل مت ہو بلکہ صبر کرو۔ اور اپنے حال پر ڈٹے رہو گویا کہ پہلے قال کا حکم تھا اور اب حال کا۔

**تفسیر نحوی:** وان یمسسک اللہ بضر کاشف لہ الا ھو۔ واؤ تفسیریہ ہے جو پچھلے صلے موصول کی تفسیر کرتی ہے۔ ان حرف شرط نے اس پورے جملے کو جملہ شرطیہ بنا دیا یمسس فعل مضارع ہے مس بمعنی چھونا سے مشتق ہے باب سمع یسمع سے آ کر چھلانا کے معنی پیدا ہو گئے۔ ک ضمیر مخاطب مفعول بہ ہے لفظ اللہ فاعل ترکیبیہ ہے بضر ب بعضیت کی ہے ضر میں تنوین تنکیری ہے جس سے عموم پیدا ہوا۔ فلا میں فاء جزائیہ ہے۔ لا ما و لا والا ہے۔ بعض نے کہا کہ لائے نفی جنس ہے کاشف اسم فاعل کشف سے مشتق ہے بمعنی کھولنا۔ لام حرف جار مفعولیت کا ہ ضمیر غائب سے مراد تکلیف ہے الا حرف استثنا منقطع ہے۔ ھو سے مراد باری تعالیٰ وان یردک بخیر فلا راد بفضلہ۔ واؤ عطف کی ہے ان حرف شرط ہے یرد۔

دراصل یریدٗ باب افعال کا مضارع تھا۔ حرف شرط نے جزم دیا تو اجتماع ساکنین کی بنا پر یاء کو گرا دیا۔ بمعنی ارادہ کرنا۔ ک مفعول بہ بخیر ب بعضیت کی ہے۔ خیر سے دنیا کی بھلائی اور نفع مراد ہے۔ فلا راد میں ف جزائیہ۔ لانفی جنس راد رد سے مشتق اسم فاعل ہے۔ لائے نفی جنس کا اسم ہے۔ لا کی خبر پوشیدہ موجود ہے۔ لفضلہ لام مفعولیت کا ہے۔ فضل سے مراد حلال رزق ہے ہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے یصیب بہ من یشاء من عبادہ وھو الغفور الرحیم ۔یصیب فعل مضارع واحد غائب صوب سے بنا ہے بمعنی گرنا اسی سے ہے مصیبت ب مفعولیت کی ہے ہ ضمیر واحد غائب کا مرجع فضل ہے۔ من اسم موصول یصیب کا مفعول بہ ہے یشاء پورا جملہ صلہ مفعولی ہے نہ کہ فاعلی کیونکہ یشاء کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے من بعضیت کا ہے۔ عباد جمع ہے عبد کی ہ سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے وھو الغفور۔ واؤ سر جملہ تعلیلیہ ہے ماقبل مشیت اور عطاء فضل کی علت بیان کر رہی ہے۔ ھو مبتدا ہے۔ الغفور غفر سے مشتق ہے اس کا لغوی ترجمہ ہے ڈھانکنا۔ اسی سے ہے مغفر یعنی سر کو ڈھکنے والی لوہے کی ٹوپی۔ الف لام عہد ذہنی ہے۔ یہاں مراد ہے گناہوں کو بخشنا۔ الرحیم ۔ الف لام استغراقی ہے۔ بعض نے کہا یہاں بھی عہد ذہنی ہے۔ صفت مشبہ ہے رحم سے مشتق ہے یعنی ہر وقت مخلوق پر ہر طرح رحم فرمانا۔ رحم کا لغوی ترجمہ ہے۔ ہر شخص کو بلحاظ حیثیت جگہ دینی اسی کو شفقت کہتے ہیں قل یایھا الناس قد جاء کم الحق من ربکم قل امر میں نبی کریم کی ذات پاک مراد ہے۔ اور ناس سے مراد کافر ہیں۔ قد جاء فعل ماضی قریب ہے کم جمع میں تا قیامت کفار شامل ہیں۔ الحق میں الف لام عہد ذہنی ہے۔ حق بمعنی سچ۔ مبالغے کا صیغہ ہے۔ اور اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔ من کے معنی طرف سے ربکم مرکب اضافی میں رب کی نسبت کفار کی طرف کرنے سے اچھے کلام اور نرم زبان کی حکمت ہے۔ فمن اھتدی فانما یھتدی لنفسہ ومن فانما یضل علیھا ۔ف تعقیبیہ ہے من، اسم موصول عموم پر دال ہے اھتدی باب افتعال کا ماضی مطلق ھدی سے مشتق ہے بمعنی صحیح راہ پر آنا ف جزائیہ ہے انما نے حصر کا فائدہ دیا یھتدی کا پورا جملہ بیان نتیجہ کے لئے ہے۔ اسی لئے اس میں حال و مستقبل ہر دو زمانہ مراد ہے۔ لنفسہ میں لام جارہ نفع کا ہے اور نفس سے مراد پوری ذات ہے۔ ہ کا مرجع من ہے۔ ومن ضل من واؤ عاطفہ ہے۔ من سے عموم ثابت ہے ضل فعل ماضی ہے باب نصر ینصر ضل مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے۔ لفظ مشترک ہے۔ اس کے بہت معنی ہوتے ہیں یہ لفظ قرآن کریم میں مختلف جگہ مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں تک کہ انبیاء مرسلین کے لئے بھی بولا گیا۔ وہابی لوگ اس لفظ سے گستاخی کا راستہ نکال لیتے ہیں مگر یہ ان کی اپنی جہالت اور کم عقلی ہے۔ فا تعقیبیہ ہے یضل فعل مضارع دونوں زمانوں کا حامل ہے۔ علیھا علیٰ فوقیت کے لئے ضمیر مونث من کے عموم اور جنسیت کو ثابت کر رہی ہے وما انا علیکم بوکیل ۔واؤ سر جملہ ما نافیہ مشبہ بلیس۔ انا ضمیر متکلم سے مراد نبی پاک ہیں۔ علیٰ فوقیت کے لئے ہے کم سے مراد مخاطبین کفار ہیں۔ ب زائدہ ہے۔ وکیل وکل سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ سپرد کرنا ہے۔ یہاں مراد ہے دار واتبع ما یوحی الیک و اصبر حتی یحکم اللہ ۔واؤ سر جملہ اتبع۔ تبع سے مشتق ہے۔ بمعنی نقش قدم پر چلنا۔ اصطلاحی ترجمہ ہے پیچھے چلنا (منجد) یہاں مراد ہے روشنی پکڑتا چلنا۔ روشنی خواہ اپنے لئے پکڑی جائے یا کسی کے لئے۔ ما اسم موصول مفعول بہ ہے ماقبلا کا یوحی فعل مجہول اس کا صلہ ہے۔ وحی سے مشتق ہے بمعنی

اللہ تعالیٰ کا پیغام۔ اس کے تین معنی (۱) کلام الہام یہ غیر نبی کو بھی عطا ہوتا ہے۔ یہ مجازی معنی ہیں (۲) کلام جلی اس کو وحی جلی بھی کہتے ہیں (۳) کلام خفی اس کو وحی خفی بھی کہتے ہیں۔ یہ دونوں معنی حقیقی ہیں یہاں یہ دونوں مراد ہیں۔ الیک۔ الیٰ انتہاء ظرفیت مکانی کے لئے ہے۔ ک سے مراد یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ واصبر واؤ عاطفہ ہے اصبر مطرد کے تیسرے باب کا امر ہے۔ صبر سے مشتق ہے بمعنی کسی بھی کاروائی سے رک جانا۔ حتیٰ انتہاء کے لئے ہے کوفی نحوی کہتے ہیں کہ حتیٰ خود ناصب ہے مگر بصری نحوی کہتے ہیں حتیٰ میں ان ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہ مضارع کو زبر دیتا ہے (الانصاف فی مسائل الخلاف ص ۵۹۷) یحکم فعل مضارع نصب کی حالت میں ہے۔ اس کا نصب حتیٰ کی وجہ سے ہے۔ یہ حکم سے بنا ہے یعنی فیصلہ کرنا۔ اس کا فاعل آگے لفظ اللہ ہے وھو خیر الحاکمین واؤ سے جملہ ھو مبتدا ہے اس کا مرجع اللہ کریم ہے۔ خیر کا معنی بہتر الحاکمین الف لام استغراقی ہے۔ حاکمین جمع سالم ہے۔ حاکم کی۔ عام ہے بادشاہ وزیر اعظم اور کسی بھی مفتی، قاضی، جج، مجسٹریٹ کو۔

تفسیر عالمانہ: وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یردک بخیر فلاراد بفضلہ۔ اور اگر پہنچا دے تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی نقصان تو نہیں ہے ہٹانے والا اس نقصان کو مگر وہی اللہ اور اگر اللہ ارادہ فرمائے تجھ کو بھلائی دینے کا تو کوئی بھی چھیننے والا نہیں ہے اس کے فضل کو۔ یعنی اگر تیرے اپنے قصور وخطا سے۔ اللہ کی ناراضگی کے باعث تجھ کو معمولی نقصان بھی پہنچے تو وہ بھی کوئی دور کرنے والا نہیں۔ کسی انسان میں طاقت نہیں کہ معمولی تکلیف کو بھی دور کر دے چہ جائیکہ بڑی مصیبت کو دور کر سکے۔ اسی لئے یہاں یمسس کا لفظ بولا گیا جس کا مطلب ہے فقط چھو جانا۔ وہی اللہ تکلیف کو دور کر سکتا ہے۔ یعنی اصل فاعل ذاتی جو خالق تکلیف ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ فاعل ذاتی اس کے سوا کوئی نہیں۔ نہ نبی نہ ولی نہ ڈاکٹر نہ حکیم نہ بادشاہ نہ وزیر۔ نہ حاکم نہ امیر۔ لیکن اس کے باوجود شریعت الٰہیہ نے ان کے پاس جانے ان سے مانگنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے کہ یہ حضرات اللہ کے اذن سے دے سکتے ہیں۔ انبیاء کرام تو دنیا وآخرت کی ہر تکلیف باذن پروردگار دور فرما دیتے ہیں تو گویا ان کا دینا رب کا شفا دینا ہے۔ اس آیت لا کاشف کی نفی سے مراد یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ بت پرستوں کا عقیدہ ہوتا ہے۔ ورنہ انبیاء اولیاء تو بڑی شان والی ہیں دنیا کی عام چیزیں تین قسم کی ہیں (۱) نفع دینے والی (۲) نقصان دینے والی (۳) نفع نہ نقصان (تفسیر کبیر) یہاں یہ فرمایا جارہا ہے کہ ہر مومن کا عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ کہیں سے شفا آئے اس کو منجانب اللہ ہی سمجھنا چاہئے۔ نقصان آئے تب بھی اسی طرف کو لگائے۔ جدھر بھی جائے اسی کے بھروسے پر۔ اس کی رضا سے سب دے سکتے ہیں اس کے بغیر رضا نہ نبی کچھ عطا فرمائیں نہ ولی نہ ڈاکٹر نہ حکیم شعر۔

سائیں آنکھیاں پھیریاں میرا ویری ملک تمام  ذرا سی جھاتی مہر کی تو لاکھوں کریں سلام

اور اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کسی قسم کی بھلائی کرنا چاہے تو رب تعالیٰ کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔ نہ چھین سکتا ہے۔ اس جگہ فلا ادلہ کی بجائے فلاراد بفضلہ فرمانے میں یہ نکتہ ہے کہ تکلیف اور نقصان بندے کے اپنے فعل گناہ خطا وغیرہ سے آتے ہیں مگر بھلائی رحمت اور دنیا وآخرت کی نعمتیں فقطع رب تعالیٰ کی عنایت اور فضل سے ملتی ہیں (خازن، کبیر، ابن کثیر) اسی لئے پہلے فرمایا الا ھو۔ الا سے نفی تو ذکر ثبوت پیدا کیا گیا۔ پھر فرمایا فلاراد بفضلہ گویا کہ بندے کا نقصان

مطلوب بالعرض ہے اور نفع مطلوب بالذات۔ یہی وجہ ہے کہ نقصان اور تکلیف تو مستحقین کو پہنچتی ہے مگر فضل رب العالمین بلا استحقاق عطا ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوتا ہے قال اللہ تعالیٰ سبقت رحمتی علی غضبی۔ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ تکلیف اور خسارہ تو صرف بیوقوفوں کو ان کی اپنی کوتاہیوں کی بنا پر ہوتا ہے۔ مگر رزق حلال اور رحمت پروردگار یصیب بہ من یشاء من عبادہ۔ اپنا فضل پہنچاتا ہے جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے۔ یعنی طیب رزق جو محض فضل ربی سے ملتا ہے وہ بھی اسی اللہ کی عطا ہے بعض نے فرمایا کہ بہ سے مراد نفع نقصان دونوں ہی ہیں (خازن) مگر صحیح تر یہ ہے کہ صرف خیر مراد ہے (بیضاوی) کیونکہ من یشاء کی عمومیت اور من عبادہ کی پیار بھری عبادت میں شر یا نقصان کیسے مراد لیا جاسکتا ہے لہٰذا یصیب بہ سے صرف خیر اور فضل ہی مراد ہے اسی لئے اسکے آگے ارشاد ہوا وھو الغفور الرحیم اور وہی اللہ تمام گناہوں کو چھپانے والا یعنی بخشنے والا ہے۔ یہ کرم صرف مومنوں کے لئے ہے۔ رحم کرنے والا ہے۔ دنیا میں سب پر اور آخرت میں صرف ایمان والوں پر۔ یہ عبارت بھی اس کی خیر پر دال ہے۔ مقصود کلام یہ ہے کہ اے لوگو۔ خلق ایجاد، ابداع تکوین میں وہ اللہ واحد ومنفرد۔ بجز اس کے کسی خیر وشر کا کوئی موجد نہیں لہٰذا وہی معبود ہوسکتا ہے۔ اتنی مدلل پیاری۔ اور شاندار تعلیم وتقریر سے بھی اگر یہ کفار ہدایت پر نہ آئیں تو اے میرے پیارے حبیب قال یایھا الناس قد جاء کم الحق من ربکم فمن اھتدی فانما یھتدی لنفسہ و من ضل فانما یضل علیھا۔ فرمادو! اے لوگو بے شک آ گیا ہے تمہارے پاس حق۔ تمہارے رب کی طرف سے تو جو ہدایت لے لے پس ہدایت لیتا ہے اپنے ہی فائدے کے لئے اور جو غلط راستے چل پڑتا ہے وہ گمراہ ہوتا ہے اپنی ہی نقصان پر۔ جب کہ سابقہ کلام میں توحید، نبوت، موت وحیات نفع نقصان کے خالق حقیقیہ کے سب دلائل پیش کر دیئے گئے تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی کہلوایا جارہا ہے کہ حق یعنی محمد مصطفیٰ خود تشریف لے آئے یہ تمہارے رب کی طرف سے آخری رسول ہیں ان پر رب تعالیٰ کی شریعت مکمل ہو چکی ہے ان سے جس نے بھی ہدایت لی ہے اس کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ اور جس نے اتنی باتیں سننے کے بعد بھی گمراہی پر ہی رہنا ہو اور سرور کائنات آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آستانے پر نہ آئے تو اس کی اپنی بدنصیبی ہے۔ اگر چہ چند مفسرین نے حق سے مراد قرآن یا اسلام لیا ہے مگر اکثر نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی مراد لیا ہے۔ اور یہی صحیح ہے دو وجہ سے۔ پہلی یہ کہ لفظ جاء مطابق اصطلاحات قرآنیہ ہمیشہ انبیاء کرام کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم کے لئے انزل وغیرہ الفاظ بولے جاتے ہیں۔ یہاں قد جاء سے ثابت ہوا کہ حق سے مراد نبی کریم ہیں اگر قرآن مجید یا اسلام مراد لیا جائے تو حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی ماننے پڑیں گے حالانکہ بلا عذر ترک حقیقت ممنوع ہے جیسا کہ روح المعانی نے فرمایا۔ دوسری وجہ یہ کہ لفظ حق باصول نحو یہ مبالغ کا صیغہ ہے جو کثرت اور زیادتی کو چاہتا ہے اور حقانیت کی کثرت ہر لحاظ سے جتنی ذات محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں موجود ہیں اتنی کہیں نہیں کہ علم، عمل، کردار، اخلاق، اطوار، معاملات، برتاؤ، تہذیب، حسن معاشرت، عدل انصاف، طرز گفتگو، رہن سہن، چنچگی۔ غرضکہ ہر طرح حق ہیں۔ گویا مکمل قرآن اور مکمل اسلام خود میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چالیس سال نبی کریم نے اپنے عمل سے قرآن مجید پیش فرمایا اور تیئس سال اپنے قول سے۔ تو اے

پیارے نبی فرما دو کہ اگر اب بھی تم مجھ سے دور ہی رہے تو میں تم کو اللہ کے عذاب سے ہرگز نہ چھڑاؤں گا نہ شفاعت کروں گا گا۔ کیونکہ وما انا علیکم بوکیل اور میں تمہارا کوئی ذمہ دار نہیں۔ کہ کل قیامت میں نہ تم میرے سامنے گڑگڑانا نہ فریاد کرنا۔ نہ تمہارا کچھ استحقاق مجھ پر قائم ہو سکے۔ نہ ہی تمہاری گمراہی کے بارے مجھ سے کچھ پوچھ گچھ ہو۔ مجھ کو تو صرف اپنے رب جل جلالہ کا یہ حکم ہے کہ واتبع ما یوحی الیک اور تم اسی راہ چلو جو وحی کی گئی ہے تمہاری طرف یعنی قانون خداوندی کی۔ عملی، قولی، تبلیغ فرمائے جاؤ۔ خیال رہے کہ امت پر واجب ہے کہ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرے۔ بجز انبیاء کسی کی پیروی جائز نہیں اگر چہ کوئی عالم ہو یا ولی۔ کیونکہ اتباع اور پیروی کہتے ہیں بلا سوچے سمجھے نقش قدم پر چل پڑنا۔ اور فطری طور پر بجز انبیاء ہر شخص کے اعمال و افعال میں لغزش ہو سکتی ہے۔ اسی لئے دیگر اکابر صرف اطاعت کا حکم ہے لیکن نبی علیہ السلام کی اطاعت کے علاوہ اتباع کا بھی حکم ہے۔ ہاں خود انبیاء کرام کو صرف کلام اللہ کے فرمودات کے مطابق اتباع یعنی تبلیغ وغیرہ کرنے کا حکم ہے اور یہ حکم اتنا اٹل ہے کہ اگر اس تبلیغ احکام خداوندی پر کفار کی طرف سے شدید تکالیف بھی پہنچیں تب بھی تبلیغ نہ چھوڑیں بلکہ واصبر حتی یحکم اللہ۔ اور صبر کئے رہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خود کوئی نیا حکم فرمائے۔ یعنی اے نبی کریم ابھی کچھ دن تو صرف عملی اور زبانی سمجھاؤ اور ان بیوقوفوں کی تکلیفوں پر صبر کرو۔ پھر جب سختی اور جہاد وغیرہ کا حکم فرمائے تو اس وقت کفار پر سختی اور اپنی قوت خداداد کا اظہار فرمانا تا کہ اس صبر سے کوئی شخص انبیاء کے متعلق بے ہمتی اور بزدلی کی رائے قائم نہ کر سکے مگر یہ سختی کا حکم ابھی نہیں وہ فیصلہ تو رب تعالیٰ کی اپنی حکمت پر بھی اس فیصلے کے مناسب وقت کو وہ خود ہی سمجھتا ہے کیونکہ وھو خیر الحاکمین۔ اور وہ اللہ تمام حاکموں سے اچھا حاکم ہے کہ اس کے تمام فیصلے وقت کے بالکل مطابق ہوتے ہیں اور اس میں کوئی خطا کا امکان بھی نہیں ہوتا اس لئے کہ ظاہر باطن، وجود، وعدم سب کو جانتا ہے۔ بخلاف دیگر فیصلہ کرنے والوں کے وہ جاہل و غافل بھی ہو سکتے ہیں۔ اور کم عقلی کے ساتھ ان کے فیصلوں میں غلطی یا جلد بازی بھی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا چاند سورج اور دیگر تمام مخلوق کی پیدائش۔ اور نافرمانوں کے عذاب کی تاخیر اور اولیاء اللہ کو عطاء قوت اور قوم نوح کی غرقابی اور فرعون کی مدت بادشاہت اور پھر اس کی غرقابی بنی اسرائیل کی ذلت پھر حضرت موسیٰ کے ذریعے ان کو عزت بخشا اور موسیٰ علیہ السلام کی قوت خداداد اور قوم یونس علیہ السلام کی قبولیت توبہ۔ یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پہنچانا اور محفوظ رکھنا پھر سب سے آخر میں حق بنا کر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنا۔ ان پر اپنے کلام اور دین کو مکمل فرمانا۔ ان کے گستاخ گمراہ کو ابدی جہنم دینا۔ غرضکہ سارے فیصلے جو سورۃ یونس میں مذکور ہوئے بالکل درست اور بروقت ہیں کیونکہ اسی خیر الحاکمین کی طرف سے ہوئے۔ اس آیت میں نبی پاک اور صحابہ کو تسلی دینا مقصود ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہم نے اس آیت کو منسوخ کہا ہے۔ اس کی ناسخ آیات قتال ہیں خیال رہے کہ سورۃ یونس میں چار آیتیں منسوخ ہیں۔

**پہلی آیت:** انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم۔ اس کی ناسخ لیغفر لک اللہ ما تقدم (الخ) ہے

**دوسری آیت:** قل انتظروا انی معکم من المنتظرین۔ اس کی ناسخ سیف ہے۔

تیسری آیت: وان کذبوک فقل لی عملی۔ ہے اس کی ناسخ جہاد کی آیات ہیں

**چوتھی آیت:** یہ آخری آیت۔ واتبع ما یوحی۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** مسلمان کو چاہئے کہ ہر موقع پر اللہ کا بھروسہ اپنے لئے سہارا بنائے اور پختہ عقیدہ رکھے کہ سب کچھ اللہ ہی دینے والا ہے اگرچہ کسی ذریعہ سے دے۔

**دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نقصان نہیں دیتا۔ بندہ خود گناہ کر کے رب کو ناراض کر لیتا ہے تب اس کا قہر اور اس کی طرف سے تکلیف آتی ہے ہاں اللہ کی رحمت بلا معاوضہ خود بخود بندے کو عطا ہوتی ہے یہ فائدہ لہ کی جگہ لفضلہ فرمانے سے حاصل ہوا۔

**تیسرا فائدہ:** انبیاء کرام کی تبلیغ سے مومن کو فائدہ اور کافر کو نقصان ہوتا ہے کوئی مانے یا نہ مانے۔ اللہ تعالیٰ کو یا اس کے رسولوں کو کوئی فایدہ یا نقصان نہیں۔

**چوتھا فائدہ:** انبیاء کرام بہت قوت و ہمت والے ہوتے ہیں مگر اس کا مظاہرہ بغیر حکم الٰہی نہیں کرتے۔ کفار کی سختیاں ظلم تشدد محض اتباع حکم پروردگار کی بنا پر برداشت کر جاتے ہیں نہ کہ کمزوری کی وجہ سے۔ یہ فائدہ فاصبر فرمانے سے حاصل ہوا۔

**اعتراضات:** اس آیت پر چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔

**پہلا اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ضرر اور نقصان کا ذکر فرمایا تو یمسس کا صیغہ فرمایا۔ اور خیر کے تذکرے میں ارادے کا ذکر کیا۔ حالانکہ سورۃ انعام کی آیت ۱۸ میں۔ ضر اور خیر دونوں کے لئے یمسسک ارشاد ہوا۔

**جواب:** اس کے دو جواب ہیں پہلا یہ کہ سورۃ انعام میں قانون کا ذکر ہے کہ کسی انسان پر ضر اور خیر واقع ہوتی ہے۔ وہاں وقوع ہی وقوع کا ذکر ہے دونوں ایک درجے پر ہیں لہٰذا دونوں کے لئے ایک مس کا لفظ مناسب ہے مگر یہاں نقصان میں وقوع کا ذکر ہے اور خیر میں رد کا اس لئے دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ لفظ استعمال ہوئے۔ دوسرا جواب یہ کہ یہاں نقصان کے ذکر میں فلا کاشف لہ الا ھو ہے۔ اور کشف کے لئے مکشوفہ شی کا ہونا ضروری ہے اس لئے یمسسک ارشاد ہوا لیکن رد کے لئے شی کے وجود کی ضرورت نہیں فقط ارادہ بھی رد کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ارادہ نقصان نقصان نہیں نہ اس کے لئے کشف کی حاجت مگر ارادہ خیر بھی خیر ہے اور اس ارادے کو لوٹانا ممکن تھا اس لئے فلا راد کہہ کر اس امکان کی نفی کر دی لہٰذا یہاں یرد کہنا بالکل مناسب ہے اور کشف کے لئے شی کا وجود ضروری ہے اس لئے وہاں یمسسک ارشاد ہوا بخلاف سورۂ انعام کے کہ وہاں واقع کرنا مقصود ہے۔ نہ کہ فقط ارادہ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس کے ارادے کو بھی ٹالنے والا کوئی نہیں چہ جائیکہ وقوع نعمت کو۔

**دوسرا اعتراض:** اھتدی باب افتعال سے اور باب افتعال کی اصل خصوصیت ہے خود گیری اور اتخاذ ی خود۔ جس کا معنی ہوا خود ہدایت لے لے۔ حالانکہ اللہ کے سوا کوئی ہدایت نہیں دے سکتا جیسا کہ بہت سی آیات سے ثابت ہے۔

**جواب:** اھتدی کا معنی خود ہدایت لینا نہیں بلکہ ہدایت قبول کرنا ہے۔ ہدایت دینا اللہ کا کام ہے مگر ہدایت قبول کرنا اور

انبیاء کرام کی بات ماننا بندے کا اپنا اختیار ہے۔

**تیسرا اعتراض:** وحی قرآنی آیات کا نام ہے۔ اور قرآن کریم تو صرف متقیوں کی ہدایت کے لئے ہے۔ نبی کریم تو پہلے ہی ہدایت یافتہ ہیں تو پھر آپ ﷺ کو واتبع ما یوحی کا حکم کیوں دیا گیا۔

**جواب:** وحی کا لغوی ترجمہ ہے مطلقاً پیغام دینا اور اصطلاح شریعت میں رب کے پیغام کو وحی کہا جاتا ہے اگر یہ پیغام غیر نبی کی طرف ہو تو الہام کہلاتا ہے۔ اگر نبی کی طرف بذریعہ جبرئیل ہو تو وحی جلی یعنی قرآن پاک۔ اگر بلا واسطہ جبرئیل ہو تو وحی خفی یعنی حدیث شریف۔ اور یہ بات پہلے تفسیر میں بتادی گئی کہ انبیاء کی اتباع تبلیغ ہے۔ خواہ وہ حکم جس کی تبلیغ کرنی ہے بشکل قرآن ہو یا حدیث۔

**تفسیر صوفیانہ:** صوفیاء عظام فرماتے ہیں کہ ویسے ہر مومن کو ہر معاملے میں اللہ ہی کا بھروسہ چاہئے لیکن خصوصی طور پر منزل طریقت اور راہ معرفت کو طے کرنے والوں پر تو اشد لازم ہے کہ ہر وقت اسی رب ذوالجلال کی بارگاہ میں سربسجود ہے۔ اور شکر پروردگار میں صلاۃ دائمی کا نمونہ اتم پیدا کرے۔ کہ یہ نازک رشتہ ہے ٹوٹتے دیر نہیں لگتی ذرا سی کوتاہی ہزاروں نقصان مرد مومن کو پہنچا سکتی ہے۔ تمام زیست وحیات اور تمام محرکات ازلیہ وابدیہ اسی کے قبضہ جلال میں ہے ہر روح وجسم، قلب ونفس، ہمت وعقل، کفایہ واستغراق کے قدرت بحر کی لہر ہے۔ ان پر اسی کے فیصلے اور قدرتیں جاری وساری ہیں۔ اس کی ہر مشیت سے نفع نقصان کا امتحان ہے اسی رب قہار کا قبض ضرر ہے اور اسی رب کریم کے ارادہ محبوبانہ اولیاء کی فضیلت ہے۔ پس لائق ہے کہ مرد کامل بجز اس کے کسی غیر کو نہ دیکھے اگر وہ حجاب کے نقصان کو وارد کرے تو کوئی کھولنے والا نہیں بجز اسی کے انوار وصال کا ظہور اور اگر اے بندے مومن تجھ پر جہاں جہاں آرا کے ظہور سے خیر کثیر کا ارادہ فرمائے تو کوئی اس کے وصال کے فضل کو کسی سبب یا علت روکنے یا چھیننے والا نہیں۔ جو اس کے وصال ازلی سے مختص ہوا۔ کسی شی سے محجوب نہیں ہو سکتا۔ کسی شقاوت قلبی کا پردہ اس پر نہیں آ سکتا۔ مگر ایسی خوش نصیبی ہر ایک کو میسر نہیں آ سکتی بلکہ یصیب به من یشاء من عباده۔ اپنے عارفین کاملین میں سے جس کو چاہے اس کو لقاء محبوب کا تمغہ عطا ہو۔ اس لئے کہ اولیاء اللہ ہی قباء عصمت کے تحت ہیں۔ اس کے طوفان قہر سے محفوظ ہیں انہیں کے ساتھ اس کے جمال کا رحم اور وصال الٰہیہ کی پناہ ہے منزل حق اور رغبت اور رہبت کا راستہ یہی ہے کہ بندہ یقین سے سمجھے کہ ضار اور نافع فقط وہی ذات ہے اے حبیب کائنات کے بدنصیبوں اور خوش نصیبوں سے فرمادو کہ تمہارے رب کی طرف سے حق یعنی انوار ازلی ذات محمد مصطفیٰ وصفا احمد مجتبیٰ آگئی جو اپنے رب کے حقائق کی کامل تعبیر ہے اور تجلی ذات ہے اس کی صفات میں اور تجلی صفات ہے اس کے فعل میں۔ یہی وہ حق ہے جو عارفوں کے سینے کو مشکوۃ چراغ ابدی بنانے والا ہے اسی نور سے ہر مبارک انسان برکات تجلی پانے والا ہے۔ مگر ہر محروم سے یہ نور دور ہے۔ پس جس نے اس نور کے قرب سے ہدایت معرفت حاصل کرلی تو اس کا ہی فائدہ ہے۔ اور جس نے منکرانہ حجاب کی بنا پر دوری اختیار کی اور اس لذت بے بہا سے جاہل رہا تو اس کی جہالت کا وبال اسی پر ہے کیونکہ ردائے کبریائی۔ معرفت عارفین۔ اور جہالت جاہلین سے پاک منزہ اور بے پرواہ ہے۔ نہ جاہلوں کی جہالت سے اس کا نقصان اور نہ عارفوں کی معرفت سے

اس کا فائدہ۔ بس ہدایت وگمراہی کا متولی وہی اللہ وحدہ لا شریک وما انا علیکم بوکیل۔ میں تمہارا ذمہ دار نہیں۔ میں تو فقط گلشن معرفت کا مالی ہوں اور دنیا و دین۔ عرفان و اتفاق کی نعمتیں بانٹنے والا ہوں۔ دینے والا وہی ہے۔ مگر بانٹ میرے دروازے سے ہوگی بس جو آ گیا بارگاہ رسالت میں وہ پا گیا۔ جو نہ آیا وہ محروم اور کسی سے مواخذہ نہ ہوگا۔ اے قرب حق کے متوالو تمہارا کام یہ ہے کہ میری اتباع کرو اور مجھ کو حکم ہے کہ واتبع ما یوحی (الخ) اتباع کرو اس کی جو وارد ہو آپ ﷺ کے قلب پاک پر ازلی خطاب سے۔ اور جب تم اس خوشبو لذت وصال حاصل کرو تو اسی کے قیام پر صبر کرو۔ اور زیادتی وصل کی خواہش میں اضطراب نہ کرو۔ یہاں تک کہ رب ذوالجلال خود اپنے مشاہدے سے فراق کے پردے ہٹادے اور اے پیارے حبیب آپ کی بدولت عارفین محبوبین مشتاقین اس خوشبو مستانہ سے سرشار ہو کر حجاب کی تکلیف وہ بلاؤں سے بچ جائیں ہمیشہ کے لئے یہ ہے بہتر لذت آفرین فیصلہ اس ذات واحد کی طرف سے جو سب حاکموں سے اچھا حاکم ہے۔ اس طرح کہ تفریق فرماتا ہے اپنے دوست اور دشمن کے درمیان۔ اور ازلی محروموں کی اذیت سے اہل معرفت کو حاصل کر لیتا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک اتباع پر صبر یہ ہے کہ نفس وعقل کی تدبیروں سے کنارہ کش ہو جائے اسی سے نفس کی مکاریوں سے نجات اور مخالفت حق کی موت ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔ (عرائس۔ بیان۔ مواہب)

## بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ ھود مکی ہے یعنی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی مگر اس کی چار آیات مکی نہیں مدنی ہیں (۱) اقم الصلوۃ طرفی النہار (الخ) (۲) فلعلک تارک بعض ما یوحی الیک (الخ) (۳) اولئک یومنون بہ (الخ) (۴) ان الحسنات یذھبن السیئات (الخ) چونکہ پہلی آیت کا مدنی ہونا مختلف ہے اس لئے حقفا مدنی صرف چار آیات ہیں اس میں کل آیات ایک سو تیئس ہیں اور دس رکوع اور ایک ہزار چھ سو کلمات۔ اور نو ہزار پانچ سو ستاسٹھ حروف ہیں۔ اس سورت میں سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ حضرت ھود علیہ السلام کا ذکر ہے اس لئے اس کا نام سورۃ ھود رکھا گیا۔ لفظ ھود غیر منصرف ہے عجمی اور علم ہے۔ اس سورت میں قیامت حشر نشر اور عذاب عتاب اور غضب الٰہی کا بہت ذکر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ صدیق اکبرؓ نے ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اتنی جلدی بوڑھی کس طرح ہوگئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو سورۃ ھود۔ واقعہ مرسلات عم یتساءلون۔ اذا الشمس کورت۔ الحاقۃ اور ھل اتاک حدیث الغاشیۃ نے بوڑھا کر دیا اللہ اکبر کتنا غم ہے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گناہگار امت کا جس کا ذکر اور نافرمانیوں کی سزا کا تذکرہ ان سورتوں میں آرہا ہے۔ سورۃ ھود میں تین آیتیں منسوخ ہیں پہلی آیت من کان یرید الحیات الدنیا وزینتھا (الخ) اس کی ناسخ سورۃ بنی اسرائیل کی یہ آیت ہے من کانا یرید العاجلۃ (الخ) دوسری آیت وقل للذین لا یومنون اعملوا علی مکانتکم (الخ) اس کی ناسخ آیت جہاد ہے۔ تیسری آیت وانتظروا انا منتظرون (الخ) اس کی ناسخ بھی آیت جہاد ہے واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔ ایک روایت ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔

اٰیاتہا ۱۲۳ ۱۱ سُوْرَۃُ هُوْدٍ مَّکِّیَّۃٌ ۵۲ رکوعاتہا ۱۰

سورت ہود مکیہ ہے اس میں دس رکوع ایک سو تئیس آیتیں اور ایک ہزار چھ سو کلمے ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سے نام اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا ہے

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ

یہ کتاب ہے حکمت دی گئی ہیں اس کی آیتیں پھر تفصیل کی گئی سے طرف

یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں حکمت بھری ہیں پھر تفصیل کی گئیں

حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝۱ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ

حکمت والے خبر والے یہ کہ نہ عبادت کرو تم مگر اللہ بیشک میں لیے تمہارے

حکمت والے خبردار کی طرف سے کہ بندگی نہ کرو مگر اللہ کی بے شک میں تمہارے لیے اس

مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝۲ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ

سے اس ڈر اور خوشی سنانے والا ہوں اور یہ کہ بخشش مانگو تم رب اپنے پھر

کی طرف سے ڈر اور خوشی سنانے والا ہوں اور یہ کہ اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی

تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

توبہ کرو تم طرف اس کے نفع دے گا وہ تم کو نفع دینا اچھا مدت مقرر

طرف توبہ کرو تمہیں بہت اچھا برتنا دے گا ایک ٹھہرائے وعدے تک

وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّىْٓ

اور دے گا ہر والے فضل فضل اس کا اور اگر پھر جاؤ تم پس

اور ہر فضیلت والے اس کا فضل پہنچائے گا اور اگر منہ پھیرو تو میں تم پر

| |
|---|
| اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ كَبِیْرٍ ③ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ |
| بیشک میں ڈرتا ہوں پر تم عذاب دن بڑے طرف اللہ لوٹنا ہے تمہارا |
| بڑے دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں تمہیں اللہ ہی کی طرف |
| وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ④ |
| اور وہ پہ ہر چیز قادر ہے |
| پھرنا ہے اور وہ ہر شے پہ قادر ہے |

**تعلق:** اس سورت کا پچھلی سورت سے چند طرح تعلق ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی سورت میں علمی اور عقلی بحثوں سے کفار کو سمجھا گیا تھا جس سے زیادہ تر پڑھے لکھوں نے سمجھ حاصل کی اس سورت میں مثالوں سے سمجھایا جارہا ہے تاکہ کم عقل بھی سمجھ لیں۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی سورت میں اس نبی علیہ السلام کا ذکر تھا جو غیر قبیلے میں تبلیغ فرمانے آئے اور ان کی قوم ان کے خاندان کے علاوہ تھی اب اس آیت میں اس نبی کا ذکر پاک ہے۔ جو اپنے علاقے سے دوسرے علاقہ عرب میں تبلیغ کرنے تشریف لائے اس طرح کہ قوم سیریا میں پہلی مرتبہ نبی حضرت یونس تشریف لائے اور عرب میں پہلے نبی حضرت ہود مبعوث ہوئے۔ اس مناسبت سے سورۂ یونس کے بعد سورۂ ہود کو ترتیب دیا۔

**تیسرا تعلق:** سورۂ یونس کے گیارہ رکوعوں میں صداقت وحی پر علمی دلائل اور تاریخی واقعات کا ذکر ہوا جس سے کسی کسی کو سبق اور عبرت حاصل ہوتا ہے۔ یہاں عام مثالیں دے کر دلائل عام فہم پیش کیے گئے۔

**چوتھا تعلق:** سورۂ یونس میں۔ پیار محبت اور نرم کلام درگذری سے سمجھایا گیا تھا۔ یہاں شدت۔ عتاب اور جھڑک سے سمجھا جارہا ہے کہ جب نرم کلامی سے منکر کو اثر نہ ہو تو عتاب وسختی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ اس طرح سورہ یونس کے بعد یہ سورت عین مناسب ہے۔

**پانچواں تعلق:** سورۂ یونس میں حضرت نوح کا ذکر بہت ہی مختصر اور اجمال کے ساتھ آیا تھا اس سورت میں واقعات نوح علیہ السلام بہت تفصیل کے ساتھ ذکر ہوئے اتنی تفصیل کسی اور جگہ مذکور نہیں ہوئی۔ سورۂ یونس اور سورۂ ہود میں یہ مناسبت بھی ہے کہ اس کے ابتدائی کلمات الر تلک ایات الکتاب الحکیم۔ اور سورۂ ہود کے ابتدائی کلمات الر کتاب احکمت ایتہ۔ معنی سر امقصد آبالکل ایک جیسے ہیں۔

**تفسیر نحوی:** الر اس لفظ کے بارے میں قرا اور علماء نحو کے بہت سے مختلف اقوال ہیں چنانچہ تفسیر روح البیان نے تاویلات سے قول نقل فرمایا کہ الر کا معنی ہے ھذا السورہ۔ یعنی یہ سورت۔ روح المعانی نے سیبویہ اور خلیل نحوی کے حوالے سے

فرمایا کہ یہ سورت کا نام ہے۔ تنویر المقیاس نے فرمایا۔ الرا کا معنی ہے میں اللہ ہوں دیکھتا ہوں بعض نے کہا یہ قسم ہے۔ اور اس کا معنی ہے۔ اقسم بہ میں قسم کھاتا ہوں۔ تفسیر ابو اللیث میں ہے کہ الف سے مراد آلاء رب تعالیٰ یعنی نعمتیں اور لام سے مراد لطف اور اس سے مراد ربوبیت خداوندی۔ ان ہی مطالب و معانی کی بنا پر اس لفظ کو مختلف پیرائے سے ترکیب نحوی میں شامل کرلیا ہے چنانچہ امام رازی نے اس کو مبتدا بنایا اور کتب اس کی خبر ہے۔ انوار التنزیل نے کہا یہاں ھذا پوشیدہ ہے مگر یہ سب اختراعی باتیں ہیں صحیح تر یہ ہے کہ یہ حرف مقطعات میں سے ہیں اور اس کا مطلب قول امام حنفیہ کے مطابق مخلوق میں صرف محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں۔ کتاب نکرہ ہے اور تنوین تعظیم کی یعنی بہت بڑی کتاب ترکیب نحوی کے اعتبار سے موصوف ہے اور اگلی عبارت اس کی صفت ہے۔ پورا جملہ توصیفی ھذا مبتدا کی خبر ہے۔ یہی زجاج نحوی نے کہا۔ ان کا یہ قول صحیح ہے کہ آلرا مبتدا نہیں بن سکتا۔ اگرچہ ان کی دلیل غلط ہے کہ مبتدا ہونے کی شرط یہ ہے کہ خبر اس میں محصور ہو۔ حالانکہ مبتدا کی یہ شرط نہیں امام رازی نے زجاج کے اس قول کو صرف اسی دلیل کی بنا پر رد کردیا۔ یہ امام رازی کی لغزش ہے۔ کیونکہ دلیل کی غلطی سے اصل قول غلط نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کی صحت پر اور بھی دلائل ہیں جن میں سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ حروف مقطعات ہیں ان کا ترکیب نحوی سے کوئی تعلق نہیں۔ ترکیب شروع ہوتی ہے کتاب سے کتاب کتب سے مشتق ہے۔ اس کے بہت سے معنی ہیں (۱) کتاب بمعنی مکتوب بھی لکھی ہوئی چیز (۲) واجب و لازم قانون (۳) کتاب بمعنی حکم یا زبردست شاہی فرمان یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں۔ احکمت، حکم سے مشتق ہے۔ فعل ماضی مجہول۔ اصول فقہ کے لحاظ سے ظہور کے آخری درجے کو محکم کہتے ہیں وہی یہاں مراد ہے۔ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر۔ نحاۃ کے نزدیک حقاثم تراخی کے لئے آتا ہے تراخی تین قسم کی ہے (۱) تراخی مکان (۲) تراخی زمان اوقت (۳) تراخی حال۔ یہاں تراخی حال مراد ہے (مدارک، کبیر) جیسی کہا جاتا ہے زید امیر ہے پھر سخی بھی ہے۔ فصلت میں دو قرئتیں ایک یہ کہ یہ صیغہ واحد مونث اس کا نائب فاعل کتاب کی ضمیر ہے۔ یہی جمہور قرأت ہے دوسری یہ کہ یہ واحد متکلم کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل باری تعالیٰ ہے۔ اسی طرح احکمت کی بھی دو قرئتیں ہیں۔ ہر دو قرئت میں باب تفعیل ہے اور فصل سے مشتق ہے بمعنی پورا کھول کر بیان کرنا۔ من حرف جر بیانیہ ہے۔ لدن اسم ظرف مبنی ہے اس کے آخر پر کوئی حرکت نہیں ہوسکتی۔ یہ بالکل ابتداء کے لئے آتا ہے خواہ ابتدا زمانی ہو یا مکانی بخلاف عند اور لدی کے کہ وہ مقصد کے ابتدا کے لئے بھی آجاتے ہیں اور انتہاء وغیرہ کے لئے بھی۔ حکم یا حکمۃ سے مشتق ہے اسی طرح خبیر بھی مبالغہ ہے خبر سے مشتق۔ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ لدن کے مضاف الیہ میں۔ بعض نے فرمایا یہ آپس میں موصوف صفت ہوکر مضاف الیہ ہے پھر یہ مکمل عبارت جملہ عاطفہ ہوکر صفت ہے کتاب کی الا تعبدو الا اللہ۔ الا دراصل ان لآ تھا یہ ان ناصبہ تعلیلیہ ہے یہ پورا جملہ علت ہے اور پہلا جملہ معلول ہے۔ بعض کا قول ہے کہ ان تفسیر یہ ہے اور مابعد مفسر ہے ماقبل فصلت کا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ علیحدہ جملہ ہے۔ ماقبل سے منقطع ہے۔ مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور ان سے پہلے لام جارہ پوشیدہ ہے۔ پوری عبارت لئلا تھی۔ نعبد اعبد مصدر سے مشتق ہے جمع حاضر کا صیغہ ہے۔ فعل نہی کی ممانعت سب انسانوں کو ہے الا بمعنی غیر ہے نہ کہ استثناء کے لئے لفظ اللہ اسم ذاتی ہے۔ تمام صفات

خصوصیہ وغیر خصوصیہ کا جامع ہے (مناظرہ رشیدیہ ص ۳) صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ جامد ہے انی لکم منہ نذیر و بشیر ۔ ان محض تاکید کے لئے ہے یا ء متکلم سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لکم میں لام نفع کا ہے۔ کم ضمیر سے مراد بھی تا قیامت سب انسان ہیں۔ من جارہ ابتداء مقصد کے لئے ہے۔ ہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے یہ جار مجرور۔ نذیر و بشیر۔ نکرہ کی صفت ہے تقدم سے حصر کا بھی فائدہ ہوا اور حال کا بھی۔ بعض نے فرمایا من حرف جار میں صلہ کے معنی پیدا ہیں۔ اور ہ کا مرجع یا اللہ تعالیٰ ہے یا کتاب۔ نذیر مبالغہ ہے نذر سے مشتق ہے۔ بمعنی یقینی مصیبت سے ڈراتا واؤ عاطفہ ہے۔ بشیر بشر سے مشتق ہے۔ اسی سے ہے بشارت۔ ہر آنے والی اچھی چیز کی اچھی خبر دینا و ان استغفروا ربکم واؤ عاطفہ ہے۔ اس کا عطف الا تعبدوا (الک) پر ہے۔ یہ جملے کا جملے پر عطف ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معطوف علیہ معطوف کے درمیان فاصلہ اجنبی سے جائز ہے۔ یہ بھی واضح ہوا کہ نفی کا عطف ثبوت پر اور اس کا عکس جائز ہے۔ ان مصدر یہ ہے قواعد نحویہ کے مطابق۔ فعل امر۔ نہی نفی ثبوت سب مضارعوں پر آ سکتا ہے۔ استغفروا امر حاضر غفر سے مشتق ہے۔ لغوی معنی چھپانا ہے۔ یہاں مراد گناہ چھپانا یا بخشنا مٹانا ہے۔ باب استفعال میں آ کر طلب کے معنی پیدا ہوئے۔ ربکم۔ رب اسم صفاتی ہے۔ ربوبیت صفت لطف ہے نا کہ قہر۔ کم میں ہر انسان کافر، گناہگار اور نیک شامل ہیں ثم توبوا الیہ ثم حرف عطف تراخی زمانی کے لئے ہے فرا نحوی کہتے ہیں کہ ثم بمعنی واؤ عطف ہے اور عطف تفسیری ہے۔ بعض نے کہا کہ تراخی رتبی ہے توبوا توب سے مشتق ہے۔ بمعنی رجوع کرنا۔ امر حاضر کا صیغہ ہے۔ الیہ الی جار انتہا غایت کے لئے ہے اس کا مغیہ ہ ضمیر کا مرجع ذات الٰہی ہے یمتعکم متاعا حسنا الی اجل مسمی ویوت کل ذی فضل فضلہ ۔ یمتع باب تفعیل کا مضارع معروف جمع سے مشتق ہے بمعنی نفع دینا الا تعبدوا سے توبوا تک تمام امر نہی کے صیغوں کا جواب ہے اور ف جزائیہ یہاں پوشیدہ ہے۔ جس نے اس کو جزم دے دیا۔ متاعا موصوف ہے حسنا صفت اور مرکب توصیفی ماقبل فعل کا مفعول مطلق ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ مفعول بہ ہے اس لئے کہ متاع خود دنیا کی سامان آسائش کا نام ہوتا ہے۔ الی انتہاء کے لئے ہے اس کا ملجا اجل بمعنی مدت سے مسمی اسم مفعول ہے وسم یا سمو سے مشتق ہے۔ لغوی ترجمہ ہے نام رکھنا یا نشان لگانا۔ یہاں مراد ہے مقرر کی ہوئی مدت جو بھی ہو۔ ویوت واؤ عاطفہ ہے۔ اس کا معطوف الیہ سابقہ فعل یمتعکم ہے یوت دراصل یوتی فعل مضارع معروف تھا۔ عطف کے جزم سے یاء آخری گر گئی۔ اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے یہاں زمانہ مستقبل مراد ہے کل مفعول بہ عموم نوعی کے لئے ہے ذی حالت جر میں ہے اسماء ستہ مکبرہ سے ہے فضل کا مضاف ہے فضل سے مراد ثواب ہے ہ کا مرجع یا تو ذی فضل ہے تب دونوں فضل سے مراد ثواب ہے یا اس کا مرجع پہلا فضل ہے تب پہلے فضل سے مراد نیکی اور دوسرے سے مراد ثواب یا اس کا مرجع اللہ ہے تب بھی دونوں فضل سے ثواب مراد ہو سکتا ہے۔ فضل نکرہ ہے حالت جری میں اضافت کی وجہ سے ہے۔ فضلہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے۔ اس کا عامل، یوت ہے یہ پوری عبارت ویوت کل سے۔ قضیہ موجبہ کلیہ تقیدیہ ہے وان تولوا فانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر ۔ واؤ سر جملہ ان حرف شرط تو لوا فعل ماضی مطلق معروف ولو سے مشتق ہے۔ بعض کے نزدیک۔ جمہور نحاۃ کہتے ہیں کہ ولی سے مشتق ہے۔ باب تفعل ہے اور یہاں سلبی معنی پیدا ہیں۔ یعنی ولی کے معنی ہیں اچھی دوستی لگانا۔ تولی کے معنی دوستی چھوڑنا۔

باب تفعل کی چھ خصوصیات میں سے ایک سلب ہے۔ وہی یہاں ہے فانی میں ف جزائیہ ہے۔ ان نے تاکید بتائی یاء متکلم کا مرجع رحمت عالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اخاف متکلم مضارع خوف سے بنا ہے خوف کے معنی خوف کرنا یا خوف دلانا یہاں دونوں بن سکتے ہیں علیکم علی حرف جار مخالفت کے معنی میں ہے۔ یعنی تمہارے حق میں وہ نہیں ہے۔ کم سے مراد مخاطب کافر ہیں۔ عذاب سے مراد سزاء اخروی ہے مفعول بہ ہے اخاف کا۔ یوم کبیر موصوف صفت ہیں۔ کبیر مبالغے نے بتایا کہ ہمیشہ بڑا رہنے والا دن ہے۔ الی اللہ مرجعکم۔ الی بیان انتہا کے لئے ہے یہ جملہ علت یا سبب ہے انی اخاف کا یہ انتہاء زمانی کے لئے ہے نہ کہ مکانی۔ کیونکہ اللہ کریم انتہاء مکانی سے پاک ہے۔ مرجع جیم کے فتح سے اسم ظرف ہوتا ہے۔ اور جیم کے زیر سے مصدر میمی ہے یہاں یہی مراد ہے کم سے مراد کفار ہیں وھو علی کل شی ء قدیر۔ واؤ حالیہ ہے سر جملہ بھی ہو سکتا ہے ھو ضمیر واحد کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ علی جارہ فوقیت کے لئے ہے۔ قضیہ موجبہ کلیہ ہے۔ کل بحالت جر ایجاب کا سور ہے شی ء بمعنی مشیت ہے۔ قدیر صیغہ صفت مشبہ ہے یعنی ہمیشہ قدرت وطاقت والا۔ خبر ہے ھو مبتدا کی۔

**تفسیر عالمانہ:** الرا۔ اس کا مطلب اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے الرحمن علم القران۔ رحمن نے قرآن پاک سکھایا القرآن استغراقی الف لام ہونے کی وجہ سے لازی بات ہے کہ پورا قرآن پاک سکھایا اور پورے میں تو یہ حروف مقطعات بھی ہیں پس ثابت ہوا کہ ان کا علم بھی اپنے رسول مکرم کو بتا دیا ورنہ نزول باطل ہو جاتا کتاب احکمت ایتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر۔ یہ ایسی شان والی کتاب ہے کہ منظم ومضبوط کر دی گئیں اس کی تمام آیتیں پھر مکمل تفصیل کی گئی حکمت والے خبر والے کی جانب سے کتاب سے مراد قرآن پاک کیونکہ اس پر دو پیش (تنوین) تعظیم کے لئے ہیں۔ یعنی بڑی جامع مانع کتاب ہر لحاظ سے مکمل ومعظمہ کتاب بجز قرآن کریم کوئی نہیں ہوئی۔ لفظ احکمت میں دو قرأتیں ہیں پہلی جمہوری قرأت تو یہی حمزہ مضمومہ کے ساتھ ہے۔ اس اعتبار سے مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک کی آیات کی چار خصوصی شانیں ہیں پہلی یہ کہ اس کی تمام آیات شاندار منظم اور بہترین ترتیب کے ساتھ نازل ہوئیں دوسری یہ کہ صحابہ کرام نے خصوصاً خلفاء راشدین کا مسلمانوں پر احسان عظیم ہے کہ قرآن پاک کو اسی ترتیب کے ساتھ لکھا جس ترتیب سے عرش اعظم پر قرآن مجید لکھا ہوا ہے۔ یہی وہ ترتیب ہے جس کا احترام نماز اور بیرون نماز کرنا واجب ہے۔ تیسری شان محکم ہونے کی یہ ہے کہ قرآن پاک کی کوئی آیت۔ سورت۔ بلکہ الفاظ وحروف بھی بے جوڑ و بے تعلق نہیں جس طرح کہ ہم اپنی اس تفسیر میں ہر آیت کے تحت تعلقات میں بیان کر دیتے ہیں۔ چوتھی شان خصوصی یہ ہے کہ قرآن پاک کا قانون۔ شریعت۔ مضمون۔ عبارت اتنے اٹل۔ مضبوط ومحکم ہیں کہ تا قیامت کوئی انسان۔ کوئی کتاب۔ کوئی حکمت۔ اس کے ایک حرف یا ایک چھوٹے اور معمولی استحبابی قانون کو بھی منسوخ یا ختم نہیں کر سکتی۔ بخلاف انجیل۔ زبور، توریت، اور دیگر کتب کے کہ وہ سب ختم ہو گئیں اور ان کی شریعتیں منسوخ کر دی گئیں۔ پانچویں شان۔ محکم ہونے کی اس طرح ہے کہ اس کتاب کو عطا کرنے والا اپنی توحید میں اور لینے والا اپنی محبوبیت۔ نبوت۔ رسالت میں، محکم ولازوال ہے کہ جب تک وحدہ لا شریک اللہ کی توحید باقی ہے اس وقت تک پیارے آقا کی محبوبیت ونبوت اور آپ ﷺ کا قرآن مجید۔ محکم۔ چھٹی شان یہ

ہے کہ کسی آیت کا اپنے مابعد قبل کوئی تناقض یا ٹکراؤ و مخالفت نہیں۔ ایسی کمال فصاحت و بلاغت ہے کہ جس کی کائنات دھر میں مثال نہیں ملتی آیات جمع ہے آیت کی بمعنی نشانی یہاں مراد ہے قرآن مجید کے فصیح الفاظ و مضامین و قصص یا احکام یا صفات علم ادب کے لحاظ سے آیت صرف اس کلام کو کہا جاتا ہے جو فصاحت میں کمال کے درجے کو پہنچا ہو۔ و ضمیر کی نسبت نے ثابت کر دیا کہ منزل فصاحت میں کمال کے درجے پر صرف رب العالمین کا ہی کلام ہے ثم کی تراخی جیسے کہ پہلے بیان ہوا ن و مکانی نہ زمانی بلکہ حالی ہے۔ یعنی دنیا بھر کے فصاحت و بلاغت اور علم کلام کے دعویدارو اور ملکہ خطاب و تصنیف رکھنے والو۔ تمہارے کلاموں خطابوں میں بیک وقت فقط ایک ایک شان اجاگر ہوتی ہے۔ مگر یہاں عظمت کتاب تو دیکھو کہ ہر آیت کے محکم ہونے کے ساتھ ساتھ فصلت ایسی مکمل تفصیل ہے کہ یہیں شریعت ہے یہیں طریقت۔ یہیں حقیقت ہے یہیں معرفت یہیں توحید ہے یہیں رسالت۔ یہیں علم بدیہی ہے جیسے قصص الانبیاء اور الفاظ قرآن کریم اور یہیں علم نظری ہے۔ جیسے اسرار قرآن معرفت الہیہ اور ملائکہ اور حقیقت محمدیہ یہیں علوم عملیہ ہیں۔ جیسے عبادات و ریاضات۔ یہیں علوم علویہ۔ اور پھر ایسی تفصیل ہوئی کہ صورت۔ سورت۔ آیت کی خوشبو علیحدہ ہوگئی۔ تفصیل کا یہ انداز بھی کتنا حسین ہے کہ آیات قرآنیہ کا نزول مختلف ضروریات و موقعوں پر ہوتا ہے جس سے آیت منزلہ کے بہت سے مطالب کی تفصیل صرف نزول سے ہی سمجھ آجاتی ہے۔ پھر طریقہ نول کو بجائے تحریر کے زبانی اور الفاظی شکل میں اختیار فرمانے سے کتنی بہترین تفصیل ہو جاتی ہے کہ بہت سے مقصد و معانی صرف طرز گفتگو سے سمجھ لئے جاتے ہیں یہ ہے وہ انوکھی تفصیل جو کسی اور کتاب یا تصنیف میں نہیں۔ یہ خصوصی شان صرف اس لئے ہے کہ من لدن حکیم خبیر۔ حکمت والے خبر والے اللہ کریم کی جانب سی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تھوڑے الفاظ میں حلال حرام۔ ترغیب و ترہیب۔ امر نہی وعد وعید۔ مواعظ و نصائح۔ نذارت و بشارت۔ نشانات و عجائبات القاب و خطابات کے بحر بے کراں سمو دیئے ہیں۔ اور حق و باطل کا اس طرح فرق کیا کہ کوئی لہر کسی بحر سے نہیں ٹکراتی۔ صاحب کشاف نے فرمایا کہ یہ احکمت اور فصلت متکلم کے صیغے سے ہیں مگر یہ درست نہیں الا تعبد الا اللہ۔ یہ تفصیل اس لئے کی گئی کہ تم اے دنیا والو اسی حکیم خبیر اللہ کی عبادت کرو۔ کسی اور کی طرف مت جھکو۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تفصیل آیات یہ ہے کہ تم نہ عبادت کرو مگر اللہ جل جلالہ کی۔ رہا میرا سوال تو یاد رکھو کہ انی لکم منہ نذیر و بشیر۔ اے قیامت تک کے انسانوں بے شک میں تم سب کو اپنے اللہ کی طرف سے ڈرانے والا ہوں اور خوشخبری دینے والا ہوں تم جہاں کہیں بھی رہو غاروں، صحراؤں بستیوں، دریاؤں میں مجھ کو معلوم ہے کہ تم میں سے کون ڈرائے جانے کے لائق ہے اور کون خوشخبری پانے کے لائق۔ میں اپنی رب کی طرف سے ایسا غیب دان با اختیار خبر والا اور مشاہدہ والا نذیر ہوں جانتا ہوں کہ جو کفر پر رہے گا اس کے لئے نذیر ہوں عذاب آخرت سے اور جو مومن متقی بن جائے اس کے لئے بشیر ہوں دنیا میں عزت و سکون کی بشارت اور آخری وقت خوشنودی باری تعالیٰ کی خوشخبری آخرت میں ثواب لازوال کی خوشخبری۔ لہٰذا بہتر اور فائدہ مند یہی ہے کہ بندے بن جاؤ ان استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ اپنے پچھلے کفر اور گناہوں کی بخشش مانگو اپنے پالنے والے سے پھر برے کام سے ہٹ کر اسی کی طرف لوٹ جاؤ۔ یا اس طرح کہ شرک و کفر سے استغفار کرو اور گناہوں سے توبہ۔ یا اس طرح کہ رب سے

بخشش مانگو اس کا طریقہ یہ ہے کہ توبہ کرو۔ اس صورت میں ثم واؤ تفسیر یہ کے معنی میں ہوگا۔ اور یا اس طرح کہ شرک اور گناہوں اور اعمال باطلہ سے بخشش مانگو پھر توبہ یعنی راہ نجات پر چلنے اور قائم دائم رہنے کی توفیق طلب کرو۔ فراء نے کہا کہ ثم بمعنی عاطفہ واؤ محض تاکید کے لئے ہے۔ استغفار اور توبہ ان کے نزدیک ہم معنی ہے۔ ربکم فرما کر صفت ربوبیت کا اظہار مقصود ہے۔ جس سے عظیم شفقت رحم کرم ثابت ہوتا ہے کہ اے بندو اس سے بخشش مانگو۔ اور اسی کے دین کی طرف لگ جاؤ اور اس کے ایسے بن جاؤ کہ اسی کا بولنا بولو۔ اسی کا کہنا سنو اسی کے دین کو شعار زندگی بنالو اس لئے کہ وہ ایسا کریم ہے کہ اس نے عالم ارواح و شکم مادر میں تمہاری ربوبیت فرمائی اور جب تم دنیا میں پیدا ہوئے تو تم دنیا میں کیسے بھی بن جاؤ۔ کافر یا مسلمان۔ فرماں بردار وہ اللہ یمتعکم متاعا الی اجل مسمی۔ ہر حال میں ہر قسم کا نفع عطا فرماتا ہے تم کو بے شمار نفع کی مقررہ مدت تک۔ علماء کرام فرماتے ہیں نفع تین قسم کا ہے (۱) نفع للدنیا۔ یہ صرف کفار کو عطا ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کی عیاشی کر لیتا ہے۔ مگر آخرت کے دروازے اس پر بند ہوتے ہیں (۲) نفع فی الدنیا یہ متقی مومن کو دنیاوی ساز و سامان سے میسر ہوتا ہے۔ اس طرح کہ وہ اپنی عبادت اخلاص تقویٰ اور سچی نیت سے دنیا کو بھی دین بنالیتا ہے اور اس متاع فانی کو باقی بنالیتا ہے۔ اس کے لئے پھر اپنی اجل کی قیدیں ختم ہو جاتی ہیں۔ ان دو نفعوں کا ذکر یہاں ہوا تیسرا نفع اخروی اس کا ذکر اگلی عبارت میں ارشاد ہوا ویوت کل ذی فضل فضلہ۔ اور عطا فرمائے گا ہر فضل والے کو اس کا فضل یا اس طرح کہ دنیا میں اس بندے مومن نے اپنے دن رات کو اللہ کے لئے وقف کر دیا۔ تو اللہ نے اس کے تھوڑے معمولی عمل میں اتنی برکت فرمائی کہ دنیا اس کو راحت قلبی میسر آئی۔ اور اس کا متاع قلیل اس کے لئے حقیقی فضل اعمال کی بدولت آخرت کا ثواب جنت کی نعمتیں عطا فرمائے گا جو صرف مومن کا حصہ فضل۔ یا اس طرح کہ متاع تو کسی چیز کا بدلہ بن سکتا ہے مگر فضل صرف کرم پر موقوف ہے بلا معاوضہ۔ یہ صرف پیاروں کو دیا جاتا ہے۔ نافرمان کفار کا اس میں کوئی حق نہیں یا اس طرح کہ صاحب عقل کو دنیاوی اعمال اخلاق و کمالات دیئے جاتے ہیں جس سے اچھا نفع پاتا ہے اور صاحب شعور کو کمالات روحانیہ عطا فرماتا ہے جو محض رب کریم کا فضل ہے۔ وان تولوا فانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر۔ اور اگر تم نے اپنے رب سے دوستی نہ لگائی منہ پھیر لیا تو بے شک میں اندیشہ کرتا ہوں تم نافرمانوں پر بڑے دن کے عذاب کا۔ یعنی اے لوگو اگر تم نے میرے یہ حکم (۱) عبادت الٰہیہ (۲) استغفار (۳) اور توبہ حقیقیہ نہ مانے اور میرے دین سے منہ پھیرا تو تم کو اب رب تعالیٰ کا سخت عذاب ضرور پکڑے گا۔ میں اپنی رحم دلی اور کریم طبیعت کی بنا پر تمہاری مصیبتوں سے اندیشناک بھی ہوں اور غمگین بھی۔ اور پھر وہ عذاب آج دنیا میں نہ ہوگا کہ یہ تو معمولی ہے۔ ڈھلتی دھوپ ہے۔ اترتی چاندنی ہے۔ راہ سفر ہے۔ روز زیست کا آخری حصہ ہے۔ موت کی شام ہونے والی ہے۔ وہ عذاب تو یوم کبیر کو ہوگا۔ جو بہت ہی بڑا ہے جس کا اول ہے آخر نہیں۔ ابتداء ہے انتہا نہیں (اے میرے کریم رب اپنے حبیب کے صدقے ہم سب مسلمانوں کو اس عذاب سے بچا۔ مجھ کو اور میری اولاد میری بیوی بہنوں بھائی کو بھی) بعض نے فرمایا کہ یہاں دنیا کی قحط سالی آفات و بلیات اور ذلت و خواری مراد ہے (کبیر، معانی، بیان) اے کافرو۔ یہ عذاب یقینی ہونے والا ہے اس سے بھاگ نہیں سکتے۔ کیونکہ الی اللہ مرجعکم اللہ کی طرف ہی تمہارا لوٹنا ہے۔ الی اللہ

کو مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی اور کسی طرف بھی نہیں جا سکتے۔ دنیا میں ہزاروں مفر ہوتے ہیں ہزاروں بچنے کے ذریعے لاکھوں حصول آرام کے واسطے ہوتے ہیں حق و باطل جدھر سینگ سمائیں انسان چلا جاتا ہے لیکن وہ دن ایسا ہے کہ خوشی سے ہو یا ناخوشی سے پیشی اسی کے حضور ہے۔ خوش قسمت ہے وہ جو ہنستا خوش ہوتا ہے اس کی بارگاہ میں جائے حدیث پاک میں آتا ہے کہ رب کا ارشاد ہے جو ایک بالشت میری جانب بڑھتا ہے۔ میں دو بالشت اس کی جانب آتا ہوں (اربعہ تفاسیر) اور تم میں سے کوئی یہ بھی گمان نہ کرے کہ کوئی اس کے عذاب سے جبراً تم کو چھڑا سکے یا وہ عذاب نہ دے سکے ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ نافرمانوں کو پوری سزا دے گا اس لئے کہ وھو علی کل شیء قدیر۔ اور وہ اللہ اپنی ہر مشیت اور ارادے پر قادر ہے۔ اور یہ قدرت دنیا میں بھی ہے آخرت میں بھی اول سے آخر تک ازل سے ابد تک قدیم ہے۔ وہ قادر ہے کہ اپنے پیاروں کو انعامات سے اور دشمنوں نافرمانوں بدکاروں کو عذاب سے نوازے۔ وہی بدیع ہے متصرف فی الخلق ہے وہی مدبر تدبیر ہے نہ اس کی قضا کو کوئی دفع کرنے والا ہے نہ اس کی مشیت کو کوئی روکنے والا۔ پس سوچ لو کہ جب بندہ اتنا کمزور و حقیر ہو۔ اور مولیٰ اتنا قوی و قدیر ہو تو بندے کو کیا کرنا چاہئے اے میرے اللہ مجھ کو اور میری ذریت نسبت کو اپنے حصوں میں بچے جدے کی توفیق عطا فرما و اللہ و رسولہ اعلم۔

**فائدے:** اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** قوانین اسلامیہ ہر دور میں ہر انسان کے لئے یکساں مفید ہیں اور بہت آسان ہیں یہ جو بعض جہلا کہہ دیتے ہیں کہ معاذ اللہ اسلام پر پورا عمل نہیں کیا جا سکتا وہ قطعاً غلط ہے۔ یہ فائدہ حکمت کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

**تیسرا فائدہ:** نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر بہت محبت فرمانے والے ہیں۔ بلکہ غیر مسلموں اور کفار پر بھی شفقت فرماتے ہیں آپ ﷺ کو کسی انسان کی تکلیف گوارا نہیں انسانی ہمدردی آپ ﷺ کے قلب پاک میں بدرجہ اتم موجود ہے انگریز عیسائی یہودی یہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا (معاذ اللہ) وہ حقیقت کے خلاف محض اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں جھوٹا پرچار کرتے ہیں۔

**اعتراضات:** اس آیت کریمہ پر چند اعتراض وارد کئے جاتے ہیں۔

**پہلا اعتراض:** یہاں تو فرمایا گیا کتاب حکمت۔ یہ کتاب محکم ناقابل نسخ ہے حالانکہ قرآن کریم میں کل دو سو بارہ آیتیں منسوخ ہیں جن میں سے بعض کو خود قرآن کریم نے منسوخ فرمایا اور کچھ آیات کو حدیث پاک نے۔ پھر محکم ہونا کس طرح ہوا۔

**جواب:** اس کے دو جواب ہیں پہلا یہ کہ محکم ہونے کا مطلب ہے کوئی انسان یا کتاب اس طرح منسوخ نہیں کر سکتی کہ یہ شریعت ختم ہو جائے اس کی جگہ دوسری آ جائے جیسے کہ توریت و زبور سے ہوا۔ خود قرآن پاک یا حدیث پاک کا کسی آیت کو منسوخ کرنا۔ اس مطلب کے خلاف نہیں۔ اس طرح یہ محکم اور اس کا قانون تا قیامت اٹل اور آخری ہے۔ دوسرا جواب تفسیر کبیر نے دیا کہ زیادہ آیات غیر منسوخ ہیں بہت تھوڑی منسوخ ہیں پس للاکثر حکم الکل کے قاعدے سے گویا کہ یہ سب

ہی محکم ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ محکم سے مراد آیات صفات وقصص وعدل وخبر ہیں۔ یہ ہرگز منسوخ نہیں ہوسکتیں۔ پہلا جواب قوی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

**دوسرا اعتراض:** حدیث پاک میں نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔ دوسری حدیث حسن میں ہے انبیاء کرام کو سب سے زیادہ تکلیفیں آتی ہیں۔ پھر اولیاء اللہ کو پھر عام مومنوں کو درجہ بدرجہ۔ اسی طرح قرآن کریم میں ہے کہ اگر نہ ہوتی یہ بات کہ لوگ ایک امت ہیں تو ہم ان لوگوں کے لئے جو رحمٰن کے کافر ہوئے ان کے گھروں کی چھتوں کو چاندی کا بنا دیتے ان احادیث وآیات سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے خاص فرماں بردار بندے دنیا میں مصیبتوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ مگر یہاں بتایا جارہا ہے کہ متاعاً حسناً یعنی دنیا کی راحت وآرام سے نوازا جاتا ہے۔ آپس میں تعارض اور ٹکراؤ معلوم ہوتا ہے۔

**جواب:** یہ بات تفسیر عالمانہ میں بھی بتادی گئی یہاں بھی اور سمجھ لو کہ کافر کا متاع حسن دنیا کا ساز وسامان ہے۔ اس کو وہ دیا جاتا ہے۔ مگر مومن کا متاع حسن دنیاوی ساز وسامان نہیں بلکہ ذکر الٰہی عشق نبی محبت خداوندی۔ نماز روزے کی لذت۔ کیونکہ جس سے جس کو راحت اور آرام سکون حاصل ہو وہی اس کا متاع حسن ہے۔ اولیاء اللہ اور مومن کامل توکل علی اللہ اتنا پختہ ہوتا ہے کہ اس کو نہ دنیا کے جانے کا غم ہوتا ہے نہ آنے کا سرور۔ وہ اپنے ہی حال میں مست ومسرور رہتا ہے دنیاداروں کی طرح دنیا کے لئے مضطرب پریشان نہیں ہوتا۔ یہ سکون قلبی ہی اس کے لئے متاع حسن ہے۔ اسی کا نام حب اللہ ہے۔ اسی سے بندے کو حیات طیبہ میسر ہوتی ہے۔ (کبیر)

**تیسرا اعتراض:** اس آیت میں لفظ اجل مسمٰی سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر انسان کی دو موتیں ہیں کہ اگر نیک ہو تو اس وقت ہوگی اور اگر بد ہو تو اس وقت (معتزلی)

**جواب:** یہ غلط ہے ہرگز اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں ہر انسان کا زندگی و موت کا فیصلہ فرمایا ہے۔ کہ فلاں نیک کتنا عرصہ زندہ رہے گا اور فلاں بد کب تک تو دو قسم کی زندگی دو قسموں کے شخصوں کی حیثیت سے ہے نہ کہ ایک شخص کی دو زندگی (کبیر)

**چوتھا اعتراض:** منافع دنیا کا نام متاع کیوں رکھا گیا اور منفعت اخروی کو فضل کیوں فرمایا گیا

**جواب:** اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی دولت حقیقۃً حقیر ذلیل خسیس ہے کیونکہ قابل فنا ہے دولت اخروی باقی ہے اور بے حد و بے شمار ہے۔ اس لئے اس کو فضل فرمایا گیا۔ (تفسیر کبیر)

**پانچواں اعتراض:** استغفار کو مقدم کیا گیا اور توبہ کو موخر اس میں کیا حکمت ہے۔ حالانکہ توبہ مقدم ہونی چاہئے استغفار پر۔

**جواب:** اس کے تین جواب۔ پہلا یہ کہ استغفار میں طلب فعل ہے کیونکہ باب استفعال سے ہے۔ اور توبہ میں بندے کا اپنا فعل ہے۔ پس اللہ کی مدد و توفیق مقدم ہونا ضروری ہے۔ بعد میں بندے کا عمل ہوسکتا ہے۔ اللہ کی امداد کے بغیر کچھ نہیں ہو

سکتا اسی لئے یہاں استغفار میں شرک کفر کی گندگی سے نجات حاصل کرنا ہے اور توبہ میں رجوع الی اللہ ہے۔ استغفار کے مقدم کرنے میں اس حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے پاک و ستھرے ہو جاؤ پھر اللہ کی بارگاہ میں اطاعت کرتے ہوئے جاؤ۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ بقول قراء نحوی ثم تراخی کے لئے نہیں باقی بلکہ یہاں بمعنی واؤ عاطفہ ہے۔ اس قول سے اعتراض بالکل ختم ہو جاتا ہے (اسلئہ الرازی ص ۱۳۳)

**چھٹا اعتراض:** جب کہ بغیر استغفار اور بغیر توبہ بھی متاع دنیا مل جاتی ہے۔ اور فاسق و کافر دنیاوی ساز و سامان کی وسعت اور درازی عمر صحت وغیرہ حاصل کر لیتا ہے۔ جیسا کہ ابن عباسؓ اور ابن قتیبہؒ نے فرمایا۔ تو استغفار اور توبہ کا کیا فائدہ اور یہاں کیوں فرمایا گیا کہ توبہ استغفار سے متاع حسن ملے گا۔

**جواب:** اس کا ایک جواب تو ہم نے تفسیر عالمانہ میں عرض کر دیا کہ توبہ استغفار متاع حسن کا سبب نہیں بلکہ توبہ الی اللہ کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ کیوں اللہ کی طرف جاؤ؟ اس لئے کہ وہ تمہارا محسن ہے تم سب کو متاع حسن عطا فرماتا ہے۔ دوسرا جواب مسائل الرازی ص ۱۳۳ پر اس طرح یاد ہے کہ جمہور صحابہ و محققین فرماتے ہیں کہ سچا متاع حسن اور اصل نفع استغفار اور توبہ سے ہی ملتا ہے۔ وہ رزق حلال ہے جو صرف مستغفر تائب اور متقی کر دیا جاتا ہے۔

**تفسیر صوفیانہ:** تمام اولیات ازلیہ لائق ہیں اسی ذات الٰہیہ کو جو تمام لوازمات عبودیت کو پیدا کرنے والا ہے ازل سے واجب لازم ہیں اہل عبودیت پر ان اولین احکام کی اطاعت یہی اشارہ ہے الف اور لام سے ایسے ہی لازمی اطاعت کرنے والوں کو مشاہدہ ذات سے راحت ہے یہ اشارہ را سے۔ تاویلات نجمیہ نے فرمایا۔ الف سے اشارہ ہے۔ اللہ جو شائقین ذات کو مشاہدہ جمال سے نوازنے والا ہے اور مراد لام سے جبریل عشق ہیں جو واسطہ خالق و مخلوق ہیں (۲) را سے مراد رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی طفیل و برکت جمال یار کا آئینہ ہے۔ مگر یہ سب صوفیانہ اشارات ہیں۔ ان کی حقیقت رسول پاک ہی جانتے ہیں کہ وہی کائنات دھر میں اللہ کی مکمل کتاب ہیں۔ بعض نے فرمایا کتاب قلب محمد مصطفیٰ ہے۔ جس پر عظمت کی تو ین جلال الٰہیہ کا مظہر اتم ہے احکمت ایتہ اس کتاب قلب پاک کی آیات یعنی معجزات حقائق اور صفات قدسیہ۔ معانی و اسرار و لطائف باطنیہ کو اتنا محکم و مضبوط بنایا کہ ابد تک مشتاق الٰہیہ سیراب ہوتے رہیں۔ اور عالم کلیات میں اس طرح ہمیشہ ثابت قدم رہیں کہ نہ ماحول سے تبدیلی نہ زمانے سے تغیر نہ طوفانوں کی یلغار سے پاء ثبات میں لغزش نہ اغیار کی سازشوں سے کچھ فساد محکم اس شان کا کہ ہر نقص و آفت سے محفوظ (دین عربی۔ عرائس) ثم فصلت۔ باطن ایسا تھا کہ عالم کل میں شان ایت اللہ بن کر جلوہ گر ہوا۔ اور ظاہر ایسا ہے کہ عالم جزئی میں اور کائنات ماکان و مایکون کی جزی جز میں قدر معلوم و معین سے قلوب عارفین کی تفصیل کے لئے سمایا ہو (ابن عربی) روح عارف و قلب شائق میں ایسا تفصیل کیا گیا کہ ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے۔ یہ تفصیل اہل مشاہد و صاحب مکاشفہ کیلئے ہے تاکہ وہ احکام ربوبیت و عبودیت کو انوار حق کی کرنوں سے دیکھ کر عبادت الٰہی کی چاشنی حاصل کریں۔ یہی وجہ ہے لذت ذکر و عبادت صحابہ کی ہوئی وہ لذات اولیاء غوث و قطب بلکہ قطب الاقطاب کو نہیں مل سکتی۔ کیونکہ ان کی عبادت جمال جہاں آرا کی کرنوں سے چھن چھن کر گزرتی تھی من لدن حکیم

خبیر یہ کتاب۔ آیات اور تفصیل کلام ازلی سے ہے۔ جس کا متکلم قدیم۔ اپنی معرفت وحکمت سے عرفان کے لئے ذات محمد علیہ کو مصطفیٰ بنانے میں حکیم ہے۔ اور محبین کو عبودیت کی محبت کے وصف سے ان کی ہمت واستعداد کے مطابق مدارج قبولیت عطا فرمانے میں خبیر ہے۔ اور بعض نے فرمایا کہ قلب پاک محمد مصطفیٰ میں اسرار کی امانت رکھنے میں حکیم ہے اور اس کی تفصیل سے تعلیم دینے میں خبیر ہے۔ ایسا حکیم وخبیر کہ اس سے زیادہ شان والی تفصیل کوئی نہ کر سکے۔ اور ایسی تفصیل جو تقدیر۔ توقیت تدبیر وترتیب کے مدارج اعلیٰ پر ہے لہٰذا اے اسرار سرمدی کے طالبو الا تعبدوا الا اللہ شیطان۔ دنیا، ہوائے نفسی اور ماسوا اللہ کی عبادت نہ کرو۔ کہ نہ زبان نطق سے نہ زبان حال سے دلالت غیریت ہونہ کردار سے۔ اور اس معبود حقیقی کی عبادت میں غیر اللہ کی طرف قطعاً توجہ نہ کرو۔ اگر تم نے ایسا کوئی انی لکم منه نذیر میں اس کے فراق اور قبض کے بڑے قہر سے تم کو ڈرانے والا ہوں اور منزل شوق پر رواں دواں کو وصل الٰہی کے لطائف کی خوشخبری دینے والا ہوں۔ گویا کہ محرومین کے لئے فراق ابدی کا نذیر ہوں اور اہل شعور کے لئے وصل دوام کا بشیر ہوں۔ میں نشان قدرت ہوں اسی کی طرف سے جو حکیم وخبیر ہے۔ شرک جلی وخفی کا نذیر ہوں اور ثواب توحید کا بشیر ہوں۔ پھر حکم فرمایا مشاہدے کے خواہش والوں کو اور وصال پر فکر کرنے والوں کو طلب غیر سے نیت استغفار کرنے والوں کو اور اس کے قہر سے ہٹ کر لطف کی طرف رجوع چاہنے والوں کو۔ اور خواہشات کنارہ کر کے ارادہ اتباع حقیقہ کرنے والوں کہ وان استغفروا ربکم ثم توبوا الیه۔ بخشش مانگو راہ اسرار میں کوتاہیوں کی پھر توبہ کرو طلب انوار کے لئے۔ یا بخشش مانگو عمر کے ان دنوں کی جو طلب غیر اللہ وترک طلب اللہ میں گذرے۔ یا استغفار کرو ذلت سے اور توبہ کرو غفلت سے۔ کیونکہ۔ استغفار تقدیس ہے اور توبہ تخلیص کہا عرائس نے کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری سے کسی طالب مولیٰ نے پوچھا کہ وصل باللہ کا طریقہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ وصل الٰہی کے چار منازل ہیں۔ پہلا اجابت دوسرا اثابت۔ تیسرا توجہ چوتھا استغفار۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ استغفار ظاہری قالب سے اور انابت قلب سے ہوتی ہے اور استغفار تقصیرات کی ہمیشگی توبہ ہے امام یوسف نے فرمایا۔ استغفار تین قسم کی (۱) عوام کی گناہوں سے (۲) خواص کی ظاہر پر نظر رکھنے اور توجہ باطنی کے چھوڑنے سے (۳) اکابر کی ماسوئ اللہ کو دیکھنے سے۔ عارفین کی استغفار اس سے بھی وراء ہے کہ وجود حق کے ساتھ اپنے وجود کے بال سے بھی استغفار کرتے ہیں جب بندۂ کامل اس طرح کی استغفار سے پاک منزہ ہو جاتا ہے تو یمتعکم متاعا حسنا نفع دے گا تم کو اچھا نفع کہ مقامات سفلیہ سے مدارج علویہ کی طرف ترقی ہو گی اور مدارج علویہ سے بارگاہ علی الکبیر میں باریابی نصیب ہو گی جو بہت خوش بختی کا مقام ہے کہ وہیں سے انوار توحید صفائی احوال حلاوۃ اذکار فرحت رضوان ظہور لطائف لذت اذکار۔ عیش مشاہدہ ذات ہے اور اس سے بھی سوا ویوت کل ذی فضل فضله۔ اور عطائے فرمائے گا ہر مجاہدے والے کو بقدر ہمت طلب کرامات فضل وعنایات ازل کہ متاع حسن تو راہ سلوک کے حصہ ہیں اور سالک کا زاد سفر اور وصول رب کی ابتداء۔ اس لئے وہ اجل مسمیٰ مگر فضل کی اجلی کچھ نہیں۔ ہاں اے منزل عشق کے راہ نوردو یہ مقام صبر وہمت ہے۔ وان تولوا اور اگر طلب وصل سے ہمت ہار کر یا وسوسہ نفسانی کی وجہ سے منہ پھیر دیا اور سیر الی اللہ سے ہٹ گئے فانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر تو میں خوف کرتا ہوں تمہاری روانی ہلاکت کا

فراق اور قبض اور ظلمات حجاب کے نابرداشت ہونے والے دن کے عذاب سے۔ نافرمانی کی صورت میں تم اس عذاب سے بچ نہیں سکتے کیونکہ الی اللہ مرجعکم اللہ ہی کی طرف ہے تم محروم ومنصور کی آخری منزل۔ خوشی سے جاؤ یا ناراضی سے۔ خوش جانے والا کامیاب وکامران ہے۔ جبراً گھسیٹا جانے والا خائب وخاسر ہے۔ پھر تم مجبور و بے کس ہو گئے وھو علی کل شیء قدیر حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ ہر لطف وقہر پر قدرو قہر پر قادر ہے کہ سب دانش مندیاں، عقلیں۔ تدبیریں اس کے مقابل ہیچ ہیں۔

| |
|---|
| اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ |
| خبردار بیشک وہ لوگ دوہرے کرتے ہیں سینوں کو اپنے تاکہ پردہ کریں وہ سے اس |
| سنو وہ اپنے سینے دوہرے کرتے ہیں کہ اللہ سے پردہ کریں |
| اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ |
| خبردار جس وقت ڈھانپتے ہیں کپڑوں سے خود کو جانتا ہے اس کو جو چھپاتے ہیں |
| سنو جس وقت وہ اپنے کپڑوں سے سارا بدن ڈھانپ لیتے ہیں اس وقت بھی اللہ انکا |
| وَمَا يُعْلِنُوْنَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ |
| اور اس کو جو ظاہر کرتے ہیں تحقیق وہ جاننے والا ہے کو سینوں والی |
| چھپا اور ظاہر سب کچھ جانتا ہے بے شک وہ دلوں کی بات جاننے والا ہے |

**تعلق:** اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح ہے۔

**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو متاع حسن دیتا ہے اور نیکوں کو فضل دیتا ہے۔ جس کا مدار بندے کی نیت اور خلوص عمل پر تھا اور نیت قلبی چیز جس کا نیت والے کو پتہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس آیت میں ایک عجیب انداز سے اس چیز کو ثابت کیا جا رہا ہے کہ اللہ ہر بندے کے ظاہر و باطن کو بخوبی جانتا ہے اس سے نہ تمہارا قلب پوشیدہ ہے نہ قالب۔

**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس سے خیال گزرتا تھا کہ شاید سزا و جزا کی قدرت کا ہی تذکرہ ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس خیال باطل کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا کہیں وہ اللہ مطلقاً ہر چیز پر قادر ہے۔ یہاں تک کہ تمہارے ظاہر و پوشیدہ کو بھی جاننے پر۔

**تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں عذاب کا ذکر تھا اور عذاب جرم کے پتہ لگنے کے بعد ہوتا ہے تو اس آیت میں اس چیز کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر۔ پوشیدہ سب جرم جانتا ہے۔ لہٰذا عذاب دینے میں برحق ہے۔ گویا کہ یہ آیت پچھلی آیات کی علت ہے۔

**شان نزول:** ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت اخنس بن شریک کے متعلق نازل ہوئی جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آ کر بڑی شیریں اور لگاوٹ کی باتیں کرتا مگر دل میں عداوت نبی کریم سے بھرپور ہوتا ایک دفعہ اسی طرح وہ آیا تو اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت میں اس کی کیفیت ظاہری و باطنی کو تمثیلاً بیان فرمایا گیا۔ کہ یہ بے ہودہ لوگ اپنی بے دینی کو اس طرح چھپائے رکھتے ہیں جس طرح کپڑوں میں شرمگاہ۔ حالانکہ رب تعالیٰ سے جسم کا کوئی پوشیدہ حصہ نہیں اسی طرح قلبی دشمنی بھی چھپی ہوئی نہیں (خزائن) بخاری نے اپنے افراد میں دوسرا شان نزول بیان فرماتے ہوئے ایک حدیث شریف نقل کی۔ کہ غلبہ شرم و حیا میں مغلوب مسلمان۔ خلوت کی جگہ اور استنجاء گاہ میں بھی شرمگاہ کھولتے جھجکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے شرم کرتے ہوئے ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ اے بندو اتنا تکلف نہ کرو وہ تو خالق و مالک ہے اس سے کیا چھپ سکتا ہے وہ تو تمہارے کپڑوں کے اندر سے بھی تمہارے جسم کو دیکھتا ہے۔ پس ایسا جبر کر کے اپنی جانوں پر بوجھ نہ ڈالو۔ یہ شان نزول حق ہے۔ اس لئے کہ یہ آیت مکی ہے۔ اور مکہ مکرمہ میں کوئی منافق نہ تھا۔ حالانکہ اخنس منافق مدنی تھا۔ حضرت ابن عباس کا کہنا فقط تشبیہ کے لئے ہے ہو سکتا ہے نہ کہ شان نزول کے طور پر ایک صحیح قول یہ بھی ہے کہ مشرکین کی ایک جماعت مکے میں تھی جن کا طریقہ یہ تھا۔ ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (خازن) جن لوگوں نے ابن عباسؓ کا قول تسلیم کیا ہے وہ کچھ اس طرح تاویل کرتے ہیں کہ اگرچہ یہ آیت مکی ہے مگر اس میں منافق کی شناخت کرائی جا رہی ہے کہ وہ اس طرح کے ہوں گے بہر حال کلام کی نحی اس طرف بھی راجح ہے۔

**تفسیر نحوی:** الا انهم يثنون صدورهم ليستخفوا منه الاحرف تنبیہ اگلے کو شدید اور خطرناک ثابت کرنے کے لئے لایا جاتا ہے۔ ان حرفا کید۔ الا کے بعد ضرور آتا ہے۔ جس سے نحی کلام مزید ہو جاتی ہے۔ ھم سے وہی لوگ مراد ہیں جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی یثنون جمع غائب مضارع معروف کا صیغہ ہے۔ ثنی یا ثن سے مشتق ہیں ثنی کے معنی ہیں طبہ کرنا۔ مروڑنا اعراض کرنا۔ اور ثن ایک کمزور گھاس کو کہتے ہیں۔ عرب میں ایک چھوٹی بیل ہوتی ہے جس کو ثنا بلی کہتے ہیں۔ یہاں مراد ہے دل میں چیز چھپاتے ہیں۔ یا شرمندگی کی طرح سینے کو سمیٹتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی قرأت میں ہے تثنونی جمع مونث کے صیغے سے یہ مضارع ہے اس کا ماضی اثنو فی بروزن تفعو على تکرار عین یہ صیغے مبالغے کے وزنوں میں سے ہے۔ ایک قرأت میں ہے تثنون۔ یہ دراصل تثنون تھا۔ ثن سے مشتق ہونے کی صورت میں۔ مگر جمہوریت قرأت میں یثنون ہے جس کی اصل یثنیون تھی۔ عربی میں دو کو اثنان اسی لئے کہتے ہیں کہ ایک عدد اپنے پہلے واحد سے لپٹا ہوتا ہے۔ صدور جمع ہے صدر بمعنی سینے کی۔ صدر کے معنی نکلنا۔ یہاں صدر بمعنی ظرف مکانی ہے یعنی نکلنے کی جگہ۔ چونکہ سینے سے ہی ہر خیال و علم و یقین نکلتا ہے اس لئے عربی میں سینہ کو صدر کہتے ہیں صدر کے حقیقی معنی ہیں سامنا۔ مقابل مجازاً جسمانی سینے کو صدر کہتے ہیں کہ یہ بالکل صاف مثل میدان کے ہوتا ہے۔ صدورھم یثنون کی صورت میں حالت زبر میں ہے بوجہ مفعولیت اور تثنونی کی صورت میں حالت رفع میں بوجہ فاعلیت ھم سے مراد وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں یہ آیت اتری ہے یستخفوا۔ لام تعلیلیہ ہے۔ خفی سے مشتق ہے بمعنی چھپنا باب استفعال سے طلب کے معنی پیدا ہوئے یعنی چھپنا چاہتے ہیں اگرچہ کامیابی نہ ہو۔ فعل

مضارع معروف صیغہ جمع مذکر اس کا فاعل وہی لوگ ہیں جن کے لئے نازل ہوئی۔ اصل میں یستخفون تھا نون اعرابی لام جازمہ سے گر گئی۔ منہ میں بیان ہے اور ہ کا مرجع باری تعالیٰ الا حین یستغشون ثیابھم۔ الا۔ حسب سابق حرف تنبیہ ہے۔ دوبارہ ارشاد میں مزید تاکید ہے حین ظرف زمانی ہے اسم جامد مبنی ہے۔ یستغشون کے متعلق ہے۔ بعض نے کہا یعلم کے متعلق ہے (معانی) مگر یہ صحیح نہیں۔ یستغشون۔ غشی سے مشتق ہے باب استفعال کا مضارع ہے۔ ابن شداد کے بمعنی یلتحفون ہے۔ یعنی رات کو لحاف اوڑھتے ہیں ایک قول ہے کہ بمعنی یستغطون ہے یعنی لباس پہنتے ہیں۔ غشی کا لغوی معنی ہے چھپانا یا چھپنا۔ یہاں لباس پہننے کے معنی زیادہ درست ہیں کیونکہ ثیابھم اس کا مفعول بہ جمع ہے ثوب کی۔ مطلقاً کپڑے کو کہتے مگر قدیم جدید اصطلاح میں مخصوص عربی کرتے کو کہتے ہیں ھم ضمیر جمع غائب کا مرجع یستغشون کا فاعل ہے یعلم ما یسرون وما یعلنون۔ یعلم علم سے مشتق ہے اس کا لغوی ترجمہ ہے مطلقاً جاننا۔ خواہ ہو یا عطائی۔ یہاں عطائی مراد نہیں ہو سکتا یہاں ذاتی مراد ہے۔ جس کی کوئی تقسیم اور حد نہیں ہے ذاتی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ باقی تمام مخلوق کا علم عطائی ہے۔ منطقی لوگ کے پانچ معنی کرتے ہیں وہ صرف مخلوق کے علم کی اقسام ہیں۔ علم باری تعالیٰ ان سے وراء الورا ہے ما دونوں جگہ موصولہ ہے۔ اس کے صلہ یعنی شی ء پوشیدہ ہے ایک قول ہے کہ دونوں جگہ ما مصدریہ ہے۔ پہلا قول قوی ہے۔ صلہ موصول پورا جملہ یعلمکا مفعول بہ ہے یسرون فعل مضارع سر سے بنا ہے۔ بمعنی۔ راز بھید۔ یا پوشیدہ بات۔ یہاں باعتبار شان نزول پوشیدہ جسم مراد ہے۔ یعلنون۔ مضارع معروف جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اعلان سے بنا ہے۔ بمعنی ظاہر کرنا انہ علیھم بذات الصدور۔ یہ جملہ تعلیلیہ ہے۔ ماسابق کی علت بیان کر رہا ہے۔ ان حرف تشبیہ بالفعل ہے۔ شک دور کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے ہ ضمیر واحد غائب کا مرجع یعلم کا فاعل ہے یہ ان کا اسم ہے اگلا جملہ اسمیہ ان کی خبر ہے علیم صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ جس میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ بذات الصدور۔ ب زائدہ ہے۔ لفظ ذات بمعنی ذو ہے جس کا ترجمہ ہے والا۔ صدور جمع ہے صدر کی اصطلاحاً سینے کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد ہے دل۔ ذات الصدور کا معنی ہوا دل والی باتیں۔

**تفسیر عالمانہ:** الا انھم یثنون صدورھم لیستخفوا منہ۔ خبردار بے شک وہ دوہرے کرتے ہیں اپنے سینوں کو تاکہ چھپالیں خود کو اللہ سے اے ایمان والو خبردار ہو جاؤ ان مشرکین مکہ کی پر فریب چالوں سے کہ دل میں مسلمانوں کے نبی اور اسلام سے دشمنی رکھتے ہیں اور ظاہراً تم سے بہت میٹھی زبانوں اور طرح طرح کی لالچ دینے کے انداز سے ملتے ہیں اور تمہارے پاس بڑے جھکتے ہوئے اپنے اپنے سینوں کو نیچے کرتے لپیٹتے ہوئے آتے ہیں غلط عقیدہ سے کہ شاید ہم اللہ سے چھپ گئے یہ کفار اندھے چور کی مثل ہیں کہ مالک ان کی ہر حرکت دیکھتا ہے مگر یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم دھوکا لگا گئے۔ یا اے پیارے حبیب سنو تو سہی کہ یہ بعض بھولے بھالے شرمیلے مسلمان اپنا سر کھولتے وقت۔ استنجا یا جماع کے وقت باوجود خلوت کتنے جھجکتے ہیں اپنے سینوں کو لجاحت سے سکیڑتے ہیں تاکہ چھپالیں خود کو اس اللہ سے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ الا حین یستغشون ثیابھم یعلم مای یسرون وما یعلنون۔ مزید ہوشیار ہو جاؤ اور سمجھو کہ جس وقت یہ اپنے دروازے بھی بند کر لیتے ہیں اور بستروں لحافوں میں اپنے جسموں کو چھپا لیتے ہیں اور نیند سے پہلے عادت انسانی کے مطابق جو خیالات ان کے

دل میں گذرے ہیں یا جب یہ شرمیلے مسلمان اپنے جسموں کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ تب بھی اللہ تعالیٰ ان کے تمام ان ارادوں کو جو عداوت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں پوشیدہ رکھتے ہیں یا جو آپس میں ایک دوسرے کے سامنے ظاہر کرتے ہیں یا جسم کے تمام اعضا جن کپڑوں سے پوشیدہ کر لیتے ہیں اور وہ اعضا ہاتھ پاؤں جو ظاہر کرتے ہیں اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ اور یہ جاننا کیوں ہے اس کی علت کیا ہے؟ اس لئے کہ **ان علیھم بذات الصدور** بے شک وہ اللہ جل جلالہ۔ ازل سے ابد تک اول سے آخر تک ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہر دین دنیا کی۔ ظاہر پوشیدہ، خیر وشر، دوستی، دشمنی سب کو جاننے والا ہے۔ اور ہر موقع پر ہر طرح اپنے حبیب کو کائنات کی ہر چیز سے خبردار کرنے والا ہے۔ لہٰذا ذاتی طور پر اللہ سے کچھ پوشیدہ نہیں اور عطائی طور پر اس کے حبیب علیہ السلام سے کچھ پوشیدہ نہیں پس نہ اس کو کوئی دھوکا دے سکے نہ اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو۔

**فائدے:** اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

**پہلا فائدہ:** قیامت تک ہر قسم کا کافر ہر طرح ہر مسلمان کو فریب دینے کی کوشش کرتا رہے گا خاص کر ہندو اور انگریز مسلمانوں کو چاہئے کہ ان کے فریب کاری سے ہوشیار رہیں یہ فائدہ الا فرمانے سے حاصل ہوا۔

**دوسرا فائدہ:** کڑوی دشمنی سے میٹھی دشمنی زیادہ خطرناک ہے یہاں میٹھی دشمنی کا ذکر ہے اس سے بچنا زیادہ مشکل ہے یہ فائدہ **یثنون صدورھم** سے حاصل ہوا۔

**تیسرا فائدہ:** تقویٰ یا طہارت، شرمندگی ہو یا حیاداری، نماز ہو یا روزہ وہی اچھی ہے جو رسول اللہ کے فرمان سے ہو۔ دیکھو ستر کھولنے میں جھجک اچھی ہے مگر یہاں صرف اس لئے برائی کی گئی کہ شریعت کے خلاف تھی۔ لہٰذا ملنگوں اور جھوٹے پیروں کے خود ساختہ تقویٰ سب غلط ہیں۔

**اعتراضات:** اس آیت پر چند اعتراض پڑتے ہیں۔

**پہلا اعتراض:** تنبیہ تو مجرم کو کی جاتی ہے نہ کہ غیر کو مگر یہاں الا سے تنبیہ مسلمان کو کی گئی۔ نہ کہ کفار کو کیونکہ یثنون غائب کا صیغہ ہے حالانکہ تنبیہ مخاطب کو ہوئی اور یہاں مخاطب مسلمان ہیں جیسا کہ آپ کی تفسیر سے بھی معلوم ہوا۔

**جواب:** تنبیہ دو قسم کی ہے۔ ایک ہے مجرم کو باز رکھنے کے لئے اور دوسری ہے۔ اپنوں کو بچانے کے لئے یہاں دوسری قسم مراد ہے۔

**دوسرا اعتراض:** یعلم سے پہلے حین ظرف زمانی یعلم اس کا مظروف ہوا جس سے لازم آتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس وقت جانتا ہے جب کوئی بستر میں لیٹ کر خیال یا ارادہ کر لیتا ہے پہلے نہیں جانتا اس سے لازم آیا کہ اس کا علم محدود اور حادث ہے حالانکہ اللہ کی تمام صفات غیر محدود اور قدیم ہیں۔

**جواب:** اولاً تو یہ حین کا تعلق یعلم نہیں جیسا کہ روح المعانی میں صحیح قول منقول ہے۔ بلکہ صرف یستغشون سے ہے اور یعلم کے تقدم سے مطلب ہوا کہ اس کو بھی جانتا ہے جو وہ بستروں میں چھپ کر ارادہ کرتے ہیں پس دوسری باتیں بذریعہ اولیٰ جانتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ صفات باری تعالیٰ بالقوۃ تمام قدیم ہیں مگر بالفعل اور بالظہور بعض حادث ہیں۔ لہٰذا بعد ارادہ جاننا بھی اس کی

شان کے لئے معتبر نہیں۔ اور محدود ہونا تو کسی صورت لازم نہیں آیا۔

**تفسیر صوفیانہ:** اے انوار تجلیات کے طالبو۔ بحر معرفت کے غوطہ خورو۔ اور راہ تصوف کے مسافرو خبردار ہو جاؤ کہ اس منزل کو پانا آسان نہیں ہے۔ نفس و شیطان کے ہزاروں وسوسے سے منہ لپیٹے سینوں کو دھرا کئے دوستی کے لباس میں دشمنی لے کر تم کو بھٹکانے کے لئے اس طرح آئیں گے کہ ضمیر قلب اور نفس مطمئن سے اور قوت لاشعوری سے خود کو چھپالیں۔ اور سنو کہ بعض بھولے بھالے منزل لاھوت کے نوارد۔ قلبی خطرات کو اللہ العالمین سے بھی چھپانا چاہتے ہیں۔ سمجھ لو کہ جس وقت یہ کفار حقیقت مکر کے جال میں چھپتے ہیں یا جاہل صوفی راہ ابلیس میں چل کر طرح طرح کی غیر شرعی ریاضتیں محض طلب دنیا کے لئے کرتا ہے تو یعلم ما یسرون وما یعلنون اللہ جانتا ہے جو خطرات چھپاتے اور جو نظرات ظاہر کرتے ہیں یا جو اذکار قلب چھپاتے ہیں اور جو اخبار غیب ظاہر کرتے ہیں۔ یا جو حالات چھپاتے اور جو معاملات ظاہر کرتے ہیں یا وہ فریبی جو اخلاص کو چھپاتے ہیں اور عبادات کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی باطنی خباثت اسی طرح جانتا ہے جس طرح ظاہری کو کیونکہ انہ علیم بذات الصدور بے شک وہ ہر پوشیدہ کو پیدائش سے پہلے بھی جانتا ہے۔ قلبی خطرات اور قلب کو جاننے والا ہے شعراے کہ دردِ دل نہاں کنی سرے۔ آنکہ دل آفرید میداند۔ پس اے بندہء عشق متنبہ ہو جا۔ کیونکہ قلب سلطان قالب ہے اور اعضاء ظاہر و باطنی رعایا ہیں اور نفس اور عقل مکہ قالب کے مشرک و منافق ہیں۔ عشق بھولا بھالا ہے۔ لہٰذا عشق کو بچانے کے لئے قلب کی حفاظت اشد ضروری ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ عقل نفسانی کے چار سو بیس فریبوں میں سے کسی فریب میں یہ پھنس کر ہلاک ہو۔ شعر

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے    عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم

صورت ظاہر ندارد اعتبار باطنی باید مبرا از غبار۔ وصلی اللہ تعالیٰ خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا و مولانا محمد علی آلہ وازواجہ آبائہ وبارک وسلم۔ الحمد للہ پارہ گیارھواں ختم ہوا۔ اے اللہ مجھ کو بارھواں پارہ تفسیر کے ساتھ لکھنے کی اجازت عطا فرما۔ برحمتک یا ارحم الراحمین ۱۱/۱۲/۵۷